قرآنک انسائیکلوپیڈیا

اُردو ترجمہ

جلد ہشتم

مؤلف
پروفیسر اشفاق احمد خان

(۱) مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ (سورۃُ الانعام : ۳۸)
''ہم نے (اپنی اِس) کتاب میں کوئی چیز چھوڑ نہیں رکھی۔'' (۳۸ : ۶)
(۲) وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتَابٍ مُّبِیْنٍ O (سورۃُ الانعام : ۵۹)
''اور نہ کوئی تر اور خشک چیز مگر (یہ کہ یہ سب) روشن کتاب میں (موجود) ہیں۔'' (۶:۵۹)
(۳) وَنَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ (سورۃ النّحل : ۸۹)
''(اے محبوبِ مکرّم!) ہم نے آپ پر ہر بات کو کھول دینے والی کتاب اتاری ہے۔'' (۱۶:۸۹)
(۴) وَکُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ فِیْ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ O (سورہ یٰسٓ : ۱۲)
''اور ہر چیز کا ہم نے روشن کتاب میں احاطہ کر رکھا ہے۔'' (۱۲ : ۳۶)
(۵) وَکُلُّ صَغِیْرٍ وَّکَبِیْرٍ مُّسْتَطَرٌ O (سورۃُ القمر : ۵۳)
''اور ہر چھوٹی اور بڑی بات (اس میں) لکھی ہوئی ہے۔'' (۵۳ : ۵۴)

قرآنک انسائیکلوپیڈیا (اُردو ترجمہ)

(جلد ہشتم)

مؤلف: پروفیسر اشفاق احمد خان

(سابق صدر شعبہ عربی۔ گورنمنٹ ایمرسن کالج ملتان)

مترجم: پروفیسر اشفاق احمد خان (مؤلف انسائیکلوپیڈیا ہذا)

ثاقب پرنٹرز اینڈ پبلشرز

5۔شالیمار کالونی' عقب ٹویوٹا شوروم۔ بوسن روڈ ملتان

موبائل : 0308-9217883

0301-7422684

طبع اوّل : نومبر 2014ء

ملنے کے پتے :

اندرون ملک :

(۱) پروفیسر اشفاق احمد خان۔ ۵ شالیمار کالونی، عقب ٹویوٹا شوروم، بوسن روڈ ملتان۔
موبائل : 0308-9217883
0301-7422684 (محمد جمیل۔ مارکیٹنگ منیجر)

(۲) ملتان کتاب گھر۔ بالمقابل گورنمنٹ ایمرسن کالج۔ ملتان
فون : 061-6750226

(۳) مکتبہ قاسمیہ۔ کچہری روڈ، نزد چوک گھنٹہ گھر۔ ملتان
موبائل : 0300-7300097
فون : 061- 4542085

بیرون ملک : پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد سلیم

drhafizsaleem@yahoo.com.uk.
Landline Tel : 0044-1628-823632

قیمت : ایک ہزار روپے (Rs. 1000/-)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَدَدَ مَا فِیْ عِلْمِ اللّٰہِ صَلٰوۃً دَائِمَۃً بِدَوَامِ مُلْکِ اللّٰہِ

DEDICATED TO

The Almighty's marvellous creature whose "towering and radiant personality may be likened to a beacon-light illuminating a pitch-dark night or to a diamond shining in a heap of dead stones" and without whose advent," a most important chapter in the history of mankind would have remained unwritten." ﷺ

انتساب

قادرِ مُطلق کی اُس یگانہ روزگار مخلوق کے نام جس کی رفعتوں کی حامل منوّر شخصیت اُس روشن مینار کی طرح ہے جو گمبھیر رات کی گھٹا ٹوپ ظلمتوں کو ضیا پاش کیے ہوئے ہے یا اُس ہیرے کی طرح جو خشک اور مُردہ پتھروں کے درمیان پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا ہے اور جس کے ظہور کے بغیر تاریخِ انسانیت کا ایک انتہائی اہم باب غیر منضبط رہ جاتا ﷺ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

محتویات (CONTENTS)

تاثرات --- --- --- --- پروفیسر محمد فرخ مسعود خان
پرنسپل۔ سنٹرل کالج، ملتان ۳۵۱۹

اعترافات (منجانب : مؤلف) --- --- --- ۳۵۲۰

(۱۳۵) علمِ منطق اور منطقی قضیہ (Logic & Syllogism) --- --- --- --- ۳۵۲۱

تعارف۔ منطقی قضیہ۔ قضیہ منفصلہ۔ امثلہ از قرآن مجید۔ قضیہ صغریٰ۔ قضیہ کبریٰ۔ مضامینِ قرآن کی تقسیم۔ دلائل بذریعہ: (i) تاریخ۔ (ii) منطقی استدلال۔ (iii) انسانی مشاہدہ (iv) انسانی تجربہ۔ قرآن مجید کی مثل لانے کی نااہلیت کا اعتراف مستشرقین کے قلم سے۔ مشرکین، یہود اور نصاریٰ کا قرآن مجید اور صاحبِ قرآن ﷺ کے ساتھ رویہ۔ عقیدہ متناقضہ اور اُس کا قرآنی ردّ عقیدۂ تثلیث کیا ہے؟ عیسائیت کے عقیدۂ تثلیث کی قرآن نے منطقی طور پر جڑ کاٹ دی۔ عقیدۂ تثلیث کے ردّ میں خود عیسیٰ علیہ السلام کا کلام۔ پولس یہودی اور عقیدۂ تثلیث۔ سوشنس اور عقیدۂ تثلیث۔ توحید کے بارے میں قرآنِ حکیم کا منطقی استدلال۔ سورۃ البقرۃ کی آیات ۱۱۶، ۱۱۷ کا تجزیہ۔ علت و معلول کا قانون۔ عقیدۂ کفارہ اور قرآن مجید۔ کلامِ منصف۔ یہود و نصاریٰ کے تعصب و تکبر کو منطقی طور پر پاش پاش کر دیا گیا۔ ارسطو کا پُر مغز مقولہ۔ منافقین اور قرآن۔ قرآنِ حکیم میں حکایات کی تکرار۔ مستقبل میں ہونے والے واقعات کی قرآنی پیشگوئیاں۔

(۱۳۶) لاٹری (ریفل) اور اسلام --- --- --- --- --- --- --- ۳۵۷۴

تعارف۔ لاٹری کے حامیوں کی ذہنیت۔ وراثت کی حِلت اور لاٹری کی حرمت۔

(۱۳۷) لوحِ محفوظ --- --- --- --- --- --- --- --- ۳۵۷۵

قرآن مجید میں لوحِ محفوظ کے مختلف نام۔ اُمّ الکتاب کا معنیٰ۔ لوحِ محفوظ اور ربّ تعالیٰ۔ لوحِ محفوظ اور فرشتے۔ لوحِ محفوظ اور انبیاء علیہم السلام۔ لوحِ محفوظ اور اولیائے کرام۔ لوحِ محفوظ کی تعریف میں اقوالِ مفسرین۔ اللہ تعالیٰ کا لوحِ محفوظ میں لکھنے کا مطلب۔ قضا و قدر اور اُس کا مفہوم۔

(۱۳۸) لوط علیہ السلام --- --- --- --- --- --- --- --- ۳۵۸۰
آپ کا نسب نامہ۔ آپ کی بعثت۔ لوط علیہ السلام کے فرمان مُھَاجِر" اِلٰی رَبِّیْ کا مفہوم۔ قومِ لوط۔ لوط علیہ السلام اور آپ کا تبلیغی مشن۔ ''لواطت'' کا لفظ پیغمبر کے حق میں صریحًا بے ادبی اور گستاخی ہے۔ لوط علیہ السلام اور فرشتے۔ رُکن شدید (مضبوط سہارا) کا مفہوم۔ ہم جنس پرستی (Homosexuality) کی سزا۔ اسلام کا تعزیراتی نظام ظالمانہ اور غیر مہذّب نہیں۔ چند مفید نکات۔

(۱۳۹) اہلِ بیتِ کرام سے محبت --- --- --- --- --- --- --- ۳۵۸۶
اہلِ بیت کے بارے میں قرآنی آیت۔ لفظ ''محبت'' کی تعریف۔ اہلِ بیت کی تعریف۔ اہلِ بیت کی شان میں آیتِ تطہیر (۳۳:۳۳)۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواجِ مطہرات اور اہلِ بیت۔ موسیٰ علیہ السلام کا اپنی زوجہ محترمہ کو جمع کے صیغے سے خطاب کرنے کی توجیہ۔ نبی ﷺ اور اہلِ بیت کے تصوّ ر میں تبدیلی۔ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ الکریم اور سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چند سوانحی خاکے۔ اہلِ بیت کی اقسام۔ کیا حسنین کریمین نبی اکرم ﷺ کی اولاد ہیں؟ حجاج بن یوسف اور یحییٰ بن یعمر بابت اختلاف اہلِ بیت۔ اہلِ بیت کرام اور مسلمان عقیدہ۔ اہلِ بیت کرام سے محبت اور اُن کی عزت وتوقیر احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں۔ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تعریف میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکیزگیِ دل۔ نبی کریم ﷺ کی ازواجِ مطہرات کی فضیلت کے بارے میں احادیث۔ آلِ محمد ﷺ سے محبت کا ثمر۔ حضور علیہ السلام کی آل سے محبت کا 7 مقامات پر کام آنا۔

(۱۴۰) حُبِّ الٰہی اور اُس کے تقاضے --- --- --- --- --- --- --- ۳۶۰۵
اپنے محسن سے محبت اور اُس سے لگاؤ انسان کی گھٹی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کن لوگوں سے محبت کرتا ہے؟ بندے کے لئے اللہ کی محبت کی عملی راہ۔ اللہ سے محبت کے تقاضے۔ رب تعالیٰ کی قربت ومعرفت۔

(۱۴۱) حضرت لقمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ --- --- --- --- --- --- --- ۳۶۰۹
آپ کے حسب ونسب کی بابت مختلف آراء۔ آپ کا ذکر قرآنِ حکیم میں۔ سورۃ الانعام کی آیت ۸۲ کے لفظ ''ظلم'' کا مفہوم۔ خوش خلقی قرآن مجید اور احادیث کی روشنی میں۔ اعتدال دراصل فلسفہ اسلام ہے۔ غرور ونخوت کے خلاف رسول اللہ ﷺ کی تنبیہ۔ کیا لقمان پیغمبر تھے یا حکیم تھے؟

(۱۴۲) مجوس رآتش پرست (Magians) --- --- --- --- --- --- ۳۶۱۵
تعارف۔ مجوس کا طریقِ عبادت۔ آیا مجوس اہلِ کتاب ہیں یا نہیں؟

(۱۴۳) جادو/سِحر (Magic) --- --- --- --- --- --- ۳۶۱۶
تعارف۔ جادو سے مراد۔ آیا جادو کوئی قابلِ اعتماد چیز ہے یا نہیں؟ جادو اور معوّذتین (قرآن کی آخری دو سورتیں)۔ اسلام اور جادو کے اثرات۔ سِحر اور سورۃ الفاتحہ۔ جنگ میں دشمن کے وار سے بچنے کی امید میں قرآنی آیت۔ پاگل کتے کے کاٹنے یا کسی اور جانور کے خطرے سے بچنے کے لئے قرآنی آیت۔ موسیٰ علیہ السلام اور جادوئی سحر انگیزیاں۔ جادو اور دو فرشتے (ہاروت اور ماروت بحوالہ سورۃ البقرۃ)۔ قرآن حکیم اور سلیمان علیہ السلام کی خداداد جادوئی قوّتیں۔ جادوئی عمل کی اسلام میں حیثیت۔ معجزہ بہ مقابل جادو۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معجزہ شق القمر۔ نظر بد (Evil Eye) کی حقیقت۔ تعویذات، کڑے اور دست بند۔ منکوں، سمندری صدفوں، سیپیوں اور طلسماتی تعویذات کا پہننا۔ منتر کی کسی غیر ملکی زبان میں ہونے کی حیثیت۔ بدشگونی (Omens) اور اسلام۔ جاہلی رسوم و رواج کے خلاف اسلام کی جنگ۔ اسلام اور قوم پرستی۔

(۱۴۴) مقناطیسیت (Magnetism) --- --- --- --- --- --- ۳۶۳۱
مقناطیسیت کیا چیز ہے؟ مقناطیسیت اور سورۃ الکھف کی آیت ۲۸۔ مقناطیس کیسے بنایا جائے؟ مقناطیسیت اور اولیائے کرام۔ روحانی مقناطیسیت کی ایک حیران کن مثال۔ برقی قوت پیدا کرنے والے مقناطیسوں کی خصوصیت۔ موجودہ برقی ترسیل کے نظام اور اولیاء اللہ کی مصاحبت کے مابین صوری (تمثیلی) مشابہت۔ روحانی سلاسل (چینلز) کا نظام۔ اولیاء اللہ کے خلاف بغض و عداوت رکھنا کھلے طور پر رب تعالیٰ سے جنگ کرنا ہے۔ اولیاء اللہ کی ضرورت و اہمیت مُہرِ نبوّت کی حکیمانہ تعبیر۔ نبوت و رسالت اور ولایت میں فرق۔

(۱۴۵) استقرار و نگہداشت (Maintenance and Upkeep) --- --- ۳۶۳۸
تعارف۔ کائنات کے بکھرنے یا توانائی زائل کرنے کی مقدار کا قانون (Law of Entropy and Order)۔ لا آف اینٹروپی اور قرآن مجید۔ اس قانون کا روحانی پہلو۔ قرآن مجید میں Maintenance کا لفظ نفقہ کے معنوں میں۔

(۱۴۶) پُرعناد قانونی چارہ جوئی (Malicious Prosecution) --- --- ۳۶۴۶
پُرعناد قانونی چارہ جوئی حقوق العباد کی حد درجہ خلاف ورزی اور گناہِ کبیرہ ہے۔

(۱۴۷) انسان(MAN) — — — — — — — — ۳۶۴۷

قرآن مجید کا مرکزی عنوان ''انسان''۔از روئے قرآن انسان کے ثنائی (دو) پہلو۔(۱) ایجابی پہلو: امانتِ عظمیٰ کا متحمل ہونا۔انسان میں صفتِ ملکوتیت کا غلبہ۔مقصدِ تربیت۔فرض اور خواہش کا تضاد۔فطرت بالقوۃ(Potential Nature)۔نفسِ امّارہ۔نفسِ لوّامہ۔نفسِ مطمئنّہ۔ استفادہ اور افادہ کی خلقی صلاحیت۔فکر ونظر اور علم وعمل کی اصلاح۔ذہنی تربیت۔ذہن کی ابتدائی حالتیں۔تربیتِ ذہن کی اقسام۔اخلاقی تربیت۔تربیت کی نوعیت۔(۲) سلبی پہلو (قرآن مجید کی انسان کو ڈانٹ ڈپٹ)۔ایک سوال اور اُس کا جواب۔انسان صرف اللہ ہی کا محتاج ہے۔ گناہ کی زندگی سے نفرت کے لئے صفاتِ الٰہی کا گہرا علم اور اُن پر غیر متزلزل ایمان انتہائی ضروری ہے۔

انبیاء ورُسُل علیہم السلام کی بعثت کی الٰہی پالیسی۔توحید ہی انسان کا ابتداءً مذہب رہا ہے۔خالق کا اپنی مخلوقات کے ساتھ رویّہ۔انسان کی روحانی ضروریات کی فراہمی۔ روحِ جسمِ انسانی کی حکمران ہے۔روحِ انسان کے لئے مختلف الفاظ۔انسان کی اپنے وجود سے آگاہی۔مصائب میں استقامت کردار کی افزونی کا سبب ہے۔آرام وآسائش اور کثرتِ دولت بطور معیارِ آزمائش۔بہتر مستقبل کے لئے نیکی کی راہ اختیار کرنا دانشمندی ہے۔ سورۃ البلد کی آیات ۴ تا ۲۰ کی تفسیر۔اللہ تعالیٰ نیکی کی راہ اُس کے لئے آسان کردیتا ہے جسے اُس کی چاہت ہو۔رب تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔انسان کی بربادی کا سبب۔ انسان امن وآشتی کی تلاش میں۔انسانِ کامل۔انسان' قوّت اور جاہ ومنصب۔

(۱۴۸) سماجی آداب (Manners in Society) — — — — — — ۳۶۹۹

اسلام اور ہمہ گیر مساوات(Egalitarianism)۔مسلم سماج کے آداب از روئے قرآن وحدیث: عبادتِ الٰہی اور والدین کی بے غرض' والہ وشیدا خدمت' مسلمان کا لڑائی جھگڑے سے پرہیز' مسلمان کی لڑائی ظلم وتشدد کے استیصال کے لئے۔معاشرے کی برائیاں افراد کی بُرائیوں کی پیداوار ہوتی ہیں۔بدی کا بدلہ اچھائی سے دینا۔صبر واستقامت بہترین ہتھیار ہے۔انتقام (اگر ضروری ہو) کا متوازن ومتناسب ہونا۔افراد کا فرائض کو اپنے حقوق پر ترجیح دینے ہی میں سماج کی خوش آہنگی کا راز ہے۔ حق وانصاف کی حمایت کرنا ہی صحیح راہ ہے۔کمزور وتوانا دونوں کے لئے برابر کا انصاف۔دوسروں کا نقصان چاہنا اپنا نقصان کرنا ہے۔گھر میں انسان کی خلوت کو بہر صورت تحفظ ملنا چاہئے۔فضول مشاغل سے پرہیز خرچ کرنے' دوستی اور دشمنی میں اعتدال۔اسلامی اخلاقیات کا بلند ترین معیار۔مقروض سے نرمی۔نیکی کرنے کی تاکیدی تلقین۔خدمتِ خلق بدلہ میں کچھ لینے کے لالچ میں نہ کی جائے نکتہ چینی کے وقت پُرسکون رہنا۔قرآن میں بیان کردہ مذمّتیں۔چار سنہرے نبوی اصول۔

۳۵۱۳

احترامِ ذات ۔۔خودداری ۔نظم وضبط ۔شرم وحیا اور پاکیزگیِ کردار از روئے قرآن ۔شرم وحیا کی اہمیت از روئے احادیث ۔حیا اور مغربی تہذیب ۔لوگوں کو بے سکونی سے بچانے کے لئے تمام خبروں کی جانچ پڑتال کا حکم ۔مسلم مواخات ۔احترامِ آدمیت ۔اُمراء کی دولت پر غرباء کا حق ہے ۔ زکوٰۃ ۔۔اسلامی نظامِ معیشت میں ایک انتہائی اہم عامل ۔زکوٰۃ کی اہمیت از روئے احادیث ۔سماجی خدمت کا آغاز قرآن مجید نے کیا ۔خوش اخلاقی ۔انکساری اور فروتنی ۔انکساری سے متعلق چند احادیث قول وفعل میں مکمل مطابقت کی تاکید ۔سماج میں ہر قسم کی فریب دہی کی بندش ۔اسلام میں ''کرے کوئی بھرے کوئی'' کی کوئی گنجائش نہیں ۔تحفہِ سلام اسلامی معاشرے کا طغرائے امتیاز ہے ۔عفو و درگزر ۔نجی گفتگو عفت وحیا اور بے گناہی سے ہو ۔دشمن سے بھی کئے گئے عہد و پیمان کی تکمیل ۔ایثار پسندی کی معاونت ۔حسد کی ممانعت ۔تقویٰ اور خوفِ خدا ۔مال و دولت بطور معاونت اور ذریعہ معاش قابلِ قدر ہے' اُسے غیر سنجیدہ کھلنڈرے انداز میں ضائع نہیں کرنا چاہئے ۔ آدابِ مجلس میں ایک اور اخلاقی قدر کا اضافہ ۔

آدابِ ازدواج ۔

تجارتی آداب : تمام معاہدے اور بیان تحریری شکل میں ہونے چاہئیں ۔صحیح توازن کے ساتھ ناپ تول کی تاکید ۔آجر کا اپنے ملازمین کو مشکل میں نہ ڈالنا ۔بہترین تکمیل کے نتائج کے حصول کے لئے تیار کردہ چیزوں میں مہارتِ تامّہ دکھانا ۔

(۱۴۹) آدابِ گفتگو (Manners in Speech) --- --- --- --- ۳۷۴۴

گفتگو میں زبان کی اہمیت ۔زبان کا حفاظتی پہلو اور کراماً کاتبین (بحوالہ سورۃ الانفطار) راست گوئی ۔قول وفعل میں مکمل مطابقت ۔مصیبت کے وقت صبر و استقامت ۔بہتان طرازی سے پرہیز ۔خوش اخلاقی ۔دل آزاری سے پرہیز ۔کھانے میں عیب نکالنے سے پرہیز ۔فضول باتوں کا جواب نہ دینا ۔نکتہ چینی کا جواب اطمینان سے دینا ۔ایسے سوالات سے گریز کرنا جو بعد میں پریشانی کا موجب ہوں ۔تحفہِ سلام اسلامی معاشرے کا طغرائے امتیاز ہے ۔دھیمی آواز سے بات کرنا ۔تین کی موجودگی میں اُن میں سے دو آدمیوں کو باہم سرگوشی نہ کرنے کا حکم ۔احترامِ آدمیت ۔مسلمان کی گفتگو کس طرح کی ہونی چاہئے ۔زبان پر کنٹرول اور پاکیزگیِ کردار جنت کی ضمانت ہیں ۔خاموشی بذاتِ خود اچھا عمل ہے ۔ گفتگو کا ہر حرف واضح اور شفاف اور غیر مبہم ہونا چاہئے ۔تبلیغ حق نرم اور معقول ہونی چاہئے ۔ مستشرقین کا حضور علیہ السلام کے اخلاقِ عالی کو خراجِ تحسین ۔

(۱۵۰) مقامِ محمود --- --- --- --- --- --- --- --- --- ۳۷۵۵

مقامِ محمود بہ حوالہ قرآن مجید ۔مقامِ محمود کی وجہ تسمیہ ۔محمود کا معنیٰ ۔حمد و شکر میں فرق ۔لفظ ''حمد'' کا اطلاق ۔مقامِ محمود اور شاعتِ کبریٰ ۔مقامِ محمود کی شان و مرتبہ کے بارے میں اقوالِ مختلفہ ۔

۳۵۱۴

شفاعت کی اقسام۔حساب کے بغیر جنت میں داخلے کا اعلان۔عذاب کے مستحق اُمتیوں کا جنت میں داخل ہونا۔دوزخ سے نکال کر آپ کا جنت میں داخل فرمانا۔جنت میں درجات کی بلندی کے لئے شفاعت۔اللہ تعالیٰ کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عرش پر بٹھانا۔نبی اکرم ﷺ کو شفاعت سے پہلے سبز پوشاک کا پہنایا جانا۔اللہ تعالیٰ کا نبی اکرم ﷺ سے پیار بھرا سوال۔شفاعت سے متعلق اہل مغرب کی ہرزہ سرائی۔مقامِ محمود کی وضاحت میں چند مزید احادیثِ نبویہ۔شفاعت سے انکار سے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ۔شفاعت کے منکرین کے دلائل اور اُن کا ردّ۔عقیدۂ شفاعت کے قطعی انکار میں معتدل عنصر۔بخشش اور رحمتِ رحمان ورحیم۔

(۱۵۱) ازدواج ونکاح (Marriage) --- --- --- --- --- --- --- ۳۷۷۸

جائز وقانونی جنسی تعلق کے لئے نکاح بہترین ذریعہ۔کنبہ بطور ایک خداداد الہامی ادارہ۔معاشرتی عہدوپیمان۔ایمان: معاشرے کی بنیاد۔ایمان اور کنبہ۔اسلام میں نکاح وازدواج کے مقاصد۔مسلمان عورت کو غیر مسلم مرد سے نکاح کی ممانعت۔زانیہ عورت کے ساتھ نکاح۔نکاح کے قانونی نتائج۔اسلام اور رہبانیت (ترکِ دنیا)۔کنبہ میں مرد کی حیثیت۔لفظ ''قوّام'' کی وضاحت۔سورۃ النساء کی آیت ۳۴ کی تفسیر۔خوش کن ازدواجی زندگی کی بنیاد۔بیوی کے حقوق (خاوند کے فرائض)۔خاوند کے حقوق (بیوی کے فرائض)۔

(۱۵۲) شہادت (Martyrdom) --- --- --- --- --- --- --- ۳۸۱۶

لفظ ''شہید'' کی تعریف۔شہداء کی موت کی حقیقت۔شہید کی جسمانی وروحانی حیات۔شہادت کی فضیلت۔نبی کے جسم کو نہ تو زمین کھاتی ہے اور نہ ہی وہ گلتا گھلتا ہے۔

(۱۵۳) قرآن مجید کے عجائبات ونوادرات (Marvels of the Quran) --- ۳۸۲۰

اعجاز القرآن۔معجزہ کیا ہے؟ قرآن مجید کا چیلنج۔اعجاز القرآن کے مختلف پہلو۔قرآن مجید اور کمپیوٹر مطالعہ۔19 کا عدد اللہ کو کیوں پسند ہے؟ کھلم کھلا چیلنج۔حروفِ مقطعات کا کمپیوٹرائی نظام۔مقطعاتی سورتوں کا اپنا معجزاتی کمپیوٹرائی نظام۔بہ لحاظ ترتیب زمانی آخری سورۃ النّصر کا ہندسی اعجاز۔اللہ کے بعض صفاتی ناموں کا ہندسی معجزہ۔لفظ قرآن کا معجزہ۔لفظ صلوٰۃ کا معجزہ۔لا إلٰہ إلّا اللہ کا حیرت انگیز معجزہ۔نفسِ لوّامہ (ضمیر) کمپیوٹر کی مانند۔علمِ جینیات (Genetics) اور قرآن مجید۔سائنس اور سائنسی تحقیق کیا ہے؟ سائنس اور قرآن۔وہ سائنسی تحقیقات جو قرآن کے بالکل موافق ومطابق ہیں۔کچھ کمپیوٹرائی تراکیب کی طرف اشارات۔مستشرقین کا یہ الزام کہ محمد (ﷺ) نے اپنے ہم عصر اہلِ علم وفضل کے اثر کے تحت ان سائنسی حقائق کی نقاب کشائی کی اور اس کا جواب۔قرآنی اصطلاحات کے مابین عددی موافقت۔سات (7) کا حیران کن عدد۔قرآن مجید پر چند مستشرقین کا تبصرہ۔

(١٥٤) اشتراکیت (Marxism) اور اسلام --- --- --- --- --- --- ٣٨٥٤

تعارف ۔ اسلام کا معاشی نظام بمقابلہ نظامِ اشتراکیت : مذہب اور روحانیت ۔ ذاتی ملکیت کا حق ۔ معاشی مساوات ۔ طبقاتی کشمکش ۔ جبر و تشدد بالمقابل امن و آشتی ۔ بنیادی فلسفہ حیات کا فرق ۔ معاشی اصول ۔ اجتماعی فلاح و بہبود ۔ جذبہ کار ۔ سرمایہ داری کا خاتمہ ۔ ''اسلامی سوشلزم'' کا نعرہ محض فریب ہے ۔ اشتراکیت میں اقتصادی مساوات، بطور مثالی نمونہ ۔ اقتصادی انصاف بمقابل اقتصادی مساوات ۔ اشتراکیوں اور کمیونسٹوں کے ''دولت کی مساویانہ تقسیم'' کے خیالی اور تصوراتی نظریے کے ردّ میں قرآنی آیات ۔ سماجی انصاف اور اسلام کو اشتراکیت کے ساتھ گڈمڈ نہیں کرنا چاہئے ۔ اشتراکیوں کے نزدیک ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی مثال سماجی انصاف (قانونی مساوات) ۔

(١٥٥) مساکیت (Masochism) اور اسلام --- --- --- --- --- -- ٣٨٦٤

تعارف ۔ مساکیت اور خدمتِ خلق ۔ مثال اصحابِ صُفّہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ۔

(١٥٦) علمِ ریاضی (Mathematics) --- --- --- --- --- ٣٨٦٦

تعریف ۔ اللہ تعالیٰ خود بہت بڑا ریاضی دان ہے ۔ علم الاعداد اور علم الحساب ۔ اعداد کا قرآنی استعمال عبادات کی کچھ اقسام میں ۔ شمس و قمر کے بیان میں قرآن مجید کا کچھ مقامات پر ریاضیاتی مسائل کا حوالہ دینا ۔ کچھ قرآنی آیات کا ''وقت و زمان'' کے مفہوم کو نئی جہت دینا ۔ قرآن اور نوری سال (Light-year) ۔ قوانینِ وراثت کے ریاضیاتی پہلو ۔ میزان اور علمِ ریاضی ۔ لفظ ''حساب'' کے مختلف معانی ۔ غیر مختتم عطیاتِ الٰہی کیوں ؟ کائنات کی چھوٹی سے چھوٹی بنیادی اکائی (Molecule) کا ریاضیاتی قانون کے تابع ہونا ۔ ہر مخلوق کے عرصہ حیات کا عددی طور پر مقرر رہنا ۔ جینیاتی ضابطہ اور ریاضیاتی پروگرام ۔ ریاضی کی چار شاخیں :

(1) علم الہندسہ (2) الجبرا (3) جیومیٹری (4) علم مثلثات (Trigonometry)

(1) علم الہندسہ (Arithmetic) : اعداد کو بہ ترتیب شمار کرنا ۔ لنگڑی کسر / سادہ کسر (Vulgar Fraction) ۔ اعداد کا اعشاری نظام ۔ کسر (Fraction) ۔ شمار کنندہ (Numerator) ' نسب نما (Denominator) ' حاصلِ قسمت (Quotient) ۔ قدرتی اعداد ۔ درجاتی اعداد (Ordinal Numbers) ' اعدادِ ترتیبی (Cardinal Nos.) مرکب اعداد (Compound Numbers) ۔ منتشر اعداد (Scattered Numbers) ۔ Geometric Progression, Arithmetic Progression ۔ جمع (+) کا عمل ۔ نفی (۔) کا عمل ۔ ضرب (X) کا عمل ۔ تقسیم (÷) کا عمل ۔ میزان / مجموعہ ۔ باہم مبادلہ (Reciprocity)

(2) <u>الجبرا</u>: تعارف ۔ الجبرائی علامات(Alebraic Expressions)۔ عددی سر (Coefficient)۔قوت نما(Exponent)۔مساوی ہونا(= Equal to)۔غیر مساوی ہونا (Not Equal to =)۔مساوی کرنا یا بنانا(Equalisation)۔فارمولہ۔گروہ بندی کرنا اور حالتِ اتصال(Permutations, Combinations)۔ Greater than ۔Less than

<u>بولین الجبرا</u>: بولین الجبرا کا بانی ۔ بولین الجبرا کے عناصر ۔ منطقی مشین کار (Logical Operators) : (1)"Not" Unary Operator (2) -Opera "AND" -tion "Operation"OR".

سیٹ (SET) اور اس کے ارکان ۔Null Set or Empty Set۔Finite and Infinite Set۔Subset۔Union of Sets۔سیٹوں کا تقاطع (Intersection of Sets)

(3) <u>جیومیٹری</u>: تعریف ۔ جیومیٹری علم ریاضی کی قدیم ترین تاریخ ۔ جیومیٹری اور اہلِ بابل <u>مختلف اصطلاحات قرآن حکیم کی روشنی میں</u>: زاویہ۔قاعدہ(Base)۔ہم مرکز ہونا۔موافقت (Congruence)۔مکعب(Cube)۔منحنی خطوط۔وتر۔ڈائی مینشن۔مرکز سے منحرف(Eccentricity)۔ ارتفاع۔ گھیرے میں لینا(Encircle)۔ مساوی فاصلے پر ہونا(Equidistant)۔ مسدّس (Hexagon)۔تقاطع(Interception)۔وسطی عدد(Median)۔مدار(Orbit)۔متوازی خطوط ۔ کسی محدود شکل کی حدود(Perimeter)۔ چوگوشیا شکل(Quadrangle) تناسب(Ratio)۔گردش رچکر(Rotation)۔سکیلر۔خطِ مستقیم۔مثلث۔Vector۔ علم ریاضی میں مسلمان ریاضی دانوں کی خدمات ۔

(۱۵۷) پختگی، بلوغ(Maturity)--- --- --- --- --- --- ۳۹۱۰

تعارف ۔ بلوغ کی تین اقسام : (۱) جسمانی پختگی ۔ یتیم کا مال کھانے میں فقہائے احناف کا مسلک ۔ (۲) ذہنی پختگی (۳) روحانی پختگی ۔ بلوغ رپختگی رب تعالیٰ کی تخلیقی قوت کا ثبوت ہے۔

([illegible]) پیمائش(Measurement) کا عمل --- --- --- --- --- --- ۳۹۱۴

تعریف ۔طول کی پیمائش ۔ رقبے کی پیمائش ۔حجم کی پیمائش ۔ وزن کی پیمائش ۔ وقت کی پیمائش ۔ پیمائش کی درستی کا الٰہی حکم ۔

(۱۵۹) ذرائع ابلاغ(Media) اور قرآن --- --- --- --- --- ۳۹۱۹

دورِ جدید میں ابلاغِ عامّہ کی اہمیت ۔ دورِ جدید میں ذرائع ابلاغ کی اہمیت ۔ ابلاغِ عامّہ کا مقصد ازروئے قرآن ۔ میڈیا کی آزادی کی حدود ۔ مغربی میڈیا کی اقدار ہماری منزل نہیں ۔ میڈیا اور عدل واحسان ۔ عدل اگر معاشرے کی اساس ہے تو احسان اُس کا جمال وکمال ہے ۔ جمعۃ المبارک کے ضمیمے اور ہمارے اخبارات ۔ حُسن کے مقابلہ جات دراصل ننگے پن کے مقابلے ہیں ۔ جنسی کشش کے بارے میں چار خطرناک چور گڑھے (Pitfalls) ۔ ٹیلیویژن ۔ اشتہارات اور اُن کا منفی پہلو ۔ فلم ۔ وی سی آر ۔ تصویری صحافت ۔ کارٹون ۔ کیسٹ اور سی ڈی ۔ انٹرنیٹ ۔ وقائع نگاری کے آداب ۔ معروضی وقائع نگاری ۔ اداریہ نگاری کے آداب ۔ پرنٹنگ پریس ۔ ذاتی شہرت کی تمنا باعثِ ہلاکت ہے ۔

(۱۶۰) میڈیکل سائنس (Medical Science) --- --- --- --- --- ۳۹۴۷

ازروئے حدیثِ نبوی، علم تو دو ہی ہیں: علم الادیان اور علم الابدان ۔ علم الادیان میں آدمی کو اس کائنات میں اپنا مقام معلوم ہوتا ہے جبکہ علم الابدان سے واقفیت اُسے مذہبی فرائض کی تکمیل مستعدی سے ادا کرنے کے قابل بناتی ہے ۔ صفائی اور پاکیزگی کی اہمیت ازروئے قرآن مجید ۔ پانچ باقاعدہ نمازوں میں وضو کا مقام بہ لحاظ طب ۔ اسلام کی طہارت پسندی بہ مقابل دیگر مذاہب ۔

چند متعلقہ اصطلاحات قرآن وحدیث اور فقہی فیصلوں کی روشنی میں: اسقاطِ حمل ۔ کسی حصّہ جسم کا کاٹنا (Amputation) ۔ چور کا ہاتھ کاٹنے کی حکمت ۔ درد سے نجات، تسکین (Analgesia)

امراضِ قلب کی روک تھام میں اسلامی طریقہ علاج: اسلامی طرزِ حیات کے ذریعے روک تھام ۔ نماز کے ذریعے روک تھام ۔ نمازوں کے اوقات اور انسانی معدہ کے خالی یا پُر ہونے کے مابین مطابقت ۔ اعتدال کے ساتھ کھانے کی عادت کے ذریعے امراضِ قلب کی روک تھام

امراضِ قلب کا دفاع بذریعہ غذا: انجیر ۔ زیتون ۔ لہسن ۔ پیاز ۔ انگور ۔ گوشت ۔ گائے بھینس کا گوشت ۔ بکرے، دنبے، بھیڑ کا گوشت ۔ مچھلی اور پرندے کا گوشت ۔ خنزیر کے گوشت اور شراب سے پرہیز کے ذریعے امراضِ قلب کی روک تھام ۔ خنزیر کے گوشت (پورک) کا استعمال متعدد بیماریوں کا موجب بنتا ہے ۔ الکوحل اور شراب ۔

علم تشریح الابدان یا علم تشریح الاعضاء: نظامِ تنفس ۔ نظامِ انہضام ۔ تولیدی نظام ۔ نظامِ اعصاب ۔ تشریح الاعضاء کی بابت چند قرآنی اقتباسات ۔

قرآن مجید اور انسانی جنین (Human Embryology) کا مطالعہ: جہانِ اکبر (Macrocosm) اور جہانِ اصغر (انسان Microcosm) میں علاماتِ الٰہی ۔

انسان کی تخلیق ماء مَّہین (حقیر پانی کی بوند) سے۔نطفہ سے انسان کی تخلیق۔تخلیقِ انسانی نطفہ اَمشاج کے ذریعے۔رحمِ مادر بطور محفوظ جگہ (قرار مّکین)۔جنین کے ارتقاء کے پے در پے مراحل۔رحم کے تین تاریک پردے اور اُن کی تفصیل۔عَلَقة۔ مُضْغَة۔ ہڈیوں اور گوشت کی تشکیل۔ایک نئی اور انوکھی پیدائش (خَلْقًا آخر)۔تحدیدِ نسل (برتھ کنٹرول)۔فصد کھولنا اور سینگی لگوانا۔کولیسٹرول۔جلدی امراض کا مطالعہ۔علم عظمیات (استخوانی اجسام کی ترکیب کا علم (Osteology) حمل کے لئے حمرۃ الدم ٹیسٹ(Haemaoglutination Test)۔ وضعِ حمل اور اُس کی تکالیف(Parturition)۔پیدائش کی تفصیل۔کہولیات (عمر رسیدگی اور اس کے خصوصی مسائل کا سائنسی علم(Gerontology)۔عملِ جراحی(Surgery)۔نظامِ تنفس (سانس لینے کا نظامRespiratory System)۔علاج کا ثبوت قرآنِ حکیم سے۔ علاج کا ثبوت احادیثِ مبارکہ سے (جاری ہے)

مراجع ومصادر(Bibliography) --- --- --- ۳۹۸۸

اشاریہ قرآنی(Qur'anic Index)--- --- --- ۳۹۹۵

اشاریہ احادیث مبارکہ(Ahadith Index) --- --- ۳۹۹۹

اشاریہ عمومی(Index General) --- --- ۴۰۰۱

تاثرات

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری آسمانی کتاب ہے۔ مخالفین اور اغیار کی سرتوڑ کوشش کے باوجود اس کا ایک ایک حرف اور ایک ایک نقطہ من وعن محفوظ ہے کیونکہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ نے لیا ہوا ہے۔ ملکِ عرب میں اس کا نزول ہوا' مصروامصار میں پڑھا گیا۔ برِّصغیر میں اُس کی تشریح وتفسیر کا عمل بلندیوں کو چھونے لگا۔ سینکڑوں علماء وفضلاء اور مفسرین نے قرآن مجید کے علوم پر تحقیق کی اور تفاسیر لکھیں۔ اردو' عربی' فارسی اور دنیا کی تمام زبانوں میں اس کی لاتعداد تشریحات موجود ہیں اور ہر شارح نے اپنی اپنی بساط کے مطابق اس بحرِ ذخار میں سے گوہرِ نایاب نکالنے کی مبارک کوششیں کی ہیں۔ لطف یہ کہ اس کتابِ مبین پر ہمہ جہتی' ہمہ نوع اور انسائیکلو پیڈک کام ہونے کے باجود یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ اس پر کام مکمل ہو چکا ہے اور یہ کہ اب (اَلْعیاذ باللہ) اس پر مزید کام کی گنجائش نہیں ہے۔

نامور عالمِ دین' حافظ قرآن پروفیسر اشفاق احمد خان کی تمام عمر قرآن وحدیث کی تدریس و ترویج میں گزری ہے۔ اِن دونوں شعبہ ہائے دین میں اُنہوں نے گہرا مطالعہ کیا اور تحقیق کی تہ تک پہنچے۔ اُن کا علم آشنا قلم نہایت تحقیق اور ذمہ داری کے ساتھ موتی بکھیرتا ہے۔ اجرامِ فلکی سے لے کر علومِ ارضی تک' انسان سے حیوان تک' قطرے سے قلزم تک' فضا سے ہوا تک اس کی عظمت کے رنگ موجود ہیں۔

کیمسٹری' فزکس' بیالوجی' ریاضی اور جغرافیہ کے موضوعات پر محققین اپنے لوازمات کی سچائی کے لئے قرآنی آیات کا سہارا تلاش کرتے ہیں۔ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں قرآن مجید نے اپنی تحقیق میں تشنگی کا احساس رکھا ہو کیونکہ وہ ہر قدم پر راہ نمائی کرتا ہے۔ یہ مشکل اور تحقیق وتدقیق کا کام پروفیسر موصوف کے قلم کا رہینِ منّت ہے جو جہالت کے گنجلک اندھیرے میں علم کی ضیا پاشیاں کرتا ہے۔ اُن کا تحقیقی کام گہرے مطالعہ کا نتیجہ ہے جو سترہ اٹھارہ برس کے طویل عرصہ پر محیط ہے۔ قرآنک انسائیکلو پیڈیا (حصہ انگریزی) کی چھ ضخیم جلدیں مکمل ہونے کے بعد اب بحمدہٖ تعالیٰ اس کے اردو ترجمہ کی آٹھ جلدیں چھپ کر آ چکی ہیں جو ایم۔ فل اور پی ایچ ڈی کے طلباء اور تحقیق وتدقیق کا ذوق رکھنے والوں کے لئے ایک منفرد' فقید المثال تحفہ ہے جس میں علوم متداولہ سے کما حقہٗ آگاہی کے ساتھ ساتھ عظمتِ رسالت کو جگہ جگہ اجاگر کیا گیا ہے اور مخالفین کے اعتراضات کا مُسکت (Silencing) اور بہ دلائل جواب دیا گیا ہے۔ رب تعالیٰ مؤلف کو اجرِ عظیم عطا کرے۔ آمین!

پروفیسر محمد فرخ مسعود خان
پرنسپل۔ سنٹرل کالج۔ ملتان

9.10.2014

اعترافات (منجانب : مؤلف)

حدیثِ نبوی ہے: لَا یَشْکُرُاللّٰہَ مَنْ لَّا یَشْکُرِ النَّاسَ یعنی جو شخص لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا بھی شکر گزار نہیں ہوتا۔ اس فرمانِ عالی کے مدِّ نظر مجھے اپنے کرم فرماؤں کی معاونت کا پورا پورا احساس ہے اور نہاں خانہ دل سے ان سب محسنین کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

اس طول طویل تفصیل میں سرِ فہرست میرے والدین کریمین ہیں جنہوں نے مجھ ناچیز کو قرآنِ حکیم کی نعمتِ غیر مترقبہ سے مالا مال کیا جس کے لئے بندے کا رُواں رُواں اور ہر ہر سانس اُن کی مغفرت اور جنات الفردوس میں مقامِ ارفع واعلیٰ کے لئے ربّ ذوالجلال والاکرام کے حضور فریاد کناں رہتا ہے۔

اپنے روحانی استادِ معظم جناب مولانا منظور احمد خان پٹیالوی رحمۃ اللہ علیہ کی مغفرت اور ترقیِ درجات کے لئے بھی دعا گو ہوں جنہوں نے قرآن مجید صحیح مخارج حفظ کرانے کے ساتھ ساتھ بندۂ پُر خطا میں حُبّ اللہ و حُبّ الرسول کی لَو سلگائی اور وقتاً فوقتاً اس لَو کو تیز سے تیز تر کرتے رہے۔

استادِ محترم جناب احمد نواز خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بھی مغفرت اور بلندیِ درجات کے لئے ربّ العالمین کے حضور دست بہ دعا رہتا ہوں جنہوں نے اپنی بے لوث اور بے غرض محنت سے بندے میں حصولِ علم کی لگن اور تڑپ پیدا کی جس کی بدولت میں اپنے خالقِ رحیم وکریم کا ابدی پیغام انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں اُس کے بندوں تک پہنچانے کے قابل ہوا ہوں۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم، وائس چانسلر سرگودھا یونیورسٹی کا بھی ممنونِ احسان ہوں جو وقتاً فوقتاً اپنے مفید مشوروں سے نوازتے رہتے ہیں اور اس کارِ خیر میں راقم کی حوصلہ افزائی کرتے رہتے ہیں۔

انتہائی ناقدر شناسی ہوگی اگر اس موقع پر جناب پروفیسر فرخ مسعود خان (پرنسپل) سنٹرل کالج ملتان کا شکریہ ادا نہ کروں جنہوں نے اپنی گوناں گوں مصروفیات میں سے قیمتی وقت نکال کر انسائیکلو پیڈیا پر اپنے تاثرات عطا کرنے کے ساتھ ساتھ ''ریاضی'' کے عنوان پر نظرِ ثانی بھی کی۔ اسی طرح بھائی محمد رمضان چوہدری صاحب (انجینئر) نے بھی بولین الجبرا کا تعارف اور پھر اُس میں نظرِ ثانی کر کے راقم کی معلومات میں گراں قدر اضافہ فرمایا۔

جناب نوروز خان صاحب (ہیڈ لائبریرین اسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ، اسلام آباد) کو بھی ہدیہ تشکر پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے ہر بار کمال فراخدلی سے میری علمی راہ نمائی فرمائی اور اپنی وسیع وعریض لائبریری سے استفادہ کرنے کا بھرپور موقع فراہم کیا۔

11.10.2014 آئی۔اے۔خان

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ O

(۱۳۵) علم منطق اور منطقی قضیّہ (Logic and Syllogism)

"منطق ایک ایسا علم ہے جو اُن اصول و قواعد کی تحقیق و تفتیش کرتا ہے جو صحیح یا قابلِ اعتماد نتیجہ کو کنٹرول کرتے ہیں۔"
(Hamlyn Encyclopedic World Dictionary, p. 933) Gr. Britain

"منطقی قضیّہ (Syllogism) دو قضیّوں (Premises) اور ایک نتیجہ (Conclusion) کو شامل استدلال ہوتا ہے۔ دو حتمی منطقی قضیّوں کے دونوں قضیّے ثبوت طلب استدلال کو شامل ہوتے ہیں اور اُن کے درمیان تین نمایاں اصطلاحات (کبریٰ وصغریٰ قضیّہ اور نتیجہ) پائی جاتی ہیں جیسے ہم کہیں کہ:

تمام انسان فانی ہیں (کبریٰ قضیّہ)
سقراط ایک انسان ہے (صغریٰ قضیّہ)
اس لئے سقراط فانی ہے (نتیجہ)۔

منطقی قضیّہ کے مفروضہ میں کم از کم ایک قضیّہ کا ہونا لازمی ہوتا ہے۔ جیسے:

سمتھ ووٹ دینے کا اہل ہے، وہ شہری ہے (کبریٰ قضیّہ)
سمتھ ووٹ دینے کا اہل ہے (صغریٰ قضیّہ)
لہٰذا سمتھ شہری ہے (نتیجہ)۔

قضیّہ منفصلہ (جو دو متبادل صورتوں کو ظاہر کرے) میں کم از کم ایک قضیّہ کا ہونا ضروری ہے۔ جیسے:

سمتھ یا تو شہر سے باہر ہے یا وہ بیمار ہے (کبریٰ قضیّہ)
سمتھ بیمار نہیں ہے (صغریٰ قضیّہ)
لہٰذا وہ شہر سے باہر نہیں ہے (نتیجہ)۔

قرآن مجید ایسی کئی مثالوں سے بھرا پڑا ہے جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

(1) مَا كَانَ إِبْرَٰهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَٰكِن كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ O
(آل عمران: ٦٧)

"ابراہیم (علیہ السلام) نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی، بلکہ سیدھے سادے مسلمان تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے۔" (۳:۶۷)

ابراہیم علیہ السلام نہ ہی یہودی اور نہ ہی نصرانی تھے (قضیہ صغریٰ)
اور نہ ہی وہ مشرک تھے (قضیہ کبریٰ)
وہ سیدھے سادے انسان تھے جنہوں نے اپنے سراپا کو رب کے حضور مطیع کر دیا تھا (نتیجہ)۔

(2) لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ "إِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (الانبیاء : ۲۲)
"اگر ان دونوں (زمین و آسمان) میں اللہ کے سوا اور (بھی) معبود ہوتے تو یہ دونوں تباہ ہو چکے ہوتے۔" (۲۲ : ۲۱)
اگر اللہ کے سوا اور معبود ہوتے (قضیہ صغریٰ)
قضیہ کبریٰ محذوف ہے اور وہ یہ ہے کہ
(آسمان و زمین میں کوئی تباہی یا بے ترتیبی نہیں ہے)
لہٰذا آسمان و زمین میں اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں ہے۔

(3) إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ أَنتُمْ لَهَا وَارِدُونَ ○ لَوْ كَانَ هٰؤُلَاءِ آلِهَةً مَّا وَرَدُوهَا وَكُلٌّ " فِيهَا خَالِدُونَ ○ (سورة الانبیاء : ۹۸، ۹۹)
"بے شک تم اور جن بتوں کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، وہ سب جہنم کا ایندھن ہیں، تم اس میں داخل ہونے والے ہو۔ اگر یہ (واقعتہً) معبود ہوتے تو جہنم میں داخل نہ ہوتے اور وہ سب اس میں ہمیشہ رہیں گے۔" (۹۸، ۹۹ : ۲۱)
(قضیہ صغریٰ) : اگر یہ (واقعتہً) معبود ہوتے تو جہنم میں داخل نہ ہوتے اور ہمیشہ اس میں نہ رہتے۔
قضیہ کبریٰ محذوف ہے اور وہ یہ ہے کہ:
دوزخ میں اُن کا رہنا مقدر ہو چکا ہے
نتیجہ: لہٰذا وہ کسی بھی طرح معبود نہیں ہو سکتے۔

(4) مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِن وَلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلٰهٍ إِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ إِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُونَ ○ (المؤمنون : ۹۱)
"اللہ نے کسی کو بھی بیٹا نہیں بنایا اور نہ اُس کے ساتھ کوئی اور معبود ہے، اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق کو جدا کر لیتا اور (پھر) ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا۔" (۹۱ : ۲۳)

(قضیہ صغریٰ) : اللہ نے کسی کو بھی بیٹا نہیں بنایا اور نہ اُس کے ساتھ کوئی اور معبود ہے۔
(قضیہ کبریٰ): اگر کئی معبود ہوتے تو ہر خدا اپنی مخلوق کو جدا کر لیتا اور (پھر) ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا
نتیجہ : چونکہ ان دونوں اندیشوں کا وقوع ممکن نہیں لہٰذا کئی خدا نہیں ہو سکتے۔

(5) قرآنی منطقی نظام میں بعض اوقات محض ایک فقرہ کبریٰ اور صغریٰ کے دونوں قضیوں کو شامل ہوتا ہے جن سے نتیجہ اخذ کرنا چنداں مشکل نہیں ہوتا۔ جیسے سورۃ الاحزاب کی یہ آیت :

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ (الاحزاب :۳۲)

''اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔'' (۳۳:۳۲)

قرآنی بیان : نبی علیہ السلام کی بیویاں عام عورتوں کی طرح نہیں ہیں۔

نتیجہ: لہٰذا اُن کے شوہر نامدار ﷺ جن کی وجہ سے اُن ازواج کو اتنا بڑا اعزاز مل رہا ہے' عام مردوں کی طرح ہرگز نہیں ہیں۔

(6) كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ○ (المطففین : ۱۵)

''حق یہ ہے کہ بے شک اُس دن اُنہیں (کفار کو) اپنے رب کے دیدار سے (محروم کرنے کے لئے) پس پردہ کر دیا جائے گا۔'' (۱۵ : ۸۳)

قرآنی بیان : اُنہیں اپنے رب کے دیدار سے پس پردہ کر دیا جائے گا۔

نتیجہ: اُن کے الٹ (یعنی نیک و پارسا) لوگوں کو اپنے رب کے دیدار سے پس پردہ نہیں کیا جائے گا بلکہ وہ ہمیشہ اپنے رب کے دیدار سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کرتے رہیں گے۔ گویا اس آیت میں دیدارِ الٰہی کا ثبوت ہے۔

(7) لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ ○ (الزمر : ۶۵)

''اگر آپ نے شرک کیا تو یقیناً آپ کا عمل برباد ہو جائے گا اور آپ ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔'' (۶۵ : ۳۹)

پہلا بیان : اگر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے (معاذ اللہ) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا۔

دوسرا بیان: تو آپ کا عمل برباد ہو جائے گا اور آپ ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوں گے۔

نتیجہ : چونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہرگز مشرک نہیں ہو سکتے بلکہ آپ تو توحید الٰہی کا منبع اور اپنے خالق و مالک کے بے مثال اطاعت گزار' وفادار بندے ہیں' لہٰذا آپ کا خسارے میں رہنے والوں میں سے ہونے یا آپ کے عمل کے رائیگاں ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ آپ کی ذاتِ ستودہ صفات تو ہمہ وقت اپنے خالق و مالک کی غیر منقطع رحمت کی برکھا میں ہے جس کے نتیجہ میں اللہ اپنی تمام مخلوقات کو خواہ وہ نافرمان ہیں یا اطاعت گزار' طرح طرح کی نعمتوں سے نواز رہا ہے۔ سورہ بنی اسرائیل میں اسی سلسلہ میں فرمایا:

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ○ (بنی اسرائیل:۲۰)

''ہم ہر ایک کی مدد کرتے ہیں اِن (طالبانِ دنیا) کی بھی اور اُن (طالبانِ آخرت) کی بھی۔ (اے حبیبِ مکرّم! یہ سب) کچھ آپ کے رب کی عطا سے ہے اور آپ کے رب کی عطا (کسی کے لئے) ممنوع اور بند نہیں ہے۔'' (۲۰ : ۱۷)

اگر بہ نظرِ انصاف دیکھا جائے تو مذکورہ بالا آیت (۳۹:۶۵) منصبِ رسالت کی شانِ رفعت کے بیان میں ہے کہ رسول کا شرک کرنا ناممکن اور محال بالذات ہے اور اسی ناممکن امر کی وجہ سے رسول کے اعمال ضائع نہیں ہوتے اور وہ خسارہ پانے والوں میں سے نہیں ہوتا۔ جیسا کہ درجِ ذیل آیت بھی اسی مضمون کی حامل ہے:

(8) وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ O ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ O فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِيْنَ O (الحآقّة : ۴۴۔۴۶)

''اور اگر نبی (علیہ السلام) ہم پر کوئی (ایک) بات بھی گھڑ کر کہہ دیتے تو ہم یقیناً اُنہیں پوری قوت وقدرت کے ساتھ پکڑ لیتے، پھر ہم ضرور اُن کی شہ رگ کاٹ دیتے، پھر تم میں سے کوئی بھی (ہمیں) اُس سے روکنے والا نہ ہوتا۔'' (۴۴۔۴۶ : ۶۹)

قضیّہ صغریٰ : اگر نبی ہم پر کوئی (ایک) بات بھی گھڑ کر کہہ دیتے تو ہم یقیناً اُن کی شہ رگ کاٹ دیتے۔
قضیّہ کبریٰ : محذوف ہے اور وہ یہ ہے کہ نبی علیہ السلام شہ رگ کبھی نہیں کاٹی گئی۔
نتیجہ: لہٰذا نبی مکرّم علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے متعلق کوئی بھی بات نہیں گھڑتے اور آپ اللہ کے سچے رسول ہیں ﷺ۔

درجِ بالا (۴۴۔۴۶ : ۶۹) آیات نبی آخر المرسلین ﷺ کی ذاتِ والا صفات کے حق میں پُر عطر خراجِ تحسین کا سدا بہار سہرا اور نبوت کے ماتھے کا پُر نور اور لازوال جھومر ہیں۔ یہ آیات آپ ﷺ کی مذمّت میں ہرگز ہرگز نہیں ہیں جیسا کہ بعض پُر عناد طبقات کی جانب سے سننے میں آتا ہے۔ نبوت کے مقام کو سمجھنے کے لئے:

دلِ بینا بھی کر خدا سے طلب ۔۔۔ کہ آنکھ کا نور دل کا نور نہیں ۔۔۔ (اقبالؔ)

قرآن مجید کے مضامین کو چار بڑے عنوانات کے تحت تقسیم کیا جا سکتا ہے اور ہر قرآنی آیت درجِ ذیل کسی ایک تحتی تقسیم (Sub-head) کو شامل ہوتی ہے:

(الف) عقائد ۔۔۔ (ب) احکام
(ج) حکایات وقصص ۔۔۔ (د) امثال (Parables)

۳۵۲۵ (علم منطق اور منطقی قضیّہ)

(الف) عقائد (اثباتی پہلو)

عقائد میں قرآن مجید تین بنیادی عقائد پیش کرتا ہے :
(۱) توحید (۲) رسالت (۳) یومِ آخر والحساب

اِن تینوں اصولی عقائد کی صداقت کے ثبوت میں قرآن مجید متعدد دلائل پیش کرتا ہے۔ پھر اُن دلائل کو چار قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے :

(1) دلائل بذریعہ تاریخ (یعنی تاریخ سے ایسے دلائل پیش کرنا جو فریقِ مخالف کو قابلِ قبول ہوں)
(2) دلائل بذریعہ منطقی استدلال۔
(3) دلائل بذریعہ انسانی مشاہدہ۔
(4) دلائل بذریعہ انسانی تجربہ۔

(1) دلائل بذریعہ تاریخ : نبی آخرالزماں ﷺ کی رسالت کی صداقت میں قرآن مجید یہ دلیل پیش کرتا ہے:
(۱) اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰةِ وَ الْاِنْجِيْلِ (الاعراف : ۱۵۷)
''(یہ وہ لوگ ہیں) جو اس رسول (ﷺ) کی پیروی کرتے ہیں جو اُمّی (لقب) نبی ہیں جن (کے اوصاف وکمالات) کو وہ لوگ اپنے پاس تورات وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔'' (۷ : ۱۵۷)
(۲) وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ○ (الشّعراء : ۱۹۶)
''اور بے شک یہ پہلی امتوں کے صحیفوں میں (بھی مذکور) ہے۔'' (۲۶ : ۱۹۶)

یہ آیات کتبِ سماویہ کی اُن پیش گوئیوں اور خوش خبریوں کی طرف اشارہ کر رہی ہیں جن میں نبی آخر الزماں ﷺ کی آمد کا ذکر ہے۔ مثلاً آج کی تحریف شدہ تورات میں بھی آپ ﷺ کا ذکرِ خیر موجود ہے:

''خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے اُن پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدّوسیوں کے ساتھ آیا اور اُس کے داہنے ہاتھ ایک آتشی شریعت اُن کے لئے تھی۔'' (استثناء ۳۳:۲)

آتشی شریعت بھی ہمارے رسول علیہ السلام کی تھی۔ فتح مکہ کے وقت آپ ﷺ ہی شہر میں دس ہزار پاک نفوسِ صحابہ قدّوسیوں کے جلو میں داخل ہوئے اور سینا (موسیٰ علیہ السلام) اور شعیر (عیسیٰ علیہ السلام) کی نبوتوں کے بعد فاران سے جو نورِ نبوت جلوہ گر ہوا وہ بھی ہمارے ہی نبی علیہ السلام کا تھا (فاران مکہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے)۔

اسی طرح انجیل میں عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریوں کو اس طرح خطاب فرماتے ہیں :

''لیکن جب وہ یعنی سچائی کی روح آئے گا تو تمہیں تمام سچائی کی راہ دکھائے گا اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔'' (یوحنا ۱۵ : ۱۲)

اس آیت میں بتایا گیا کہ سیدِ عالم ﷺ کی آمد پر دین مکمل ہو جائے گا اور آپ سچائی کی راہ یعنی دینِ حق کو مکمل کر دیں گے۔ (خزائن العرفان)

(2) دلائل بذریعہ منطقی استدلال: اس طریقہ میں بالعموم ایک فارمولا بنا لیا جاتا ہے اور کئے گئے دعویٰ کو اُس فارمولا کی موافقت میں ثابت کیا جاتا ہے۔ مثلاً:

(۱) موسیٰ علیہ السلام کا جادوگروں سے مقابلہ میں جنابِ موسیٰ نے جادوگروں کی رسیوں اور لکڑیوں کو سانپ بنتے ہوئے دیکھ کر کچھ خوف سا محسوس کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی اور فرمایا کہ ڈرنے کی کوئی بات نہیں اور یہ کہ غلبہ تم ہی کو حاصل رہے گا۔ فرمایا:

اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سَاحِرٍ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى (طٰهٰ: ۶۹)

''جو کچھ اُنہوں نے بنا رکھا ہے (وہ تو) فقط جادوگر کا فریب ہے اور جادوگر جہاں کہیں بھی آئے گا' فلاح نہیں پائے گا۔'' (۶۹ : ۲۰)

یہ آیت کبریٰ اور صغریٰ دونوں قضیوں کو شامل ہے۔ زیرِ خط الفاظ بطور فارمولا ہیں جن پر موسیٰ علیہ السلام کا جادوگروں پر غلبے کی بنیاد ہے۔

(۲) قرآن مجید میں کئی ایسی مثالیں ہیں جن میں قضیہ کبریٰ نہیں پایا جاتا۔ مثلاً کفارِ عرب کے نزدیک خستہ گلی سڑی ہڈیوں کو دوبارہ زندہ کئے جانے کی بات نا قابلِ فہم تھی۔ خلاقِ عالم نے اُن کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ بات ہمارے لئے بالکل آسان ہے کیونکہ:

بَلٰى قَادِرِيْنَ عَلٰى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ○ (القیامة : ۴)

''کیوں نہیں! ہم تو اس بات پر بھی قادر ہیں کہ اُس کی انگلیوں کے ایک ایک جوڑ اور پوروں تک کو درست کر دیں۔'' (۴ : ۷۵)

یہ قضیہ صغریٰ ہے جبکہ اس کا قضیہ کبریٰ محذوف ہے اور وہ یہ ہے کہ: وہ ذات جو انگلی کے پوروں جیسی

اعضاء کی چھوٹی چیز کو اکٹھا کرنے پر پوری طرح قادر ہے' یقیناً وہ خستہ' گلی سڑی ہڈیوں میں دوبارہ جان ڈال دینے پر بھی بہر حال قدرت رکھتا ہے کیونکہ پہلی دفعہ کا پیدا کرنا دوسری دفعہ کے پیدا کرنے سے زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ وہ نشانات و علامات جو اُس قادرِ مطلق نے انسانی انگلیوں پر کندہ کیے ہیں' انتہائی حیران کن اور اُس حکیمِ مطلق کا عدیم المثال شاہکار ہیں۔ ایک فرد کی انگلیوں کے یہ نشانات پوری دنیا کے کھربوں انسانوں میں سے کسی بھی انسان سے نہیں ملتے۔ ایسی قادرِ مطلق اور بے پناہ قوتوں کی مالک ہستی کے لئے شکستہ' گلی سڑی ہڈیوں میں دوبارہ جان ڈال دینا چنداں مشکل نہیں۔ اس لئے یوم آخرت والحساب کا انکار کرنا اور اُسے جھٹلانا بلا دلیل ہے اور نادانی کی بات ہے۔

منطقی استدلال میں ایک اور طریقے کا نام ''اعتراف Admission" ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ فریق مخالف کے دعویٰ کے سچے ہونے کا اعتراف ہو اور پھر اُس کے بعد یہ ثابت کیا جائے کہ اعتراف کے بعد بھی مخالف فریق کا دعویٰ جائز نہیں۔ مثال کے طور پر کفارِ عرب انسان کے رسول ہونے کے خلاف احتجاج کرتے تھے۔ وہ اس بات پر حیران تھے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو رسول بنا کر کیوں نہیں بھیجتا؟ اس جاہلانہ اعتراض کا جواب قرآن مجید نے مختلف مقامات پر مختلف طریقوں سے دیا ہے۔ مثلاً سورۃ الانعام میں فرمایا:

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ O (الانعام: ۹)

''اور اگر ہم رسول کو فرشتہ بناتے تو اُسے بھی آدمی ہی (کی صورت) بناتے اور ہم اُن پر (تب بھی) وہی شبہ وارد کر دیتے جو شبہ (والتباس) وہ (اب) کر رہے ہیں (یعنی اس کی بھی ظاہری صورت دیکھ کر کہتے کہ یہ ہماری طرح مثلِ بشر ہے)۔'' (۶:۹)

آیت میں کفار کی مزعومہ بات کا ایک طرح پہلے اعتراف کیا گیا ہے اور پھر اُس کا دلیل کے ساتھ ردّ کیا گیا۔ یعنی چونکہ انسان فرشتہ کو اُس کی اصل شکل میں دیکھنے کی تاب نہیں لا سکتا تو اے کافرو! تب بھی تم اُسی الجھن میں گرفتار' پریشان ہوتے جیسے اب ہو رہے ہو۔

منطقی استدلال میں دعویٰ کی حقیقت کو ثابت کرنے کے لئے ایک اور طریقہ ''بات کا بدلنا Shifting" ہے۔ بعض اوقات مدّعی ایک واضح دلیل پیش کرتا ہے لیکن مخالف اپنی کج روی یا کم نگاہی کے باعث اس پر معترض ہوتا ہے۔ ایسے موقعوں پر مدّعی اپنے مخالف کے اعتراض کا جواب دینے کی بجائے ایک اور مساوی وزن کی دلیل پیش کرتا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مدّعی کا پہلا موقف غلط نہیں تھا لیکن یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ مخالف کا اعتراض نادانی کے سوا کچھ نہیں اور یہ کہ ظاہر ہوتا ہے کہ مدّعی کی پیش کردہ دلیل مخالف کے فہم کی رسائی سے ماوراء ہے' لہٰذا وہ دوسری دلیل پیش کرتا ہے۔

اس قسم کی واضح' غیر مبہم مثال ابراہیم علیہ السلام کی اپنے ہم عصر بابل کے بادشاہ نمرود کے ساتھ مباحثہ

میں ملتی ہے۔ پیغمبر نے بادشاہ کے آگے اللہ تعالیٰ کے وجود اور اُس کی وحدانیت کا ثبوت پیش کیا تھا اور دعویٰ کیا تھا:
رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ (البقرۃ:۲۵۸)
''میرا رب تو وہ ہے کہ مارنا اور جلانا اُس کے قبضہ میں ہے۔'' (۲:۲۵۸)

اس پر نمرود نے زندگی اور موت پر اپنے اختیار کو ثابت کرنے کے لئے ایک بے گناہ آدمی کو قتل کر دیا اور ایک مجرم کو جس کا پھانسی کا فیصلہ ہو چکا تھا' آزاد کر دیا اور کہا کہ میں بھی زندگی اور موت کا اختیار رکھتا ہوں۔ ابراہیم علیہ السلام نے بات کو بدلتے ہوئے فوری طور پر فرمایا کہ اللہ سورج کو مشرق سے طلوع کرتا ہے تو تم اُسے (ایک ہی دفعہ) مغرب سے طلوع کر کے دکھادو۔ (البقرۃ : ۲۵۸)

یہ ابراہیم علیہ السلام کی جانب سے بات کا بدلنا (Shifting) تھا جس پر نمرود کی تمام ٹیڑھی منطق بے کار ثابت ہوئی اور قرآن کی رُو سے وہ کافر دہشت زدہ ہو گیا۔

(3) دلائل بذریعہ مشاہداتی منطق: منطقی استدلال کی تیسری قسم روزمرّہ مشاہدے سے متعلق ہے۔ قرآن مجید نے منطق کی اس قسم کو کسی اور قسم کی نسبت زیادہ استعمال کیا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ منطقی اور فلسفیانہ باریکیاں مخالف کو خاموش تو کر دیتی ہیں لیکن وہ اُس کے نہاں خانۂ دل میں نہیں اُتر پاتیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ حق وصداقت کے گرد بُنے ہوئے شکوک وشبہات کے جالوں کو دُور کرنے کے قابل نہیں ہوتیں۔ قرآن مجید کا حتمی مقصد مخالفین کو خاموش کرنا نہیں ہے بلکہ حق وصداقت کو اُن کے نہاں خانۂ دل میں اتارنا ہے۔ اس کی ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ فلسفیانہ اور منطقیانہ باریکیاں ایک خاص طبقے کے لئے مخصوص ہوتی ہیں اور ناخواندہ' جاہل طبقے کے لئے وہ بے اثر اور بے فائدہ ہوتی ہیں۔ ''مشاہدہ'' عریاں صداقت کی ایک ایسی قسم ہے جس کے باعث ایک سیدھا سادہ دیہاتی بھی لاشعوری طور پر یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے:

اَلْبَعْرَۃُ عَلَی الْبَعِیْرِ وَالْاَثَرُ عَلَی الْمَسِیْرِ فَسَمَاءٌ ذَاتِ اَبْرَاجٍ وَاَرْضٌ ذَاتِ فِجَاجٍ کَیْفَ لَاتَدُلُّ عَلَی اللَّطِیْفِ الْخَبِیْرِ

''راستے میں پڑی ہوئی مینگنیاں جب اونٹ کا اور نقش ہائے قدم کسی راہ گزر کا پتہ دیتے ہیں تو برجوں والا آسمان اور وسیع وعریض راستوں والی زمین ایک ہمہ بیں اور باخبر ہستی کا پتہ کیوں نہ دیں!''

قرآن مجید میں جگہ جگہ بکھرے ہوئے دلائل ہر وقت ایک نئی عظمت وشان اور پُرنور چمک کے ساتھ ظاہر ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا استدلال کرتے ہوئے قرآن اس طرح فرماتا ہے:۔

اٰللّٰہُ خَیْرٌ اَمَّا یُشْرِکُوْنَ ○ اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا بِہٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا کَانَ لَکُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ءَ اِلٰہٌ مَّعَ اللّٰہِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ یَّعْدِلُوْنَ ○ اَمَّنْ

جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَا اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِیَ وَجَعَلَ بَیْنَ الْبَحْرَیْنِ حَاجِزًا ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ O اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَیَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ O اَمَّنْ یَّهْدِیْكُمْ فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ یُّرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ تَعٰلَی اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ O اَمَّنْ یَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَمَنْ یَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ O (النّمل : ۵۹ ۔ ۶۴)

''کیا اللہ ہی بہتر ہے یا وہ (معبودانِ باطلہ) جنہیں یہ لوگ (اُس کا) شریک ٹھہراتے ہیں؟ بلکہ وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اور تمہارے لئے آسمانی فضا سے پانی اتارا' پھر ہم نے اُس (پانی) سے بارونق اور خوشنما باغات اُگائے' تمہارے لئے ممکن نہ تھا کہ تم اُن (باغات) کے درخت اُگا سکتے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور بھی) معبود ہے؟ بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو (راہِ حق سے) پرے ہٹ رہے ہیں۔ بلکہ وہ کون ہے جس نے زمین کو قرارگاہ بنایا اور اُس کے درمیان نہریں بنائیں اور اُس کے لئے بھاری پہاڑ بنائے اور (کھاری اور شیریں) دو سمندروں کے درمیان آڑ بنائی۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور بھی) معبود ہے؟ بلکہ اِن (کفار) میں سے اکثر لوگ بے علم ہیں۔ بلکہ وہ کون ہے جو بے قرار شخص کی دعا قبول فرماتا ہے جب وہ اُسے پکارے اور تکلیف دُور فرماتا ہے اور تمہیں زمین میں (پہلے لوگوں کا) وارث و جانشین بناتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور بھی) معبود ہے؟ تم لوگ بہت ہی کم نصیحت قبول کرتے ہو۔ بلکہ وہ کون ہے جو تمہیں خشک و تر (یعنی زمین اور سمندر) کی تاریکیوں میں راستہ دکھاتا ہے اور جو ہواؤں کو اپنی (باران) رحمت سے پہلے خوشخبری بنا کر بھیجتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور بھی) معبود ہے؟ اللہ ان (معبودانِ باطلہ) سے برتر ہے جنہیں وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔ بلکہ وہ کون ہے جو مخلوق کو پہلی بار پیدا فرماتا ہے' پھر اسی (عملِ تخلیق) کو وہ دہرائے گا اور جو تمہیں آسمان و زمین سے رزق عطا فرماتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور بھی) معبود ہے؟ فرما دیجئے: (اے مشرکو!) اپنی دلیل پیش کرو اگر تم سچے ہو۔'' (۲۷ : ۵۹۔۶۴)

بڑی خوش اسلوبی اور عمدگی سے ایسے اہم اور ناگزیر کام صرف صرف اُس ذاتِ واحد ہی سے انجام پاتے ہیں جس کا کوئی شریک نہیں۔ اس لئے وہی ذاتِ برحق عبادت اور سجدہ کئے جانے کی اہل ہے اور اُس کے ساتھ شریک ٹھہرانا حماقت کی انتہائی بُری قسم ہے۔ ایسی قرآنی آیات سے ایک اور اہم سبق یہ ملتا ہے کہ ایسی ذات کو جو ایسے عظیم اور بھاری کاموں کو صرف اکیلا انجام دیتی ہے' مُردوں کو دوبارہ زندہ کرنے جیسے معمولی کام میں مدد کے لئے کیسے ایک شریک کی بطور مددگار کے ضرورت ہو سکتی ہے!

روزِ محشر کی توثیق کے لئے سورہ قٓ میں اس طرح استدلال کیا گیا:

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ فَاَنْبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيْجٍO تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍO وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِO وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌO رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُO
(ق: ۷ تا ۱۱)

''اور ہم نے زمین کو پھیلایا اور اُس میں ہم نے بہت بھاری پہاڑ رکھے اور ہم نے اُس میں ہر قسم کے خوشنما پودے اُگائے۔ (یہ سب) بصیرت اور نصیحت (کا سامان) ہے ہر اُس بندے کے لئے جو (اللہ کی طرف) رجوع کرنے والا ہے۔ اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی برسایا' پھر ہم نے اُس سے باغ اور کھیتی کا غلّہ اور لمبی لمبی کھجور کے درخت جن کے گچھے خوب گندھے ہوئے رہتے ہیں' بندوں کو رزق دینے کے لیے اُگائے اور ہم نے اُس کے ذریعہ سے مردہ زمین کو زندہ کیا' اسی طرح (زمین سے حشر میں) نکلنا ہوگا۔'' (۷۔۱۱ : ۵۰)

فطرت کے رازہائے سربستہ میں غور وفکر کرنے سے انسان اُس کریم کی قدرتِ کاملہ کا معترف ہوتا ہے اور اُس کے حضور گرمجوشی سے وہ سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔ ایسے واقعات وامثال بیان کرنے میں قرآن کا یہی مدعا ہے۔

(4) دلائل بذریعہ تجرباتی منطق: گناہ کے انجام اور زمانہ ماضی کی تاریخ کی طرف قرآن مجید انسانی توجہ کو بہت زیادہ مبذول کرتا ہے تاکہ لوگ اقوامِ ماضیہ کے تلخ تجربات سے سبق حاصل کرکے اُن نادانیوں سے بچ جائیں جو اُن کی تباہی و بربادی کا موجب بنیں۔ درج ذیل آیات اسی سلسلہ میں ہیں :

(۱) وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا آخَرِيْنَO (الانبیاء : ۱۱)

''اور ہم نے کتنی ہی بستیاں غارت کرڈالیں (جن کے رہنے والے) ظالم تھے اور اُن کے بعد ہم نے دوسری قوم پیدا کردی۔'' (۱۱ : ۲۱)

(۲) وَيُرِيْكُمْ آيٰتِهٖ فَاَيَّ آيٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَO اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوْا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّ آثَارًا فِي الْاَرْضِ فَمَا اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَO (المؤمن : ۸۱' ۸۲)

''اور وہ تمہیں اپنی (بہت سی) نشانیاں دکھاتا ہے' سو تم اللہ کی کن کن نشانیوں کا انکار کرو گے؟ کیا یہ لوگ زمین پر چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے کہ جو لوگ ان سے پیشتر ہوئے ہیں' اُن کا کیا انجام ہوا' وہ لوگ تعداد میں ان سے زیادہ اور قوّت میں ان سے بڑھ کر تھے اور زمین پر اپنی جو یادیں چھوڑ گئے ہیں' اُن کے لحاظ سے بھی لیکن اُن کی یہ کمائی اُن کے کچھ بھی کام نہ آئی۔'' (۸۱'۸۲ : ۴۰)

(۳) فَلَمَّا آسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَO فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَO
(الزُّخرف: ۵۵'۵۶)

''پھر جب اُن لوگوں (فرعونیوں) نے ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے اُن سے بدلہ لے لیا اور ہم نے اُن سب کو غرقاب کر دیا تو ہم نے اُنہیں پیش رَووں اور پچھلوں کے لئے کہاوت بنا دیا۔'' (۵۱،۵۵ : ۴۳)

(الف) عقائد (منفی پہلو)

وہ آیات جن میں قرآن مجید نے لوگوں کی بدعملیوں اور بدعقیدگی کا اُن کے شکوک وشبہات کا جواب دینے کے ساتھ ردّ کیا ہے' اصولِ تفسیر کے لٹریچر میں ''آیات المخاصمہ'' کہلاتی ہیں۔ ایسی آیات میں گمراہ اور پٹڑی سے اترے ہوئے لوگوں کو چار حصّوں میں تقسیم کیا جاتا ہے :۔

(I) بت پرست (مشرکین) (II) یہود
(III) نصاریٰ (عیسائی) (IV) منافقین

(I) بت پرست (مشرکین): ان کی گمراہی حسب ذیل طریقوں میں رائج تھی :

(الف) شرک: وہ بتوں کو اللہ کی صفات میں شریک ٹھہراتے تھے اور کہتے تھے کہ اگرچہ اللہ تمام مخلوقات کا خالقِ محض ہے' تاہم وہ ایسے دنیاوی بادشاہ کی طرح ہے جو انتظامی شعبوں کو مختلف ایجنسیوں کے سپرد کر دیتا ہے۔ اسی طرح اگرچہ اللہ ہی کا پوری کائنات پر کنٹرول ہے تاہم زندگی کے بعض شعبوں اور اپنی قوتِ اختیار اُس نے بتوں کو دے دی ہے اور اب اُس کا اُن شعبوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ لہٰذا اب کسی ضرورت اور مطالبہ کے لئے بتوں ہی سے التجا کرنی چاہئے اور اُن کی پرستش کے ذریعے صرف اُنہیں ہی خوش کیا جا سکتا ہے تاکہ وہ اپنے پرستاروں کے لئے اللہ کے حضور سفارش کریں جیسا کہ سورۃ الزُّمر میں بیان ہوا :

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّ بُوْنَا اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی (الزُّمر : ۳)
''ہم اُن کی پرستش اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کا مقرب بنا دیں۔'' (۳ : ۳۹)

قرآن مجید اُن کے اس غلط عقیدے کا مختلف طریقوں سے ردّ کرتا ہے۔ بعض اوقات وہ مشرکین سے اپنے موقف کی تائید میں کوئی پختہ ثبوت لانے کو کہتا ہے۔ بعض دفعہ اپنی قدرتِ کاملہ کے حوالے سے وہ اُن سے سوال کرتا ہے کہ اپنے انتظامی امور کو چلانے کے لئے اللہ کے لئے کسی مددگار کی ضرورت کا ہونا کتنا عجیب سا لگتا ہے! بعض اوقات وہ اُن کی کجروی کی طرف اُن کی توجہ کو مبذول کرتا ہے کہ راستہ میں پڑا ہوا پتھر ہتھوڑے کی چند ضربوں کے نتیجہ میں معبود کیسے بن گیا! اُسے ''ھُبل'' یا ''لات'' کا نام دے کر وہ کیسے روزی رساں اور مشکلات کا دُور کرنے والا بن گیا!

اِنْ هِیَ اِلَّا اَسْمَاءٌ سَمَّیْتُمُوْهَا اَنْتُمْ وَآبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ مَا تَهْوَی الْاَنْفُسُ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰیO (النَّجم : ۲۳)

''وہ (بت) محض نام ہی ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں' اللہ نے اُن کی بابت کوئی دلیل نہیں اتاری' وہ لوگ محض وہم وگمان کی اور نفسانی خواہشات کی پیروی کر رہے ہیں حالانکہ اُن کے پاس اُن کے رب کی جانب سے ہدایت آچکی ہے۔'' (۲۳ : ۵۳)

شرک کے ردّ اور ایک معبودِ برحق کی پُر جوش عبادت کی ترغیب میں چند اور آیات ملاحظہ ہوں :

(۱) قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَالَایَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَانَفْعًا (المائدۃ : ۷۶)
''فرمادیجئے کیا تم اللہ کو چھوڑ کر اُس کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہارے لئے کسی نقصان کا مالک ہے نہ نفع کا۔'' (۷۶ : ۵)

اس آیت میں مخاطبین اہلِ کتاب یعنی یہود ونصاریٰ ہیں۔

(۲) اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّھِمْ یَعْدِلُوْنَ O (الانعام : ۱)
''تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اور تاریکیوں اور روشنی کو بنایا' پھر بھی کافر لوگ (معبودانِ باطلہ کو) اپنے رب کے برابر ٹھہراتے ہیں۔'' (۱ : ۶)

آیت میں قدیم فارسی دینیات کی ثنویت (Duality) کی تردید ہے۔ تاریکی اور روشنی باہم متضاد ہونے کے باوجود دونوں ایک ہی سچے خدا کی مخلوق ہیں۔ آیت میں مکمل طور پر کائنات سے متعلق ہندو عقیدے کا بھی ردّ ہے جس کے مطابق آسمان اور زمین دونوں دیوتا مانے جاتے ہیں۔ بعض اوقات اندرا یا اگنی' یا ردرا یا سوما' جیسے ایک خدا اور بعض اوقات سب خداؤں نے مل کر آسمان وزمین اور تمام دنیا کی تخلیق کی اور تخلیق کے عمل کو تشبیہاً تعمیر کرنے یا بُننے سے تعبیر کیا گیا۔
(Hastings' Encyclopaedia of Religion and Ethics, Vol. IV, p. 156)

(۳) قُلْ اَغَیْرَ اللّٰہِ اَتَّخِذُ وَلِیًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَھُوَ یُطْعِمُ وَلَا یُطْعَمُ (الانعام : ۱۴)
''فرمادیجئے کیا میں کسی دوسرے کو (عبادت کے لئے اپنا) دوست بنالوں (اُس) اللہ کے سوا جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ (سب کو) کھلاتا ہے اور (خود اُسے) نہیں کھلایا جاتا۔'' (۱۴: ۶)

بابل کے دیوتاؤں کو انسانی خصوصیات کا حامل تصوّر کیا جاتا تھا یعنی اُنہیں انسان کی طرح بھوک اور پیاس

لگتی ہے اور کھلانے پلانے کے ذریعے اُن کی دلدہی (تالیفِ قلبی) کی جاتی ہے۔'' : ("Abraham" Wooley, p. 157)

قرآن مجید اِن تمام بے بنیاد تصوّرات کی تردید کرتے ہوئے اس بات پر زور دیتا ہے کہ رب تعالیٰ ہر قسم کی ضرورت سے بے نیاز ہے اور یہ کہ تمام مخلوقات اپنی جملہ ضروریات کی تسکین کے لئے صرف اُسی کے محتاج ہیں۔

(۴) اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ O (الاعراف : ۱۹۴)

''بے شک جن (بتوں) کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، وہ بھی تمہاری طرح (اللہ کے) مملوک ہیں، پھر جب تم انہیں پکارو تو انہیں چاہئے کہ جواب دیں اگر تم (انہیں معبود بنانے میں) سچے ہو۔ (۷:۱۹۴)

(۵) قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ O

''(اُن سے) فرما دیجئے تمہیں آسمان اور زمین سے رزق کون دیتا ہے یا (تمہارے) کان اور آنکھوں کا مالک کون ہے اور زندہ کو مردہ اور مردہ کو زندہ سے کون نکالتا ہے اور (نظام ہائے کائنات کی) تدبیر کون کرتا ہے؟ سو وہ کہہ اٹھیں گے کہ اللہ، تو آپ فرمائیے: پھر کیا تم (اُس سے) ڈرتے نہیں ہو؟'' (سورہ یونس : ۳۱ : ۱۰)

یہ آیت بت پرستوں کے خلاف بڑی مسکت اور ٹھوس دلیل کی حامل ہے اور بہت ہی موزوں طور پر کم تر دیوتاؤں کی پرستش کرنے میں اُن کی نادانی کی ترجمان ہے جبکہ ہر مصیبت کے وقت وہ اُسی اللہ کی طرف دوڑتے ہیں اور اُسی کو تمام نعمتوں اور برکتوں کا منبع سمجھتے ہیں۔ اِن تعلیمات نے اسلام کو مشنری مذہب کے طور پر کامیاب کرنے میں بڑا کردار ادا کیا ہے۔ اس کی خالص توحید کو بت پرستوں کے شرک کے مقابلہ میں نمایاں مقام حاصل ہے۔ (E.M.Wherry w.ref. to Note: 247 at page: 195-A of Tafsir Majidi)

(۶) يُوْلِجُ الَّيْلَ فِی النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ O (فاطر)

''وہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور اُس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے ہر کوئی ایک مقرر میعاد کے اندر حرکت پذیر ہے، یہی تمہارا پالنہار ہے، اُسی کی ساری بادشاہت ہے اور اُس کے سوا تم جن بتوں کو پوجتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے باریک چھلکے کے (بھی) مالک نہیں ہیں۔'' (۱۳ : فاطر)

(۷) وَاللّٰہُ فَضَّلَ بَعۡضَکُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ فِی الرِّزۡقِ فَمَا الَّذِیۡنَ فُضِّلُوۡا بِرَآدِّیۡ رِزۡقِہِمۡ عَلٰی مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُہُمۡ فَہُمۡ فِیۡہِ سَوَآءٌ'' (اَلنَّحل : ۷۱)

''اور اللہ نے تم میں سے کسی کو کسی پر رزق کے معاملہ میں فضیلت دے رکھی ہے' سو جن لوگوں کو فضیلت دی گئی ہے وہ اپنے حصّہ کا مال اپنے غلاموں کو کبھی اس طرح دینے والے نہیں کہ وہ سب اس میں برابر ہو جائیں۔'' (۱۶ : ۷۱)

(۸) ضَرَبَ لَکُمۡ مَّثَلًا مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ ہَلۡ لَّکُمۡ مِّنۡ مَّا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ مِّنۡ شُرَکَآءَ فِیۡ مَا رَزَقۡنٰکُمۡ فَاَنۡتُمۡ فِیۡہِ سَوَآءٌ'' تَخَافُوۡنَہُمۡ کَخِیۡفَتِکُمۡ اَنۡفُسَکُمۡ (اَلرُّوم : ۲۸)

''(اللہ) تمہارے ہی متعلق ایک مثال تم سے بیان کرتا ہے' کیا تمہارے غلاموں میں کوئی اُس روزی میں تمہارا شریک ہے جو ہم نے تمہیں دی ہے کہ تم اور وہ اس میں برابر ہو جائیں اور تم اُن کا ایسا ہی خیال رکھو جیسا کہ تم اپنے آپس والوں کا خیال رکھتے ہو؟'' (۳۰ : ۲۸)

دراصل مندرجہ بالا دونوں آیات (۱۶:۷۱' ۳۰:۲۸) شرک کی مذمت میں نازل ہوئیں اور ان میں اقتصادی عدمِ مساوات کی بجائے ہمہ گیر اقتصادی مساوات کے قیام کا کوئی منصوبہ نہیں۔ آیات میں اس بات کا صاف اشارہ موجود ہے کہ چونکہ تم خود اپنے غلاموں کو اپنی دولت میں برابر کے شریک ماننے کے لئے تیار نہیں ہو تو تمہارا یہ مشرکانہ عقیدہ کتنا فضول اور غیر معقول ہے کہ اللہ کی کوئی مخلوق اُس کی اُلوہیت میں اُس کی شریک ہو سکتی ہے؟

(۹) ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا عَبۡدًا مَّمۡلُوۡکًا لَّا یَقۡدِرُ عَلٰی شَیۡءٍ وَّمَنۡ رَّزَقۡنٰہُ مِنَّا رِزۡقًا حَسَنًا فَہُوَ یُنۡفِقُ مِنۡہُ سِرًّا وَّ جَہۡرًا ہَلۡ یَسۡتَوٗنَ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ بَلۡ اَکۡثَرُہُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ○ وَ ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا رَّجُلَیۡنِ اَحَدُہُمَاۤ اَبۡکَمُ لَا یَقۡدِرُ عَلٰی شَیۡءٍ وَّہُوَ کَلٌّ'' عَلٰی مَوۡلٰہُ اَیۡنَمَا یُوَجِّہۡہُّ لَا یَاۡتِ بِخَیۡرٍ ہَلۡ یَسۡتَوِیۡ ہُوَ وَمَنۡ یَّاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَہُوَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ○ (اَلنَّحل : ۷۵' ۷۶)

''اللہ نے ایک مثال بیان فرمائی ہے (کہ) ایک غلام ہے (جو کسی کی) ملکیت میں ہے' وہ (خود) کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا اور (دوسرا) وہ شخص ہے جسے ہم نے اپنی طرف سے عمدہ روزی عطا فرمائی ہے' وہ اُس میں سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتا ہے' کیا وہ برابر ہو سکتے ہیں' سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں' بلکہ اُن میں سے اکثر (بنیادی حقیقت کو بھی) نہیں جانتے۔ اور اللہ نے دو (ایسے) آدمیوں کی مثال بیان فرمائی ہے جن میں سے ایک گونگا ہے' وہ کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا اور وہ اپنے مالک پر بوجھ ہے۔ وہ (مالک) اُسے جدھر بھی بھیجتا ہے کوئی بھلائی لے کر نہیں آتا۔ کیا وہ (گونگا) اور (دوسرا) وہ شخص جو لوگوں کو عدل و انصاف کا حکم دیتا ہے اور وہ خود بھی سیدھی راہ پر گامزن ہے' (دونوں) برابر ہو سکتے ہیں؟'' (۱۶ : ۷۶' ۷۵)

(ب) مماثلت (Analogy): مشرکینِ عرب کا ایک اور غلط عقیدہ یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو انسانوں کے مشابہ قرار دیتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ اُنہی کی طرح اللہ کا بھی گوشت پوست ہے اور اُس کی رفیقہ حیات اور بچے بھی ہیں۔ اللہ کی اولاد کا عقیدہ رکھتے ہوئے اُن کا کہنا تھا کہ فرشتے اُس کی بیٹیاں ہیں اور وہ اُسے اتنی پیاری ہیں اور اُن کا اُس (اللہ) پر اِس قدر قبضہ ہے کہ وہ اُن کی رضا اور مرضی کے خلاف کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ اس غلط عقیدہ کی قرآن تردید کرتا ہے اور ایک طرف تو یہ کہتا ہے:

لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ (اُس نے کسی کو نہیں جنا اور نہ ہی وہ کسی سے جنا گیا)

تو دوسری طرف وہ اللہ کی بیٹیاں ہونے کی درج ذیل طریقوں سے ردّ کرتا ہے:

(۱) فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ O اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شَاهِدُوْنَ O اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ O وَلَدَاللّٰهُ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ O اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ O مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ O اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ O (اَلصَّافَّات: ۱۴۹۔۱۵۵)

''پس آپ اِن (کفارِ مکہ) سے پوچھئے کیا آپ کے رب کے لئے بیٹیاں ہیں اور اُن کے لئے بیٹے ہیں' کیا ہم نے فرشتوں کو عورتیں بنا کر پیدا کیا تو وہ اُس وقت (موقع پر) حاضر تھے۔ سن لو وہ لوگ یقیناً اپنی بہتان تراشی سے (یہ) بات کرتے ہیں کہ اللہ نے اولاد جنی اور بے شک یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ کیا اُس نے بیٹوں کے مقابلہ میں بیٹیوں کو پسند فرمایا ہے؟ تمہیں کیا ہوا ہے' تم کیسا فیصلہ کرتے ہو! کیا تم غور نہیں کرتے؟'' (۱۴۹۔۱۵۵ : ۳۷)

(۲) وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ O اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ O وَ جَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْئَلُوْنَ O (اَلزُّخْرُف: ۱۷۔۱۹)

''جب اُن میں سے کسی کو (بیٹی کی پیدائش کی) خبر دی جاتی ہے جسے اُنہوں نے خدائے رحمان کی شبیہ بنا رکھا ہے تو اُس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غم و غصہ سے بھر جاتا ہے۔ اور کیا (اللہ اپنے امور میں معاونت کے لئے اُسے اولاد بنائے گا) جو زیور و زینت میں پرورش پائے اور (نرمیِ طبع اور شرم و حیاء کے باعث) جھگڑے میں واضح (رائے کا اظہار کرنے والی بھی) نہ ہو۔ اور اُنہوں نے فرشتوں کو جو کہ (خدائے) رحمان کے بندے ہیں' عورتیں قرار دیا ہے' کیا وہ اُن کی پیدائش پر حاضر تھے؟ (نہیں تو) اب اُن کی گواہی لکھ لی جائے گی اور (روزِ قیامت) اُن سے باز پُرس ہوگی۔''
(۱۷تا۱۹ : ۴۳)

(۳) اَمْ لَهُ الْبَنَاتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ O (اَلطُّور: ۳۹)

''کیا اُس (خدا) کے لئے بیٹیاں ہیں اور تمہارے لئے بیٹے ہیں؟'' (۳۹ : ۵۲)

(ج) **الحاق وتحریف (Interpolation):** یہ اُن کی ایک اور گمراہی تھی۔ اُن کے اس دعویٰ کے باوجود کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کے سچے پیروکار ہیں' اُنہوں نے دین میں کئی اختراعات گھڑلی تھیں۔ کعبہ مکرّمہ کا ننگا طواف' عبادت کی بجائے تالیاں اور سیٹیاں بجانا (بحوالہ سورۃ الانفال: ۳۵) اور ممنوعہ قمری مہینوں میں ادل بدل کرنا (بحوالہ سورۃ التوبہ: ۳۷) اس کی چند مثالیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی اس قسم کی لغویات کا اکثر و بیشتر اظہار کیا ہے اور مسلمانوں کو تنبیہ کی ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کے خلاف ایسا باغیانہ رویہ اختیار نہ کریں:

(۱) یَا بَنِیٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ (الاعراف: ۳۱)
''اے اولادِ آدم! تم ہر نماز کے وقت اپنا لباسِ زینت پہن لیا کرو۔'' (۳۱ : ۷)

(۲) وَمَا کَانَ صَلَاتُھُمْ عِنْدَ الْبَیْتِ اِلَّا مُکَآءً وَّتَصْدِیَۃً (الانفال: ۳۵)
''اور بیت اللہ کے پاس اُن کی (نام نہاد) نماز سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے سوا کچھ بھی نہیں۔''

(۳) اِنَّمَا النَّسِیٓءُ زِیَادَۃٌ فِی الْکُفْرِ یُضَلُّ بِہِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا (التوبۃ: ۳۷)
''(حرمت والے مہینوں کو) آگے پیچھے بنا دینا محض کفر میں زیادتی ہے' اس سے وہ کافر لوگ بہکائے جاتے ہیں۔'' (۳۷ : ۹)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے سال کے چار مہینے (رجب' ذی قعدہ' ذی الحجہ' محرّم) حرمت اور عزت والے شمار ہوتے تھے اور اُن میں لڑائی کرنے کی سخت ممانعت کر دی گئی تھی نیز فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے ماہ ذوالحجہ کی تاریخیں مقرر تھیں۔ کچھ عرصہ بعد اہلِ عرب پر اس حکم کی پابندی گراں گزرنے لگی۔ اُن کا پیشہ قزاقی' رہزنی اور مار دھاڑ بن کر رہ گیا تھا۔ تین ماہ تک متواتر (ذی قعدہ' ذی الحجہ' محرّم) ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہنا اُن کے لئے ناقابلِ برداشت تھا۔ اس لئے اُنہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ ان مہینوں میں سے جسے چاہا حلال کر لیا اور اُس میں جی بھر کر قتل و غارت کی اور اس کی جگہ سال کے کسی دوسرے مہینہ کو حرام کر دیا۔ حرمت والے مہینوں کی تعداد بھی چار رہی اور اُن کا کام بھی بن گیا۔ نیز حج علاوہ ایک عبادت کے اُن کے لئے ایک بہت بڑا تجارتی میلہ بھی تھا۔ دُور دراز سے تجارتی قافلے آتے جس سے اُنہیں بہت نفع ہوتا لیکن حج کا فریضہ کیونکہ قمری سال کے ذی الحجہ کے مہینہ میں ادا کیا جاتا تھا' اس لئے یہ ایسے موسم میں بھی آجاتا جبکہ سخت سردی یا گرمی ہوتی اور موسم کی اس ناسازگاری کی وجہ سے اُن کا کاروبار ماند پڑ جاتا اور اُنہیں دلخواہ نفع نہ ہوتا۔ اس مشکل کا حل اُنہوں نے یہ تجویز کیا کہ حج ہمیشہ معتدل موسم میں ادا کیا جائے۔ اس کے لئے اُنہوں نے حج کی مقررہ تاریخوں کو بدل دیا اور قمری سال کے بارہ مہینوں میں کبیسہ کا ایک مہینہ بڑھا دیا۔ اس طرح تینتیس (۳۳) سال کے بعد صرف ایک بار حج اپنی صحیح تاریخوں ۹' ۱۰ ذی الحجہ کو ادا کیا جاتا۔ ان دونوں صورتوں میں چونکہ صرف اپنی ذاتی سہولتوں اور مالی منفعتوں کے لئے وہ اللہ تعالیٰ کے اٹل اور محکم احکام میں ردّ و بدل کر لیا کرتے تھے' اس لئے اُن کے اِس فعل کو ''زِیَادَۃٌ فِی الْکُفْرِ'' کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔ اس میں مسلمانوں کے لئے بھی درسِ عبرت ہے کہ وہ اپنی ذاتی مصلحتوں اور دوسرے وجوہ کے لئے احکامِ الٰہی میں ردّ و بدل نہ کیا کریں۔ نَسا کا لغوی معنیٰ ہے کسی چیز کو اپنے وقت سے مؤخر کر دینا۔

(د) رسول اور نبی کا انسانی شکل میں ہونا اُن کے عقیدے کی راہ میں ایک رکاوٹ تھا۔ اُن کے نزدیک یہ بات نا قابلِ تصوّر تھی کہ اُن جیسا آدمی ایک رسول ہو جو کھاتا پیتا ہو' سوتا جاگتا ہو' چلتا پھرتا ہو' نکاح کرتا ہو اور بچے پیدا کرتا ہو۔ قرآن مجید اُن کے اس غلط الزام کا کئی مقامات پر ردّ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ شادی اور اُس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے بچے رسالت کے منصب کے خلاف نہیں ہیں :۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلاً مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً (الرّعد : ۳۸)

''(اے رسول!) بے شک ہم نے آپ سے پہلے (بہت سے) پیغمبروں کو بھیجا اور ہم نے اُن کے لئے بیویاں (بھی) بنائیں اور اولاد (بھی)۔ (۳۸ : ۱۳)

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت کی صداقت کی توثیق میں قرآن مجید کئی مقامات پر استدلال کرتا ہے' مثلاً:

(۱) ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلاَمَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ O (آل عمران: ۴۴)

''(اے محبوب!) یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی فرماتے ہیں حالانکہ آپ (اُس وقت) اُن کے پاس نہ تھے جب وہ (قرعہ اندازی کے طور پر) اپنے قلم (دریا میں) ڈال رہے تھے کہ اُن میں سے کون مریم کی کفالت کرے اور نہ آپ اُس وقت اُن کے پاس تھے جب وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے۔''

(۲) اَلَّذِيْنَ آتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَه' كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَ هُمْ (الانعام : ۲۰)

''وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب دی تھی' اس (نبی آخرالزماں ﷺ) کو ایسے ہی پہچانتے ہیں جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔'' (۲۰ : ۶)

(۳) قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُه' عَلَيْكُمْ وَلاَ اَدْرٰكُمْ بِهٖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلاَ تَعْقِلُوْنَ O (یونس : ۱۶)

''فرما دیجئے اگر اللہ چاہتا تو نہ ہی میں اِس (قرآن) کو تمہارے اوپر تلاوت کرتا اور نہ وہ (خود) تمہیں اس سے باخبر فرماتا' بے شک میں اِس (قرآن کے اترنے) سے قبل (بھی) تمہارے اندر عمر (کا ایک حصہ) بسر کر چکا ہوں' تو کیا تم عقل نہیں رکھتے۔'' (۱۶ : ۱۰)

''آپ ایک سیدھے سادے' راست رو انسان کے طور پر مشہور تھے جس کی زندگی انتہائی پاکیزہ اور نفیس تھی اور جس کی عزت اور وفادار رہنے کی صحرائی حس نے اُس کے لئے ''امین'' کا لقب دلوا دیا تھا۔''

(Lane and Lane-Poole's "Selections from the Kuran, Intro. p. XXXIX

(۴) تِلْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَآ اِلَیْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا
''یہ (بیان اُن) غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں' اس سے قبل نہ آپ اُنہیں جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم۔'' (ھود: ۴۹ : ۱۱)

یعنی (اے حبیب!) فراہم شدہ معلومات کے کسی بھی ذریعہ سے آپ کو قوم نوح (علیہ السلام) کے المناک انجام کا علم حاصل نہ تھا۔ اس قدیم تاریخ کے متعلق اہلِ عرب نے کبھی سنا بھی نہ تھا' ہماری وحی کے ذریعہ ہی اس کی نقاب کشائی ہوئی ہے۔ گویا اِس خدائی بیان کا مقصدِ وحید ہمارے رسول علیہ السلام کی رسالت کی صداقت کا محکم ثبوت فراہم کرنا ہے۔

(۵) ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ یَمْكُرُوْنَ O (یوسف : ۱۰۲)
''(اے حبیبِ مکرّم!) یہ (قصہ) غیب کی خبروں میں سے ہے جسے ہم آپ کی طرف وحی فرما رہے ہیں اور آپ اُن کے پاس موجود نہ تھے جب وہ (برادرانِ یوسف) اپنی سازشی تدبیر پر جمع ہو رہے تھے اور وہ مکر و فریب کر رہے تھے۔'' (۱۰۲ : ۱۲)

(۶) وَلَوْ لَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَیْهِمْ شَیْئًا قَلِیْلًا O اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَیٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَیْنَا نَصِیْرًا O (بنی اسرائیل : ۷۴' ۷۵)
''اور اگر ہم نے آپ کو (پہلے ہی سے عصمتِ نبوت کے ذریعہ) ثابت قدم نہ بنایا ہوتا تو تب بھی آپ اُن کی طرف بہت ہی معمولی سے جھکاؤ کے قریب جاتے۔ (اگر بالفرض آپ مائل ہو جاتے تو) اُس وقت ہم آپ کو دوگنا مزہ زندگی میں اور دوگنا مزہ موت میں چکھاتے' پھر آپ اپنے لئے (بھی) ہم پر کوئی مددگار نہ پاتے۔'' (۷۴'۷۵ : ۱۷)

لیکن نبی معصوم کو ثابت قدم کیسے نہ رکھا ہوتا۔ یہ ثابت قدمی تو فرع ہے معصومیت کی اور معصومیت لازمہ نبوّت ہے۔ بعض نے لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَیْهِمْ کو قادحِ عصمت سمجھا ہے حالانکہ آیت کے الفاظ اس کے الٹ پر دلالت کر رہے ہیں۔ آپ کا جھکاؤ اوّل تو ہوا نہیں' صرف قربِ جھکاؤ ہوا ہے اور پھر وہ بھی ہونے کہاں پایا۔ لَوْ لَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ کی زنجیرِ عصمت نے اتنا بھی ہونے کا موقع کب دیا؟ غرض یہ کہ یہ ارشادِ الٰہی بطورِ الزام نہیں بلکہ یہ تو آپ کی صرف کمال حرص ایمانی کا مظہر ہے اور بہ قول مفسر تھانوی ''یہ ارشاد عتاب نہیں بلکہ اظہارِ محبوبیت ہے کہ آپ ایسے محبوب ہیں کہ ہم نے قلیل جھکاؤ کے قرب سے بھی آپ کو بچا لیا۔'' (ماجدی اردو' صفحہ ۵۹۳' نوٹ: ۱۰۷)

لَوْ لَآ اِمتناعیہ ہے اور اپنے اندر اسی مفہوم کا حامل ہے۔ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَیٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ

کی عبارت سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمتِ شان کا پتہ چلتا ہے کیونکہ جتنا کوئی زیادہ عزیز ہوتا ہے' اُتنا ہی اُس کی معمولی سے معمولی لغزش نا قابلِ برداشت ہوتی ہے۔

ع موئے در دیدہ بود کوہِ عظیم

(۷) وَ لَقَدْ آتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْ بَعْدِ مَا اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ○ وَ مَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَ مَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ○ وَ لٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ وَ مَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيٰتِنَا وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ○ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَ لٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ (القصص)

''اور بالیقین ہم نے اگلی امتوں کے ہلاک کئے جانے کے بعد موسیٰ کو کتاب دی تھی جو لوگوں کے لئے دانشمندیوں' ہدایت اور رحمت کا ذریعہ تھی تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ اور (اے حبیب!) آپ (پہاڑ کے) مغربی جانب موجود نہ تھے جب ہم نے موسیٰ کو احکام دئے تھے اور نہ آپ اُن لوگوں میں سے تھے جو (اُس وقت) موجود تھے لیکن ہم نے بہت سی نسلیں پیدا کیں' پھر اُن پر زمانہ دراز گزر گیا اور نہ آپ اہلِ مدین میں قیام پذیر تھے کہ ہماری آیتیں اُن لوگوں کو پڑھ کر سنا رہے ہوں لیکن ہم آپ ہی کو رسول بنانے والے تھے اور نہ آپ طور کے پہلو میں اُس وقت موجود تھے جب ہم نے موسیٰ کو آواز دی تھی لیکن آپ اپنے پروردگار کی رحمت سے (نبی بنائے گئے) تا کہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تا کہ وہ لوگ نصیحت قبول کریں۔''

(۲۸ : ۴۳ تا ۴۶)

''اگلی امتوں سے مراد اگلے پیغمبروں کی نافرمان امتیں ہیں یعنی قومِ نوح' قومِ لوط' قومِ ھود' قومِ صالح (علیہم السلام) وغیرہ۔ جس چوٹی کا نام طور ہے وہ کوہستانِ سینا کی جانب مغرب میں واقع ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اے حبیبِ مکرّم! موسیٰ علیہ السلام پر نزولِ وحی و کتاب کے وقت آپ وہاں موجود نہ تھے۔ یعنی یہ امور آپ کو مشاہدہ سے تو معلوم ہی نہیں ہو سکتے تھے' ہماری وحی ہی سے معلوم ہو رہے ہیں۔ نہ آپ کو جسمًا وہاں حضوری حاصل رہی اور نہ یہ چیزیں آپ کے مشاہدہ میں آئیں۔ پھر آپ جو اُنہیں اتنا صاف و صحیح بتا رہے ہیں تو وحی کے سوا اور کیا ذریعہ ہو سکتا ہے؟'' (ماجدی اردو' صفحہ ۷۸۹' نوٹ: ۵۸ تا ۶۰)

حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے حضور علیہ السلام کی فضیلت اور آپ کی امت کی شان بیان فرمائی تو آپ نے خواہش ظاہر کی کہ مجھے دیدار کرایا جائے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا کہ تم دیکھ نہیں سکتے۔ اگر چاہو تو میں اُنہیں بلاتا ہوں اور اُن کی آواز تمہیں سناتا ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: ہاں مجھے آواز ہی سنوا دیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے ندا دی: اے محمد (ﷺ) کی امت! تو اپنے

باپوں کی پشتوں سے امتِ محمدیہ نے جواب دیا تو آیت کا معنیٰ یہ ہوگا کہ (اے حبیبِ مکرّم!) آپ اُس وقت طور کے پاس نہیں تھے جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا اور آپ کی امت کو آواز دی اور موسیٰ علیہ السلام کو بتایا کہ ہم نے آپ کو اور آپ کی امت کو اتنی بڑی شان دی ہے۔

''سپرینگر' سنوک اور اُن کے ہم نوا جیسے مستشرقین کہتے ہیں کہ اگر ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام عرب کے پیغمبر ہوتے تو قرآنِ عزیز اُمّتِ عربیہ کے متعلق اس طرح محمد (ﷺ) سے خطاب نہ کرتا۔ مگر یہ بھی ایک سخت مغالطہ ہے جو قرآنِ عزیز کے طرزِ خطابت' اسلوبِ بیان اور باطل پرستوں کی باطل پرستی کے خلاف دلائل کی ترتیب سے ناواقفیت کی بناء پر پیدا ہوا ہے یا گزشتہ اعتراضات کی طرح محض بغض وعناد کی خاطر اختیار کیا گیا ہے۔''

''مستشرقین کی طرف سے سورۃ القصص کی پیش کردہ آیت ۴۶ بالالِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّا اَتٰهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ سرزمینِ عرب (حجاز) ہمیشہ سے اللہ کے نبی اور پیغمبر کے وجود سے محروم ہے اور اس ملک میں نبی اکرم ﷺ کی آواز سب سے پہلی آواز ہے۔ قرآنِ عزیز ایسی خلافِ حقیقت بات کیسے کہہ سکتا تھا جبکہ سورہ ابراہیم' الانعام اور النمل کی متعدد آیات میں حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کے عربی ہونے کی صاف اور صریح شہادتیں موجود ہیں۔ بلا شبہ قرآنِ عزیز اس قسم کے تضاد اور اختلاف سے قطعاً بَری ہے کہ ایک جگہ وہ ایک بات کا انکار کرے اور دوسری جگہ اُسی بات کا اقرار کرے۔

سورۃ القصص کی زیرِ نظر آیت ۴۶ کا مطلب اگر یوں بیان کیا جائے تو آیت کے سمجھنے میں کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ فرمایا: ہم نے آپ کو اس قوم میں مبعوث فرمایا جس میں اسماعیل علیہ السلام کے وقت سے لے کر اب تک کے عرصہ دراز میں کوئی نبی اور نذیر (ڈرانے والا) نہیں آیا تھا۔ ہدایت کی روشنی مدت سے ناپید تھی' ہر طرف کفر و جہالت کی تاریکی پھیلی ہوئی تھی تا کہ آپ اُنہیں عذابِ الٰہی سے بروقت ڈرائیں۔

لہٰذا قرآن عزیز کے خلاف سنوک' اسپرنگر اور وینسک کے یہ تمام دعاوی اور اُن کے دلائل تاریخی حقائق اور واقعات کی روشنی میں قطعاً باطل اور محض افترا ہیں اور اُن کے طرزِ عمل سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اور اس قسم کے دوسرے ناقدینِ قرآنِ عزیز پر علمی دیانت کے ساتھ تنقید نہیں کرتے اور نہ اُن کی فہم اور سمجھ کا قصور ہے بلکہ اس کے برعکس وہ علمی بددیانتی سے کام لے کر قرآن کے خلاف زہر اگلتے' غلط الزام قائم کرتے اور صریح اور واضح مسائل میں اپنے پیشِ نظر مقاصد کے مطابق تشکیک پیدا کر کے ناواقف دنیا کو گمراہ کرتے ہیں بلکہ اس قسم کے الزامات سے اُن کا صرف ایک ہی مقصد ہوسکتا ہے جسے قرآنِ عزیز نے اس قسم کے معاندین کے لئے ایک مستقل قانون کی طرح واضح کر دیا ہے:

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً (النساء: ۸۹)

''یہ (منکرینِ قرآن و اسلام) تو دل سے چاہتے ہیں کہ کاش تم بھی اُنہی کی طرح منکر بن جاؤ

تا کہ وہ اور تم (سب) برابر ہو جاؤ۔'' (۸۹ : ۴)

''بہر حال قرآنِ حکیم کی مسطورہ بالا زیرِ بحث آیت کا مطلب صاف اور واضح ہے اور اُس کے درمیان اور الانعام' ابراھیم اور النّحل جیسی سورتوں میں ابراہیم علیہ السلام کے پیغمبرِ عرب ہونے کے درمیان قطعاً کوئی تضاد اور اختلاف نہیں ہے۔ اس پیش کردہ تفصیل وتشریح کے علاوہ عام مفسرین نے اس قسم کی آیات کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ یہ خطاب صرف اُنہی لوگوں سے متعلق ہے جو نبیِ اکرم ﷺ کی حیاتِ طیّبہ میں موجود تھے۔ اُن کے گزشتہ آباء واجداد اور گزشتہ تاریخ عرب سے اس خطاب کا کوئی تعلق نہیں ہے۔'' (''قصص القرآن''۔ حفظ الرحمٰن سیوہاروی' ج ا' ص ص ۱۵۱ تا ۱۶۷ ملخصًا)

(ذ) رسول کے انسانی شکل میں ہونے کو نہ ماننے کے ساتھ اُنہوں نے دوٹوک الفاظ میں قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے کا انکار کر دیا۔ اُنہوں نے نبیِ مکرّم ﷺ پر (معاذ اللہ) جھوٹے نبی ہونے اور قرآن مجید کو آپ کی اپنی اختراع ہونے کا الزام لگایا۔ قرآنِ حکیم نے اُنہیں اس جیسی چیز لانے کا چیلنج کیا۔ لیکن اُنہوں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے ساتھیوں کے خلاف جنگ کرنے کو ترجیح دی اور اس طرح قرآنی چیلنج اب تک ناقابلِ تسخیر رہا ہے۔ مختلف مرحلوں میں کیے گئے قرآن کے تدریجی چیلنجوں کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

(۱) قُلۡ فَاۡتُوۡا بِکِتٰبٍ مِّنۡ عِنۡدِاللّٰہِ ھُوَ اَھۡدٰی مِنۡھُمَاۤ اَتَّبِعۡهُ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ O (القصص: ۴۹)
''فرما دیجئے کہ تم اللہ کے حضور سے کوئی (اور) کتاب لے آؤ جو اِن دونوں سے ہدایت والی ہو (تو) میں اُس کی پیروی کروں گا' اگر تم (اپنے الزامات میں) سچے ہو۔'' (۲۸:۴۹)

قرآن جیسی کتاب لانے کا یہ پہلا چیلنج تھا۔ اُنہیں مہلت دی گئی لیکن وہ اس جیسی کتاب لانے میں بری طرح ناکام رہے تو اُنہیں کچھ مزید سہولت دی گئی۔

(۲) اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىهُ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِعَشۡرِ سُوَرٍ مِّثۡلِهٖ مُفۡتَرَیٰتٍ وَّادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ O (ھود: ۱۳)
''کیا کفار یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اِس (قرآن) کو خود گھڑ لیا ہے۔ فرما دیجئے: تم (بھی) اس جیسی گھڑی ہوئی دس سورتیں لے آؤ اور اللہ کے سوا (اپنی مدد کے لئے) جسے بھی بلا سکتے ہو' بلا لو' اگر تم سچے ہو۔''
(۱۱ : ۱۳)

اب تعداد مقرر کر دی گئی۔ بعد میں مخالفین کے لئے معاملہ اور بھی آسان کر دیا گیا اور دس سورتیں لانے کی بجائے صرف ایک سورۃ لانے کو کہا گیا:

(۳) وَاِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ وَادۡعُوۡا شُهَدَآءَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ O (البقرة : ۲۳)

''اور اگر تمہیں اِس (کلام) کے بارے میں شک ہے جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے تو اس جیسی کوئی ایک ہی سورت بنالاؤ اور (اس کام کے لئے بے شک) اللہ کے سوا اپنے (سب) حمائتیوں کو بلالو اگر تم (اپنے شک اور انکار میں) سچے ہو۔'' (۲ : ۲۳)

ایک مقام پر (۵۲:۳۴،۳۳) آیت کے پرکھنے کا کہ آیا وہ اللہ کی جانب سے ہے' ایک ٹھوس معیار پیش کیا گیا۔ ہم نے تمہارے آگے کئی سورتیں رکھ دی ہیں تو کیا تم اُن میں کوئی ایک جیسی سورہ لا سکتے ہو؟ اگر اللہ کے سوا کوئی ایسی ہستی ہے جو روحانی صداقت کو ایسی شریفانہ زبان میں بیان کر سکے تو اس کا ثبوت پیش کرو۔ یا کہیں ایسا تو نہیں کہ تمہارے شکوک وشبہات تمہاری اپنی اندر کی روشنی اور ضمیر کے خلاف محض سرکشی اور ضد کی بنیاد پر ہیں؟ تمام سچی وحی بذاتِ خود ایک معجزہ ہوا کرتی ہے اور اپنی خوبیوں کی بنیاد پر اُسے استحکام حاصل ہوتا ہے۔ قدیم و جدید دشمنانِ اسلام کو یہ انتہائی اشتعال انگیز چیلنج ہے جس کا جواب اِن تمام چودہ صدیوں میں نہیں دیا گیا اور یہی زندہ وجاوید معجزہ ہے:

اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلۡ لَّا يُؤۡمِنُوۡنَ O فَلۡيَاۡتُوۡا بِحَدِيۡثٍ مِّثۡلِهٖۤ اِنۡ كَانُوۡا صٰدِقِيۡنَ O (الطّور: ۳۴،۳۳)

''یا وہ کہتے ہیں کہ اِس (رسول) نے اِس (قرآن) کو از خود گھڑ لیا ہے۔ (ایسا نہیں) بلکہ وہ (حق کو) مانتے ہی نہیں۔ پس اُنہیں چاہئے کہ اِس (قرآن) جیسا کوئی کلام لے آئیں اگر وہ سچے ہیں۔'' (۵۲:۳۴،۳۳)

بالآخر قرآنِ حکیم نے اُن کی طرف سے قرآن جیسی ایک بھی سورت نہ لا سکنے پر مہر لگادی اور دعویٰ کیا کہ:

(۱) فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىۡ وَقُوۡدُهَا النَّاسُ وَالۡحِجَارَةُ ۖۚ اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِيۡنَ O

''پھر اگر تم ایسا نہ کرسکو اور ہرگز نہ کر سکو گے تو اُس آگ سے بچو جس کا ایندھن آدمی (یعنی کافر) اور پتھر (یعنی اُن کے بت) ہیں جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔'' (۲ : ۲۴)

(۲) قُلۡ لَّئِنِ اجۡتَمَعَتِ الۡاِنۡسُ وَالۡجِنُّ عَلٰٓى اَنۡ يَّاۡتُوۡا بِمِثۡلِ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لَا يَاۡتُوۡنَ بِمِثۡلِهٖ وَلَوۡ كَانَ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ ظَهِيۡرًا O (بنی اسرائیل : ۸۸)

''فرما دیجئے: اگر تمام انسان اور جنات اس بات پر جمع ہو جائیں کہ وہ اِس قرآن کے مثل (کوئی دوسرا کلام بنا) لائیں گے تو (بھی) وہ اس کی مثل نہیں لا سکتے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں۔'' (۱۷:۸۸)

ہر زمانے میں تمام دنیا کے نامور علماء و فضلاء کا بھی قرآن مجید کی مثل لانے کی نااہلیت کا کچھ مستند و مشہور مستشرقین نے بھی اعتراف کیا ہے جن میں سے چند کا حوالہ حسب ذیل ہے:

(i) ''اگرچہ محمد (ﷺ) کی جانب سے دشمنانِ اسلام کو قرآن جیسی کتاب یا کم از کم ایک سورہ لانے کی دعوت دی گئی اور اگرچہ اہلِ عرب میں بڑے ہی فصیح و بلیغ لوگوں کی کمی نہیں تھی جو اپنے مافی الضمیر کا اظہار بڑی فصاحت و بلاغت کے ساتھ کرسکتے تھے لیکن اس کے باوجود کوئی بھی شخص قرآن کے مقابلہ میں کچھ بھی نہ لا سکا۔ اُنہوں نے نبی علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں سے جنگ کرنے کو ترجیح تو دی لیکن قرآن کی فضیلت کا مقابلہ کرنے میں ناکام رہے۔'' ("An Interpretation of Islam".. Prof. Laura Veccia Vaglieri, p. 229)

(ii) ''اگر قرآن آپ (ﷺ) کا اپنا کلام ہوتا تو دوسرے لوگ اس کا مقابلہ کرتے۔ قرآن نے کہا کہ اس کے مقابل کی دس سورتیں ہی لے آؤ اور جب وہ نہیں لا سکے تو اُنہیں چاہئے کہ وہ قرآن کو ایک ممتاز و نمایاں معجزاتی شہادت کے طور پر مان لیں۔'' ("Mohammedanism".. Prof. H.A.R. Gibb, p. 33)

(iii) ''قرآن اپنے اثر میں ایسا جدید اور ایسا قوی ہے کہ اس کا جوہر (خلاصہ) ایک معجزہ معلوم ہوتا ہے جو عام آدمی کی رسائی سے باہر ہے۔ محمد (ﷺ) کے دشمنوں کو قرآن جیسی کتاب لانے کو کہا گیا۔ قرآن کی امتیازی خصوصیت اُس کا کلام الٰہی ہونا ہے۔ مسلمان جب قرآن کی تلاوت کرتے ہیں یا وہ اُن قرآنی اقتباسات کے سامنے بیٹھتے ہیں جن سے اُن کی مسجدوں کی دیواروں کی تزئین کی گئی ہوتی ہے' تو وہ ایک پُر اَسرار (مخفی) وجود کو محسوس کرتے ہیں۔ ہم نے دیکھا ہے کہ یہ مسلمان کی روحانیت کا وہ مرکزی نقطہ ہے جیسا کہ کلمۃ اللہ عیسیٰ علیہ السلام عیسائیت کا مرکزی نقطہ ہیں۔'' ("Muhammad --- A Biography of the Prophet"... Karen Armstrong, p. 126)

(iv) ''اپنے مشن کی توثیق کے لئے محمد (ﷺ) نے ملکِ عرب کے انتہائی فصیح و بلیغ لوگوں کو چیلنج کیا جو اُس وقت ہزاروں کی تعداد میں تھے جن کی تمام تر خواہش طرزِ کلام اور اس کی ترکیبی ساخت میں سبقت لے جانا تھی۔ اُنہیں چیلنج کیا گیا کہ وہ قرآن کی مثل کی صرف ایک ہی سورۃ لے آئیں۔ میں کئی مثالوں میں سے صرف ایک کا ذکر یہ ظاہر کرنے کے لئے کروں گا کہ قرآن کی ہیئتِ ترکیبی کے حسن و جمال کی فی الواقع اُن لوگوں نے ستائش کی جو اس کے اہل اور لائق منصف تھے۔ محمد (ﷺ) کے ہم عصر اور ایک عظیم ذہن کے مالک لبید بن ربیعہ کی نظم خانہ کعبہ کے دروازے پر لٹکا دی گئی اور یہ اعزاز انتہائی بہتر کارکردگی والے کا حصّہ ہوتا تھا' تو کسی بھی شاعر نے اس کا مقابل لانے کی جرأت نہیں کی۔ لیکن اس کے فوراً بعد قرآن کی جب ایک سورۃ وہاں لٹکائی گئی تو لبید (جو اُس وقت بت پرست تھا) اس کی اوّلیں آیات کو پڑھتے ہی محوِ حیرت رہ گیا اور فی الفور دینِ اسلام قبول کرلیا یہ اعلان کرتے ہوئے کہ ایسا کلام صرف الہام شدہ اور غیبی امداد دیا ہوا شخص ہی کہہ سکتا ہے۔'' (Preliminary Discourse to the "Translation of the Koran".. George Sale, p. 66)

(v) ''شاید دنیا میں کوئی بھی لوگ ادبی اظہار میں اس قدر گرمجوش تعریف و ستائش کا اظہار نہیں کرتے اور

زبانی یا تحریری کلام سے اس قدر متاثر نہیں ہوتے جتنا کہ اہلِ عرب ہوتے ہیں۔ کوئی اور زبان بمشکل ہی اپنے بولنے والوں کے ذہنوں پر ایسا ناگزیر اثر چھوڑتے ہوئے معلوم ہوتی ہے جیسا کہ عربی زبان۔ کسی حد تک اسلام کی فتح زبان کی فتح تھی بالخصوص قرآن کی زبان۔'' ("History of the Arabs" ... P.K. Hitti, pp. 90, 91)

(vi) ''ملکِ عرب کے بہترین مصنّفین بھی قرآن کے مساوی کوئی شہ پارہ لانے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔'' ("The Quran" Introduction .. Palmer, p. LV)

(vii) '' الور (Alvar) جیسے متعصب' دشمنِ اسلام نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ قرآن ایسی فصیح و بلیغ' خوبصورت زبان میں تخلیق کیا گیا ہے کہ عیسائیوں تک اُسے پڑھے اور تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکے۔'' ("Preaching of Islam" .. Arnold, p. 138)

(ر) مشرکوں کے نزدیک آخرت کی زندگی اور حشر ونشر بالکل عجیب اور نا قابلِ فہم تھے اور اُن کا عقیدہ تھا:

اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ O (المؤمنون: ۳۷)

''ہماری زندگی تو یہی دنیا ہے' ہم (یہیں) مرتے اور جیتے ہیں اور (بس ختم)' ہم (دوبارہ) نہیں اٹھائے جائیں گے۔'' (۲۳ : ۳۷)

بہ الفاظِ دیگر وہ یوں کہتے تھے کہ ہمارا مرنا یقینی ہے اور ہماری یہ زندگی بھی یقینی ہے۔ کچھ لوگ مرتے ہیں اور کچھ لوگ پیدا ہوتے ہیں اور اس طرح گردش جاری رہتی ہے لیکن مُردہ لوگ کیسے دوبارہ زندگی پا سکتے ہیں' اس لئے اُن کے نزدیک آخرت کی زندگی لایعنی بات تھی۔

قرآن مجید اُن کے اس اعتراض کا منطقی جواب درج ذیل آیات میں دیتا ہے' اس اظہار کے ساتھ کہ اُس قادرِ مطلق کی قدرتِ کاملہ ہر چیز کو حاوی ہے:۔

(۱) قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْ اَنْشَاَهَا اَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِکُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمٌ O (یٰسٓ : ۷۹)

''فرما دیجئے اُنہیں وہی زندہ فرمائے گا جس نے اُنہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ ہر مخلوق کو خوب جاننے والا ہے۔'' (۳۶: ۷۹)

(۲) اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ یَعْیَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰی اَنْ یُّحْیِ ـیَ الْمَوْتٰی بَلٰی اِنَّهٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ O (الاحقاف : ۳۳)

''کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اور وہ اُن کے پیدا کرنے سے تھکا نہیں' اس بات پر (بھی) قادر ہے کہ وہ مُردوں کو (دوبارہ) زندہ فرما دے' کیوں نہیں' بے شک وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔'' (۴۶ : ۳۳)

(۳) وَ قَالُوۡا أَءِ ذَا کُنَّا عِظَامًا وَّ رُفَاتًا أَءِ نَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ خَلۡقًا جَدِیۡدًاO قُلۡ کُوۡنُوۡا حِجَارَةً اَوۡ حَدِیۡدًاO اَوۡخَلۡقًا مِّمَّا یَکۡبُرُ فِیۡ صُدُوۡرِکُمۡ فَسَیَقُوۡلُوۡنَ مَنۡ یُّعِیۡدُنَا قُلِ الَّذِیۡ فَطَرَکُمۡ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَسَیُنۡغِضُوۡنَ اِلَیۡکَ رُءُوۡسَهُمۡ وَیَقُوۡلُوۡنَ مَتٰی هُوَ قُلۡ عَسٰۤی اَنۡ یَّکُوۡنَ قَرِیۡبًا(الاسراء)

''وہ (کفار) کہتے ہیں کہ جب ہم ہڈیاں اور چورا چورا ہو جائیں گے تو کیا ہم از سرِ نو پیدا اور جمع کیے جائیں گے۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم پتھر یا لوہا ہو جاؤ یا کوئی اور چیز جو تمہارے خیال میں بہت ہی بعید ہو' پھر وہ کہیں گے کہ کون ہمیں دوبارہ جلائے گا؟ آپ کہہ دیجئے کہ وہ وہی ہے جس نے تمہیں اوّل بار پیدا کیا تھا۔ پھر وہ آپ کے آگے سر ہلائیں گے اور کہیں گے کہ یہ (زندہ ہونا) ہو گا کب؟ آپ کہہ دیجئے کہ عجب نہیں کہ یہ وقت قریب ہی آ پہنچا ہو۔'' #(۴۹ تا ۵۱ : ۱۷)

''سامی فکر ونظر میں دوسری دنیا کو بہت چھوٹی سی جگہ حاصل تھی۔ مذہب صرف اس زندگی تک محدود تھا اور مرنے کے بعد اس کے عقیدے کے مطابق خود مذہب بھی اختتام پذیر ہو جاتا ہے۔'' ("History of Religion" ... Menzies, p. 161)

(۴) وَ قَالُوۡا أَءِ ذَا کُنَّا عِظَامًا وَّ رُفَاتًا أَءِ نَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ خَلۡقًا جَدِیۡدًاO اَوَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّ اللّٰہَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ قَادِرٌ عَلٰۤی اَنۡ یَّخۡلُقَ مِثۡلَهُمۡ وَ جَعَلَ لَهُمۡ اَجَلًا لَّا رَیۡبَ فِیۡهِ فَاَبَی الظّٰلِمُوۡنَ اِلَّا کُفُوۡرًاO (بنی اسراء یل : ۹۸' ۹۹)

''وہ یہ کہتے رہے کہ کیا جب ہم (مر کر بوسیدہ) ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ہم از سرِ نو پیدا کر کے اٹھائے جائیں گے؟ کیا اُنہوں نے نہیں دیکھا کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ہے (وہ) اِس بات پر بھی قادر ہے کہ وہ ان لوگوں کی مثل (دوبارہ) پیدا فرما دے اور اُس نے اُن کے لئے ایک وقت مقرر فرما دیا ہے جس میں کوئی شک نہیں' پھر بھی ظالموں نے انکار کر دیا ہے مگر (یہ) ناشکری ہے۔'' (۹۸'۹۹ : ۱۷)

(۵) وَ ضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّ نَسِیَ خَلۡقَهٗ قَالَ مَنۡ یُّحۡیِ الۡعِظَامَ وَهِیَ رَمِیۡمٌ O قُلۡ یُحۡیِیۡهَا الَّذِیۡۤ

نوٹ: ''یہاں فرمایا گیا اَنۡ یَّکُوۡنَ قَرِیۡبًا (قیامت قریب ہی ہے)۔ اِس فرمان کو چودہ صدیاں تو گزر چکیں' ابھی تک تو آثار بھی نہیں آئے تو قیامت قریب کیسے ہوئی؟ یہ اعتراض امام فخر الدین رازی کے زمانے میں کیا گیا جبکہ اُس وقت چھ سو سال گزر رہے تھے۔ اس کا جواب امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دیا کہ قریب ہونا دنیا کی پوری مدت کے لحاظ سے ہے۔ نبی کریم ﷺ کے زمانے تک دنیا کی زیادہ مدت جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوئی' ہزاروں سال گزر چکی' اب تھوڑی باقی ہے اس لئے قریبًا کہنا بالکل درست ہے۔ دوسرا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ قیامِ دنیا کا مقصد پورا ہو چکا ہے یعنی نبوّت کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔ اب تو صرف قیامت کا ہی انتظار ہے جس میں اس سلسلے کا نتیجہ ظاہر ہونا ہے یعنی قریبًا ہے انتظار میں۔ اس کے سوا اَب کسی اور کا انتظار نہیں رہا۔'' (تفسیر نعیمی' ج ۱۵' ص ۲۳۲)

اَنْشَاَهَا اَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ O یٰسٓ : ۷۸، ۷۹ : ۳۶)
''اور (خود) ہمارے لئے مثالیں بیان کرنے لگا اور اپنی پیدائش (کی حقیقت) کو بھول گیا۔ کہنے لگا: ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا جبکہ وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں گی۔ فرما دیجئے: اُنہیں وہی زندہ فرمائے گا جس نے اُنہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ ہر مخلوق کو جاننے والا ہے۔'' (۷۸، ۷۹ : ۳۶)

''اس سلسلہ میں زرتشت نے ہرمز سے پوچھا کہ جب مُردوں کے مادّی جسم ریزہ ریزہ ہو کر خاک ہو جائیں گے تو اُنہیں دوبارہ زندگی کیسے دی جائے گی؟ ہرمز نے پیغمبر کو بتایا: اللہ کے لئے کسی نسبت کو ہست میں لانا چنداں مشکل نہیں۔ جبکہ دنیا میں کچھ بھی نہ تھا تو اُس کی قدرتِ کاملہ معدوم چیزوں کو وجود میں لائی۔ آسمانوں، زمین، شمس و قمر، ستاروں، سیاروں، آگ، پانی، بادلوں اور ہوا، اناج اور انسان کا پہلے کہاں وجود تھا؟ اُس وقتِ معیّنہ میں زمین کا جوہر، پانی، پودے اور آگ ہڈیوں، خون، بالوں اور دوسرے اُس مواد کو بحال کر دیں گے جو اللہ نے اُن میں ودیعت کیا، اس طرح جسموں کو دوبارہ زندگی دی جائے گی۔'' .. ("Zoroastrian Theology" Dhalla, pp. 199, 200)

(۶) لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ O (المؤمن)
''یقیناً آسمانوں اور زمین کی پیدائش انسانوں کی پیدائش سے کہیں بڑھ کر ہے لیکن اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔'' (۵۷ : ۴۰)

''یہ تمام کائنات آسمان اور زمین، انسانوں، دوسری تمام مخلوقات اور لاکھوں ستاروں، سیاروں کو شامل ہیں۔ انسان ان تمام مخلوقات کا ایک چھوٹا، ادنیٰ سا جزء ہے تو وہ اس قدر خود پسند، خود بین اور انانیت زدہ (Egocentric) کیوں ہے؟ کسی چیز کا کل اُس کے چھوٹے جزء سے بڑا ہوتا ہے۔ اور وہ خدا جس نے تمام کائنات پیدا کی، وہ اُن تمام حیران کن چیزوں کے پیدا کرنے پر قادر ہے جو انسانی تصوّر میں آ سکتی ہیں۔ انسان اتنا مغرور اور حشر و نشر کے متعلق شک میں کیوں مبتلا ہے؟ وجہ یہی ہے کہ اُس نے حقیقتِ تامّہ سے اپنے آپ کو اندھا کر لیا ہے۔'' (عبداللہ یوسف علی، نوٹ : ۵۷)

(II) یہود: یہ لوگ ظلم و تعدّی اور تجاوز عن الحد میں مشرکینِ عرب سے کم نہ تھے۔ حشر و نشر کے عقیدے کے ساتھ ساتھ وہ اُن تمام برائیوں میں ملوّث تھے جو اُن کے ہم عصر مشرکین میں پائی جاتی تھیں۔ وہ تورات کے پیروکار ہونے کے دعویدار تھے لیکن ستم بالائے ستم، تورات خود اُن کے رحم و کرم پر تھی بایں معنیٰ کہ وہ تورات میں الحاق و تحریف کے مرتکب تھے اور اپنے دنیاوی مفاد کی خاطر جیسے چاہتے تھے، اُس کی تاویل کرتے تھے۔

یہود کے قدیم راہبوں کا یہ دعویٰ تھا کہ کچھ حالات کے تحت اُنہیں بائبل کے قوانین کو منسوخ اور معلق کرنے

کا اختیار حاصل ہے۔ تالمود میں کچھ ایسی صورتوں کا بیان ہے جن میں بائبل کے قانون کو مکمل طور پر منسوخ کر دیا گیا۔''(The Jewish Encyclopaedia, Vol. 1, p. 131)

''عظیم پادری کا ممتاز مرتبہ اس حقیقت سے ظاہر ہے کہ اُس کے اپنے گناہ لوگوں کے گناہ تصوّر کئے جاتے ہیں۔'' (ایضاً' جلد ششم' صفحہ ۳۹۰)

تورات میں اُن کا الحاق و تحریف تین قسم کا تھا:

(الف) لفظی تحریف: (i) وہ تورات کی اُن آیات کا جو اُن کے دنیاوی مفاد کے خلاف ہوتیں' عوام کے آگے غلط ترجمہ پیش کرتے' جس کا حوالہ قرآن مجید نے سورۃ البقرۃ کی آیت ۷۹' سورۃ النساء کی آیت ۴۶' اور سورۃ المائدۃ کی آیت ۱۳ میں دیا ہے۔

(ii) وہ تورات میں بیان شدہ نبی آخر الزماں ﷺ کی آمد کی پیشگوئیوں کے چُھپانے کے عادی ہو چکے تھے تا کہ اصل حقیقت لوگوں پر منکشف نہ ہو جائے جس سے اُن کے دنیاوی مفادات کو دھچکا لگے۔ اُن کی مشترکہ کوشش یہی تھی کہ مسلمانوں کو اُن کی فریب کاریوں کا پتہ نہ چلے' کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ روزِ قیامت اپنے رب کے حضور اُن کے خلاف احتجاج کریں (بحوالہ سورۃ البقرۃ: آیت ۷۶)۔ اِن یہود کو شعور و ضمیر کی طرف لاتے ہوئے قرآنِ حکیم بڑے ہی سادہ انداز میں یہ استدلال پیش کرتا ہے:

اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ O (البقرۃ: ۷۷)

''کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ کو وہ سب کچھ معلوم ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔''

(iii) تورات کے اقتباسات کی غلط تاویل: وہ تورات کی کچھ آیات کی تاویل میں حقیقت سے دُور خود اختراعی معانی پیش کرتے تھے اور اس بات پر بضد تھے کہ لوگ صرف اُنہی کی پیش کردہ تاویل کے پابند ہیں۔ اُن کا یہ بھی خود اختراعی عقیدہ تھا کہ صرف موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانا ہی نجات کے لئے کافی ہے اور یہ کہ محمد (ﷺ) پر ایمان لانا (معاذ اللہ) نجات کے لئے ضروری نہیں ہے۔ الٰہی فیصلہ کے خلاف یہ اُن کا غرور و تکبر تھا۔ قرآن مجید نے مختلف طریقوں سے اُن کے اس عقیدے کا رد کیا ہے۔ مثلاً فرمایا:

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ O (البقرۃ: ۹۰)

''اُنہوں نے اپنی جانوں کا کیا ہی بُرا سودا کیا کہ اللہ کی نازل کردہ کتاب کا انکار کر رہے ہیں' محض اِس حسد میں کہ اللہ اپنے فضل سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے (وحی) نازل فرماتا ہے' پس وہ غضب پر غضب کے سزاوار ہوئے اور کافروں کے لئے ذلّت انگیز عذاب ہے۔'' (۲ : ۹۰)

عقیدۂ متناقضہ ☆ (Antinomianism Belief) کی کاٹ : اِس عقیدے کا مطلب یہ ہے کہ عیسائی اخلاقی قوانین کی پابندی سے آزاد ہیں کیونکہ رحمتِ خداوندی اُن کے شاملِ حال ہوتی ہے۔ اس عقیدے کو پہلے سینٹ پال کی طرف منسوب کیا گیا جس نے یہ اعلان کیا کہ اُس کے مخالفین نے اُس کے اِس بیان پر خواہ مخواہ الزام لگایا تھا: ''نیکی کے حصول کے لئے برائی کا ارتکاب کیوں نہ کیا جائے؟'' (رومو ۳:۸)۔ ابتدا میں نظریہ باطنیت کے کچھ حامیوں (Gnosticists) نے جنس اور دوسرے معاملات میں عقیدۂ متناقضہ کو اپنا لیا اور کہا کہ لوگ صرف روحانی معاملات میں اللہ کے حضور جوابدہ ہوں گے۔ سولھویں صدی کے لگ بھگ یورپ میں رومی کلیسا کی بدعنوانیوں کی اصلاح کے لئے اُٹھنے والی ''تحریکِ اصلاح'' کے زمانے میں مارٹن لوتھر کے کچھ پیروؤں نے اُس کے اِس نظریہ کو اپنا لیا کہ قانون کا اطلاق ایک عیسائی کی زندگی پر نہیں ہوتا۔ (Academic American Encyclopedia, Vol. 2, p. 64) USA 1981

قرآن مجید نے انتہائی منطقی طور پر اور مُسکت زورِ استدلال کے ساتھ اُن کے اِس عقیدۂ متناقضہ کو رد کیا ہے:

(۱) وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَاللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ ○ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ (البقرة: ۸۰-۸۲)

''اور وہ (یہود) یہ (بھی) کہتے ہیں کہ ہمیں (دوزخ کی) آگ ہرگز نہیں چھوئے گی سوائے گنتی کے چند دنوں کے' آپ (ان سے ذرا) پوچھیں کہ کیا تم اللہ سے کوئی (ایسا) وعدہ لے چکے ہو تو وہ اپنے وعدہ کے خلاف ہرگز نہیں کرے گا یا تم اللہ پر یونہی (وہ) بہتان باندھتے ہو جسے تم خود بھی نہیں جانتے۔ (نہیں) بلکہ اصل یہ ہے کہ جو کوئی بھی بدی اختیار کرے گا اور اُس کا گناہ اُسے گھیر لے گا سو یہی لوگ دوزخ والے ہیں' وہ اُس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے تو یہی لوگ اہلِ جنت ہیں' وہ اُس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔''

(۲) وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ (المائدة: ۱۸)

''اور یہود اور عیسائی کہتے ہیں کہ ہم خدا کے بیٹے اور اُس کے چہیتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے تو پھر خدا تمہیں تمہارے گناہوں پر سزا کیوں دیتا ہے' وہ جسے چاہے گا بخشے گا اور جسے چاہے گا سزا دے گا۔'' (۵:۱۸)

☆ عقیدۂ متناقضہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس میں باہم دو متضاد باتیں بہ یک وقت جمع ہو گئی ہیں یعنی اللہ کے پیارے اور چہیتے ہونا اور پھر اُن کے بہ زعمِ خود اللہ کے چہیتے ہونے کے باوجود اللہ کا اُنہیں سزا دینا۔

یعنی کیا دوستوں اور پیاروں کو بھی یوں ذلیل و رُسوا کیا جاتا ہے جیسے تمہیں کیا جا رہا ہے اور کیا اپنے پیاروں پر عذابِ الٰہی کے بادل اسی طرح منڈلاتے رہتے ہیں جیسے تم پر منڈلاتے رہتے ہیں؟ حقیقت تو یہ ہے کہ تم بھی دوسرے انسانوں کی طرح انسان ہو۔ رحمت اور سزا کا جو قاعدہ اُن کے لئے مقرر ہے، تم بھی بلا امتیاز و استثناء اُنہی کی طرح عام قاعدہ کے تحت میں داخل ہو یعنی جزا و سزا کا جو قانون ساری دُنیا کے لئے ہے، وہی تمہارے لئے بھی ہے۔

''یہودی گنہگاروں کو جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی کیونکہ وہ جہنم کے دروازوں پر اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیں گے اور اللہ کی طرف رجوع کریں گے۔'' (The Jewish Encyclopaedia, Vol. V, p. 583)

''بروزِ قیامت ابراہیم (علیہ السلام) جہنم کے دروازے پر بیٹھ جائیں گے اور کسی بھی ختنہ شدہ اسرائیلی کو جہنم میں نہ جانے دیں گے۔ آپ اُن بچوں کے جو ختنہ سے پہلے مر گئے، ذکر کے حشوے کے غلاف کو دُور کر کے اُسے اُن پر رکھیں گے اور اُنہیں جہنم میں بھیج دیں گے۔'' (Cohen's Everyman's Talmud, p. 404)

''ختنہ شدہ اسرائیلی جہنم میں نہیں جائیں گے۔ اسرائیلی گنہگاروں پر نارِ جہنم کا بس نہیں چلے گا۔'' (ایضاً، صفحات ۴۰۴، ۴۰۵)

(۳) وَقَالُوا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْنَصَارٰى تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (البقرة: ۱۱۱، ۱۱۲)

''اور وہ کہتے ہیں کہ جنت میں کوئی ہرگز داخل نہ ہوگا مگر ہاں وہی جو یہودی یا نصرانی ہوں، یہ اُن کی (نری) آرزوئیں ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اپنی سند لاؤ اگر تم سچے ہو۔ ہاں البتہ جو کوئی بھی اپنی ذات کو اللہ کے آگے جھکا دے اور وہ مخلص بھی ہو تو ایسے کے لئے اُس کے پروردگار کے پاس اس کا اجر ہے اور ایسوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔'' (۱۱۱، ۱۱۲ : ۲)

(۴) قُلْ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَاءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ (الجمعة)

''فرما دیجئے: اے یہودیو! اگر تم یہ گمان کرتے ہو کہ سب لوگوں کو چھوڑ کر تم ہی اللہ کے دوست ہو تو موت کی آرزو کرو اگر تم (اپنے خیال میں) سچے ہو۔ اور وہ کبھی بھی اس کی تمنا نہیں کریں گے اس رسول کی تکذیب اور کفر) کے باعث جو وہ آگے بھیج چکے ہیں اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔'' (۶۲:۷،۶)

موت اُنہیں خدا کے قریب کر دے گی اور اس طرح اُن کے اس دعویٰ کی توثیق ہو جائے گی کہ وہ اللہ کے

دوست اور پیارے ہیں ۔لیکن اُنہیں معلوم ہے کہ وہ تمام لوگوں سے زیادہ اس زندگی اور اس کی مرغوبات کے حریص ہیں اور حد درجہ گناہگار ہیں ۔اس لئے وہ یومِ حساب اور جوابدہی کے دن کا سامنا کرنا نہیں چاہتے ۔

یہودیوں کے راہبوں نے کہا کہ اسرائیلی پیارے ہیں کیونکہ اُنہیں خدائے برتر کا بیٹا کہا گیا ہے ۔اگر وہ نادان بھی ہوں' اگر چہ وہ تجاوز عن الحد کے مرتکب ہوں' اگر چہ اُن کے خلاف الزامات کا طومار ہو' تب بھی اُنہیں خدا کا بیٹا ہی کہا جائے گا ۔'' ("Jesus of Nazareth"... Klausner, p. 377)

''یہود کے تمام تر نظریہ کا خلاصہ یہی ہے کہ جیسا کہ اللہ کا ایک ہونا یقینی ہے' اسی طرح صرف اسرائیل کا مقدس طبقہ ہونا یقینی بات ہے ۔'' (Hastings' Encyclopaedia of Religion and Ethics, p. 520)

(III) نصاریٰ (عیسائی): عیسائیوں کا یہ پُرزور دعویٰ تھا کہ وہ اپنے پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار ہیں لیکن وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ فی الحقیقت اپنے پیغمبر کی تعلیمات سے بہت ہی دُور ہو چکے تھے کیونکہ اُنہوں نے اپنے مذہب میں عقیدہ تثلیث (Trinity) کو شامل کر لیا تھا جو عقیدۂ توحید کے سراسر منافی ہے ۔ہمیں اس عقیدے کو اُن کے اپنے صحیفوں اور اُن کے اپنے اچھی شہرت کے حامل مصنّفین کی تحریروں سے سمجھنا چاہیے:

(۱) ''آسمان میں تین ہی ہستیوں کا اندراج ہے یعنی باپ' کلمۃ اللہ اور روح القدس اور یہ تینوں مل کر اصل میں ایک ہیں ۔'' (یوحنا ۱. ۷:۵)

(۲) ''ایک تو باپ' دوسرا بیٹا اور تیسرا روح القدس ۔باپ خدا اور آقا ہے' بیٹا خدا اور آقا ہے اور روح القدس خدا اور آقا ہے ۔'' عقیدے کے یہ الفاظ صاف وشفاف پیالے میں پانی کی طرح واضح ہیں کہ تین ہستیاں ہیں جن میں سے ہر ایک خدا اور آقا ہے ۔'' ("The True Christian Religion" ..Swedenborg, p. 244)

''مذہب عیسائیت کے اس مرکزی اصول کا صرف مطلب یہی ہے کہ خدا تین نمایاں ہستیاں ہیں یعنی باپ' بیٹا اور روح القدس ۔۔۔ یہ تینوں ہستیاں ایک دوسرے کے مساوی ہیں' دائمی ہیں اور قدر و قیمت کی حامل ہیں اور مساوی شان و تزئین کی مستحق ہیں ۔'' (Pallen and Wynne's New Catholic Dictionary,NY)

''عقیدۂ تثلیث جو اَب تک عیسائی لوگوں میں عقیدہ کے تین بڑے اجزاء پر مشتمل ہے'

۳۵۵۱ (علم منطق اور منطقی قضیہ)

''اس طرح عیسائی لوگ مشرکین کی طرح شرک میں گڑے ہوئے ہیں۔ دراصل عیسائی لوگ زبانی طور پر بہ یک وقت ایک خدا کو تسلیم کرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ تین ہستیوں کے قائل ہیں جن میں سے ہر ایک بذاتِ خود خدا ہے۔'' ("The True Christian Religion" ..Swedenborg, p. 817)

عیسائیت کے عقیدہ تثلیث کی منطقی طور پر جڑ کاٹ دی گئی:

(1) اِنَّ مَثَلَ عِیۡسٰی عِنۡدَاللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنۡ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ O

''بے شک اللہ کے نزدیک عیسیٰ کا حال آدم کے حال جیسا ہے' اللہ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا' پھر اُن سے کہا: وجود میں آجاؤ تو وہ وجود میں آگئے۔'' (۳ : ۵۹)

یعنی آدم علیہ السلام کو بشر تو تم خود ہی تسلیم کرتے ہو جبکہ اُن کی پیدائش تو عجیب تر طور پر ہوئی یعنی وہاں ماں اور باپ دونوں میں سے کسی کا بھی توسط نہ تھا لیکن یہاں عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش میں ایک توسط ماں کا تو موجود ہے تو جب ماں اور باپ دونوں واسطوں کے نہ ہونے کے باوجود تم آدم علیہ السلام کو بشر مان رہے ہو تو یہاں عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں ایک واسطہ ہونے کے باوجود اُنہیں بشر ماننے میں کیا رکاوٹ ہے؟

(2) مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنۡ يُّؤۡتِيَهُ اللّٰهُ الۡكِتٰبَ وَالۡحُكۡمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوۡلَ لِلنَّاسِ كُوۡنُوۡا عِبَادًا لِّىۡ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلٰكِنۡ كُوۡنُوۡا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنۡتُمۡ تُعَلِّمُوۡنَ الۡكِتٰبَ وَبِمَا كُنۡتُمۡ تَدۡرُسُوۡنَ O وَلَا يَاۡمُرَكُمۡ اَنۡ تَتَّخِذُوا الۡمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرۡبَابًا ؕ اَيَاۡمُرُكُمۡ بِالۡكُفۡرِ بَعۡدَ اِذۡ اَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ O

(آلِ عمران : ۷۹، ۸۰)

''کسی بشر سے یہ نہیں ہوسکتا کہ اللہ تو اُسے کتاب' حکمت اور نبوّت عطا کرے اور وہ لوگوں سے یہ کہنے لگے کہ تم اللہ کے علاوہ میرے بندے بن جاؤ بلکہ (وہ تو یہی کہے گا) کہ اللہ والے بن جاؤ' (یہ) اس لئے (اور بھی) کہ تم کتابِ (آسمانی) پڑھاتے ہو اور خود بھی (اُسے) پڑھتے ہو۔ اور نہ وہ تمہیں اس کا حکم دے گا کہ تم فرشتوں اور پیغمبروں کو پروردگار قرار دو' کیا وہ تمہیں تمہارے اسلام لانے کے بعد کفر کا حکم دے گا!'' (۳ : ۷۹، ۸۰)

خطاب نصاریٰ سے ہے کہ تمہارے پاس تعلیم و تعلم کے لئے کتابِ آسمانی موجود ہے اور پھر تم ایسے جہل و ضلالت میں گرفتار ہو! امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہ نکتہ خوب پیدا کیا ہے کہ علم و تعلیم و دِراست کا تقاضا یہی ہے کہ انسان با خدا بن جائے۔ پس اگر ان مشغلوں سے یہ مقصود ہی نہیں رکھتا تو وہ اپنا وقت ضائع کر رہا ہے اور ایسے علم اور قلب سے حدیثِ نبوی میں پناہ مانگی گئی ہے۔

''عیسیٰ (علیہ السلام) کی تصویر خالصتاً ایک انسان اور بشر کی تصویر ہے۔ آپ نے اپنی قوم کے سامنے اپنے

۳۵۵۲ (علم منطق اور منطقی قضیّہ)

آپ کو عقلِ کُل یا معلّمِ اخلاق کے طور پر پیش نہیں کیا بلکہ اللہ کی طرف سے بھیجے گئے پیغام رساں کے طور پر پیش کیا اور اِس لحاظ سے آپ اللہ کی بادشاہت کے حوالے سے اُس کے سفیرِ اعظم ہیں۔" ("The Hibbart Journal" of London ---- October, 1934, p. 30)

"خالص تاریخی بنیادوں پر عیسیٰ (علیہ السلام) کے بارے میں جو کچھ کہا جا سکتا ہے وہ یہ کہ آپ ایک خاص ماحول میں رہنے والے انسان ہی تھے۔ (تحریف شدہ) انجیل کے عقیدہ کے مطابق آپ کا خدا ہونا انسانی اختراع ہے۔" (ایضاً' اکتوبر 1935' ص 374)

(3) لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ۝ (النّساء: ۱۷۲)

"مسیح ہرگز اس سے عار نہ کریں گے کہ وہ اللہ کے بندہ ہیں اور نہ ہی مقرّب فرشتے (عار کریں گے) اور جو کوئی اللہ کی بندگی سے عار کرے گا اور تکبر کرے گا تو اللہ اُن سب کو اپنے پاس ضرور جمع کرے گا۔"
(۴ : ۱۷۲)

(4) لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (المائدة: ۱۷)

"بے شک اُن لوگوں نے کفر کیا جو کہتے ہیں کہ یقیناً اللہ مسیح ابنِ مریم ہی تو ہے۔ آپ فرما دیں: پھر کون (ایسا شخص) ہے جو اللہ (کی مشیّت میں) سے کسی شے کا مالک ہو؟ اگر وہ اس بات کا ارادہ فرمالے کہ مسیح ابنِ مریم اور اُس کی ماں اور سب زمین والوں کو ہلاک کر دے تو اُنہیں کون بچا سکتا ہے؟ اور آسمانوں اور زمین اور جو اُن دونوں کے درمیان ہے' سب کی بادشاہی اللہ ہی کے لئے ہے' وہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے اور اللہ ہر چیز پر بڑا قادر ہے۔" (۵ : ۱۷)

"عقیدہ تثلیث کو تین ہستیوں میں شامل تسلیم کیا گیا ہے جن میں سے ہر ہستی خدا اور آقا ہے۔ اس عقیدے نے لوگوں کے ذہنوں کو ایسی پریشانی میں مبتلا کیا کہ اُنہیں یہ معلوم نہیں کہ آیا ایک خدا ہے یا تین خدا ہیں۔ اُن کی زبان پر ایک خدا ہے لیکن اُن کے خیالات میں تین خدا ہیں۔" ("The True Christian Religion" ..Swedenborg, p. 51)

"عیسائی عقائد کے رسمی اعلان (Nicene Creed) کے مطابق جو 325ء میں ناسایا میں منعقد ہونے والی پہلی کونسل کی قرارداد پر مبنی ہے کی تعلیم ہی تین خداؤں کا انکار کرتی ہے۔" .. ("Phases of Faith" Newman, p. 33)

۳۵۵۳ (علم منطق اور منطقی قضیّہ)

''قرآن کے نزدیک عقیدہ تثلیث ایک لغو عقیدہ ہے جس سے نہ تو معقولیت کے کسی اصول سے مصالحت ہو سکتی ہے اور نہ ہی اُس کی ہمارے مذہبی ارتقاء میں کوئی قدر و قیمت ہے۔ برہمنی مذہب میں تریموُرتی کو بھی خدائی توحید کے طور پر سمجھا جاتا ہے جس میں تین ہستیاں شامل ہیں یعنی برہما جو خالق ہے' وشنو جو روزی رساں ہے اور شوا جو تباہ و برباد کرنے والا ہے۔'' ("Riddle of the Universe"..Haeckel, pp. 226, 233)

''خدا کے بیٹے کی اصطلاح اگر عیسیٰ علیہ السلام نے بھی استعمال کی ہوتی تو اس کا مطلب اس آدمی کے سوا کچھ نہ تھا جس نے اپنے سراپا کو اللہ کے حضور جھکا دیا ہو (جیسا کہ انسان کا بیٹا اپنے باپ کے سامنے جھکا ہوتا ہے) جس کے نتیجہ میں اُسے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ اُسے اللہ کی محبت اس طرح حاصل ہے جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے بیان کیا ہے کہ اپنے اُن دشمنوں سے پیار کرو اور اُن کے لئے دعا کرو جو تمہیں ستاتے ہیں تا کہ تم بھی آسمان میں رہنے والے خدا کے بیٹے بن جاؤ۔'' ("Jesus in Modern Criticism".. Schmiedel, p. 40)

(5) مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ۚ كَانَا يَاْكُلَانِ الطَّعَامَ ۚ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ O (المائدۃ: ۷۵)

''مسیح ابنِ مریم سوائے ایک رسول کے اور کچھ نہیں ہیں' اُن سے قبل بھی اور رسول گزر چکے ہیں اور اُن کی والدہ ایک ولیّہ تھیں' دونوں ہی کھانا کھاتے تھے' دیکھئے ہم کس طرح صاف دلائل اُنہیں بیان کرتے ہیں' پھر دیکھئے کہ وہ کدھر کو اُلٹے چلے جا رہے ہیں۔'' (۵ : ۷۵)

فخر الدین رازی کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کی والدہ محترمہ کا کھانا کھانے میں دو باتیں بیان کی گئی ہیں: اوّل تو یہ کہ جس شخص کی تخلیق ماں سے ہوئی ہو' اُس کی زندگی کی کوئی نہ کوئی ابتدا ضرور ہوگی اور جس کی ابتدا ثابت ہو اُس کا مخلوق اور فانی ہونا لازمی امر ہے۔ دوم یہ کہ اس میں اس حقیقت کا حوالہ ہے کہ دونوں ماں بیٹے پر دوسرے انسانوں کی طرح قانونِ قدرت برابر لاگو تھا جبکہ اللہ تعالیٰ حیّ و قیّوم ہے اور اُسے کسی چیز کی احتیاج نہیں' لہٰذا اِن روشن دلائل کے مدِّ نظر عیسیٰ و مریم علیہما السلام خدا نہیں ہو سکتے۔

آیت کی ابتدا نے عیسیٰ علیہ السلام کا مرتبہ اور مقام واضح کر دیا جس میں ایک طرف تو مسیحی افراط کا ردّ آ گیا جو آپ کو اَوتار سمجھتے تھے تو دوسری طرف یہودی تفریط کا ردّ ہے جو معاذ اللہ آپ کو ایک شعبدہ باز ساحر قرار دیتے تھے۔ ابنِ مریم کے الفاظ لا کر مسیح پرستوں کو یہ بتا دیا کہ مسیح تو ایک عورت' فانی عورت کے بطن سے پیدا ہوئے تھے' وہ بشر کے سوا اور کیا ہو سکتے ہیں! آپ سے پہلے بھی تمام انبیاء علیہم السلام نے عورت سے جنم لیا اور عیسیٰ علیہ السلام بھی اُنہی میں سے ایک رسول ہیں۔ صِدِّیقہ کے لفظ میں یہود کا پورا ردّ آ گیا جو معاذ اللہ آپ کی عصمت تک کو متّہم کر رہے تھے۔ فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام اپنے تمام کمالاتِ بشری کے باوجود حوائجِ بشری سے منزّہ و بالاتر نہ تھے۔ مقدّس ماں اور اُن

کامقدس تر فرزند دونوں بہر حال قوائے بشری ہی سے مرکب تھے اور کھانے' پینے اور ساری بشری ضرورتوں کے محتاج تھے۔ تو جو ایسے صاحب احتیاج ہوں' اُنہیں اُلوہیّت اور خدائی کا مرتبہ دیتے ہوئے تثلیث پرستوں کو شرم نہیں آتی ؟ کہ وہ اس طرح کے خرافات میں برابر پڑے ہوئے ہیں کہ ''باپ' بیٹا اور رُوح القدس'' تین جدا جدا اور مستقل اقنوم ہیں۔

(6) اِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ اذْکُرْ نِعْمَتِیْ عَلَیْکَ وَعَلٰی وَالِدَتِکَ اِذْ اَیَّدْتُّکَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (المائدۃ : ۱۱۰)

''جب اللہ فرمائے گا: اے عیسیٰ ابن مریم! تم اپنے اوپر اور اپنی والدہ پر میرا احسان یاد کرو جب میں نے پاک روح (جبریل) کے ذریعے تمہیں تقویت بخشی۔'' (۵ : ۱۱۰)

یہاں یہ بات توجہ طلب ہے کہ اللہ ہی خالق اور روزی رساں ہے اور وہ اپنے بندے عیسیٰ اور بندی مریم (علیہا السلام) پر اپنی عنایات نچھاور کر رہا ہے جو دونوں اُس کی مخلوق ہیں اور اُنہیں عزت بخشی جا رہی ہے۔ لہٰذا دونوں کی مزعومہ الوہیت کا یہاں ردّ کیا گیا ہے۔ مزید برآں قرآنِ حکیم جب بھی عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا ذکر کرتا ہے تو وہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ وہ معجزات حکمِ الٰہی کا نتیجہ تھے نہ کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کے مستقل اور خود مختار معجزات تھے۔ اس لئے یہاں بھی عیسیٰ علیہ السلام کے مخلوق ہونے پر زور دیا گیا ہے اور آپ سے متعلق عیسائی عقیدۂ الوہیت کا بڑی شد و مد سے توڑ کیا گیا ہے۔

(7) وَاِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰھَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ قَالَ سُبْحٰنَکَ مَایَکُوْنُ لِیْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ اِنْ کُنْتُ قُلْتُہٗ فَقَدْ عَلِمْتَہٗ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِکَ اِنَّکَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِO مَا قُلْتُ لَھُمْ اِلَّا مَآاَمَرْتَنِیْ بِہٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبَّکُمْ وَکُنْتُ عَلَیْھِمْ شَھِیْدًا مَّادُمْتُ فِیْھِمْ فَلَمَّاتَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْھِمْ وَاَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَھِیْدٌO اِنْ تُعَذِّبْھُمْ فَاِنَّھُمْ عِبَادُکَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَھُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُO قَالَ اللّٰہُ ھٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُھُمْ لَھُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُO لِلّٰہِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِیْھِنَّ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌO (المائدۃ : ۱۱۶۔۱۲۰)

''اور (وہ وقت بھی یاد رکھنے کے قابل ہے) جب اللہ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ ابنِ مریم! کیا تم نے لوگوں سے یہ کہہ دیا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری والدہ کو بھی معبود بنا لو۔ عیسیٰ عرض کریں گے: تو پاک ہے' میرے لئے یہ کسی طرح بھی ممکن نہ تھا کہ میں ایسی بات کہہ دیتا جس کا مجھے کوئی حق ہی نہ تھا۔ اگر میں نے کہا ہوتا تو یقیناً آپ کو اس کا علم ہوتا۔ تو جانتا ہے جو کچھ میرے دل میں ہے اور میں نہیں جانتا جو کچھ تیرے

۳۵۵۵ (علم منطق اور منطقی قضیہ)

دل میں ہے' بے شک تو ہی تو ہے پوشیدہ باتوں کا خوب جاننے والا۔ میں نے اُن سے سوائے اس کے کچھ بھی نہیں کہا تھا جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا (یعنی یہ کہ) میرے اور اپنے پروردگار کی پرستش کرو' جب تک میں اُن کے درمیان رہا میں اُن پر گواہ رہا' پھر جب تو نے مجھے اٹھالیا (جب سے) تو ہی اُن پر نگران ہے اور تو تو ہر چیز پر گواہ ہے۔ تو اگر اُنہیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو اُنہیں بخش دے تو بھی تو زبردست ہے' حکمت والا ہے۔ اللہ فرمائے گا آج وہ دن ہے جب سچوں کے کام اُن کا سچ آئے گا اُن کے لئے باغات ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی اُن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے' اللہ اُن سے خوش رہا اور وہ اللہ سے خوش رہے' یہی بڑی کامیابی ہے۔ اللہ ہی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ اُن میں ہے اُس (سب) کی اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' (۱۱۶۔۱۲۰ : ۵)

معلوم رہے کہ قرآنِ حکیم نے عیسیٰ علیہ السلام کو ہمیشہ ''ابنِ مریم'' کی کنیت دی ہے یعنی آپ ایک خاتون کے بیٹے ہونے کے لحاظ سے دوسرے انسانوں کی طرح فانی ہیں اور آپ خدا کے بیٹے نہیں یا کسی بھی طرح اللہ کے مساوی نہیں۔ قرآنِ حکیم کا یہ انداز اس حقیقت کی طرف متوجہ کرتے ہوئے یہ زور دیتا ہے کہ آپ ایک انسان ہیں۔ اللہ کی آخری کتاب کے معجزات میں سے یہ ایک معجزہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی بات کرتے ہوئے وہ ایک طرف تو یہود و نصاریٰ کے مزعومات کی تردید کرتا ہے تو دوسری طرف ایسی زبان استعمال کرتا ہے جو عیسائیوں کے الوہیت کے عقیدے اور یہود کی عیسیٰ علیہ السلام کی کھلی مذمت کے جواب میں کافی ہے۔

ظاہر ہے کہ سوال سے مقصود استفہام و استفسار نہیں بلکہ مسیح پرستوں اور مریم پرستوں پر مزید حجت قائم کرنا اور اُنہیں اور زیادہ خجل ولا جواب کرنا اور اُنہیں خود اُنہی کی نظروں میں ذلیل کرنا ہے (تفسیر قرطبی)۔ بعض اہلِ باطل نے مَا فِیْ نَفْسِكَ کے الفاظ سے حق تعالیٰ کی تجسیم نکالنا چاہی ہے اور کہا ہے کہ نفس سے مراد شخص ہوتا ہے لیکن امام رازی نے فرمایا کہ اوّل تو ذات اور نفس مرادف (ہم معنیٰ) ہیں' شخصیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور پھر نَفْسِیْ کے مقابلہ میں نَفْسِكَ لانا ہی قاعدۂ مشاکلت عربی اسلوبِ بیان میں فصیح تر ہے (تفسیر کبیر)۔

حضرت مسیح علیہ السلام کے اس کلام میں مسیحیوں کے اس عقیدہ کی بھی تردید ہوگئی کہ قیامت میں عدالت کا کام خدا کا نہیں بلکہ (معاذ اللہ) خدا کے بیٹے کے ہاتھ میں ہوگا۔ چنانچہ موجودہ انجیل میں ہے: ''باپ کسی کی بھی عدالت نہیں کرتا بلکہ اُس نے عدالت کا سارا کام بیٹے کے سپرد کیا ہے۔'' (یوحنا ۵:۲۳)

اب عیسیٰ علیہ السلام کے اپنے ایک کلام کو بھی ملاحظہ کرتے جایئے جس میں آپ نے اپنے معبود اور الٰہ ہونے پر نفرت کا اظہار کیا۔ آپ نے فرمایا:

''لوگوں کا ہجوم قریب ہوا اور جب اُنہیں آپ کی بابت علم ہوا تو وہ چیخنے لگے: اے ہمارے خدا! خوش آمدید اور وہ آپ کی اس طرح حد درجہ تعظیم و تکریم کرنے لگے جیسے اللہ کی کی جاتی ہے۔ اس پر عیسیٰ علیہ

السلام شدید طور پر کرا ہے اور فرمایا: پاگلو! میرے سامنے سے ہٹ جاؤ کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ اِن گناؤنے الفاظ کی پاداش میں زمین کہیں کھل کر مجھے اور تمہیں ہڑپ نہ کر لے۔'' (Ragg's "The Gospel of Barnabas", p. 213)

(8) وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًاO لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّاO تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّاO اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًاO وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًاO اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا آتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًاO (مریم: ۸۸۔۹۳)

"اور (کافر) کہتے ہیں کہ (خدائے) رحمٰن نے (اپنے لئے) لڑکا بنالیا ہے۔ (اے کافرو!) بیشک تم بہت ہی سخت اور عجیب بات (زبان پر) لائے ہو۔ کچھ بعید نہیں کہ اس (بہتان) سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر جائیں کہ اُنہوں نے (خدائے) رحمٰن کے لئے لڑکے کا دعویٰ کیا ہے۔ اور (خدائے) رحمٰن کے شایانِ شان نہیں کہ وہ (کسی کو اپنا) بیٹا بنائے آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی (آباد) ہیں وہ اللہ کے حضور محض بندہ کے طور پر حاضر ہونے والے ہیں۔'' (۸۸۔۹۳ : ۱۹)

اب عیسیٰ علیہ السلام کے اپنے ایک کلام کو بھی ملاحظہ کرتے جایئے جس میں آپ نے اپنے معبود اور الٰہ ہونے پر نفرت کا اظہار کیا ہے۔ آپ نے فرمایا:

''لوگوں کا ہجوم قریب ہوا اور جب اُنہیں آپ کی بابت علم ہوا تو وہ چیخنے لگے: اے ہمارے خدا! خوش آمدید اور وہ آپ کی اس طرح حد درجہ تعظیم و تکریم کرنے لگے جیسے اللہ کی کی جاتی ہے۔ اس پر عیسیٰ علیہ السلام شدید طور پر کرا ہے اور فرمایا: پاگلو! میرے سامنے سے ہٹ جاؤ کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ اِن گناؤنے الفاظ کی پاداش میں زمین کہیں کھل کر مجھے اور تمہیں ہڑپ نہ کر لے۔'' (Ragg's "The Gospel of Barnabas", p. 213)

''مذہب عیسائیت اور عیسیٰ علیہ السلام کے مذہب کے مابین عظیم فرق ہے۔ یہودیت کی سرزمین پر یونانی فلسفہ پر اٹھائے گئے اصول کی ساخت اور خود عیسیٰ علیہ السلام کے عقیدے کے مابین بڑا فرق ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ تو ایسا سیدھا سادہ عقیدہ تھا جس میں ہر کہ و مہ آپ کے ساتھ شریک ہے۔''

("Christianity and History"... Harnack, p. 15)

''تثلیث کے اِس نا قابلِ فہم عقیدے کا تعارف عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان کو اٹھائے جانے (رفع الی السماء) کے کافی عرصہ بعد بولس (Bolus) نامی ایک یہودی نے کرایا۔ عقیدہِ تثلیث اُس وحدتِ الٰہی کے بالکل منافی ہے جس پر آسمانی کتابوں میں زور دیا گیا ہے۔ اس لئے لوگوں نے اس عقیدے کا انکار کیا اور عیسیٰ علیہ السلام کو

۳۵۵۷ (علم منطق اور منطقی قضیہ)

گوشت پوست کے بنے ہوئے خدا کے طور پر تسلیم نہیں کیا بلکہ خدا کی اعلیٰ ترین مخلوق کے طور پر قبول کیا یا اُس انسانِ کامل کے طور پر تسلیم کیا جس نے خدا کے متعلق صحیح اور سچے عقیدے کی تعلیم دی۔'' (Ragg's "The Gospel of Barnabas", Vol. 5, p. 634)

''حقیقت تو یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات خالصتاً موحدانہ اور صرف خدائے واحد کی پرستش پر مبنی تھیں جس طرح کہ آپ سے قبل کے پیغمبروں کی تعلیمات تھیں۔ خالص توحید کا یہ عقیدہ تقریباً 250 عیسوی تک قائم رہا جس کا اعلان یہ تھا: میرا قادرِ مطلق خدا پر ایمان ہے۔'' ("Articles of the Apostolic Creed" ... Theodre Zahn, p. 33)

(9) مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ O عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ O

(المؤمنون: ۹۱'۹۲)

''اللہ نے کسی کو بھی بیٹا نہیں بنایا اور نہ اُس کے ساتھ کوئی اور معبود ہے' اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق کو جدا کر لیتا اور (پھر) ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا۔ اللہ ان باتوں سے پاک ہے جو وہ اُس کی نسبت بیان کرتے ہیں۔ وہ پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے' پس وہ اُن لوگوں کے شرک سے بالاتر ہے۔'' (۲۳:۹۱'۹۲)

''عقیدہ تثلیث کے ردّ میں سوشنس (Socianus) نے یہ اعلان کیا کہ ''مسیح علیہ السلام کی فطرت الٰہی فطرت تھی'' اِن وجوہ کی بنا پر کتبِ سماویہ کی تعلیمات کے خلاف ہے: (۱) مسیح علیہ السلام کو اللہ نے پیدا کیا (۲) کتبِ سماویہ (تورات وانجیل) کی رُو سے مسیح علیہ السلام ایک انسان تھے۔ (۳) کتبِ سماویہ میں بیان شدہ جو معجزات مسیح علیہ السلام نے دکھائے' وہ آپ پر عطیہ خداوندی تھے اور (۴) مسیح علیہ السلام نے اِن تمام معجزات کو اپنی طرف نہیں بلکہ اللہ کی طرف منسوب کیا۔'' (تلخیص از: "Historical & Critical Reflections upon Mohammetonism ... A. Reland)

سوشنس (Socianus) نے عقیدہ کفارہ کی بھی اِن بنیادوں پر تردید کی:

''عیسیٰ (علیہ السلام) گناہ کی خاطر لامحدود قربانی نہیں دے سکتے تھے کیونکہ انجیل کے بیان کے مطابق عیسیٰ (علیہ السلام) نے تھوڑے وقت کے لئے تکلیف برداشت کی۔ محدود وقت کے لئے انتہائی شدید تکلیف دائمی تکلیف کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ تکلیف کا متحمل خود لامحدود ہو تو اُس تکلیف کو برداشت کرنے کی قوت بھی بہت ہوگی۔ لیکن ایک لامحدود ہستی کی تکلیف دائمی تکلیف کی جگہ نہیں لے سکتی۔'' (ایضاً)

عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب ہونے کے رد میں ہمیں جان ٹولینڈ (John Toland) کی کتاب میں یہ بیان ملتا ہے :

''مسیح علیہ السلام کو پھانسی نہیں دی گئی بلکہ آپ کی جگہ کسی اور آدمی کو پھانسی دی گئی۔ اس لئے آپ علیہ السلام اُن لوگوں پر ہنس دیے جنہیں یہ یقین تھا کہ اُنہوں نے آپ کو پھانسی دی ہے۔'' (The Nazarens, p. 18)

(10) قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ O اَللّٰهُ الصَّمَدُ O لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ O وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ O
'' آپ کہہ دیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اُس کے کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے۔'' (۱۔۴ : ۱۱۲)

'' سورۃُ الاخلاص تمام کی تمام نہ صرف عیسائیوں اور یہودیوں کے قادرِ مطلق اللہ کے متعلق جھوٹے عقیدے کو کھوکھلا کرتی ہے بلکہ تمام مشرک مذاہب کو بھی کھوکھلا کرتی ہے۔ مثلاً ویدوں میں ہے: دیوتا بذاتِ خود ابتدائی مخلوق تھے۔ وہ قدرت کی نیم تجسیمی (Semi-anthropomorphised) قوت تھے۔'' ("Influence of Islam on Indian Culture"... Tara Chand, p. 4)

اسلام کے لائے ہوئے معقول، بے مثال اور سادہ عقیدہ سے متاثر ہو کر فلپ ہٹی اور بنسن جیسے مغربی قلمکاروں نے اس طرح اسلام کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے :

''اس غیر مصالحتی توحید میں جو اپنے اندر ایک سادہ اور ایک واجب الوجود ہستی میں گرمجوش ایمان رکھتی ہے، مذہب اسلام کی عظیم قوت پنہاں ہے۔'' ("Islam--A Way of Life" --- P.K. Hitti, p.129)

''عیسیٰ علیہ السلام کا بطورِ مسیح اسلامی تصور اسّی (۸۰) ویں کتاب الادعیہ (Psalm) اور دانیال کے واضح تصوّر میں درج شدہ تحریر سے متفق ہے جس میں انسان کے بیٹے کو زمین سے آسمان کو اٹھتے ہوئے بیان کیا گیا ہے نہ کہ آسمان سے زمین کو آتے ہوئے۔ اسلام کا یہ طغرائے امتیاز ہے کہ اس کے خالق اللہ نے اپنا تعلق حقیقت کے ساتھ جوڑا ہے نہ کہ سینٹ پال کی عیسائیت کے ساتھ۔'' ("Islam, or True Christianity" ... Bunsen, p. 154)

<u>توحید کے بارے میں قرآنِ حکیم کا منطقی استدلال (Ratiocination)</u> : سورۃ البقرۃ میں ارشاد ہوا:
وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ O بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِذَا قَضٰى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ O (البقرۃ: ۱۱۶، ۱۱۷)
''اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ نے بیٹا بنا لیا ہے، وہ تو (اس سے) پاک ہے، اصل یہی ہے کہ جو کچھ بھی آسمانوں

اور زمین میں ہے، اُسی کی مِلک ہے، سب اُسی کے مطیع وفرمانبردار ہیں۔ وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے، وہ جب کسی کام کا کرنا ٹھہرالیتا ہے، تو بس اتنا ہی اس سے کہتا ہے کہ ہوجا تو وہ ہوجاتا ہے۔" (۱۱۶، ۱۱۷ : ۲)

آیاتِ بالا کا تجزیہ : (ا) سُبۡحٰنَہٗ: (i) فطرت کے ناقابلِ تغیر قانون کے مطابق باپ اور بیٹا ایک ہی نوع (Specie) کے ہوتے ہیں۔ یعنی گدھے میں سے گدھا، چھپکلی میں سے چھپکلی اور اسی طرح انسان میں سے انسان پیدا ہوتا ہے۔ اگر اللہ کا کوئی بیٹا ہوتا تو وہ بھی اپنے باپ یعنی اللہ کی نوع میں سے ہوتا جبکہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کی نوع سے پاک ہے۔

(ii) بیٹے کے حصول کے لئے مادہ (منویہ) کا ہونا ضروری ہے اور اللہ اس سے پاک ہے کہ اُس کا مادّہ ہو کیونکہ وہ خود کوئی مادّی شے نہیں ہے۔

(iii) آدمی بیٹے کا حصول اس لئے بھی کرتا ہے کہ اُس کی موت کے بعد اُس کا نام زندہ رہے۔ موت بذاتِ خود مخلوق ہے اور یہ بات الوہیت کے خلاف ہے کہ موت اُس پر غالب آجائے (یعنی خالق کو موت آجائے) چونکہ اللہ تعالیٰ لافانی اور حیّ و قیّوم ہے بلکہ کائنات کو زندگی دینے والا اور اُن کا روزی رساں ہے، اس لئے وہ بیٹا بنانے سے پاک ہے۔

(iv) آدمی کو بیٹے کی احتیاج ضرورت کے تحت ہوتی ہے اور یہ انسان کی کمزوری ہے جبکہ اللہ تعالیٰ ہر انسانی کمزوری سے پاک ہے۔

(v) بیٹے کے حصول کے لئے بیوی کا وجود ناگزیر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کوئی جیون ساتھی یا بیوی نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں بیوی بھی اللہ کی نوع میں سے ہوگی اور وہ اُس کے مساوی اور اُس جیسی ہوگی۔

(vi) بیٹے کے حصول کے لئے بیوی کا تعاون بھی ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ کسی کا تعاون اور مدد لینے سے بہت دُور اور اُس سے پاک ہے۔

(vii) بیٹا اپنے باپ کا جزو اور اُس کا حصّہ ہوتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہوتا تو وہ اپنے باپ (اللہ) کا جزو ہوتا اور اللہ تعالیٰ اس بات سے پاک ہے کہ کوئی مخلوق اُس کا جزو ہو۔ لہٰذا اُلوہیت اور پدریت ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتے۔

(viii) مخلوق ہونے کے لحاظ سے بیٹا اپنے باپ سے بہرصورت رتبہ میں کمتر ہوتا ہے۔ اگر اللہ نے اپنے لئے کوئی بیٹا بنایا ہوتا تو سوال یہ ہے کہ آیا بیٹا اُس (اللہ) کی طرح غیر مخلوق ہے یا مخلوق ہے اور اس وجہ سے اُس سے کم تر ہے اور کسی اور طبقے سے اُس کا تعلق ہے؟ اول الذکر صورت میں ثنویت (Duaiism) کا صاف نتیجہ نکلتا ہے اور مؤخر الذکر صورت میں کیا ایک کامل ہستی کی شان کے لائق ہے کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے۔

(ix) ایک وقت وہ تھا جب بیٹے (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) کا قبل از پیدائش وجود نہ تھا۔ اگر بیٹا خدا ہوتا یا اُلوہیت کی کسی بھی صفت سے متصف ہوتا تو وہ تمام اوقات اور ہر زمانہ میں موجود ہوتا کیونکہ ہر جا ظہوری (Omnipresence) اُلوہیت کی نمایاں صفت ہوتی ہے۔

''لیوک کی انجیل (Luke's Gospel) سے ظاہر ہوتا ہے کہ لیوک کا یہ عقیدہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کا اپنی والدہ مریم علیہا السلام کے بطن سے پیدا ہونے سے پہلے کوئی وجود نہیں تھا۔ کیونکہ:

3.23.38 میں عیسیٰ علیہ السلام کا نسب نامہ دیا گیا ہے۔
4.24 اور 8.33 میں عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا پیغمبر تسلیم کیا گیا ہے۔
7.16 اور 24.19 میں عیسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر کہا گیا ہے۔
3,13,26 اور 4,27,30 میں پطرس اور کچھ دوسرے رسولوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بندہ کہا۔
17.24, 30 میں لیوک نے عیسیٰ علیہ السلام کو ''انسان کا بیٹا'' کہا ہے جنہیں الٰہی نگرانی کے تحت ایک اہم منصب کے لئے مقرر کیا گیا اور جس نے دنیا کو مائل بہ اصلاح کیا۔ ("A List of False Reading of the Scripture"--- T. Lindsey)

(II) بَلْ لَّهٗ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے، سب اُسی کی مِلک ہے) شادی اور نکاح سے پہلے آدمی اپنی جائداد اور اثاثے کا اکیلا مالک ہوتا ہے لیکن شادی کے بعد اُس کی بیوی بھی اُس کی ملکیت میں حصہ دار بن جاتی ہے اور جب اُن کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ بھی اُس ملکیت کا حصہ دار بن جاتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہوتا تو اُسے اللہ تعالیٰ کی ملکیتوں میں مالک ہونے کا حق حاصل ہوتا جبکہ حقیقت یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین میں موجود ہر چیز کا بلا شرکتِ غیرے اللہ ہی مالک ہے۔

(iii) كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ O (سب اُسی کے مطیع و فرمانبردار ہیں): شروع میں بیٹا اپنے والدین کا محتاج ہوتا ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ اُس کے والدین بوڑھے ہوتے جاتے ہیں اور ایک وقت وہ آتا ہے جب والدین اپنے بیٹے اور اُس کی مدد کے محتاج ہو جاتے ہیں۔ اگر اللہ کا کوئی بیٹا ہوتا تو وہ بیٹا ایک وقت میں اپنے باپ (یعنی اللہ) کا محتاج ہوتا اور کسی دوسرے وقت میں اُس کا باپ (یعنی اللہ) اپنے بیٹے کی مدد کا محتاج ہوتا جبکہ حقیقت یہ ہے کہ تمام کائنات اُسی کی مدد کی محتاج ہے اور اُسے کسی بھی وقت کسی کا محتاج نہیں ہونا پڑا۔

(iv) بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (آسمانوں اور زمین کا موجد ہے): اپنے سامنے کوئی نمونہ یا نقشہ رکھے بغیر اُس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ سعادت مند بیٹا وہ ہوتا ہے جس کی صلاحیتیں اور قابلیتیں اپنے باپ کے کارناموں کی طرح ہوں اور کچھ نہیں تو کم از کم وہ اپنے باپ کی طرح کے کام تو کرے۔ اگر اللہ کا کوئی بیٹا ہوتا تو کسی آسمان یا زمین کی پیدائش تو بیٹے کے حصے میں جاتی جبکہ حقیقت یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش کا جسیم و عظیم کام تو دُور کی بات ہے، کائنات میں کوئی بھی تو مکھی کا پر تک پیدا کرنے کے بھی قابل نہیں ہے۔

(v) وَاِذَا قَضٰٓی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ O (وہ جب کسی کام کا کرنا ٹھہرا لیتا ہے، تو بس

اتنا ہی اُس سے کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔) : اولاد کا حصول ایک تدریجی عمل ہے اور اُسے پل جھپکنے میں حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ حصول کے اس عمل میں ہر والد کو اس کے تقاضے پورا کرنے کے بعد کچھ انتظار کرنا پڑتی ہے۔ پھر یہ ضروری بھی نہیں کہ اُس کا بیٹا پیدا ہو یا نہ ہو، یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا جیون ساتھی بہ حکمِ الٰہی ہمیشہ بانجھ اور بے ثمر رہے۔ لیکن رب تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ ایسے تقاضوں اور رکاوٹوں سے بہت دُور ہے کیونکہ رکاوٹیں الوہیت کے خلاف ہیں۔ اُس کا کُن کہہ دینا آفرینش (پیدائش) کا دروازہ کھول دیتا ہے۔

علّت ومعلول کا قانون: (The Law of Causality) : یعنی سبب ونتائج کا باہمی ربط اور یہ اصول کہ کوئی بات سبب کے بغیر نہیں ہوتی۔ سبب اپنے نتیجہ سے پہلے موجود ہوتا ہے جبکہ نتیجہ بعد میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔

''بالعموم یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ ایک معلوم محرک شے سے بالکل مماثل اور ایک جیسے نتائج برآمد ہوں گے اگر اُن کا اہتمام تنظیمی حالات کے تحت کیا جائے۔ تاہم سائنسدانوں میں علّت ومعلول کے اصول کی مختلف شکلوں کا تسلیم کرنا قدرتی ردِّعمل اور بے اختیارانہ نہیں ہے۔ ڈیوڈ ہیوم (David Hume) کا استدلال یہ تھا کہ دو مظاہر کے مابین کوئی داخلی ربط نہیں ہوتا۔ اگر آگ کا وجود ہے تو حرارت کا وجود بھی ہوگا لیکن ضروری نہیں کہ ایک شے دوسری شے کو وجود میں لائے۔'' (Dictionary of Contemporary Thought... David Kirby, p. 7)

اللہ تعالیٰ کی ہر جا ظہوری (Omnipresence) علّت ومعلول کے قانون سے بالاتر ہے کیونکہ وہ کسی قانون کا پابند نہیں۔ تمام قوانین اُسی کے وضع کردہ ہیں اور یہ بات الوہیت کے اعلیٰ وارفع مقام کے خلاف ہے کہ وہ اپنی کسی بھی مخلوق کا مطیع ہو۔ قرآن مجید اس حقیقت کو یوں بیان کرتا ہے :۔

(۱) عام قانونِ قدرت کے تحت آدم علیہ السلام کو باپ اور ماں کے ملاپ سے پیدا ہونا چاہئے تھا۔ ماں اور باپ کا باہمی ملاپ سبب ہے اور اُس کے نتیجہ میں بچے کا پیدا ہونا اُن کے جنسی اختلاط کا نتیجہ ہے۔ لیکن اس قانون کے برعکس آدم علیہ السلام ماں باپ کے ملاپ کے بغیر مٹی سے پیدا ہوئے (بحوالہ سورۃ الحجر : ۲۸)

(۲) عیسیٰ علیہ السلام باپ کے بغیر شکمِ مادر سے پیدا ہوئے۔ یہ پھر نر اور مادہ کے باہمی ملاپ کے عمومی قانون کے خلاف ہے اگرچہ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش آدم علیہ السلام کی پیدائش سے کم حیرت انگیز ہے۔ قرآن مجید نے انتہائی بلیغ اور مختصر الفاظ میں ان دونوں پیدائشوں کو یوں بیان کیا ہے:

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ○

''بے شک اللہ کے نزدیک عیسیٰ کا حال آدم کے حال جیسا ہے، اللہ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر اُن سے کہا: وجود میں آجاؤ تو وہ وجود میں آگئے۔'' (۳ : ۵۹)

عقیدۂ کفّارہ (Atonement) : موجودہ مسیحیت کا دوسرا عقیدہ جس نے دینِ مسیحیت کی حقیقت کو برباد کرڈالا۔ ''کفارہ'' کا عقیدہ ہے جس کی بنیاد اس تخیّل پر ہے کہ تمام کائنات جس میں نیکوکار اور انبیاء و رُسُل سب شامل ہیں، ابتدائے آفرینش ہی سے گنہگار ہے۔ آخر رحمتِ الٰہی کو جوش آیا اور اُس کی مشیت نے ارادہ کیا کہ بیٹے کو کائناتِ ارضی میں بھیجے اور وہ مصلوب ہوکر اوّل تا آخر تمام کائنات کے گناہوں کا کفّارہ ہوجائے اور اس طرح دنیا کو نجات حاصل ہو سکے لیکن اس عقیدے کے قوّام بنانے کے لئے چند ضروری اجزاء کی ضرورت تھی جس کے بغیر یہ عمارت کھڑی نہیں کی جاسکتی تھی۔ اس لئے عہدِ رسول ﷺ میں سب سے پہلے مسیحیت نے یہودیت بیٹے کو کائناتِ ارضی میں بھیجے اور وہ مصلوب ہوکر اوّل وآخر تمام کائنات کے گناہوں کا کفّارہ ہوجائے اور اِس طرح دنیا کو نجات حاصل ہو سکے لیکن اِس عقیدے کے قوام بنانے کے لئے چند ضروری اجزاء کی ضرورت تھی جن کے بغیر یہ عمارت کھڑی نہیں کی جاسکتی تھی۔ اس لئے عہدِ رسول میں سب سے پہلے مسیحیت نے یہودیت کے اِس عقیدے کو تسلیم کرلیا کہ اُنہیں صلیب پر بھی چڑھایا گیا اور مار بھی ڈالا گیا اور اُسے شرفِ قبولیت دینے کے بعد دوسرا قدم یہ اٹھایا کہ ''الوہیت'' کے باوجود مسیح علیہ السلام کا صلیب پانا اور قتل ہونا اپنے لئے نہیں بلکہ کائنات کی نجات کے لئے تھا۔ چنانچہ جب اُس پر یہ حادثہ گزر گیا تو اُس نے پھر اُلوہیت کی چادر اوڑھ لی اور عالمِ لاہوت میں باپ اور بیٹے کے درمیان دوبارہ لاہوتی سلسلہ قائم ہوگیا۔''

''پس جب مذہب میں خدائے برتر کے ساتھ صحتِ عقیدہ اور نیک عملی مفقود ہوکر نجات کا دارومدار، عمل و کردار کی بجائے ''کفارہ'' پر قائم ہوجائے تو اس کا حشر خدا معلوم!''

''قرآنِ حکیم نے اِسی لئے جگہ جگہ یہ واضح کیا ہے کہ نجات کے لئے عقیدہ کی صحت یعنی صحیح خدا پرستی اور نیک عملی کے سوا کوئی دوسری راہ نہیں ہے اور جو شخص بھی اِس ''راہِ مستقیم'' کو ترک کرکے خوش عقیدگی اور اوہام و ظنون کو اُسوہ بنائے گا اور نیک عملی اور صحیح خدا پرستی پر گامزن نہ ہوگا، وہ بلا شبہ گمراہ ہے اور راہِ مستقیم سے یکسر محروم:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ○ (البقرۃ: ۶۲)

''بے شک جو لوگ ایمان لا چکے ہیں اور جو لوگ یہودی اور نصاریٰ اور صابی ہوئے، (غرض) جو کوئی بھی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لے آئے اور نیک عمل کرے، تو اِن سب کے لئے اُن کے پروردگار کے پاس اُن کا اجر ہے اور اُن کے لئے نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ کوئی غم کریں گے۔'' (۲:۶۲)

''یعنی قرآن کی دعوتِ اصلاحِ ادیان و مِلل کا مقصد یہ نہیں ہے کہ یہودی، نصرانی، صابی گروہوں کی طرح ایک نیا گروہ مؤمنوں کے نام سے اس طرح اضافہ کردے کہ گویا وہ بھی ایک قومی، نسلی یا ملکی گروہ بندی ہے کہ خواہ اس کی خدا پرستانہ زندگی اور عملی زندگی کتنی ہی غلط اور برباد ہو یا سرے سے مفقود ہو مگر اس گروہ بندی کا فرد ہونے کی وجہ سے ضرور کامیاب اور خدا کی جنت و رضا کا مستحق ہے۔ قرآن کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہے بلکہ وہ یہ اعلان

کرنے آیا ہے کہ کوئی شخص کسی بھی گروہ اور مذہبی جماعت سے تعلق رکھتا ہو' اگر اُس نے قرآن کی تعلیم حق کے مطابق خدا پرستی اور نیک عملی کو اختیار کر لیا ہے تو بلا شبہ وہ نجات یافتہ اور کامیاب ہے ورنہ تو وہ اگر مسلمان گھر میں پیدا ہوا' پلا اور بڑھا اور اِسی سوسائٹی میں زندگی گزار کر مر گیا مگر قرآن کی دعوتِ حق کے مطابق خدا پرستی اور نیک عملی دونوں سے محروم یا مخالف رہا تو اُس کے لئے کوئی کامیابی اور فوز و فلاح نہیں ہے۔ باقی رہا مسیحیت کے کفارہ کا خصوصی مسئلہ تو قرآن نے اُس کے ابطال اور تردید کے لئے یہ راہ اختیار کی کہ جن بنیادوں پر اُسے قائم کیا گیا' اُن کی جڑ ہی کاٹ دی۔ چنانچہ گزشتہ سطور میں صلیب اور قتلِ مسیح کے انکار و رفع الی السماء کے اِثبات کے مبحث میں اس پر کافی روشنی پڑ چکی ہے۔'' (''قصص القرآن'' ۔ حفظ الرحمٰن سیوہاروی' جلد چہارم' صفحات ۲۱۰۔۲۱۲)

<u>قرآن مجید اور عقیدۂ کفّارہ</u> : قرآن مجید نے مختلف مقامات پر عقیدۂ کفارہ کا ردّ کیا ہے' مثلاً:

(i) وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى (الانعام: ۱۶۴ ؛ بنی اسرائیل: ۱۵ ؛ فاطر: ۱۸)
''کوئی بوجھ اُٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔'' (۶:۱۶۴؛ ۱۷:۱۵؛ ۳۵:۱۸)

مشرک قوموں کا تو ذکر ہی کیا' خود اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) کے ہاں انفرادی ذمہ داری مٹ مٹا کر سارا زور مسئلہ ''کفارہ'' وغیرہ پر رہ گیا تھا۔ قرآن مجید میں اسی لئے اِن عقائد کی پُر زور تردید بار بار مختلف عنوانات سے ہوتی رہتی ہے اور یہاں بھی مقصود شخصی ذمہ داری و مسئولیت کا اثبات ہے۔

(ii) مَنِ اهْتَدٰى فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝ (بنی اسرائیل: ۱۵)
''جو کوئی ہدایت کی راہ چلتا ہے سو وہ اپنے ہی نفع کے لئے سیدھی راہ پر چلتا ہے اور جو کوئی بے راہی کرتا ہے تو وہ بھی اپنے ہی لئے بے راہ ہوتا ہے اور کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور ہم کبھی سزا نہیں دیتے جب تک ہم کسی رسول کو ہم بھیج نہیں دیتے۔'' (۱۷ : ۱۵)

یہاں یہ عام قاعدہ بیان کر دیا گیا کہ تبلیغِ دین' رسول یا اُس کے کسی نائب کے ذریعے سے ہو جانا ضروری ہے اور اس کے بغیر کسی قوم پر عذاب نہیں آتا۔ محققین نے اس سے استنباط کیا ہے کہ جن قوموں تک رسول کی اصلاً خبر نہیں پہنچی وہ کفر و معاصی پر معذّب نہ ہوں گے۔ یہیں سے فقہاء نے یہ بھی نکالا ہے کہ کوئی کافر حربی اسلام لے آئے اور اُسے نماز' زکوٰۃ وغیرہ کے احکام کی خبر نہ پہنچے تو جب تک اُسے اطلاع نہ پہنچ لے تو اُس پر اِن واجبات و فرائض کی قضا نہیں ہے۔'' (تفسیر ماجدی اردو' صفحہ ۵۸۰' نوٹ: ۲۶)

(iii) كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ۝ (اَلطُّور: ۲۱)
''ہر شخص اپنے اعمال میں اسیر ہوگا۔'' (۵۲ : ۲۱)

"علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو عمل میں جو قوتیں اور عقل و فہم کی جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں وہ بطورِ قرض ہیں اور اُن کے بدلہ میں بندے کا نفس اللہ تعالیٰ کے پاس بطورِ رہن ہے۔ اگر وہ قرض ادا کرے گا تو وہ رہن شدہ نفس اُسے واپس دے دیا جائے گا ورنہ بحق قرض خواہ ضبط ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے اِس قرض کی ادائیگی کی صورت یہ ہے کہ انسان ان قوتوں اور نعمتوں کو اُس کے حکم کے مطابق استعمال کرے۔ اگر اُس نے ایسا کیا تو وہ نفس اُسے واپس مل جائے گا' بصورتِ دیگر وہ گروی ہی رہے گا اور اُسے رہائی نصیب نہ ہوگی۔" (ضیاء القرآن' ج ۴' ص ۶۵۰)

(iv) اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ○ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ○ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ○
(النّجم : ۳۸۔۴۰)

" کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا اور انسان کو صرف اپنی ہی کمائی ملے گی اور یہ کہ انسان کی سعی بہت جلد دیکھ لی جائے گی۔" (۳۸۔۴۰ : ۵۳)

"سو اِس اعلان اور اطلاع کے بعد بھی انسان کا اپنی ذاتی ذمہ داری کی طرف سے غافل رہنا کیسا عجیب ہے! اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى یعنی ایک کا ایمان دوسرے کے کام نہ آئے گا۔ مشرک جاہلی قوموں میں تو خیر یہ وبا عام تھی۔ یہود اہلِ کتاب کے ہاں بھی یہ عقیدہ پختہ طور پر قائم ہو گیا تھا کہ مورثوں اور بزرگوں کا مقبولین میں سے ہونا' اَخلاف و اولاد کے لئے بالکل کافی ہے اور جو لوگ پیمبروں میں سے ہیں' اُنہیں کچھ ہاتھ پیر ہلانے بلکہ تصحیح عقائد تک کی ضرورت نہیں اور مسیحیت نے تو نجات کا سارا دارومدار کفارہ کے عقیدے پر ٹھہرا دیا۔ اس کے برعکس قرآن حکیم سارا زور ہر فرد کی ذمہ داری اور مسئولیت پر دیتا ہے اور نجات کا دارومدار فضلِ خداوندی کے بعد اِسی کو ٹھہراتا ہے۔ چنانچہ یہاں بھی اسی مسئلہ کا اثبات ہے۔۔۔ رہا یہ مسئلہ کہ کوئی شخص اپنے کسی دوست' عزیز' بزرگ وغیرہ کے لئے اپنے کچھ حقوق اپنی خوشی سے چھوڑ دے تو یہ اس آیت کے ہرگز منافی نہیں۔ یہ تو مؤمن کے حق میں دوسرے مؤمن کی طرف سے دعا کی صورت ہے' یہ کیوں نہ قبول ہوگی۔ اور اَموات کے ایصالِ ثواب کا مسئلہ احادیثِ صحیحہ متعدّدہ کی بناء پر اپنی جگہ بالکل ثابت ہے۔" (تفسیر ماجدی اردو' صفحہ ۱۰۵۴' نوٹ: ۳۳)

کلامِ منصف (The Law of Excluded Middle): اس قانون کا مطلب یہ ہے کہ دو متضاد بیانات کے درمیان کسی وسطی (درمیانی) چیز کا امکان نہیں ہے اور اُن کے درمیان کوئی درمیانی راہ نہیں ہے یعنی ایسے کلام میں وسطانیہ کو خارج کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح اس قانون کے مطابق دو متضاد چیزوں میں سے ایک کو درست ہونا چاہئے۔ اسی لئے اس قانون کا نام "کلامِ منصف" ہے جس کی بالکل واضح مثال سورہ سبا کی یہ آیت (۲۴) ہے :

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلِ اللّٰهُ وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ

" آپ فرمایئے: تمہیں آسمانوں اور زمین سے روزی کون دیتا ہے؟ آپ (خود ہی) فرما دیجئے کہ اللہ (دیتا ہے) اور بے شک ہم یا تم ضرور ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں ہیں۔" (۲۴ : ۳۴)

جب اس قانون کا اطلاق عیسائیت اور یہودیت کے عقیدۂ متناقضہ (Antinomianism) یا عیسائیت کے عقیدۂ تثلیث (Trinity Belief) اور عقیدۂ کفارہ (Atonement) سے کیا جائے تو اِن تینوں کی کوئی بنیاد نہیں بنتی کیونکہ تینوں کی دونوں انتہائیاں باہم متضاد و متصادم ہیں۔
(یعنی عقیدۂ متناقضہ میں اللہ کے پیارے ہونے کا دعویٰ اور اس کے مقابل اللہ کا اپنے پیاروں کو عذاب دینا۔
عقیدہ تثلیث میں باپ (خدا) اور بیٹا (عیسیٰ علیہ السلام) جبکہ باپ دائم و قائم اور بیٹا فانی ہے۔
عقیدہ کفارہ میں عیسیٰ علیہ السلام دوسروں کے گناہوں کا بوجھ اپنے سر کیوں لیں۔ اس سے تو ہر فرد اپنی ذمہ داریوں سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اور مقصدِ حیات ہی فوت ہو کے رہ جاتا ہے۔)

اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) کے تعصب اور تکبر کو منطقی طور پر پاش پاش کر دیا گیا

(۱) يَآهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ "فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ" وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○ (آلِ عمران : ۶۵، ۶۶)
''اے اہلِ کتاب! تم ابراہیم (علیہ السلام) کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو (یعنی انہیں یہودی یا نصرانی کیوں ٹھہراتے ہو) حالانکہ تورات اور انجیل (جن پر تمہارے دونوں مذہبوں کی بنیاد ہے) تو نازل ہی اُن کے بعد کی گئی تھیں، کیا تم (اتنی بھی) عقل نہیں رکھتے؟ سن لو! تم وہی لوگ ہو جو اِن باتوں میں بھی جھگڑتے رہے ہو جن کا تمہیں (کچھ نہ کچھ) علم تھا مگر اُن باتوں میں کیوں تکرار کرتے ہو جن کا تمہیں (سرے سے) کوئی علم ہی نہیں اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔'' (۶۵، ۶۶: ۳)

(۲) اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ "مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ (آلِ عمران
''جو لوگ (یعنی یہود حیلہ جوئی کے طور پر) یہ کہتے ہیں کہ اللہ نے ہمیں یہ حکم بھیجا تھا کہ ہم کسی پیغمبر پر ایمان نہ لائیں جب تک وہ (اپنی رسالت کے ثبوت میں) ایسی قربانی نہ لائے جسے آگ (آکر) کھا جائے۔ آپ (ان سے) فرما دیں: بے شک مجھ سے پہلے بہت سے رسول واضح نشانیاں لے کر آئے اور اس نشانی کے ساتھ بھی (آئے) جو تم کہہ رہے ہو، تو (اس کے باوجود) تم نے انہیں شہید کیوں کیا اگر تم (اتنے ہی) سچے ہو۔'' (۱۸۳ : ۳)

(۳) قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ○ (المائدۃ : ۷۷)

''فرمادیجئے: اے اہلِ کتاب! تم اپنے دین میں ناحق حد سے تجاوز نہ کیا کرو اور نہ اُن لوگوں کی خواہشات کی پیروی کیا کرو جو (بعثتِ محمدی) سے پہلے ہی گمراہ ہو چکے تھے اور بہت سے (اور) لوگوں کو (بھی) گمراہ کر گئے اور (بعثتِ محمدی ﷺ کے بعد بھی) سیدھی راہ سے بھٹکے رہے۔'' (۷۷ : ۳)

ارسطو کا پُر مغز مقولہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ جو بات کسی چیز کے کُل کے متعلق کہی جائے وہی بات اُس کُل کے کسی بھی جزء کے متعلق کہی جا سکتی ہے۔ قرآن مجید میں اس کی مثال ملاحظہ ہو:

(۱) وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا O (بنی اسرائیل : ۳۲)

''بدکاری کے قریب بھی مت جانا' بے شک یہ بے حیائی کا کام ہے اور بہت ہی بُری راہ ہے۔'' (۱۷:۳۲)

(۲) قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ أَزْكٰى لَهُمْ (النور: ۳۰)

''آپ مؤمن مردوں سے فرما دیں کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں' یہ اُن کے لئے بڑی ہی پاکیزہ بات ہے۔'' (۳۰ : ۲۴)

بے حیا و بے شرم ہونا اور غیر عورتوں کو گھورنا جنسی خواہش کو ابھارتا ہے اور اس طرح وہ بالآخر بدکاری کا محرّک ثابت ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ عمل بھی زنا ہی کا حصّہ ہے اگرچہ وہ بذاتِ خود زنا نہیں ہے۔ لیکن قرآن مجید نے دونوں کو ایک ہی مفہوم میں بیان کیا ہے کہ وہ دونوں قابلِ نفرت اور مکروہ فعل ہیں۔ یعنی زنا کُل ہے اور غیر عورتوں کو گھورنا اُس کا ایک جزء ہے۔ تو قرآن مجید نے زنا کے متعلق جو بات کہی' وہی بات مؤخر الذکر کے بارے میں کہی۔

لیکن یہ بھی خیال رہے کہ اس اصول کا اطلاق ہر جگہ اور ہر وقت نہیں ہوتا۔ یہ ہمارا عام مشاہدہ ہے کہ جو بات کسی چیز کے کُل کے متعلق کہی جائے' وہ اُس کے کسی جزء کے متعلق نہیں کہی جاتی۔ مثلاً یہ آیت ملاحظہ ہو:

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوْا إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِآيَاتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْأَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ O لَيْسُوْا سَوَآءً مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ أُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ آيٰتِ اللّٰهِ آنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ O (آلِ عمران : ۱۱۲' ۱۱۳ : ۳)

''وہ جہاں کہیں بھی رہیں' اُن پر خوار ہونا لازم کر دیا گیا ہے سوائے اس کے کہ اُنہیں کہیں اللہ کے عہد سے یا لوگوں کے عہد سے (پناہ دے دی جائے) اور وہ اللہ کے غضب کے سزاوار ہوئے ہیں اور اُن پر محتاجی مسلّط کر دی گئی ہے' یہ اس لئے کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے تھے کیونکہ وہ نافرمان ہو گئے تھے اور (سرکشی میں) حد سے بڑھ گئے تھے۔ وہ سب برابر نہیں ہیں' اہلِ کتاب میں سے کچھ لوگ حق پر (بھی) قائم ہیں' وہ رات کی ساعتوں میں اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں اور سربسجود رہتے ہیں۔'' (۱۱۲' ۱۱۳ : ۳)

(IV) منافقین : کسی بھی سماج کا یہ گروہ انتہائی قابلِ نفرت' انتہائی خطرناک اور انتہائی گھناؤنا طبقہ ہوتا ہے۔جیسا کہ ہر زمانہ میں ہوتا رہا ہے' نزولِ قرآن کے وقت مدینہ کے منافقین مرغِ بادنما تھے اور چڑھتے سورج کی پرستش کرنے کے عادی تھے۔وہ کسی قسم کے پائدار اور مضبوط عقیدے سے خالی تھے۔ چونکہ وہ مسلمان ہونے کے مدّعی تھے' اس لئے اُن کے نام نہاد '' دعویٰ '' کو ٹھکرانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔قرآن مجید مسلمانوں اور اُن کے قائد نبی محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ منافقین کے نامردانہ' کمزور وضعیف رویّہ پر منتج ہونے والی شدید ترین سزا کے بیان پر اکتفا کرتا ہے۔اُن کی پلید اور مکروہ سرگرمیوں اور اُن کی کج رویوں کا بالتفصیل ذکر سورۃ البقرۃ کے آغاز' سورۃ النساء' سورۃ الانفال' سورۃ التوبہ اور سورۃ المنافقون میں کیا گیا ہے۔

(ب) احکام

قرآن مجید کا یہ دوسرا اہم عنوان ہے جس میں خصوصی احکامات دیئے گئے ہیں۔ان احکامات کو تین حصّوں میں تقسیم کیا گیا ہے:۔

(i) احکام بہ متعلق حقوق اللہ جنہیں '' عبادات '' بھی کہا جا سکتا ہے۔ یہ احکام طہارت' نماز' زکوٰۃ' روزہ' قربانی اور حج کو شامل ہیں جن کے متعلق قرآن مجید نے بنیادی ہدایات دی ہیں۔

(ii) احکام بہ متعلق حقوق العباد جنہیں '' معاملات '' بھی کہا جا سکتا ہے۔یہ احکام تجارت' گواہی' امانت' معاہدہ' انصاف گستری' وصیّت' وراثت' مذبوح جانوروں اور مختلف مشروبات کے استعمال کو شامل ہیں۔

(iii) وہ احکامات جو ایک طرح سے عبادات اور دوسری طرح سے معاملات کو شامل ہیں۔نکاح و طلاق' فوجداری جرائم' جہاد' عقائد اور شراکت داری کے قوانین اِس زمرہ میں آتے ہیں۔

اپنے احکامات کو صادر کرنے میں قرآن کا طریق کار فی الفور نہیں کہ اُنہیں اُسی آن اور اُسی گھڑی نافذ کر دیا جائے۔ بلکہ اُن کے نفاذ کے لئے تدریجی عمل اختیار کیا گیا ہے بہ ایں معنیٰ کہ وہ کوئی غیر متوقع حکم فی الفور نہیں دیتا بلکہ انسانی نفسیات کو ہمیشہ مدِّ نظر رکھ کر دیتا ہے۔اس سلسلہ میں منشیات اور نشہ آور اشیاء کے حرام ہونے کی مثال (جس کا ذکر سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۱۹' سورۃ النساء کی آیت ۴۳ اور سورۃ المائدۃ کی آیات ۹۰'۹۱ میں ہوا) بہترین مثال ہے۔

احکامات دینے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ کسی فرد یا افراد نے نبی مکرّم ﷺ سے کسی مسئلہ کے حل کی بابت پوچھا تو اُس کے جواب میں اُس حکم کا نزول ہوا۔مثلاً عورتوں اور کلالہ کے احکام (سورۃ النساء: ۱۲۷'۱۷۶)۔

۳۵۶۸ (علم منطق اور منطقی قضیّہ)

(ج) حکایات (اَلقَصَص)

اِن حکایات وقصص کی دو قسمیں ہیں :
(i) زمانہ ماضی سے متعلق واقعات
(ii) مستقبل میں ہونے والے واقعات۔

(i) زمانہ ماضی سے متعلق واقعات: قرآن مجید میں زمانہ ماضی میں واقع ہونے والے اکثر واقعات کا تعلق اللہ کے پیغمبروں اور اُن کے اطاعت گزار یا نافرمان لوگوں سے ہے۔ قرآن حکیم میں بشمول ہمارے نبی آخر الزماں ﷺ کے صرف اٹھائیس (28) پیغمبروں کا ذکر ہوا ہے جن کے اسمائے مبارک بہ لحاظ ترتیب زمانی حسب ذیل ہیں :

(۱) سیّدنا آدم علیہ السلام
(۲) سیّدنا نوح علیہ السلام
(۳) سیّدنا ادریس علیہ السلام
(۴) سیّدنا ھود علیہ السلام
(۵) سیّدنا صالح علیہ السلام
(۶) سیّدنا ابراہیم علیہ السلام
(۷) سیّدنا اسمٰعیل علیہ السلام
(۸) سیّدنا اسحاق علیہ السلام
(۹) سیّدنا لوط علیہ السلام
(۱۰) سیّدنا یعقوب علیہ السلام
(۱۱) سیّدنا یوسف علیہ السلام
(۱۲) سیّدنا شعیب علیہ السلام
(۱۳) سیّدنا موسیٰ علیہ السلام
(۱۴) سیّدنا ہارون علیہ السلام
(۱۵) سیّدنا یوشع علیہ السلام
(۱۶) سیّدنا حزقیل علیہ السلام
(۱۷) سیّدنا یونس علیہ السلام
(۱۸) سیّدنا الیاس علیہ السلام
(۱۹) سیّدنا یسع علیہ السلام
(۲۰) سیّدنا سموئیل علیہ السلام
(۲۱) سیّدنا داؤد علیہ السلام
(۲۲) سیّدنا سلیمان علیہ السلام
(۲۳) سیّدنا ذوالکفل علیہ السلام
(۲۴) سیّدنا عُزیر علیہ السلام
(۲۵) سیّدنا زکریا علیہ السلام
(۲۶) سیّدنا یحییٰ علیہ السلام
(۲۷) سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام
(۲۸) سیّدنا محمد ﷺ

(''علوم القرآن''، محمد تقی عثمانی، صفحہ ۲۱۵)

درج بالا مقدّس و برگزیدہ ہستیوں کے علاوہ درج ذیل طبقات و افراد کا ذکر بھی قرآن میں کیا گیا ہے :

(۱) اصحاب السبت (سورۃ النساء: ۴۷)
(۲) زلیخا (سورہ یوسف: ۲۳ تا ۳۲، ۵۱)
(۳) اصحاب الکھف والرقیم (الکھف: ۹)
(۴) ذوالقرنین (الکھف: ۸۳)
(۵) سیدہ مریم سلام اللہ علیہا (مریم: ۱۶۔۲۷)
(۶) ملکہ سبا (سورۃ النمل و سورہ سبا)

(۷) خضر علیہ السلام (سورۃ الکھف) (۸) حضرت لقمان رضی اللہ عنہ
(۹) قومِ سبا (سورہ سبا) (۱۰) اصحاب الرّس (سورہ ق)
(۱۱) اصحاب الایکۃ (سورہ ق) (۱۲) قومِ تبّع (سورہ ق)
(۱۳) زوجہ نوح علیہ السلام (سورۃ التحریم:۱۰) (۱۴) زوجہ لوط علیہ السلام (سورۃ التحریم:۱۰)
(۱۵) زوجہ فرعون سلام اللہ علیہا (سورۃ التحریم:۱۱) (۱۶) اصحاب الجنۃ (سورۃ القلم:۱۷)
(۱۷) اصحاب الاُخدود (سورۃ البروج:۴) (۱۸) اصحاب الفیل (سورۃ الفیل) وغیرہ۔

اقوامِ ماضیہ کا ذکر کرنے میں قرآنِ حکیم کا مقصد ترتیب زمانی کی تدوین یا تاریخ نگاری ہرگز نہیں ہے بلکہ اِن تاریخی حکایات کے یاد کرانے میں قرآن مجید عبرتناکیاں اور سبق آموزیاں بڑے ہی کھلے طور پر پیش کرتا ہے تاکہ لوگ اُن خطرناک چور گڑھوں میں نہ گر جائیں جن میں اقوامِ ماضیہ گریں اور اس طرح وہ اُن بُرائیوں سے بچ جائیں جن کے باعث وہ قومیں اور افراد عذاب اور غضبِ الٰہی کا شکار ہوئے۔

اِن واقعات کا ذکر کرنے میں قرآن کا ایک اور مقصد نبی آخرالزماں ﷺ کی رسالت کی توثیق و تصدیق ہے بہ ایں معنی کہ آپ ﷺ کی ذاتِ ستودہ صفات بالکل اُمّی اور کسی درسگاہ سے ناخواندہ ہے کہ آپ نے اُن واقعات کو کسی کتاب یا صحیفے میں سے پڑھ لیا ہو اور یہ بات مسلّمہ ہے کہ کائنات میں آپ کو اِن واقعاتِ ماضی کے متعلق بتانے والا اللہ کے سوا کوئی بھی نہیں ہے۔ لہٰذا آپ کی جانب سے صادر شدہ کلام فی الحقیقت اللہ ہی کا کلام ہے اور وہ کسی انسانی کوشش کا نتیجہ نہیں ہے۔

علاوہ ازیں یہ واقعات وقصص اپنے اندر علوم و معارف کے لاتعداد خزانوں اور ذخیروں کو شامل ہیں جن کی تحقیق و تفتیش انسان کے بس کی بات نہیں۔ تحقیق و تدقیق کا یہ سلسلہ اُس وقت تک جاری رہے گا جب تک نیّرین (شمس و قمر) اپنی آب و تاب اور درخشندگی کے ساتھ چمکتے رہیں گے۔

قرآن حکیم میں حکایات کی تکرار (Repetition): قرآن مجید میں حکایاتِ ماضیہ کی بہت زیادہ تکرار ہے۔ یہ تکرار خاصی اہمیت کی حامل اور با مقصد ہے۔ اوّل تو اُن کا مقصد ایک خاص نکتے پر زور دینا ہوتا ہے جن میں معانی کا ایک بیش بہا ذخیرہ چھپا ہوتا ہے مثلاً سورہ مریم میں ابراہیم علیہ السلام کا اپنے چچا کو بت پرستی چھوڑنے کے متعلق یَـــا أَبَــتِ (اے میرے پیارے چچا!) چار مرتبہ کہنے میں ابراہیم علیہ السلام کی اپنے چچا کی نجات کے لئے انتہائی شفقت و مودّت کا اظہار ہے۔

بعض اوقات اس تکرار کا مقصد تدریجی اثر ہوتا ہے جس طرح کہ ایک ہی لفظ یا ایک ہی الفاظ سے شروع

۳۵۷۰ (علم منطق اور منطقی قضیّہ)

ہونے والی آیات ایک خاص قسم کی موسیقائی اثر پیدا کرتی ہیں جس سے وجدانی کیفیت طاری ہوتی ہے جس طرح کہ سورۃ الاعراف کی مندرجہ ذیل آیت ۱۹۵:

اَلَھُمۡ اَرۡجُل " یَّمۡشُوۡنَ بِھَا اَمۡ لَھُمۡ اَیۡدٍ یَّبۡطِشُوۡنَ بِھَا اَمۡ لَھُمۡ اَعۡیُن " یُّبۡصِرُوۡنَ اَمۡ لَھُمۡ آذَان " یَّسۡمَعُوۡنَ بِھَا (۷:۱۹۵)

یہی وجدانی کیفیت سورۃ الطُّور (۵۲) کی آیات ۱ تا ۱۶ اور ۳۰ تا ۴۳ کی تلاوت کرنے میں ہوتی ہے۔

سورۃ الشُّعراء کی آیات ۱۰۵ تا ۱۹۱ میں حضرات نوح، ہود، صالح، لوط اور شعیب علیہم السلام کی حکایات بیان کی گئی ہیں۔ دراصل اِن اور اِن جیسی دوسری آیات میں تکرار کا مقصد اُس بلند و بالا حقیقت کا اجاگر کرنا ہے کہ اللہ کے تمام پیغمبروں نے صرف خدائے واحد کی پرستش کے صرف ایک اور ایک ہی بنیادی پیغام کی تبلیغ کی اور اُن میں سے ہر پیغمبر اُسی قوم کا فرد تھا جس سے اُس نے خطاب کیا تاکہ اُسے جاننے والے لوگ سچا سمجھیں اور جن کے پاس اُس پیغمبر کے لائے ہوئے پیغام کا ضد اور تعصب کے ہاتھوں انکار کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔

تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ اسلام انتہائی سخت آزار و مصیبت اور کٹھن و پُر صعوبت حالات میں طلوع ہوا۔ اُس دَور میں اسلام قبول کرنا خطرات کے نہ تھمنے والے طوفان کو مول لینے کے ہم معنیٰ تھا۔ ایسے ناموافق حالات میں قرآن کا تدریجی اور بہ تکرار نزول جس میں مسلمانوں کو تسلیاں دی گئیں اور حوصلہ افزائی کی گئی، یہ سب اُس وقت کے حالات کا تقاضا تھا۔ اِن بار بار کی تسلیوں اور حوصلہ افزائیوں نے مسلمانوں میں ایک دائمی نفسیاتی اثر پیدا کیا کہ وہ اقوامِ عالم میں حق و صداقت کی روشنی عام کرنے کے کٹھن سفر میں اکیلے اور بے یار و مددگار نہیں ہیں۔

علاوہ ازیں قرآن مجید ایک تمامی قصّے کو صرف ایک ہی جگہ پیش نہیں کرتا بلکہ اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے مختلف مقامات پر کئی اجزاء میں پیش کرتا ہے جن میں تفصیلات کی عکاسی حسبِ ضرورت ہوتی ہے اور نفسِ موضوع کی موافقت سے ہوتی ہے۔ وہ حکایت کو حکایت کی خاطر پیش نہیں کرتا بلکہ وہ نفسِ موضوع پر روشنی ڈالنے کے لئے کرتا ہے۔ ایسا کرنے میں وہ ترتیبِ زمانی کو بھی حذف کر جاتا ہے۔ (انسائیکلوپیڈیا آف دی قرآن، جلد سوم)

یہ انسانی نفسیات ہے کہ ایک شخص ایک ہی قصّے کو بار بار سننے سے بیزار ہو جاتا ہے اور کسی بھی انتہائی دلچسپ کہانی سننے میں بھی کوئی حظ محسوس نہیں کرتا اگر وہ اُسے بار بار سنائی جائے۔ لیکن یہ قرآنِ حکیم ہی کا معجزہ ہے کہ جب وہ کسی ایک واقعہ کی تکرار مختلف مقامات پر کرتا ہے تو آدمی کو ایک نیا، تازہ ذوق ملتا ہے اور ایسی گرمجوشی ملتی ہے جس کی مثال کہیں نہیں ملتی اور جس سے انسان بجا طور پر اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ قرآن فی الحقیقت کسی انسانی کوشش کا نتیجہ ہرگز نہیں ہے۔

(ii) مستقبل میں ہونے والے واقعات کی قرآنی پیش گوئیاں : کسی دینی اصول کی صداقت کو ثابت کرنے میں سچی پیش گوئیاں بطورِ معیار ایک نمایاں اور ممتاز کردار ادا کرتی ہیں۔ اس اصول کا اطلاق قرآن مجید پر کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ واقعی یہ کلام اللہ ہے۔ قرآن مجید نے مستقبل میں ہونے والے جو واقعات بتائے ہیں اُن میں سے علاماتِ قیامت، روزِ محشر کی تفصیلات، اُس دن کا منظر، دوزخ کی ہولناکیاں اور باغِ جنت کی ناقابلِ تصور شادمانیاں اور حظ اندوزیاں ہیں۔ نبی علیہ السلام کا اپنے وطنِ مالوف مکّہ مکرّمہ کو بصد اعزاز لوٹنا (سورۃ القصص: ۸۵)، قرآن مجید کی مثل اور نظیر لانے میں دشمنِ اسلام کی تا قیامت عاجزی (سورہ بنی اسرائیل: ۸۸)، یاجوج و ماجوج کا خروج (سورۃ الکھف: ۹۴)، قیامت سے پہلے لوگوں سے بولنے والا جانور: دابۃ الارض (سورۃ النمل: ۸۲)، دوزخیوں کا باہم مکالمہ (سورہ الصافات: ۵۰ تا ۵۷)، فرشتے اسرافیل علیہ السلام کا صور پھونکنا (سورۃ الحاقۃ: ۱۳) اور دوزخیوں اور جنتیوں کی باہم گفتگو (سورۃ الاعراف: ۴۴، ۵۰، ۵۱) جیسی آئندہ واقع ہونے والی مثالیں ہیں۔

(ج) امثال (Parables)

قرآن مجید میں بیان شدہ امثال دو قسم کی ہیں: پہلی قسم کی امثال میں لوگوں کو سمجھانے کی بات ہوتی ہے۔ مثلاً سورۃ البقرۃ میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی مثال اس طرح دی گئی ہے:

(۱) مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ أَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ (البقرۃ: ۲۶۱)

''جو لوگ اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں، اُن کے مال کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک دانہ ہے کہ اُس سے سات بالیاں اُگیں، ہر ہر بالی کے اندر سو دانے ہوں۔'' (۲ : ۲۶۱)

''یہاں جو نیکی کی راہ میں خرچ کرنے کی کھیتی سے لطیف تشبیہ دی گئی ہے، اس سے اہلِ لطائف نے دو نکتے پیدا کیے ہیں: (i) اپنے مصارفِ خیر کی حفاظت و نگہداشت بھی اہلِ زراعت ہی کی طرح کرتے رہنا چاہیے۔ ریا، نمائش، عُجب، تکبّر، ایذا اور احسان رکھنے سے انہیں برباد نہیں کر دینا چاہیے۔ (ii) جس طرح تخم ریزی، آبپاشی وغیرہ کے اختلاف سے پیداوار، محنت، قیمت اور نفع میں مختلف ہوتی رہتی ہے، اسی طرح اجر گو مقدار میں برابر ہو، تاہم حُسنِ قبول و قربِ درجات وغیرہ کی کیفیات میں نیت و اخلاص کے اعتبار سے کمی بیشی ہوتی رہے گی۔'' (ماجدی)

(۲) وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَآتَتْ أُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَإِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ (البقرۃ: ۲۶۵)

''اور اُن لوگوں کی مثال جو اپنے مال رضائے الٰہی کی طلب میں اور اپنے نفس میں پختگی (پیدا کرنے کی

غرض سے) خرچ کرتے رہتے ہیں' ایک باغ کی طرح ہے جو کسی ٹیلے پر ہو اور اُس پر زور کا مینہ پڑا ہو' پھر وہ دگنا پھل لایا ہو اور اگر زور کا مینہ نہ بھی پڑے تو ہلکی پھوار (ہی کافی ہے)۔'' (۲:۲۶۵)

''اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے قرآن مجید نے ایک تشبیہ کے ذریعے ایک بہت ہی نازک اور مفید زرعی نکتہ بیان کیا ہے جس کے تحت زمین سے زیادہ سے زیادہ پیداوار حاصل کی جاسکتی ہے۔ نکتہ یہ ہے کہ بلند سطح پر واقع زمینیں میدانی علاقوں میں واقع زمینوں کی نسبت زیادہ زرخیز ہوتی ہیں' لہٰذا اُن کی پیداوار نسبتاً بہت زیادہ ہوتی ہے اور اُن کی کوالٹی بھی بہت بہتر ہوتی ہے۔'' (تفسیر نعیمی)

انسانی ذہن کے لئے یہ سمجھنا بہت مشکل ہوتا کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا ثواب آخرت میں کیسے کئی گنا زیادہ ملے گا۔ اس لئے معاملے کو قابلِ فہم بنانے کے لئے سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۶۱ میں ایک مثال دی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ جس طرح زمین میں بویا ہوا ایک بیج پودے پر سات سوسٹیوں کے ساتھ باہر نکلتا ہے' اسی طرح اس دنیا میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے کو آخرت میں سات سو گنا زیادہ عطا کیا جائے گا۔ ایسی مثالوں سے معاملہ بہت ہی واضح اور پُراثر ہو جاتا ہے۔

چونکہ آیت میں مذکور مثال کا تعلق شعبۂ زراعت سے ہے' اس لئے اس آیت نے انسانی کوشش کو ایک بالی میں ایک سو دانے جتنی کثیر پیداوار اگانے میں تحریک دی۔ الحمد للہ! اس آیت کی روشنی میں انسانی کوشش اب تک ایک بالی میں ۳۳ سے ۳۴ دانے اگانے میں کامیاب ہوئی ہے اور وہ وقت دُور نہیں جب وہ بفضلِ خدا حسبِ اشارۂ الٰہی (۲:۲۶۱) ایک بالی میں سو (۱۰۰) دانے حاصل کرنے کا ہدف پالے گا۔

قرآنی امثال کی دوسری قسم کو بجا طور پر ''ضرب الامثال کی امثال'' کہا جاسکتا ہے جس کی پھر اور دو قسمیں ہیں۔ ان میں سے کچھ ایسی ہیں جنہیں نزولِ قرآن کے ''ضرب الامثال'' کا درجہ حاصل ہوا' یعنی قرآن خود اُن ضرب الامثال کا موجد تھا۔ مثال کے طور پر مختلف مقامات پر واقع ہونے والی درجِ ذیل قرآنی آیات ملاحظہ ہوں:

(۱) وَاَنۡ تَعۡفُوۡۤا اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰی (البقرۃ: ۲۳۷)
''تمہارا معاف کر دینا تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔''

(۲) لَیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ۝ (النجم: ۳۹)
''جوئندہ یابندہ۔''

(۳) هَلۡ جَزَآءُ الۡاِحۡسَانِ اِلَّا الۡاِحۡسَانُ ۝ (الرحمٰن: ۶۰)
''نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا کچھ نہیں۔''

(۴) اِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ یُسۡرًا ۝ (الانشراح: ۶)
''یقیناً دشواری کے ساتھ آسانی ہے۔''

۳۵۷۳ (علم منطق اور منطقی قضیّہ)

اِن امثال کی دوسری قسم وہ ہے جس میں واضح طور پر کسی مثل کا ذکر ہونا معلوم نہیں ہوتا لیکن ضمنی اشارے سے (By Implication) اُسے معلوم کیا جاتا ہے۔ گویا کہ وہ عوام الناس میں رائج ضرب الامثال کا منبع و ماخذ ہیں۔ مثال کے طور پر عربی زبان میں ایک معروف و مشہور ضرب المثل لوگوں میں عام ہے:

لَيْسَ الْخَبَرُ كَالْمُعَايَنَةِ (شنیدہ کی بُوَد مانندِ دیدہ)

یہ ضرب المثل ابراہیم علیہ السلام کی حکایت میں سورۃ البقرۃ کی آیت سے براہِ راست اخذ کی گئی ہے جب آپ نے رب تعالیٰ سے درخواست کی کہ اُنہیں دکھایا جائے کہ وہ مُردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر فرمایا: کیا تمہارا (اس پر) ایمان نہیں؟ ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا:

وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِىْ (البقرۃ: ۲۶۰)

''لیکن میرے دل کو بھی خوب سکون نصیب ہو جائے۔''

''پیغمبر ابراہیم علیہ السلام جنہوں نے یہ الفاظ اللہ سے درخواست کے بعد کہ وہ کیسے مُردوں میں جان ڈالتا ہے' کہے اُن کے ایمان میں کوئی کمی نہیں تھی۔ لیکن اُنہیں معلوم تھا کہ اگر وہ مُردے میں جان پڑنے کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں تو تمام ممکنہ شکوک و شبہات ہمیشہ کے لئے چھٹ جائیں گے۔ آپ کا ایمان تھا کہ اللہ تعالیٰ اس قوّت کا مالک ہے اور تصدیقِ قلبی پہلے ہی سے آپ کو حاصل تھی۔ لیکن آپ کا ایمان مزید بڑھ جاتا اور مستحکم ہو جاتا اگر آپ کو اپنی جسمانی آنکھوں سے دیکھنے کے ذریعے عین الیقین کا درجہ حاصل ہو جائے۔'' (صحیح بخاری کا اسد کا انگریزی ترجمہ' جلد اوّل' صفحہ ۳۸ بحوالہ تفسیر ماجدی' ص ۴۲ ب)

اسی طرح ایک اور عربی ضرب المثل لوگوں میں مشہور و معروف ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

لَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَّاحِدٍ مَّرَّتَيْنِ

''مؤمن ایک سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا۔''

یہ کہاوت سورہ یوسف کی درجِ ذیل آیت سے ماخوذ ہے جب برادرانِ یوسف نے یوسف کو تاریک اور گہرے کنویں میں ڈالنے کے بعد اپنے باوا یعقوب علیہ السلام سے اپنے ایک اور بیٹے بنیامین کو اُن کے ساتھ مصر کے فرمانروا کی طرف بھیجنے کی درخواست کی تھی تاکہ وہ اُس سے زیادہ راشن لے سکیں۔ تو یعقوب علیہ السلام نے اُن کا ردّ اِن الفاظ میں کیا تھا:

هَلْ آمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَا اَمِنْتُكُمْ عَلٰى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ (یوسف: ۶۴)

''کیا میں اس کے بارہ میں (بھی) تم پر اسی طرح اعتماد کر لوں جیسے اس سے قبل میں نے اُس کے بھائی یوسف کے بارے میں تم پر اعتماد کر لیا تھا؟ (۶۴ : ۱۲)

(''علوم القرآن''۔۔ محمد تقی عثمانی' صفحات ۳۱۸۔۳۲۰)

(۱۳۶) لاٹری (Lottery) اور اسلام

''نمبر والے ٹکٹوں کی فروخت اور قرعہ اندازی کے ذریعے رقم اکٹھی کرنے کا طریقہ جس میں جیتنے والے نمبروں پر انعام ملتا ہے۔'' (اوکسفرڈ اُردو انگلش ڈکشنری۔۔شان الحق حقی' صفحہ ۹۴۶)

لاٹری یا ریفل قمار بازی (جؤا) کی ایک قسم ہے۔اِس میں ''خیراتی اداروں'' یا ''انسانیت دوست اداروں'' کی آڑ میں کوئی رعایت یا اجازت نہیں ہونی چاہئے۔جو لوگ انسانیت دوست وجوہ کی بنیاد پر اُسے جائز سمجھتے ہیں' اُن لوگوں کی طرح ہیں جو حرام رقص وسرود یا فنی شو کے ذریعے انسانیت کی خدمت کے نام پر فنڈ اکٹھا کرتے ہیں۔اِن دونوں طبقات کی بابت ختمی مرتبت آقا علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ'' لَايَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا

''بیشک اللہ (خود) پاک ہے' وہ پاک چیز ہی کو قبول فرماتا ہے۔''

وہ لوگ جو رقم اکٹھی کرنے کے لئے ایسے ذرائع اختیار کرتے ہیں' یہ سمجھتے ہیں کہ معاشرے کے افراد دل کی اچھائی' خیرات اور رحم وکرم کے جذبات سے عاری ہو گئے ہیں جس کے نتیجہ میں اُن سے رقم لینے کا جوئے اور شہوت انگیز تفریح کے انعقاد کے سوا کوئی چارہ نہیں۔لیکن اسلام اپنے سماج کے لئے ایسے عمل کی اجازت نہیں دیتا۔اسلام آدمی کی بنیادی اچھائی پر یقین رکھتا ہے اور اُسی اچھائی سے وہ اپیل کرتا ہے کہ شریفانہ مقاصد کے حصول کے لئے حلال اور پاک وصاف ذرائع تلاش کئے جائیں۔رقم اکٹھی کرنے کے اسلامی ذرائع راستی اور صداقت کی دعوت دیتے ہیں' اُن میں انسانی ہمدردی کی خوشبو رَسی بسی ہوتی ہے اور وہ لوگوں کے ذہنوں کو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان کے تقاضوں کی تکمیل کی دعوت دیتے ہیں۔(''الحلال والحرام فی الاسلام''۔۔یوسف القرضاوی' صفحہ ۳۰۶)

وہ اصول جس کی بنیاد پر جوئے کی ممانعت ہے' یہ ہے کہ تم وہ چیز حاصل کرتے ہو جو تم نے خود نہیں کمائی یا محض ایک اتفاق تم سے جاتا رہا ہے اگرچہ اس میں کسی دھوکہ دہی کی بات نہ ہو۔لاٹری' پانسے' ریفل اور شرط لگانا جوئے ہی کی طرح ہیں جن میں آدمی محنت کئے بغیر فائدہ اٹھاتا ہے۔ریفل کے ذریعے تیروں کے ساتھ گوشت کی تقسیم کی برائی جو قمار بازی کی ایک قسم تھی' عرب مشرکین میں عام تھی۔اسے حرام قرار دیتے ہوئے قرآن مجید اس برائی سے یوں منع کرتا ہے:

وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ'' (المائدة: ۳)

''اور یہ (بھی) حرام ہے کہ تم پانسوں (یعنی فال کے تیروں) کے ذریعے قسمت کا حال معلوم کرو (یا حصے تقسیم کرو)' یہ سب کام گناہ ہیں۔'' (۵ : ۳)

یہاں بجا طور پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ وراثت میں جو مال وارث حاصل کرتا ہے' اُس میں بھی تو وارث کی کوئی محنت یا کوشش شامل نہیں ہوتی۔ چونکہ وراثت حلال اور جائز ہے' اسی طرح لاٹری اور ریفلنگ کے ذریعے حاصل کی گئی رقم بھی جائز اور حلال ہونی چاہئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ قانونِ وراثت کے پیچھے حکمِ الٰہی اور اُس کا اجازت نامہ (Divine Sanction) کارفرما ہے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے خود سورۃ النساء میں ہر وارث کے حصے مقرر فرما دیئے ہیں جبکہ لاٹری' ریفلنگ اور شرط لگانا جوئے کی قسم کے باعث بالوضاحت حرام اور ممنوع ہیں کیونکہ ان کے پیچھے کوئی الٰہی اجازت نامہ نہیں۔ اس لئے وہ حرام ہیں اور اُنہیں ''خیراتی ادارے'' یا ''انسانیت دوست ادارے'' کی آڑ میں جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔☆

(۱۳۷) لوحِ محفوظ

قرآن مجید میں لوحِ محفوظ کا ذکر مختلف مقامات پر چار ناموں سے آیا ہے:

(۱) اُمّ الکتاب (سورۃ الزُّخرف: ۴) (۲) اِمام مُّبین (سورہ یٰسٓ: ۱۲)
(۳) کتاب مَّکنُون (سورۃ الواقعۃ: ۷۸) (۴) لوح محفوظ (سورۃ البروج: ۲۲)

سورۃ الزُّخرُف میں فرمایا:

وَاِنَّہٗ فِیٓ اُمِّ الکتابِ لَدَیْنَا لَعَلِیٌّ حَکِیْمٌ O (اَلزُّخرُف: ۴)

''بے شک وہ ہمارے پاس سب کتابوں کی اصل (لوحِ محفوظ) میں ثبت ہے' یقیناً (یہ سب کتابوں پر) بلند مرتبہ' بڑی حکمت والا ہے۔'' (۴۳ : ۴)

اِس آیت کی دو تفسیریں ہیں: ایک تفسیر یہ ہے کہ یہ قرآن لوحِ محفوظ میں ہے اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ مخلوق کے اعمال لوحِ محفوظ میں ہیں۔ اگر یہ مراد ہو کہ یہ قرآن لوحِ محفوظ میں ہے تو اُس کے بلند مرتبہ ہونے کا یہ معنیٰ ہے کہ یہ بہت محکم اور منضبط ہے' اس میں کوئی اختلاف اور تناقض نہیں ہے اور حکیم کا معنیٰ ہے کہ اس میں حکمت آمیز کلام ہے۔ اس کے لوحِ محفوظ میں ہونے کی تائید میں یہ آیتیں ہیں:

(۱) اِنَّہٗ لَقُرْاٰنٌ کَرِیْمٌ O فِیْ کِتٰبٍ مَّکْنُوْنٍ O (الواقعۃ: ۷۷' ۷۸)

☆ اس کی ایک اور مثال آبِ زمزم اور گنگا جمنا کا پانی ہے۔ کہنے کو تو دونوں ہی پانی ہیں لیکن آبِ زمزم کی تعظیم و توقیر عین ثواب لیکن گنگا' جمنا کے پانی کی تعظیم و توقیر عین کفر اور موجب عذابِ الٰہی ہے کیونکہ اوّل الذکر کے پیچھے الٰہی رضامندی ہے جبکہ مؤخر الذکر کے پیچھے کوئی الٰہی رضامندی شامل نہیں۔

۳۵۷۶ (لوحِ محفوظ)

"بے شک یہ قرآن بہت عزت والا ہے' یہ محفوظ کتاب میں درج ہے۔" (۵۶ : ۷۸'۷۷)

(۲) بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ ○ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ○ (البروج : ۲۲'۲۱)

"بلکہ یہ عظمت والا قرآن ہے۔ لوحِ محفوظ میں مندرج ہے۔" (۸۵ : ۲۲'۲۱)

اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ مخلوق کے تمام اعمال خواہ وہ ایمان اور کفر ہوں یا اطاعت اور معصیت ہوں' وہ سب لوحِ محفوظ میں ثابت ہیں۔ بلند مرتبہ کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ اعمال ایسی جگہ لکھے ہوئے ہیں جو اس بات سے بلند ہے کہ کوئی شخص ان میں ردّ و بدل کر سکے۔ حکیم کا معنیٰ ہے کہ وہ محکم ہے' اُس میں کوئی کمی اور اضافہ نہیں ہو سکتا۔ لوحِ محفوظ میں لکھے جانے کی تفصیل اس حدیث میں ملتی ہے:

عبدالواحد بن سلیم کہتے ہیں کہ میں مکہ میں آیا تو میری ملاقات عطاء بن رباح سے ہوئی۔ میں نے اُن سے کہا: اے ابو محمد! اہلِ بصرہ تقدیر کے متعلق بہت بحث کرتے ہیں۔ اُنہوں نے پوچھا: اے بیٹے! تم قرآن مجید پڑھتے ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں۔ اُنہوں نے کہا: سورۃ الزخرف پڑھو۔ میں نے جب یہ آیت پڑھی: وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ" تو اُنہوں نے کہا: کیا تم جانتے ہو کہ اُمّ الکتاب کیا چیز ہے؟ میں نے کہا: اللہ اور اُس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔ اُنہوں نے کہا: یہ وہ کتاب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے سے پہلے لکھا اور اس کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ فرعون اہلِ دوزخ سے ہے اور یہ کہ ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ تباہ ہو گیا۔ عطاء کہتے ہیں کہ پھر حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کے بیٹے ولید سے میری ملاقات ہوئی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تمہارے والد نے موت کے وقت کیا وصیت کی تھی؟ اُس نے کہا کہ اُنہوں نے مجھے بلا کر فرمایا تھا: اے میرے بیٹے! اللہ سے ڈرو اور تم اُس وقت تک اللہ سے نہیں ڈر سکو گے حتیٰ کہ تم اللہ پر ایمان لے آؤ اور ہر خیر و شر کے اللہ سے وابستہ ہونے پر ایمان لے آؤ۔ اگر تم اس کے خلاف عقیدہ پر مر گئے تو دوزخ میں داخل ہو گے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: بے شک اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اُس سے فرمایا: لکھو۔ اُس نے کہا: کیا لکھوں؟ فرمایا: تقدیر کو لکھو اور جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ابد تک ہونے والا ہے' اُس کو لکھو۔" (سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۲۱۵۵ ؛ مسند احمد بن حنبل ج ۵' ص ۳۱۷؛ سنن ابی داؤد' رقم الحدیث: ۴۷۰۰' بحوالہ "تبیان القرآن"۔۔ غلام رسول سعیدی' جلد دہم' صفحات ۶۵۶'۶۵۵)۔

"اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ لوحِ محفوظ تو ایک قسم کی یادداشت اور نوٹ بک ہے جس میں آدمی ضروری چیزیں لکھ لیتا ہے اور جب کوئی بات بھول جائے تو اُس میں دیکھ لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ تو علام الغیوب ہے اور اُس کے لئے کسی چیز کو بھولنا محال ہے۔ پھر اُس نے لوحِ محفوظ میں تمام چیزوں کو کیوں لکھا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ فرشتے لوحِ محفوظ کا مطالعہ کرتے ہیں اور اُنہیں معلوم ہو جاتا ہے کہ دنیا میں کیا ہونے والا ہے۔ پھر جب وہ دیکھتے ہیں کہ لوحِ محفوظ میں لکھے ہوئے کے مطابق حوادث واقع ہو رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے علم غیب کے متعلق اُن کا ایمان اور تازہ ہو جاتا ہے نیز انبیاء علیہم السلام اور اکابر اولیائے کرام بھی لوحِ محفوظ کا مطالعہ کرتے ہیں اور اُنہیں غیب کا علم ہو جاتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے حق میں یہ معجزہ ہے اور اولیاء اللہ کے حق میں یہ کرامت ہے۔" ("تبیان القرآن"' جلد دہم' صفحہ ۶۵۶)

لوحِ محفوظ کی تعریف میں اقوالِ مفسرین: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: لوح سرخ یاقوت کی تختی ہے۔ اس کا بالائی حصہ عرش کے ساتھ بندھا ہوا ہے اور زیریں حصہ ایک فرشتہ کی گود میں ہے۔ اس کی کتابت نور ہے' اُس کا قلم نور ہے' اللہ عزّ وجلّ ہر روز اس میں تین سو ساٹھ مرتبہ نظر فرماتا ہے اور ہر نظر سے جو چاہتا ہے' وہ کرتا ہے' ایک قوم کو بلند کرتا ہے اور دوسری قوم کو پست کر دیتا ہے یعنی کسی کو فقیر بنا دیتا ہے اور کسی کو غنی کر دیتا ہے' کسی کو زندہ کرتا ہے اور کسی کو موت عطا کرتا ہے' وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے' اُس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔

مقاتل نے کہا: لوحِ محفوظ عرش کی دائیں جانب ہے۔

کہا گیا ہے کہ لوحِ محفوظ میں مخلوق کی تمام اقسام اور اُن کے متعلق تمام امور کا ذکر ہے۔ اس میں اُن کی موت کا' حیات کا' اُن کے رزق کا' اُن کے اعمال کا اور ان میں نافذ ہونے والے امور کا اور اُن کے اعمال کے نتائج کا ذکر ہے اور وہی امّ الکتاب ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے جو چیز لوحِ محفوظ میں لکھی' وہ یہ ہے: میں اللہ ہوں' میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ محمد (ﷺ) میرے رسول ہیں۔ جس نے میرے فیصلہ کو تسلیم کر لیا اور میری نازل کی ہوئی مصیبت پر صبر کیا اور میری نعمتوں کا شکر ادا کیا' میں نے اُسے صدّیق لکھا ہے اور اُسے صدّیقین کے ساتھ اٹھاؤں گا اور جس نے میرے فیصلہ کو تسلیم نہیں کیا اور میری نازل کی ہوئی مصیبت پر صبر نہیں کیا اور میری نعمتوں کا شکر ادا نہیں کیا' وہ مجھے چھوڑ کر جسے چاہے اپنا معبود بنا لے۔ (الجامع لاحکام القرآن' جزء ۱۹' ص ص ۲۵۶' ۲۵۷۔ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام رازی نے کہا ہے کہ لوح سات آسمانوں کے اوپر ہے۔ یہاں فرمایا ہے کہ قرآن مجید لوحِ محفوظ میں ہے اور ایک آیت میں فرمایا ہے:

إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ۝ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ۝ (الواقعة: ۷۷' ۷۸)

''بے شک یہ قرآن بہت عزت والا ہے' یہ محفوظ کتاب میں درج ہے۔'' (۷۷' ۷۸ : ۵۶)

ہو سکتا ہے کہ لوحِ محفوظ اور کتاب مکنون سے مراد ایک ہی چیز ہو اور اس کے محفوظ ہونے کا یہ معنیٰ ہو کہ یہ فرشتوں کے غیر کے چھونے سے محفوظ ہے جیسے سورۃ الواقعۃ میں بیان ہوا:

لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۝ (الواقعة: ۷۹)

''اُسے مطہرون کے سوا کوئی نہیں چھوتا۔'' (۷۹ : ۵۶)

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہو کہ ملائکہ مقربین کے سوا یہ اوروں سے محفوظ ہے' کوئی دوسرا اس پر مطلع

نہیں ہوسکتا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تغیر اور تبدّل سے محفوظ ہو۔

بعض متکلمین نے کہا ہے کہ لوح وہ چیز ہے جو فرشتوں کے لئے ظاہر ہوتی ہے اور وہ اُسے پڑھتے ہیں اور جبکہ اس کی تائید میں احادیث اور آثار وارد ہیں تو اُن کی تصدیق واجب ہے۔'' (تفسیر کبیر' ج ۱۱' ص ۱۱۶' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ بحوالہ ''تبیان القرآن'' جلد ۱۲' صفحات ۶۶۱' ۶۶۲)

اللہ تعالیٰ کا ''لوحِ محفوظ'' میں لکھنے کا مطلب: جب یہ کہا جاتا ہے کہ جو کچھ بھی دنیا میں واقع ہوتا ہے' وہ ''قضائے الٰہی'' کے موافق ہوتا ہے یا وہ اللہ کے علم میں پہلے ہی سے ہوتا ہے جس نے اُسے ''لوحِ محفوظ'' (''امّ الکتاب'' ۔ سورۃ الرّعد: ۳۹ یا ''امام مبین'' ۔ سورہ یٰس: ۱۲) میں لکھ لیا ہوتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو تقدیر میں لکھے گئے عمل کا پابند کرلیا ہے۔ اسی طرح اس اعتقاد سے تقدیر کی جبریت ثابت نہیں ہوتی کہ حکمِ الٰہی کے بغیر کوئی چیز حرکت نہیں کرسکتی۔

اللہ تعالیٰ ہمہ بیں ہے۔ وہ ہر گزشتہ' حال میں وقوع پذیر واقعہ کو اور مستقبل میں ہونے والے واقعات کو جانتا ہے۔ اب اگر اُسے پہلے ہی سے معلوم ہے کہ مثلاً ایک آدمی نے فلاں موقع پر ایک مخصوص گناہ کرنا ہے تو پھر تو اُس آدمی کو ضرور وہ گناہ کرنا چاہئے اور اس سے کسی قسم کا فرار قطعاً ممکن نہیں۔ آخر اللہ کے علم کے خلاف کوئی جا بھی کیسے سکتا ہے۔ اور اگر اس آدمی کے لئے کوئی اور بدل یا چارہ نہیں تو اُسے آزادیٔ عمل سے موسوم کرنا درست نہ ہوگا جس کے نتیجہ میں اُسے اللہ کے حضور اپنے اعمال کی جوابدہی کے لئے ذمّہ دار نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کئی مواقع پر اس نظریہ کی ہیئت کی وضاحت فرمائی ہے اور اسے الٰہی حکم کے ساتھ جوڑا ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جُفَّ الْقَلَمُ بِمَا اَنْتَ لاَ قٍ (صحیح بخاری' جلد ۲)

''اے ابو ہریرہ! قلم نے لوحِ محفوظ میں وہ سب کچھ لکھ دیا ہے جو تم آزادیٔ عمل سے کرتے ہو۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے مستقبل سے متعلق اعمال کو پہلے ہی دیکھ لیتا ہے جو وہ اپنی آزادانہ رضامندی اور خودمختاری سے انجام دیتے ہیں۔ اس نظریہ کی تائید ایک اور حدیث سے ہوتی ہے کہ قلم کے لکھنے (یا قدر) کی حقیقت سوائے اس کے کچھ نہیں کہ وہ اُن حقائق و واقعات کا ایک سادہ سا بیان ہے جو پہلے ہو چکے اور بعد میں ہوں گے۔ اسی سادہ بیان کا نام ''قضائے الٰہی'' ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم ''قدر'' کی شکل میں ہوتا ہے اور یہ ہر حکمِ الٰہی اور ہر بیانِ الٰہی کے لئے ترغیب و تشویق فراہم کرتا ہے۔

''قضا'' کا معنیٰ حکم کا ہے اور ''قدر'' بہ معنیٰ مقدار' تخمینہ اور تشخیص ہے۔ اس لئے ''قضا'' کا بڑا تعلق اللہ

تعالیٰ سے ہے اور ''قدر'' کا تعلق انسانوں سے ہے۔ ''قدر'' ''قضا'' کا الہامی اور محرک ذریعہ ہے۔ لہٰذا قضا و قدر کا اصول بذاتِ خود انسان کی آزادیِ عمل کی تائید میں ہے۔

اِن دو نظریات کے مابین فرق کو واضح کرنے کے لئے امام راغب اصفہانی نے درج ذیل واقعہ کا حوالہ دیا ہے:
قَالَ اَبُوْ عُبَیْدَۃَ لِعُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ لَمَّا اَرَادَ الْفِرَارَ مِنَ الطَّاعُوْنِ اِلَی الشَّامِ: اَتَفِرُّ مِنَ الْقَضَاءِ؟ قَالَ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ: اَفِرُّ مِنْ قَضَاءِ اللّٰہِ اِلٰی قَدَرِ اللّٰہِ (المفردات القرآن لامام راغب؛ مرقاۃ لِمُلّا علی قاری، ج ۱، ص ۱۳۲)
''ابو عبیدہ نے عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا جب اُنہوں نے طاعون کی وجہ سے ملکِ شام کو جانا چاہا: کیا آپ قضا سے فرار ہو رہے ہیں؟ اس پر حضرت عمر نے جواب دیا: میں اللہ کی قضا سے اُس کی قدر کی طرف حرکت کر رہا ہوں۔''

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ بیان کسی بھی قدرتی آفت سے بچنے میں انسانی اختیار کا واضح ثبوت ہے۔

لیکن یہ بات بھی واضح رہے کہ انسان کی آزادیِ عمل کی راہ کی منصوبہ بندی اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے موجود ہوتی ہے۔ اس پہلے سے منصوبہ بندی کا نام ''قدر'' ہے۔ لہٰذا ''قدر'' انسانی آزادی کا حتمی نتیجہ ہے اور ''قضا'' (یعنی اعلانِ الٰہی) کا ہمیشہ اس پر انحصار ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ نتیجہ اخذ کرنا منطقی معلوم ہوتا ہے کہ ''قدر'' کی باقاعدہ تشکیل کے بغیر ''قضا'' کا نفاذ ناممکن ہوتا ہے۔

دو صلاحیتوں (الٰہی تخلیق اور انسانی عمل) کو ایک ہی عمل میں جوڑ دینے کا نظریہ مسئلہ کو پیچیدہ نہیں بناتا۔ اسے بہ آسانی سمجھا جا سکتا ہے۔ مثلاً مسلم عقیدہ کے مطابق زمین کا مالک اُس کی تخلیق کے لحاظ سے اللہ ہے لیکن زمین کے استعمال اور قبضہ کے لحاظ سے وہ انسان کی ملکیت ہے۔ زمین کا حوالہ اپنے دونوں پہلوؤں (الٰہی اور انسانی) میں دینا ایک دوسرے سے متصادم نہیں ہے بلکہ وہ ایک دوسرے کا تتمہ ہیں۔ علامہ سعد الدین تفتازانی نے ''شرح عقائد نسفی'' کے صفحہ ۶۶ پر بڑے واضح طور پر اس مسئلہ کو بیان کیا ہے اور فرمایا ہے:
فَالْفِعْلُ مَقْدُوْرُ اللّٰہِ تَعَالٰی بِجِهَةِ الْاِیْجَادِ وَمَقْدُوْرُ الْعَبْدِ بِجِهَةِ الْكَسْبِ
''انسانی فعل اپنی تخلیق کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی عملداری میں ہے اور اپنی کارکردگی میں انسان کی عملداری میں ہے۔''

''اس طرح ''خلق'' اور ''کسب'' کے نظریات کا اتحاد کسی قسم کے انتشار کا موجب نہیں اگر اُنہیں اُن کے آزادانہ تناظر میں دیکھا جائے۔ ("Islam in Variois Perspectives".. Prof. Dr. Muhmmad Tahir-ul-Qadri, pp. 74-76)

(۱۳۸) لوط علیہ السلام

پیغمبر لوط علیہ السلام بن حاران بن تارح (آزر) ابراہیم علیہ السلام کے سگے بھتیجے تھے جنہوں نے اُن کے لڑکپن میں اُن کی پرورش، نگہبانی اور سرپرستی کی۔ لوط علیہ السلام کو سدوم اور گمیرا کے لوگوں کی طرف رسول اور نذیر بنا کر بھیجا گیا اور یہ دونوں شہر وہاں کے لوگوں کے حد درجہ گناہوں کی وجہ سے مکمل طور پر تباہ و برباد کر دیئے گئے۔ اُن کی صحیح جگہ تو متعیّن نہیں ہو سکی لیکن قیاس ہے کہ وہ بحرِ مردار کے عین مشرق میں واقع شہر تھے۔ ☆ اپنے رشتہ داروں کے لئے لوط علیہ السلام کو نذیر بنا کر نہیں بلکہ اپنی قوم کے لئے نذیر بنا کر بھیجا گیا جو آپ کے قبیلہ میں سے نہیں تھے (سورۃ الاعراف: ۸۰) اور قبیلہ سے باہر کے لوگ تھے۔ یہ لوگ وادیِ اُردن میں کیکار کے علاقے میں رہتے تھے جو انتہائی زرخیز اور کثیر نباتاتی پیداوار سے مالا مال تھا۔

جیسا کہ بیان ہوا، لوط علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی براہِ راست نگرانی اور سرپرستی میں نشو و نما پائی، اس لئے آپ اور ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ۔۔ سیّدہ سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔۔ کو ملتِ ابراہیمی کے اوّلیں مسلمان ہونے کا اعزاز حاصل تھا جیسا کہ قرآن مجید کا اعلان ہے:

فَاٰمَنَ لَہٗ لُوْط'' وَقَالَ اِنِّیْ مُہَاجِر'' اِلٰی رَبِّیْ (العنکبوت: ۲۶)

''پھر لوط (علیہ السلام) اُن پر (یعنی ابراہیم علیہ السلام پر) ایمان لے آئے اور اُنہوں نے کہا: میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں۔'' (۲۹:۲۶)

زیر خط عبارت کا مطلب یہی ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام کے لوگوں میں سے وہ واحد شخص تھے جن کا آپ پر ایمان تھا اور لوط علیہ السلام کے علاوہ کوئی بھی اور شخص ایسا خوش نصیب نہ تھا۔

''اللہ کی خاطر گھربار چھوڑ دینے'' کا مطلب دونوں ہجرتیں ہیں: پہلی ہجرت ابراہیم علیہ السلام کے ہمراہ خوشدلی کی جلاوطنی جس میں آپ نے علمِ اتحاد اور نورِ الٰہی کو تھامے رکھا جبکہ دوسری ہجرت آپ کی روحانی ہجرت تھی جس میں آپ نے اپنے بت پرست آباء و اَجداد کے مشرک علاقے کو خیرباد کہا اور اس طرح ''دینِ حنیف'' کو اختیار کیا۔

☆ شروع میں یہ جگہ سمندر نہ تھی۔ جب قومِ لوط غضبِ الٰہی کا شکار ہوئی اور علاقے کو پلٹ دیا گیا جس میں زلزلے اور تیز و تند آندھیاں بھی شامل تھیں، تو یہ علاقہ سطحِ سمندر سے 400 میٹر نیچے چلا گیا اور پانی اوپر اُبھر آیا۔ اسی وجہ سے اُس جگہ کو اب ''بحرِ میت'' یا ''بحرِ لوط'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

بحرِ مردار کے شرقی جانب تمام قطعہ ارضی (جہاں یہ شہر آباد تھے) سلفیورک نمکیات سے پُر ہے اور انسانی و حیوانی اور نباتاتی زندگی کے لئے تباہ کن ہے۔ یہ انتہائی وحشت کا منظر ہے جو تباہی و بربادی کی علامت بن کر رہ گیا ہے۔

۳۵۸۱ (لوط علیہ السلام)

قومِ لوط : جب پیغمبر لوط علیہ السلام نے سدوم کو ہجرت فرمائی تو آپ نے وہاں قیام کے دوران مشاہدہ کیا کہ اُس قطعہِ ارضی کے لوگ اپنے ہی ابنائے جنس کے ساتھ بدفعلی کی لعنت یعنی لونڈے بازی میں بڑی بے شرمی کے ساتھ مبتلا ہیں جس سے اُس زمانے کی پوری اقوام عالم غیر متعارف اور غیر مانوس تھیں۔ اِس ناقابلِ معافی گناہ کے صرف وہی لوگ موجد تھے۔ وہ اپنے جرم کی سنجیدگی اور خباثت کو سمجھتے بھی تھے لیکن اپنی کجروی کے ہاتھوں اس فعلِ بد میں ملوّث بھی تھے۔ اپنی پختہ عادت پر شرمسار اور نادم ہونے کی بجائے اُن کی کج روی قریبًا قریبًا طبعی اور خلقی تھی کیونکہ وہ بڑے فخریہ انداز میں کھلے بندوں ہم جنس پرستی (Homo-sexuality) کے جرم کے مرتکب تھے۔ اُن کے بارے میں سورۃ الاعراف (۷) میں قرآن فرماتا ہے :

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِہٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَۃَ مَا سَبَقَکُمْ بِھَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ O اِنَّکُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَھْوَۃً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ O(الاعراف: ۸۰، ۸۱)

''اور لوط (علیہ السلام) کو (بھی ہم نے اسی طرح بھیجا) جب آپ نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم (ایسی) بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو جسے تم سے پہلے اہلِ جہان میں سے کسی نے نہیں کیا؟ بے شک تم نفسانی خواہش کے لئے عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس آتے ہو بلکہ تم حد سے گزر جانے والے ہو۔''

سدومیوں کی کمینگی اتنی سنگین اور ذلیل تھی کہ یہ دنیا میں ضرب المثل بن کے رہ گئی۔☆

لوط علیہ السلام اور آپ کا تبلیغی مشن : ایسے ناپاک، حوصلہ شکن، آزار کن اور دل گرفتہ حالات میں لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو حکمِ خداوندی کے تحت صراطِ مستقیم پر آنے کی ترغیب و تحریص دلائی۔ آپ نے اپنے بس میں خوش بیانی کے تمام نرم اور نفیس وسائل استعمال کئے اور اُنہیں اُن کے بدطریقوں کے تباہ کن نتائج سے خوف دلایا۔ لیکن تکبر و غرور، کج روی اور فرعونیت میں دُھت اُس قوم نے پیغامِ الٰہی پر اور اپنے پیغمبر کی سرزنش پر ذرّہ بھر کان نہ دھرا بلکہ اُلٹا اُنہوں نے لوط علیہ السلام کو اِس دل خراش بیان میں جواب دیا: (سورۃ الاعراف: ۸۲)

وَمَا کَانَ جَوَابَ قَوْمِہٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْھُمْ مِّنْ قَرْیَتِکُمْ اِنَّھُمْ اُنَاسٌ یَّتَطَھَّرُوْنَ O

''اور آپ کی قوم کا اس کے سوا کوئی جواب نہ تھا کہ وہ کہنے لگے: اِنہیں اپنی بستی سے نکال دو، بے شک وہ لوگ بڑے پاکیزہ بنے پھرتے ہیں۔'' (۷: ۸۲)

☆ مؤلف کی نظر میں اردو کا لفظ ''لواطت'' (لوط علیہ السلام کے نامِ نامی کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے) صحیح نہیں ہے کیونکہ نام نہاد ''لواطت'' کے لفظ کو ہم جنس پرستی (لونڈے بازی) کے معنیٰ میں لیا جاتا ہے اور پیغمبر جیسی عظیم و ارفع ذات کے ساتھ اس قبیح و ذلیل لفظ کو کسی بھی طرح نسبت دینا عظمتِ نبوّت کے خلاف بلکہ گستاخی ہے۔ ہماری شریعتِ مطہرہ ایسے جملوں اور تراکیب کے استعمال کی اجازت نہیں دیتی جس سے اسلام کے روشن نام پر ذرا سی بھی آنچ آئے یا کم از کم وہ اشارہ جو کسی بھی نبی کے مقامِ رفیع کو کمتر کرنے کی کوشش میں ہو۔ اس سے تو بہتر انگریزی زبان ہوئی جس میں اس فعل کو اہلِ سدوم کی طرف نسبت دیتے ہوئے (Sodomy) کا نام دیا گیا ہے۔ ہم اللہ کے غضب سے پناہ مانگتے ہوئے اُس کی امان میں آتے ہیں۔

لوط علیہ السلام نے اُنہیں ایک بار پھر علانیہ نصیحت کی: تف ہے تمہاری بے راہرویوں اور بے اعتدالیوں پر! تم اس قدر اخلاقی پستی کا شکار ہو گئے ہو کہ اپنے ہی ہم جنس مَردوں سے جنسی اختلاط کرتے ہو اور وہ بھی بھرے بازار میں۔ شاہراہوں میں لوٹ مار اور راہزنی اور دوسری کج روسرگرمیاں تمہاری فطرتِ ثانیہ بن چکی ہیں۔ اس نصیحت نے اُنہیں ایک بار پھر سیخ پا کر دیا اور اُنہوں نے اپنے پیغمبر کو چیلنج کیا کہ اگر وہ سچا ہے تو عذابِ الٰہی لا کے دکھائے:

أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُونَ السَّبِيلَ وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمُ الْمُنكَرَ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللَّهِ إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ O (العنكبوت: ۲۹)

''کیا تم (شہوت رانی کے لئے) مَردوں کے پاس جاتے ہو اور ڈاکہ زنی کرتے ہو اور اپنی (بھری) مجلس میں (ہر) ناپسندیدہ کام کرتے ہو' تو اُن کی قوم کا جواب (بھی) اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ کہنے لگے: تم ہم پر اللہ کا عذاب لے آؤ اگر تم سچے ہو۔'' (۲۹ : ۲۹)

اُن کے ایسے دل گرفتگی کے ردِّعمل میں لوط علیہ السلام نے اُن سنگدلوں کے لئے بددعا کی:

رَبِّ انصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِينَ O (العنكبوت: ۳۰)

''اے میرے پالنہار! فساد انگیزی کرنے والی قوم کے خلاف میری مدد فرما۔'' (۲۹:۳۰)

<u>لوط علیہ السلام اور فرشتے</u>: شام کے وقت دو فرشتے خوبصورت' بے ریش نوجوانوں کی شکل میں لوط علیہ السلام کے پاس آئے اور اُس رات آپ کے مہمان رہے۔ اِن کج رووں کی کج روی کا انتہائی گستاخانہ لہجہ اور ذوق کی غلط روی پیغمبر کے مہمانوں کے ساتھ شہوت کا رویّہ تھا' جو اصل میں فرشتے ہوتے ہوئے اِن لوگوں کو سزا دینے کے لئے انسانی شکل میں آئے تھے۔ سدوم کے لوگ غیر فطری جرم کی تسکین کے لئے لوط علیہ السلام کے گھر میں بھاگے بھاگے آئے اور اُن سے مطالبہ کیا کہ وہ اُن نوجوان لڑکوں کو اُن کے سپرد کر دیں تاکہ وہ بزورِ قوت اور دست درازی سے اُن سے حظ اندوز ہو سکیں۔ پیغمبر پریشان ہو گئے اور اپنے مہمانوں کی حفاظت میں اپنے آپ کو بے اختیار محسوس کیا۔ شہوت سے مرعوب ان اوباشوں سے پُرجوش طور پر آپ نے درخواست کی:

يَقَوْمِ هَٰؤُلَاءِ بَنَاتِي هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تُخْزُونِ فِي ضَيْفِي أَلَيْسَ مِنكُمْ رَجُلٌ رَّشِيدٌ O (هود: ۷۸)

''اے میری قوم! یہ میری (قوم کی) بیٹیاں ہیں' وہ تمہارے لئے (بہ طریقِ نکاح) پاکیزہ و حلال ہیں' سو تم اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں میں (اپنی بے حیائی کے باعث) مجھے رسوا نہ کرو' کیا تم میں سے کوئی بھی نیک سیرت آدمی نہیں ہے؟'' (۱۱ : ۷۸)

جنابِ لوط علیہ السلام کو جو خطرہ تھا وہ سامنے آ گیا۔ یہ لوگ اُن کے محترم مہمانوں کی آبرو پر ہاتھ ڈالنے کا

تہیہ کر چکے تھے اور آپ کے ساتھ کوئی ایسی جمعیت نہ تھی جو اُن وحشیوں کو ڈنڈے مار کر بھگا دیتی۔ بڑے یاس کے عالم میں فرمایا: ھٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِیْ (یہ میری بیٹیاں ہیں)۔ یہ طریقہ بڑا پاکیزہ اور صاف ستھرا ہے۔ ھٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِیْ (میری لڑکیاں) سے مراد آپ کی قوم کی بچیاں ہیں کیونکہ نبی اپنی امت کے لئے بمنزلہ باپ کے ہوتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ یہ میری قوم کی بیٹیاں جنہیں تم نے اپنے نکاح کی زنجیر میں جکڑ رکھا ہے لیکن اُن کے قریب تک نہیں جاتے ہو اُن کی طرف متوجہ ہو۔ تمہاری خواہشِ نفس بھی احسن طریقہ پر پوری ہوگی اور اُن کے حقوقِ زوجیت بھی ادا ہو جائیں گے۔ یہی توجیہ صحیح ہے۔ اس کے علاوہ ایک دوسری وجہ بھی بیان کی گئی ہے کہ اُن کی قوم کے رئیسوں نے آپ سے آپ کی بیٹیوں کا رشتہ طلب کیا تھا لیکن آپ نے اُن کے فسق و فجور اور اُن کی ذلیل حرکتوں کے باعث رشتہ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اب جب اُنہوں نے آپ کے مہمانوں کی بے حرمتی کرنا چاہی تو آپ اس بات پر بھی آمادہ ہو گئے کہ اپنی لڑکیوں کا رشتہ ان خواہشمند رئیسوں کو دے دیں تاکہ اس تعلق کی وجہ سے وہ اپنی قوم کے اوباشوں کو اس ذلیل حرکت سے باز رکھیں۔'' (ضیاء القرآن' جلد دوم' صفحہ ۳۸۱)

ایسی صورتِ حال میں اپنے آپ کو بے بس پاتے ہوئے لوط علیہ السلام نے آرزو کی:

لَوْ اَنَّ لِیْ بِکُمْ قُوَّۃً اَوْ اٰوِیْٓ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ O (ھود: ۸۰)

''کاش مجھ میں تمہارے مقابلہ کی ہمت ہوتی یا میں کسی مضبوط سہارے میں پناہ لے سکتا!'' (۱۱:۸۰)

''مضبوط سہارا'' سے کیا مراد ہے؟ کیا اللہ کے پیغمبر کو اللہ پر اعتماد نہ تھا کہ آپ نے کسی باقوت سہارے کی مدد چاہی؟ اس معمہ کا حل ہمیں اس حدیثِ نبوی میں ملتا ہے جس میں ختمی مرتبت آقا ﷺ نے فرمایا:

یَغْفِرُ اللّٰہُ لِلُوْطٍ اَنْ کَانَ لَیَاْوِیْ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ وَھُوَ رَبُّہٗ وَخَالِقُہٗ (صحیح بخاری)

''اللہ تعالیٰ لوط علیہ السلام پر فیضانِ مغفرت فرمائے کہ آپ نے کسی باقوت سہارے کی مدد چاہی اور وہ سہارا آپ کے رب اور خالق کا سہارا تھا۔''

کچھ مفسرین کہتے ہیں کہ درج بالا آیت ۸۰ کے لفظ بِکُمْ میں کُمْ (بمعنیٰ تم) کی ضمیر کے مخاطبین فرشتے ہیں۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ لوط علیہ السلام نے آرزو کی کہ اگر تم (فرشتے) اس قدر کثیر تعداد میں ہوتے جو میری قوت و اختیار کا ذریعہ ہوتے اور تمہاری وساطت سے میں اِن جنس زدہ سدومیوں کو سزا دینے کے قابل ہوتا۔ پیغمبر کی زبان سے یہ بات سنتے ہی انسانی شکل میں فرشتوں نے اپنے شناخت کراتے ہوئے اپنا مشن پیغمبر کے سامنے پیش کیا اور کہا:

یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّکَ لَنْ یَّصِلُوْٓا اِلَیْکَ (ھود: ۸۱)

''اے لوط! ہم آپ کے رب کے بھیجے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ آپ تک ہرگز نہ پہنچ پائیں گے۔'' (۱۱:۸۱)

اس سے آپ کا خوف دُور ہو گیا۔ صبح کے وقت اُن فرشتوں نے آپ کو ہدایات دیں کہ وہ اگلے دن پو پھٹنے

سے پہلے اپنے اہلِ خانہ کو لے کر نکلیں کہ وہ وقت اُن شہروں پر عذابِ الٰہی کے اترنے کا ہوگا:

فَاَسۡرِ بِاَهۡلِكَ بِقِطۡعٍ مِّنَ الَّيۡلِ وَاتَّبِعۡ اَدۡبَارَهُمۡ وَلَا يَلۡتَفِتۡ مِنۡكُمۡ اَحَدٌ وَّامۡضُوۡا حَيۡثُ تُؤۡمَرُوۡنَ O وَقَضَيۡنَاۤ اِلَيۡهِ ذٰلِكَ الۡاَمۡرَ اَنَّ دَابِرَ هٰۤؤُلَاۤءِ مَقۡطُوۡعٌ مُّصۡبِحِيۡنَ O(الحجر: ۶۵، ۶۶)

''پس آپ اپنے اہلِ خانہ کو رات کے کسی حصّہ میں لے کر نکل جایئے اور آپ خود اُن کے پیچھے پیچھے چلئے اور آپ میں سے کوئی مڑ کر (بھی) پیچھے نہ دیکھے اور آپ کو جہاں جانے کا حکم دیا گیا ہے (وہاں) چلے جایئے۔ اور ہم نے لوط کو اس فیصلہ سے بذریعہ وحی آگاہ کر دیا کہ بے شک اُن کے صبح کرتے ہی اُن لوگوں کی جڑ کٹ جائے گی۔'' (۱۵ : ۶۶،۶۵)

لوط علیہ السلام کے اہلِ خانہ میں آپ کی بیوی راہِ مستقیم سے ہٹ چکی تھی۔ وہ اپنے خاوند کی نافرمان تھی (سورۃ التحریم: ۱۰)۔ وہ پیچھے رہ گئی، پیچھے دیکھتی رہی اور تباہ ہوئی اور اس طرح اُس علاقہ کے کمینہ صفت لوگوں کے انجام میں شریک ہوگئی۔ بائبل کے بیان کے مطابق وہ نمک کے ستون میں تبدیل ہوگئی۔ (پیدائش باز دہم: ۲۶)

بالآخر اُن کے خالق کے حکم سے سرتابی کے نتیجہ میں قدرت کا ''مکافاتِ عمل'' کا قانون حرکت میں آیا جبکہ انہوں نے قدرت کی طرف سے دیئے گئے مہلت کے نادر لمحات سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا:

فَلَمَّا جَآءَ اَمۡرُنَا جَعَلۡنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمۡطَرۡنَا عَلَيۡهَا حِجَارَةً مِّنۡ سِجِّيۡلٍ مَّنۡضُوۡدٍO مُّسَوَّمَةً عِنۡدَ رَبِّكَ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ بِبَعِيۡدٍO (هود: ۸۱ تا ۸۳)

''سو جب ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے اس زمین کے بلند کو اس کا پست بنا دیا اور ہم نے اُس پر کھنگر کے تہ بہ تہ پتھر برسا دیئے، آپ کے پروردگار کے پاس خاص نشان کئے ہوئے اور وہ (مقام) ان ظالموں سے کچھ دور بھی نہیں۔'' (۸۱ تا ۸۳ : ۱۱)

''یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اہلِ سدوم و عمورہ وغیرہ کے ساتھ واقع ہونے والے واقعہ کا یہ انوکھا بیان سرزمینِ اُردن پر کھڑے ہونے والے جدید زمانہ کے سیّاحوں کو حقیقت کا احساس دلاتا ہے جو اس دہشت ناک تباہی کی توجیہ نکالنے میں کوشاں رہتے ہیں۔'' ("The Bible is True"...Sir Charles Marston, p. 130)

ہم جنس پرستی کی سزا کے متعلق پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا:

مَنۡ وَجَدۡتُّمُوۡهُ يَعۡمَلُ عَمَلَ قَوۡمِ لُوۡطٍ فَاقۡتُلُوا الۡفَاعِلَ وَالۡمَفۡعُوۡلَ (ابوداؤد، ابنِ ماجہ، ترمذی، نسائی، دارقطنی)

''جس کو تم قومِ لوط کا عمل کرتے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو۔''

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

۳۵۸۵ (لوط علیہ السلام)

''جب ایک مرد دوسرے مرد سے جنسی عمل کرتا ہے تو فاعل اور مفعول دونوں ہی زنا کار ہیں۔'' (''فقہ السنۃ'' جلد دوم' صفحہ ۴۳۴)

سیّدنا ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ کے زمانہِ خلافت میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے خلیفہِ وقت جناب صدّیق سے ہم جنس پرست کی سزا کے متعلق لکھ بھیجا۔ جناب صدّیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مسئلہ پر مشاورت کے لئے صحابہ کرام کو طلب کیا تو حضرت علی کرّم اللہ وجھہ' نے فرمایا کہ ایسے آدمی کی سزا یہ ہے کہ مجرم کو قتل کرنے کے بعد اُس کی لاش جلا دی جائے۔ تمام موجود صحابہ نے آپ کی رائے کی تائید کی۔ چنانچہ حضرت خالد کو یہی جواب لکھ بھیجا گیا اور اُنہوں نے اس کے مطابق عمل کیا۔'' (ضیاء القرآن۔۔ جسٹس کرم شاہ الازہری' جلد دوم' صفحہ ۵۴)

تاہم مسلمان فقہاء میں اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا ہم جنس پرستی کے جرم کو' حد'' کے طور پر لیا جائے یا ''تعزیر'' کے طور پر۔

اسلام کا تعزیراتی نظام ظالمانہ اور غیر مہذب نہیں: کچھ غیر معمولی حسّاس اہلِ مغرب کی طرف سے اسلام پر یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ اسلام کا تعزیری ضابطہ (معاذ اللہ) ظالمانہ' غیر انسانی اور بہیمانہ ہے۔

اس غیر معقول اعتراض کا جواب دینے میں ہمیں اس بے بنیاد الزام کا سبب اور اُس کا پس منظر دیکھنا ہوگا۔ زنا اور مے نوشی کچھ مغربی طبقات میں ایسے عام ہو چکے ہیں کہ ان برائیوں کو اُن کی زندگی سے جدا کرنا مشکل ہے۔ بد قماش لوگ جن کی فطرت ہی بد ہو' اِن برائیوں کی ممانعت کی حکمت کو کیسے سمجھ سکتے ہیں اور چونکہ ان برائیوں کی کمینگی اور گھٹیا پن سے اُن کی آنکھیں بند ہیں' تو وہ ان جرائم کی سزاؤں کو ظالمانہ اور بہیمانہ سمجھتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ ان برائیوں کے مضرات اور گھٹیا پن کو طشت از بام کیا جائے تاکہ یہ صداقت سامنے آسکے کہ ایسے گھناؤنے اور مہیب جرائم کی بیخ کنی کے لئے ایسی شدید سزائیں ناگزیر ہیں۔ (تفصیل کے لئے رجوع کیجئے' اسی انسائیکلوپیڈیا کی جلد ششم' صفحات ۳۱۶۱ تا ۳۱۷۰ وغیرہ)

بظاہر یہ سزائیں (معاذ اللہ) ظالمانہ معلوم ہوتی ہیں لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ ان سزاؤں نے اسلامی معاشرے کی پاکیزگی کو برقرار رکھنے میں خاصا کردار ادا کیا ہے جو اسلام کی انتہائی پسندیدہ' با مقصد کوشش ہے۔

چند مفید نکات: (۱) یہ بات حق وصداقت کے کس قدر قریب ہے کہ لوگ عین اپنی تباہی کے وقت اندھا دھند اپنی قسمت کو کوسنے لگتے ہیں اور ندامت وتوبہ کرنے اور رحم وکرم کی امید سے مایوس ہو جاتے ہیں۔ (۲) لوط علیہ السلام ایسے مثالی پیغمبر ہیں کہ اُنہوں نے سخت ناموافق حالات میں اور اپنے وطن سے دُور ہونے کے باوجود اللہ پر مکمل ایمان رکھتے ہوئے پیغامِ الٰہی کو کامل مستقل مزاجی کے ساتھ بندگانِ خدا تک پہنچایا۔

(۱۳۹) اہلِ بیتِ کرام سے محبت (Love for Ahl-e-Bayt)

سورۃ الشُّوریٰ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوا:

قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی (الشوریٰ : ۲۳)

''(اے حبیب!) فرما دیجئے میں اس (تبلیغِ رسالت) پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا مگر (اپنی اور اللہ کی) قرابت اور قربت سے محبت (چاہتا ہوں)۔'' (۴۲ : ۲۳)

صحیح بخاری میں سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ قرآنی اصطلاح اَلْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی سے مراد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قرابتداروں سے محبت ہے۔ (کتاب المناقب)

لفظ ''محبت'' کی تعریف:

(۱) هِیَ مُصَاحِبَةُ الْمَحْبُوْبِ عَلَی الدَّوَامِ

''محبوب کی ہمیشہ ہمراہی کا نام محبت ہے۔''

(۲) هِیَ اَنْ یَّکُوْنَ الْمَحْبُوْبُ اَقْرَبُ اِلَی الْمُحِبِّ

''محبت یہ ہے کہ محبوب (اپنے) محبّ کے زیادہ قریب رہے۔''

(۳) هِیَ حُضُوْرُ الْمَحْبُوْبِ عِنْدَ الْمُحِبِّ دَائِمًا (روضة المحبين لابن قيّم، ص ۳۱)

''محبت یہ ہے کہ محبوب (اپنے) محبّ کے ہمیشہ قریب رہے۔''

اہلِ بیت کی تعریف: (۱) پیغمبر (علیہ السلام) کے اہلِ خانہ یعنی آپ کی بیویاں اور بیٹیاں، بالخصوص آپ کی بیٹی فاطمہ اور آپ کے داماد جناب علی (کرّم اللہ وجہہ) (An Arabic-English Lexicon..Edward William Lane, Part I, pp. 121, 280)

(۲) أَهْلُ الرَّجُلِ عَشِيْرَتُه، وَذَوُوْا قُرْبَاهُ وَلِرَّجُلِ زَوْجَتُه، كَاَهْلَتِهٖ وَلِلنَّبِیِّ ﷺ اَزْوَاجُه، وَبَنَاتُه، وَ صِهْرُه، عَلِیٌّ'' رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَوْنِسَاءُه، (''القاموس المحیط'' لمجد الدین فیروز آبادی، ج ۳، ص ۳۳۱)

''آدمی کے اہل اُس کے اہلِ خانہ اور قرابتدار ہوتے ہیں۔ آدمی کی اہل میں اُس کی بیوی بھی ہوتی ہے۔ پیغمبر علیہ السلام میں آپ کی ازواج، آپ کی بیٹیاں اور آپ کا داماد جناب علی (کرّم اللہ وجہہ) شامل ہیں۔ یا پھر اہل کا مطلب پیغمبر علیہ السلام کی صرف بیویاں ہیں۔'' (القاموس المحیط۔ مجد الدی فیروز آبادی)

اہلِ بیتِ کرام کی شان میں آیتِ تطہیر : جیسا کہ بیان ہوا' نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج آپ کے اہلِ بیت میں شامل ہیں جن کی شان میں درج ذیل آیت نازل ہوئی جو ''آیتِ تطہیر'' کے نام سے موسوم ہے:

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًاO (الاحزاب:۳۳)

''اے (رسول کے) اہلِ بیت! دراصل اللہ چاہتا ہے کہ تم سے ہر قسم کے گناہ کا میل (اور شک ونقص کی گرد تک) دُور کردے اور تمہیں (کامل) طہارت سے نواز کر بالکل پاک وصاف کردے۔'' (۳۳:۳۳)

ایک اعتراض اور اُس کا ازالہ: کچھ شارحینِ قرآن' نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج کو آپ کے اہلِ بیت میں شامل کرنے کو نہیں مانتے کیونکہ اُن کے بقول آیتِ بالا (۳۳) میں مذکر ضمیر کُـــمْ کی دوہری تکرار اُنہیں نبی علیہ السلام کے اہلِ بیت میں شامل کرنے میں رکاوٹ ہے۔ اُن کا اصرار ہے کہ آیتِ مذکورہ کے نزول پر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت فاطمہ' حضرت علی' حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو بلا کر فرمایا:

ھٰؤُلَاءِ اَھْلِ بَیْتِیْ (یہ میرے اہلِ بیت ہیں)

جواب : اہلِ بیت کا مطلب ہوتا ہے گھر والے۔ اس لئے ہر قوم اور معاشرے میں اور عرفِ عام میں اس سے انسان کے اپنے گھر والے' بیوی بچے اور اہل وعیال مراد لئے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بیوی کو ''اہلیہ'' اور ''گھر والی'' کہتے ہیں۔ قرآن پاک اس پر مستقل سند ہے اور وہ ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ سیّدہ سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو (سورہ ھود: ۷۳ میں) اور موسیٰ علیہ السلام کی زوجہ محترمہ سیّدہ صفورا رضی اللہ عنہا کو (سورۃ النمل: ۷' سورۃ القصص: ۲۹ میں) اُن کے خاوندوں کے ''اہلِ بیت'' کہتا ہے۔ اس لئے جب ان مذکور انبیاء علیہما السلام کی ازواج اُن کے اہلِ بیت ہیں تو نبی آخر الزماں ﷺ کی ازواج آپ کی اہلِ بیت کیوں نہ ہوں!

رہا آیت مذکورہ (۳۳:۳۳) میں ضمیر کُمْ کی تکرار کا سوال تو اس کا جواب یہ ہے کہ آیت کا لفظِ اَھْل مذکر ضمیر کا متقاضی ہے جس کا ثبوت درج ذیل آیات ہیں:

(۱) قَالُوْٓا اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ رَحْمَتُ اللّٰہِ وَبَرَکٰتُہٗ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ (ھود: ۷۳)

یہاں اَھْل کی وجہ سے مذکر ضمیر کُمْ استعمال ہوئی ہے۔

(۲) قَالَ لِاَھْلِہِ امْکُثُوْٓا اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْٓ اٰتِیْکُمْ مِّنْھَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَۃٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّکُمْ تَصْطَلُوْنَO (القصص: ۲۹)☆

''موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی اہلیہ سے فرمایا: تم یہیں ٹھہرو' میں نے آگ دیکھی ہے شاید میں تمہارے لئے اس (آگ) سے کچھ (اس کی) خبر لاسکوں یا آتشِ سوزاں کی کوئی چنگاری تاکہ تم تاپ سکو۔'' (۲۹ : ۲۸) [یہاں بھی اَھْل کی وجہ سے مذکر ضمیر کُمْ استعمال ہوئی ہے۔]

☆ (نوٹ اگلے صفحہ کے آخر میں ملاحظہ ہو)

۳۵۸۸ (اہلِ بیتِ کرام سے محبت)

پہلی آیت میں جناب خلیل اللہ کی زوجہ محترمہ کو اور دوسری آیت میں موسیٰ علیہ السلام کی زوجہ مطہرہ کو اور پھر آیتِ تطہیر میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواجِ مطہرات کو ''اہلِ بیت'' کہا گیا ہے جو اس حقیقت کا غماز ہے کہ بنیادی طور پر انسان کے اہل وعیال اور بیوی بچوں ہی کو اہل کہتے ہیں۔ بات کو پوری طرح سمجھنے کے لئے یہاں ایک اور حقیقت کو بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ انسان کا نسب بیٹے کی طرف سے جاری ہوتا ہے' بیٹی کی طرف سے نہیں۔ پوتا اپنے دادا کے نسب کا وارث اور اُس کے خاندان کا ایک فرد شمار ہوتا ہے' نواسہ نہیں کیونکہ وہ بیٹی کی اولاد ہوتا ہے اور بیٹی جس خاندان میں چلی جائے' اُس کی اولاد بھی اُسی خاندان کی متصوّر ہوتی ہے لیکن حضور ﷺ نے ایک خاص حکمت کے پیشِ نظر اپنی ذات کی حد تک اِن دونوں تصوّرات کو بدل دیا جن کی تفصیل یہ ہے:

''حضور ﷺ خاتم النّبیّین ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوسکتا۔ آپ کے اِسی مقام ومرتبہ کی وجہ سے آپ کے حقیقی بیٹے اِس دنیا سے رخصت ہو گئے کیونکہ وہ اگر اس دنیا میں زندہ رہتے اور نبی نہ ہوتے تو یہ ایک عیب تھا کہ عظیم الشان نبی کا بیٹا نبی نہیں۔ اس لئے حکمتِ الٰہی کو یہ منظور ہوا کہ وہ اس دنیا میں نہ رہیں' اس لئے اُنہیں بچپن ہی میں دنیا سے اٹھالیا گیا۔''

''اب ایک دوسری صورت پیدا ہوگئی کہ اولاد کا نہ ہونا بھی ایک عیب ہے۔ معاشرے میں ایسے شخص کو بہت مطعون اور پریشان کرتے ہیں اور اہلِ مکہ نے ایسا ہی کیا۔ جب کئی مرتبت آقا علیہ السلام کے تمام بیٹے یکے بعد دیگرے فوت ہو گئے تو اُنہوں نے آپ کو طعنہ دینا شروع کیا کہ آپ ''اَبْتَر'' ہیں یعنی بیٹوں سے محروم ہیں اس لئے آپ کا سلسلۂ نسب منقطع ہو گیا اور نسل آگے نہیں بڑھے گی۔ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ نرا اولاد نہ ہونے کے باوجود آپ کی نسل پھلے پھولے اور نسب آگے بڑھے۔ چنانچہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کو ایک خاص خصوصیت عطا کی گئی اور آپ ﷺ نے امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرمایا:
ھٰذَانِ اِبْنَایَ وَاَبْنَا بِنْتِیْ (میری بیٹی کے یہ دونوں بیٹے' میرے بیٹے ہیں)۔

آپ حسنین کریمین کو بیٹوں ہی کی طرح چومتے' سونگھتے' چمٹاتے اور بے حد پیار کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اللہ کی بارگاہ میں عرض کی: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّھُمَا فَاحِبَّھُمَا وَاَحِبَّ مَنْ یُّحِبُّھُمَا
(اے اللہ! میں اِن دونوں سے محبت کرتا ہوں' تو بھی اُنہیں محبوب بنالے اور جو اُن سے محبت کرے تو اُسے بھی محبوب بنالے)۔

نوٹ صفحہ سابق: موسیٰ علیہ السلام کا اپنی زوجہ محترمہ کے لئے آتِیْکُمْ اور تَصْطَلُوْن کے جمع کے صیغے استعمال کرنے میں ایک وجہ تو اُن کی تکریم اور عزت ہوسکتی ہے (تفسیر کبیر) اور یا پھر اس خطاب میں اُن کی زوجہ' اُن کا بچہ اور خادم شامل ہیں (روح البیان)۔ تیسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ مصر کو واپسی میں کچھ چرواہے آپ کی بھیڑ بکریوں کی نگرانی کے لئے آپ کے ہمراہ ہولئے تھے کیونکہ تورات کی ایک آیت اس اغلبیت کی تائید کرتی ہے (پیدائش ۱:۲)۔ ان وجوہ کے باعث جمع مذکر کے صیغے استعمال ہوئے ہیں۔

"اس طرح حضور ﷺ نے اولادِ زہرہ رضی اللہ عنہا کو اپنی اولاد قرار دے کر سارا مسئلہ ہی حل کر دیا۔ یہ اعزاز صرف سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولادِ پاک ہی کو حاصل ہے کہ اُنہیں حضور ﷺ کی اولاد کہا جاتا ہے اور یہ بھی حضور ﷺ ہی کی خصوصیت ہے کہ آپ کا نسب بیٹی کی طرف سے جاری ہوا۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے ایسی برکت دی کہ آج ساداتِ کرام پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔"

"حضور ﷺ نے خاص حکمت کے تحت "اہلِ بیت" کے تصوّر میں بھی تبدیلی فرمائی۔ عرفِ عام میں صرف اپنے اہل و عیال اور صُلبی اولاد ہی کو "اہلِ بیت" یا "آل" کہتے ہیں لیکن آپ نے ایک خاص فرمان کے ذریعہ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ' کو بھی اس میں شامل فرمایا۔ تفصیل کچھ یوں ہے:

"علاقہ نجران سے ایک عیسائی وفد مناظرہ کرنے کے لئے حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہنے پر مصر تھے۔ بولے: کیا آپ نے کوئی ایسا شخص دیکھا ہے جو بن باپ کے پیدا ہوا ہو۔ قرآن پاک نے اُن کا یہ استدلال اُن کے منہ پر دے مارا اور اُنہیں بتایا کہ اگر اللہ چاہے تو باپ ہی نہیں بلکہ وہ ماں باپ کے بغیر بھی پیدا کر سکتا ہے جیسا کہ جناب آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ماں باپ کے بغیر صرف کلمہ "کُن" سے پیدا کرنا قدرتِ الٰہی کا کرشمہ ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ "کُن" سے وجود میں آنے والی مخلوق "ابن اللہ" بن جائے۔ مگر وفد کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی اور وہ اپنی ضد پر قائم رہے۔ حضور ﷺ نے اس کے لاٹ پادری عبدالمسیح سے فرمایا: اگر تم اپنی ضد سے باز نہیں آتے تو آؤ ہمارے ساتھ مباہلہ کرلو' اپنے اہل و عیال لے کر آجاؤ' میں بھی اپنے اہلِ بیت کو لے کر آتا ہوں۔ پھر ہم مل کر دعا کریں کہ اللہ جھوٹے گروہ کو ہلاک کر دے۔"

"آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام گھر تشریف لائے۔ آپ نے دھاری دار کالی گرم چادر اوڑھی ہوئی تھی۔ آپ ﷺ بیٹھ گئے' اِتنے میں حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے۔ آپ نے اُنہیں چادر میں داخل کر لیا' پھر حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے' پھر سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں۔ آپ نے اُنہیں بھی چادر میں داخل کر لیا۔ پھر حضرت علی کرّم اللہ وجہہ' آئے تو آپ نے اُنہیں بھی ساتھ بٹھا لیا اور آیتِ تطہیر تلاوت فرمائی:

إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًاO (الاحزاب:۳۳)

"اے (رسول کے) اہلِ بیت! دراصل اللہ چاہتا ہے کہ تم سے ہر قسم کے گناہ کا میل (اور شک و نقص کی گرد تک) دُور کر دے اور تمہیں (کامل) طہارت سے نواز کر بالکل پاک و صاف کر دے۔" (۳۳:۳۳)

اور عرض کی: اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ أَهْلُ بَيْتِي (اے اللہ! یہ میرے اہلِ بیت ہیں)۔ یہ اس لئے کیا تا کہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ جناب علی المرتضیٰ تو ابو طالب کی اولاد ہیں۔ نبی کے اہلِ بیت کیسے بن گئے؟ حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ شرف عطا کر کے ہمیشہ کے لئے اس شک و شبہ کا خاتمہ کر دیا اور یہ بتا دیا کہ وہ جسے چاہیں' اپنے اہلِ

بیت میں شامل ہونے کا اعزاز بخش سکتے ہیں جیسا کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو بھی بخشا تھا۔

''مذکورہ حدیث میں ان ہی اہلِ بیت کے ساتھ والہانہ محبت کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور ساتھ ہی اس کا سبب بھی بیان فرمایا ہے یعنی یہ کہ ان ہستیوں کا تعلق حضور ﷺ کے ساتھ ہے اس لئے اُمّتی ہونے کے ناطے سے فرض بنتا ہے کہ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے محبوب ہیں' اُمّتی بھی اُنہیں اپنا محبوب بنائیں۔ جس اہلِ بیت کی محبت کو اتنی اہمیت دی گئی ہے' بارگاہِ خداوندی میں اُن کی قدر و منزلت اور روحانی مقام و مرتبے کو اجاگر کرنے کے لئے اختصار کے پیشِ نظر صرف حضرت علی المرتضیٰ اور سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے چند سوانحی خاکے پیش کئے جاتے ہیں:

''حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

میاں بیوی کے درمیان پیار بھری رنجش ازدواجی زندگی کا ایک دلکش حصّہ ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے درمیان کچھ ایسی ہی رنجش پیدا ہوگئی۔ جنابِ علی کرّم اللہ وجھہ' ناراض ہو کر مسجد میں چلے گئے اور زمین پر لیٹ گئے۔ جسمِ اطہر سے عنبر بار پسینہ بہہ کر مٹی میں جذب ہونے لگا۔ سرکارِ نبی پاک ﷺ حضرت علی کے گھر تشریف لائے تو اُنہیں وہاں نہ پا کر سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا۔ اُنہوں نے بتایا کہ ناراض ہو کر مسجد میں چلے گئے ہیں۔ آپ ﷺ مسجد میں گئے تو دیکھا کہ زمین پر لیٹے ہوئے ہیں اور نازنین بدن پر مٹی لگی ہوئی ہے تو موقع و محل کی مناسبت سے پیار بھرے لہجہ میں ختمی مرتبت آقا علیہ السلام نے فرمایا: قُمْ یَا اَبَا تُرَاب (او مٹی کے باپ! اٹھ)۔ آپ ﷺ حضرت علی کرّم اللہ وجھہ' کے خوبصورت بدن سے مٹی جھاڑتے اور یہی جملہ دہراتے رہے۔ عجیب نور بار اور فیض رساں سماں تھا! آپ ﷺ نے شفقتیں اُنڈیل دیں اور چاہتیں نچھاور کر دیں اور باتوں ہی باتوں میں جناب علی کو روئے زمین کا مالک بنا دیا۔ نبی کی کوئی بات حکمت سے خالی نہیں ہوا کرتی۔ جناب علی کو جو آپ نے ابوتراب کا لقب دیا' وہ بھی حکمت سے خالی نہ تھا۔ تراب مٹی کو کہتے ہیں اور پوری زمین مٹی کی بنی ہوئی ہے۔ ابوتراب کہہ کر اشارہ دے دیا کہ علی' مٹی یعنی روئے زمین کا باپ اور مالک ہے اور اللہ نے روحانی طور پر اُسے زمین میں تصرف کرنے کی طاقت دی ہوئی ہے جس کا اظہار ایک مرتبہ کوفہ میں ہوا۔''

''اہلِ کوفہ جناب علی کرّم اللہ وجھہ' کی خدمت میں فریاد لے کر حاضر ہوئے کہ دریائے فرات میں طغیانی آگئی ہے' وہ کناروں سے چھلک پڑا ہے اور ہمارے کھیت برباد ہونے کا خطرہ پیدا ہوگیا ہے۔ آپ نگاہِ کرم فرمائیں اور اس سلسلے میں ہماری معاونت فرمائیں۔ جناب علی رضی اللہ عنہ گھر تشریف لے گئے۔ حضور ﷺ کا جبہ مبارک زیبِ تن فرمایا' عمامہ شریف سر پر باندھا' عصا مبارک ہاتھ میں لیا۔ باہر تشریف لائے' گھوڑے پر سوار ہوئے اور دریائے فرات پر پہنچے۔ وہاں آپ نے دو رکعتیں ادا فرمائیں اور عصا مبارک لے کر کھڑے ہو گئے اور پانی کو نیچے

ہونے کا اشارہ کیا۔ ایک فٹ کے قریب پانی نیچے ہوگیا۔ لوگوں سے پوچھا: اتنا کافی ہے؟ وہ بولے: مزید کم کریں۔ آپ نے پھر اشارہ کیا' پانی مزید کم ہوگیا۔ لوگوں نے عرض کی: ابھی خطرہ باقی ہے' پانی اور کم کریں۔ آپ نے تیسری بار اشارہ کیا تو پانی اور اُتر گیا۔ جب وہ خطرے کے نقطے سے نیچے آ گیا تو لوگ بولے: اب ٹھیک ہے خطرہ ٹل گیا۔''

''ایک مرتبہ حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولایت و مالکیت اور آقائی کا بڑے واضح انداز میں ذکر فرمایا۔ اِس واقعہ کے چشم دید گواہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ بیان فرماتے ہیں:

''ہم حضور ﷺ کے ساتھ تھے۔ سفر کرتے کرتے ''غدیرِ خم'' پر پہنچ گئے۔ وہاں ظہر کی نماز ادا کی۔ حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور لوگوں سے پوچھا: کیا میں اہلِ ایمان کی جانوں سے بھی زیادہ اُن کا مالک اور آقا نہیں ہوں؟ سب نے عرض کی: یا رسول اللہ! بے شک آپ ہمارے مالک و آقا ہیں۔ آپ نے فرمایا: تو سنو! مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ'' مَوْلَاہُ (جس کا میں مالک و آقا ہوں' علی بھی اُس کا آقا ہے)۔ پھر آپ نے دعا کی: اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاہُ وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ (اے اللہ! جو علی سے محبت کرتا ہے' تو بھی اُس سے محبت فرما اور جو علی سے دشمنی کرتا ہے' تو بھی اُس سے دشمنی فرما)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نگاہِ نبوّت میں کیا قدر و قیمت تھی' اس کا اندازہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ایک ارشاد سے لگایا جا سکتا ہے جسے اُمِّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان فرمایا:

لَا یُحِبُّ عَلِیًّا مُنَافِقٌ'' وَلَا یُبْغِضُہٗ' مُؤْمِنٌ''

''جو منافق ہے وہ علی سے محبت نہیں کرتا اور جو مؤمن ہے وہ علی سے بغض نہیں رکھتا۔''

گویا محبتِ علی' معیارِ ایمان ہے۔ جس دل میں محبتِ علی ہے وہ اس بات کی دلیل اور علامت ہے کہ یہ بندۂ مؤمن ہے اور جو محبت کے اس گوہرِ شب چراغ سے محروم ہے' وہ اس بات کی نشانی ہے کہ یہ شخص ایمان کی دولت سے محروم ہے اور اُس کے دل پر نفاق کے کالے سائے چھائے ہوئے ہیں۔''

سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

یَا بُنَیَّۃُ اَلَا تَرْضِیْنَ اَنَّکِ سَیِّدَۃُ نِسَاءِ الْعٰلَمِیْنَ

''اے بیٹی! کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ تو تمام جہان کی عورتوں کی سردار ہے۔''

عرض کی: یارسول اللہ! یہ منصب تو حضرت مریم سلام اللہ علیہا کو عطا کیا گیا ہے۔ فرمایا:
تِلْكَ سَیِّدَةُ نِسَاءِ عَالَمِهَا (وہ صرف اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار تھیں)۔''

اہلِ علم فرماتے ہیں کہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کوئی افضل ہو بھی نہیں سکتا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنھا کے بارے میں حضرت مسوّر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:
فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِّنِّیْ (فاطمہ میرا ٹکڑا ہے)
تو جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جگر کا ٹکڑا ہو' اُس سے افضل کون ہو سکتا ہے؟ اس حدیث کا اگلا حصّہ ہے:
فَمَنْ اَغْضَبَهَا اَغْضَبَنِیْ یُرِیْبُنِیْ مَا اَرَابَهَا وَیُؤْذِیْنِیْ مَا اٰذَاهَا
''جس نے فاطمہ کو ناراض کیا اُس نے مجھے ناراض کیا' جو چیز اُسے بُری لگتی ہے وہ ہمیں بھی بُری لگتی ہے اور جو اُسے دکھ دیتی ہے وہ ہمیں بھی دکھ دیتی ہے۔''

اور جو شخص یا گروہ اللہ کے رسول کو دکھ دیتا اور صدمہ پہنچاتا ہے' اُس کے بارے میں قرآن پاک کا واضح فیصلہ سورۃ التوبۃ میں آچکا ہے:
وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ O (التوبۃ: ۶۱)
''اور جو لوگ رسول اللہ (ﷺ) کو (اپنی بدعقیدگی' بدگمانی اور بدزبانی کے ذریعے) اذیّت پہنچاتے ہیں' اُن کے لئے دردناک عذاب ہے۔'' (۶۱ : ۹)

''اس لئے میدانِ کربلا میں جن لوگوں نے امام پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف جنگ بندی کی اور اُن پر' اُن کے اہل وعیال اور دوستوں پر مظالم ڈھائے' وہ دنیا اور آخرت میں ملعون اور دوزخ کا ایندھن ہیں کیونکہ اُنہوں نے یہ حرکت کر کے سیّدہ زہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قلبِ مبارک کو صدمہ پہنچایا جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دکھ دینے کے مترادف ہے اور جس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دکھ پہنچایا' اس کے بارے میں سورۃ التوبۃ کے علاوہ سورۃ الاحزاب میں بھی واضح فیصلہ موجود ہے کہ وہ ملعون اور عذاب کا مستحق ہے۔'' (ماہنامہ ''منہاج القرآن'' لاہور' فروری ۲۰۰۷' صفحات ۱۴ تا ۲۰' مضمون نگار: علاّمہ محمد معراج الاسلام)۔

<u>اہلِ بیت کی اقسام</u>: یہ بات ذہن نشین رہے کہ حدیث مذکورہ (برصفحہ ۳۵۸۹) اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ اَهْلِ بَیْتِیْ کا یہ مطلب نہیں کہ میرے اہلِ بیت صرف یہی ہیں' ان کے علاوہ اور کوئی نہیں۔ حدیث کا سیدھا سادہ مطلب یہ ہے کہ ''یہ میرے اہل بیت ہیں۔''

اہلِ بیت کی حسبِ ذیل تین اقسام ہیں: (۱) <u>سکونتی اہل بیت</u>: اس قسم میں نبی علیہ السلام کی ازواج

مطہرات شامل ہیں جن کے بارے میں سورۃ الاحزاب کی آیتِ تطہیر (۳۳:۳۳) نازل ہوئی۔

(۲) نبی علیہ السلام کے اہلِ بیت کی دوسری قسم نسب نامہ کے لحاظ سے ہے یعنی حضرت علیؓ، سیّدہ فاطمہؓ، امام حسن اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور آپ کی دیگر دختران یعنی حضرت رقیہؓ (وفات ۲ ہجری)، حضرت زینبؓ (وفات ۸ ہجری) اور حضرت اُمِّ کلثومؓ (وفات ۹ ہجری) رضی اللہ تعالیٰ عنھن۔

(۳) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اہلِ بیت کی تیسری اور آخری قسم سببی ہے۔ اس قسم میں آپ کے وہ صحابہ شامل ہیں جنہیں نبی ﷺ نے خود اپنے اہلِ بیت میں شامل فرمایا جیسے سیّدنا سلمان فارسی اور سیّدنا واصلہ بن اسقع رضی اللہ عنہما۔

امام ابن حجر مکی فرماتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے جناب علیؓ، فاطمہؓ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کے علاوہ اپنی ''چادرِ تطہیر'' میں اپنی ازواج، اپنی دیگر صاحبزادیوں اور اپنے قرابتداروں کو بھی داخل کیا۔ (''الصواعق المحرقۃ'')

مختلف تفاسیرِ قرآن میں پائے گئے درجِ ذیل مستند بیانات اس حقیقت کی تائید میں ہیں کہ سورۃ الشوریٰ کی آیت ۲۳ (۴۲:۲۳) جس کا حوالہ شروع مضمون میں دیا گیا، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواجِ مطہرات کے بارے میں نازل ہوئی:

(۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: نَزَلَتْ فِيْ نِسَاءِ النَّبِيِّ ﷺ خَاصَّةً

(روح المعانی، ج ۲۲، ص ۱۲)

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آیت اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ --- الخ بالخصوص نبی علیہ السلام کی ازواج کے حق میں نازل ہوئی۔''

(۲) كَانَ عِكْرَمَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يُنَادِيْ فِي السُّوْقِ: إِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝ قَالَ: نَزَلَتْ فِيْ نِسَاءِ النَّبِيِّ ﷺ (تفسیر ابن جریر، ج ۲۲)

''حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بازار میں یہ اعلان کرتے تھے کہ آیت (۴۲:۲۳) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواجِ مطہرات کی شان میں نازل ہوئی۔''

<u>کیا حسنین کریمین نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد ہیں؟</u>: آدمی کے نسب نامہ کا سلسلہ اُس کے بیٹوں سے چلتا ہے، نہ کہ اُس کی بیٹیوں سے کیونکہ بیٹی کی اولاد آدمی کی اپنی اولاد نہیں ہوتی۔ لیکن یہ اختصاص صرف نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کو حاصل ہے کہ آپ کی نسل پاک آپ کی دختر سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے چلی۔

۳۵۹۴ (اہلِ بیتِ کرام سے محبت)

اموی دور کا حجاج بن یوسف امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد نہیں مانتا تھا اور اس کے لئے قرآن سے کوئی ثبوت مانگتا تھا۔ روایات میں آتا ہے کہ حجاج کے ساتھ ایک نشست میں اُس وقت کے ایک نامور و ماہر عالم یحییٰ بن یعمر نے حجاج کی تردید کی اور کہا کہ وہ اپنے موقف میں صحیح نہیں ہے۔ حجاج نے کہا کہ قرآن سے کوئی ثبوت پیش کرو ورنہ میں برے طریق سے تمہیں قتل کر دوں گا۔ یحییٰ بن معمر نے سورۃ الانعام کی درجِ ذیل آیت اس ثبوت میں پڑھی کہ حسن اور حسین دونوں نبی علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں :

وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ (الانعام (۶) : ۸۴، ۸۵)

"اور اُن کی نسل میں سے داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو (بھی ہدایت عطا فرمائی) اور ہم نیکو کاروں کو اسی طرح جزا دیا کرتے ہیں۔ اور ہم نے ہدایت دی زکریا، عیسیٰ اور الیاس کو۔"

"یحییٰ نے اس بات پر زور دیا کہ آیتِ بالا (۸۵) میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے بتایا ہے کہ اس حقیقت کے باوجود کہ عیسیٰ علیہ السلام بن باپ کے صرف ماں سے پیدا ہوئے تھے، بہر حال وہ آدم اور ابراہیم علیہما السلام کی اولاد میں سے تھے۔ بالکل اسی طرح اگرچہ حسن اور حسین رضی اللہ عنہما اگرچہ سیّدہ فاطمہ کے شکمِ اطہر سے پیدا ہوئے، لازمی طور پر وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد ہیں۔ اس مدلل دلیل کو سن کر حجاج نے یحییٰ بن معمر کی تائید کی اور اُن سے پوچھا کہ اُنہیں ایک باوقار مجلس میں اُسے (حجاج کو) جھٹلانے کی جرأت کیسے ہوئی؟ یحییٰ نے جواب دیا کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اہلِ کتاب کے علماء سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ حق وصداقت کو لوگوں پر ظاہر کریں گے اور اُسے مخفی نہ رکھیں گے۔ لیکن اُنہوں نے حقیر قیمت کے بدلے میں حکمِ الٰہی کو نظر انداز کر دیا۔ اب ہم امتِ محمدی کے لئے یہ ممکن نہیں کہ ہم ایسے گھٹیا مشغلہ میں پڑیں۔" (تفسیر ابنِ کثیر، جلد ۲، صفحہ ۱۶۰؛ تفسیر الدّرّ المنثور لجلال الدین السیوطی، جلد ۳، صفحات ۵۱، ۵۲ ؛ المستدرک للحاکم، جلد ۳، صفحہ ۱۶۳)

حقیقت تو یہ ہے کہ خاندانِ بنی ہاشم اور بالخصوص نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اہلِ بیت کی عزت وتوقیر اور اُن سے محبت درجِ بالا آیت ۲۳ : ۴۲ کے تتبع میں ایک سچے مسلمان کے ایمان کا اٹوٹ انگ (نا قابلِ جدا) جزء ہے۔ اس توقیر ومحبت سے خالی شخص میں ایمان کی شمع بجھ چکی ہے اور وہ منافقت وجہالت کی ظلمتوں کی اتھاہ گہرائیوں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہا ہے۔ اہلِ بیتِ کرام سے محبت واحترام نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قرب کی مناسبت سے ہوگا۔ کوئی شک نہیں کہ اہلِ بیتِ کرام سے محبت واحترام مسلمان کے ایمان کا جزوِ لاینفک ہے لیکن یہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت کا عوضانہ نہیں ہے بلکہ یہ شجرِ ایمان کا ثمر، اُس کی خوشبو اور رسالت کے درخشاں وتاباں آفتابِ عالمتاب کی چمک اور ضیاء ہے۔ صحیح اور سچا ایمان اہلِ بیتِ رسول ﷺ سے محبت اور احترام کا تقاضا کرتا ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

يَا اَهْلَ بَيْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ حُبُّكُمْ فَرْضٌ مِّنَ اللّٰهِ فِي الْقُرآنِ اَنْزَلَه'
''اے اللہ کے رسول کے گھر والو! تمہاری محبت اللہ تعالیٰ نے قرآن میں نازل کر کے فرض کر دی ہے۔''
كَفَاكُمْ مِنْ عَظِيْمِ الْقَدْرِ اَنَّكُمْ مَنْ لَمْ يُصَلِّ عَلَيْكُمْ لَا صَلٰوةَ لَه'
''تمہارے عظیم مرتبہ کے لئے یہی بات کافی ہے کہ جو شخص تم پر درود وسلام نہ بھیجے اُس کی نماز قبول ہی نہیں ہوتی۔''
آلُ النَّبِيِّ ذَرِيْعَتِيْ وَهُمْ اِلَيْهِ وَسِيْلَتِيْ اَرْجُوْابِهِمْ اُعْطٰى غَدًا بِالْيَمِيْنِ صَحِيْفَتِيْ
''آلِ نبی میری نجات کا ذریعہ اور مجھے نبی (ﷺ) کا قرب عطا کرنے کا وسیلہ ہیں۔ مجھے امید ہے کہ کل میرا نامۂ اعمال میرے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔''

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے بھی اِسی رَوش میں یہ شعر کہے ہیں:

الٰہی بحقِّ بنی فاطمہ بر قول ایماں کنی خاتمہ
اگر دعوتم رد کنی در قبول من و دست و دامانِ آلِ رسول

انڈیا کے نواب صدیق حسن خان کو بہرحال یہ کہتے ہوئے اہلِ بیت کے وسیلہ کی پناہ لینی ہی پڑی:

تا صلوٰۃ بر آل نفرستد اُمتیاں بما مور بہ حاصل نشود فرد
الٰہی بحقِّ بنی فاطمہ برقول ایماں کنی خاتمہ

(''مسک الختام'' شرح بلوغ المرام' ج ا' ص ۵)

اِس سلسلہ میں حدیث لٹریچر میں کوئی کمی نہیں ہے۔ لاتعداد مستند احادیث موجود ہیں جن میں مسلمانوں کو آقا علیہ السلام کے اہلِ بیتِ کرام سے محبت واحترام کا حکم دیا گیا ہے۔ اُن احادیث میں سے کچھ کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

(۱) عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ (ترمذی)
''ابوسعید سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حسن اور حسین جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں۔''

(۲) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ: اَلْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ هُمَا رَيْحَانَايَ مِنَ الدُّنْيَا (ترمذی)
''ابنِ عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حسن اور حسین دونوں اِس دنیا کے نیاز بو پودے سے میرے لئے خوشبو ہیں۔''

(۳) عَنْ زَيْدِابْنِ اَرْقَمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لِعَلِيٍّ وَفَاطِمَةَ وَالْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ: اَنَا حَرْبٌ لِّمَنْ حَارَبَهُمْ وَسِلْمٌ لِّمَنْ سَالَمَهُمْ (ترمذی)
''زید بن ارقم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی' فاطمہ' حسن اور حسین کے لئے فرمایا: میں اُس کے لئے (سراپا) جنگ ہوں جو اِن سے جنگ کرے اور میں اُس کے لئے سراپا امن ہوں جو اِن کے لئے امن ہو۔''

(۴) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَامِلَ الْحَسَنِ ابْنِ عَلِيٍّ عَلٰى عَاتِقِهٖ فَقَالَ رَجُلٌ: نِعْمَ الْمَرْكَبُ رَكِبْتَ يَا غُلَامُ! فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: وَنِعْمَ الرَّاكِبُ هُوَا (ترمذی)

''ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ حسن بن علی کو اپنے کندھے پر اٹھائے ہوئے تھے تو ایک آدمی نے کہا: اے لڑکے! تو کیا ہی خوب سواری پر سوار ہے! اس پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: (یہ بھی تو دیکھو کہ) سوار کیا ہی خوب ہے!''

(۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَحِبُّوا اللّٰهَ لِمَا يَغْذُوْكُمْ مِنْ نِّعْمَةٍ وَاَحِبُّوْنِیْ لِحُبِّ اللّٰهِ وَاَحِبُّوا اَهْلَ بَيْتِیْ لِحُبِّیْ (ترمذی)

''ابن عباس سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ سے محبت رکھو جو تمہیں رزق دیتا ہے اور اللہ کی محبت کی خاطر مجھ سے محبت رکھو اور میری خاطر میرے اہلِ بیت سے محبت رکھو۔''

(۶) عَنْ يَعْلَى بْنِ مُرَّةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: حُسَيْنٌ مِّنِّیْ وَاَنَا مِنَ الْحُسَيْنِ اَحَبَّ اللّٰهُ مَنْ اَحَبَّ حُسَيْنًا حُسَيْنٌ سِبْطٌ مِّنَ الْاَسْبَاطِ (ترمذی)

''حضرت یعلی ابن مرّۃ سے روایت ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں (یعنی حسین میرے جسم کا حصّہ ہے اور میں اُس کے جسم کا حصّہ ہوں)۔ جو حسین سے محبت کرتا ہے' اللہ اُس سے محبت کرتا ہے۔ حسین میری اولاد کی اولاد ہے۔''☆

(۷) عَنْ جُمَيْعِ بْنِ عُمَيْرٍ قَالَ: دَخَلْتُ مَعَ عَمَّتِیْ عَلٰى عَائِشَةَ فَسَاَلْتُ: اَیُّ النَّاسِ كَانَ اَحَبُّ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ؟ قَالَتْ: فَاطِمَةُ فَقِيْلَ: مِنَ الرِّجَالِ؟ قَالَتْ: زَوْجُهَا (ترمذی)

''جمیع ابنِ عمیر کہتے ہیں کہ میں اپنی چچی کے ہمراہ سیّدہ عائشہ کے ہاں گیا اور اُن سے پوچھا: رسول اللہ ﷺ کو لوگوں میں کون زیادہ محبوب تھا تو اُنہوں نے کہا: فاطمہ۔ پھر پوچھا گیا: مردوں میں سے کون؟ اُنہوں نے کہا: اُن کے شوہر حضرت علی (رضی اللہ عنہ)۔ ☆☆

(۸) عَنْ اَنَسٍ قَالَ: سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَیُّ اَهْلِ بَيْتِكَ اَحَبُّ اِلَيْكَ؟ قَالَ: اَلْحَسَنُ وَ الْحُسَيْنُ وَكَانَ يَقُوْلُ لِفَاطِمَةَ: اُدْعِیْ لِیَ اِبْنَیَّ فَيَشُمُّهُمَا وَيَضُمُّهُمَا اِلَيْهِ (ترمذی)

''حضرت اَنس سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: آپ کے اہلِ بیت میں سے کون آپ کو زیادہ محبوب ہے؟ آپ نے فرمایا: حسن اور حسین۔ آپ سیّدہ فاطمہ سے فرمایا

☆ ''سِبط'' کا ایک معنیٰ قبیلے کا بھی ہے جیسا کہ سورۃ الاعراف کی آیت ۱۶۰ میں ہے۔ حدیثِ مذکورہ کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ حسین کے قبیلہ سے لاتعداد اور لامحدود انسان پیدا ہوں گے اور حسین کا نام ہمیشہ سدا بہار رہے گا۔ اس طرح نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام مستقبل میں ہونے والے واقعہ کی پیشگوئی فرما رہے ہیں۔

☆☆ سیّدہ فاطمہ کے متعلق سیّدہ عائشہ کی پاکیزگیٔ دل اور آپ کے پُرخلوص جذبات کو ملاحظہ کیجئے جن میں اُن کے خلاف ذرّہ بھر کینہ یا بغض نہیں۔ اب دشمنِ اسلام کا کیا کہیے جس نے اسلام کی اِن دو مقدّس ہستیوں کے درمیان نفرت اور دشمنی کی دیوار کھڑی کرنے کی سازش کی ہے!

کرتے تھے: میرے دونوں بیٹوں کو میری طرف بلاؤ۔ آپ اُنہیں سونگھا کرتے تھے اور اپنے سینے سے لگا کر اُنہیں بھینچا کرتے تھے۔''

(۹) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ اَنَّہٗ قَالَ وَھُوَ آخِذٌ بِبَابِ الْکَعْبَۃِ سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَقُوْلُ: اَلَا اِنَّ مَثَلَ اَھْلِ بَیْتِیْ فِیْکُمْ کَمَثَلِ سَفِیْنَۃِ نُوْحٍ مَنْ رَکِبَھَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْھَا غَرِقَ (احمد)

''ابوذر سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں جبکہ وہ بابِ کعبہ کو پکڑے ہوئے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: سُنو! تم میں میری مثال نوح (علیہ السلام) کی کشتی کی طرح ہے' جو اُس میں سوار ہوگیا بچ گیا اور جو اُس سے پیچھے رہ گیا' غرق ہوگیا۔''

(۱۰) عَنْ اُسَامَۃَ بْنِ زَیْدٍ قَالَ: طَرَقْتُ النَّبِیَّ ﷺ ذَاتَ لَیْلَۃٍ فِیْ بَعْضِ الْحَاجَۃِ فَخَرَجَ النَّبِیُّ ﷺ وَھُوَ مُشْتَمِلٌ عَلٰی شَیْءٍ لَا اَدْرِیْ مَا ھُوَ فَلَمَّا فَرَغْتُ مِنْ حَاجَتِیْ قُلْتُ: مَا ھٰذَا الَّذِیْ اَنْتَ مُشْتَمِلٌ عَلَیْہِ؟ فَکَشَفَ فَاِذَا الْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ عَلٰی وَرِکَیْہِ فَقَالَ: ھٰذَانِ ابْنَایَ وَابْنَا ابْنَتِیَ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّھُمَا فَاَحِبَّھُمَا وَاَحِبَّ مَنْ یُّحِبُّھُمَا (ترمذی)

''اُسامہ بن زید سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک رات اپنی کسی ضرورت کے تحت نبی اکرم ﷺ کا دروازہ کھٹکھٹایا' تو نبی کریم ﷺ اس حال میں باہر نکلے کہ آپ کسی ایسی چیز میں لپٹے ہوئے تھے کہ مجھے نہیں معلوم کہ وہ کیا تھی۔ جب میں اپنی ضرورت سے فارغ ہوا تو میں نے پوچھا: یہ کیا چیز ہے جس میں آپ لپٹے ہوئے ہیں؟ آپ نے اُس چیز سے نقاب اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حسن اور حسین آپ کی رانوں پر ہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ میرے دو بیٹے ہیں اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔ اے اللہ! میں اِن دونوں سے محبت کرتا ہوں' تو بھی ان سے محبت کر اور اُس سے بھی محبت کر جو اِن دونوں سے محبت کرے۔''

(۱۱) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اَیُّھَا النَّاسُ! مَنْ آذٰی عَمِّیْ (اَیْ عَبَّاس) فَقَدْ آذَانِیْ فَاِنَّمَا عَمُّ الرَّجُلِ صِنْوُ اَبِیْہِ (ترمذی)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! جس نے میرے چچا عباس کو تکلیف پہنچائی تو (فی الواقع) اُس نے مجھے تکلیف پہنچائی کیونکہ چچا بھی باپ کی طرح ہوتا ہے۔''

(۱۲) عَنْ جَابِرٍ قَالَ: رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ فِیْ حَجَّتِہٖ یَوْمَ عَرَفَۃَ وَھُوَ عَلٰی نَاقَتِہِ الْقَصْوَاءِ یَخْطُبُ فَسَمِعْتُہٗ یَقُوْلُ: یَا اَیُّھَا النَّاسُ! اِنِّیْ تَرَکْتُ فِیْکُمْ مَّا اِنْ اَخَذْتُمْ بِہٖ لَنْ تَضِلُّوْا کِتَابَ اللّٰہِ وَعِتْرَتِیْ اَھْلَ بَیْتِیْ (ترمذی)

''حضرت جابر سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو عرفہ کے دن خطاب کرتے ہوئے سنا جبکہ آپ اپنی اونٹنی قصواء پر سوار تھے۔ آپ نے فرمایا: لوگو! میں تم میں دو ایسی چیزیں چھوڑ کے جا رہا ہوں کہ جب تک تم اُنہیں (مضبوطی سے) تھامے رہو گے' ہرگز گمراہ نہ ہو گے: ایک تو اللہ کی کتاب قرآن مجید اور دوسرے میرے اہلِ بیت۔''

اسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی محبت واحترام بھی مسلمان کے ایمان کا جزوِلا ینفک ہے قطع نظراس کے کہ وہ سابقون الاوّلون (اسلام میں پہلے داخل ہونے والے) ہیں یا متاخرین (آخر میں داخل ہونے والے) ہیں۔ اس سلسلہ میں نبی اکرم ﷺ اپنے صحابہ کو اکثر ہدایات دیتے رہتے تھے۔ مثلاً آپ نے فرمایا:

(۱) آيَةُ الْاِيْمَان حُبُّ الْاَنْصَار وَآيَةُ النِّفَاق بُغْضُ الْاَنْصَار (مُتَّفَق" عَلَيْهِ)

''انصار سے محبت کرنا ایمان کی علامت ہے اور انصار سے بغض رکھنا منافقت کی علامت ہے۔''

(۲) عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِب قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ لِلْاَنْصَار: لَا يُحِبُّهُمْ اِلَّا مُؤْمِن" وَ لَايُبْغِضُهُمْ اِلَّا مُنَافِق" فَمَنْ اَحَبَّهُمْ اَحَبَّهُ اللّٰهُ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ اَبْغَضَهُ اللّٰهُ (مُتَّفَق" عَلَيْهِ)

''براء ابن عازب بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو انصار کے بارے میں یہ فرماتے ہوئے سنا: اُن سے ایمان والا ہی محبت کرتا ہے اور اُن سے منافق ہی بغض رکھتا ہے۔ جو اُن سے محبت کرے اللہ اُس سے محبت کرتا ہے اور جو اُن سے بغض رکھے، اللہ اُس سے بغض رکھتا ہے۔'' (بخاری، مسلم)

(۳) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَصْحَابِيْ كَالنُّجُوْمِ بِاَيِّهِمْ اِقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، اُن میں سے جس کسی کی اقتداء کر لو گے، ہدایت پا جاؤ گے۔''

نبی اکرم ﷺ کی ازواجِ مطہرات کی فضیلت ومنقبت کے بارے میں احادیث

(۱) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: لَمْ يَتَزَوَّجِ النَّبِيُّ ﷺ عَلٰى خَدِيْجَةَ حَتّٰى مَاتَتْ (صحیح مسلم)

''سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا۔''

(۲) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: مَا غِرْتُ عَلَى امْرَأَةٍ مَاغِرْتُ عَلٰى خَدِيْجَةَ وَلَقَدْهَلَكَتْ قَبْلَ اَنْ يَّتَزَوَّجَنِيْ بِثَلَاثِ سِنِيْنَ لِمَا كُنْتُ اَسْمَعُهُ يَذْكُرُهَاوَلَقَدْاَمَرَه رَبُّه عَزَّوَجَلَّ اَنْ يُّبَشِّرَهَا بِبَيْتٍ فِي الْجَنَّةِ وَاِنْ كَانَ لَيَذْبَحُ الشَّاةَ ثُمَّ يُهْدِيْهَا اِلٰى خَلَائِلِهَا (صحيح مسلم)

''سیّدہ عائشہ فرماتی ہیں: میں کسی عورت پر اتنی رشک کرنے والی نہیں جتنی حضرت خدیجہ پر رہی ہوں جو میری شادی سے تین سال پہلے وفات پا گئیں۔ (اور یہ میرا اُن پر رشک کرنا اُس وقت ہوتا تھا) جب رسول اللہ ﷺ سے میں خدیجہ کے ذکر کو سنتی تھی۔ آپ کے رب نے آپ کو حکم دیا تھا کہ وہ خدیجہ کو جنت میں گھر کی بشارت دے دیں۔ اگر آپ ﷺ کوئی بکری ذبح کرتے تو اُس کا گوشت سیّدہ خدیجہ کی سہیلیوں کو ضرور تحفتہً ارسال فرماتے۔'' (صحیح مسلم)

(۳) عَنْ اَبِيْ سَلْمَةَ: اِنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَوْمًا: يَا عَائِشَةُ! هٰذَا جِبْرِيْلُ يُقْرِئُكِ السَّلَامَ فَقُلْتُ: وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُه، تَرٰى مَالَا اَرٰى تُرِيْدُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ (صحيح بخاري، صحيح مسلم، ترمذي)

''ابوسلمہ سے روایت ہے کہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن مجھ سے فرمایا: اے عائشہ! یہ جبریل ہیں، تمہیں سلام کہہ رہے ہیں۔ میں نے کہا: میری طرف سے اُنہیں بھی سلام ہو اور اُن پر اللہ کی رحمتیں اور اُس کی برکتیں ہوں۔ آپ نے مزید فرمایا: یارسول اللہ! آپ جو کچھ دیکھتے ہیں میں تو اُسے نہیں دیکھ سکتی۔''

(۴) عَنْ أَبِي مُوْسٰى قَالَ: مَا أَشْكَلَ عَلَيْنَا أَصْحَابَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ حَدِيْث'' قَطُّ فَسَأَلْنَا عَائِشَةَ إِلَّا وَجَدْنَا عِنْدَهَا مِنْهُ عِلْمًا (ترمذی)

''ابوموسیٰ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ جب کبھی حدیثِ نبوی میں کوئی مشکل ہم اصحابِ رسول ﷺ کو پیش آتی تو اُس کے متعلق ہم سیّدہ عائشہ سے سوال کرتے، ہمیں اُس حدیث کا صحیح علم سیّدہ ہی سے مل جاتا۔'' (ترمذی)

(۵) جَاءَ عَبْدُاللهِ ابْنُ عَبَّاسٍ إِلٰى عَائِشَةَ وَقَالَ لَهَا: كُنْتِ أَحَبَّ نِسَاءِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ إِلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَلَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يُحِبُّ إِلَّا طَيِّبًا وَسَقَطَتْ قِلَادَتُكِ لَيْلَةَ الْأَبْوَاءِ فَأَصْبَحَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ حَتّٰى يُصْبِحَ فِي الْمَنْزِلِ وَأَصْبَحَ النَّاسُ لَيْسَ مَعَهُمْ مَاء'' فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَكَانَ ذٰلِكَ فِيْ سَبَبِكِ وَمَا أَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ مِنَ الرُّخْصَةِ وَأَنْزَلَ اللهُ بَرَاءَ تَكِ مِنْ فَوْقِ سَبْعِ سَمٰوٰتٍ جَاءَ بِهِ الرُّوْحُ الْأَمِيْنُ فَأَصْبَحَ لَيْسَ لِلّٰهِ مَسْجِد'' مِنْ مَسَاجِدِاللهِ يُذْكَرُاللهُ فِيْهِ إِلَّا يُتْلٰى فِيْهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ فَقَالَتْ: دَعْنِيْ مِنْكَ يَاابْنَ عَبَّاسٍ! وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوَدِدْتُ أَنِّيْ كُنْتُ نَسْيًا مَنْسِيًّا (احمد، ابویعلیٰ، ابن حبان)

''عبداللہ ابن عباسؓ سیّدہ عائشہ کے پاس آئے اور اُنہیں کہا: آپ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک اُن کی تمام بیویوں سے زیادہ محبوب تھیں اور رسول اللہ ﷺ تو صرف پاک چیز ہی پسند فرماتے تھے۔ ابواء کی شب آپ کا ہار گم ہوگیا اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام صبح تک گھر نہیں پہنچے جبکہ آپ ﷺ کے صحابہ کے پاس وضو کے لئے پانی نہیں تھا۔ اللہ بزرگ و برتر نے تیمم کی آیت نازل فرمائی کہ پاک مٹی سے تیمم کرلیا کرو اور اُمت کے لئے یہ نعمت ورعایت آپ کی وجہ سے ہوئی۔ علاوہ ازیں اللہ بزرگ و برتر نے ساتوں آسمانوں پر سے آپ کی پاکیزگی کردار کی براءت کا اعلان کرتے ہوئے آیت نازل فرمائی کہ روئے زمین پر کوئی مسجد ایسی نہیں جہاں شب وروز آپ کے کردار کی پاکیزگی کو بار بار پڑھا اور سنا نہ جاتا ہو۔ یہ سب کچھ سننے کے بعد سیّدہ عائشہ نے فرمایا: اے ابنِ عباس! براہِ کرم رک جایئے (اور میری تعریف میں اور کچھ نہ کہیے) قسم ہے مجھے اُس ذات کی جس کے قبضہِ قدرت میں میری جان ہے، میں چاہتی ہوں کاش کہ میں کوئی بھولی بسری چیز ہوتی۔''

(۶) عَنِ الْقَاسِمِ قَالَ: كُنْتُ إِذَا غَدَوْتُ أَبَدًا بِبَيْتِ عَائِشَةَ أُسَلِّمُ عَلَيْهَا فَغَدَوْتُ يَوْمًا فَإِذَاهِيَ قَائِمَة'' تُسَبِّحُ وَتَقْرَأُ: فَمَنَّ اللهُ عَلَيْنَا وَوَقَانَا عَذَابَ السَّمُوْمِ (الآية) وَتَدْعُوْا وَتَبْكِيْ وَتُرَدِّدُهَا فَقُمْتُ حَتّٰى مَلَلْتُ الْقِيَامَ فَذَهَبْتُ إِلَى السُّوْقِ لِحَاجَتِيْ ثُمَّ رَجَعْتُ فَإِذَاهِيَ قَائِمَة'' كَمَا هِيَ تُصَلِّيْ وَتَبْكِيْ (البيهقی، ابن الجوزی، عبدالرزّاق)

''ابوالقاسم کہتے ہیں کہ میں جب بھی اپنے گھر سے صبح کو نکلتا تو سب سے پہلے میں سیّدہ عائشہ کو سلام کرنے کے لئے اُن کے گھر جاتا۔ ایک صبح میں اُن کے گھر گیا تو میں نے اُنہیں قیام کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہوئے اور سورۃ الطور کی یہ آیت (۲۷) تلاوت کرتے ہوئے پایا: ''پس اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمادیا اور ہمیں نارِ جہنم کے عذاب سے بچالیا۔'' آپ اس آیت کو بار بار پڑھتی ہوئی اور روتی ہوئی نماز پڑھتی رہیں۔ میں اُن کے فارغ ہونے تک انتظار میں کھڑا رہا لیکن جب میں تھک گیا تو میں نے اپنی کسی ضرورت کے لئے بازار کا رخ کیا۔ وہاں سے واپسی پر میں نے اُنہیں اُسی قیام کی حالت میں نماز میں مصروف پایا۔ آپ مسلسل سسکیاں لے رہی تھیں اور گریہ وزاری کر رہی تھیں۔''

(۷) عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: يَا حَفْصَةُ! أَتَانِيْ جِبْرِيْلُ آنِفًا فَقَالَ: فَإِنَّهَا صَوَّامَةٌ قَوَّامَةٌ وَهِيَ زَوْجَتُكَ فِي الْجَنَّةِ (معجم الاوسط للطبرانی)

''حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے حفصہ! جبریل امین ابھی ابھی میرے پاس آئے اور کہا: (آپ کی یہ بیوی) بہت زیادہ روزے رکھنے والی (رب کے حضور) بہت زیادہ قیام کرنے والی ہے۔ وہ جنت میں آپ کی رفیقہِ حیات ہوگی۔''

(۸) عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: لَمَّا قَدِمَ أَبُوْ سُفْيَانَ بْنُ حَرْبٍ الْمَدِيْنَةَ جَاءَ إِلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَ هُوَ يُرِيْدُ غَزْوَ مَكَّةَ فَكَلَّمَهُ أَنْ يَزِيْدَ فِيْ هُدْنَةِ الْحُدَيْبِيَةِ فَلَمْ يُقْبِلْ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَقَامَ فَدَخَلَ عَلَى ابْنَتِهِ أُمِّ حَبِيْبَةَ فَلَمَّا ذَهَبَ لِيَجْلِسَ عَلٰى فِرَاشِ النَّبِيِّ ﷺ طَوَتْهُ دُوْنَهُ فَقَالَ: يَا بُنَيَّةُ! أَرَغِبْتِ بِهٰذَا الْفِرَاشِ عَنِّيْ أَوْ بِيْ عَنْهُ؟ فَقَالَتْ: بَلْ هُوَ فِرَاشُ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَ أَنْتَ امْرُؤٌ نَجِسٌ مُشْرِكٌ فَقَالَ: يَا بُنَيَّةُ! لَقَدْ أَصَابَكِ بَعْدِيْ شَرٌّ (طبقات ابن سعد)

''امام زہری بیان کرتے ہیں کہ جب سفیان بن حرب مدینہ آئے تو وہ نبی علیہ السلام کے پاس معاہدہِ حُدیبیہ کی مدت کی توسیع کرنے کی درخواست لے کر گئے لیکن نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انکار کر دیا پھر ابوسفیان اٹھے اور اپنی بیٹی اُمِّ حبیبہ رضی اللہ عنہا (زوجہِ رسول ﷺ) کے ہاں گئے۔ جب ابو سفیان بسترِ رسول پر بیٹھنے کے لئے آگے بڑھے تو اُمِّ حبیبہ نے اُن کے بیٹھنے سے پہلے ہی بستر کو لپیٹ دیا ابوسفیان نے کہا: اے میری بیٹی! ذرا بتاؤ تو کیا تم اس بستر کی وجہ سے مجھ سے نفرت کرتی ہو یا تم اس بستر سے میری وجہ سے نفرت کرتی ہو؟ اُمِّ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: یہ اللہ کے رسول ﷺ کا بستر ہے اور تم پلید و ناپاک وجود اور مشرک ہو۔ اس پر ابوسفیان نے کہا: اے میری بیٹی! مجھ سے رخصت ہونے کے بعد تم بُرائی کا شکار ہوگئی ہو۔''

(۹) عَنْ عِيْسَى بْنِ طَهْمَانَ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُوْلُ: نَزَلَتْ آيَةُ الْحِجَابِ فِيْ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ وَأَطْعَمَ عَلَيْهَا يَوْمَئِذٍ خُبْزًا وَّلَحْمًا وَكَانَتْ تَفْخَرُ عَلٰى نِسَاءِ النَّبِيِّ ﷺ وَكَانَتْ تَقُوْلُ: إِنَّ اللهَ أَنْكَحَنِيْ فِي السَّمَاءِ (صحیح بخاری)

''عیسیٰ بن طہمان بیان کرتے ہیں کہ میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

آیتِ حجاب زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا کے حق میں نازل ہوئی۔ اُن کے ولیمہ کے دن نبی کریم ﷺ نے لوگوں کی ضیافت روٹی اور گوشت سے کی۔ زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا ازواجِ نبی پر فخر کیا کرتی تھیں اور کہا کرتی تھیں: اللہ تعالیٰ نے میرا نکاح آسمانوں پر کرایا ہے۔'' ☆

(۱۰) عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ عِنْدَهَا ذَاتَ يَوْمٍ فَجَاءَ عَلِيٌّ'' وَ فَاطِمَةُ وَحَسَنٌ'' وَ حُسَيْنٌ'' فَوَضَعَهُمَا فِيْ حِجْرِهٖ وَاَخَذَ عَلِيًّا بِاِحْدٰى يَدَيْهِ فَضَمَّهٗ' اِلَيْهِ وَ اَخَذَ فَاطِمَةَ بِالْيَدِ الْاُخْرٰى فَضَمَّهَا اِلَيْهِ وَقَبَّلَهُمَا وَاَغْدَفَ عَلَيْهِمْ خَمِيْصَةً سَوْدَاءَ ثُمَّ قَالَ: اَللّٰهُمَّ اِلَيْكَ لَا اِلَى النَّارِ اَنَا وَ اَهْلُ بَيْتِيْ قَالَتْ: فَنَادَيْتُهٗ' فَقُلْتُ: وَ اَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: وَاَنْتِ (ابن ابی شیبۃ)

''اُمِّ سلمہ فرماتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ میرے پاس تھے۔ اِس دوران علیؓ فاطمہؓ حسن اور حسین اندر داخل ہوئے۔ نبی علیہ السلام نے اپنے دونواسوں (حسن اور حسین) کو اپنی گود میں بٹھایا' آپ نے اپنا ایک دستِ مبارک حضرت علی کے ہاتھ میں دیا اور اپنے ہاتھ کے ساتھ اُسے بھینچا جبکہ اپنا دوسرا ہاتھ سیّدہ فاطمہ کے ہاتھ میں دیا اور اُسے اپنے ہاتھ کے ساتھ ملا کر بھینچا۔ آپ نے اپنے دونوں نواسوں کا بوسہ لیا۔ پھر آپ نے اُن سب پر اپنی کالی چادر بچھائی اور فرمایا: اے اللہ! میں اور میرے اہلِ بیت تیری راہ پر ہیں' دوزخ کی راہ پر نہیں۔ اُمِّ سلمہ فرماتی ہیں: میں نے فوراً پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے التجا کی اور کہا: از راہِ کرم مجھے بھی اپنے ساتھ شامل کر لیجئے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ السلام نے اس کا مثبت میں جواب دیا۔''

(۱۱) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اَرَادَ سَفَرًا اَقْرَعَ بَيْنَ نِسَاءِهٖ فَاَيَّتُهُنَّ خَرَجَ سَهْمُهَا خَرَجَ بِهَا مَعَهٗ' وَكَانَ يَقْسِمُ لِكُلِّ امْرَاَةٍ مِّنْهُنَّ يَوْمَهَا وَلَيْلَتَهَا غَيْرَ اَنَّ سَوْدَةَ بِنْتَ زَمْعَةَ وَهَبَتْ يَوْمَهَا وَلَيْلَتَهَا لِعَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ تَبْتَغِيْ بِذٰلِكَ رِضَا رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ (صحیح بخاری)

''سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے' وہ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی اَزواج کے درمیان قرعہ اندازی کرتے تو جس بیوی کا قرعہ نکلتا' اُس کے ساتھ آپ سفر کو نکلتے۔ آپ نے اپنی ہر بیوی کے لئے دن اور رات کی باری مقرر کر رکھی تھی سوائے سیّدہ سودہ بنت زمعہ کے جنہوں نے اپنی دن رات کی باری سیّدہ عائشہ کو دے دی تھی اور آپ کا یہ عمل نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خوشنودی کے لئے تھا۔''

(۱۲) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلْاَخَوَاتُ مُؤْمِنَاتٌ'': مَيْمُوْنَةُ زَوْجُ النَّبِيِّ ﷺ وَاُخْتُهَا اُمُّ الْفَضْلِ بِنْتُ الْحَارِثِ وَاُخْتُهَا سَلْمٰى بِنْتُ الْحَارِثِ امْرَاَةُ حَمْزَةَ وَاَسْمَاءُ بِنْتُ عُمَيْسٍ اُخْتُهُنَّ لِاُمِّهِنَّ (النسائی' الحاکم' الطبرانی)

☆ اس میں سورۃ الاحزاب کی آیت ۳۷ کی طرف اشارہ ہے جس میں فرمایا گیا: ''پھر جب (آپ کے متبنّٰی) زید نے اُسے طلاق دینے کی غرض پوری کر لی تو ہم نے اس سے آپ کا نکاح کر دیا۔

۳۶۰۲ (اہلِ بیتِ کرام سے محبت)

''سیّدنا حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تمام مؤمن عورتیں ایک دوسرے کی بہنیں ہیں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا: اُمّ المؤمنین میمونہ (رضی اللہ عنہا)' اُن کی بہن اُمّ فضل بنت حارث اور اُن کی بہن سلمیٰ بنت حارث (زوجہ حمزہ) اور اسماء بنتِ عُمیس ماں کی جانب سے اُن کی بہنیں ہیں۔''

(۱۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كَانَتْ جُوَيْرِيَةُ اِسْمُهَا بَرَّةَ فَحَوَّلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِسْمَهَا جُوَيْرِيَةَ وَكَانَ يَكْرَهُ اَنْ يُّقَالَ: خَرَجَ مِنْ عِنْدِ بَرَّةَ (صحیح مسلم)

''سیدنا حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ (زوجہ نبی) جویریہ کا نام بَرّۃ (نیکی) تھا تو رسول اللہ ﷺ نے اُن کا نام برّۃ سے بدل کر جویریہ رکھ دیا۔ آپ اس بات کو ناپسند فرماتے تھے کہ کہا جائے کہ رسول نیکی کے ہاں سے نکلے ہیں۔'' (صحیح مسلم)

(۱۴) عَنْ اَنَسٍ قَالَ: بَلَغَ صَفِيَّةَ اَنَّ حَفْصَةَ قَالَتْ: بِنْتُ يَهُوْدِيٍّ فَبَكَتْ فَدَخَلَ عَلَيْهَا النَّبِيُّ ﷺ وَهِيَ تَبْكِيْ فَقَالَ: مَا يُبْكِيْكِ؟ فَقَالَتْ: قَالَتْ لِيْ حَفْصَةُ: اِنِّيْ بِنْتُ يَهُوْدِيٍّ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: اِنَّكِ لَابْنَةُ نَبِيٍّ وَاِنَّ عَمَّكِ لَنَبِيٌّ'' وَاِنَّكِ لَتَحْتَ نَبِيٍّ فَفِيْمَ تَفْخَرُ عَلَيْكِ؟ ثُمَّ قَالَ: اِتَّقِي اللّٰهَ يَا حَفْصَةُ! (ترمذی' احمد)

''حضرت اَنس سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ (زوجہ نبی) سیّدہ صفیہ کو حفصہ (زوجہ نبی) نے یہودی کی بیٹی کہا ہے۔ تو صفیہ رو پڑیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اُن کے پاس آئے جبکہ وہ رو رہی تھیں۔ آپ نے اُن سے رونے کی وجہ پوچھی تو اُنہوں نے کہا کہ حفصہ نے مجھے یہودی کی بیٹی کہا ہے تو نبی ﷺ نے فرمایا: بلکہ آپ تو نبی کی بیٹی ہیں ☆' تمہارے چچا پیغمبر تھے اور اب آپ نبی کی بیوی ہیں۔ پھر آپ نے حفصہ کو سرزنش کرتے ہوئے فرمایا: اے حفصہ! اللہ کا خوف کیا کرو۔''

(۱۵) عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ حُيَيٍّ قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَقَدْ بَلَغَنِيْ عَنْ حَفْصَةَ وَعَائِشَةَ كَلَام'' فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ: اَلَا قُلْتِ: فَكَيْفَ تَكُوْنَانِ خَيْرًا مِّنِّيْ وَزَوْجِيْ مُحَمَّدٌ'' وَاَبِيْ هٰرُوْنُ وَعَمِّيْ مُوْسٰى (ترمذی' المستدرک للحاکم)

''سیّدہ صفیہ بنت حیی ابن اخطب فرماتی ہیں کہ میرے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور مجھے حفصہ اور عائشہ کے (میرے بارے میں) کلام کی خبر مل چکی تھی۔ میں نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا۔ آپ نے فرمایا: تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ تم دونوں مجھ سے بہتر کیسے ہو سکتی ہو جبکہ میرے خاوند محمد (ﷺ) ہیں' میرے والد ہارون اور میرے چچا موسیٰ علیہما السلام ہیں۔''

(۱۶) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَتْ صَفِيَّةُ مِنَ الصَّفِيِّ (ابو داؤد)

''سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ صفیہ (زوجہ رسول) اُس مالِ غنیمت کا حصہ ہیں جنہیں نبی اکرم ﷺ نے اپنے لئے منتخب فرمایا۔''

☆ اس کی وضاحت اگلی حدیث نمبر ۱۵ میں آرہی ہے۔

۳۶۰۳ (اہلِ بیتِ کرام سے محبت)

نے حدیث بیان کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جس مجلس میں میرے اہلِ بیتِ کرام جائیں اور حاضرین اُن کی تعظیم کے لئے کھڑے نہ ہوں تو اُنہیں اللہ تعالیٰ اپنے غضب سے قتل کر دیں گے اور اُنہیں طرح طرح کی بلاؤں میں مبتلا فرما دیں گے۔ معلوم ہوا کہ سادات کی تعظیم دراصل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم ہے۔''

''تاریخ مدینہ منوّرہ کے اِس قول سے عیاں ہے کہ حضورِ انور ﷺ کا فرمان ہے کہ میری آلِ صالح کی تعظیم و توقیر اللہ کے واسطے کرو اور میری غیر صالح اولاد کی تعظیم مجھ محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے واسطے کرو۔ حضور ﷺ نے اہلِ بیتِ کرام اور اپنی اولاد کو ساداتِ کرام کا خطاب عطا فرمایا ہے اور آپ کے آلِ پاک تا قیامِ قیامت ان خطابات سے سرفراز ہوئے ہیں کیونکہ 'سادات' آلِ رسولِ کریم ﷺ ہیں اور یہ باغ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ثمرات ہیں۔'' (''حیات القلوب''۔۔ غلام حسین جہانیاں فیضوی القادری ایڈووکیٹ ہائی کورٹ ملتان' صفحہ ۵۲)

''حضور علیہ السلام کی آلؑ سے محبت کا سات مقام پر کام آنا: الدیلمی کی حدیث ہے:

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ: حُبُّ اَھْلِ بَیْتِیْ نَافِعٌ'' فِیْ سَبْعِ مَوَاطِنَ اَھْوَالُھُنَّ عَظِیْمَۃٌ'': عِنْدَ الْوَفَاۃِ وَعِنْدَ الْقَبْرِ وَعِنْدَ النُّشُوْرِ وَعِنْدَ الْکِتٰبِ وَعِنْدَ الْحِسَابِ وَعِنْدَ الْمِیْزَانِ وَعِنْدَ الصِّرَاطِ (اخرجه الديلمی)

''عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
میرے اہلِ بیت کی محبت سات مقامات پر نفع بخش (فیض رساں) ہے جن کی ہولناکیاں بھاری ہیں:
(۱) موت کے وقت (۲) قبر میں (۳) محشر میں (۴) کتاب کے مقام پر (۵) حساب کے وقت
(۶) میزان کے وقت اور (۷) پُل صراط کے پاس۔

''(۱) پہلا مقام ۔۔ موت: یہ وقت سنگین سکرات اور وحشت کا ہوتا ہے جبکہ انسان عالمِ ظلمات کو چھوڑ کر عالمِ بقا کی طرف کوچ کر رہا ہوتا ہے۔ اُس وقت کی ناگفتہ بہ پریشانی میں ختمی مرتبت آقا علیہ السلام کے اہلِ بیت کرام کی محبت کام آتی ہے۔ اہلِ بیتِ کرام کی برکات کے صدقہ میں وہ کلمہ طیّبہ خوشی خوشی پڑھتا ہوا اِس دنیا سے فوز و فلاح کے ساتھ رخصت ہو جاتا ہے۔''

''(۲) دوسرا مقام ۔۔ قبر: یہ سب مقامات سے بُرا اور تاریک مقام ہے جہاں ماسوائے فضلِ ایزدی کے کوئی چارہ نہیں۔ بموجب حدیث قبر کی گہرائیوں میں سات روز تک حساب ہوتا رہتا ہے۔ جو جو دنیا میں خفیہ یا علانیہ بدکرداریوں میں غرق رہا یا نیک کام کرتا رہا' سب کا ذرّہ ذرّہ حساب ہوگا۔ منکر نکیر کی خوفناک صورتیں اور آوازیں وحشت کا سبب بنیں گی۔ آقا علیہ السلام نے فرمایا: وہاں میری اہلِ بیت سے محبت بہ فضلِ ایزدی کام

آئے گی، قبر میں نور کی شعاعیں غیب سے نمودار ہوں گی اور قبر جنت نظیر بن جائے گی۔'' (انشاء اللہ العزیز)

(۳) تیسرا مقام ۔۔ روزِ محشر : نصِ قرآنی اور احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہے کہ قیامت ایک نہایت ہی ہولناک مقام ہے۔ اہلِ بیتِ کرام کی صادق محبت کی وجہ سے محبّ پر اُس ظلمت و وحشت میں غیب سے رب العزت نور کی روشنی عطا فرمائیں گے، پیاس کی تمام شدّت اور گرمی کا عذاب فوری طور پر رحمت میں بدل دیا جائے گا اور وہاں ہر طرف نور ہی نور ہوگا۔ جبکہ اہلِ بیتِ کرام کی محبت سے محروم لوگ عذابِ الٰہی میں مارے مارے پھرتے ذلیل و خوار ہوں گے۔

(۴) چوتھا مقام ۔۔ عند الکتاب : بموجب فرمانِ رسول عندالکتاب سے مراد وہ وقت ہے جب بہشتیوں کو دائیں ہاتھ میں اُن کا نامہ اعمال دیا جائے گا اور دوزخیوں کو اُن کا نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اُس وقت تمام مخلوق پریشان حال ہوگی اور کوئی مدد کرنے والا نظر نہیں آئے گا۔ اُس وقت اہلِ بیتِ کرام کا محب اپنا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں پائے گا اور وہ خوشی سے باغ باغ ہو جائے گا۔ اُس کے چہرے اور دل میں نور درخشاں ہوگا۔ وہاں نجات پانے والوں میں اُس کا نام پکارا جائے گا۔ اہلِ بیتِ کرام کی محبت سے خالی شخص کو اُس کا نامہ اعمال اُس کے بائیں ہاتھ میں تھمایا جائے گا اور وہ موت کو بار بار پکارے گا۔ (اعاذنا اللہ من ذٰلک)

(۵) پانچواں مقام ۔۔ عندالحساب : بموجب فرمانِ رسول ﷺ مقامِ حساب وہ ہے جہاں فرشتے بارگاہِ ایزدی میں تمام انسانوں کا ذرّہ ذرّہ کا حساب پیش کریں گے۔ اُس وقت گنہگاروں کے چہرے خوف وظلمات کی وجہ سے پورے سیاہ ہو جائیں گے، کوئی جائے پناہ اُنہیں نظر نہ آئے گی (بحوالہ سورہ یونس: ۱۰)۔ لیکن جو لوگ نبی علیہ السلام کے اہلِ بیتِ کرام سے پاک اور بے ریا محبت رکھتے ہوں گے تو وعدہِ رسول کے مطابق رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام خود حساب والے کے قریب ہو کر اطلاع دیں گے کہ یہ آدمی تو میرے اہلِ بیت کا محبّ ہے۔ اس سے اُس کی پریشانی دُور ہو جائے گی اور اُس کا چہرہ نور سے منور ہو جائے گا کیونکہ نجات یقینی ہو جائے گی۔

(۶) چھٹا مقام ۔۔ عند المیزان : فرمانِ نبوی ہے کہ وزنِ اعمال کے بھاری ہونے کا انحصار صرف ایمان کے پختہ اور صحیح ہونے پر ہے۔ اللہ ربّ العزت اپنے فضلِ کمال سے حضور علیہ السلام اور حضور علیہ السلام کی آل سے محبت کے نور کو میزان میں رکھ دے گا، گناہوں کا پلہ اُٹھ جائے گا اور نیکیوں کا پلہ نیچے لگ جائے گا۔

(۷) ساتواں مقام ۔۔ عند الصِّراط : بے شمار احادیث ہیں کہ پُل صراط ایک اہم اور خطرناک گزرگاہ ہے۔ وہاں بغیر رحمتِ خداوندی کے اُس امتحان والے مقام پر کامیابی ممکن نہیں۔ یہاں بھی اہلِ بیتِ کرام کی بے ریا محبت اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں چھوڑے گی۔'' (''حیات القلوب''، صفحات ۵۳ تا ۵۷)

(۱۴۰) حبِّ الٰہی اور اُس کے تقاضے (Love for Allah.....)

اپنے محسن سے محبت' اُس سے لگاؤ اور اُس کی چاہت انسان کی گھٹی میں ہے۔ جس طرح انسان کا سب سے بڑا محسن اُس کا خالق و مالک اللہ ربّ العزت ہے' اُسی طرح احسان مندی میں مؤمن کا کوئی مقابل نہیں۔ احسان مندی اور منت پذیری کا جذبہ جو اظہار و اقرارِ محبت کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے' بندۂ مؤمن سے زیادہ کسی میں نہیں ہوسکتا۔ اس بات کو قرآن مجید میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے :

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ (البقرۃ : ۱۶۵)

''ایمان والے لوگ (ہر ایک سے بڑھ کر) اللہ سے بہت ہی زیادہ محبت کرتے ہیں۔'' (۲:۱۶۵)

''حیاتِ انسانی میں اللہ تعالیٰ سے محبت کے مظاہر ہمیشہ سے نمایاں رہے ہیں۔ وہ لوگ جنہوں نے اپنی زندگی کی راہیں خود متعین کرنے کی جسارت کی' اُنہیں بھی اس جذبہ محبت کے اظہار کے لئے اپنی طرف سے طریقے گھڑنے پڑے۔ چونکہ یہ طریقے اللہ کی طرف سے نہیں تھے' اس لئے انسانی فطرت کے مطابق بھی ثابت نہیں ہوئے۔ مثلاً انسان نے یہ سوچا کہ اللہ سے محبت کے اظہار کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ آدمی مردم بیزار ہو جائے اور یہ سوچ کر وہ جنگلوں میں جا بسا۔ اُس نے سوچا کہ اللہ سے محبت کا اظہار خود کو فنا کر دینے کے علاوہ اور کسی ذریعے سے نہیں ہوسکتا تو اُس نے کھانا پینا چھوڑ دیا۔ اِس طرح کی اور بہت سی مثالیں تاریخ میں ملتی ہیں اور اُن لوگوں میں آج بھی دیکھی جا سکتی ہیں جنہیں ربانی ہدایت سے استفادے کی توفیق نہیں ہوئی۔ قرآن مجید نے اللہ سے محبت کے اِن خود ساختہ انسانی مظاہر کو ''رہبانیت'' کا نام دیا۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے :

وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ (الحدید : ۲۷)

''اور رہبانیت (یعنی عبادتِ الٰہی کے لئے ترکِ دنیا اور لذتوں سے کنارہ کشی) کی بدعت اُنہوں نے خود ایجاد کر لی تھی' اُسے ہم نے اُن پر فرض نہیں کیا تھا۔'' (۲۷ : ۵۷)

اِسی طرح نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا :

لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْاِسْلَامِ (اسلام میں رہبانیت کی کوئی گنجائش نہیں)۔

اس کے برعکس قرآنِ حکیم نے حبِّ الٰہی کا جو طریقہ بتایا ہے وہ اُس نے رسول اللہ ﷺ کی زبان سے کہلوایا:

اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آلِ عمران : ۳۱)

''اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو' تب اللہ تمہیں (اپنا) محبوب بنا لے گا۔'' (۳:۳۱)

اِس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ سے محبت کے اظہار کا صحیح طریقہ اختیار کیا جائے تو اُس کے نتیجے میں خود اللہ بھی

۳۶۰۶ (حُبِّ الٰہی اور اُس کے تقاضے)

بندوں سے محبت کا وعدہ فرماتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اللہ کن لوگوں سے محبت فرماتا ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوا:

(۱) اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ O (البقرۃ ۱۹۵)

''بے شک اللہ تعالیٰ دوسروں کے ساتھ بھلائی سے پیش آنے والوں سے محبت کرتا ہے۔'' (۲:۱۹۵)

(۲) اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ O (المائدۃ: ۴۲)

''بے شک انصاف کرنے والے اللہ کے دوست ہیں۔'' (۵:۴۲)

(۳) اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ O (البقرۃ: ۱۹۰)

''بے شک دوسروں پر زیادتی کرنے والے اللہ کے محبوب نہیں ہو سکتے۔'' (۲ : ۱۹۰)

(۴) وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا O (الدّھر: ۸)

''یہ ایمان والے اللہ کی محبت میں حاجت مندوں' بے سہارا یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔'' (۷۶ : ۸)

''اِن تمام آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کن لوگوں سے محبت کرتا ہے اور پھر کون سے اعمال ہیں جن کے نتیجے میں یا جن کی جزاء یہ بتائی گئی ہے کہ اللہ ایسے بندوں سے محبت کرتا ہے جو ایسے اعمال کرتے ہیں۔ ہمارے رسول ﷺ کے سب سے زیادہ نمایاں اعمال وہ ہیں جن کا تعلق بندوں کے ساتھ احسان اور نیک سلوک سے ہے۔''

''حقیقت یہ ہے کہ قرآن نے انسان کے لئے عقائد و اعمال کا جو تصوّر قائم کیا ہے' اُس کی بنیاد تمام تر رحمت و محبت پر رکھی ہے۔ وہ انسان کی روحانی زندگی کو فطرت کے عالمگیر کارخانے سے کوئی الگ اور غیر متعلق چیز قرار نہیں دیتا بلکہ اُسی کا ایک مربوط گوشہ قرار دیتا ہے اور اِسی لئے وہ کہتا ہے کہ جس کارساز فطرت نے اس کارخانۂ ہستی کی بنیاد رحمت پر رکھی ہے' ضروری تھا کہ اس گوشہ میں بھی اُس کے تمام احکام سرتاسر رحمت کی تصویر ہوں۔ چنانچہ قرآنِ پاک نے جا بجا یہ حقیقت واضح کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بندوں سے رشتہ محبت کا رشتہ ہے اور سچی عبودیت اُسی کی عبودیت ہے جس کے لئے معبود صرف معبود ہی نہ ہو بلکہ محبوب بھی ہو۔''

''لیکن بندے کے لئے اللہ کی محبت کی عملی راہ کیا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ اللہ کی محبت کی راہ اُس کے بندوں کی محبت میں سے ہو کر گزرتی ہے۔ جو انسان چاہتا ہے کہ اللہ سے محبت کرے' اُسے چاہئے کہ اللہ کے بندوں سے محبت کرنا سیکھے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے ایک حدیث کا ابتدائی حصّہ اس طرح ہے کہ قیامت کے دن اللہ ایک بندے سے کہے گا: ''اے ابنِ آدم! میں بیمار ہو گیا تھا مگر تو نے میری بیمار پرسی نہ کی۔'' بندہ متعجب ہو کر کہے گا: ''بھلا ایسے کیسے ہو سکتا ہے اور تو تو رب العالمین ہے۔'' رب تعالیٰ فرمائے گا: ''تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ تیرے پڑوس میں بیمار ہو گیا تھا اور تو نے اُس کی خبر نہ لی۔ اگر تو اُس کی بیمار پرسی کے لئے جاتا تو مجھے اُس کے پاس پاتا۔''

٣٦٠٧ (حُبِّ الٰہی اور اُس کے تقاضے)

''یہ تو اللہ سے محبت کا طریقہ تھا لیکن اس محبت کے کچھ تقاضے بھی ہیں۔ ان میں سے ایک اہم ترین تقاضا روزِ ازل کو اللہ سے کیے ہوئے وعدے کا ایفاء ہے۔ جس میں یہ اقرار کیا گیا تھا کہ اے ربِّ ذوالجلال والاکرام! دنیا میں پہنچ کر ہم تیری ہی کبریائی کے گن گائیں گے اور تیرے حکم کے مقابلے میں کسی لینن، سٹالن اور ہٹلر کو اہمیت نہیں دیں گے۔ حکم تیرا ہی چلے گا اور جابر و ظالم حکمران کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ہم تیرا پیغام اُس تک پہنچا کر رہیں گے۔''

دیکھنا یہ ہے کہ ہم نے رب سے کیئے ہوئے وعدے کا ایفاء کس حد تک کیا اور اُس کے دوسرے احکامات کو کس حد تک زیبِ گلو کیا۔ ہر مسلمان قطع نظر رنگ و نسل اور قوم کے ہماری محبت کا مستحق ہے، کیا ہم نے اس محبت کا حق ادا کیا؟ اور کیا اس محبت کے نتیجے میں رب تعالیٰ کی رحمتیں اور نوازشیں ہماری طرف متوجہ ہوئیں؟ نہیں یہاں تو بھائی بھائی کے خون کا پیاسا ہے۔ ہر طرف خود غرضی، انانیت پرستی، خود بینی، زر پرستی اور احکاماتِ الٰہی کے مقابل سینہ زوری کا دَور دورہ ہے۔ ان سب بے اعتدالیوں کا انجام نفرت و عداوت کی فضا کا جنم لینا ہے کہ بھائی بھائی کے خون کا پیاسا ہے، بیٹے کی باپ سے نہیں بنتی، بیوی اپنے شوہر کی نافرمان ہے اور حکمِ الٰہی اور حکمِ رسول کا اُسے کوئی پاس نہیں۔ شوہر کو اپنی بیوی کے حقوق کا کچھ علم نہیں اور وہ اُسے کمزور و بےبس سمجھتے ہوئے اُس کے استحصال پر تلا ہوا ہے۔ ایسے حالات میں رب تعالیٰ کی خوشنودی کیسے حاصل ہو؟ اُس کے مکافاتِ عمل کا قانون بڑا ہی سخت ہے اور وہ ہر فرد اور ہر طبقے کو اُس کے کیئے کی سزا دے کر ہی رہتا ہے۔

<u>رب تعالیٰ کی قربت و معرفت</u> : کے پانچ بڑے مدارج ہیں جن میں سے پہلا درجہ ذکرِ الٰہی یعنی دلی محبت سے اللہ کی یاد کرنا ہے۔ غفلت و نسیان اس کے متضاد الفاظ ہیں اور ذکر کے مدارج میں پہلا درجہ یہ ہے کہ انسان چلتے پھرتے ہر سانس اور ہر حال میں اللہ کو یاد رکھے۔ پھر آہستہ آہستہ ذکر میں ایسی پختگی آئے کہ انسان کا کوئی فکر و عمل، کوئی حرکت، سکون اور کوئی خیال اللہ تعالیٰ کی یاد سے خالی نہ ہو اور زندگی کے ہر معاملے میں اللہ کے احکام اور اُسی کی پسند و ناپسند مقدم رہے۔

قرآنِ حکیم اور احادیث مبارکہ کی رُو سے اللہ کا ذکر بڑی عبادت ہے جس سے غفلت، فسق و فجور اور شیطانی عمل دُور ہو جاتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے : وَلَذِكْرُ اللهِ اَكْبَرُ (سورہ العنکبوت: ۴۵) یعنی اللہ کا ذکر واقعی بہت بڑی چیز ہے جس کی افضل ترین و مکمل ترین صورت نماز ہے۔

آدمی دو طرح کے ہوتے ہیں: ایک اہلِ ایمان جو اللہ کو ہر وقت یاد رکھتے ہیں اور دوسرے فاسق و غافل، اُسے بھول جانے والے جن کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوا :

(۱) اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ (اَعراف : ۱۷۹)

''یہ لوگ چوپایوں کی مانند بلکہ اُن سے بھی بدتر ہیں۔'' (۷ : ۱۷۹)

(۲) فَوَيْلٌ "لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ O (اَلزُّمَر : ۲۲)
''پس اُن لوگوں کے لئے ہلاکت ہے جن کے دل اللہ کے ذکر (کے فیض) سے (محروم ہوکر) سخت ہو گئے' یہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔'' (۲۲ : ۳۹)

(۳) اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ (المجادلة : ۱۹)
''اُن پر شیطان نے غلبہ پا لیا ہے' سو اُس نے اُنہیں اللہ کا ذکر بھلا دیا ہے۔'' (۵۸:۱۹)

(۴) وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا O (الجن : ۱۷)
''اور جو شخص اپنے رب کے ذکر سے منہ پھیر لے گا تو وہ اُسے سخت عذاب میں داخل کرے گا۔'' (۷۲:۱۷)

اللہ کا ذکر انسان کے خیالات' سفلی جذبات اور تفکراتِ رذیلہ کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتا ہے اور مؤمن کے دل کو طاقت و توانائی' راحت و تسکین' نورِ ایمان' قوتِ یقین و عمل' محبت و خشیت اور اطمینان بخشتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے :
اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ O (الرَّعد : ۲۸)
''جو لوگ ایمان لائے اور اُن کے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہوتے ہیں' جان لو کہ اللہ ہی کے ذکر سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔'' (۲۸ : ۱۳)

یعنی اللہ کے ذکر سے تسکینِ دل صرف صاحبِ ایمان کو حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ یادِ الٰہی میں دل نہ لگنا کمزوریِ ایمان کی علامت ہے۔

''اللہ تعالیٰ سے قلبی تعلق انسان کو خیر و شر کی معرفت عطا کرتا ہے۔ اس طرح نہ صرف یہ کہ وہ خود مسرور و مطمئن زندگی گزارتا ہے بلکہ مخلوقِ خدا کے لئے بھی ایک ہدایت اور سایۂ رحمت بن کر اُنہیں مسرت و اطمینان کا سامان بہم پہنچاتا ہے۔ تزکیۂ نفس' تصفیۂ قلب اور تہذیبِ اخلاق کے ذریعے انسانوں کے سیرت و کردار کی تعمیر کرتا اور حسنِ انسانیت کو نکھارتا ہے۔ اِس سلسلہ کی بڑی مثالیں انبیاء و مرسلین اور اولیائے کرام کی مقدس ہستیاں ہیں جنہوں نے انسانیت سازی اور اصلاحِ معاشرہ کے ذریعے انسان کو معراجِ انسانیت تک پہنچایا۔ آنحضور نبی کریم ﷺ نے تمام عمر مجاہدہ و ریاضت اور تفکر و عبادت میں گزاری مگر عملی زندگی کے کسی بھی شعبے میں پیچھے نہ رہے۔ نتیجتاً ایک ایسا مثالی' شاندار معاشرہ ظہور پذیر ہوا جس کے افراد بہ یک وقت طالبانِ علم و حکمت' دائم الصائم' قائم الیل اور مجاہد و منتظم تھے۔ وہ دنیا میں رہتے ہوئے بھی اُس کی محبت میں مبتلا نہ تھے۔ وہ کلمہ توحید اور وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا کی عملی تفسیر اور مکارمِ اخلاق کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ اُن کا دستور العمل قرآنِ حکیم اور نصب العین اپنے رب کا قرب و عرفان تھا۔ اللہ کی محبت اور احساسِ قرب نے اُن نفوسِ قدسی کو عمل کی بے پناہ قوت' مثالی نظم و ضبط اور استقامت جیسے اوصاف سے مالا مال کر دیا بعثتِ نبوی سے قبل وہ جاہل اور اجڈ تھے لیکن وہ اب دنیا کے بہترین نصف کے فرمانروا تھے۔'' (ماہنامہ مؤمن لاہور' جون ۲۰۰۵ء' صفحات ۲۸ تا ۲۹: مضمون نگار: حکیم محمد سعید؛ صفحات ۱۰ تا ۱۲۔ مضمون نگار: غلام رسول شاہد)

(۱۴۱) حضرت لقمان رضی اللہ عنہ --LUQMAAN
(۳۰۰۰ قبل مسیح)

لقمان یا حکیم لقمان عربوں کے ہاں ایک مشہور ہستی ہے لیکن اس کے باوجود اُن کے اور اُن کے نسب کے بارے میں آراء مختلف ہیں۔ لوگ صرف اس نکتے پر باہم متفق ہیں کہ لقمان ایک انتہائی دانا حکیم تھے اور یہ کہ اُن کی حکیمانہ باتیں ''صحیفۂ لقمان'' کے نام سے عربوں کے ہاں بہت متعارف و مشہور تھیں۔ اُن کی باقی ماندہ سوانح حیات کی تفصیلات کے بارے میں لوگوں کے متضاد نظریات ہیں۔

ابنِ جریر، ابنِ کثیر اور سُہیلی جیسے مؤرخین چند ایک ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ مشہور و معروف لقمان حسب و نسب کے لحاظ سے افریقی تھے اور ملکِ عرب میں بطورِ غلام آئے تھے۔ یہ مؤرخین اُن کے سلسلۂ نسب کو یوں بیان کرتے ہیں:
''وہ لقمان بن عنقا بن صندون ہیں یا لقمان بن ثار بن صندون ہیں۔'' (''الروض الانف''۔۔ سہیلی، جلد اوّل ؛ ابن کثیر، جلد دوم؛ تفسیر ابن کثیر، جلد سوم)

اِن مؤرخین کا کہنا ہے کہ لقمان کا تعلق سوڈان کے قبیلہ نوبی سے تھا۔ آپ کوتاہ قامت، بھاری بھرکم جسم والے اور سیاہ رنگت کے تھے۔ آپ کے ہونٹ پتلے تھے اور آپ کے ہاتھ اور پاؤں بھدے تھے۔ لیکن آپ بذاتِ خود بڑے ہی نیک، دیندار اور اللہ کے زبردست پرستار تھے۔ آپ ضبطِ نفس کے مالک اور عقل و دانش کی غیر معمولی خصوصیت سے نوازے گئے تھے۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اُنہیں حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں قاضی کے منصب پر مقرر کیا گیا تھا۔

زمانہ جاہلیت کے ایک عرب شاعر سلمٰی بن ربیعہ کے اِن اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت لقمان اصل کے لحاظ سے عرب تھے:

أَهْلَكْنَ طَسْمًا وَ بَعْدَهُ غَذِيَّ بَهْمٍ وَ ذَا جدُوْن
وَأَهْلَ جَاشٍ وَمَارِبًا وَ حَيَّ لُقْمَانَ وَالتَّقُوْن

''حوادثِ زمانہ نے قبیلہ طسم اور اُس کے بعد غذی بہم اور جدون والوں اور جاش والوں اور مارب اور لقمان اور تقون کے قبیلوں کو ہلاک کر دیا۔''

<u>حضرت لقمان کا ذکر قرآن حکیم میں</u> : نہ صرف یہ کہ حضرت لقمان کا ذکرِ پاک قرآن میں ہے بلکہ قرآن کی پوری ایک سورۃ (۳۱) اُن کے نام پر مخصوص ہے۔ اگر چہ قرآنِ حکیم نے اپنے ایک مخصوص مقصد کے مدِّنظر آپ کا اور آپ کے کنبے کا نسب نامہ بیان نہیں کیا لیکن سورہ لُقمان میں درج آپ کے دانشمندانہ فرامین

آپ کی شخصیت پر کافی روشنی ڈالتے ہیں۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اِن فرامین کا ذکر کرنے کے بعد ہم یہ نتیجہ اخذ کریں کہ مذکورہ بالا دو آراء میں سے کون سی رائے درست اور انسانی فہم کے قریب ہے:

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ O ۔۔ وَاِنْ جٰهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَ صَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۔۔۔۔۔ يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ O يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ O وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَ لَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ O وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ O (لقمٰن: ۱۳، ۱۵-۱۹)

''اور (یاد کیجئے) جب لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا جبکہ وہ اُسے نصیحت کر رہے تھے: اے میرے فرزند! اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا، بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے ۔۔۔۔۔ اور اگر وہ دونوں (ماں باپ) تجھ پر اس بات کی کوشش کریں کہ تو میرے ساتھ اُس چیز کو شریک ٹھہرائے جس (کی حقیقت) کا تجھے علم نہیں، تو اُن کی اطاعت نہ کرنا اور (دنیا کے کاموں میں) اُن کا اچھے طریقے سے ساتھ دینا اور (عقیدہ اور امورِ آخرت میں) اُس کی پیروی کرنا جس نے میری طرف توبہ و اطاعت کا سلوک اختیار کیا ۔۔۔۔۔ اے میرے فرزند! اگر کوئی چیز رائی کے دانہ کے برابر ہو، پھر خواہ وہ کسی چٹان میں (چھپی) ہو یا آسمانوں یا زمین میں (تب بھی) اللہ اُسے (روزِ قیامت حساب کے لئے) موجود کر دے گا، بے شک اللہ باریک بین (بھی) ہے، آگاہ و باخبر (بھی) ہے۔ اے میرے فرزند! نماز کو قائم رکھ اور نیکی کا حکم دے اور برائی سے منع کر اور جو تکلیف تجھے پہنچے اُس پر صبر کر، بے شک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔ اور لوگوں سے (غرور کے ساتھ) اپنا رُخ نہ پھیر اور زمین پر اکڑ کر مت چل، بے شک اللہ ہر متکبر، اِترا کر چلنے والے کو ناپسند فرماتا ہے۔ اور اپنے چلنے میں میانہ روی اختیار کر اور اپنی آواز کو کچھ پست رکھا کر، بے شک سب سے بُری آواز گدھے کی آواز ہے۔'' (۳۱:۱۳، ۱۵-۱۹)

اِن نصائح میں حضرت لقمان نے اِن نکات پر زور دیا ہے:

(1) کسی کو اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات میں شریک ٹھہرانا گناہِ کبیرہ ہے۔ صحیح بخاری کی ایک حدیث میں ہے کہ جب سورۃ الانعام کی آیت:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ O (الانعام: ۸۲)

''جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو (شرک کے) ظلم کے ساتھ نہیں ملایا، اِنہی لوگوں کے لئے امن (یعنی اُخروی بے خوفی) ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔'' (۶ : ۸۲)

نازل ہوئی تو صحابہ کرام پریشان ہو گئے اور پیغمبر علیہ السلام سے پوچھنے لگے: یا رسول اللہ! کوئی بھی تو ایسا نہیں جس نے

زندگی میں کوئی گناہ نہ کیا ہو۔ اس پر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ جواب دیا:

اِنَّہٗ لَیْسَ کَذٰلِکَ اَلَمْ تَسْمَعْ اِلٰی قَوْلِ لُقْمٰنَ: یٰابُنَیَّ لَاتُشْرِکْ بِاللّٰہِ اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ

''ایسا نہیں ہے' کیا تم نے حضرت لقمان کے اس قول کی طرف توجہ نہیں دی: اے میرے فرزند! شرک نہ کرنا' بے شک شرک ظلم عظیم ہے۔''

یعنی مذکورہ بالا سورۃ الانعام کی آیت ۸۲ کے لفظ 'ظلم' سے مراد 'شرک' ہے اور اب آیت ۸۲ کا معنیٰ یہ ہوگا کہ اُنہوں نے اپنے ایمان کو شرک کے ظلم کے ساتھ نہیں ملایا جیسا کہ اوپر ترجمہ میں دیا گیا ہے۔

(2) آدمی کو دوسروں پر اپنی فوقیت اور بالاتری جتلائے بغیر اُن سے خوش اخلاق ہونا چاہئے۔ خوش اخلاقی تہذیب یافتہ رویّہ اور عمدہ خصائل کا دوسرا نام ہے اور ایک حدیث میں اسے ایمان کا لازمی جزء کہا گیا ہے۔ صوفی روایت میں خوش اخلاقی کو تزکیہ باطن اور طریقِ حیات کے طور پر اپنایا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ معاشرے کے ہر فرد کے جذبات و احساسات اپنے ملنے والوں کے رویّہ سے لازمی طور پر متاثر ہوتے ہیں اور یہ اعمال اپنے اَبنائے جنس سے روزمرّہ کے لین دین کو بنانے یا بگاڑنے میں اَن مٹ نقوش چھوڑتے ہیں۔ اسی وجہ سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مرتبہ خوش اخلاقی کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے فرمایا:

لَاتَحْتَقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَیْئًا وَلَوْ اَنْ تَلْقٰی اَخَاکَ بِوَجْہٍ طَلْقٍ

''نیکی کے کسی کام کو ہرگز حقیر مت جانو اگرچہ وہ اپنے (مسلمان) سے خندہ جبینی سے ملنا کیوں نہ ہو۔''

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام خود اعلیٰ ترین خوش اخلاقی کا بہترین نمونہ تھے (بحوالہ سورۃ القلم: ۴)۔ حُسنِ خُلق کے بارے میں چند احادیث درج ذیل ہیں:

(۱) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ (مؤطا امام مالک)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دراصل مجھے حسنِ اَخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے۔''

(۲) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قِیْلَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اَیُّ الْمُؤْمِنِ اَفْضَلُ؟ قَالَ: اَحْسَنُہُمْ خُلُقًا (بیہقی)

''ابنِ عمر رضی اللہ سے روایت ہے کہ پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول: کون سا مؤمن افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: اُن میں حُسنِ خُلق والا افضل ہے۔''

(۳) عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اِنَّ الْعَبْدَ لَیَبْلُغُ بِحُسْنِ خُلُقِہٖ دَرَجٰتِ الْاٰخِرَۃِ وَشَرَفِ الْمَنَازِلِ وَ اِنَّہٗ لَضَعِیْفُ الْعِبَادَۃِ وَاِنَّہٗ لَیَبْلُغُ بِسُوْءِ خُلُقِہٖ دَرْکَ جَہَنَّمَ وَھُوَ عَابِدٌ'' (معجم طبرانی' مجمع الزوائد)

''حضرت اَنس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بندہ اپنے حُسنِ خُلق کی بدولت آخرت کے درجات اور عزت وتوقیر کی منزلوں کو پالیتا ہے اگرچہ وہ عبادات میں کمزور اور سست کیوں نہ ہو۔ اور آدمی اپنی بدخُلقی کی بدولت دوزخ کی آگ کا مستحق ہو جاتا ہے اگرچہ وہ عبادت گزار کیوں نہ ہو۔''

(۴) قَالَ مَیْمُوْنُ بْنُ مِہْرَانَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ: مَامِنْ ذَنْبٍ اَعْظَمُ عِنْدَاللّٰہِ مِنْ سُوْءِ الْخُلُقِ (تفسیر ابن کثیر' ج ۳)

''میمون ابن مہران رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدخُلقی سے بڑا کوئی گناہ نہیں۔''

(3) ''زمین پر اکڑ کر مت چل کیونکہ اللہ کسی متکبر شیخی خورے کو پسند نہیں کرتا۔''

سورہ بنی اسرائیل میں مذکورہ بالا آیت کے ضمن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوا:

وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّکَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ○ (بنی اسرائیل:۳۷)

''اور زمین میں اکڑ کر مت چل' بے شک تو زمین کو (اپنی رعونت کے زور سے) ہرگز چیر نہیں سکتا اور نہ ہی ہرگز تو بلندی (قد وقامت) میں پہاڑوں کو پہنچ سکتا ہے۔''

(4) رفتار اور دوسری تمام چیزوں میں اعتدال ایک اور سنہرا طریق ہے اور یہ فلسفہِ لقمان کا مرکزی نقطہ ہے کیونکہ فلسفہِ اسلام بھی یہی ہے۔ اِسی وجہ سے اُمّتِ مسلمہ کو سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۴۳ میں ''اُمّتِ وسط'' کہا گیا ہے۔

درجِ بالا (3) اور (4) کے ہر جزء میں عاجزی اور انکساری کی ترغیب دی گئی ہے جس کے متعلق نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ گرامی ہے:

طُوْبٰی لِلْاَتْقِیَاءِ الْاَثْرِیَاءِ الَّذِیْنَ اِذَا حَضَرُوْا لَمْ یُعْرَفُوْا وَاِذَا غَابُوْا لَمْ یُتَفَقَّدُوْا اُولٰٓئِکَ مَصَابِیْحُ مُتَجَرِّدُوْنَ مِنْ کُلِّ فِتْنَۃٍ غَبْرَاءَ مُشْتَۃٍ'' (تفسیر ابن کثیر' ج ۳)

''اُن خدا خوفی رکھنے والوں' بے غرض لوگوں کو مبارک ہو جن کی حالت یہ ہے کہ جب وہ کسی مجمع میں موجود ہوتے ہیں تو کوئی اُنہیں نہیں جانتا اور جب مجمع سے باہر ہوتے ہیں تو اُن کی تلاش نہیں کی جاتی۔ یہی لوگ درخشندہ وتاباں روشنیاں ہیں اور ہر سیاہ' غبار آلود' غیر تقلیدی باغیانہ فتنہ سے محفوظ ہیں۔''

غرور ونخوت کی بدصفت کے خلاف نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تنبیہ کی:

(۱) عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالُ ذَرَّۃٍ مِنْ کِبْرٍ

"حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا جس کے دل میں ذرّہ برابر تکبر ہوگا۔"

(۲) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ اَكَبَّهُ اللّٰهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فِى النَّارِ

"حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کے دل میں ذرّہ برابر بھی تکبر ہوگا، اللہ تعالیٰ اُسے دوزخ کی آگ میں اوندھے منہ پھینکے گا۔"

(۳) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ جَرَّ ثَوْبَهٗ خُيَلَاءَ لَايَنْظُرُاللّٰهُ اِلَيْهِ (صحیح مسلم)

"حضرت بُریدہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اپنے کپڑے کو ازراہِ نخوت و تکبر گھسیٹ کر چلتا ہے، اللہ تعالیٰ اُس پر نگاہِ رحمت نہیں فرمائے گا۔"

سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۳۷ میں سرکش، متکبر شخص کی طرزِ رفتار کا کیسے معجزانہ طور اور فصاحت و بلاغت کے ساتھ نقشہ باندھا گیا ہے کہ یوں لگتا ہے کہ وہ پہاڑوں کی بلندیوں کو پہنچ سکتا ہے اور اپنے زورِ رعونت سے زمین کو چیر سکتا ہے (آیت کا متن ملاحظہ ہو صفحہ سابق پر)۔

(5) چیخنا اور طوفانی شور پیدا کرنا غیر انسانی فعل ہے، آواز کا دھیما رکھنا عین انسانیت اور مہذب طریقہ ہے۔ اگر تند و تیز، کرخت اور غیر معقول بلند آوازی اور ہنگامہ خیز شور پسندیدہ ہوتے تو گدھے کی آواز قابلِ تعریف ہوتی۔ گدھے کی آواز سے متعلق درج ذیل حدیثِ مبارکہ مشہور و معروف ہے:

عَنْ أَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِىِّ ﷺ قَالَ: إِذَا سَمِعْتُمْ صِيَاحَ الدِّيْكِ فَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ وَإِذَا سَمِعْتُمْ نَهِيْقَ الْحَمِيْرِ فَتَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ فَإِنَّهَا رَأَتْ شَيْطَانًا (تفسیر ابن کثیر)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرّم ﷺ نے فرمایا: جب تم مرغ کی آواز سنو تو اللہ تعالیٰ سے اُس کا فضل مانگو اور جب تم گدھے کی آواز سنو تو اللہ تعالیٰ سے شیطان کی پناہ مانگو کیونکہ شیطان کو دیکھنے کے بعد گدھا آواز نکالتا ہے۔" (تفسیر ابن کثیر، جلد ہشتم، ص ۱۱)

اس کا مطلب یہ ہے کہ مرغ کی اذان اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کے نازل ہونے کا ثبوت ہے کیونکہ مرغ صبح کے اوقات میں اللہ کی تسبیح کرنے کا عادی ہے جبکہ گدھے کی آواز شیطان کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

اگر لقمان حکیم غلام ہوتے تو وہ اپنے بیٹے (غلام کے بیٹے) کو ایسی کارآمد نصیحتیں نہ کرتے کیونکہ تکبر و نخوت' انا نیت پسندی' شیخی خوری اور کرختگی شہنشاہوں' شہزادوں' مرفہ الحال لوگوں اور اعلیٰ مناصب کے لوگوں کے بالعموم خصائص ہوتے ہیں اور ایسا طریقہ اُس کا ہوتا ہے جو اپنے خالق کو بھول چکا ہو اور دنیا کے مشغلوں میں غرق اور دنیا کی محبت کی شرابِ ناب میں سرمست ہو چکا ہو۔ اس لئے یہ خصوصیات نہ تو ایک غلام میں پائی جاتی ہیں اور نہ ہی غلام کے بیٹے میں' کیونکہ اُن کا وقت انسان کی غلامی کے لئے وقف ہوتا ہے۔ جیسا کہ سعدی علیہ الرحمۃ نے درست فرمایا ہے:

تواضع نہ کردن فرازاں نکوست گدا گر تواضع کند خوئے اوست

<u>کیا لقمان پیغمبر تھے یا حکیم تھے؟</u> امام سُہیلی کی ''الروض الانف'' میں سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث جسے مؤرخ ابنِ اسحاق نے ''سیرتِ رسول اللہ ﷺ'' میں بیان کیا' سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت لقمان نبی تھے' رسول نہیں تھے لیکن قرآن مجید کا اندازِ بیاں اس بات کی تائید نہیں کرتا۔ اُن کی انتہائی اعلیٰ اخلاقی اَقدار کی حامل نصیحتوں کے باوصف قرآن مجید کا ایک جملہ تو کیا' ایک لفظ بھی حضرت لقمان کی نبوّت کی طرف اشارہ نہیں کرتا۔ اس لئے جمہور علماء کی رائے اس نظریہ کے خلاف ہے۔ سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے پہلے بیان سے رجوع کرتے ہوئے دوسرا بیان دیا جیسا کہ تاریخ ابنِ کثیر کی جلد ۳' صفحہ ۱۲۵ میں درج ہے:

وَالْمَشْهُوْرُ عَنِ الْجَمْهُوْرِ اَنَّهٗ' كَانَ حَكِيْمًا وَلِيًّا وَلَمْ يَكُنْ نَبِيًّا وَقَدْ ذَكَرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي الْقُرْآنِ فَاَثْنٰى عَلَيْهِ وَحَكٰى مِنْ كَلَامِهٖ فِيْمَا وَعَظَ بِهٖ وَلَدَهُ الَّذِيْ هُوَ اَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَيْهِ۔ قَالَ: وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ يَعْنِيْ اَلْفِقْهَ وَالْاِسْلَامَ وَلَمْ يَكُنْ نَبِيًّا وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ وَهٰكَذَا نَصَّ عَلٰى هٰذَا غَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ السَّلَفِ مِنْهُمْ مُجَاهِد وَسَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيِّبِ وَابْنُ عَبَّاسٍ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

''جمہورِ علماء میں مشہور یہی ہے کہ لقمان حکیم اور ولی تھے لیکن نبی نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کا ذکر قرآن میں کیا ہے' اُن کی تعریف کی ہے اور اُن کے اُس موعظت کے کلام کو بیان کیا ہے جو اُنہوں نے اپنے بیٹے کو کیا جو اُنہیں اللہ کی مخلوقات میں بہت پیارا تھا۔ فرمایا: ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی (۳۱:۱۲)۔ حکمت سے مراد فقہ اور اسلام کا علم ہے۔ نہ تو لقمان نبی تھے اور نہ ہی اُن کی طرف وحی کی گئی اور یہی چیز مجاہد' سعید ابن المسیّب اور ابن عباس رضی اللہ عنہم جیسے علمائے سلف سے ثابت ہے (تاریخ ابن کثیر' جلد ۳' ص ۱۲۵)

(۱۴۲) مجوس ۔ ۔ آتش پرست (Magians)

Magians کی اصطلاح اصل میں قبل از اسلام کے ایران میں پیشہ ورانہ پادریت کے لئے استعمال ہوتی تھی ۔ قرآنی بیان میں یہ اصطلاح اُس مذہب کے تمام پیروکاروں کے لئے استعمال ہوتی ہے ۔
(Encyclopedia of the Qur'an, Vol. 3, p. 244)

مجوس زرتشت کے پیروکار ہیں ۔ اسلامی قانون میں اُن کا شمار اہلِ کتاب میں ہوتا ہے ۔ جزیہ کی ادائیگی پر اُنہیں مکمل طور پر اپنی زندگی، املاک اور مذہبی آزادی کے تحفظ کا حق حاصل ہوتا ہے ۔ (تفسیر ماجدی، صفحہ ۱۳۲۱ اِے، نوٹ: ۳۰۵)

قرآن پاک میں مجوس کا ذکر صرف ایک بار سورۂ الحج میں اس طرح ہوا ہے :
إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئِينَ وَالنَّصَارَىٰ وَالْمَجُوسَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ O (اَلْحَجّ : ۱۷)
''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو لوگ یہودی ہوئے اور ستارہ پرست اور نصاریٰ (عیسائی) اور آتش پرست اور جو مشرک ہوئے، یقیناً اللہ قیامت کے دن ان (سب) کے درمیان فیصلہ فرما دے گا ۔ بے شک اللہ ہر چیز کا مشاہدہ فرما رہا ہے ۔'' (۲۲ : ۱۷)

''اُن کا طریقِ عبادت بہت قدیم ہے ۔ وہ آگ کو صاف ترین اور معزز ترین عنصر سمجھتے ہیں اور مکمل علامتِ الٰہی کے طور پر اس کی عبادت کرتے ہیں ۔ اُن کی جائے سکونت ایرانی اور وسطی بالائی علاقے اور میسوپوٹامیا کی وادی تھے ۔ اُن کے مذہب کی اصلاح اُن کے پیغمبر زرتشت نے کی، جن کے زمانے کا تعین غیر یقینی ہے اور غالباً وہ ۶۰۰ قبل مسیح ہے ۔ اُن کی مذہبی کتاب زَند اُویستا ہے جو پارسیوں کی بائبل ہے ۔ انجیل میں اُن کا ذکر مشرق کے داناؤں کے ضمن میں آیا ہے ۔'' (عبداللہ یوسف علی، نوٹ: ۲۷۸۹)

''یہ سوال کہ آیا مجوسیوں کو اہلِ کتاب میں شامل کیا جائے یا نہیں، زیرِ بحث رہا ہے ۔

''سورۃ الحج کی مذکورہ بالا آیت ۱۷ میں یہ نہیں کہا گیا کہ مجوس رحمتِ الٰہی کو پائیں گے بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مختلف عقائد و مذاہب کے لوگوں کے درمیان فیصلہ فرمائے گا ۔ آیت میں مشرکین کے لفظ کا اضافہ کچھ حیران کن سا لگتا ہے ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ تمام قسم کے مذاہب جو مخلص ہوں، ایسے ہیں جن میں لوگ مداخلت نہیں کر سکتے ۔ جب تک جبر و تشدد، ناانصافی نہ ہو تو رواداری سے کام لینا ہمارا فرض ہے ۔'' (عبداللہ یوسف علی، نوٹ: ۲۷۸۸)

(۱۴۳) جادو (MAGIC)

''چیزوں کی ہیئت کو تبدیل کرنے یا واقعات پر اثر انداز ہونے میں جادو بہ ظاہر پُر اَسرار مخفی قوتوں کے استعمال کا نام ہے۔'' (Oxford Advanced Learner's Dictionary, p. 796)

جادو سے مراد کسی چیز کو اُس کی حقیقت سے ہٹا کر کسی اور شکل میں پیش کرنا ہے۔ امام زہری کا قول ہے کہ جادو اُس عمل کو کہتے ہیں کہ جس کی بدولت شیطان قریب ہو کر آپ کی مدد کرے۔ جادوگر جب اپنے جادو کے ذریعے باطل کو حق بنا کر پیش کرتا ہے تو وہ اُس کی حقیقت کو بھی بدل دیتا ہے۔'' (لسان العرب' جزو ۴' صفحہ ۳۴۸)

تعلیمی مسابقت کے اِس دَور میں بھی عموماً یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ آیا جادو کوئی قابلِ اعتماد چیز ہے؟ اور جادو کو اکیسویں صدی کے سائنسی دَور میں غیر سائنسی' خرافاتی کام سمجھا جاتا ہے۔ قرآن مجید نے اس کا جواب اثبات میں دیا ہے کہ جادو کے عمل اور اس سے ہونے والے نتائج کا واقعی وجود ہے لیکن اس کے نتائج اللہ تعالیٰ کی رضا اور اُس کی مرضی پر موقوف ہیں جیسا کہ سورۃ البقرۃ میں بیان ہوا :

وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (البقرۃ : ۱۰۲)

''وہ جادو کے ذریعے کسی کو بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر اللہ کے حکم سے۔'' (۲ : ۱۰۲)

مسلمانوں میں قرآن مجید کی آخری دو سورتیں موسومہ بہ ''معوذتین'' جادو اور نظرِ بد کے خلاف حفاظتی ذریعہ مانی جاتی ہیں۔ ایک مشہور حدیث کے مطابق اِن دو سورتوں کی تلاوت کرنے سے آدمی ایک الٰہی محافظ کے ذریعہ ہر قسم کے وبال اور دشنام طرازی سے بچا رہتا ہے۔ وہ ظلمت جس کا ذکر سورۃ الفلق کی تیسری آیت میں ''غاسق'' کے لفظ سے ہوا (تاریکی کی بدی سے جونہی وہ پھیلتی ہے)' مفسرین کے مطابق بذاتِ خود بُری نہیں بلکہ بدی' بدعملیوں' جرائم کے کاموں' شیطانی اور جادوگری کے کاموں کی تشہیر کا موزوں وقت ہے۔ یہ نظریہ اس عقیدے کے ساتھ منسلک ہے کہ جادو کا اثررات کے اوقات میں بہ سہولت اثر کرتا ہے۔ اُسی سورۃ کی چوتھی آیت میں (اُن عورتوں کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے جو گانٹھوں پر جھاڑ پھونک کرتی ہیں) ایک خاص طریق سے گانٹھوں پر جھاڑ پھونک کرنے کا ذکر ہے (جو نو یا گیارہ بار باندھی ہوئی ہوتی ہیں)۔ طلوعِ اسلام سے بہت پہلے اِن گانٹھوں کو برابر کی مقدار میں نیک و بد قوتوں میں استعمال کیا جاتا تھا۔

متعدد احادیث بھی جادو کے مسحور کن اثر کی وضاحت کرتی ہیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بھی اپنے ہم عصر جادوگروں کے طلسماتی اثرات ہوئے اور اس طرح آپ پر اثر ہونے کے اس نتیجہ نے نوعِ انسان کو بالعموم اور امتِ مسلمہ کو بالخصوص یہ راہ دکھا دی کہ وہ جادو یا نظرِ بد کے اثر ہونے کی صورت میں کیا طریقہ اختیار کریں۔

۳۶۱۷ (جادو ـ ـ MAGIC)

روایت بیان کی جاتی ہے کہ ساتویں سالِ ہجری میں لبید بن اعصم نامی ایک یہودی نے ایک رسی میں ساتھ گرہیں لگائیں اور اُن پر جادو نما منتر پڑھا تا کہ اس طرح وہ نبی اکرم ﷺ کو نقصان پہنچا سکے جو اُس کے اثر سے بیمار ہو گئے ۔ افضل الملائکہ جبریل امین کی ہدایت پر آپ معوّذتین کی دونوں سورتیں (سورۃ الفلق اور سورہ الناس) گیارہ بار پڑھنے سے شِفایاب ہوئے ۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! اجازت ہو تو اِس خبیث کا سر قلم کر دیا جائے ۔ حضرت سیّدِ عالم نے ارشاد فرمایا: اَمَّا اَنَا فَقَدْ شَفَانِیَ اللّٰہُ وَاَکْرَہُ اَنْ اُثِیْرَ عَلَی النَّاسِ شَرًّا (مجھے تو اللہ نے شِفا بخش دی ہے۔ میں اپنے لئے لوگوں میں فتنہ کی آگ بھڑکانا نہیں چاہتا)۔ (''ضیاء القرآن'' ۔ ۔ کرم شاہ الازہری' ج ۵' ص ۷۲۴)

اگر چہ اسلام نے جادو کے اثرات کو تسلیم کیا ہے لیکن یہ بات بہر حال ذہن نشین رہے کہ اسلام اپنے معاشرتی نظام میں جادو کے مسحور کن اثرات سے لاتعلقی ظاہر کرتا ہے ۔ اسلام نہ صرف غیر اللہ کی قوتوں کو تسلیم کرتا ہے بلکہ یہ بھی کہ کوئی ماسوا اللہ کے کسی اور سے بھی مدد لے سکتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ جادو کا شیطانی عمل اپنی قوت میں کمزور ہوتا ہے جیسا کہ قرآنِ حکیم نے کئی مقامات پر اس حقیقت کو بیان کیا ہے ۔

جادو کے لئے عربی کا لفظ ''سِحر'' ہے جس کا مصدر س ۔ ح ۔ رٗ ہے اور لفظ ''سِحر'' قرآنِ حکیم میں ۲۸ بار استعمال ہوا ہے (یعنی سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۰۲ ؛ سورۃ المائدۃ کی آیت ۱۱۰: سورۃ الانعام: ۷ ؛ سورۃ الاعراف: ۱۱۶ ؛ سورہ یونس: ۲' ۷۶' ۷۷' ۸۱ ؛ سورہ ھود: ۷ ؛ سورہ طٰہٰ: ۵۷' ۵۸' ۶۳' ۶۶' ۷۱' ۷۳ ؛ سورۃ الانبیاء : ۳ ؛ سورۃ الشعراء : ۳۵' ۴۹ ؛ سورۃ النمل: ۱۳ ؛ سورۃ القصص: ۳۶' ۴۸ ؛ سورہ سبا: ۴۳ ؛ سورہ الصّٰفّٰت : ۱۵ ؛ سورۃ الزخرف: ۲۹ ؛ سورۃ الاحقاف: ۷ ؛ سورۃ الطور: ۱۵ ؛ سورۃ القمر: ۲ ؛ سورۃ الصّف: ۶ ؛ اور سورۃ المدّثر کی آیت ۲۴ میں ۔

''سِحر'' کا لفظی معنی شعبدہ گری اور مسحور کرنا ہے ۔ اشتقاقی لحاظ سے (Etymologically) اس کا معنی ایسی گمراہی کی ترغیب ہے جو عملِ تنویم کئے گئے (Hypnotized) شخص پر اثر انداز ہوتی ہے۔

قرآن مجید کی افتتاحی سورۃ یعنی سورۃ الفاتحہ بھی طلسمات کی بڑی قوت والی چیز سمجھی جاتی ہے ۔ سوائے سات حروف (ج ۔ ز ۔ ژ ۔ ف ۔ ش ۔ خ ۔ ث) کے سورۃ الفاتحہ عربی کے تمام حروفِ تہجی کو شامل ہے ۔ اِن سات حروف کو ''سواقیط الفاتحہ'' کہا جاتا ہے ۔ طلسماتی کام کرنے والے اِن سات حروف کو جادوئی عمل میں بہت مؤثر سمجھتے ہیں اور اکثر اپنے عمل میں اُنہیں استعمال کرتے ہیں ۔ (انسائیکلو پیڈیا آف دی قرآن' جلد ۳' ص ۲۴۸)

سورۃ الفلق' سورۃ الناس اور سورۃ الفاتحہ کی تینوں سورتیں اپنے وقتِ نزول ہی سے کاغذ کے ٹکڑوں پر لکھے

جانے کی صورت میں طلسمات کے طور پر استعمال کی جاتی رہی ہیں جنہیں آدمی ایک خاص جستی کور میں بند کر کے ساتھ اٹھائے پھرتا ہے۔

درج بالا کے علاوہ دیگر قرآنی آیات بھی خطرے کو ٹالنے کے لئے استعال کی گئیں۔ مثال کے طور پر سورۃ الانبیاء (۲۱) کی درج ذیل آیت جسے مجاہدین دشمن کے وار سے بچنے کی امید میں جنگ میں ساتھ لے جاتے تھے:

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَأْسِكُمْ فَهَلْ أَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ O (الانبیاء: ۸۰)

''اور ہم نے داؤد کو تمہارے فائدہ کے لئے زرہ کی صنعت سکھا دی تھی تا کہ وہ تمہیں تمہاری لڑائی میں بچائے، تو کیا تم شکر ادا نہیں کرو گے؟'' (۸۰: ۲۱)

پاگل کتے کے کاٹنے یا کسی اور جانور کے خطرے سے بچنے کے لئے مجاہدین سورۃ المُلک کی درج ذیل آیت کا بھی استعال کرتے تھے:

أَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖ أَهْدٰى أَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ O (المُلک: ۲۲)

''کیا وہ شخص جو منہ کے بل اوندھا چل رہا ہے، زیادہ راہِ راست پر ہے یا وہ شخص جو سیدھی حالت میں صحیح راہ پر گامزن ہے؟'' (۶۷: ۲۲)

قرآن مجید میں دیگر جادوئی حاشیوں سے متعلق تعلیمات شامل ہیں۔ مثلاً سورہ فُصِّلَتْ کی آیات ۱۶، ۱۷ ابد نصیب اور منحوس دنوں کے بیان میں ہیں۔ مسلمانوں کے لئے خوش بخت دن سوموار، جمعرات اور جمعہ ہیں۔ الطبری (م ۳۱۰ھ/۹۲۳ء) کی مشہور روایت میں منگل کا دن وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ہر اُس چیز کو پیدا فرمایا جو انسان کے لئے سخت ناپسندیدہ ہے۔

موسیٰ علیہ السلام سے متعلق قرآنی بیانات بہ تکرار سورۃ البقرۃ، المائدۃ، الاعراف، یونس، الکھف، طٰہٰ اور سورۃ القصص میں آئے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام اُن جادوئی سحر انگیزیوں کو جڑ سے اکھیڑنے میں نمایاں طور پر ممتاز ہیں جنہوں نے فرعون کے مطلق العنان دَورِ حکومت میں مصریوں کی نفسیات پر روز افزوں بے مہار قبضہ کر رکھا تھا۔ سورہ طٰہٰ کی آیات ۵۶ تا ۷۰ آپ کے اُس جادوئی مقابلہ کے بیان میں ہیں جس میں آپ بہ حکمِ الٰہی فرعونی جادوگروں پر فاتح رہے۔

سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۰۲ اور اس میں سلیمان علیہ السلام کا حوالہ خصوصی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ یہ آیت روئے زمین پر جادو کی اغلب ابتدا کے متعلق بتاتی ہے۔ یہ ملکِ بابل میں ہاروت اور ماروت نامی دو فرشتوں کی حکایت کی بابت ہے۔

۳۶۱۹ (جادو۔۔MAGIC)

علامہ بیضاوی (م ۷۱۶ھ/۱۳۱۶۔۱۳۱۷ء) نے اپنے مختصر و جامع اور دوٹوک' بے ملاحظہ انداز میں ہاروت و ماروت کی تفسیر میں پورا ایک صفحہ وقف کیا ہے جبکہ علاّمہ زمخشری (م ۵۳۸ھ/۱۱۴۴ء) نے اپنی تفسیر ''الکشاف'' میں ڈیڑھ صفحہ وقف کیا ہے۔ یہ تفاسیر قرآن مجید میں پائے گئے ایک اور جادوئی اشارے کو زیرِ بحث لاتی ہیں جن میں سے ایک سورۃ الحِجر کی آیات (۱۵:۱۶تا۱۸)' سورۃ الصّافّات کی آیات (۳۷:۶تا۱۰)' سورۃ المُلک کی آیت (۶۷:۵) اور سورۃ الجن کی آیات (۷۲:۸'۹) میں ہے۔ یہ آیات بالتفصیل بتاتی ہیں کہ بعض اوقات شیطان کیسے فرشتوں کی باتوں کو سننے کے لئے فضائے بسیط کو پار کرتے ہوئے آسمانی حدود میں پہنچ جاتے ہیں اور پھر زمین کو اتر کر وہاں کے جادوگروں اور کاہنوں کو بڑی فریب کاری سے وہ باتیں سناتے ہیں۔☆

سورۃ النّمل کی آیت ۱۷' سورہ سبا کی آیت ۱۲تا۱۴' اور سورہ صٓ کی آیات ۳۶ تا ۳۸ میں قرآنِ حکیم بار بار سلیمان علیہ السلام' اُن کی خداداد جادوئی قوّتوں اور جنات کے ذریعے اُن کی مدد کا ذکر کرتا ہے۔ ایسے بیانات نے بعد کے یورپی ذرائع پر بڑا اثر ڈالا جن میں سلیمان علیہ السلام شیطانوں' جانوروں وغیرہ پر مافوق الفطرت قوّت کے مالک نظر آتے ہیں۔

احادیثِ مبارکہ بھی جادو کے متعلق بہت کچھ بیان کرتی ہیں۔ ابوسعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک حدیث میں سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کی حفاظتی قدر اور اس کے دفعِ بلا کے عمل (Exorcism) کے طور پر اسے بیان کرتے ہیں (صحیح بخاری ۵۷:۳۳)۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بیان کے مطابق نبی مکرّم ﷺ دفعِ بلا کے عمل کو بار بار پڑھنے اور رب تعالیٰ سے فریاد کرنے سے شِفایاب ہو گئے۔ صحابیِ رسول حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ہمارے اچھے خواب اللہ کی طرف سے جبکہ بُرے خواب شیطانوں کی طرف سے ہوتے ہیں۔ جب تم میں سے کوئی بُرا خواب دیکھے تو جاگنے پر تین بار لمبا سانس لے اور معوّذتین کی دونوں سورتوں کی تلاوت کرے جو ہماری ہر بری چیز سے حفاظت کرتی ہیں۔ اس طرح تمہارا خواب تمہیں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔'' (صحیح بخاری ۷۶:۳۹'۱۰)

قرآن و حدیث کے جادوئی اثر کو تسلیم کرنے کی بنیاد پر جادو کے مخصوص عنوانات پر اسلام کے مستند علماء' مضمون نگاروں اور علمی مقالہ نگاروں کا سلسلہ شروع ہوا اور اس موضوع پر عمرانیاتی یا نفسیاتی نقطہ نگاہ سے بہت سی

☆''اہلِ سائنس کا یہ قول کہ فضا میں بڑے وزنی پتھر چکر کھایا کرتے ہیں اور وہ ہوا سے رگڑ کھا کر روشن ہو جاتے ہیں اور کہیں زمین پر ٹوٹ کر گر پڑتے ہیں' قرآنی کی بتائی ہوئی حکمت کے ذرا بھی خلاف نہیں۔ قرآن کو اُن کی ترکیب و ساخت وغیرہ سے مطلق بحث نہیں۔ وہ تو اپنے موضوع کے اندر رہ کر صرف اتنا بیان کرتا ہے کہ اُن سے کام شیطان کے بھگانے کا بھی لیا جاتا ہے۔'' (تفسیر ماجدی اردو' صفحہ ۵۳۸' نوٹ:۹۸)

کتابیں لکھی گئیں، جن میں عوام الناس کو طلسماتی عمل کے طریقوں یا نظرِ بد سے بچنے کے طریقوں سے متعارف کرایا گیا۔

الغرض قرآن مجید کسی مافوق الفطرت ہستی کو الوہیت یا الوہیت کی صفات کا درجہ دینے کے رجحان کی مخالفت کرتا ہے تو وہ اُن کے وجود کا انکار نہیں کرتا۔ قرآن مجید کا مقصدِ عظیم تمام مخلوقات کا خواہ وہ مرئی ہوں یا غیر مرئی، ایک خدائے واحد کے حضور سر جھکا دینا ہے۔ (ملخص: انسائیکلوپیڈیا آف دی قرآن، جلد سوم، صفحات ۲۴۶ تا ۲۵۱)

جادوئی عمل کی اسلام میں حیثیت: اسلام جادو اور جادوگروں کی مذمت کرتا ہے۔ جادو سیکھنے والوں کے متعلق سورۃ البقرۃ میں فرمایا گیا:

وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ (البقرة: ۱۰۲)
''اور یہ لوگ اُن سے وہی چیزیں سیکھتے ہیں جو اُن کے لئے ضرر رساں ہیں اور اُنہیں فائدہ نہیں پہنچاتیں۔'' (۲:۱۰۲)

پیغمبر آخر الزماں ﷺ نے جادو کرنے کو اُن بڑے تباہ کن گناہوں میں شمار کیا ہے جو افراد کے تباہ کرنے سے پہلے قوموں کو برباد کر ڈالتے ہیں اور یہی جادو، جادوگر کو ذلت و رسوائی سے ہمکنار کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں آپ ﷺ کا فرمانِ عالی حسبِ ذیل ہے:

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوْبِقَاتِ قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا هُنَّ؟ قَالَ: اَلشِّرْكُ بِاللّٰهِ وَالسِّحْرُ وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَكْلُ الرِّبٰوا وَ اَكْلُ مَالِ الْيَتِيْمِ وَالتَّوَلِّیْ يَوْمَ الزَّحْفِ وَقَذْفُ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ الْغٰفِلٰتِ (مُتَّفق علیه)
''حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: سات تباہ کن گناہوں سے بچتے رہو۔ صحابہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! وہ سات گناہ کون سے ہیں؟ آپ نے فرمایا: (۱) اللہ کی ذات و صفات میں کسی کو شریک ٹھہرانا (۲) جادو (۳) اُس جان کا قتل کرنا جس کا قتل اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے بہ جز حق شرعی کے (۴) سود خوری (۵) یتیم کا مال کھانا (۶) میدانِ کارزار سے بھاگنا اور (۷) پارسا مومن عورتوں پر جو (برائی کے تصور سے بھی) بے خبر اور ناآشنا ہیں، تہمت لگانا۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

حافظ ابنِ حجر العسقلانی نے ''فتح الباری'' (شرح صحیح بخاری) میں جادو کے عمل پر بالتفصیل اس طرح بحث کی ہے:
''امام نووی کا کہنا ہے کہ جادو کرنا حرام ہے اور علمائے دین کے اجماع کی رُو سے یہ تباہ کن گناہوں میں شمار ہوتا ہے۔ جادو کی کچھ شکلیں کفر ہیں جبکہ اس کی کچھ اقسام ''کھلی بغاوت'' ہیں۔۔۔ بہر حال جادو کا سیکھنا اور سکھانا دونوں قطعی طور پر حرام ہیں۔''

کچھ فقہاء کے نزدیک جادو کفر ہے یا کفر کی طرف لے جانے والا ہے اور کچھ اس بات کی وکالت کرتے

ہیں کہ جادو کرنے والوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے تاکہ مسلم سماج اُن کی برائی سے پاک وصاف ہو جائے۔
قرآن مجید نے ہمیں جادوگروں کے عملِ بد سے اللہ کی پناہ میں آنے کی تعلیم دی ہے:

وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ (الفلق : ۴)

''اور گرہوں میں پھونک مارنے والی جادوگرنیوں (اور جادوگروں) کے شر سے
میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔'' (۱۱۳:۴)

نبی مکرّم علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا:
(۱) ''جادو کے عمل میں گرہوں پر پھونک مارنے والا اور جادو کرنے والا مشرک ہے۔'' (الطبرانی)
(۲) ''شرابی' جادو پر یقین کرنے والا' صلہ رحمی کو توڑنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔'' (صحیح ابن حبان)

جس طرح مسلمان کے لئے کسی نجومی' کاہن یا قسمت کا حال بتانے والے سے غیر مرئی رازوں کے متعلق مشورہ کرنا حرام ہے' اُسی طرح اُس کے لئے جادو یا جادوگر کی مدد لینا بھی حرام ہے چاہے وہ کسی بیماری کے دُور کرنے یا کسی مصیبت کے ٹالنے کے لئے ہی کیوں نہ ہو۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ایسے لوگوں کو اپنا بنانے سے انکار کر دیا ہے:
''وہ شخص ہم میں سے نہیں جو بدشگونی لیتا ہے یا جس کے لئے بدشگونی پیدا کی جاتی ہے' جو کاہنوں کا عمل کرتا ہے اور قسمت کا حال بتاتا ہے' جو جادو کرتا ہے یا کسی کو اپنے لئے جادو کرنے کو کہتا ہے۔'' (مسند البزار)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:
''جو شخص نجومیوں' رمالوں (پیشین گوئی کرنے والوں) کے پاس اُنہیں سچا سمجھتے ہوئے جاتا ہے' وہ محمد ﷺ پر اللہ کی طرف سے اتاری گئی نعمت (قرآن پاک) کا انکار کرتا ہے۔'' (المسند البزار)

''ایسی چیزوں کا گناہ صرف جادوگر ہی تک محدود نہیں بلکہ اُن لوگوں کو بھی شامل ہے جو اُس کے جادو پر یقین رکھتے ہیں' اُس کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں اور اُس کی کہی ہوئی بات پر اعتماد کرتے ہیں۔ جادو کا گناہ اور بھی عظیم تر اور شرمناک حد تک بڑھ جاتا ہے جب اُسے اُن کاموں کے لئے استعمال کیا جائے جو بذاتِ خود حرام ہیں مثلاً میاں بیوی کے درمیان نفرت وجدائی کا بیج بونا (سورۃ البقرۃ:۱۰۲)' جسمانی طور پر کسی کو نقصان پہنچانا اور اس طرح کے دوسرے گناہ جن کے جادوگر عام طور پر مرتکب پائے گئے ہیں۔'' (''الحلال و الحرام فی الاسلام'')۔۔ ڈاکٹر یوسف علی القرضاوی: انگریزی ترجمہ' صفحات ۲۴۲'۲۴۳)

<u>معجزہ بہ مقابل جادو</u>: معجزہ اور جادو کے درمیان کیسے تمیز کی جائے' ایک گرما گرم سوال رہا ہے۔ انتہائی آسان پیرائے میں اسے یوں بیان کیا جاسکتا ہے:

۳۶۲۲ (جادو ۔۔MAGIC)

(۱) اللہ کے پیغمبر کی بنیاد اُن تعلیمات پر ہوتی ہے جو وہ گم کردہ راہ لوگوں کو اُن کی دونوں دنیاؤں میں فلاح و بہبود کی خاطر دیتا ہے۔ پیغمبر کو عطا کردہ معجزہ بالعموم اُس کی پیغمبری کی تصدیق و توثیق کی علامت کے طور پر ہوتا ہے جس کے چیلنج کو قبول کرنے کی کسی میں جرأت نہیں ہوتی۔ اسی لئے اس چیلنج کو قبول نہ کرسکنے کی وجہ سے لوگوں کا عاجز ہونا ظاہر ہوجاتا ہے اور اسی لئے اس علامت کو ''معجزہ'' (جو 'عاجز'' سے ہے) کا نام دیا گیا۔ لوگوں کی اس عاجزی کو جادو کے کسی بھی زور سے اُن کی اہلیت اور اُس کام کرنے کی صلاحیت ہونے میں تبدیل نہیں کیا جاسکتا چاہے جادوگر اپنے فن میں کتنے ہی ماہر اور مردِ میدان کیوں نہ ہوں۔ اس ناقابلِ انکار تاریخی حقیقت کی مثال موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے ہم عصر مصری جادوگروں کے مابین مقابلہ کی ہے۔

(۲) چونکہ معجزہ قادرِ مطلق اللہ کی ظاہر و باہر علامت ہوتا ہے' اس لئے اس کا انحصار علت و معلول کے قانون (Law of Causality) پر نہیں ہوتا' جبکہ جادو ایک تدوین شدہ فن ہوتا ہے اور اس کا انحصار کچھ مخصوص اصولوں پر ہوتا ہے اگرچہ اُن اصولوں کا علم عوام الناس کو نہ ہو۔

(۳) جادوگر اُن مخصوص اصولوں کے علاوہ اپنے جادو کی سحر انگیزیاں حالات کی مصلحت کو نظر انداز کرتے ہوئے کسی بھی وقت دکھا سکتا ہے جبکہ اللہ کا پیغمبر معجزہ صرف اللہ کے حکم ہی سے دکھا سکتا ہے جو صرف حالات کی مصلحت کے تحت ہوتا ہے۔

(۴) جادوگر کی عام زندگی بدعملیوں اور لوگوں کو اذیّت پہنچانے سے عبارت ہوتی ہے۔ عوام الناس میں اُس کا تصوّر شیطان سے کم نہیں ہوتا جس کی جادوئی قوّتوں اور مہارتوں سے وہ خوف کھاتے ہیں۔ اس کے برعکس نبی اور رسول کی تمام زندگی حق و صداقت' خلوص' پاکیزگی' پارسائی اور تمام مخلوقاتِ خدا سے ہمدردی کا دوسرا نام ہوتی ہے۔ اُس کا کردار دامانِ سحر سے بڑھ کر روشن اور بے داغ ہوتا ہے اور بے داغ سپیدۂ سحر کی طرح جاذب اور درخشاں اور تابندہ ہوتا ہے۔ جادوگر ناپسندیدہ اور قابلِ نفرت ہوتا ہے جبکہ نبی اور رسول انسانیت دوستی کا صحیح نشان ہوتے ہوئے محبوب اور پسندیدہ ہستی ہوتا ہے۔

(۵) اللہ کا رسول اور نبی اللہ ہی کی اجازت سے معجزہ دکھاتا ہے اور جادوگر کی طرح یہ اُس کا پیشہ نہیں ہوتا بلکہ وہ اسے مخصوص اوقات میں جبکہ ایک طرف اپنی نبوت و رسالت کی توثیق میں پیش کرتا ہے تو دوسری طرف پیغامِ الٰہی کو عام کرنے میں اُسے دکھاتا ہے۔ اُس کی زندگی کی عصمت اور پاکیزگی کردار کو سب لوگ تسلیم کرتے ہیں کیونکہ وہ شروع ہی سے اُنہی میں رہ رہا ہوتا ہے (سورہ یونس:۱۶)' خواہ لوگ اُسے مشکوک نگاہ سے دیکھیں یا اُس کے پیغمبر من جانب اللہ ہونے کا انکار کردیں۔ اسی لئے وہ اُس سے اُس کے پیغمبر ہونے کی صداقت کا ثبوت مانگتے ہیں۔

اگر جادو اور معجزہ کسی بھی وقت ایک دوسرے کے مقابل آجائیں تو شکست' ذلت و رسوائی جادوگر کا مقدر

بن جاتے ہیں چاہے جادوگر اپنے فن میں کتنے بڑے ماہر اور مردِ میدان کیوں نہ ہوں۔'' (قصص القرآن'' جلد اوّل' صفحات ۴۲۷ تا ۴۲۹۔۔ مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی)

(۶) جادوگر کا بندھا ہوا طریقہ خالصتاً مصنوعی نیند طاری کرنے (Hypnosis) کا ہوتا ہے یا جسے ہم ہاتھ کی صفائی کہتے ہیں یعنی ایسی کیفیت طاری کرنا جس میں آدمی کامل شعور میں ہوتا دکھائی دیتا ہے لیکن وہ شعبدہ بازی سے اتنا متاثر ہو جاتا ہے کہ وہ کسی بھی چیز کے بارے میں سوچ تک نہیں سکتا۔ یہ حقیقت سورۃ الاعراف کی آیت ۱۱۶ کے الفاظ سَحَرُوْا اَعْيُنَ النَّاسِ (اُن جادوگروں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا) سے ثابت ہے۔

اس مسئلہ کے متعلق ایک جدید مستند سکالر کا بیان ہے:
''فرعون کے جادوگروں کے سحر زدہ کرتبوں کو ہاتھ کی صفائی کے علاوہ کوئی اور نام دینا غلط ہے۔''
(Cheyne and Black's Encyclopaedia Biblica)

اسی قسم کے نظریہ کا اظہار Rawlinson نے کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ:
''وہ چالاک و ہوشیار شعبدہ باز تھے اور ہاتھ کی صفائی دکھانے میں ماہر تھے۔'' ("Moses : His Life and Times", p. 93)

اس کے برعکس معجزہ خالص صداقت پر مبنی ہوتا ہے اور اُس میں نیند کی کیفیت طاری کرنے (Hypnosis) کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ مثلاً کفارِ مکّہ کے مطالبے پر جب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُنہیں چاند کو دولخت کرنے کا معجزہ دکھا دیا تو یہ معجزہ نہ صرف مکہ (عرب) کے کچھ لوگوں نے دیکھا بلکہ غیر ممالک میں بھی دیکھا گیا۔

جسٹس کرم شاہ الازہری نے ''ضیاء القرآن'' جلد پنجم کے صفحہ ۵۲ پر بیان کیا ہے کہ علامہ سیّد سلیمان ندوی نے اپنی کتاب ''خطباتِ مدراس'' میں لکھا ہے کہ ابھی ابھی سنسکرت کی پرانی کتاب ملی ہے جس میں لکھا ہے کہ مالابار کے راجہ نے اپنی آنکھوں سے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔

''بعض لوگ اس وجہ سے اس واقعہ کا انکار کرتے ہیں کہ اتنا بڑا کرہ پھٹ کر دو ٹکڑے ہو جائے اور وہ دونوں ٹکڑے آ کر جُڑ جائیں' یہ ناممکن ہے لیکن جدید سائنسی تحقیقات کی روشنی میں اسے ناممکن کہنا مشکل ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک کرہ کے اندر آتش فشاں مادّہ ہو اور وہ اس طرح سے پھٹے کہ اُس کے دو ٹکڑے ہو جائیں لیکن مرکز کی مقناطیسی قوّت اتنی طاقتور ہو کہ وہ ان دونوں ٹکڑوں کو پھر سے یک جا کر دے۔ ہمیں اِن تکلفات کی تب ضرورت پیش آتی جب چاند پھٹنے کا واقعہ خود بخود رونما ہوا ہوتا۔ جب ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب علیہ السلام کی رسالت کی تصدیق کے لئے چاند کو دو ٹکڑے کر دیا تو اَب کسی کو شک کی مجال نہیں کیونکہ جس خالقِ حکیم نے اس چاند کو بنایا ہے' وہ اُسے توڑ بھی سکتا ہے اور توڑ کر جوڑ بھی سکتا ہے۔''

''جولوگ کہتے ہیں کہ انشقاقِ قمر (چاند کا پھٹنا) وقوعِ قیامت کے وقت ہوگا' قرآنِ حکیم کا سیاق وسباق اُن کی اِس توجیہ کو قبول نہیں کرتا کیونکہ سورۃالقمر کی آیت دوم کا اِنْ یَّرَوْا آیَۃً یُّعْرِضُوْا (اگر وہ کفار کوئی نشانی یعنی معجزہ دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں) جملہ صاف بتا رہا ہے کہ اُنہوں نے چاند کا پھٹنا دیکھا اور اتنے عظیم الشان اور محیر العقول معجزہ کا مشاہدہ کیا لیکن پھر بھی ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ یہ کلام اسی وقت درست ہو سکتا ہے جبکہ شقِ قمر ہو چکا ہو۔ اُنہوں نے اس معجزہ کا خود مطالبہ کیا تھا اور وعدہ کیا تھا کہ اگر یہ معجزہ اُنہیں دکھا دیا جائے تو وہ ضرور ایمان لائیں گے۔ لیکن جب یہ معجزہ ظہور پذیر ہوا تو اُنہیں ایمان کی توفیق نہ ہوئی۔ الٹا اُسے سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ (یہ ایک بڑا زبردست جادو ہے) کہنے لگے۔''

''مُسْتَمِرٌّ کے دو معنیٰ بیان کئے گئے ہیں: ایک یہ کہ یہ مِرَّۃ (بمعنیٰ قوّت) سے ماخوذ ہے۔ اس صورت میں معنیٰ یہ ہوگا کہ اُن کا جادو بڑے زور والا ہے' زمین پر ہی نہیں' آسمانی چیزوں پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔''

''مُسْتَمِرٌّ کا ایک اور معنیٰ گزر جانے والا ہے۔ اس صورت میں جملہ کا مقصد یہ ہوگا کہ کفارِ مکّہ اپنے دوستوں کو تسلی دینے لگے کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ پلک بھر شقِ قمر ہوا پھر ٹھیک ہو گیا۔ یہ آنی جانی چیز تھی۔ لوگ اسے جلد بھول جائیں گے۔ ہمارے بتوں کی خدائی کو ایسے جادو سے کوئی خطرہ نہیں۔'' (ضیاء القرآن' ج ۵)

(۷) کوئی شک نہیں کہ جادو اور معجزہ دونوں ہی اللہ قادرِ مطلق کی تخلیق ہیں۔ اُس نے جادو کو لوگوں کے ایمان کو پرکھنے کے لئے پیدا فرمایا جبکہ اُس نے اپنے انبیاء علیہم السلام کو اُن کی نبوت و رسالت کی تصدیق و توثیق کے لئے معجزات عطا فرمائے۔ اس لحاظ سے یوں کہئے کہ معجزہ کے پیچھے الٰہی ہاتھ اور اُس کی رضا ہوتی ہے جبکہ جادو ایسی عنایت سے محروم ہوتا ہے۔

(۸) جادوگر اپنی فطرت کے لحاظ سے پیشہ ور ہوتا ہے' مالی مقاصد اُس کا محرّک ہوتے ہیں اور اُسے لوگوں کی فلاح و بہبود کا کوئی خیال نہیں ہوتا۔ مصنوعی نیند طاری کرنے (Hypnosis) کی شعبدہ بازی کے ذریعے وہ لوگوں کو خاک اور کوڑا کرکٹ سے پیسہ بنا تا دکھاتا ہے لیکن فن کے مظاہرے کے اختتام پر وہ اُس رقم کی آرزو اور ارمان رکھتا ہے جو اُس نے چند منٹ پہلے بنائی تھی۔ لیکن معجزے کا حامل اللہ کا پیغمبر ایسے گھٹیا اور ناپاک مقاصد سے بہت ہی دُور دُور ہوتا ہے' اُس کا تمام تر مقصد مخلوقِ خدا کو صرف اپنے خالق کے روزی رساں ہونے پر پختہ ایمان رکھتے ہوئے اُس کے حضور جھکا دینا ہوتا ہے۔

(۹) جادوگر نوازش و رحمتِ خداوندی سے محروم ہونے کی بناء پر بدنصیب انسان ہوتا ہے۔ کسی کو اُس سے مفاد کی امید نہیں رکھنی چاہئے۔ اُس کا وجود اپنے ابنائے جنس کو نقصان پہنچانے اور اُنہیں دکھ دینے کے سوا کچھ

نہیں ہوتا۔سورہ طٰہٰ (۲۰) کی آیت ۶۹ میں ارشاد ہوا : وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتَىٰ (اور جادوگر جہاں بھی آئے گا' فلاح نہیں پائے گا)۔ یعنی (i) وہ ہر جگہ معرکہ جیت نہیں سکتا بالخصوص حق و صداقت کی موجودگی میں یا (ii) فریب کاری اور جادوگری کا انجام بالآخر بُرا اور سبق آموز ہوتا ہے۔

(۱۰) جادوگر کا جادو اُس کی نیند کے دوران کوئی کارکردگی نہیں دکھاتا جبکہ یہ کیفیت اللہ کے پیغمبر کے ساتھ نہیں ہوا کرتی۔موسیٰ علیہ السلام جب سو جاتے تو اُن کا عصا آپ کے پہرے دار کا کام کرتا اور کسی بھی ناخوشگوار وقوعے کے مقابل تمام وقت آپ کی حفاظت میں گزارتا۔(تفسیر نعیمی۔۔مفتی اقتدار احمد خان' جلد ۱۶' صفحہ ۶۳۰)

نظرِ بد (EVIL EYE) : جس طرح قرآن مجید جادو اور شعبدہ بازی کے عملیات اور اُن کے نتیجہ میں مرتب ہونے والے اثرات کو تسلیم کرتا ہے' اسی طرح وہ نظرِ بد کے وجود اور اس کے بُرے اثرات کو بھی تسلیم کرتا ہے۔مثلاً جب فرزندانِ یعقوب علیہ السلام مصر کو وہاں کے وزیرِ مالیات (جناب یوسف) سے خوراک کا راشن لینے جا رہے تھے تو اُن کے والد یعقوب علیہ السلام نے اُنہیں الوداع کہتے ہوئے یہ نصیحت کی:

يَا بَنِيَّ لَا تَدْخُلُوا مِنْ بَابٍ وَّاحِدٍ وَادْخُلُوا مِنْ أَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ وَمَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ (یوسف : ۶۷)

''اے میرے بیٹو! (شہر میں) ایک دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے (تقسیم ہو کر) داخل ہونا اور میں تمہیں اللہ (کے امر) سے کچھ نہیں بچا سکتا۔'' (۶۷ : ۱۲)

فرزندانِ یعقوب علیہ السلام صحت مند' مضبوط و توانا اور حسین و جمیل نوجوان تھے۔اُن کے والد یعقوب علیہ السلام نے اُنہیں شہر کے ایک ہی دروازے سے اکٹھے داخل ہونے سے روکا اور نصیحت کی کہ اُن میں سے ہر ایک فرداً فرداً تقسیم ہو کر اپنے اپنے دروازے سے داخل ہو تاکہ وہ کسی نظرِ بد کا شکار نہ ہو جائیں۔لہٰذا آیتِ مذکورہ واضح طور پر ''نظرِ بد'' سے بچنے کی ترغیب میں ہے۔

نظر بد کے اثرات تو ہمارے نبی آخر الزماں ﷺ پر بھی تسلیم ہونے کی حد تک مرتب ہوئے جس کی بابت اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو سورۃ القلم (۶۸) کی آیت ۵۱ میں یوں خطاب کیا:

وَإِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُوْلُوْنَ إِنَّهُ لَمَجْنُوْنٌ O

''اور بیشک کافر لوگ جب قرآن سنتے ہیں تو یوں لگتا ہے کہ آپ کو اپنی (حاسدانہ بد) نظروں سے نقصان پہنچانا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو دیوانہ ہے۔'' (۵۱ : ۶۸)

نظرِ بد کے بارے میں ایک حدیثِ نبوی کا مضمون یہ ہے :

۳۶۲۶ (جادو۔۔MAGIC)

اِنَّ الْعَیْنَ لَتُدْخِلُ الرَّجُلَ الْقَبْرَ وَالْجَمَلَ الْقِدْرَ (ضیاء القرآن جلد۲' صفحہ۴۴۳)
''کوئی شک نہیں کہ نظرِ بد آدمی کو قبر میں اور اونٹ کو ہانڈی میں پہنچا دیتی ہے۔''

روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے دونوں نواسوں حسن اور حسین علیہما السلام پر یہ کلمات پڑھ کر دَم کیا کرتے تھے :
اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّةِ مِنْ کُلِّ شَیْطَانٍ وَھَامَّةٍ وَّمِنْ کُلِّ عَیْنٍ (تفسیر نعیمی'ج۱۶'ص۶۳۵)

تعویذات اور کڑے' دست بند (Amulets and Charms): کڑوں' دست بندوں اور سمندری صدفوں اور سیپیوں کا لٹکانا اور اسی قسم کے دوسرے کام اس عقیدے سے کرنا کہ وہ کسی بیماری کا علاج ہیں یا اُس بیماری کے خلاف تحفظ کا کام دیں گے' یہ سب اَز قبیلِ جادو ہیں۔ اکیسویں صدی میں بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو گھوڑے کے نعل کو دروازے پر لٹکاتے ہیں۔ علاوہ ازیں ہم آج بھی مختلف ممالک میں ایسے ڈھکوسلے باز (Charlatans) پاتے ہیں جو سیدھے سادہ لوگوں کو تعویذات اور دست بند لکھ کر اُن کی جہالت کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس کے لئے وہ طلسماتی خطوط کھینچتے ہیں اور عجیب وغریب منتر اس دعوٰی کے ساتھ پڑھتے ہیں کہ یہ عمل اُن کے پہننے والے کو بدروحوں کے حملوں' شیطانی اثرات' نظرِ بد اور حسد وغیرہ سے بچائے رکھے گا۔

کسی بیماری کے روکنے اور اُس کے علاج سے متعلق اسلام نے جانے پہچانے طریقے مقرر کیے ہیں اور اُن لوگوں کی مذمت کی ہے جو اُن طریقوں سے روگردانی کرتے ہیں اور فریبی' دھوکے باز لوگوں کے فریب کارانہ طریقوں میں پناہ لیتے ہیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

(i) ''علاج تلاش کرو اس لئے کہ جس نے بیماری پیدا کی ہے' اُس نے اس کا علاج بھی پیدا کیا ہے۔''
(مسند امام احمد)

(ii) ''تین چیزوں میں شفا ہے: شہد کے پینے میں' سینگی لگانے میں اور خون روکنے کے لئے کسی گرم آلے سے داغنے یا جھلسانے میں۔''

ہمارے اس زمانہ میں علاج کے اِن تینوں طریقوں میں تمام وہ ادویات جو منہ اور عملِ جراحی کے ذریعے لی جاتی ہیں اور وہ تمام علاج شامل ہیں جن میں حرارت اور برقی قوّت کی ضرورت ہوتی ہے۔

جہاں تک منکوں' سمندری صدفوں اور سیپیوں' کڑوں اور طلسماتی تعویذات کے پہننے یا اُن منتروں کا تعلق ہے جو کسی بیماری کے علاج یا اُس کے روکنے میں پڑھے جاتے ہیں' ایسے تمام عمل قطعی جہالت اور سراسر گمراہی ہیں' وہ الٰہی قوانین کے خلاف ہیں اور ''توحید'' کے انکار میں ہیں۔

عقبٰی بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس دس افراد کے گروپ

کے ساتھ حاضر ہوئے۔ نبی اکرم ﷺ نے اُن میں سے نو اَفراد کی بیعت قبول فرمالی لیکن دسویں کو رہنے دیا۔ آپ سے اِس کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا: اُس کے بازو پر طلسماتی تعویذ باندھا ہوا ہے۔ اُس آدمی نے وہ تعویذ پھاڑ دیا' تب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ فرماتے ہوئے اُس کی بیعت کو قبول فرمایا:
''تعویذ' گنڈوں کا پہننے والا مشرک ہے۔'' (مسند احمد بن حنبل' المستدرک للحاکم)

آپ نے یہ بھی فرمایا:
''اللہ اُس شخص کی امیدوں کو پورا نہ کرے جو طلسماتی چیز پہنتا ہے' اللہ اُس شخص کی حفاظت نہ کرے جو سمندری صدف اور سیپیاں پہنتا ہے۔'' (ایضاً)

عُمران بن حصین بیان کرتے ہیں کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک آدمی کو اپنے بازو پر پیتل کا دست بند پہنے ہوئے دیکھا تو اُس سے فرمایا: ''افسوس ہے تجھ پر' یہ کیا ہے؟'' اُس نے جواب دیا: ''یہ مجھے کمزوری سے محفوظ رکھنے کے لئے ہے۔'' اس پر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:
''دراصل یہ تو تمہاری کمزوری کو بڑھاتا ہے۔ اُسے پھینک دو اس لئے کہ اگر تم اسے پہنے ہوئے مر گئے' تم فوز و فلاح سے کبھی ہمکنار نہ ہوسکو گے۔'' (احمد' صحیح ابن حبّان' ابنِ ماجہ)

یہ تعلیماتِ نبوی آپ کے صحابہ کرام کے قلوب و اَذہان میں پیوست ہوگئیں اور اُنہوں نے ایسے جھوٹے اور گمراہ کن عملیات کو ردّ کر دیا' نہ تو اُنہیں قبول کیا اور نہ ہی اُن پر ایمان رکھا۔ عیسیٰ بن حمزہ بیان کرتے ہیں کہ میں عبداللہ بن حکیم کی عیادت کرنے گیا جو بخار میں مبتلا تھے۔ میں نے اُنہیں کہا کہ آپ کوئی طلسماتی چیز کیوں نہیں پہن لیتے؟ اُنہوں نے جواب دیا: میں اُس سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ ایک اور روایت کے مطابق آپ نے کہا: میرے نزدیک موت اس سے زیادہ قابلِ ترجیح ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ اپنی بیوی کو گردن کے گرد گرہ شدہ دھاگا پہنے ہوئے دیکھا۔ آپ نے اُسے کھینچ کر توڑ دیا اور فرمایا: عبداللہ کے اہلِ خانہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانے سے پاک ہیں جس کے لئے اُس نے کوئی سند نہیں اتاری۔ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا: منتر' گنڈے اور جادوئی بول (Spells) سب کے سب شرک ہیں۔ کسی نے آپ سے پوچھا: اے ابو عبدالرحمن! (جیسا کہ انہیں بالعموم اس کنیت سے پکارا جاتا تھا) ہمیں منتروں اور (طلسماتی) گنڈوں کا تو علم ہے لیکن جادوئی بول کیا ہوتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ چیز جو عورتیں اس مقصد کے لئے پہنتی ہیں کہ خاوند اُن سے محبت کرے۔ اسی طرح جادوئی بول بھی اپنے اندر جادو کی کیفیت کا حامل ہے۔

''علماء کا کہنا ہے کہ اگر منتر کسی غیر ملکی زبان میں ہو کہ دوسرا اسے سمجھ ہی نہ سکے کہ کیا لکھا ہے' تو اس ڈر کے مدِّنظر اُن کی بھی ممانعت ہے کہ وہ کہیں کفر اور جادو کے ساتھ نہ مل جائیں۔ تاہم اگر لکھا گیا یا پڑھا گیا سمجھا جا

سکتا ہو اور اُس میں اللہ کا ذکر بھی ہو تو یہ قابلِ ستائش ہے کیونکہ پھر یہ اللہ تعالیٰ سے التجا بن جاتا ہے اور علاج یا دوا نہیں رہتا۔ زمانہ جاہلیت کے منتر جادوئی طریقوں' مشرکانہ محاورات اور غیر معقول کلمات کے ساتھ ملا دئے جاتے تھے۔

روایت ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیوی کو ایسے جاہلی منتر پڑھنے سے روکا تو اُنہوں نے آپ کو بتایا کہ ایک دن میں باہر نکلی اور فلاں شخص کو دیکھا تو میری ایک آنکھ سے پانی بہنا شروع ہوا (بہ ایں معنی کہ یہ اُس کی نظر بد اور حسد کا اثر تھا) لیکن جب میں نے ایک منتر پڑھا تو پانی بہنا بند ہو گیا اور جب میں اُسے پڑھنا چھوڑ دیتی تو آنکھ سے پانی بہنا پھر شروع ہو جاتا۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: وہ شیطان ہے۔ جب تم اُس کا کہنا مانتی ہو تو وہ تمہیں اکیلا چھوڑ دیتا ہے اور جب تم اُس کا کہنا نہیں مانتیں تو وہ تمہاری آنکھ میں اپنی انگلی گھونپتا ہے۔ لیکن اگر تم ایسا کرو جیسا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا تو وہ تمہارے لئے بہتر ہوگا اور اغلباً تمہاری آنکھ کو رُو بہ صحت کر دے گا۔ پانی سے آپنی آنکھ کو دھوڈالو اور یہ کہو:

''اے نوعِ انسان کے آقا و مالک! میری تکلیف کو دُور کر دے' مجھے صحت دے دے کیونکہ تو ہی صحت و شفا دینے والا ہے۔ تیرے علاج کے بغیر اور کوئی علاج نہیں ہے جو اپنے پیچھے کوئی بیماری نہیں رہنے دیتا۔'' (ابنِ ماجہ)

<u>بدشگونی (Omens)</u>: کچھ چیزوں' مقامات و اوقات' افراد اور اس قسم کی چیزوں سے بدشگونی لینا پہلے بھی تھا اور اب اِس دَور میں بھی ہے۔ زمانہ قدیم میں صالح علیہ السلام کی قوم نے اُن سے کہا تھا:

قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ (النَّمل : ۴۷)

''ہمیں تم سے (بھی) نحوست پہنچی ہے اور اُن لوگوں سے (بھی) جو تمہارے ساتھ ہیں۔'' (۲۷ : ۴۷)

جب کبھی فرعونیوں پر کوئی اُفتاد پڑتی تو وہ اُسے بدشگونی سمجھتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کی طرف منسوب کرتے (بحوالہ سورۃ الاعراف: ۱۳۱)۔

جب کبھی اللہ تعالیٰ نے کافروں کو کوئی آفت ناگہانی بھیج کر اُنہیں آزمانا چاہا تو وہ وقت کے پیغمبر سے یہی کہا کرتے:

إِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ (یٰسٓ : ۱۸) ''ہمیں تم سے نحوست پہنچی ہے۔'' (۳۶ : ۱۸)

تو پیغمبروں کا جواب یہ ہوتا:

''طَائِرُكُم مَّعَكُمْ أَئِن ذُكِّرْتُم بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ'' مُّسْرِفُونَ O (یٰسٓ : ۱۹)

''تمہاری نحوست تمہارے ساتھ چپکی ہوئی ہے' کیا نحوست یہ ہے کہ تمہیں نصیحت کی گئی؟ اصل یہ ہے کہ تم ہی حد سے نکل جانے والے لوگ ہو۔'' (۳۶ : ۱۹)

یعنی تمہاری بدشگونی کا سبب تمہارے اپنے رویّہ میں ہے جو تمہارے کفر' ہٹ دھرمی اور اللہ اور اُس کے

رسولوں کے مقابل تمہاری نخوت وغرور کا نتیجہ ہے۔

جاہلی عربوں کی ایسی عملیات کی طول طویل تاریخ ہے جن کا تعلق مختلف عقائد سے تھا اور جو طلوعِ اسلام کے وقت تک اُن میں رائج رہے۔ اسلام نے ایسے تمام نظریات وعقائد کی بیخ کنی کی جس سے لوگوں نے معقولیتِ صحیحہ کی طرف رجوع کیا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سلسلہ میں فرمایا:

''ریت میں خطوط کھینچنے' پرندوں کی پروازوں اور پتھر پھینکنے سے بدشگونی لینا سب شرک سے متعلق کام ہیں۔'' (ابوداؤد' النسائی' صحیح ابنِ حبان)

بدشگونی کی بناء نہ تو سائنس میں ہے اور نہ ہی حقیقت میں بلکہ یہ ذہن کی کمزوری اور ایک توہم ہے۔ ایک ذی ہوش' عقلمند انسان اس بات پر کیسے یقین کرسکتا ہے کہ کوئی خاص شخص یا جگہ' پرندے کی آواز' گوشۂ چشم کا پھڑکنا یا کسی چیز کا سننا بدخبری کا سبب بن سکتا ہے؟ اگرچہ انسانی فطرت میں کوئی ایسی کمزوری ہو جو کچھ چیزوں سے بدشگونی لینے کی طرف راہ نمائی کرتی ہو تو آدمی کو اس کمزوری کے آگے ہتھیار نہیں ڈال دینے چاہئیں بالخصوص جبکہ کوئی فیصلہ کیا جانا ہو یا کسی کام کے لئے کوئی عملی قدم اٹھانا ہو۔ ایک حدیث میں فرمایا گیا:

''کوئی بھی شخص ان تین چیزوں سے خالی نہیں ہے: شک وشبہ' بدشگونی لینا اور حسد کرنا۔ اگر تمہیں کوئی شک وشبہ ہے تو اس پر عمل مت کرو' اگر تم کسی چیز سے بدشگونی لو تو اُس کی طرف رجوع نہ کرو اور اگر تم کسی سے حسد کرتے ہو تو حد سے آگے نہ بڑھو''۔ (الطبرانی)

اس طرح یہ تین چیزیں محض خیال ہی رہیں گی جو اصل رویہ پر اثرانداز ہوئے بغیر ذہن پر اپنا اثر چھوڑ جاتی ہیں' اللہ تعالیٰ اُنہیں معاف فرمادے گا۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ہم میں سے کوئی بھی شخص ان سے اثر لئے بغیر نہیں رہتا لیکن اللہ تعالیٰ ایسے اثرات کو اُس پر ہمارا ایمان واعتماد ہونے کے سبب دُور کردیتا ہے۔''

یعنی ہم میں سے کوئی ایسا شخص نہیں جو کسی نہ کسی وقت میں اس کمزوری سے اثر نہ لیتا ہو' یہ کمزوری اُس شخص کے دل سے دُور کردی جاتی ہے جو اللہ کی طرف اُس پر توکل کرتے ہوئے رجوع کرتا ہے اور ایسے خیالات اُسے پریشان نہیں کرتے۔

<u>جاہلی رسوم ورواج کے خلاف جنگ</u> : ایک طرف تو اسلام نے اُن جاہلی عقائد اور توہمات پر حملہ کی

تحریک چلائی جومعقولیت' اخلاقیات اور اندازِ حیات کے لئے خطرے کا موجب تھے جبکہ دوسری طرف جاہلی رسوم ورواج کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی جو شدید قوم پرستی' مفتخرانہ خودستائشی' غرور ونخوت اور اپنے قبیلے کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کی پیداوار تھے۔

اسلام میں قوم پرستی کا تصوّر تک نہیں: اس سمت میں اسلام کا پہلا قدم ہرقسم کی طبقاتی قوم پرستی کو خاک میں ملا دینا تھا۔ اسلام نے مسلمانوں کو قوم پرستی کے تنازعات کو از سرِ اٹھانے یا دوسروں کو اس کی طرف بلانے سے روکا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قوم پرستی کا شکار ہونے والوں سے اپنی ہرقسم کی ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کا اعلان فرمایا ہے:

''دوسروں کو طبقاتی قوم پرستی کی دعوت دینے والا ہم میں سے نہیں' طبقاتی قوم پرستی کی خاطر لڑنے والا ہم میں سے نہیں اور طبقاتی قوم پرستی کے نظریہ پر مرنے والا ہم میں سے نہیں۔'' (ابوداؤد)

واثلہ بن عطاء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! قوم پرستی کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ کہ تم اپنے لوگوں کی غلط کاری میں اُن کی مدد کرو۔''

اور قرآنِ حکیم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوا:

(i) یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰامِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ وَلَوْ عَلٰی اَنْفُسِکُمْ اَوِالْوَالِدَیْنِ وَ الْاَقْرَبِیْنَ (اَلنسآء: ۱۳۵)

''اے ایمان والو! انصاف پر خوب قائم رہنے والے اور اللہ کے لئے گواہی دینے والے رہو' چاہے وہ تمہارے یا (تمہارے) والدین اور قرابت داروں کے خلاف ہی ہو۔'' (۱۳۵ : ۴)

(ii) وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰی اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی (المائدۃ: ۸)

''اور کسی جماعت کی دشمنی تمہیں اس پر نہ آمادہ کرے کہ تم اُس کے ساتھ انصاف ہی نہ کرو' انصاف کیا کرو کہ وہ تقویٰ سے بہت قریب ہے۔'' (۸: ۵)

اُنْصُرْ اَخَاکَ ظَالِمًا اَوْمَظْلُوْمًا یعنی اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ صحابہ کرام حیران ہوئے اور ختمی مرتبت آقا ﷺ سے پوچھنے لگے: مظلوم کی مدد کرنا تو ہماری سمجھ میں آتا ہے لیکن ظالم کی کیسے مدد کی جائے؟ آپ نے فرمایا: تمہارا اُسے اُس کے ظلم سے روک دینا ہی اُس کی مدد کرنا ہے۔'' (کہ وہ عذابِ آخرت سے بچ جائے گا)۔

اِن بیانات سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ قومیت یا نسل پرستی کی طرف دعوت دینا ''جاہلیت'' کی دعوت ہے اور قرآن' صاحبِ قرآن ﷺ اور اسلام نے اسے کلیتاً مسترد کر دیا ہے۔ (الحلال والحرام فی الاسلام' ص ۲۴۳۔۲۴۹)

(۱۴۴) مقناطیسیت (Magnetism)

''مقناطیس لوہے یا دوسری کسی دھات کا ٹکڑا ہوتا ہے جو یا تو قدرتی طور پر یا برقی رَو (Electric Current) کو اُس میں سے گزارنے کے ذریعے سے لوہے کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ جب کسی روک ٹوک کے بغیر مقناطیس کو آزادانہ لٹکایا جائے تو اُس کا رخ شمالاً جنوباً ہوگا۔'' (آکسفورڈ ایڈوانسڈ لرنرز ڈکشنری، صفحہ ۷۰۶)

''مقناطیسیت ایسی قوّت ہے جو اُس کے دائرۂ اثر میں رہنے والی ہر چیز کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ دائرۂ اثر کو ''مقناطیسی میدان'' (Magnetic Field) کا نام دیا گیا ہے۔

سورۃ الکھف کی آیت ۲۸ زیرِ بحث موضوع پر ہمیں کافی کھلا اشارہ فراہم کرتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:
وَاصۡبِرۡ نَفۡسَكَ مَعَ الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ رَبَّهُمۡ بِالۡغَدٰوةِ وَالۡعَشِىِّ يُرِيۡدُوۡنَ وَجۡهَهٗ وَلَا تَعۡدُ عَيۡنٰكَ عَنۡهُمۡ ۚ تُرِيۡدُ زِيۡنَةَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا (الکھف: ۲۸)
''اور اپنے آپ کو اُن لوگوں کے ساتھ مقیّد رکھا کیجئے جو اپنے پروردگار کو صبح و شام محض اُس کی رضا جوئی کے لئے پکارتے رہتے ہیں اور اپنی آنکھوں کو دُنیوی زندگی کی رونق کے خیال سے اُن سے نہ ہٹائیے۔''

يَدۡعُوۡنَ رَبَّهُمۡ بِالۡغَدَاةِ وَالۡعَشِىِّ يُرِيۡدُوۡنَ وَجۡهَهٗ (جو اپنے پروردگار کو صبح و شام محض اُس کی رضا جوئی کے لئے پکارتے رہتے ہیں) میں اشارہ اولیاء اللہ کی طرف ہے جن کا تمام تر وقت اپنے خالق و مالک کی یاد میں گزرتا ہے۔ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے ناقابلِ جدا تعلق ہونے کے لحاظ سے وہ درِ رسول سے خداداد فیوض و برکات کا حصول کرتے ہیں اور پھر اُن فیوض و برکات کو مؤمنین میں تقسیم کر دیتے ہیں جیسا کہ نبی علیہ السلام کا ایک فرمودہ اس حقیقت کا مؤیّد ہے جس میں آپ نے فرمایا: ''اَللّٰہُ مُعۡطِیۡ وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ'' (صحیح بخاری) یعنی عطا کرنے والا تو اللہ تبارک و تعالیٰ ہے۔ میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں۔

مقناطیس کیسے بنایا جاتا ہے؟ طبیعیات (Physics) کا مضمون ہمیں بتاتا ہے کہ لوہے کو مقناطیس بنانے کے دو طریقے ہیں: پہلا اور طویل دَم (Endurable) طریقہ آہنی ٹکڑے میں سے برقی رَو کو گزارنا ہے۔ اس عمل کے ذریعے سے حاصل شدہ مقناطیس کو Electric-charged Magnet کہا جاتا ہے۔

آیتِ بالا کا دوسرے زیرِ خط حصّہ کے مطابق اولیاء اللہ Electric-charged Magnets ہیں جن کا تمام تر وقت ذاتی کوشش، نفس کشی، تزکیہ نفس، اپنے خالق کی مسلسل عبادت اور اپنے معبودِ برحق کے حضور اپنے اعمال کی جوابدہی کے فکر کی شکل میں ذکرِ الٰہی میں گزرتا ہے۔ یہ تمام کچھ اُنہیں طویل دَم روحانی کرنٹ عطا کرتا ہے۔

۳۶۔۳۲ (مقناطیسیت ۔۔Magnetism)

اس طرح سے حاصل کیے گئے روحانی مقناطیس تمام عالم میں پھیلائے جاتے ہیں تاکہ نبی آخرالزماں ﷺ کی وساطت سے حاصل شدہ الٰہی نواشات کو سیہون شریف (سندھ) کے لال شہباز قلندر، ملتان (پنجاب) کے بہاء الدین زکریا ملتانی، لاہور (پنجاب) کے علی ہجویری، بغداد کے عبدالقادر جیلانی، اجمیر (بھارت) کے خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، عراق کے فخرالدین عراقی وغیرہ رحمھم اللہ علیہم اجمعین کی ذوات ستودہ صفات کی شکل میں عالم میں تقسیم کیا جائے۔

''مقناطیس بنانے کا ایک اور طریقہ آہنی ٹکڑے کو مقناطیس کے ساتھ مسلسل رکھنے کا ہے، اس طرح کہ آہنی ٹکڑے کو مقناطیس کے ساتھ رگڑا جائے تاکہ اوّل الذکر (آہنی ٹکڑا) مؤخرالذکر سے مقناطیسی قوت حاصل کر لے۔ اس مسلسل مصاحبت (ساتھ رہنے) سے وہ آہنی ٹکڑا بھی مقناطیس بن جاتا ہے اور اُس میں ہر چیز کو اپنی طرف کھینچنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ مقناطیس بنانے کے اِس دوسرے طریقے کا ذکر آیتِ بالا کے ابتدائی زیرِ خط حصّہ ''وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ ۔۔۔ الخ میں بیان ہوا ہے۔ جس میں اُن لوگوں کا ذکر ہے جو قدرے سست رَو لیکن حق وصداقت کے گرمجوش متلاشی ہیں جو اپنا کچھ وقت اولیاء اللہ کی مصاحبت میں اُن سے روحانی برقی رَو حاصل کرتے ہوئے گزارتے ہیں تاکہ وہ بھی قرآنی آیت کے مصداق دوسری قسم کے مقناطیس بن جائیں۔''

روحانی مقناطیسی دنیا میں یہ قسم ایسے لوگوں پر مشتمل ہوتی ہے جو نفس کے ساتھ جہاد کرنے، گرمجوش عبادت کرنے اور تزکیہ نفس میں کمزور ہوتے ہیں۔ وہ سخت ریاضت نہیں کر سکتے لیکن اُن میں رضائے الٰہی کے حصول کے لئے اپنے درونِ باطن کو تمام برائیوں، خباثتوں، بداخلاقیوں اور بدیوں سے پاک وصاف کرنے کی فکر کا شعلہ موجود ہوتا ہے۔ وہ روحانیت کے چھوٹے چھوٹے مقناطیسوں کی طرح رہتے ہیں اور پھلتے پھولتے ہیں۔'' ("Spiritualism and Magnetism" ... Prof. Dr. Muhammad Tahir-ul-Qadri, p. 117)

<u>روحانی مقناطیسیت کی ایک حیران کن مثال</u> : جیسا کہ اوپر بیان ہوا، نبی آخرالزماں ﷺ اللہ کے عطیات کو اُس کی مخلوقات میں تقسیم فرماتے ہیں اور آپ نے خود اپنے صحابہ کرام میں تزکیہ کے ذریعے برقی قوت پیدا کر دی تھی۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے انتہائی قریبی مصاحب اور دوست ہونے کی حیثیت سے وہ ''روحانیت کے اعلیٰ ترین راہبر مقناطیس'' تھے۔ ظاہری اور جسمانی اسباب کے علاوہ وہ روحانی طور پر غائرنظر ڈالتے تھے اور کفار کے خلاف جنگی نظم ونسق برقرار رکھتے تھے اور دُور دراز کے میدان ہائے کارزار میں اُن کے جنگی سپہ سالاروں کے نام احکامات جاری فرماتے تھے۔ اسلام کے دشمنوں کے خلاف ایک جنگ میں مسلمانوں کے سپہ سالار ساریہ بن جبل رضی اللہ عنہ نے اپنے فوجی دستوں کو دشمن کے خلاف آگے پیچھے قطار بند ہونے کی بجائے صف باندھ کر کھڑا کر دیا تھا۔ عین جنگ کے وقت دشمن نے اپنی جنگی حکمتِ عملی بدل ڈالی اور مسلمان فوجوں کو اُن کی بے خبری کی حالت میں گھیرے میں لے لیا۔ مسلمانوں کے خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اُس وقت مسجد نبوی میں جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ اپنی روحانی فضیلت کی بدولت اُنہوں نے میدانِ کارزار پر ایک غائرنظر ڈالی، لڑنے وا[لے]

دونوں جماعتوں کی میدانی حیثیت کا ملاحظہ کیا اور اپنی فوجوں کے سپہ سالار کو پکارا: یَا سَارِیَۃَ الْجَبَل (اے ساریہ! پہاڑ کی اوٹ میں ہو جاؤ) (''مشکوٰۃ المصابیح: کتاب الفضائل ـ ـ محمد خطیب تبریزی)

''یہ حکم صادر فرمانے کے بعد خلیفۃ الاسلام نے اپنا خطبہ جاری رکھا ـ نہ تو آپ کے پاس راڈار جیسا کوئی آلہ تھا اور نہ ہی ایسی دُور دراز کی کارکردگی کے لئے آپ کے پاس کوئی ٹی وی چینل تھا ـ مدینہ منورہ کی مسجدِ نبوی میں خطاب کرنے کے بعد آپ نے اپنی فوجوں کے سپہ سالار کو جو دشمن کے خلاف برسرِ پیکار تھے' ہدایات دی تھیں ـ یہ آپ کی روحانی مقناطیسی قوت اور آپ کی اندرونی بصیرت ہی تھی جو ہر چیز کا بہ غائر مشاہدہ کر رہی تھی ـ سپہ سالار حضرت ساریہ نے خلیفۃ الرسول کے پیغام کو وصول کیا' اُن کے حکم نامہ پر عمل کرتے ہوئے آپ ہدایت کے مطابق پہاڑ کی اوٹ میں ہو گئے جس کے نتیجہ میں میدانِ کارزار آپ کے ہاتھ میں رہا' دشمن کو شکستِ فاش ہوئی اور مسلمان افواج فتح و نصرت مندی سے سرفراز ہوئیں ـ'' ("Spiritualism and Magnetism" ... Prof. Dr. Muhammad Tahir-ul-Qadri, pp. 120, 121)

برقی قوّت پیدا کرنے والے مقناطیسوں کی خصوصیت: ایک خاص عمل کے ذریعے پہلی قسم کے مقناطیس (جو اولیاء اللہ ہیں) قوّت پیدا کرنے کے اہل ہوتے ہیں ـ برقی قوّت کو میکانی قوت میں بدلنے سے چیزوں کی ہیئت بدل جاتی ہے اور مردہ جسم حرکت کرنے لگتے ہیں ـ مثلاً بیٹری سے چارج شدہ پلاسٹک کی ایک گڑیا حرکت میں آ جاتی ہے اور کئی ریکارڈ شدہ آوازیں پیدا کرتی ہے ـ جب تک بیٹری سیل سے اُسے چارج ملتا رہتا ہے' وہ حرکت کرتی رہتی ہے ـ جس طرح مادی دنیا میں بیٹری سیل کا نظام بے جان چیزوں کو زندگی بخشتا ہے اور اُنہیں حرکت میں رکھتا ہے' بالکل اُسی طرح روحانی دنیا میں اولیاء اللہ بے جان دلوں میں زندگی ڈالتے ہیں اور اُنہیں عمل اور سرگرمی کی راہ پر رواں دواں کر دیتے ہیں ـ اولیاء اللہ کی صحبت میں رہنے والے لوگوں میں دوبارہ زندگی آ جاتی ہے اور اولیاء اللہ کے فیوض و برکات سے لبریز ہو کر اُن کے قلوب و اذہان کو نئی زندگی ملتی ہے ـ اس حقیقت کی تصدیق سورۃ الکہف میں ملتی ہے جہاں حضرات موسیٰ اور خضر علیہما السلام کی باہمی ملاقات کا ذکر ہے ـ اللہ کے محب اور محبوب بندے حضرت خضر علیہ السلام کی جائے سکونت ''مجمع البحرین'' کے پاس جب یہ دونوں حضرات (موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھی یوشع بن نون) پہنچے تو موسیٰ علیہ السلام کے محفوظ توشہ دان میں بندتلی ہوئی مچھلی میں جان پڑ گئی اور وہ اُچھل کر پانی میں جا پڑی ـ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ کے مسکن مُردوں کے لئے جسمانی اور روحانی دونوں طور پر سرچشمہ حیات ہیں ـ جب وہ روحانی طور پر زندگی پاتے ہیں تو اُن کی روح اپنے اُس منبع و مصدر کی طرف آسان راہ پاتی ہوئی چلی جاتی ہے جہاں سے وہ آئی تھی (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف) جیسا کہ اس مچھلی کے ساتھ ہوا ـ اس واقعہ کے متعلق قرآن فرماتا ہے:

> فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ۝ (الکہف: ۶۱)
>
> ''پھر جب دونوں دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچے تو اپنی مچھلی کو دونوں بھول گئے' تو سرنگ بناتی ہوئی اُس نے دریا میں اپنی راہ پکڑی ـ'' (۶۱ : ۱۸)

۳۶۳۴ (مقناطیسیت ۔ ب Magnetism)

موجودہ برقی ترسیل کے نظام اور اولیاء اللہ کی مصاحبت کے مابین صوری (تمثیلی) مشابہت:

موجودہ برقی قوت کی فراہمی کا نظام دنیا میں اولیاء اللہ یا صوفیائے کرام کے چینلز کو خوب واضح کرتا ہے۔ اُن سے فیوض و برکات کے حصول کا انحصار آدمی کی اپنی صلاحیت پر ہے۔ ایک ڈیم سے براہِ راست برقی کنکشن کی امید رکھنا مضحکہ خیز بات ہے کیونکہ ڈیم سے براہِ راست بجلی کا کنکشن نہیں لیا جا سکتا۔ برقی قوت کی فراہمی کا ایک باقاعدہ منضبط نظام ہے اور اس کے اپنے اصول ہیں جن پر سختی سے عمل کیا جاتا ہے۔ تربیلا ڈیم سے بجلی پاور ہاؤسز کو چلتی ہے، پھر پاور سٹیشنوں سے ہوتی ہوئی ٹرانسفارمرز تک اور پھر ایک خاص مقدار میں ہمارے گھروں تک پہنچتی ہے۔ ٹرانسفارمر سے کنکشن لینے کے بعد ہم برقی آلات کے تحفظ کے لئے سٹیبلائزر اور فیوز استعمال کرتے ہیں۔ ہم یہ حفاظتی تدابیر اس لئے اختیار کرتے ہیں کیونکہ ہمارے گھروں میں برقی پوائنٹ اتنے مضبوط نہیں ہوتے کہ وہ بلند وولٹیج کو قبول کر سکیں۔ ایسے نظام کو ''سلسلہ'' (چینل) کا نام دیا گیا ہے۔

اس برقی ترسیل کے نظام کی مماثلت میں ہم روحانی سلسلوں (چینلز) کو، اُن کی افادیت اور فعالیت (کارکردگی) کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ رب تعالیٰ نے کائنات کو ایک روحانی ڈیم فراہم کیا ہے جو زمین کی گہرائیوں سے لے کر آسمانوں کی بلندیوں کے اُس پار خلوتِ الٰہی اور لامکانیت تک پھیلا ہوا ہے۔ رحمدلی، خاص توجہ، دوستدارانہ وابستگی اور تمام جہان پر نوازشات و عطیات کی منتقلی اور تقسیم کا کام احسن طور پر اِن منظم مختلف ڈیموں سے لیا جاتا ہے۔ روحانی فیوض و برکات، رحمدلی، شفقت و مودّت اور موانست کا یہ ڈیم انتہائی معظم و مکرّم اللہ کا آخری رسول ﷺ ہے۔ تمام مسلمانوں تک اِن فیوض و برکات کو پہنچانے کے لئے اولیاء اللہ کے متعدد چینلز ہیں جو روحانی قوت کی تقسیم کا کام کرتے ہیں۔ یہ اولیاء اللہ حاصل کرنے والے کی صلاحیت کے مطابق اُن انعامات کو تقسیم کرتے ہیں اور یہ روحانی نظام تا قیامت جاری و ساری رہے گا۔

''اولیاء اللہ نے اپنے سلاسل (چینلز) کو ہمارے انتہائی محبوب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مضبوطی سے مربوط کر رکھا ہے۔ انتہائی ریاضت، غیر معمولی روحانی محنت اور نفس کشی سے وہ ان نوازشات کو براہِ راست اُس منبع سے حاصل کرتے ہیں۔ اس ڈیم سے ہر کوئی براہِ راست کنکشن حاصل نہیں کر سکتا۔ اس لئے عام مسلمانوں کو یہ تاکید یہ ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اولیاء اللہ کی سنگت کو لازم پکڑیں اور اُن کے ساتھ اپنے دائمی رابطے کو مضبوط کریں اور اُس روحانی خیرات کو حاصل کریں جو اُن کے مقدّر میں لکھی ہے۔

رب تعالیٰ نے اِن روحانی سلاسل (چینلز) کے نظام کو بنایا ہے۔ یہ نورِ ہدایت کی ایک مسلسل روانی ہے جو انسانیت پر عطیاتِ الٰہی کا فیضان کر رہی ہے۔ ان روحانی سلاسل کے نظام کے انکار کا مطلب معقولیت، آگاہی اور روزی رساں اللہ کی روزی رسانی کا انکار ہے۔''

اولیاء اللہ کے خلاف بغض و عداوت رکھنا کھلے طور پر اللہ تعالیٰ سے جنگ کرنا ہے: اس روحانی چینل نظام کا انکار اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ مقناطیسی نظام کا صاف انکار ہے تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کے خلاف جنگ کرنے کے ہم معنیٰ ہے۔ ایک حدیثِ قُدسی میں رب تعالیٰ ایسے لوگوں اپنے محبوب علیہ السلام کی زبان مبارک سے یوں تنبیہ کرتا ہے:۔

مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ آذَنْتُه' بِالْحَرْبِ (اربعین امام نووی)
''جس شخص نے میرے کسی ولی سے عداوت رکھی' میں اُس سے اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔''

معلوم ہوا کہ جیسے بجلی کا تار کاٹنے والا حکومت کا مجرم ہے' ایسے ہی اولیاء اللہ سے دشمنی رکھنے والا حکومتِ ربانیہ کا مجرم ہے۔ ہم اللہ کے غیظ و غضب سے ڈرتے ہوئے اُس بیکس پناہ کی پناہ میں آتے ہیں۔

لہٰذا اپنے اردگرد پھیلی ہوئی ابدی صداقت سے تعلق توڑتے ہوئے اور خلوت و تنہائی میں اللہ اللہ کا وِرد کرنے کی بجائے ہم کیوں نہ حکمِ الٰہی کی تعمیل میں اولیاء اللہ کی سنگت اختیار کریں اور اس طرح اُس کے آخری پیغمبر ﷺ کی طرف سے دکھائے ہوئے صراطِ مستقیم پر چل پڑیں!! قربِ الٰہی کو حاصل کرنے کا اوّل الذکر طریقہ بڑا ہی صبر آزما اور وقت طلب ہے جبکہ مؤخر الذکر طریقہ (یعنی اولیاء کی صحبت) انتہائی آسان اور جلد حاصل ہونے والا ہے۔

اولیاء اللہ کی ضرورت و اہمیت: روحانیت کی فنائیت کے اِس دَور میں کچھ لوگوں کو یہ سوال کرتے سنا گیا ہے کہ خلوت اور تنہائی میں ''اللہ اللہ'' کا وِرد کرنے کی بجائے اولیاء اللہ کی ہم نشینی اور مصاحبت کیوں ضروری ہے۔ اُن کے خیال کے مطابق کسی فانی انسان کو وسیلہ بنانے کی بجائے اللہ تعالیٰ سے براہِ راست رابطہ رکھنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہی مسلمان کی زندگی کا ماحصل اور منتہائے مقصد ہے۔ ایسے لوگوں کے نزدیک اسلام کے تعارف کردہ روحانی نظام کا نہ تو کوئی مقام ہے اور نہ ہی اُس کی کوئی تاریخی اہمیت ہے۔

جب ہم ایسے سوالات کے جوابات کے لئے قرآن مجید کی طرف رجوع کرتے ہیں تو وہ ہمیں واضح طور پر یہ بتاتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے خود اپنے اولیاء کو اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان راہ نما کے طور پر مقرر کیا ہے۔ قرآن مجید کے محولہ بالا الفاظ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَه' (اور اپنے آپ کو اُن لوگوں کے ساتھ پابند کیجئے جو اپنے پروردگار کو صبح و شام اُس کی رضا جوئی کے لئے پکارتے رہتے ہیں) اس حقیقت کا واضح ثبوت ہیں کہ صحیح راہ نمائی کے لئے اِن متقی اور نیک ہستیوں کو بہ طورِ واسطہ پکڑنے میں کوئی راہِ فرار نہیں ہے۔ اُن سے باقاعدہ ہم نشینی' مصاحبت اور رفاقت راہِ الٰہی کا دروازہ کھول دے گی۔ اب جبکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ اقدس پر بابِ نبوّت بند ہو چکا ہے' تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اولیائے کرام کو اپنے پیغمبر علیہ السلام کے نائب کے طور پر مقرر

کردیا ہے تاکہ وہ اُس کے بندوں کی راہ نمائی کریں اور اپنے پیغمبر علیہ السلام کی تعلیمات اُن تک پہنچائیں۔

مُہرِ نبوّت کی حکیمانہ تعبیر : وہ مُہرِ نبوّت جسے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سردارانِ قبائل اور اُس وقت کے بادشاہوں کے نام خطوط پر لگایا کرتے تھے' اِسی حقیقت کا مظہر تھی۔ اُس پر مُحَمَّد ' رَسُول اور اَللّٰہ کے الفاظ عموداً ثبت تھے یعنی سب سے نیچے مُحَمَّد کا لفظ' اُس سے اوپر وسط میں رَسُول اور اَللّٰہ کا لفظ سب سے اوپر تھا اور اس طرح مُحَمَّد" رَّسُولُ اللّٰہ کا جملہ بن جاتا تھا۔ آقائے نامدار محمد مصطفیٰ ﷺ نے اس ترتیب سے انسانیت کو یہ پیغام دیا کہ اللہ کے قرب کی طرف بڑھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے میری ذات کے ساتھ تعلقِ عشقی قائم کیا جائے۔ پھر رسالت کا فہم وادراک اور فیض نصیب ہوگا اور اس کے بعد اللہ کا قرب ملے گا۔ ذاتِ محمدی اور فیضِ نبوّت کے بغیر اللہ تبارک وتعالیٰ تک پہنچنا ناممکن ہے۔ اولیائے کرام نے اسی ترتیب کو ملحوظ رکھ کر محنت کی اور لاکھوں کروڑوں انسانوں کی زندگیاں بدل کر رکھ دیں۔ برِّصغیر پاک وہند میں اولیائے کرام کی تابندہ کرامات کی ایسی لا تعداد مثالیں موجود ہیں۔'' ('' ماہنامہ منہاج القرآن''' لاہور' نومبر ۲۰۰۷' صفحہ ۳۶)

اولیاء اللہ کی ضرورت واہمیت کے بارے میں مفتی احمد یار خاں گجراتی رقم طراز ہیں :

(۱) ''اولیاء اللہ اور اُن کی کرامات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زندہ جاوید معجزہ ہیں۔ اُن کے کمالات سے کمالِ مصطفوی کا پتہ چلتا ہے کہ جب اُس شہنشاہِ کونین کے غلاموں میں ہمہ قسم کمالات ہیں تو اُن کے منبع اور سردار کے کمالات کیسے ہوں گے!''

(۲) ''حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی اُمّت کو دو قسم کے فیض دئے: ظاہری اور باطنی۔ ظاہری فیوض علمائے دین سے امت تک پہنچ رہے ہیں اور باطنی فیوض اولیاء اللہ کے ذریعے سے اُمّت تک پہنچ رہے ہیں۔''

(۳) ''جیسے دل کا فیض اعضائے بدن تک رگوں کے ذریعے پہنچتا ہے کہ اگر رگیں کٹ جائیں تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی حضورِ انور کا فیض ساری امت کو اولیاء اللہ کے ذریعے پہنچتا ہے کہ اگر ولایت درمیان میں نہ رہے تو امت کی روحانی موت واقع ہو جاتی ہے۔''

(۴) ''بجلی کی پاور' پاور ہاؤس میں بنتی ہے اور گھروں' دکانوں اور کارخانوں میں استعمال ہوتی ہے مگر

پہنچتی ہے درمیان کے کھمبوں اور تاروں کے ذریعے ۔ ایمان بنتا ہے مدینہ منوّرہ کے پاور ہاؤس میں' لیکن ہم گنہگاروں کو درمیان کے کھمبوں اور اولیاء کی تاروں کے ذریعے سے ملتا ہے ۔

(۵) ''بجلی کی روشنی قمقموں سے ملتی ہے ۔ اولیائے کرام فیضانِ نبوّت کے بلب ہیں جو حضور علیہ السلام سے چمکتے ہیں اور ہم گنہگاروں کو روشنی دیتے ہیں ۔ پھر جس بلب کی جتنی طاقت' ویسی ہی اُس کی روشنی ۔ جیسا بلب کا رنگ' ویسی ہی اُس کی روشنی ۔'' (تفسیر نعیمی ۔۔۔ مفتی احمد یار خان گجراتی' جلد ۱۱' صفحہ ۳۹۶)

نوٹ : (۱) نبوّت و رسالت کا چھن جانا ناممکن ہے اور ایسا عقیدہ رکھنا صریحاً کفر ہے ۔ انبیاء اور رسول اللہ کے منتخب شدہ ہوتے ہیں اور اُس کے انتخاب میں کوئی جھول اور خامی ہو ہی نہیں سکتی ۔ البتہ ولایت کا چھن جانا ممکن ہے کہ اگر ولی عمداً کسی گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہو یا وہ صغیرہ گناہوں کو مسلسل کرتا چلا جائے تو اُس سے ولایت چھین لی جاتی ہے ۔

(۲) حقیقت میں ولی وہی ہے جو شریعتِ اسلامی کا صحیح معنوں میں پابند ہو ۔ لہٰذا ولایت کی شیخیاں بکھیرنے والے اور اپنی خوش کن کذب بیانیوں سے لوگوں کو متاثر کرنے والے ولایت کے زمرہ سے خارج ہیں ۔ نیز وہ لوگ بھی ولی نہیں ہو سکتے جو سچے اولیاء اللہ اور علمائے حق کی گستاخی کے مرتکب ہوں کیونکہ اُن کا یہ عمل سورہ یونس کی آیت ۶۳ (اَلَّذِیْنَ آمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ) کے خلاف ہوگا ۔ یعنی جو لوگ ایمان کی دولت سے سرفراز ہوئے اور تقویٰ (خدا خوفی) اختیار کئے رکھی ۔

(۳) منکوں' گانٹھوں یا جھاڑ پھونک اور منتروں میں اُن کی اثر پذیری اُن کی ولایت کی معقول دلیل نہیں ہو سکتی ۔

(۴) اولیاء اللہ چھپی ہوئی ہستیاں ہوتی ہیں اور وہ اپنے آپ کو ظاہر نہیں کرنا چاہتے ۔ اُن سے کرامات کا ظہور اللہ تعالیٰ کی رضا پر منحصر ہوتا ہے' نہ کہ اُن کی اپنی مرضی اور صوابدید پر ۔

(۵) نبی کے معجزہ کے برعکس ولی کا کرامت کو چھپانا فرض ہے جبکہ نبی یا رسول کے لئے معجزہ کا ظاہر کرنا فرض ہے ۔

(۱۴۵) استقرار و نگہداشت (Maintenance and Upkeep)

''استقرار Maintenance'' کا معنیٰ کسی چیز کو اپنی ہی سطح اور معیار پر قائم اور جاری رکھنا ہوتا ہے۔
''نگہداشت Upkeep'' کسی چیز کو عمدہ حالت میں رکھنے اور اس کی مرمت کرنے کی قیمت یا عمل کا نام ہے۔''
(Oxford Advanced Learner's Dictionary)

استقرار اور نگہداشت (Maintenance and Upkeep) کے دونوں لفظ فی الفور فزکس کے حرحرکیات (Thermodynamics) کے دوسرے قانون یعنی Law of Entropy and Order کی طرف ہماری توجہ کو مبذول کرتے ہیں۔

Law of Entropy and Order ہمیں بتاتا ہے کہ اگر کسی چیز کو اُس کے حال پر یونہی چھوڑ دیا جائے اور اُس کی نگہداشت نہ کی جائے تو وہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ غیر مستحکم اور غیر منظم ہو کے رہ جاتی ہے۔ اپنی روزمرّہ زندگی میں ہمارے مشاہدے میں اس قسم کی کئی مثالیں آتی ہیں۔ اگر ہم چند روز کے لئے اپنے گھر کی صفائی اور دیکھ بھال کرنا چھوڑ دیں تو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سارا گھر غیر منظم اور گندگی کی نذر ہو جائے گا۔ اِسی طرح ہم اگر موٹر کار کی دو ہفتوں تک دیکھ بھال کرنا چھوڑ دیں تو ہم یقیناً اُسے اُس عمدہ حالت میں نہیں پائیں گے جس حالت میں ہم نے اُسے چھوڑا تھا۔

مشہورِ زمانہ سائنسدان البرٹ آئن سٹائن Albert Einstein کے مطابق ''یہ سائنسی دنیا کا مقدم تر و فائق تر قانون ہے۔'' سر آرتھر ایڈنگٹن (Sir Arthur Eddington) نے اِسے تمام کائنات کا عظیم ابعد الطبیعیاتی قانون قرار دیا۔ ("The Creation of the Universe".. Harun Yahya, p. 69)

چونکہ اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوقات کا خالق' اُن کا ربّ اور روزی رساں ہے' ہم کتاب اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ اس مسئلے کے متعلق کیا کہتی ہے :

(۱) وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً (الانعام : ۶۱)
''اور وہی اپنے بندوں پر غالب ہے اور وہ تم پر (فرشتوں کو بطور) نگہبان بھیجتا ہے۔'' (۶:۶۱)

(۲) قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ (یونس ۳۱)
''آپ (ان سے) فرما دیجئے: تمہیں آسمان اور زمین (یعنی اوپر اور نیچے سے) رزق کون دیتا ہے یا

تمہارے کان اور آنکھوں (یعنی سماعت و بصارت) کا مالک کون ہے اور زندہ کو مُردہ سے کون نکالتا ہے اور (نظام ہائے کائنات کی) تدبیر کون فرماتا ہے؟ سو وہ کہہ اٹھیں گے کہ اللہ' تو آپ فرمائیے: پھر کیا تم اُس سے ڈرتے نہیں ہو؟'' (۳۱ : ۱۰)

(۳) اِنَّ رَبِّیۡ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ حَفِیۡظٌ'' O (ھُود: ۵۷)
''بے شک میرا پروردگار ہر چیز پر نگہبان ہے۔'' (۵۷ : ۱۱)

(۴) لَہٗ مُعَقِّبٰتٌ'' مِّنۡۢ بَیۡنِ یَدَیۡہِ وَ مِنۡ خَلۡفِہٖ یَحۡفَظُوۡنَہٗ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰہِ (الرَّعۡد: ۱۱)
''(ہر) انسان کے لئے یکے بعد دیگرے آنے والے فرشتے ہیں جو اُس کے آگے اور اُس کے پیچھے اللہ کے حکم سے اُس کی نگہبانی کرتے ہیں۔'' (۱۱ : ۱۳)

(۵) اَفَمَنۡ ھُوَ قَآئِمٌ'' عَلٰی کُلِّ نَفۡسٍۭ بِمَا کَسَبَتۡ وَ جَعَلُوۡا لِلّٰہِ شُرَکَآءَ (الرَّعۡد: ۳۳)
''کیا وہ (اللہ) جو ہر جان پر اُس کے اعمال کی نگہبانی فرما رہا ہے اور (وہ بت جو کافروں) نے اللہ کے شریک بنا لئے (ایک جیسے ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں)۔'' (۳۳ : ۱۳)

(۶) قُلۡ مَنۡ یَّکۡلَؤُکُمۡ بِالَّیۡلِ وَ النَّہَارِ مِنَ الرَّحۡمٰنِ بَلۡ ھُمۡ عَنۡ ذِکۡرِ رَبِّہِمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ (الانبیاء)
''فرما دیجئے: شب و روز (خدائے) رحمن (کے عذاب) سے تمہاری حفاظت و نگہبانی کون کر سکتا ہے؟ بلکہ وہ اپنے رب کے ذکر ہی سے گریزاں ہیں۔'' (۴۲ : ۲۱)

(۷) وَمَا کُنَّا عَنِ الۡخَلۡقِ غٰفِلِیۡنَ O (المؤمنون: ۱۷)
''اور ہم (کائنات کی) تخلیق (اور اُس کی حفاظت کے تقاضوں) سے بے خبر نہیں۔'' (۱۷ : ۲۳)

(۸) قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ جَعَلَ اللّٰہُ عَلَیۡکُمُ الَّیۡلَ سَرۡمَدًا اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ مَنۡ اِلٰہٌ'' غَیۡرُ اللّٰہِ یَاۡتِیۡکُمۡ بِضِیَآءٍ اَفَلَا تَسۡمَعُوۡنَ O قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ جَعَلَ اللّٰہُ عَلَیۡکُمُ النَّہَارَ سَرۡمَدًا اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ مَنۡ اِلٰہٌ'' غَیۡرُ اللّٰہِ یَاۡتِیۡکُمۡ بِلَیۡلٍ تَسۡکُنُوۡنَ فِیۡہِ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ O (القَصص: ۷۱، ۷۲)
''فرما دیجئے: ذرا اتنا تو بتاؤ کہ اگر اللہ تمہارے اوپر روزِ قیامت تک ہمیشہ رات طاری فرما دے (تو) اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمہیں روشنی لا دے' کیا تم (یہ باتیں) سنتے نہیں ہو؟ فرما دیجئے: ذرا یہ (بھی) بتاؤ کہ اگر تمہارے اوپر روزِ قیامت تک اللہ ہمیشہ دن طاری فرما دے (تو) اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمہیں رات لا دے کہ تم اُس میں آرام کر سکو۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟'' (۷۱، ۷۲ : ۲۸)

(۹) وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ O كِرَامًا كَاتِبِيْنَ O (الانفطار : ۹، ۱۰)
''حالانکہ تم پر نگہبان فرشتے مقرر ہیں (جو) بہت معزز ہیں (تمہارے اعمال نامے) لکھنے والے ہیں۔'' (۹، ۱۰ : ۸۲)

اس کائنات کا نظم و ضبط ایک اعلیٰ ترین شعوریت کے وجود کا زبردست ثبوت ہے۔ ایک جرمن ماہرِ طبیعیات اور نوبل پرائز وِنر Max Planck اپنے مئی 1937ء کے خطاب میں کائنات کی نظم و ضبط کی یوں وضاحت کرتا ہے:

''تمام حالات میں ہمیں مختصراً یوں کہنا چاہیے کہ قدرت کی اُس عظیم و لامحدود مملکت میں جس میں ہمارا چھوٹا سا سیارہ اہم کردار ادا کرتا ہے، علومِ صحیحہ کی طرف سے دی ہوئی معلومات کے مطابق ایک خاص قسم کا نظم و ضبط کارفرما ہے جو انسانی ذہن سے مستغنی (بے نیاز) ہے۔ تاہم جہاں تک ہم اپنے حواس کی وساطت سے یہ یقین کرنے کے قابل ہو سکے ہیں کہ یہ نظم و ضبط ایک بامقصد عمل کا حامل ہے۔ کائنات میں انتہائی ذہانتی نظم و ضبط کا ثبوت ہے۔'' ("The Creation", 1968, p. 144)

البرٹ آئن سٹائن اس نظم و ضبط کو ایک غیر متوقع وقوعہ سمجھتا ہے اور یہ کہ اسے معجزہ سمجھا جانا چاہیے:

''اچھا! تو علّت سے معلول کی طرف استدلال کرنے والے کو اس بات کی توقع کرنی چاہیے کہ دنیا قانون اور نظم و نسق کے اس حد تک تابع ہو جائے گی کہ ہم انسان اپنی ذہانتی تدبیر سے اُس میں مداخلت کر سکیں۔ لیکن ہم اس کی بجائے اس مادی دنیا میں ایسا اعلیٰ و ارفع نظم و ضبط پاتے ہیں کہ ہم کسی بھی طرح اس کی توقع نہیں کر سکتے تھے۔ یہ ایک ایسا معجزہ ہے جو ہمارے علم کی ترقی کے ساتھ مضبوط ہوتا جاتا ہے۔''
(Letters to Maurice Solovine, 1956, pp. 114, 115)

☆Law of Entropy کا روحانی پہلو: جسمانی احتیاجات کی تسکین اور بدنی صحت اور نشوونما کے پہلو بہ پہلو قادرِ مطلق اللہ اپنی انسانی مخلوق کی روحانی ضروریات کو پورا کرنے میں بھی ہمیشہ سے مستعد رہا ہے۔ اور Law of Entropy کا یہی روحانی پہلو ہے جس کے متعلق ارشادِ ربانی ہوا:

(۱) فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ O (البقرۃ:۳۸)
''پھر اگر تمہیں میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے تو جو کوئی میری ہدایت کی پیروی کرے گا تو اُن کے لئے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔'' (۳۸ : ۲)

(۲) اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ O (الزُّخرُف: ۵)
''اور کیا ہم اس نصیحت کو تم سے اس بناء پر روک دیں کہ تم حد سے گزر جانے والی قوم ہو۔'' (۵:۴۳)

☆ کائنات کے بکھرنے یا توانائی زائل کی مقدار کا ایک قیاسی پیمانہ

(۳) لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ (الحدید : ۲۵)

''بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو واضح نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ہم نے اُن کے ساتھ کتاب اور میزانِ عدل نازل فرمائی تا کہ لوگ انصاف پر قائم ہو سکیں اور ہم نے لوہا مہیا کیا' اُس میں (آلاتِ حرب و دفاع کے لئے) سخت قوّت اور لوگوں کے لئے (صنعت سازی کے کئی دیگر) فوائد ہیں۔'' (۲۵:۵۷)

قرآن مجید میں Maintenance کا لفظ اکثر نفقة یعنی اپنے اہل و عیال پر خرچ کرنے کے معنیٰ میں آیا ہے جس سے اہل و عیال کی نگہداشت کا فرض ادا ہوتا رہتا ہے۔ وسیع معنوں میں قرآن مجید نفقة کو اسلام دشمنوں کے خلاف استعمال کرتا ہے جیسا کہ سورۃ الانفال اور سورۃ التوبة میں علی الترتیب کفار و منافقین اور مسلمانوں کے لئے یہ لفظ استعمال ہوا ہے:

(۱) اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا (الانفال : ۳۶)

''بے شک کافر لوگ اپنا مال و دولت (اس لئے) خرچ کرتے ہیں کہ (اُس کے اثر سے) وہ (لوگوں کو) اللہ (کے دین) کی راہ سے روکیں' سو وہ اُسے خرچ کرتے رہیں گے۔'' (۳۶ : ۸)

(۲) وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّاۤ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ۝ (التوبة : ۵۴)

''اور اُن سے اُن کے نفقات (یعنی صدقات) کے قبول کئے جانے میں کوئی (اور) چیز اُنہیں مانع نہیں ہوئی سوائے اس کے کہ وہ اللہ اور اُس کے رسول (ﷺ) کے منکر ہیں اور وہ نماز کی ادائیگی کے لئے نہیں آتے مگر کاہلی اور بے رغبتی کے ساتھ اور وہ (اللہ کی راہ میں) خرچ (بھی) نہیں کرتے مگر بے دلی کے ساتھ۔'' (۵۴ : ۹)

(۳) وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ اَلَاۤ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ (التوبة)

''اور ان دیہاتی گنواروں میں سے وہ شخص (بھی) ہے جو اس مال کو تاوان قرار دیتا ہے جسے وہ (راہِ خدا میں) خرچ کرتا ہے اور تم پر زمانہ کی گردشوں (یعنی مصائب و آلام) کا انتظار کرتا رہتا ہے' (بلا و مصیبت کی) بُری گردش اُنہی پر ہے اور اللہ خوب سننے والا' جاننے والا ہے۔ اور بادیہ نشینوں میں (ہی) وہ شخص (بھی) ہے جو اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور جو کچھ (راہِ خدا میں) خرچ کرتا ہے' اُسے اللہ کے حضور تقرب اور رسول (ﷺ) کی (رحمت بھری) دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ سن لو وہ اُن کے لئے باعثِ قربِ الٰہی ہے' جلد ہی اللہ اُنہیں اپنی رحمت میں داخل فرما دے گا۔'' (۹۸، ۹۹ : ۹)

۳۶۴۲ (استقرار ونگہداشت ۔۔ Maintenance and Upkeep)

سورۂ البقرۃ کی آیت ۲۱۵ میں لفظ ''نفقۃ'' والدین' قرابتداروں' یتیموں' مسکینوں اور مسافروں کے لئے استعمال ہوا ہے اور یہی صورت سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۲۶' اور سورۃ الرّوم کی آیت ۳۸ میں اس لفظ کی ہے۔ ملاحظہ ہو :

(۱) یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلْ مَا اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ وَالْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ (البقرۃ : ۲۱۵)

''لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کیا خرچ کریں' فرمادیں جس قدر بھی مال خرچ کرو (درست ہے) مگر اُس کے حقدار تمہارے ماں باپ ہیں اور قریبی رشتہ دار ہیں اور یتیم ہیں اور محتاج ہیں اور مسافر ہیں۔'' (۲ : ۲۱۵)

(۲) وَ آتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ وَالْمِسْکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ (بنی اسرائیل : ۲۶؛ الرّوم : ۳۸)

''پس آپ قرابتدار کو اُس کا حق ادا کرتے رہیں اور محتاج اور مسافر کو (اُن کا حق)۔'' (۱۷:۲۶ ؛ ۳۰ : ۳۸)

رزّاق اور روزی رساں اللہ کی نظروں میں خوشحال لوگوں کی طرف سے صدقہ وخیرات کا یہ عمل محتاجوں اور محروم القسمت لوگوں پر کوئی احسان ومنّت نہیں بلکہ یہ مؤخر الذکر لوگوں کا اوّل الذکر لوگوں کے مال پر جائز حق ہے جو اللہ نے اِن غرباء کو عطا کیا ہے' جیسا کہ فرمایا :

وَفِیْٓ اَمْوَالِھِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ (المعارج : ۲۴' ۲۵)

''اور وہ (ایثار) کیش لوگ جن کے اموال میں حصہ مقرر ہے مانگنے والے اور نہ مانگنے والے محتاج کا۔'' (۷۰ : ۲۴' ۲۵)

''اصل صدقہ وخیرات ضرورتِ اصلیہ کے محتاجوں کو تلاش کرنے میں ہے' خواہ وہ مانگیں یا نہ مانگیں۔ مانگنے والے عموماً ست وکاہل لوگ ہوتے ہیں جو سینہ زوری سے دوسروں کی جیب پر پلنا چاہتے ہیں۔ لیکن مانگنے والوں کی تمام صورتوں کی مناسب طور پر تفتیش ہونی چاہئے' ہوسکتا ہے کہ معمولی سی وقتی امداد غلط کار کو راہِ راست پر لے آئے۔ لیکن مالدار' اہل اور موقع بردار شخص کی ذمہ داری اُن لوگوں کو تلاش کرنے میں اور بھی بڑھ جاتی ہے جو اُس کی مدد کے مستحق ہیں تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ خداداد مال ودولت اپنے بھائی بندوں کی خدمت کے لئے اُن کے پاس ایک امانت ہے۔'' (عبداللہ یوسف علی' نوٹ : ۵۶۹۱)

متعلقہ سورتوں میں وارد درج ذیل آیات میں والدین کی ضروریات کا خیال رکھنے اور اُن کی مناسب دیکھ بھال کرنے کا حکمِ ربانی ہے :

(۱) وَاعْبُدُوا اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا (النساء : ۳۶)

''اور عبادت اللہ ہی کی کرتے رہو اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو۔'' (۳۶ : ۴)

(۲) قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَاحَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا (الانعام)

''فرما دیجئے : آؤ میں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کی ہیں (وہ) یہ کہ تم اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔'' (۱۵۱ : ۶)

(۳) وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًاO وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًاO۔۔۔۔۔۔ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًاO (بنی اسرائیل : ۲۳، ۲۴، ۲۸)

''اور آپ کے رب نے حکم فرما دیا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت مت کرو اور والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کیا کرو۔ اگر تمہارے سامنے دونوں میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں ''اُف'' تک نہ کہنا اور اُنہیں مت جھڑکنا اور اُن دونوں کے ساتھ بڑے ہی ادب سے بات کیا کرو۔ اور ان دونوں کے لئے نرم دلی سے عجز و انکساری کے بازو جھکائے رکھو اور (اللہ کے حضور) عرض کرتے رہو: اے میرے پالنہار! ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ اُنہوں نے بچپن میں مجھے (رحمت و شفقت سے) پالا تھا۔۔۔۔۔ اور اگر تم (اپنی تنگدستی کے باعث) ان مستحقین سے گریز کرنا چاہتے ہوا اپنے رب کی جانب سے رحمت (خوشحالی) کے انتظار میں جس کی تم توقع رکھتے ہو تو (کم از کم) اُن سے نرمی کی بات ہی کہہ دیا کرو۔'' (۲۳، ۲۴، ۲۸:۱۷)

(۴) وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ اِلَيَّ الْمَصِيْرُO (لقمٰن : ۱۴)

''اور ہم نے انسان کو اُس کے والدین کے بارے میں (نیکی کا) تاکیدی حکم فرمایا' جسے اُس کی ماں تکلیف پر تکلیف کی حالت میں (اپنے پیٹ میں) برداشت کرتی رہی اور جس کا دودھ چھوٹنا بھی دو سال میں ہے (اُسے یہ حکم دیا) کہ تو میرا (بھی) شکر ادا کر اور اپنے والدین کا بھی۔ (تجھے بالآخر) میری ہی طرف لوٹنا ہے۔'' (۱۴ : ۳۱)

حقوقِ والدین کی انتہائی اہمیت کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ خالقِ کون و مکاں نے اِن حقوق کا جہاں بھی ذکر کیا ہے' اسلام کے بنیادی عقیدے یعنی اپنی بلا شرکتِ غیرے توحید کے ساتھ کیا ہے!

سورۃ البقرۃ (۲) کی آیت ۲۴۰ میں بیوہ عورت کا اپنے متوفّی خاوند کے مال میں سے پورے ایک سال کا خرچ مقرر کیا گیا اور فرمایا گیا :

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ
"اور تم میں سے جو لوگ فوت ہوں اور (اپنی) بیویاں چھوڑ جائیں، اُن پر لازم ہے کہ (مرنے سے پہلے) اپنی بیویوں کو ایک سال تک کا خرچہ دینے (اور) اپنے گھروں سے نہ نکالے جانے کی وصیت کر جائیں۔"

"یہ وصیت کا حکم اُس وقت تھا جب میراث کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔ جب میراث کے مستقل احکام نازل ہو گئے اور شوہر کے ترکہ میں ایک مستقل حصّہ بیوہ کا بھی مقرر ہو گیا تو ظاہر ہے کہ اب حکمِ وصیت پر عمل کا کوئی محل باقی نہ رہا۔ اسی کو مفسرین اپنی اصطلاح میں "نسخ" سے تعبیر کرتے ہیں۔ اُس وقت یعنی احکامِ میراث کے نزول سے قبل شریعت نے بیوگان کے لئے حسبِ ذیل رعایتیں رکھی تھیں: (۱) وہ اگر شوہر ہی کے گھر رہنا چاہیں تو ایک سال تک اُنہیں کوئی بے دخل نہیں کر سکے گا۔ (۲) اُنہیں کھانا کپڑا بھی اُس مدت تک شوہر ہی کے ترکہ سے ملتا رہے گا۔ (۳) وہ خود ہی اگر اپنی کسی مصلحت سے اُس گھر میں نہ رہنا چاہیں تو بعد ختمِ عدت اُن کے لئے یہ بالکل جائز تھا اور دوسرے حقوق کی طرح اس حق سے بھی دستبرداری کا اُنہیں حق حاصل تھا۔ مَتَاعًا یہ نفع اٹھانا، کھانے اور کپڑے اور سکونتِ مکان کے متعلق ہوگا۔" (تفسیر ماجدی اردو، صفحہ ۹۷، نوٹ: ۹۱۱)

طلاق کے سیاق وسباق میں سورۃ الطلاق کی درج ذیل آیت (۶) شوہروں کو یہ حکم دیتی ہے کہ وہ اپنی بیویوں کو وہاں ٹھہرائیں جہاں وہ خود ٹھہرتے ہیں اور اگر وہ (حمل کی) امید سے ہیں تو اُن پر سختی نہ کریں:
اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ (الطلاق:۶)
"تم اِن (مطلقہ) عورتوں کو وہیں رکھو جہاں تم اپنی وسعت کے مطابق رہتے ہو اور اُنہیں تکلیف مت پہنچاؤ کہ اُن پر (رہنے کا ٹھکانہ) تنگ کر دو اور اگر وہ حاملہ ہوں تو اُن پر خرچ کرتے رہو یہاں تک کہ وہ اپنا بچہ جن لیں، پھر اگر وہ تمہاری خاطر (بچے کو) دودھ پلائیں تو اُنہیں اُن کا معاوضہ ادا کرتے رہو۔" (۶۵:۶)

کوئی شک نہیں کہ شوہروں ہی نے اپنی بیویوں اور بچوں کے استقرار اور رزق کی فراہمی کا ذمہ اٹھانا ہے لیکن جہاں تک بچوں کا تعلق ہے، تو مائیں بھی اُنہیں (اپنا) دودھ پلانے کی ذمہ دار ہیں۔ اس ضمن میں ہم علی الترتیب سورۃ البقرۃ اور سورۃ الاحقاف میں درج ذیل عبارات پاتے ہیں:
(۱) وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (البقرۃ: ۲۳۳)
"اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال تک دودھ پلائیں۔ یہ (حکم) اُس کے لئے ہے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہے، اور دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور پہننا دستور کے مطابق باپ پر لازم ہے۔" (۲ : ۲۳۳)

(۲) وَحَمْلُهٗ وَفِصَالُهٗ ثَلَاثُوْنَ شَهْرًا (الاحقاف : ۱۵)
''اور اُس کا (پیٹ میں) اٹھانا اور اُس کا دودھ چھڑانا (یعنی زمانہ حمل ورضاعت) تیس ماہ پر (مشتمل) ہے۔'' (۴۶ : ۱۵) ☆

بیوگان' یتیموں' مسکینوں اور معاشرہ کے محتاج لوگوں کے استقرار وفلاح کے لئے زکوٰۃ بھی ایک بڑا عامل ہے۔ مسلمان فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ زکوٰۃ مستحق غیر قرابتداروں کے استقرار اور فلاح و بہبود کے لئے بھی استعمال ہوسکتی ہے۔ استقرار بالخصوص خوراک وطعام' پوشاک' پناہ گاہ (گھر) اور ایک خادم کی فراہمی کو شامل ہے اگر مستفید ہونے والے کی سماجی حیثیت اس کے حق میں ہو۔ نکاح وازدواج کی حدود کے اندر اندر رہتے ہوئے قانونی جنسی تعلقات بھی ''استقرار'' اور ''نگہداشت'' کے زمرہ میں آتے ہیں۔

اگر خاوند اپنی بیوی کے طعام وخوراک کی فراہمی سے انکار کردے تو عورت عدالت سے رجوع کرنے اور قاضی سے نکاح کے فسخ کرنے کا مطالبہ کرسکتی ہے۔ اسلامی فقہ کی اصطلاح میں خاوند سے گلوخلاصی کرنے کا یہ عمل ''خُلع'' کہلاتا ہے جو عورت کا خاص الخاص حق ہے کہ وہ ایسی صورت کے واقع ہونے پر اپنے خاوند کے ساتھ بالکل نہیں رہنا چاہتی۔

☆ سورہ لقمٰن کی آیت ۱۴ میں اور سورۂ البقرۃ کی آیت ۲۳۳ میں دودھ چھڑانے کی مدّت (Weaning Period) دو سال یعنی چوبیس ماہ بیان ہوئی مگر سورۃ الاحقاف کی آیت ۱۵ میں حمل اور دودھ چھڑانے کی کل مدّت تیس ماہ (اڑھائی سال) بیان ہوئی۔ اِن ۳۰ ۔ ۲۴ = ۶ ماہ کے دوران قانونِ فطرت کے مطابق بچہ اب ماں کے دودھ سے مکمل طور پر بے نیاز ہوکر خوراک چبانے اور دانتوں سے اُسے پیسنے کے قابل ہوجاتا ہے۔ لہٰذا جدید سائنسی تحقیق کے مطابق مدّتِ رضاعت تیس ماہ (اڑھائی سال) ہی درست ہے۔ رضاعت کا زیادہ سے زیادہ دوسال کا عرصہ بھی مصلحت کے مطابق ہے کہ اِس دوران بچے میں دانت نکالنے کا عمل مکمل ہوجاتا ہے۔ منہ کے درمیان میں نچلے نوکیلے دانت (Incisors) چھ سے آٹھ ماہ کے دوران باہر نکلنے شروع ہوتے ہیں' پھر وقفے وقفے سے دودھ کے دانت باہر نکلنے شروع ہوتے ہیں یہاں تک کہ آگے کے دانتوں اور ڈاڑھوں کے درمیان کے نکیلے دانت (Canines) ظاہر ہوتے ہیں۔ چبانے اور پیسنے والے دانت (ڈاڑھیں) چوبیس ماہ کے بعد ظاہر ہوتی ہیں اور اُن کے نکلنے پر بچے کے دانتوں کا کل SET مکمل ہوجاتا ہے۔ اب قدرت اس سے ماں کے دودھ سے بے نیاز ہونے اور خوراک چبانے کی توقع رکھتی ہے۔ اور جب بچے کے دانت مکمل طور پر نکل آئیں تو اُسے دودھ پلانا ماں کی صحت کے لئے مضر ہے۔ ''مستقل دانت چھ سال کی عمر میں اور ڈاڑھیں بارہ سال کی عمر میں باہر نکلنا شروع ہوتی ہیں۔ عقل کے دانت (Wisdom Teeth) اٹھارہ سے بیس سال کی عمر میں ظاہر ہوتے ہیں یا بالکل ظاہر نہیں ہو پاتے۔'' (عبداللہ یوسف علی' نوٹ: ۴۷۹۰)

(۱۴۶) پُرعناد قانونی چارہ جوئی (Malicious Prosecution)

''پُرعناد قانونی چارہ جوئی میں از راہِ عداوت ناجائز طور پر کسی کو مجرمانہ عمل کے ارتکاب میں ملوث کرنا شامل ہے۔'' ("Islamic Law of Tort" Dr. Liaquat Ali Khan Niazi, p. 203)

''پُرعناد قانونی چارہ جوئی انتہائی بے انصافی اور حقوق العباد کی حد درجہ خلاف ورزی ہے۔ ایسی کارروائی میں آدمی کی نیک نامی اور شہرت کو بہرصورت نقصان پہنچتا ہے اور لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ آدمی واقعی اُس جرم میں ملوث ہے اور یہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کرتے کہ اُس پر ناحق الزام لگایا گیا ہے۔ پُرعناد قانونی چارہ جوئی میں بسا اوقات آدمی ایسے خطرہ میں پڑ جاتا ہے کہ اُسے اپنی جان سے بھی ہاتھ دھونے پڑ جاتے ہیں۔ اسی طرح اُس کے مال و دولت کو بھی نقصان پہنچتا ہے جسے خرچ کر کے وہ اُس ناجائز الزام سے بَری ہونا چاہتا ہے۔''

''اسلام میں نہ تو کسی شخص کے خلاف کسی معقول یا اغلب جرم کے ٹھوس ثبوت کے بغیر قانونی چارہ جوئی ہوسکتی ہے اور نہ ہی کسی شخص کے خلاف پہلی نظر میں بدیہی جرم پر کسی تحقیق کے بغیر قانونی چارہ جوئی ہوسکتی ہے۔''

پُرعناد قانونی چارہ جوئی ایک سنگین گناہِ کبیرہ ہے اور قرآن مجید میں اس کی سختی سے مذمت کی گئی ہے:
وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (اَلْبَقَرۃ : ۱۸۸)
''اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر مت کھاؤ اُڑاؤ اور نہ اُسے حُکّام تک پہنچاؤ کہ جس سے لوگوں کے مال کا ایک حصّہ تم گناہ سے کھا جاؤ درآنحالیکہ تم جان رہے ہو (کہ تم ناحق اور زیادتی پر ہو)۔''

''یہاں حرص وطمع کی دو (۲) دقیق قسموں کا بیان ہے: ایک تو یہ کہ آدمی اپنے مال و دولت کو قاضیوں یا اربابِ اختیار تک پہنچا کر اُن سے غلط طور پر کام نکلوانے کے لئے استعمال کرے تاکہ قانون کی آڑ میں اُسے کوئی مادّی مفاد حاصل ہو جائے۔ اِس سے بھی زیادہ نازک قسم وہ ہے جہاں ہم اپنی دولت کو آپس ہی میں فضول اور بیکار مشاغل میں صَرف کرتے ہیں۔ اسلامی نظریہ کے تحت یہ بھی لالچ کی ایک قسم ہے۔ مال و دولت کی اپنی ذمہ داریاں ہیں۔ اگر ہم اُنہیں سمجھ نہ پائیں یا اُن کی تکمیل نہ کر پائیں تو ہم نے روزے رکھنے سے بھی نفس کشی کا پورا سبق نہیں سیکھا۔'' (عبداللہ یوسف علی، نوٹ: ۲۰۱)

(۱۴۷) انسان (MAN)

قرآن مجید کا سنجیدہ و متین اور پُر خلوص مطالعہ کرنے سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اس کا مرکزی عنوان ''انسان'' ہے۔قرآنِ حکیم میں مختلف عنوانات اِسی مرکزی عنوان کے گرد اِسی طرح گھومتے ہیں جس طرح کہ ہار کے رنگا رنگ کے اور مختلف جسامت کے دانوں کو اکٹھا جوڑ دیا جاتا ہے۔لیکن یہ یاد رہے کہ جہاں حضرتِ انسان کی قرآن مجید میں بار بار تعریف و ستائش کی گئی ہے' اُسے کچھ قابلِ فہم وجوہ کی بناء پر سرزنش بھی کی گئی ہے۔آنے والے صفحات میں انسان کے اس ثنائی (Dual) پہلو کو قرآنِ حکیم کی روشنی میں بالتفصیل یکے بعد دیگرے زیرِ بحث لایا جائے گا۔

(الف) ایجابی پہلو ۔۔قرآن مجید میں انسان کا ممتاز و ارفع مقام: (1) روئے زمین پر انسان کو خلیفۃ اللہ کے منصب اعلیٰ سے سرفراز کر کے اُسے تمام مخلوقات کا صدر اور سردار بنا دیا گیا جیسا کہ فرمایا:

(۱) وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ" فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (البقرۃ : ۳۰)
''(اور وہ وقت یاد کریں) جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں (اپنا) نائب بنانے والا ہوں۔'' (۳۰ : ۲)

(۲) وَھُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ (الانعام : ۱۶۵)
''اور وہی تو ہے جس نے تمہیں زمین میں نائب بنایا۔'' (۱۶۵ : ۶)

''خلیفہ وہ ہے جو کسی کے ملک میں اُس کے نائب کی حیثیت سے اُس کے احکام کے مطابق عمل کرائے۔''

(2) اس منصب کے لئے انسان کے انتخاب کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ انسان کے علاوہ جتنی بھی مخلوق ہے' اُس کی استعداد' علم اور اُس کا دائرۂ عمل محدود ہے لیکن انسان جو ابتداء میں ضعیف بھی ہے اور جہول بھی' اُس میں وہ پایاں ناپذیر استعداد رکھ دی گئی ہے اور عقل و فہم کی وہ قوّتیں ودیعت فرما دی گئی ہیں جن کے تصرّفات کی حد نہیں۔اس لئے جملہ مخلوقات میں سے صرف یہی ایک مخلوق ہے جو منصبِ خلافت کی اہلیّت رکھتی ہے۔علمائے ربانیین نے اِس مشتِ خاک میں پنہاں توانائیوں سے جیسے پردہ اٹھایا ہے' اُس کی گردِ راہ کو بھی نفسیاتِ انسانی کے ماہرین نہیں پہنچ سکتے۔عارف کامل اسمٰعیل حقّی کا بیان ملاحظہ ہو:

''انسان مختلف عناصر سے مرکّب ہے۔اُس کی صورت کا تعلق عالمِ محسوس سے ہے اور اُس کی روح کا تعلق عالمِ غیب ملکوتی سے ہے۔صورت و روح کے علاوہ اُس میں ایک پوشیدہ قوّت ہے جو انوارِ ربانی کے فیض کو قبول کرنے کی استعداد رکھتی ہے۔اچھی تربیت سے وہ عالمِ محسوس سے ترقی کر کے عالمِ غیب تک رسائی حاصل کرتا ہے اور رسالتمآب ﷺ کی سچی پیروی سے اُس پر عالم جبروت و عظموت کی راہیں کھلتی ہیں۔ وہ الٰہی نور جو اِس اطاعت و پیروی کی برکت سے اُسے حاصل ہوتا ہے' اس سے وہ جمال و جلال کے انوار و تجلیات کا مشاہدہ کرتا ہے۔''

''انسان کو جو صرف خاک کا پتلا سمجھتے ہیں' کاش اُس کی حقیقت پر غور کریں تاکہ اُن میں اپنے بلند مقام پر پہنچنے کی تڑپ پیدا ہو۔ یہ وہ ذرّہ ہے جس کے سامنے آسمان کی رفعتیں سرنگوں ہیں اور یہ وہ قطرہ ہے جس میں سمندر کی گہرائیاں ہیں۔'' (''ضیاء القرآن' جلد اوّل' صفحات ۴۶' ۴۷۔۔ پیر کرم شاہ الازہری)

زیورِ علم کا گجرا پہنا کر اُسے اس خاکدانِ گیتی میں بھیجا گیا اور فرشتوں پر اُس کے علم کی فوقیت کو یوں بیان کیا گیا:
وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ O قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ O قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ O (البقرۃ : ۳۱۔۳۳)
''اور اللہ نے آدم کو تمام (اشیاء کے) نام سکھا دئے' پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا: مجھے اِن اشیاء کے نام بتا دو اگر تم (اپنے خیال میں) سچے ہو۔ فرشتوں نے عرض کیا: تیری ذات (ہر نقص سے) پاک ہے' ہمیں کچھ علم نہیں مگر اُسی قدر جو تو نے ہمیں سکھایا ہے' بے شک تو ہی (سب کچھ) جاننے والا' حکمت والا ہے۔ اللہ نے فرمایا: اے آدم! (اب تم) اُنہیں ان اشیاء کے ناموں سے آگاہ کرو' پس جب آدم نے اُنہیں اُن کے ناموں سے آگاہ کیا تو (اللہ نے) فرمایا: کیا میں نے تم سے کہا نہیں تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی (سب) مخفی حقیقتوں کو جانتا ہوں اور وہ بھی جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔'' (۳۱ تا ۳۳ : ۲)

''حضرت ابن عباس' عکرمہ' قتادہ اور ابن جُبیر رضی اللہ عنہم نے اس آیت کی تفسیر یوں بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو چھوٹی بڑی تمام اشیاء کے سب نام سکھا دئے اور خلافت کے منصب کا تقاضا بھی یہی تھا کہ اُنہیں اُن تمام چیزوں کا علم عطا فرما دیا جاتا۔ جب آدم علیہ السلام کے علم کی یہ کیفیت ہے تو سیّد بنی آدم خلیفۃ اللہ فی العالم محمد مصطفیٰ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے علوم ومعارف کا کیا کہنا!'' (ضیاء القرآن' ج ۱)

جب فرشتوں نے آدم علیہ السلام کی وسعتِ علم اور اپنے عجز کا اعتراف کر لیا تو پروردگارِ عالم نے اُنہیں حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کریں۔ سجدہ کا لغوی معنیٰ ہے تذلّل اور خضوع اور شریعت میں اس کا معنیٰ ہے پیشانی کا زمین پر رکھنا۔ بعض علماء کے نزدیک یہاں سجدہ کا لغوی معنیٰ مراد ہے کہ فرشتوں کو ادب واحترام کرنے کا حکم دیا گیا لیکن جمہور علماء کے نزدیک شرعی معنیٰ مراد ہے یعنی فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ وہ آدم علیہ السلام کے سامنے پیشانی رکھ دیں۔ اب اس سجدہ کی دو صورتیں ہیں: ایک تو یہ کہ پیشانی جھکانے والے کا اعتقاد یہ ہو کہ جس کے سامنے میں پیشانی جھکا رہا ہوں' وہ خدا ہے' تو یہ عبادت ہے اور عبادت خاص ہے اُسی وحدہٗ لاشریک لہٗ کے ساتھ جو ساری کائنات کا خالق ومالک ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جس کے سامنے سجدہ کیا جا رہا ہے' اُس کی عزت واحترام کے لئے ہو'

عبادت کے لئے نہ ہو تو اِسے سجدہ تحیہ کہتے ہیں۔ یہ پہلے انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں جائز تھا لیکن حضور علیہ السلام نے اس سے بھی منع فرما دیا لہٰذا اب سجدہ تعظیمی بھی ہماری شریعت میں حرام ہے۔

اس واقعہ سے درج ذیل دو نتائج اخذ کئے جا سکتے ہیں:

(۱) فرشتوں کو آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم آدم علیہ السلام کی فضیلتِ علمی کو ظاہر کرتا تھا۔ اُنہیں یہ حکم یہ ثابت ہونے کے بعد ملا کہ فرشتوں کا خداداد علم آدم علیہ السلام کے خداداد علم سے کہیں کم اور فروتر ہے۔

(۲) سچی اور سُچی عقل و دانش رب تعالیٰ کے حضور قولاً وفعلاً جھک جانے کا نام ہے۔ حکمِ الٰہی کی تعمیل میں فرشتوں کا آدم کے آگے جھک جانا عقلمندی پر مبنی تھا جبکہ ابلیس کو جس نے اپنے آپ کو آدم سے برتر اور اعلیٰ سمجھتے ہوئے حکمِ الٰہی سے سرتابی کی، راندہِ درگاہ کر دیا گیا اور اُسے متکبر کا فر قرار دے کر اُس کی تذلیل کی گئی۔ اس واقعہ کے بیان کرنے میں رب تعالیٰ نے جہالت پر علم کی فتحیابی کو ثابت کیا ہے۔ وہ جہالت جو خود پرستی اور خود پسندی کا نتیجہ ہوا کرتی ہے۔ اس طرح ربِّ ذوالجلال والاکرام نے عقل کے خلاف عمل کرنے کے بدنتائج سے تنبیہ کی ہے کیونکہ جیسا کہ بیان ہوا، صحیح عقل خالقِ کائنات کی رضا کے آگے سرِ تسلیم خم کر دینے کا نام ہے۔ اور اِسی حقیقت کی روشنی ہی میں فرمودہِ رسول ﷺ: رَأسُ الْحِکْمَۃِ مَخَافَۃُ اللہ (سب سے بڑی دانائی خوفِ خدا ہے) کو سمجھا جا سکتا ہے۔

آدم علیہ السلام کو ابتداءً علم دئے جانے کی بابت اکثر یہ سوال کیا جاتا ہے کہ کیا کچھ چیزوں کے ناموں کو جان لینے ہی کو علم کہا جا سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قابلِ اعتنا چیز سطحِ علم نہیں تھی کہ کتنا علم دیا بلکہ اہمیت علم تھی اگرچہ سطحِ علم کتنی ہی کم ہو۔ انسانی ارتقاء کا عمل شروع ہی اشیاء کے نام جاننے سے ہوتا ہے۔ یہ بھی عام طور پر سوال کیا جاتا ہے کہ اگر آدم نے زمین پر خلیفۃ اللہ ہونے کی خدمت انجام دینا تھی تو اُنہیں اوپر جنت میں کیوں رکھا گیا اور پھر وہاں سے نیچے زمین پر کیوں بھیجا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آدم اور اُن کی بیوی حوا علیہا السلام کو جنت میں رکھنے میں ایک قطعی منصوبہ تھا اور وہ یہ کہ اُنہیں آزمائش میں سے گزارنا تھا جو انسان کے ارتقاء کے عمل کا ایک جزء ہے اور اس ارتقائی عمل میں صرف یہ بتانا کافی نہیں ہوتا کہ کون سی چیز عمل میں لائی جائے اور کون سی نہیں۔ آدمی زندگی میں پیش آنے والے کچھ حوادث، سانحات، پلٹا کھانے، مزاحمتوں اور دھچکا کھانے سے بہت کچھ سیکھتا ہے۔ لہٰذا آدم علیہ السلام کو زمین پر بھیجنے کا حکم دینا اُن کے حق میں سزا نہیں تھی بلکہ یہ اُن کے مقصدِ تخلیق کی تکمیل تھی جس کا اشارہ تخلیقِ آدم سے قبل ہی رب تعالیٰ نے فرشتوں کے آگے کر دیا تھا۔ پھر دنیا میں آپ کا آنا ایک بہت بڑی کامیابی کا پیش خیمہ تھا اور شیطان کی ناکامی اور نامرادی کا مقدمہ تھا۔

"کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اگر آدم شجرِ ممنوعہ سے نہ کھاتے تو ہم اُن کی اولاد ہونے کے ناطے سے جنت ہی

میں رہتے۔ اُن کے شجرِ ممنوعہ سے کھانے کی وجہ سے ہمیں بھی جنت سے آنا پڑا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جنت میں رہنا کسی کا کوئی حق نہیں ہے۔ جنت تو پاک لوگوں کی جگہ ہے۔ حضرت آدم کی پشت میں پاک لوگ بھی تھے اور ناپاک لوگ بھی تھے۔ رب تعالیٰ نے حضرت آدم کو دنیا میں بھیجا کہ اپنی پشت سے تمام اولاد کو نکال کر زمین پر چھوڑ آؤ۔ اُن میں سے جو پاک لوگ ہوں گے وہ جنت میں جائیں گے اور ناپاکوں کو جہنم میں بھیج دیا جائے گا۔ اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو حضرت آدم کی پشت میں ان ناپاک لوگوں کا وجود اُن کے جنت سے آنے کا سبب تھا اور حقیقت کہ چونکہ حضرت آدم کو زمین کی خلافت کے لئے پیدا کیا گیا تھا اس لئے اُنہوں نے بہر حال زمین میں آنا تھا۔ اگر شجرِ ممنوعہ سے کھانا سبب نہ ہوتا تو زمین پر آنے کا کوئی اور سبب بن جاتا۔''

اِسی عمل کے دوران حضرت آدم اور حوا علیہا السلام کو ایک طرف تو محو بالذات تکبّر (Self-centred pride) کے نتائج سے آگاہ کرنا تھا تو دوسری طرف توبہ وتأسّف اور رجوع الی اللہ کی طرف مائل کرنا تھا۔ شیطان کو اپنی جھوٹی برتری پر اتنا گھمنڈ تھا کہ اُس نے نہ صرف آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کیا بلکہ اپنی نافرمانی اور گستاخی پر معذرت کرنے کی بھی پروانہ کی جس کے نتیجہ میں وہ ہمیشہ کے لئے راندۂ درگاہ ہوگیا۔ جبکہ آدم اور حوا علیہا السلام اپنی کوتاہی کو تسلیم کرتے ہوئے فوراً معافی کے خواستگار رہوئے اور اُنہیں معاف کر دیا گیا۔

قرآن مجید ہمیں عقل و دانش سے بھرپور ایک اور واقعہ سناتا ہے جس میں استاد (معلّم) اور شاگرد (متعلّم) کے لئے کئی نصیحت آموز سبق ہیں۔ یہ ہمارا پختہ ایمان ہے کہ نبوت کے اعلیٰ منصب کے ناطے سے انبیاء اور رسولوں کا مقام مثالی اور ناقابلِ رسائی ہوتا ہے اور خالقِ کائنات سے قریبی رابطہ ہونے کی وجہ سے اُن کی عقل و دانش اور علم سے کسی اور کا مقابلہ نہیں ہوسکتا بلکہ وہ تو عقل و دانش اور علم وآگہی کا سرچشمہ ہوتے ہیں۔ ان روشن، ظاہر و باہر حقائق کے باوصف ہمیں موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کے واقعہ میں سبق آموز بات ملتی ہے اور وہ یہ کہ حضرت موسیٰ اور اُن کے ساتھی یوشع بن نون بن افرائیم بن یوسف (علیہما السلام) ایک مرتبہ بہ حکمِ الٰہی ایک عالم شخص کی تلاش میں نکلے۔ تکلیف دِہ سفر کے بعد وہ اُس آدمی کے پانے میں کامیاب ہو گئے۔ سورۃ الکہف کی آیات ۶۵ تا ۷۰ میں اُن کی ملاقات کو بڑے خوبصورت انداز میں بیان کیا گیا ہے:۔

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا آتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًاO قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلٰى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًاO قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ صَبْرًاO وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَالَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًاO قَالَ سَتَجِدُنِىْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِىْ لَكَ اَمْرًاO قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِىْ فَلَا تَسْئَلْنِىْ عَنْ شَىْءٍ حَتّٰٓى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًاO (الکہف: ۶۵-۷۰)

''تو دونوں نے (وہاں) ہمارے بندوں میں سے ایک (خاص) بندے (خضر علیہ السلام) کو پالیا جسے ہم نے اپنی بارگاہ سے (خصوصی) رحمت عطا کی تھی اور اُسے ہم نے اپنا علمِ لدُنّی (یعنی اسرار و معارف

کا الہامی علم) سکھایا تھا۔ اُس سے موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: کیا میں آپ کے ساتھ اس (شرط) پر رہ سکتا ہوں کہ آپ مجھے (بھی) اُس علم میں سے کچھ سکھائیں گے جو آپ کو بغرض ارشاد سکھایا گیا ہے؟ اُس (خضر علیہ السلام) نے کہا: بے شک آپ میرے ساتھ رہ کر ہرگز صبر نہ کرسکیں گے۔ اور آپ اس (بات) پر کیسے صبر کرسکتے ہیں جسے آپ (پورے طور پر) اپنے احاطۂ علم میں نہیں لائے ہوں گے؟ موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: آپ انشاء اللہ مجھے ضرور صابر پائیں گے اور میں آپ کی کسی بات کی خلاف ورزی نہیں کروں گا۔ (خضر علیہ السلام نے) کہا: پس اگر آپ میرے ساتھ رہیں تو مجھ سے کسی چیز کی بابت سوال نہ کریں یہاں تک کہ میں خود آپ سے اس کا ذکر کروں۔'' (۶۵ تا ۷۰ : ۱۸)

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اِس واقعہ سے مندرجہ ذیل نکات اخذ کئے ہیں:

(۱) آدمی خواہ علم کے کتنے ہی اونچے مقام پر پہنچ جائے' اُسے بہرحال علم کا متلاشی اور طالب رہنا چاہئے۔

(۲) متعلم کے لئے معلم کا احترام اور اپنی طرف سے انتہائی فروتنی برتنا لازم ہے اور یہ کہ وہ استاد کے احکام کی اطاعت اور اُس پر ترکِ اعتراض ومخالفت کی عادت اختیار کرے' جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے زبانِ کلام سَتَجِدُنِیٓ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ صَابِرًا وَّلَآ اَعۡصِیۡ لَکَ اَمۡرًا (آپ انشاء اللہ مجھے صابر پائیں گے اور میں آپ کے حکم کے خلاف نہیں کروں گا) سے ظاہر ہے۔

(۳) متعلم اپنے استاد کے سامنے فروتنی کا اظہار کرے اگرچہ استاد شاگرد سے دنیوی لحاظ سے رتبے میں کم ہی کیوں نہ ہو۔

(۴) متعلم کو اپنے سفری اخراجات کا بندوبست کرلینا چاہئے اور یہ چیز توکل علی اللہ کے منافی نہیں ہے۔

(۵) ناگوار چیزوں اور نسیان کے عمل کو شیطان کی طرف منسوب کرنا بہ طورِ استعارہ ہے اور اس قسم کا اظہار اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور عظمت کے لئے ہوتا ہے۔

(۶) معلم اگر یہ محسوس کرے کہ متعلم اُس کے علم وہنر سے فائدہ نہیں اٹھا سکے گا تو معلم کو اُسے تعلیم نہ دینے پر معذرت خواہی کا پورا حق حاصل ہے۔

(۷) باہمی معاملات کے طے کرنے کے وقت، آدمی کو اپنے شکوک شبہات پہلے ہی بیان کردینے چاہئیں۔

(۸) آدمی کو اُس شخص پر شرائط عائد کرنے کا حق حاصل ہے جو اُس کی پیروی کرنا چاہتا ہے یا اُس سے فائدہ اُٹھانا چاہتا ہے۔

(۹) شرط کے طے ہو جانے پر اُس کی تکمیل لازم ہے۔

(۱۰) یادداشت کی کمزوری کی وجہ سے بھول چوک (نسیان) اور دوسری کوتاہیوں کے سرزد ہو جانے میں انسان قابلِ ملامت نہیں ہے۔

ان کے علاوہ علمائے تفسیر نے اس واقعہ سے کچھ اور نکات بھی مستنبط کئے ہیں مثلاً:

(۱۱) تفسیر روح المعانی میں ہے کہ جب کوئی بندہ خالصۃً اللہ کے لئے کسی کام کو نکلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کی تکالیف کو راحت وسکون میں بدل دیتا ہے اور اُسے وہ تکلیف محسوس بھی نہیں ہوتی لیکن جب بندے کا وہ کام اللہ کے لئے نہیں رہتا تو پھر مصائب اپنی شکل میں نمودار ہوتی ہیں اور محسوس ہونے لگتی ہیں اگرچہ بندے کے عمل وفعل کی یہ تبدیلی بلاارادہ ہی کیوں نہ ہو اور بندہ اب تک اپنے اس فعل کو عبادت ہی سمجھ رہا ہو۔ موسیٰ علیہ السلام کو مصر سے بحرین تک کے دراز سفر میں وہ تکلیف محسوس نہ ہوئی جو اس تھوڑے سے سفر میں ہوئی۔

(۱۲) سفرِ علم کے لئے تکلیف اٹھانا اور تکلیف کی پروانہ کرنا اور تکالیف ومصائب کے باوجود ہمت وکوشش جاری رکھنا انبیائے کرام علیہم السلام کی سنتِ مبارکہ ہے۔ موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے ساتھی کا مصر سے سفر کرنا اور بے سروسامانی اور راہ کی تکالیف کا کچھ غم اور فکر نہ کرنا صرف اللہ کے علم کو حاصل کرنے کے لئے تھا۔

(۱۳) تلی ہوئی مچھلی کا زندہ ہو کر ناشتہ دان سے نکلنا اور دریا میں چلے جانا (۱۸:۶۳) اُس مقام پر ہوا جہاں خضر علیہ السلام سکونت پذیر تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ والوں کا خداداد مقام مردہ کو زندگی بخشتا ہے۔

(۱۴) سفر کی صعوبتوں اور تکالیف کا کسی کے آگے ذکر کرنا بالکل جائز ہے خواہ سفر کسی قسم کا ہو۔ لیکن یہ ذکر ازراہِ شکایت نہ ہو۔ موسیٰ علیہ السلام کا سفر کی تکالیف کا ذکر کرنا ازراہِ تعجب تھا نہ کہ ازراہِ شکایت۔ اور یہ تعجب اس معنی میں تھا کہ مصر سے بحرین تک کے چالیس دن کے طویل سفر میں تو ہم نے کوئی بے آرامی یا تکلیف محسوس نہیں کی تھی لیکن کتنے تعجب کی بات ہے کہ اس مختصر سے سفر میں ہم تھک گئے ہیں!

(۱۵) مستقبل کے ہر کام کی تکمیل کے لئے انشاء اللہ کہنا ضروری ہے' بالخصوص اُس کام میں جس کی تکمیل غیر یقینی ہو۔ یہ بات موسیٰ علیہ السلام کے فرمان اِنْ شاءَ اللّٰہُ سے ثابت ہوئی (بحوالہ آیت ۱۸:۶۹)۔

(3) حضرتِ انسان میں اپنی روح پھونک کر اللہ بزرگ و برتر نے اُسے خصوصی تعظیم و تکریم سے نوازا اور اس مفہوم میں انسان دنیا کی رنگ رنگیلی بارات کا دولہا بن گیا۔ اُس کی رشکِ جناں شکل و شباہت کا نقشہ یوں کھینچا گیا:

وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ O وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ O وَھٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ O لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ O (اَلتِّیْن: ۱ تا ۴)

''قسم ہے انجیر اور زیتون کی اور طورِ سینا کی اور اس امن والے شہر (مکہ) کی کہ ہم نے انسان کو (بہ اعتبارِ شکل و عقل) بہترین اعتدال پر پیدا کیا ہے۔'' (۱ تا ۴ : ۹۵)

اگر ہم انجیر کو لفظی طور پر انجیر کے پھل یا اُس کے درخت کے معنی میں لیں تو یہ کئی لحاظ سے انسان کی قسمت اور مقدر کی علامت ہے۔ اپنی کاشت کے وقت' وہ عمدہ ترین' انتہائی مزیدار اور انتہائی خوشگوار پھل ہوتا ہے۔ پراگندہ اور خودرَو شکل میں وہ ننھے ننھے بیجوں کے سوا کچھ نہیں ہوتا' وہ بے لطف اور بے مزا ہوتا ہے اور اکثر اوقات کیڑوں بھرا اور سڑا بُسا ہوتا ہے۔ لہٰذا انسان کا مقدر ممکنہ حد تک شریفانہ اور تکریمانہ ہے اور جب اُس کی بدعملیوں کی وجہ سے اُس کا مقدر خراب ہو جائے تو وہ کیڑوں کی جگہ پست سے پست حالت کی طرف لوٹ جاتا ہے۔

''انجیر کے بیجوں اور زیتون کے تولیدی خلیہ (بیضہ) کے حوالہ سے کرم منی (Spermatozoa) کو یہاں نظر انداز کرنا ناممکن ہے۔ جو چیز زیادہ حیران کن ہے وہ یہ کہ انجیر کے بیجوں کے حجم کا زیتون کے ساتھ تناسب بالکل ویسا ہی ہے جیسا کہ مادہ منویہ کے خلیے کا تولیدی خلیہ کے ساتھ تناسب ہے۔''

''اب میں یہاں اُن دو نمایاں پیغامات کی طرف آتا ہوں جو اِس سورۃ میں اشرف المخلوقات یعنی انسان سے متعلق ہیں۔ پہلا پیغام موسمی حالات اور صحتی ضروریات سے متعلق ہے جو انسان کو پروان چڑھاتے ہیں۔ جیسا کہ بہت سے شارحین نے لکھا ہے کہ پہلی تین آیات میں انجیر' زیتون اور طور سینین کا تصور اچھے موسمی حالات کی نمائندگی کرتا ہے۔ طور سینین جس کا ترجمہ اکثر کوہ سینا میں کیا جاتا ہے' جزیرہ نمائے سینا کا وہ پہاڑ ہے جہاں موسیٰ علیہ السلام کو قانونِ شریعت ملا تھا اور جہاں سبزے کی بہت زیادہ پیداوار ہوتی ہے۔ پس اگر کسی علاقے کے موسمی حالات انجیروں اور زیتون کی پیداوار اور کوہ سیناء کے موسمی حالات کے موافق ہوں تو وہ علاقہ انسانی صحت کے حوالے سے بہترین موسمی حالات کی نمائندگی کرے گا۔''

''یہ ابتدائی آیات اشرف المخلوقات یعنی انسان کو صحت کا نسخہ عطا کرتی ہیں۔ آج انسانی صحت سے متعلق تین

اہم اور ناگزیر تقاضے معلوم ہوئے ہیں جن میں سے پہلا صاف ہوا کی ضرورت ہے۔ طُورِ سِینِین میں کوہِ سبز کا تصوّر غیر آلودہ' پاک وصاف ہوا کی ایک معیاری اور معجزاتی تعریف ہے۔ اس کے پہلو بہ پہلو غیر آلودہ' پاک وصاف ہوا کی تقطیر (نتھار) اور پتوں کے گچھوں کے ذریعے تازہ آکسیجن کی فراہمی زندگی کے روحانی پہلو کی نمائندگی کرتے ہیں۔''

''زیتون کی قسم اٹھانے میں بھی سائنسی پیغام ہے اور اس میں انسان کے خوش آئند قد وقامت کا راز پنہاں ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ زیتون انسان کی خوراک کے ساتھ مخصوص ہے۔ اپنے اثرات کے لحاظ سے خلیے کی جھلّی کی بناوٹ سے لے کر دماغ کے عصبی خلیوں اور جنسی خلیوں تک یہ ایک بے مثال حیاتیاتی خزانہ ہے۔ علاوہ ازیں وٹامن E جو عضلہِ قلب کے ریشہ لحمی (Myocordial Tissue) کی مختلف سرگرمیوں اور جنسی خلیوں کی بناوٹ میں اہم کردار ادا کرتا ہے' کی نمائندگی حیاتیاتی ساخت میں زیتون میں ہوتی ہے۔ زیتون کی یہ غیر معمولی ساخت ایک بار پھر اُس حیاتیاتی برتری پر زور دیتی ہے جو اللہ نے اَحسنِ تقویم کے راز میں انسان کو عطا کی ہے۔ زیتون جانور کا چارہ نہیں بلکہ وہ زندگی کا ارفع واعلیٰ نسخہ ہے جسے ناقابلِ فہم کیمیائی عوامل سے گزار کر تیار کیا گیا ہے۔''

''جہاں تک انجیر کا تعلق ہے تو نباتاتی رَس سے اپنی پیدائش کے لحاظ سے دوسرے پھلوں پر اُسے خاص مقام حاصل ہے۔ یہ رَس نامیاتی کیمیا (Biochemical) کا خزانہ ہے جس میں پروٹین' فاسفورس اور شکر (Ribose) کا اجتماع ہوتا ہے۔''

''انجیر کی تخصیص انسانی ساخت کے حیاتیاتی لوازم کو ظاہر کرنے کے ساتھ ساتھ اس حقیقت کو بھی ظاہر کرتی ہے کہ انجیر کے ساتھ غذائی مرکب کا ہونا خوراک کا ابتدائی ذریعہ ہے۔ پاک وصاف ہوا سے لے کر انجیر وزیتون کی خصوصیات تک زندگی کا یہ سہ جہتی راز اللہ تعالیٰ نے انسان کو بطورِ نعمت عطا کیا ہے جس کی تخلیق احسنِ تقویم پر ہوئی ہے اور جو اللہ کے نام کو بار بار دہراتا ہے۔''
("The Holy Koran and the Facts of Science"..
Dr. Haluk Nurbaki, pp. 359-361)

اَلْبَلَدِ الْاَمِیْن سے بالاتفاق مراد شہرِ مکہ ہے جسے امین اس لئے فرمایا گیا کہ جو جانور یا انسان مکہ میں داخل ہوا' وہ امن وسلامتی میں ہو جاتا ہے۔ شہرِ مکہ کا احترام زمانہ جاہلیت میں بھی ہوتا تھا جس میں ہر قسم کے لڑائی جھگڑے کی ممانعت تھی لیکن اِسی شہر کے باسیوں نے امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تقدس وعظمت کی پروا نہ کرتے ہوئے اُن پر مظالم کی انتہا کر دی اور وہ شہر بت خانہ اور گناہ کا گڑھ بنا رہا اور اس طرح شہر عمدہ ترین اور بدترین عناصر کا موازنہ پیش کرتا رہا۔

اِن چار اشیاء کی قسموں کو بالتفصیل زیرِ بحث لانے کے بعد اب ہم اُنہیں اکٹھا زیرِ بحث لاتے ہیں۔ یہ تو

واضح ہے کہ اُن میں اللہ تعالیٰ کے نور اور وحی کا حوالہ ہے جو انسان کو اعلیٰ و ارفع مقدر عطا کرتا ہے اگر وہ صحیح راہ پر گامزن ہو۔ مکہ اسلام کی، سینائی اسرائیل کی اور طورِ سیناء عیسیٰ علیہ السلام کی اصل اور خالص پیغام کی علامت ہیں۔ اگر ہم انجیر اور زیتون کو اُن سے پیدا ہونے والے پھل کی علامت سمجھیں تو انسان کے مقدر میں عمدہ ترین اور بدترین شے کا موازنہ باقی رہ جاتا ہے اور یہی اصل چیز ہے۔'' (عبداللہ یوسف علی، نوٹ: ۶۱۹۴ تا ۶۱۹۸)

علامہ اسمٰعیل حقی کے بیان کے مطابق أَحْسَنِ تَقْوِيْم سے مراد روح کا ملکوتی حصہ ہے☆ کیونکہ انسان کو کچھ الٰہی صفات بھی عطا ہوئی ہیں جیسے زندگی، سماعت، بصارت (سورۃ الدھر: ۲)، علم (سورۃ العلق: ۵)، قوت و توانائی (سورۃ الرّوم: ۵۴)، قوتِ ارادی (سورۃ الکہف: ۲۹) جو سب کی سب الٰہی صفات ہیں اور جن کی طرف رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے بہ ایں الفاظ اشارہ فرمایا تھا:

خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ

''اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی شبیہ پر پیدا فرمایا''۔ (تفسیر روح البیان)

(4) انسان کی تخلیق کوئی حادثاتی یا اتفاقی بات نہیں۔ ڈارونزم کے نظریہ کے برعکس انسان ایک منتخب اور انتخاب شدہ ہستی ہے جیسا کہ قرآن نے فرمایا:

ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ۝ (طٰہٰ: ۱۲۲)

''پھر اُن (آدم علیہ السلام) کے رب نے اُنہیں (اپنی قربت و نبوت کے لئے) چن لیا اور اُن پر (عفو و رحمت کی خاص) توجہ فرمائی اور منزلِ مقصود کی راہ دکھا دی۔'' (۲۰ : ۱۲۲)

(5) ہر شخص وجدانی صداقت یعنی فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے جس کے متعلق قرآن یوں فرماتا ہے:

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (اَلرُّوم: ۳۰)

''دینِ (حق) کی طرف اپنا رُخ رکھو، اللہ کی اُس فطرت کا اتباع کرو جس پر اُس نے انسان کو پیدا کیا ہے، اللہ کی بنائی ہوئی فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں ہے، سیدھا دین یہی ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔'' (۳۰:۳۰)

فطرت کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص میں اللہ تعالیٰ نے پیدائشی طور پر یہ استعداد رکھی ہے کہ اگر وہ حق کو سُن کر سمجھنا چاہے تو وہ سمجھ میں آ جاتا ہے اور اُس کے اِتباع کا مطلب یہ ہے کہ اُس استعداد اور قابلیت سے وہ صحیح کام لے۔ اِس میں یہ اشارہ بھی نکلتا ہے کہ یہ دینِ اسلام تو عین فطرتِ انسانی کے مطابق ہے اور فطرتِ بشری میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں، اس لئے اس دین میں بھی کسی قسم کی ترمیم کی خواہش کرنا سرتا سر بے عقلی اور نادانی ہے۔

☆ ''انسان میں صفتِ ملکوتیت کا غلبہ'' پر تفصیلی مضمون زیرِ نظر عنوان کے آخر میں ملاحظہ ہو۔

چونکہ یہ دین عقلِ سلیم سے کلیتاً ہم آہنگ اور فہمِ صحیح کے عین مطابق ہے اسی لئے فطری طور پر انسان نہ اس سے منہ موڑ سکتا ہے اور نہ اس کا انکار کر سکتا ہے۔ نیز انسانی فطرت کے جتنے تقاضے ہیں خواہ وہ جنسی ہوں' معاشی ہوں' اخلاقی ہوں' عقلی ہوں یا رُوحانی' یہ دین ہر قسم کے تقاضوں کو صحت مندانہ انداز میں پورا کرتا ہے جس کے باعث زندگی کا دامن سچی مسرتوں کے پھولوں سے بھر جاتا ہے اور ابدی سعادت کا تاج اُس کے سر پر رکھ دیا جاتا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کی زمین پر اُس کی خلافت کے منصبِ جلیلہ کی ذمّہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے جو صلاحیتیں اور استعدادیں اُسے ودیعت کی گئی ہیں' اُن کی صحیح نشو ونما کا اہتمام صرف یہی دین کرتا ہے۔ امام بخاری اور امام مسلم نے ایک حدیث نقل کی ہے جس سے اس مفہوم کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلٰى فِطْرَةِ الْاِسْلَامِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ أَوْيُنَصِّرَانِهٖ أَوْيُمَجِّسَانِهٖ كَمَثَلِ الْبَهِيْمَةِ تُنْتِجُ الْبَهِيْمَةَ بَهِيْمَةً جَمْعَاءَ هَلْ تُحِسُّوْنَ فِيْهَا مِنْ جَدْعَاءَ؟ (صحیح بخاری' جلد ا' ص ۱۸۵)

''ہر بچہ دینِ فطرت پر پیدا ہوتا ہے' تو اُس کے والدین اُسے یا تو یہودی بنا دیتے ہیں' یا عیسائی یا مجوسی (آتش پرست) بنا دیتے ہیں جس طرح جانور کا بچہ صحیح الاعضاء پیدا ہوتا ہے۔ بعد میں اُس کے کان وغیرہ کاٹے جاتے ہیں۔''

اِسی قسم کی روایت جناب جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ (مسند امام احمد) ''ہر پیدا ہونے والا بچہ صراطِ مستقیم (فطرت) پر پیدا ہوتا ہے۔''

''اللہ کی بنائی ہوئی فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں اُس نے اپنا بندہ بنا کر پیدا فرمایا ہے۔ تم لاکھ چاہو کہ اُس کی بندگی سے نکل جاؤ' ناممکن ہے۔ تم لاکھ چاہو کہ اُس کے علاوہ کسی اور کو اپنا خدا اور کارساز بنالو' قطعاً محال ہے۔ آیت کا یہ مفہوم بھی بتایا گیا ہے کہ دینِ اسلام نے ہمیں جو نظامِ حیات دیا ہے' وہ ہماری فطرت کے عین مطابق ہے۔ اگر کوئی چاہے کہ اِس نظامِ فطرت کو چھوڑ کر کوئی دوسرا نظامِ حیات تجویز کر لو جو اسلام کی طرح تمہاری فطرت کے عین مطابق ہو تو ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔

انسان کی صحیح فطرت غلط ماحول' نامناسب طرزِ تعلیم' خود غرض مقاصد' سماجی رسوم و رواج اور توہمات کی وجہ سے گہنا جاتی ہے جس کے نتیجہ میں وہ اپنے اعلیٰ مقام کو بھول جاتا ہے' اُس غلط اور باطل چیز کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جاتا ہے جس سے اُس کے خالق نے اُسے روکا ہے اور ایسے طریقوں اور ذرائع کو اپناتا ہے جو اُسے انسانیت سے درندگی کی طرف لے جاتے ہیں اور اپنے اَبنائے جنس کے حقوق کو غصب کرنا سکھاتے ہیں۔ غرضیکہ صحیح رویّہ ہر انسانی فطرت کا غالب عنصر ہوتا ہے اور اسی کو قرآن مجید نے سورۃ الرّوم کی آیت ۳۰ میں اَلدِّيْنُ الْقَيِّمُ کہا ہے۔ اَلْقَيِّمُ مبالغہ کا صیغہ ہے بمعنیٰ ایسا سیدھا راستہ جس میں ذرا کجی نہیں اور ایسا صحیح جس میں غلطی کا ادنیٰ احتمال تک نہیں۔

''معصومیت انسان کی فطرتِ اصلی ہے جس طرح بھیڑ کے بچے کی فطرت بے ضرر ہونا اور گھوڑے کی فطرت تیز بھاگنا ہے۔ لیکن آدمی رسم و رواج' توہمات' خودغرض خواہشات' اور غلط تعلیم کی دلدل میں پھنس کر رہ جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ جھگڑالو' غیر پسندیدہ عادات کا حامل' جھوٹ' غلامانہ ذہنیت کا مالک' ممنوعہ چیزوں کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جانے والا' اپنے بھائی بندوں کی محبت و مودّت سے خالی اور ایک سچے خدا کی خالص عبادت سے تہی دامن ہو کے رہ جاتا ہے۔'' (عبداللہ یوسف علی' نوٹ : ۳۵۴۱)

اس تمام بحث کا ماحصل یہ ہے کہ امنِ عالم کی ضمانت تبھی دی جا سکتی ہے جب ہر فرد' ہر قوم اور ہر حکومت کو اپنی فطرتِ سلیمہ کا پاس رہے اور وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر دونوں طرح دوسروں کے حقوق کی پاسداری کریں کیونکہ ''حقوق کا حصول فرائض کی بجا آوری کے بعد ہی شروع ہوتا ہے''۔ بقولِ شاعر

عمل جب تک کیا ہم نے محمد کی شریعت پر　　خدا شاہد کہ ہم سے گردشِ دوراں بھی گھبرائی

(6) جیسا کہ لفظ ''انسان'' جو اَنَسَ یَاْنِسُ' (بمعنی مانوس ہونا) سے ہے' سے مستفاد ہے کہ انسانی فطرت کا یہ خاصہ ہے کہ وہ اپنے خالق (جو اُس کی اصل ہے) سے مانوس ہوتا ہے اور اپنے شعور میں اُسے اُس کی مکمل آگاہی حاصل ہوتی ہے جیسا کہ سورۃ الاعراف (۷) میں اعلان کیا گیا :

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ڔ شَهِدْنَا ڔ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ O (الاعراف : ۱۷۲)

''اور (یاد کیجئے) جب آپ کے رب نے اولادِ آدم کی پشتوں سے اُن کی نسل نکالی اور اُنہیں اُنہی کی جانوں پر گواہ بنایا (اور پوچھا) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ وہ (سب) بول اٹھے : کیوں نہیں؟ (تو ہی ہمارا رب ہے)' ہم گواہی دیتے ہیں تاکہ قیامت کے دن یہ (نہ) کہو کہ ہم اس دن سے بے خبر تھے۔''

''مذہبی تفکر و خیال فی الحقیقت توحید اور اللہ کی وحدانیت ہی سے شروع ہوتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ یہ نکتہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے ہم اپنے مطالعہ کے دوران سمجھ سکے ہیں' کہ وحدانیتِ الٰہی مذہب کی اصل شکل ہے۔'' ("Islamic Culture" ... Ehrenfels, p. 437) Hyderabad Deccan, October, 1940.

(7) امانتِ عظمیٰ کا متحمل ہونا : الٰہی رہنمائی کا تسلسل اور انبیاء علیہم السلام کی بعثت اُس خدائے رحیم و کریم کی اپنی مخلوق کے لئے انتہائی محبت و مودّت اور خیرخواہی کی غماز ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اُسے قوت و توانائی' قوتِ ارادی اور آزادانہ انتخاب عطا کر کے حضرتِ انسان کو اپنے خالق کا امین بنایا گیا ہے بایں معنیٰ کہ وہ اُس کے پیغام کی تشہیر کرے گا اور اُس کی اور اُس کی مخلوق کی ذمہ داریوں کو نبھائے گا۔ سورۃ الاحزاب میں قرآن مجید اس سنجیدہ مشن اور عظیم ذمہ داری کا ذکر جسے انسان نے اپنے سر لے لیا ہے' یوں کرتا ہے :-

۳۶۵۸ (انسان--MAN)

اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَةَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَالۡجِبَالِ فَاَبَیۡنَ اَنۡ یَّحۡمِلۡنَهَا وَاَشۡفَقۡنَ مِنۡهَا وَحَمَلَهَا الۡاِنۡسَانُ اِنَّهٗ کَانَ ظَلُوۡمًا جَهُوۡلًا ۝ (الاحزاب : ۷۲)

''بے شک ہم نے یہ امانت آسمانوں' زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی (کہ وہ اس کی ذمہ داری اُٹھائیں) تو اُنہوں نے انکار کردیا اور وہ اس سے ڈر گئے اور انسان نے اسے اُٹھالیا' بے شک وہ بڑا ظالم ہے' بڑا جاہل ہے۔'' (۳۳ : ۷۲)

''امانت سے مراد تکلیفاتِ شرعیہ ہیں جن میں عبادات' اخلاقیات اور ہر قسم کے قوانین داخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں' زمین اور پہاڑوں کو فرمایا کہ ہم تمہیں اختیار اور ارادہ کی آزادی دیتے ہیں' کیا تم اس اختیار و آزادی کے ساتھ اس امانت کا بار اُٹھانے کے لئے تیار ہو؟ پوچھا کہ اس میں جزا و سزا کیا ہے؟ فرمایا کہ نیکی پر اجر و ثواب اور بدی پر مؤاخذہ و عذاب۔ اس پر اُنہوں نے اعترافِ عجز کرتے ہوئے معذرت خواہی کردی اور اپنی بے بسی کا اقرار کیا کہ مولا! ہمیں اطاعت کے ثواب کی امید سے نافرمانی کے عذاب کا اندیشہ زیادہ ہے۔ ہم تیرے پابند حکم رہ کر تیرے ہر ارشاد کی تعمیل کریں گے لیکن اختیار و ارادہ کی آزادی میں جو خطرات پنہاں ہیں' اُنہیں برداشت کرنے کی ہم میں ہمت نہیں ہے۔ اب یہی چیز جب انسان کے سامنے پیش کی گئی تو اُس نے اپنی ناتوانیوں اور کمزوریوں کو پسِ پُشت ڈالتے ہوئے اس امانت کو اُٹھانے کی حامی بھرلی اور اس بارِ گراں کو اُٹھا کر اپنے آپ کو ابتلا و آزمائش میں مبتلا کردیا اور اس نے کسی عقلمندی کا ثبوت نہیں دیا۔ اس سے انسان کی مذمت مقصود نہیں بلکہ بیانِ واقع کے طور پر فرمایا: اِنَّهٗ کَانَ ظَلُوۡمًا جَهُوۡلًا۔ حضرت جُنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی پیاری بات فرمائی کہ ''جب اللہ تعالیٰ نے یہ امانت حضرت آدم پر پیش کی تو آپ کی نظر اُس وقت امانت اور اس کے بار پر نہ تھی بلکہ امانت پیش کرنے والے پر تھی اور اس کے پیش فرمانے میں جو لذّت و سرور تھا' اُس نے امانت کی گرانی کو نظروں سے اوجھل کردیا۔ جُنید فرماتے ہیں یقیناً لطفِ ربّانی نے آدم کی اس نیازمندی اور ہمت سے خوش ہو کر فرمایا کہ اے آدم! اُٹھانا تیرا کام ہے اور اُٹھانے کی توفیق دینا اور تیری حفاظت کرنا میرا کام ہے!'' (ضیاء القرآن' جلد چہارم' صفحات ۱۰۲' ۱۰۳)

''امانت جس کسی کو دی جاتی ہے' اُس پر اُسے اختیار بھی دیا جاتا ہے۔ اُس سے ہدایت کے مطابق امانت کو استعمال کرنے کی توقع کی جاتی ہے۔ اگر امانتدار کو اختیار حاصل نہ ہو تو اُسے امانت نہیں کہا جائے گا اور امانت کا مطلب یہی ہے کہ امانت رکھنے والے کو یقین ہے اور وہ توقع کرتا ہے کہ امین اُسے اُس کی مرضی کے مطابق استعمال کرے گا۔'' (عبداللہ یوسف علی' نوٹ: ۳۷۷۷)

اس آیت سے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ذیل کے کچھ نکات اخذ کئے ہیں:

(۱) انسان اللہ تبارک و تعالیٰ کی منتخب (برگزیدہ) مخلوق ہے۔

(۲) انسان کو اُس کی تمام تر کمزوریوں اور کوتاہیوں کے باوجود اِس روئے زمین پر اپنے خالق کا نمائندہ بنا کر بھیجا گیا ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کی پیش کردہ امانت کو خوشدلی سے اُٹھانے پر وہ اللہ کا مقرب اور پسندیدہ مخلوق ہو گیا۔

(۴) اُس بارِ امانت کو اُٹھانے میں اللہ تعالیٰ نے اُسے بطورِ انعام علم جیسی عظیم دولت سے نواز دیا (بحوالہ سورۃ البقرۃ: آیات ۳۱، ۳۲، ۳۶)۔

اس طرح انسان اپنے ارادہ و اختیار کی ذمہ داری قبول کرنے کے نتیجہ میں مستقل طور پر اُس حقیقتِ (منتظر) کی تلاش میں سرگرداں ہے جس کا وہ جزء ہے اور جس سے وہ (دنیاوی جھمیلوں میں پڑ کر) دور ہو گیا ہے۔ تلاشِ علم اور عبادت اُس کی اُس فطرت کا جواب ہیں جنہیں اُس کے ارضی قیام کے دوران اس میں ودیعت کر دیا گیا ہے۔ اقبال کہتے ہیں کہ کائنات کی ہیبت ناک خاموشی میں عبادت' انسان کے بارِ امانت کے اُٹھانے کو کما حقہٗ پورا کرنے کی خواہش کا اظہار ہے۔" ("The Reconstruction of Religious Thought in Islam" ... Dr. Muhammad Iqbal, pp. 85, 86) Oxford University Press, 1934.

(8) وفاداروں اور سچے امانتداروں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب اُس بار کے تناسب سے ملے گا جسے اُنہوں نے اٹھایا جیسا کہ سورۃ التوبہ میں فرمایا گیا:

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ O (التوبة: ۷۲)

"اللہ نے ایمان والوں اور ایمان والیوں سے باغوں کا وعدہ کر رکھا ہے کہ اُن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی، وہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے اور (وعدہ کر رکھا ہے) ہمیشگی کے باغوں میں پاکیزہ مکانوں کا اور اللہ کی رضا مندی سب (نعمتوں) سے بڑھ کر ہے، بڑی کامیابی تو یہی ہے۔" (۹ : ۷۲)

رضائے الٰہی ساری نعمتوں سے بڑھ کر ہے اور وہ تعمیلِ احکام سے ہر ایک کو حاصل ہو سکتی ہے۔ صوفیائے عارفین نے لکھا ہے کہ جنت میں دیدارِ الٰہی اگرچہ ایک عظیم الشان نعمت ہے لیکن یہ لذت تو صرف عاشقوں اور دیدار کرنے والوں کے نقطۂ خیال سے ہے۔ عاشق کے لئے بے شک دیدارِ محبوب سے بڑھ کر لذیذ نعمت اور کیا ہو سکتی ہے لیکن محبوب کی رضا تو اُس سے بھی بڑھ کر لطیف و لذیذ ہے جو صرف تعمیلِ احکام اور ادائے فرائض میں ہے۔

(9) اشرف المخلوقات اور انتہائی محترم و معظم ہونے کے حوالے سے انسان کو سورہ بنی اسرائیل میں۔

یوں بیان کیا گیا ہے :

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًاO (بنی اسرائیل : ۷۰)

''اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی ہے اور ہم نے اُنہیں خشکی اور دریا (دونوں) میں سوار کیا اور ہم نے اُنہیں نفیس چیزیں عطا کیں اور ہم نے اُنہیں اپنی بہت سی مخلوقات پر بڑی فضیلت دی ہے۔'' (۱۷:۷۰)

''بعض مفسّرین نے کَثِیـــر کو کُل کے معنیٰ میں لے کر انسان کو حق تعالیٰ کی افضل ترین مخلوق ہونے پر بھی استدلال کیا ہے۔ بحر وبرّ کے الفاظ میں عموم ہے اور جاندار اور بے جان ہر قسم کی سواری' ہر قسم کے مشینی آلہ نقل وحرکت' موٹر' لاری' ریل' موٹر کشتی' دخانی جہاز' ہوائی جہاز وغیرہ سب کو شامل ہے۔'' (تفسیر ماجدی اردو' صفحہ ۵۹۲' نوٹ: ۱۰۲)

''یہ اعزاز و اِکرام نسلِ انسانی کے ہر فرد کا بنیادی حق ہے اور ہر فرد کو عقیدہ کی آزادی' علم اور پیشہ ورانہ مہارت کی تحصیل اور اپنی مرضی اور پسند کے مطابق زندگی بسر کرنے کی آزادی عطا کرتا ہے۔ حکومت اور بالخصوص اسلامی حکومت کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ بغیر کسی امتیاز کے اپنے تمام باشندوں کو ضروریاتِ حیات مہیا کرے۔''

''یہ تمام متنی (Textual) اعلانات محض لفاظی ہی نہیں بلکہ تمام صحیح اسلامی حکومتوں نے اِن پر عمل کیا ہے اور انسان اور اُس کی فلاح و بہبود کے ساتھ محبت کی شکل میں تہذیب انسانی کی تشکیل میں اسلام کا کردار تاریخ کے صفحات میں مکمل طور پر محفوظ ہے۔

(10) حیاتِ انسانی کی حقیقی راہ جو نوعِ انسان کو سچی مسرت اور شادمانی سے ہمکنار کرتی ہے' دراصل وہ راہ ہے جس کی طرف فطرت اشارہ کر رہی ہے۔ یہ اُن کے حقیقی مفاد اور کامرانی کی ضامن ہونے کے ساتھ ساتھ انسانی اور کائناتی تخلیق کے اصولوں کے مطابق ہے۔ یہ راہ افراد کی خواہشات اور جذباتی ترجیحات کے مطابق ہو بھی سکتی ہے اور نہیں بھی جبکہ اُن کے جذبات واحساسات کو فطرت کی پیروی میں اور اُس کی موافقت میں ہونا چاہئے کیونکہ انسان کو اخلاقی ضمیر عطا کیا گیا ہے جس کی مدد سے وہ حق و باطل اور کھوٹے کھرے میں تمیز کر سکتا ہے۔ انسان میں ایسی راہ نمائی کی موجودگی کے بارے میں قرآنِ حکیم فرماتا ہے:

فَأَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَاO قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَاO وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَاO (الشّمس : ۸۔۱۰)

''اللہ نے اُسے اُس کی بدکاری اور اُس کی پرہیزگاری (کی تمیز) سکھادی۔ بے شک وہ شخص فلاح پا گیا جس نے اس (نفس) کو (رذائل سے) پاک کیا (اور اس میں نیکی کی نشوونما کی)۔ اور بے شک وہ شخص نامراد ہو گیا جس نے اُسے (گناہوں میں) ملوّث کر لیا (اور نیکی کو دبا دیا۔)'' (۸۔۱۰ : ۹۱)

تعلیم وترغیب' ذاتی مثال اور صحتمند معاشرتی' سیاسی نظاموں کو پیدا کرنے کے ذریعے انسان میں خیر کے اندرونی جذبے کو باہر لا کر اُس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے لیکن لالچ' حسد' طاقت کی غیر صحتمندانہ آرزو اور جنسی لذّات کی محبت کی خام قوّتیں کسی مصلح یا انقلابی کی راہ میں سنگِ گراں ہوتی ہیں۔اِن شیطانی قوّتوں کو کنٹرول کرنے کے لئے دائمی مستعدی اور اُن کے خلاف مسلسل جنگ کی ضرورت ہے۔

تکمیل کے ہدف کو پانے کے لئے زندگی میں انسان کو چند متعیّن اور موروثی منازل سے گزرنا پڑتا ہے۔ فطرت کی عمومی راہ نمائی کی بابت قرآن مجید موسیٰ علیہ السلام کی زبانی فرماتا ہے :

رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَہٗ ثُمَّ ھَدٰی O (طٰہٰ : ۵۰)

''ہمارا رب وہی ہے جس نے ہر چیز کو (اُس کے لائق) وجود بخشا' پھر اُس کے (حسبِ حال) اُس کی رہنمائی کی۔'' (۵۰ : ۲۰)

أَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَہ سے مراد ہے کہ ہر چیز کو ایسی شکل وصورت بخشی جو اُن فوائد اور منافع کے لئے موزوں اور مناسب ہے۔اور ھَدٰی سے مراد یہ ہے کہ اُس نے ہر پیدا شدہ چیز کو یہ بھی سکھا دیا کہ وہ ان اعضاء اور قوّتوں سے کس طرح کام لے اور ان منفعتوں تک کیسے رسائی حاصل کرے۔موسیٰ علیہ السلام نے اس فقرے میں گویا کوزے میں دریا کو بند کر دیا۔اس گلشنِ ہستی کے گلِ سرسبد اور بزمِ حیات کے صدر نشین حضرتِ انسان کی ظاہری ساخت اور باطنی صلاحیتوں پر نگاہ ڈالئے تو موسیٰ کلیم اللہ کے ارشادِ پاک کی عظمت اجاگر ہو جائے گی۔

(11) دنیاوی معاملات کے ہنگاموں اور ہلّڑ بازی میں جب انسان ہر چہار جانب سے پریشان ہو کر گھبرا جاتا ہے' تو اِن پریشانیوں کے مقابل ملجا وماویٰ اپنے خالق ومالک کی یاد ہی میں اُسے ملتا ہے' کسی بھی اور چیز میں نہیں۔قرآن مجید کا یہ دعویٰ ہے :۔

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ O (الرّعد : ۲۸)

''جان لو کہ اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔'' (۲۸ : ۱۳)

اس اطمینانِ قلبی کے بھی مختلف درجے اور مرتبے ہوتے ہیں۔جس درجہ کا ذکرِ الٰہی ہوتا ہے' اُسی نسبت سے اطمینانِ قلبی بھی حاصل ہوتا ہے۔ذکرِ الٰہی کے آثار میں سے ایک اثر خوف وخشیت کا ہے۔(ماجدی' نوٹ ۵۴)

خون کی نالیوں کے سکڑنے (Serotonin) اور عصبی مرسل (Norepinephrine) کی وجہ سے جب ہمارا دماغ درد والم کی تاب نہ لا کر تھک جاتا ہے تو زندگی بوجھ معلوم ہوتی ہے اور مریض اس کا خاتمہ چاہتا ہے۔اس بیماری کے آغاز سے قبل اگر کوئی روحانی ارتقاء یا کم از کم روحانی علاج ہی میسر ہو تو مریض خود ہی

''دعا اور دوا'' کی راہ پر چل پڑتا ہے۔ اور جب مریض رُو بہ صحت ہونے کے بالکل قریب ہوتو وہ قرآنِ مجید کی بیان کردہ (مذکورہ بالا) صداقت کوتسلیم کرنے میں خوش نصیب ہوتا ہے' جس میں ایک اور پُر رحم خوشخبری کی نقاب کشائی کی جا رہی ہے۔ (ڈاکٹر مہ جبیں اسلام کا مضمون بہ عنوان "Suicide and Salvation" جو روزنامہ ''ڈان'' لاہور میں مؤرخہ ۲۵ اپریل ۲۰۰۳ء کو چھپا۔)

(12) تمام زمینی اور آسمانی نعمتیں صرف حضرتِ انسان ہی کے مفاد اور منفعت کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ انسان اُن کا مالک ہے اور اُن سب کو انسان کے تابع کر دیا گیا ہے :

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ (الجاثیة : ۱۳)

''اور اُس نے تمہارے لئے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' سب کو اپنی طرف سے (نظام کے تحت) مسخر کر دیا ہے۔'' (۱۳ : ۴۵)

اس آیت نے صاف بتا دیا کہ سورج' چاند' ستارے' ہوا' خشکی' تری کی جتنی بھی قوّتیں ہیں' انسان ان سب کو اپنے کائناتی تصرّف میں لائے گا اور جوں جوں قوانینِ فطرت کا وہ زیادہ رازدار ہوتا جائے گا' منشائے فطرت اور زیادہ پورا ہوتا جائے گا۔ مِنْهُ کے لفظ نے اسے بھی صاف کر دیا کہ تسخیرِ فطرت کی یہ ساری نعمت تمام تر اللہ پاک ہی کی عطا کردہ ہے' کوئی دیوی دیوتا اُس میں شریک نہیں ہے۔

نوٹ : آسمانوں کا ذکر پہلے اور زمین کا ذکر بعد میں ہونے کی دو وجوہ ہیں: (۱) آسمان فیض دینے والا اور زمین فیض لینے والی ہے۔ (۲) آسمانوں کو پہلے پیدا کیا گیا اور زمین کو بعد میں۔ (تفسیر نعیمی' ج ۱۳' ص ۵۵۲)

(13) اللہ کے حقیقی بندے کے لئے مادّی منفعت ہی تو سب کچھ اور منتہائے مقصد نہیں ہوا کرتی۔ دوسروں کے لئے اپنی خواہش کو روکے رکھنا اور اُن کے لئے قربانی دینا انسان کے اخلاقی معیار اور اُس کی انسانیت دوستی کے جذبے کو پرکھنے کا بہترین معیار ہے۔ ایک سچا مسلمان تمام نوعِ انسانی کے لئے نیک نیتی اور خیر خواہی کا مجسمہ ہوتا ہے اور اِس فرمانِ الٰہی کے مطابق دوسروں کو اپنے آپ پر ترجیح اور فوقیت دیتا ہے۔ سورۃُ الحشر اور سورۃُ النازعات میں اس خصلتِ حمیدہ کو یوں بیان کیا گیا ہے :

(۱) وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ'' (اَلْحَشر : ۹)

''اور وہ (دوسروں کو) اپنے سے مقدّم رکھتے ہیں اگر چہ وہ خود فاقہ سے ہوں۔'' (۹ : ۵۹)

یہ فضیلت کا اعلیٰ درجہ اور انتہائی مرتبہ ہے جو حضرات انصار کے لئے ارشاد ہو رہا ہے۔ یہ حضرات مہاجرین کے حصّہ پر تو کیا رشک کرتے' خود اپنے پاس سے اُنہیں کھلاتے پلاتے رہتے تھے' چاہے خود اپنے فاقہ کی ہی نوبت

کیوں نہ آ جائے۔ معلوم ہوا کہ سچا مسلمان نہ تو حاسد ہوتا ہے اور نہ ہی حسد اُس کی نہاد اور فطرت میں ہوتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ خیر اور قربانی کی محبت' حسد کی نقیض اور متضاد ہے۔ مؤمن حسد سے اس لئے نفرت کرتا ہے کہ وہ الٰہی تقسیم پر ناپسندیدگی کا دوسرا نام ہے۔

(۲) وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰیO فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰیO
(النازعٰت : ۴۰' ۴۱)

''اور جو کوئی اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا اور نفس کو خواہش سے روکا ہوگا تو ایسے کا ٹھکانہ جنت ہی ہے۔ (۴۰۔۴۱ : ۷۹)

اور اِسی جہاد بالنفس کے ضمن میں ختمی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ گرامی ہے:
لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرَعَةِ إِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِيْ يَمْلِكُ نَفْسَه' عِنْدَ الْغَضَبِ (اربعین نووی)
''طاقتور وہ نہیں جو (اپنے) مدّ مقابل کو پچھاڑ دے' دراصل طاقتور تو وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھے۔'' (اربعین امام نووی)

(14) حیاتِ انسانی کا آغاز ناتوانائی اور کمزوری سے ہوتا ہے جو بڑھ کر قوت و توانائی میں پہنچتی ہے اور بالآخر وہی کمزوری اور عجز و عاجزی اُس کا مقدر بن کے رہ جاتی ہے:
اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ شَيْبَةً يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ O (الرّوم : ۵۴)
''اللہ ہی ہے جس نے تمہیں کمزور چیز (یعنی نطفہ) سے پیدا فرمایا' پھر اُس نے کمزوری کے بعد قوّتِ (شباب) پیدا کی' پھر اُس نے قوّت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا پیدا کر دیا' وہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے اور وہ خوب جاننے والا' بڑی ہی قدرت والا ہے۔'' (۵۴ : ۳۰)

لیکن حضرتِ انسان سکون و شانتی تک صرف بابِ الٰہی اور اُس کے ذکر کے ذریعے ہی پہنچ سکتا ہے۔

(15) اپنے آپ سے مخلص شخص اور اپنے خالق کا وفادار بندہ کسی بھی صورت میں اپنے خالق کو بھول نہیں سکتا۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو وہ خود فراموش ہو جائے گا اور وہ ایسی صورت میں اپنے مقصدِ حیات کو بھی فراموش کر بیٹھے گا جس کا نتیجہ ہر طرح کے خسارے اور مکمل تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہیں۔ سورۃ الحشر میں ایسے ہی خود فراموش لوگوں کو یوں سرزنش کی گئی ہے:
وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسَاهُمْ اَنْفُسَهُمْ اُولٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَO (اَلْحَشْر : ۱۹)

''اور اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اللہ کو بھلا بیٹھے' پھر اللہ نے اُن کی جانوں کو ہی اُن سے بھلا دیا (کہ وہ اپنی جانوں کے لئے ہی کچھ بھلائی آگے بھیج دیتے) 'وہی لوگ نافرمان ہیں۔'' (١٩ : ٥٩)

نَسُوا اللّٰہَ یعنی وہ حق تعالیٰ اور اُس کے احکام وہدایت کی طرف سے عمداً اعراض برتنے لگے۔فَاَنْسَاھُمْ اَنْفُسَھُمْ یعنی حق تعالیٰ نے اُن کی عقل ایسی ماردی کہ وہ نہ اپنے نفع کو پہچانتے ہیں اور نہ اُس کے حاصل کرنے کی فکر کرتے ہیں۔ اَلْفٰسِقُوْن ' الکافرون کے معنیٰ میں ہے یعنی اطاعتِ الٰہی سے بالکل ہی خارج اور یہ وہی ہو سکتے ہیں جو کافر ہوں۔

(16) ایک وفادار' اللہ کے حقیقی بندے کو اس فانی دنیا کی عارضی لذتوں سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔وہ اپنے مقصدِ حیات کو بخوبی سمجھتا ہے اور غیر منقطع طور پر وہ ہمیشہ اپنے خالق و مالک کی رضا کا متلاشی ہوتا ہے۔وہ زندگی کے اعلیٰ وارفع ترین اہداف کو حاصل کرنے میں زندگی گزارتا ہے تاکہ وہ ایسا عمدہ انسان بن جائے کہ اُس کا خالق بروئے قرآن گرمجوشی کے ساتھ اُس کا استقبال کرے اور فرمادے :

یٰاَیَّتُھَا النَّفسُ الْمُطْمَئِنَّۃُO ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃًO فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْO وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْO (الفَجر : ٢٧۔٣٠)

''اے اطمینان پا جانے والے نفس! تو اپنے رب کی طرف اِس حال میں لوٹ آ کہ تو اُس کی رضا کا طالب بھی ہو اور اُس کی رضا کا مطلوب بھی (گویا اُس کی رضا تیری مطلوب ہو اور تیری رضا اُس کی مطلوب)۔پس تو میرے (کامل) بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت (قربت و دیدار) میں داخل ہو جا۔'' (٢٧۔٣٠ : ٨٩)

''دینی تجسس میں پیشقدمی کرنے والے ایک طرف تو معرفتِ الٰہی پا لیتے ہیں تو دوسری طرف اُنہیں اپنے متعلق خدائے قدوس کا نائب اور خلیفہ ہونے کا احساس ہو جاتا ہے جس سے وہ اپنی روح کی انتہائی ارفع واعلیٰ آرزو یعنی قربِ الٰہی کو پا لیتے ہیں جو انسان کا بلند ترین ممکنہ کارنامہ ہے۔'' ("The Qur'anic Foundations and Structure of the Muslim Society" Vol. 1, pp. 149, 150 ... Dr. Muhammad Fazl-ur-Rahman

''لوگ ہر قسم کی نعمت کا تصور کر لیں۔''جنت'' کے مقدس لفظ میں کئی جنتیں پنہاں ہیں لیکن جو حقیقت اور لطف و مزا جَنَّتِی (میری جنت) کے لفظ میں ہے' کسی اور میں نہیں۔'' (تفسیر ماجدی انگریزی' جلد دوم)

فہم و تصور سے ماوراء یہ جنت اللہ کے وفادار مؤمنوں پر نچھاور کی جائے گی جیسا کہ فرمایا گیا:

فَلاَ تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝ (الم السجدة : ۱۷)
''سو کسی کو علم نہیں جو جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا (سامان) اُن کے لئے خزانۂ غیب میں مخفی ہے' یہ صلہ ہے اُن کے (نیک) اعمال کا۔'' (۳۲ : ۱۷)

فی الحقیقت جنت کی نعمتوں کا پورا اندازہ انسان کو اپنے ناسوتی حواس کے ساتھ ہو ہی نہیں سکتا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطہ سے جو حدیثِ قدسی مختلف طریقوں سے مروی ہوئی ہے: قَالَ اللّٰهُ أَعْدَدْتُ لِعِبَادِيَ الصَّالِحِيْنَ مَا لاَ عَيْنٌ'' رَأَتْ وَلاَ أُذُنٌ'' سَمِعَتْ وَلاَ خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے صالح بندوں کے لئے وہ وہ نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے' نہ کسی کان نے سنا ہے اور جو نہ کسی انسان کے دل میں گزری ہیں) وہ گویا ٹھیک اِسی آیت کی تفسیر ہے۔

انسان میں صفتِ ملکوتیت کا غلبہ : انسان میں صفتِ ملکوتیت ''حُسنِ تربیت'' کا نتیجہ ہوا کرتی ہے۔ تربیت سے مراد رضائے الٰہی کی خاطر فکر و عمل' قلب و نظر' اعمال و اقوال' خواہشات و معاملات غرضیکہ انسانی زندگی کے جملہ پہلوؤں کی اصلاح ہے۔ ''تربیت'' کے وسیع معنوں میں صفتِ ملکوتیت کو طاقتور سے طاقتور بنانا اور صفتِ بہیمیت کو حد درجہ مغلوب کرنا شامل ہے تاکہ کسی آزمائش کے موقع پر پاؤں پھسلنے نہ پائیں۔

لغت کے اعتبار سے لفظ ''تربیت'' کا مطلب ہے پرورش کرنا' پالنا اور مہذّب بنانا۔ اِسی سے لفظ ''ربّ'' ہے جس کا مطلب ہے پالنے والا' پرورش کرنے والا۔ گویا ربّ وہ ذات ہے جو بندے کی وقتِ پیدائش سے لے کر تا دمِ آخر کی ضرورتوں کو پورا کرتی ہے اور بتدریج نشو و نما کے درجۂ کمال تک پہنچاتی ہے۔ اِسی لئے ربّ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی اوّلیں سورۃ میں اپنی پہچان جس صفت کے حوالے سے کرائی' وہ صفتِ ربوبیت ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

مقصدِ تربیت : گویا اسلامی نکتہ نظر سے ''تربیت'' کا یہ مقصد ٹھہرا کہ ہر ہر فرد کو اس طرح اچھا انسان اور اچھا مسلمان بنایا جائے کہ وہ دنیاوی اور اُخروی زندگی میں کامیابی سے ہمکنار ہو سکے اور جادۂ حق پر سفر کرتے ہوئے کسی بھی موڑ پر نہ تو وہ ٹھوکر کھائے اور نہ اُس کے پائے ثبات میں لغزش آ سکے بلکہ ابتلاء و آزمائش کے سارے مراحل سے وہ کامیابی کے ساتھ گزر جانے کے قابل ہو جائے۔ چار نفسانی داعیے جو انسانی فطرت میں بالفعل ودیعت کر دئے گئے ہیں' یہ ہیں :

(۱) شہوت کی محبت	(۲) اولاد کی محبت
(۳) مال کی محبت	(۴) جاہ و منصب کی محبت (بحوالہ سورہ آلِ عمران: ۱۴)

مقصودِ تربیت اِن فطری داعیوں کا جڑ سے اُکھاڑ پھینکنا نہیں بلکہ اُن کی تہذیب ہے ورنہ داعیے اپنے اندر

بے پناہ حکمتیں اور مصلحتیں لئے ہوئے ہیں۔ اُن کی عدم موجودگی میں زندگی درندگی کا نمونہ بن جائے۔ ان داعیوں سے انسانی زندگی کے سماجی، معاشی اور سیاسی پہلوؤں کی تخلیق و تزئین ہوتی ہے۔ اس لئے خود قدرت اُنھیں ختم کرنے کے راستے میں مزاحم ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں رہبانیت (ترکِ دنیا) کو پسند نہیں کیا گیا۔''

''ان چار نفسانی داعیوں کو خارج سے کنٹرول کرنے کی بجائے چار اندرونی روحانی داعیوں سے قابو کرنے کا طریق کار وضع کر کے فطرت بالقوۃ (Potential Nature) کی تشکیل کی گئی جو یہ ہیں:

(۱) اقرارِ ربوبیت (۲) تقویٰ و فجور کا امتیاز
(۳) بصیرتِ نفس (۴) امانت کی ذمہ داری کا احساس۔

''یہ چاروں احساسات بھی ہر انسان کے اندر خِلقی طور پر موجود ہوتے ہیں جن کے مجموعے کا نام فطرت بالقوۃ (Potential Nature) ہے۔ اسی کا اشارہ اس حدیثِ مبارکہ میں ہے:

كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ (مسند امام احمد)
یعنی ''ہر بچہ فطرتِ صحیح پر پیدا ہوتا ہے۔''

اسے فطرتِ سلیمہ بھی کہتے ہیں اور اسی کی نشو و نما مقصودِ تربیت ہے۔''

''فرض اور خواہش کا تضاد: انسان کی فطرت بالفعل (Actual Nature) بلا روک ٹوک اپنے تقاضوں کی تکمیل چاہتی ہے جبکہ اوامر و نواہی اُس پر پابندیاں عائد کر دیتے ہیں۔ اس مقام پر خواہش اور فرض میں تضاد پیدا ہو جاتا ہے۔ فطرت بالقوۃ حرکت میں آ کر احساسِ فرض کو اجاگر کرتی ہے۔ فرض اور خواہش کی اس مسلسل کشمکش میں انسان جس قدر احکامِ الٰہی کو بجا لائے گا، فطرت بالقوۃ کو جِلا ملے گی کیونکہ فطرت بالقوۃ تعلق باللہ کی مضبوطی سے نشو و نما پاتی ہے۔ اس نشو و نما کے تین مراحل ہیں:۔

(۱) نفسِ امّارہ: اس مرحلہ میں نفس برائی کی طرف مائل رہتا ہے لہٰذا فطرت بالفعل کا غلبہ رہتا ہے۔

(۲) نفسِ لوّامہ: اس مرحلہ میں دونوں فطرتیں (فطرت بالقوۃ اور فطرت بالفعل) قریب قریب مساوی ہوتی ہیں۔ کبھی انسان بدی کا مرتکب ہوتا ہے تو اُس کا ضمیر اُسے ملامت کرتا ہے۔ کبھی نیکی غالب آ جاتی ہے تو کبھی بدی کا غلبہ ہو جاتا ہے۔

(۳) نفسِ مطمئنہ: جب فطرت بالقوۃ مستقلاً غالب آ جائے اور نفس نیکی سے اطمینان اور برائی سے نفرت

کی کیفیت محسوس کرے تو اُسے نفسِ مطمئنہ کا مرحلہ کہیں گے جس میں انسان منزلِ مراد کو پالیتا ہے اور بارگاہِ ربوبیت سے اُسے استقبالیہ کلمات سے نوازا جاتا ہے۔''

''نفسِ امارہ سے نفسِ مطمئنہ' مرضیہ اور صافیہ و کاملہ تک کا سارا سفر دورِ آزمائش ہوتا ہے جو بہت کٹھن ہوتا ہے۔ تزکیہ و تصفیہ کے جاں گسل مراحل سے گزرے بغیر اُس تک رسائی ممکن نہیں۔ تزکیہ نفس کی کیا اہمیت ہے' اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ جملہ اسلامی تعلیمات کے عنوان کے طور پر اگر کوئی لفظ موزوں ہوسکتا ہے تو وہ تزکیہ ہے۔ یہی وہ حقیقت ہے جو کامیابی کی کلید ہے۔ اسی لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے صرف اسی ایک عمل پر کامیابی و نجات کا اعلان فرمادیا:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَاO (الشمس : ۹)

''یقیناً وہ کامیاب ہوگیا جس نے اس (نفس) کا تزکیہ کرلیا۔'' (۹۱: ۹)

''استفادہ و افادہ کی خلقی صلاحیت: اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے شاہکارِ ربوبیت ''انسان'' کی کتابِ تربیت کے اندر استفادہ اور افادہ کی صلاحیت ودیعت کردی تاکہ اُس کی زندگی دوسروں کے لئے مینارۂ نور بن جائے لیکن اُس منزل تک رسائی سے قبل فکر و عمل کے چراغ روشن کرنے کے لئے شبستانِ وجود کے ایک ایک ذرّے پر غور کرنا پڑتا ہے کہ سونا آگ کی بھٹیوں سے نکل کر ہی کندن بنتا ہے۔

رکھی ہے آج ہی لذتِ سوزِ جگر کہاں اک عمر چاہئے کہ گوارا ہونیشِ عشق

''لہٰذا خالق و مالکِ کائنات نے انسانیت کی راہنمائی اور تربیت کا سامان فراہم کرنے کے لئے نبوت و رسالت کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ نفوسِ قدسیہ ہر دور میں تزکیہ نفس کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ سیکھنے سکھانے کا یہ عمل صدیوں جاری رہا تاآنکہ رسالتِ محمدی ﷺ پر نبوت کے خاتمے کے بعد یہ ذمّہ داری علماء کے کندھوں پر ڈال دی گئی تاکہ وہ تعلیم و تربیت کے فریضہ کو سرانجام دیں۔''

''انسان کے اندر بہ یک وقت روحانی اور شہوانی جذبات کارفرما رہتے ہیں۔ اِن متضاد جذبات کا براہِ راست تعلق انسان کے قلب سے ہوتا ہے لہٰذا صحیح نہج پر تربیت کرنے کے لئے سب سے زیادہ توجہ دل پر دینی چاہئے۔''

''تربیت کا نبوی منہاج: دل شہوت کا مرکز بنا رہے تو انسان فتنہ و فساد کا منبع بن جاتا ہے۔ اس لئے نبی اکرم ﷺ نے قلبِ انسانی کی اصلاح اور تربیت پر جتنا زور دیا' کسی اور پہلو پر نہیں دیا۔ نیکی اور بھلائی کا تخم اُس وقت تک جڑ نہیں سکتا جب تک دل آلائشوں سے پاک نہ ہوجائے۔ صحیح بخاری میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

اِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَۃً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ اَلَا وَ ھِیَ الْقَلْبُ

''جسم کے اندر گوشت کا ایک لوتھڑا ہے' اگر اُس کی اصلاح ہو جائے تو پورے جسم کی اصلاح ہو جاتی ہے اور اگر وہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔ سن لو وہ گوشت کا لوتھڑا دل ہے۔'' (صحیح بخاری)

''فکر و نظر اور علم و عمل کی اصلاح : عقیدہ کسی بھی نظامِ فکر و نظر اور علم و عمل کی بنیاد ہوتا ہے لہٰذا عقائد کی اصلاح کے لئے آپ ﷺ نے خصوصی توجہ فرمائی۔ تمام نامعقول اعتقادات اور فرسودہ توہمات کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا گیا۔ آپ ﷺ نے جس حکمت و بصیرت سے کام لیتے ہوئے بڑی سرعت کے ساتھ ایک مشرک معاشرے میں لوگوں کی توجہات کثرتِ الٰہ سے وحدتِ الٰہ کی جانب مبذول کر دیں' اس پر عرب کے بڑے بڑے دانشور انگشت بدنداں رہ گئے۔ دعوتِ توحید کے حوالے سے آپ ﷺ نے مشاہداتی و عقلی دلائل دینے کی بجائے عملی دلیل فراہم کرنے کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا اور اُن سے پوچھا:

فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْکُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِہٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَO (یونس : ۱۶)

''بے شک میں اس (قرآن کے اترنے) سے قبل (بھی) تمہارے اندر عمر (کا ایک حصہ) بسر کر چکا ہوں' سو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟'' (۱۶ : ۱۰)

''ظاہر ہے کہ کسی کو انگلی دراز کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ مطالعہ سیرت سے پتہ چلتا ہے کہ مسجد نبوی کی تعمیر ہو یا خندق کی کھدائی' طویل سفر ہوں یا اُحد کا میدانِ کارزار' آپ ﷺ اپنے ساتھیوں کے ساتھ شانہ بہ شانہ مصروفِ عمل نظر آتے ہیں۔ قدم بہ قدم آپ ﷺ نے کارکنوں (صحابہ کرام) کا ساتھ دیا اور لحہ بہ لحہ اُن کی راہ نمائی فرمائی۔ فکر و نظر اور علم و عمل کا کوئی گوشہ ایسا نہ رہا جس کے بارے میں عملی راہ نمائی نہ ملتی ہو اور اِسی لئے آپ کی زندگی اُسوۂ حسنہ بن گئی۔''

''ذہنی تربیت : عظیم تر مقاصد کے حصول کے لئے افراد کی تربیت از بس ضروری ہے۔ تربیت کی کئی قسمیں ہیں۔ ہم سرِ دست ذہنی تربیت پر توجہ مرکوز کرتے ہیں۔''

''تربیت کے مواقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے ضروری ہے کہ تربیت کرنے والا ذہن کے ترقی کرنے اور نشوونما پانے کے عمل سے واقف ہو۔ عام مشاہدہ کی بات ہے کہ انسان کبھی ہشاش بشاش اور خوش و خرم ہوتا ہے اور کبھی اُس کے چہرے پر مایوسیوں اور اُداسیوں نے ڈیرے ڈال رکھے ہوتے ہیں۔ کبھی وہ خوشی سے پھولے نہیں سماتا اور کبھی منہ پر ہوائیاں اڑ رہی ہوتی ہیں۔ ایسا ہمارے ذہن کی مختلف حالتوں کے باعث ہوتا ہے۔''

ذہن کی ابتدائی حالتیں : ذہن کے اظہار کی ابتدائی تین حالتیں ہیں :

(۱) وقوف(Cognition)　　(۲) تاثر (Feeling)
(۳) ارادہ(Will)

وقوف کے ذریعے ذہن واقفیت حاصل کرتا ہے۔ دوسری حالتِ تاثر (Feeling) میں رنج وراحت کی مختلف کیفیات طاری ہوتی ہیں۔ ارادہ ایسی قوت ہے جس سے خواہشات کی تکمیل ہوتی ہے۔ یہ تینوں حالتیں بہ یک وقت مصروفِ عمل ہوتی ہیں۔ البتہ ماہیت اور معانی کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہیں۔ لہٰذا دورانِ تربیت دلچسپی برقرار رکھنے کے لئے حسبِ موقع فیصلہ کرنا ہوتا ہے کہ معاشرہ وقوف یا ارادے میں سے کس کو زیادہ نمایاں(Project) کرتا ہے تاکہ بالآخر قوتِ ارادی کو تحریک ملے۔''

''اصل میں چاروں طرف پھیلے ہوئے بہت سے اسباب ہماری تربیت کر رہے ہوتے ہیں۔ لباس، غذا، آب وہوا، گھریلو ماحول، میل جول، کتابیں، استاد اور معاشرہ کے دیگر عوامل تربیتِ انسانی میں حصہ لیتے ہیں۔

ایک ہی جیسے حالات میں رہنے والے دو افراد کا اگر مقابلہ کیا جائے تو دونوں مختلف حالتوں میں پائے جا سکتے ہیں۔ ایک تیز طرار ہوگا اور دوسرا کودن اور سست۔ ایک ضدی اور چڑچڑا ہے جبکہ دوسرے میں بُردباری اور تعاون کی صفات پائی جاتی ہیں۔ ایسا طرزِ عمل دراصل موروثی میلانات اور فطری عوامل کا نتیجہ ہوتا ہے۔ طبیعت کے ایسے خواص اکتسابی نہیں بلکہ جبلی ہوتے ہیں۔ فرمانِ ایزدی ہے:

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا (الاحزاب: ۶۲؛ الفتح: ۲۳)
''اور آپ اللہ کے دستور میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے۔'' (۶۲ : ۳۳؛ ۲۳ : ۴۸)

''تربیتِ ذہن کی اقسام: ذہن کی تربیت کی بھی دو قسمیں ہیں:

(1) تربیتِ عقلی: اس سے مراد جملہ قوائے عقلیہ یعنی مدرکہ (Perception)، حافظہ (Memory) اور متخیلہ (Imagination) کو اس طرح سدھانا ہے کہ ہر قوت اپنا اپنا عمل بہترین طریق پر کرے۔ جسمانی اور ذہنی رابطے کا آپس میں گہرا تعلق ہونے کے ناطے سے وہ ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں۔ بیمار آدمی قوائے عقلیہ سے مناسب کام نہیں لے سکتا اور ذہن پژمردہ ہو تو اُس کا اثر جسم پر بھی پڑتا ہے۔ سیکھنے کا عمل حواس کے ذریعے ہوتا ہے۔ عقل کی ابتدائی حالت کو تجسس کہتے ہیں۔ جب کسی تبدیلی کا احساس ہوتا ہے تو اُس کے بعد تبدیلی کو اصل شے کے ساتھ منسوب کرنے کی صلاحیت یعنی ادراک ہوتا ہے۔''

تربیتِ حواس: حالیہ تحقیقات نے پانچ سے زائد حواس کا پتہ چلایا ہے۔ ان میں سے باصرہ، سامعہ اور

لامسہ کا تعلق عقل سے ہے۔حواس کی تربیت کے لئے بار بار مشق اور تدریج کی ضرورت ہوتی ہے اور اعادہ وتکرار سے چیزیں ذہن نشین ہوتی چلی جاتی ہیں۔اس ضمن میں حافظے کی بہت اہمیت ہے۔خیالات میں تعلق معلوم کرنے' توجہ' واقعات کی قدرتی اور منطقی تربیت برقرار رکھنے سے حافظہ تیز ہوتا ہے۔''

(2) اخلاقی تربیت :اللہ تعالیٰ نے عقل کے ساتھ تاثرات بھی دیئے ہیں جن پر خوشی اور غم کا انحصار ہوتا ہے۔تاثرات ہی کام میں جان ڈالتے ہیں' انسان دوسروں کے کام آتا ہے' ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔تاثرات کے بغیر انسان کے سارے کام روکھے روکھے اور لاپروائی کا مظہر نظر آتے ہیں۔لہٰذا نیک تاثرات پیدا کرنے اور قوتِ ارادی کو مضبوط کرنے کے لئے اخلاقی تربیت ضروری ہے۔اگر کسی شخص کی عقلی تربیت ہوئی ہو اور اخلاقی تربیت نہ ہوئی ہو تو وہ اچھے اور برے میں تمیز کے باوجود اچھائی پر عمل نہیں کرے گا۔چونکہ عمدہ اخلاق کی بنیاد عقل پر ہوتی ہے' اس لئے عقلی تربیت بھی ضروری ہے کیونکہ دونوں مل کر ہی انسان کو انسان بناتے ہیں۔''

''تربیت کے مقاصد :تربیت کا اصل مقصد تو ذات میں مثبت تبدیلی پیدا کرنا ہے۔ہر اعتبار سے ایک کامیاب کارکن بنانے کے لئے ''تربیت'' کے درج ذیل مقاصد ہو سکتے ہیں:

(۱) مشکلات اور مسائل کے حل کے قابل بنانا۔
(۲) کامیاب زندگی کے لائحہ عمل کی تدوین میں مدد دینا۔
(۳) معاشرے کے ساتھ ربط قائم رکھنا۔
(۴) سستی' غفلت' لاپروائی اور کام چوری کی عادتوں کی اصلاح کرنا۔
(۵) اچھے مسلمان' اچھے شہری اور اچھے کارکن بنانا۔
(۶) احساسِ ذمہ داری اور احساسِ فرمانبرداری پیدا کرنا۔
(۷) قوتِ فیصلہ اور زندگی کے اعلیٰ مقاصد کی پرکھ پیدا کرنا۔
(۸) جذبہ رواداری' وسعتِ نظر اور اخوت کے جذبات پیدا کرنا۔
(۹) اخلاقی' مذہبی اور تحریکی تقاضوں کا احساس پیدا کرنا۔

''تربیت کی نوعیت : چونکہ تربیت کا مقصود کسی نصب العین کے حصول کے حوالے سے تیار کرنا ہوتا ہے' اس لئے تربیت کی نوعیت بدلتی رہتی ہے۔ایک استاد اور ایک فوجی سپاہی تیار کرنے کے لئے تربیت ایک جیسی نہیں ہو سکتی اس لئے مصطفوی انقلاب اور ایک سیاسی و معاشی انقلاب لانے کے لئے بھی تیاری کے مراحل یکساں نہیں ہو سکتے۔مصطفوی انقلاب کے سپاہیوں کے لئے ضروری ہے کہ اُن کے ایمان میں پختگی اور حُسنِ عمل میں باقاعدگی پائی جائے۔ریاضتوں اور مجاہدوں کے ذریعے وہ نفوس کو آلائشوں سے پاک کرلیں۔ذکر واذکار' شب بیداریاں اور گریہ وزاریاں اُن کا شعار بن جائیں۔اُن کے دل عشقِ مصطفیٰ ﷺ کا بحر اور آنکھیں اشکِ رواں کی نہر کا سماں

پیش کریں۔ مصطفوی کارکن بننے کے لئے تزکیہ نفوس کے ان جاں گسل مراحل کو طے کرنا ازبس ضروری ہے۔ اخلاقی و روحانی تربیت کے بغیر کوئی بڑا معرکہ سر نہیں کیا جا سکتا۔''

''ایک انقلابی کارکن بننے کے لئے تہجد کی ادائیگی کو تربیتی کورس کے لئے لازمی قرار دیا جائے۔ اجتہادی صلاحیتوں کو نکھارا جائے، معاشرتی برائیوں کو ختم کرنے کے لئے جہادی روح بیدار کی جائے اور جذبہ اتحاد و اتفاق کو اُبھارا جائے۔ یہ حدیثِ نبوی یاد رہے کہ جس دین میں نماز نہیں، اُس میں کوئی بندگی نہیں۔'' (تلخیص: ماہنامہ ''منہاج القرآن'' لاہور، نومبر ۲۰۰۷ء، صفحات ۲۱۔۲۴، ۲۷۔ مضمون نگار: پروفیسر محمد رفیق۔

(ب) سلبی پہلو (قرآن مجید کی انسان کو ڈانٹ ڈپٹ): قرآن مجید کے کچھ مقامات پر انسان کو ڈانٹ ڈپٹ کی گئی اور اُس کی سخت گرفت بھی کی گئی ہے۔ درج ذیل (ناموافق) نکات کے ذریعے قرآنِ حکیم نے اُسے تنبیہ کی ہے:

(۱) وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖۤ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَاۤ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ، كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ O (یونس: ۱۲)

''اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہمیں اپنے پہلو پر لیٹے یا بیٹھے یا کھڑے پکارتا ہے، پھر جب ہم اُس سے اُس کی تکلیف دور کر دیتے ہیں تو وہ (ہمیں بھلا کر یوں) چل دیتا ہے گویا اُس نے کسی تکلیف میں جو اُسے پہنچی تھی، ہمیں (کبھی) پکارا ہی نہیں تھا۔ اس طرح حد سے بڑھنے والوں کے لئے اُن کے (غلط) اعمال آراستہ کر کے دکھائے گئے ہیں جو وہ کرتے رہے تھے۔'' (۱۲ : ۱۰)

(۲) وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ O وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ O (هود: ۹، ۱۰)

''اور اگر ہم انسان کو اپنی جانب سے رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں، پھر ہم اُسے اُس سے واپس لے لیتے ہیں تو وہ نہایت مایوس، ناشکر گزار ہو جاتا ہے۔ اور اگر ہم اُسے (کوئی) نعمت چکھاتے ہیں اُس تکلیف کے بعد جو اُسے پہنچی تھی تو وہ ضرور کہہ اٹھتا ہے کہ مجھ سے ساری تکلیفیں جاتی رہیں، بے شک وہ بڑا خوش ہونے والا، فخر کرنے والا (بن جاتا) ہے۔'' (۹، ۱۰ : ۱۱)

(۳) وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا O (بنی اسراء یل: ۱۱)

''اور انسان (کبھی تنگ دل اور پریشان ہو کر) برائی کی دعا مانگنے لگتا ہے جس طرح (اپنے لئے) بھلائی کی دعا مانگتا ہے اور انسان بڑا ہی جلد باز واقع ہوا ہے۔'' (۱۱ : ۱۷)

(۴) وَ كَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًاO (بنی اسراء یل:۱۰۰)
''اور انسان بہت ہی تنگ دل اور بخیل واقع ہوا ہے۔'' (۱۰۰ : ۱۷)

(۵) وَ كَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًاO (الکھف : ۵۴)
''اور انسان جھگڑنے میں ہر چیز سے بڑھ کر ہے۔'' (۵۴ : ۱۸)

(۶) خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ (الانبیاء : ۳۷)
''انسان (فطرتاً) جلد بازی میں سے پیدا کیا گیا ہے۔'' (۳۷ : ۲۱)

(۷) اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌO (الحج : ۶۶)
''بے شک انسان بڑا ناشکرا ہے۔'' (۶۶ : ۲۲)

(۸) اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًاO (الاحزاب : ۷۲)
''بے شک وہ (اپنی جان پر) بڑی زیادتی کرنے والا (ادائیگی امانت میں کوتاہی کے انجام سے) بڑا بے خبر و نادان ہے۔'' (۷۲ : ۳۳)

(۹) اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًاO اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًاO وَاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًاO(المعارج)
''بے شک انسان بے صبرا اور لالچی پیدا ہوا ہے۔ جب اُسے مصیبت پہنچے تو گھبرا جاتا ہے اور جب اُسے بھلائی (یا مالی فراخی) حاصل ہو تو بخل کرتا ہے۔'' (۱۹۔۲۱ : ۷۰)

(۱۰) كَلَّا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰىO اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰىO (العلق : ۶، ۷)
''حقیقت یہ ہے کہ (نافرمان) انسان سرکشی کرتا ہے' اس بناء پر کہ وہ اپنے آپ کو (دنیا میں ظاہراً) بے نیاز سمجھتا ہے۔'' (۶، ۷ : ۹۶)

(۱۱) اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌO (العٰدیٰت : ۶)
''بے شک انسان اپنے رب کا بڑا ہی ناشکرا ہے۔'' (۶ : ۱۰۰)

یہاں قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن مجید کچھ مقامات پر انسان کی انتہا درجے کی ستائش کرتا ہے تو کچھ دوسرے مقامات پر اُسے (اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ) پست سے پست تر حالت میں لوٹا دیتا ہے (سورۃ التین : ۵)۔ آخر ایسا کیوں ہے؟

اِس سوال کا جواب انتہائی سادہ ہے۔ نائب الٰہی ہونے کے حوالے سے اُس کا اوّل ترین فرض قابلِ رشک حد تک اچھا انسان بننا اور نیکی و پارسائی اور بے غرضی کا علامتی نمونہ ہونا ہے تاکہ دوسرے لوگ اُس کی خوشدلی سے پیروی کریں۔ اُسے اس حقیقت کو نہیں بھولنا چاہئے کہ اُس کی ذات ایسی ہے جس کے آگے فرشتوں کو جھکا کر اُس کی اُن پر فوقیت کو تسلیم کرایا گیا۔ ایمان کی دولت سے سرشار ایسا انسان ''انسانِ کامل'' بن سکتا ہے۔ قرآن مجید ایسے نیک مؤمنین پر نا قابلِ تصوّر انعاماتِ الٰہیہ کا بار بار اعلان کرتا ہے۔ یاد رہے کہ رضائے الٰہی کے حصول کے لئے ایمان (آمَنُوْا) پہلی شرط ہے جبکہ اعمالِ صالحہ (عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ) اس کی دوسری شرط ہے۔ اسی سیاق وسباق میں قرآنِ حکیم اُس شخص کی ستائش کرتا ہے جو اپنے مقصدِ تخلیق کو سمجھتا ہے اور اُس کے اعمال و افعال کو اُس کے مطابق مبنی بر ہدایت قرار دیتا ہے۔

اس کے برعکس جو شخص کفر کے طوفانی منجدھار میں ٹامک ٹوئیاں مار رہا ہے اور اپنی تخلیق کے مقصد کو نہیں سمجھتا' حقوق اللہ اور حقوق العباد کا اُسے پاس نہیں ہے تو اُس کا مقدر ہی ایسا ہے کہ اُسے اَسْفَلَ سَافِلِیْن کی حالت کی طرف لوٹا دیا جائے اور قرآن کی نظر میں ایسا انسان لا دو جانوروں سے بھی بدتر ہے (بحوالہ سورۃ الاعراف: ۱۷۹؛ سورۃ الانفال: ۲۲'۵۵) اور ایسے ہی شخص کو پست سے پست تر حالت میں لوٹا دیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو خالص ترین اور عمدہ ترین فطرت عطا کی ہے اور انسان کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اس فطرت کا اُس نہج پر تحفظ کرے جس پر اللہ نے اُس کی تشکیل کی ہے۔ لیکن جب وہ اسے نظرانداز کر دیتا ہے اور اپنی من مانی پر اتر آتا ہے تو ایسے ہی شخص کو اَسْفَلَ سَافِلِیْن کی حالت کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے۔

شیطانی لذائذ اور لطف اندوزیوں کی تاریکیوں میں ملوّث ہونے کے باعث اَسْفَلَ سَافِلِیْن روح کا حیوانی حصّہ ہے۔ (تفسیر روح البیان ۔۔ اسمٰعیل حقّی)

قرآنِ حکیم کی تنبیہات اور وعیدات اُن لوگوں کے لئے ہیں جن کے نزدیک یہی دنیاوی زندگی ہی اصل زندگی اور منتہائے مقصد ہے اور جن کے نزدیک شہوانی لطف اندوزیوں میں لوٹ پوٹ ہونے کے سوا کوئی اور مقصدِ حیات نہیں۔ اُن کے نزدیک زندگی ہر قسم کی اہمیت سے خالی خولی ہے اور مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنا اُن کے نزدیک نا قابلِ فہم ہے:

(۱) أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ أَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ○ (المؤمنون: ۱۱۵)

''تو تم نے کیا سمجھ رکھا ہے کہ ہم نے تمہیں یونہی بلا مقصد پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہمارے پاس لوٹا کر نہ لائے جاؤ گے؟'' (۱۱۵ : ۲۳)

یعنی تم نے یہ سمجھا کہ جس طرح شمع یا چراغ گل ہو جاتا ہے' اُسی طرح انسانی روح بھی معدومِ محض ہو جاتی

ہے۔ یہ کیسی شدید حماقت ہے! قرآن اسی خیالِ باطل کی تردید کر رہا ہے اور انسان کی حیاتِ دنیوی کا انجام پیشگاہِ الٰہی میں حاضری بتاتا ہے۔ اسی میں اُن باطل مذہبوں کا ردّ آ گیا جو انسان کا انجام فنائے محض سمجھے ہوئے ہیں۔

(۲) وَكَانُوا يَقُولُونَ أَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا أَئِنَّا لَمَبْعُوثُونَO أَوَ آبَآؤُنَا الْأَوَّلُونَO قُلْ إِنَّ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَO لَمَجْمُوعُونَ إِلَىٰ مِيقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍO (الواقعة: ۴۷-۵۰)

"اور وہ کہا کرتے تھے کہ کیا جب ہم مر جائیں گے تو کیا ہم (پھر زندہ کر کے) اٹھائے جائیں گے اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی (زندہ کئے جائیں گے)۔ فرما دیجئے: بے شک اگلے اور پچھلے بھی (سب کے سب) ایک معیّن دن کے مقرّرہ وقت پر جمع کئے جائیں گے۔" (۵۶:۴۷-۵۰)

روزِ محشر کے انکار اور اِس دنیاوی زندگی کی لامعنویت کی صدا ہر زمانہ میں گونجتی رہی ہے۔ مثلاً مشہور انگریز ڈرامہ نویس شیکسپیئر کے کردار میکبتھ (Macbeth) کی زبانی اسی قسم کی گونج سنئے جو کہتا ہے:

"زندگی کیا ہے، ایک چلتے پھرتے سائے کے سوا کچھ بھی نہیں، ایک بیچارا کھلاڑی جو اپنے وقت میں سٹیج پر اکڑ اکڑ کر نازو انداز سے چلتا ہے اور جھکولے لیتا ہے اور پھر معدوم ہو جاتا ہے۔ زندگی ایک فاتر العقل کی طرف سے سنائی گئی کہانی ہے جو آواز کے زیر و بم اور غیظ و غضب سے پُر ہے جس کی حقیقت کچھ بھی تو نہیں۔"

(Shakespeare's "Macbeth" Act V, Scene 5)

قبل از اسلام کی عرب شاعری میں ہمیں اکثر اسی قسم کے جذبات و خیالات ملتے ہیں جس سے انسان اپنے احساسِ ذمہ داری سے آزاد ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید ایسے کئی مواقع سے پُر ہے جن میں اُس نے مشرکینِ عرب کے روزِ محشر اور یومِ حساب کے عام انکار کا ردّ کیا ہے۔

زندگی ایک بامقصد معنویت کی حامل ہے جو حق و صداقت کے فہم کو شامل ہے اور جس کا حصول حیاتِ انسانی کا اصل اور عظیم مقصد ہے۔ اس سلسلہ میں فرمودۂ قرآن ملاحظہ ہو:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِO (الذّاریٰت: ۵۶)

"اور میں نے تو جنات اور انسان کو پیدا ہی اسی لئے کیا ہے کہ وہ میری عبادت کیا کریں۔" (۵۱:۵۶)

لِيَعْبُدُونِ کا ترجمہ بعض مفسرین نے یہ کیا ہے کہ وہ مجھے پہچانیں۔ روحِ انسانی اپنے خالق کے ساتھ اتصال چاہتی ہے کیونکہ حیات کا منبع وہی ہے۔ اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ اتصال حیاتِ انسانی کا آخری ہدف ہے۔ لیکن یہ اتصال اُسی وقت ممکن ہے جب روحِ انسانی نفسِ امّارہ کی فریب کاریوں اور حیوانی عنصر سے

آزاد ہو۔ اپنے نفس اور بدی کی قوتوں کے خلاف جنگ جیتنا کوئی آسان کام نہیں۔ لیکن آزمائشوں اور آلام و مصائب کے بعد جب انسان یہ جنگ جیت لیتا ہے تو قرآن مجید اُسے کامیابی و کامرانی کی نوید جانفزا سناتا ہے:

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ O (الحشر : ۹ ؛ التّغابُن : ١٦)

''اور جو شخص اپنے نفس کی ہوا و ہوس سے بچا لیا جائے ☆' تو وہی لوگ ہی بامراد و کامیاب ہیں۔''
(۵۹ : ۹ ؛ ٦٤ : ١٦)

اس طرح قرآن مجید کے مطابق خود لگامی اور نفسانی خواہشات کی سحرزدگی سے آزادی ہی اسلامی نظامِ تربیت کے بنیادی مقصد کی تشکیل کرتے ہیں۔ ایسی تربیت کا حتمی ہدف روح کی آزادی ہے۔

<u>انسان اللہ ہی کا محتاج ہے اور اپنی زندگی کے ہر ہر لمحہ میں اُسے اُسی کی ضرورت ہے</u>: اللہ تبارک وتعالیٰ تمام ضروریات و احتیاجات سے پاک و آزاد ہے اور ہم سب اُسی کے در کے بھکاری ہیں۔ جیسا کہ فرمایا:

يَا اَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَالْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ O (فاطر : ١۵)

''اے لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ ہی بے نیاز اور قابلِ حمد و ستائش ہے۔'' (۳۵:١۵)

اُسی ایک اللہ کے محتاج اور اُسی کے دَر کے بھکاری ہونے کے ناطے سے انسان دنیا کی تمام ضرورتوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے جیسا کہ کسی شاعر نے سچ کہا ہے:

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ۔۔۔ ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

<u>گناہ کی زندگی سے نفرت کے لئے صفاتِ الٰہی کا گہرا علم اور اُن پر غیر متزلزل ایمان انتہائی ضروری ہے</u>: صفاتِ الٰہی کا علم ہی انسان کو اپنے اندر شریفانہ انسانی خصوصیات کی پرورش کرنا اور اپنی زندگی کو نیکی اور خدا خوفی و خدا پرستی میں بسر کرنا سکھاتا ہے۔ اگر انسان کو بخوبی اس بات کا علم ہو کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود اور ہمہ بیں ہے اور ہر ہمارے ہر عمل کو خواہ وہ علانیہ کیا جائے یا چھپ کر' وہ دیکھتا' سنتا اور جانتا ہے تو بندہ اُس کا نافرمان اور عیاش کیسے ہو سکتا ہے! اُسے ہر وقت اس بات کا خیال ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی براہِ راست نگاہ میں ہے اور اس لئے اُس کا رویّہ بہرحال مناسب اور موزوں ہوگا۔ لیکن جسے اِن صفاتِ الٰہی پر ایمان ہی نہیں' وہ ضرور گمراہ ہو کر رہ جائے گا۔ یہی حال دیگر تمام صفاتِ الٰہیہ کا ہے۔ صفاتِ الٰہیہ پر ایمان ہی ذہنِ انسانی' روحِ انسانی' اخلاقیات اور اعمال و افعال کا تزکیہ کرتا ہے۔ ان صفات سے سرسری واقفیت یا محض ان کا کتابی علم پیش نہادہ کام کے لئے کافی نہیں ہے۔

<u>علاوہ ازیں آدمی کو بالتفصیل یہ معلوم ہونا چاہئے کہ رضائے الٰہی کے حصول کے لئے زندگی کیسے اور کس</u>

☆ يُّوْقَ (بچا لیا گیا) کا لفظ بڑا غور طلب ہے۔ بہ ایں معنیٰ کہ جب تک تائیدِ ایزدی حاصل نہ ہو آدمی از خود نہیں بچ سکتا۔

طرح گزاری جائے۔ جب تک آدمی کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی پسند اور ناپسند کا علم نہ ہو تو وہ ایک طریقے کو اختیار اور دوسرے کو رد نہیں کر سکتا۔ لہٰذا اس سلسلہ میں الٰہی قانون اور منزل من اللہ ضابطۂ حیات کا علم بھی انتہائی ضروری ہے۔ لیکن محض علم ہی کافی نہ ہوگا۔ آدمی کو مکمل خود اعتمادی ہو اور اُسے یہ پختہ یقین و ایمان حاصل ہونا چاہئے کہ اُس کی فلاح و بہبود اور نجات صرف اسی ضابطے کی پیروی میں مضمر ہے۔ کیونکہ اس یقین کے بغیر محض علم آدمی کو صراطِ مستقیم کی طرف راغب نہیں کرے گا اور خدشہ ہے کہ وہ نافرمانی اور سرکشی کی ظلمت بھری دلدل میں کہیں گم ہو کے نہ رہ جائے۔

آدمی کو ایمان و اطاعت اور کفر و نافرمانی کے نتائج کا بھی علم ہونا چاہئے۔ اُسے یہ ضرور معلوم ہونا چاہئے کہ اُس پر انعامات و نوازشاتِ الٰہیہ کی بوچھاڑ بھی کی جائے گی جب وہ راہِ خدا کو اختیار کرے گا اور نیکی، پارسائی اور اطاعت و فرمانبرداری کی زندگی بسر کرے گا۔ اُسے یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ اگر وہ نافرمانی اور سرکشی کی راہ اختیار کرے تو اُس کے کتنے بد اور دل آزار نتائج کا اُسے سامنا کرنا پڑے گا۔ لہٰذا اس مقصد کے لئے حیات بعد الموت کا علم ہونا بھی از بس ضروری ہے۔ آدمی کا اس حقیقت پر غیر متزلزل ایمان ہونا چاہئے کہ موت کا مطلب اختتامِ حیات نہیں بلکہ یہ کہ مُردوں کو دوبارہ زندگی ملے گا اور اُنہیں رب تعالیٰ کی اعلیٰ ترین عدالت میں پیش ہونا ہوگا۔ قانونِ الٰہی کی مکمل اطاعت کے لئے جوابدہی اور ذمہ داری کا یہ احساس لازمی امر ہے۔ اور ہاں یہ بھی یاد رہے کہ آدمی کی ذمہ داریاں اُس اعلیٰ وارفع مرتبہ ومقام کے بالکل متناسب ہیں جو اُسے حاصل ہے۔

انبیاء و رُسل علیہم السلام کی بعثت کی الٰہی پالیسی: ذیل کی قرآنی آیت انبیاء علیہم السلام کی بعثت کی خدائی حکمت کو واضح کرتی ہے۔ اور وہ یہ کہ انبیاء اور رسول علیہم السلام نیک لوگوں کو جنت کی خوش کن خبر دیتے ہوئے اور بدعملوں کو جہنم اور سخت عذاب کی وعیدات سناتے ہوئے صراطِ مستقیم دکھاتے ہیں:

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ (البقرة: ۲۱۳)

"لوگ ایک ہی اُمت تھے۔ پھر اللہ نے خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے انبیاء بھیجے اور اُن کے ساتھ کتب حق نازل کیں کہ وہ لوگوں کے درمیان اس بارے میں فیصلہ کرے جس میں وہ اختلاف رکھتے تھے اور کسی نے اس میں اختلاف نہیں کیا مگر اُنہی نے جنہیں وہ ملی تھی اُنہی کی ضد کے باعث بعد اس کے کہ اُنہیں کھلی نشانیاں پہنچ چکی تھیں۔ پھر اللہ نے اپنے فضل سے اہلِ ایمان کو وہ امرِ حق بتا دیا جس کے بارے میں وہ اختلاف کر رہے تھے۔" (۲ : ۲۱۳)

بَغْيًا بَيْنَهُمْ میں صاف بتا دیا کہ اختلاف اور نزاع کا باعث آپس کی ضد اور نفسانیت ہوئی نہ یہ کہ اصل احکام

الٰہی یا پیغامِ حق میں کسی طرح کا ایچ پیچ تھا اور نہ یہ کہ مسائلِ اجتہادی میں کسی رائے یا اجتہاد کا اختلاف ہوا۔ اسی مضمون کی حامل سورہ یونس کی آیت ۱۹ بھی ہے۔

توحید ہی انسان کا ابتداء "مذہب رہا ہے: درج بالا آیت (۲۱۳) سے ظاہر ہے کہ دنیا میں ابتداءً صرف ایک ہی مذہب یعنی مذہب توحید تھا۔ آثارِ قدیمہ اور علم البشر (Anthropology) دونوں کی جدید تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ نوعِ انسان کی قدیم ترین نسلوں کا مذہب توحید تھا نہ کہ کثرت پرستی اور شرک۔ زمانہ حاضر کے مستند ماہرِ آثارِ قدیمہ چارلس مارسٹن (Charles Marston) کا کہنا ہے:

''اِن کالموں میں علم البشر کی شہادت یہ ثابت کرنے کے لئے بیان کی جائے گی کہ قدیم نسلوں کا ابتدائی مذہب فی الحقیقت توحید یا اس سے ملتا جلتا کوئی مذہب تھا۔'' ("The Bible is True", p. 25)

قدیم اشوریہ کی زبان، تاریخ اور آثار کے مطالعہ (Assyriology) کا آکسفورڈ کا پروفیسر لنگڈن جو اپنے مضمون کا ماہر کامل مانا جاتا ہے، کش کے مقام پر کھدائی کے نتیجہ میں کہتا ہے:

''میری رائے میں انسان کے قدیم ترین مذہب کی تاریخ، توحید سے گر کر انتہائی کثرت پرستی اور بد روحوں پر دُور دُور تک پھیلا ایمان کی شکل میں تیز تنزلی رہی ہے۔ صحیح مفہوم میں انسان کی تنزلی کی یہی تاریخ ہے۔''
"Semitic Mythology".. Prof. Lingdon, pp. 58, 61)

''دنیا کی قدیم ترین لائبریریوں سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ توحید ہی انسان کا ابتدائی مذہب تھا اور اس عظیم حقیقت کی تصدیق و توثیق دوسرے ذرائع بالخصوص علم البشر سے بھی ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مستقبل یعنی آخرت کی زندگی کا ثبوت بھی اس سے ملتا ہے۔'' (ایضاً، صفحہ ۲۶۵)

فرنگی محققین حسبِ معمول مدتوں اس مسئلہ میں بھٹکتے رہے اور اُن میں سے اکثر یہی کہتے رہے کہ انسان کا ابتدائی مذہب شرک اور کثرت پرستی (Polytheism) تھا۔ شروع شروع میں وہ ایک ایک چیز کو معبود سمجھتا تھا۔ اور عقیدہ توحید تک تو نسلِ انسانی بہت سی ٹھوکریں کھانے کے بعد اور عقلی و دماغی ارتقاء کے بڑے طویل سفر کے بعد پہنچی ہے۔ قرآن مجید نے اس بے بنیاد عقیدے کو ٹھکرا کر صاف اعلان کر دیا کہ نسلِ انسانی آغازِ فطرت میں دینی حیثیت سے ایک اور واحد تھی اور اس میں ''مذہب'' اور ''اَدیان'' کے یہ تفرقے کچھ بھی نہ تھے۔ قرآن نے اس سوال کا جواب جو صدیوں پہلے دیا تھا اور جسے تسلیم کرنے کے لئے یورپ کے محققین کل تک تیار نہ تھے، آج مجبوراً تسلیم کر رہے ہیں اور ''ارتقائے توحید'' کا وہ نظریہ جو اُنیسویں صدی کے آخر میں بطور فیشن کے چلا ہوا تھا، علمی دنیا میں اب خود ہی متروک ہو چکا ہے۔ چنانچہ آثارِ قدیمہ کے ماہرین، انسانیات اور اجتماعیات کے علماء سر چارلس مارسٹن، پروفیسر لنگڈن (Langden) اور پروفیسر شمڈٹ (Schmidt) کا یہی فیصلہ ہے کہ انسان کا دینِ اوّلین توحید تھا اور جس کے متعلق قرآن نے سورۃ البقرۃ کی محولہ بالا آیت ۲۳۱ میں خبر دی ہے۔

خالق کا اپنی مخلوقات کے ساتھ رویّہ: مخلوقات کو پیدا فرمانے کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ پشتنی دروازوں کی طرف نہیں چلا گیا بلکہ مخلوقات کی ضروریات و احتیاجات سے ہر طرح آگاہ ہوتے ہوئے وہ اور صرف وہی اپنی مخلوقات کی جملہ مادّی اور روحانی ضروریات کو پورا فرماتا ہے اور یہی اُس کی ربوبیت کا صحیح مظہر ہے۔ تمام مخلوقات پر انسان کی برتری اور فوقیت کا روشن پہلو یہ ہے کہ کائنات کی ہر چیز کو انسان کی خدمت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ بالخصوص تمام اجرام فلکی انسان کی خاطر الٰہی قانون کے تابع ہیں۔ وہ انسان کے خادم اور انسان اُن کا مخدوم ہے۔ رب تعالیٰ نے انسان کو ہر وہ چیز عطا کی جو ایک دانا و مشفق آقا و مالک فراہم کرسکتا ہے:

(۱) هُوَالَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا (البقرۃ : ۲۹)

''وہی ہے جس نے سب کچھ جو زمین میں ہے تمہارے لئے پیدا کیا۔'' (۲۹ : ۲)

(۲) اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّکُمْ وَسَخَّرَ لَکُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَسَخَّرَ لَکُمُ الْاَنْهٰرَO وَسَخَّرَ لَکُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَیْنِ وَسَخَّرَ لَکُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَO وَاٰتٰکُمْ مِّنْ کُلِّ مَاسَاَلْتُمُوْهُ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَاتُحْصُوْهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ کَفَّارٌO (ابراهیم : ۳۲-۳۴)

''اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اور آسمان کی جانب سے پانی اتارا' پھر اُس پانی کے ذریعے سے تمہارے رزق کے طور پر پھل پیدا کئے اور اُس نے تمہارے لئے کشتیوں کو تابع کر دیا تاکہ اُس کے حکم سے وہ سمندر میں چلتی رہیں اور اُس نے تمہارے لئے دریاؤں کو (بھی) مسخر کر دیا۔ اور اُس نے تمہارے فائدہ کے لئے سورج اور چاند کو (باقاعدہ ایک نظام کا) مطیع بنا دیا جو ہمیشہ (اپنے مدار میں) گردش کرتے رہتے ہیں اور تمہارے (نظامِ حیات کے) لئے رات اور دن کو بھی (ایک نظام کے) تابع کر دیا۔ اور اُس نے تمہیں ہر وہ چیز عطا فرما دی جو تم نے اُس سے مانگی اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو (تو پورا) شمار نہ کرسکو گے۔ بے شک انسان بڑا ہی ظالم' بڑا ہی ناشکر گزار ہے۔'' (۳۲-۳۴ : ۱۴)

(۳) وَمَا بِکُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ (النّحل : ۵۳)

''اور تمہیں جو بھی نعمت حاصل ہے' وہ اللہ ہی کی جانب سے ہے۔'' (۵۳ : ۱۶)

(۴) وَسَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ (الجاثیة : ۱۳)

''اور اُس نے تمہارے لئے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' سب کو اپنی طرف سے (نظام کے تحت) مسخر کر دیا ہے۔'' (۱۳ : ۴۵)

ناداریٔ اور ضرورت انسان کی فطرت کا جزء ہیں ۔ مافوق الفطرت قوتیں ہوں یا مافوق البشر' انسان اپنے بُرے وقت کو دُور کرنے کے لئے اُن کی مدد مانگتا ہے اور یوں وہ اُن کے آگے گھٹیا بن جاتا ہے ۔ جہالت اور کم نظری کی وجہ سے وہ اِن چیزوں کو غم والم اور مشکلات کے دور کرنے میں مؤثر سمجھتا ہے ۔ یہی وہ جھوٹا اور فضول عقیدہ ہے جو اُسے اُن مخلوقات کے آگے سجدہ ریز ہونے پر مجبور کرتا ہے جو اُس سے بہت ہی کم تر ہیں ۔ وہ محض آلاتِ کار ہیں اور اللہ اُن کی تخلیق کا سبب ہے ۔ اُن کی پرستش کے غیر دانشمندانہ اور غیر معقول عمل کو رب تعالیٰ نے ان الفاظ میں روکا ہے :

وَمِنۡ آيَاتِهِ الَّيۡلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمۡسُ وَالۡقَمَرُ لَاتَسۡجُدُوۡا لِلشَّمۡسِ وَلَا لِلۡقَمَرِ وَاسۡجُدُوۡا لِلّٰهِ الَّذِيۡ خَلَقَهُنَّ اِنۡ كُنۡتُمۡ اِيَّاهُ تَعۡبُدُوۡنَ٥ (حٰمٓ السجدة : ۳۷)

''اور اُس کی نشانیوں میں رات اور دن' سورج اور چاند ہیں ۔ پس تم نہ سورج کو پوجو اور نہ چاند کو بلکہ صرف اللہ ہی کو پوجو جس نے ان سب کو پیدا کیا اگر تم واقعی اُس کے پرستار ہو ۔'' (۴۱ : ۳۷)

حتمی صداقت کے اِس پیغام کو قبول کرنے اور اُس پر عمل کرنے کے بعد انسان بے خوف اور نڈر ہو جاتا ہے اور صرف رب تعالیٰ ہی اُس کی امید اور خوف کا مرکز بن جاتا ہے اور یہی وہ موقع ہے جب انسان کی کمزوری قوت میں' اُس کی بے عزتی' عزت و وقار میں اور اُس کی محتاجی دولتمندی میں بدل جاتی ہے اور اُسے دنیا کی کسی بھی چیز سے ڈر اور خوف نہیں رہتا ۔ یہ حوصلہ افزا پیغام فَلَا تَخۡشَوُا النَّاسَ وَاخۡشَوۡنِ (المائدۃ : ۴۴) ''لوگوں سے مت ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرا کرو'' (۵ : ۴۴) آدمی کو تمام دنیا سے بے خوف اور نڈر کر دیتا ہے اور وہ صرف اپنے خالق و مالک سے امیدوار اور صرف اُسی کا خوف رکھنے والا ہو جاتا ہے ۔ اَلَيۡسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبۡدَهٗ' (الزُّمَر : ۳۶) ''کیا اللہ اپنے بندے کو کافی نہیں ہے؟'' (۳۹ : ۳۶) اُسے تمام دنیا سے بے نیاز کر دیتا ہے ۔ جونہی دیگر مخلوقات سے وابستگی کا سلسلہ ٹوٹتا ہے' انسان کی روح کو سکون ملتا ہے' تعلق باللہ سے وہ مطمئن ہو جاتا ہے اور جھوٹے دیوتاؤں کی پرستش اور چاکری سے وہ آزاد ہو جاتا ہے ۔ صرف یہی نہیں' آدمی کو اب ہر چیز میسر ہو جاتی ہے ۔ ایسے ایمان والوں کو قرآن مجید یوں نوید جانفزا سناتا ہے :

(۱) وَتَرۡجُوۡنَ مِنَ اللّٰهِ مَالَا يَرۡجُوۡنَ (النساء : ۱۰۴)

''تم اللہ سے وہ امیدیں رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھتے ۔'' (۴ : ۱۰۴)

(۲) حَقًّا عَلَيۡنَا نُنۡجِي الۡمُؤۡمِنِيۡنَ٥ (یونس : ۱۰۳)

''ایمان والوں کو بچالینا ہمارے ذمّہ کرم پر ہے ۔'' (۱۰ : ۱۰۳)

(۳) اِنَّا لَنَنۡصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيۡنَ آمَنُوۡا فِي الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَيَوۡمَ يَقُوۡمُ الۡاَشۡهَادُ٥ (غافر : ۵۱)

''بے شک ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی دنیوی زندگی میں (بھی) مدد کرتے ہیں اور اُس دن (بھی کریں گے) جب گواہ کھڑے ہوں گے ۔'' (۴۰ : ۵۱)

(۴) ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوۡلَى الَّذِيۡنَ آمَنُوۡا وَاَنَّ الۡكٰفِرِيۡنَ لَا مَوۡلٰى لَهُمۡ٥ (مُحمّد : ۱۱)

''یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ ایمان والوں کا ولی اور مددگار ہے اور یہ کہ کافروں کے لئے کوئی مددگار نہیں۔'' (۴۷ : ۱۱)

(۵) فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ O (مُحَمَّد : ۳۵)

''(اے مؤمنو!) ہمت نہ ہارو اور اِن (متحارب کافروں) سے صلح کی درخواست نہ کرو (کہ کہیں تمہاری کمزوری ظاہر نہ ہو) اور تم ہی غالب رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور وہ تمہارے اعمال (کا ثواب) ہرگز کم نہ کرے گا۔'' (۴۷ : ۳۵)

حق و صداقت والے اللہ پر ایمان اور اُسے سمجھ لینے نے انسان کو عظمت و وقار اور غلبہ کی ناقابلِ تصوّر بلندیوں تک پہنچا دیا۔ ایک وقت تھا جب وہ ہر ایک کو اپنی مشکلات اور بدنصیبیوں کا مسیحا سمجھتا تھا اور اس لئے وہ اپنا سرِ نیاز اُن کے آگے جھکاتا تھا اور اُن سے اپنے مصائب میں مدد مانگتا تھا۔ اُس کی تمام زندگی ان جھوٹے خداؤں کی پرستش اور اُن کی منت سماجت کرنے میں گزرتی تھی۔ لیکن یہ سب کچھ بے ثمر ثابت ہوا کیونکہ وہ خود بھی اور اُس کے معبودانِ باطل بھی کمزور و ناتواں تھے :

ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ O (الحج : ۷۳)

''کتنا بے بس ہے طالب (عابد) بھی اور مطلوب (معبود) بھی!'' (۲۲ : ۷۳)

اس ناقابلِ انکار حقیقت کو اپنے ذہن میں راسخ کرنے کے بعد مؤمن خود بخود اپنے حقیقی اور سچے مالک کے حضور جھک جاتا ہے جو اُسے ایک بار پھر یہ خوش کن خبر سناتا ہے :

وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا O (الاحزاب : ۴۳)

''اور وہ مؤمنوں پر بڑی ہی مہربانی فرمانے والا ہے۔'' (۳۳ : ۴۳)

یہ مژدۂ جانفزا مؤمن میں ایک بار پھر اطمینان اور امن و شانتی کو ابھارتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کو اپنے تمام اعمال میں اپنا پختہ کارمشیر (Mentor) سمجھتا ہے۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا (الاحزاب : ۴۸) ''اور اللہ ہی (حق و باطل کی معرکہ آرائی میں) کافی کارساز ہے۔'' (۳۳ : ۴۸) کے پیغام میں وہ اطمینان کی سانس پاتا ہے اور اپنے روزمرّہ کام میں مصروف ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہمارا تمام علم اور صلاحیتیں ہمارے پاس نعمتِ الٰہی ہیں (سورۃ النّحل : ۵۳)۔ یہ نعمتیں طاقت، جاہ و منصب، حسن و جمال، دولتمندی، سماجی مرتبہ و مقام اور مختلف علوم و فنون سے آگاہی کی شکل میں بھی ہو سکتی ہیں۔ یہی حقیقت ہمیں جتلاتی ہے کہ آدمی خود مکتفی (Self-sufficient) نہیں۔ اگر آدمی خودسر ہوتے ہوئے

نعماتِ الٰہی کو ذاتی سمجھتا ہے تو قرآن اُسے یاد دلاتا ہے کہ اُس کی پیدائش ایک گندے قطرے سے ہوئی ہے اور یہ کہ وہ اپنی ذمہ داری اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف لوٹنے کا خیال رکھے۔

سورۃ العادیات میں قرآن مجید انسان کے اپنے خالق کی طرف سلبی رویّہ کا حوالہ دیتے ہوئے کہتا ہے:

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌO وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌO وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌO

(اَلعٰدیٰت: ۶-۸)

''بے شک انسان اپنے رب کا بڑا ہی ناشکرا ہے۔ اور یقیناً وہ اس ناشکری پر خود گواہ ہے۔ اور بیشک وہ مال کی محبت میں بہت سخت ہے۔'' (۶-۸ : ۱۰۰)

سورۃ الانفطار میں قرآن مجید انسان سے پوچھتا ہے کہ اُس نے دنیا کی آنی جانی حقیر شے کا تعاقب کرنے سے اپنے ہی محسنِ حقیقی کے خلاف بغاوت کر کے کیا ہی بری راہ کا انتخاب کیا ہے!

يَاۤ اَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِO الَّذِىْ خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ فَعَدَلَكَO فِىْۤ اَىِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَO (الانفطار: ۶ تا ۸)

''اے انسان! تجھے (آخر) کس چیز نے اپنے کریم پروردگار سے متعلق بھول میں ڈال رکھا ہے (وہ پروردگار) جس نے تجھے پیدا کیا، پھر تجھے درست کیا، پھر تجھے اعتدال پر بنایا اور جس صورت میں بھی چاہا، تجھے ترکیب دے دیا۔'' (۶ تا ۸ : ۸۲)

اس آیت میں رب کے ساتھ اُس کی صفتِ کریمی کا ذکر فرمایا اور یہی انسان کو دھوکے میں رکھنے کی وجہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے انسان کے گناہ پر فوراً گرفت نہیں کرتا اور اُس سے درگزر فرماتا ہے یا اپنی گرفت کو مؤخر کر دیتا ہے۔ اِس سے انسان یہ سمجھ لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کو ہمیشہ معاف فرماتا رہے گا۔ اگر گناہ کے ارتکاب کے فوراً بعد ہی اللہ تعالیٰ اُسے سزا دے دیتا تو پھر وہ دوبارہ یا بار بار گناہ نہ کرتا۔ پس اُس کا عذر یہ ہے کہ وہ کہے گا کہ اے پالنہار! مجھے بار بار گناہ کرنے پر تیرے کرم نے ابھارا۔

<u>انسان کی روحانی ضروریات کی فراہمی</u>: اسلام مادّی اور روحانی دنیا کا حسین امتزاج ہے (سورۃ المائدہ: ۸۷، ۸۸؛ سورۃ الحدید: ۲۷)۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوا، اللہ کی ربوبیت اُس کی مخلوقات کی مادّی ضروریات کی تکمیل ہی میں نہیں بلکہ وہ صراطِ مستقیم کی طرف راہ نمائی کی انسانی پیاس کو بجھانے میں بھی ہمہ وقت مستعد رہتا ہے۔ اس مقصد کے لئے اُس نے انبیاء علیہم السلام کی مسلسل اور لگاتار بعثت کے سلسلے کا اہتمام فرمایا جو آدم علیہ السلام سے لے کر ہمارے نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تک جا پہنچتا ہے۔

سورۃ الـزخـرف کی آیت پنجم میں ''بیچاری' نادان'' نوعِ انسان پر اُس رحیم وکریم آقا کا نا قابلِ مقدار رحم وکرم اپنے پورے جوبن میں ٹھاٹھیں مار رہا ہے جب وہ اُن نام نہاد ''عقل و دانش کے ٹھیکیداروں'' سے یہ سوال کرتا ہے :

اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ O (الزُّخْرُف : ۵)
''اور کیا اس نصیحت کو تم سے اِس بناء پر روک دیں کہ تم حد سے گزر جانے والی قوم ہو۔'' (۵ : ۴۳)

یعنی ہماری ربوبیت اور شہنشاہیت کو تسلیم کرنے سے تمہارا انکار اس بارے میں رکاوٹ نہیں بن سکتا کہ ہمارا پیغام اور ہماری تنبیہات تمہیں پہنچیں بلکہ ہم پٹڑی سے اتری ہوئی گمراہ نوعِ انسانی کو صراطِ مستقیم دکھانے میں اپنی رحیمانہ ومشفقانہ عادت کو جاری رکھیں گے اگرچہ اُن کا رویّہ بے اعتنائی کا اور عدمِ توجہ کا ہو۔

اپنے رسولوں اور نبیوں کو بھیجنے کا مقصد سورۃ النساء میں یوں بیان ہوا ہے:
رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ (النساء : ۱۶۵)
''رسول جو خوشخبری دینے والے اور ڈرسنانے والے تھے (اس لئے بھیجے گئے) تا کہ (اِن) پیغمبروں (کے آجانے) کے بعد لوگوں کے لئے اللہ پر کوئی عذر باقی نہ رہے۔'' (۱۶۵ : ۴)

روح جسمِ انسانی کی حکمران ہے : امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرہ آفاق کتاب ''احیاء علوم الدین'' کی تیسری جلد کے آغاز میں لکھتے ہیں :
''یہ روح کی بدولت ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور یہ روح ہی کی بدولت ہے کہ انسان اللہ کی ذات وصفات کا علم حاصل کرتا ہے۔ یہ کام جسم کے کسی اور حصّے سے انجام نہیں ہو پاتا۔''

لہٰذا روح' جسم کی حکمران ہے اور جسم کے مختلف اعضاء اُس کے حکم کی تعمیل کرنے کے پابند اور خادم ہیں۔ جب روح کا تعلق غیر اللہ سے جُڑ جائے تو وہ اللہ سے دُور ہو جاتی ہے۔ وہ روح خوش نصیب ہے جس کا تزکیہ اور صفائی ہو جائے اور بدنصیب ہے وہ روح جو پلید ہی رہی۔ یہ روح ہی ہے جو علمِ الٰہی کا منبع ہے۔ جب آدمی خود فراموش ہو جائے تو وہ خدا فراموش بھی ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات روح بدی کی انتہا تک پہنچ جاتی ہے اور بعض اوقات وہ نیکی میں عرشِ الٰہی تک پہنچ جاتی ہے۔ وہ لوگ جو روح کی ضروریات اور اُس کی پاکیزگی (تزکیہ) کی طرف توجہ نہیں کرتے' اُن لوگوں میں شامل ہیں جن کے بارے میں فرمودۂ الٰہی ہے:

نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ O (اَلْحَشر : ۱۹)
''اُنہوں نے اللہ کو بھلا دیا' پھر اللہ نے اُن کی جانوں کو ہی اُن سے بھلا دیا (کہ وہ اپنی جانوں کے لئے کچھ بھلائی آگے بھیج دیتے)' یہی لوگ نافرمان ہیں۔'' (۱۹ : ۵۹)

سورۃ الشّمس کی آیات ہشتم تا دہم روح کے کچھ پہلوؤں کو یوں اجاگر کرتی ہیں:

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَاO قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَاO وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَاO (الشّمس: ۸-۱۰)

''اللہ نے اُسے اُس کی بدکاری اور اُس کی پرہیزگاری (کی تمیز) سکھادی۔ بے شک وہ شخص فلاح پا گیا جس نے اس (نفس) کو (رذائل سے) پاک کیا (اور اس میں نیکی کی نشو و نما کی)۔ اور بے شک وہ شخص نامراد ہو گیا جس نے اُسے (گناہوں میں) ملوّث کرلیا (اور نیکی کو دبادیا۔)'' (۸-۱۰ : ۹۱)

پس انسان کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اُس کی کامیابی و کامرانی' خوشحالی اور نجات کا انحصار صرف اُسی کی اپنی ذات پر ہے کہ وہ اپنی روح کو اس طرح پاک وصاف رکھے جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اُسے بنایا ہے' اور یہ کہ اُس کی ناکامی اور تنزلی کا انحصار برائی کی راہ اختیار کرنے اور اپنی روح کو پلید کرنے میں ہے۔

روح انسانی کے لئے مختلف الفاظ :انسانی روح کے لئے نفس' روح' قلب اور عقل جیسے مختلف الفاظ مستعمل ہیں۔

امام غزالی کے نزدیک ''نفس'' کے دو معانی ہیں :اس کا پہلا معنیٰ وفورِ جذبات(Passion) یا نفسِ امّارہ کا ہے۔ وفورِ جذبات(Passion) جامع لفظ ہے جس میں لالچ' بغض و کینہ' نفرت' غصّہ اور دوسرے منفی جذبات شامل ہیں۔ ''نفس'' کا دوسرا معنیٰ روح کا ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔

جب وفورِ جذبات(Passion) نفس سے جدا ہوں تو نفس کو آرام و سکون ملتا ہے اور اُس وقت اُسے ''نفسِ مطمئنہ'' کہا جاتا ہے (سورۃ الفجر: ۲۷)۔ جب نفس کی پُرسکون فطرت کو اپنی تکمیل کے لئے اطمینان نصیب نہیں ہوتا' تو اُسے ''نفسِ لوّامہ'' کہتے ہیں (سورۃ القیامۃ :۲) کیونکہ وہ انسان کو فرائضِ الٰہی کی ادائیگی میں غفلت پر ملامت کرتا ہے۔ اور اگر روح احتجاج کرنے سے رک جائے اور اپنے آپ کو شیطانی طریقوں کے سپرد کردے تو اُسے ''نفسِ امّارہ'' کہتے ہیں (سورہ یوسف :۵۳)۔

''روح'' کے بھی دو معانی ہیں۔ اس کا پہلا معنیٰ دل کے اندر کسی ایسی مادّی چیز کا ہے جو تمام جسم کو بجلی کی رَو کی طرح ارتعاش (تھرتھراہٹ) میں رکھتی ہے اور جو جسم کی رگوں میں دوڑتی پھرتی ہے۔ اِس معنیٰ میں اُسے ''حیات'' کہتے ہیں۔ اس میں چھونے' سننے' دیکھنے' سونگھنے' چکھنے اور جسم کے دیگر اعضاء کی قوّت ہوتی ہے۔ روح کا دوسرا معنیٰ غیر مادّی' دقیق چیز کا ہے اور اِسی کا نام ''روح'' ہے' زندگی نہیں جیسا کہ سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۸۵ میں ''روح'' کا لفظ آیا ہے۔

۳۶۸۴ (انسان--MAN)

''قلب'' کے بھی دو معانی ہیں: اس کا پہلا معنیٰ سینے میں گوشت کے ایک ٹکڑے کا ہے جسے ''دل'' کہتے ہیں جو اندر سے خالی ہے' جو کالے خون سے پُر ہے اور جو روحِ حیات کا منبع ہے۔ دورانِ خون کے لئے دل مرکزی حیثیت کا حامل ہے۔ ''قلب'' کا دوسرا معنیٰ مادّی چیز یا بے شکل ''لطیفہ'' یا ایسے بنیادی عنصر کا ہے جس کا تعلق مادّی دل سے ہے۔ اس کی مثال غیر مرئی بجلی کی ہے۔ انسان میں اصل چیز یہی ہے۔ یہ الٰہی علم اور روحانی دنیا کو اپنی گرفت میں لیتی ہے۔ اسے سزا بھی ملتی ہے اور ثواب بھی۔ روح کا دل کے ساتھ تعلق ایسا ہی ہے جیسا کہ صفات کا تعلق جسمانی اعضاء سے' یا مشین کا تعلق مشین مین سے یا گھر کا تعلق اپنے مکینوں سے ہوتا ہے۔ یہ تعلق دو قسموں کا ہے: ایک قسم علومِ مکاشفہ یا روحانی علم کی ہے جبکہ اس کی دوسری قسم روح کے رازہائے سربستہ کا علم ہے۔

''عقل'' کے متعدد معانی ہیں جن میں سے دو بہت اہم ہیں۔ اس کا پہلا معنیٰ ''ذہن'' ہے جس کے ذریعے اس مادّی دنیا کی چیزوں کی اصل فطرت معلوم کی جاتی ہے اور اس کی جگہ روح ہے۔ ''عقل'' کا دوسرا معنیٰ مختلف اشیاء کے رازہائے سربستہ کو سمجھنے کی اہلیت و قوّت ہے۔ ذہن کی خاصیت ایک غیر مادّی چیز ہے لیکن خاصیت کا وجود مادّی چیز کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا پہلے ذہن کی جگہ پیدا کی جائے۔ علم' ذہن کا ظرف (Content) ہے لہٰذا اُسے تقدّم حاصل ہونا چاہیے۔

تمام اسلامی مناسک اور طریقہ ہائے عبادت کا مقصد روح کا تزکیہ (صفائی) اور فرد کو باوقار کردار اور عظمت بھرے رویّہ سے آراستہ کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام ہم سے اپنے تمام شعبہ ہائے حیات کو ''عبادتِ الٰہی'' کے سانچے میں ڈھالنے کی توقع کرتا ہے (سورۃ الذاریٰت: ۵۶)۔ اسلامی عبادت کا بہت وسیع منظر ہے جو تمام اُن الفاظ' اعمال اور احساسات کو شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں۔

اگر ہماری گفتگو گندگی' بے حیائی' جھوٹ' کینہ وبغض' گالی گلوچ اور بدخواہی سے آزاد ہو اور حق و صداقت پر مبنی ہو اور یہ سب کچھ صرف رضائے الٰہی کی خاطر ہو تو اُنہیں ''عبادت'' شمار کیا جاتا ہے۔ اگر ہم احکاماتِ الٰہی کی اطاعت اپنے گھریلو' تجارتی' مالی یا زرعی معاملات میں بہ دل و جان کریں اور اپنے بھائی بندوں' قرابتداروں' دوستوں اور رفقائے کار کے ساتھ معاملات میں اُن احکامات کی پابندی کریں تو وہ یقینی طور پر عبادت ہیں اور انشاء اللہ اُن کا ثواب بہرصورت ملے گا۔ اسی طرح جب ہم یتیموں' مفلوک الحال لوگوں اور محتاجوں' غریبوں کے مسائل ازراہِ ہمدردی حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور کسی بھی طرح اُن کی مدد کرتے ہیں تو یہ بھی ''مقبول'' عبادت ہے۔ مختصر یہ کہ جب ہم اپنے اعمال و افعال اور خیالات کو خلوصِ دل کے ساتھ اور رضائے الٰہی کے حصول کی حسنِ نیت کے ساتھ کرتے ہیں تو وہ سب ''عبادت'' ہیں۔

انسانی کردار کی عظمت اور رفعت کی قرآن مجید نے گرم جوشی سے پذیرائی کی ہے۔ سچا مسلمان جس کا تمام تر

مقصدِ حیات اپنے خالق کی رضا اور خوشی کی تلاش ہے' دوسروں سے بھلائی اس لئے نہیں کرتا کہ وہ اُن کی طرفداری حاصل کرے یا اُن کی نظروں میں نیک بنے یا اُن سے کوئی مادّی منفعت حاصل کرے۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ وہ نیکی اس لئے کرتا ہے کیونکہ اُس کے خالق نے اُسے ایسا کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ سورۃ الدّھر میں قرآن مجید نے ایسے لوگوں کے کردار کی یوں نقشہ کشی کی ہے :

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّأَسِيْرًاo اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًاo (اَلدّھر : ۸' ۹)

''اور وہ اللہ کی محبت سے مسکینوں' یتیموں اور غریبوں کو کھانا کھلاتے رہتے ہیں۔ ہم تو تمہیں بس اللہ ہی کی خوشنودی کے لئے کھانا کھلاتے ہیں اور نہ تم سے اس کا عوض چاہیں اور نہ شکریہ۔'' (۸' ۹ :۷۶)

نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی جانب سے مدینہ منوّرہ میں قائم کردہ ''مؤاخاتِ مدینہ'' مندرجہ بالا قرآنی نظریہ کا مظاہرہ ہے اور اسی میں مسلمان کے ایمان کی پختگی' باہمی بھائی چارے کے جذبات' ایک دوسرے کے لئے قربانی کے جذبہ اور نتیجۂ سماج کے استحکام کی بقا ہے۔

معاشرے کی روایتی عادت یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے کو کوئی تحفہ اس لئے دیتا ہے کہ اُسے اُس کے بدلہ میں بھی کوئی چیز ملے اور وہ بالعموم اپنی دی ہوئی چیز سے بہتر لینے کی امید کرتا ہے۔ قرآن مجید نے اس مادّی رجحان کو روحانی سوچ میں تبدیل کر دیا۔ اُس نے مسلمان کو دینے کا اور اُس پر لینے والے کی طرف سے کوئی امید نہ رکھنے کا حکم دیا کیونکہ اُس نے دینے کا یہ عمل اپنے اللہ کو خوش کرنے اور اُس کی مخلوق کی خدمت کے لئے کیا ہے :

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُo (المدّثّر : ٦)

''اور (اس غرض سے کسی پر احسان نہ کریں) کہ اس سے زیادہ کے طالب ہوں۔'' (٦:۷۴)

یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ اسلام نے مسلم سماج کی روح کو قابلِ رشک اَقدار کے ساتھ اعلیٰ وقار عطا کیا ہے۔ پورے قرآن حکیم اور احادیثِ مبارکہ میں روح کے تزکیہ سے متعلق قابلِ قدر ہدایات دیکھی جا سکتی ہیں۔ اس سلسلہ میں قرآن مجید نے تمام اُن گندی عادات اور ناخوشگوار اور مکروہ گفتگو سے روکا ہے جو اسلامی سماج کے افراد کی ہم آہنگ اور صحتمند فضا کے لئے مضر ہیں۔ قرآنی نظریہِ مواخات کو اُس وقت تک تحفظ حاصل نہیں ہو سکتا جب تک سماجی تحفظ کے لئے خطرناک برائیوں کا سدّباب نہ کیا جائے۔ غیبت' حسد' نفرت' عداوت' جھوٹ اور اس قسم کی دیگر تمام غیر اخلاقی سرگرمیاں اُن میں ملوّث لوگوں پر بھائی چارے اور اتحاد و اتفاق کے دروازوں کو بند کر دیتی ہیں اور اس لئے وہ حرام ہیں۔ علاوہ ازیں قرآن مجید اپنے تمام ماننے والوں کو نیکی کی تمام کاموں میں باہم تعاون کی ترغیب دیتا ہے۔ عدل و انصاف کے دو آفاقی عاقلانہ' عمدہ ترین حسن و جمال سے پُر اقوال کو بہ طورِ حکم نامہ سورۃ المائدۃ میں پیش کیا گیا ہے :

تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَان (المائدة : ۲)
"نیکی اور خدا خوفی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کیا کرو اور گناہ اور ظلم و تعدّی کے کاموں میں تعاون نہ کیا کرو۔"(۲ : ۵)

انسان کی اپنے وجود سے آگاہی -- خودنگری (Human Self-consciousness): اِس اصطلاح کا معنیٰ یہ ہے کہ اپنے مذہب' ذات' ثقافت' قومیت اور رنگ و نسل میں ایک دوسرے سے مختلف ہونے کے باوجود تمام نوعِ انسانی ایک اکائی ہے اور ایک ہی جسم کی مانند ہے۔ اِسے ''انسان دوستی (Humanism)'' بھی کہہ سکتے ہیں۔ خودنگری (Self-consciousness) کے فلسفہ کو عمل میں لانے کے لئے انسانی حقوق کے اعلانات بھی صادر ہوتے رہے ہیں۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے اس فلسفہ کو یوں بیان کیا ہے:

''یوں کہنا چاہئے کہ آدم کی اولاد ایک ہی جسم کے اعضاء ہیں
کیونکہ وہ ایک ہی مٹی سے پیدا ہوئے ہیں
اگر ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے
تو دوسرے اعضاء کو بھی شدید تکلیف ہوگی
(اے ابنِ آدم!) تو دوسروں کی تکلیف سے لاپروا اور بے خبر ہے
تو تجھے ''انسان'' کہلانے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔'' (گلستانِ سعدی' صفحات ۲۴' ۲۵ بحوالہ
"The Human Being in the Qoran"-- Mutahhari, p. 69)

شیخ سعدی کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جو آدمی انسانی خودنگری (Self-consciousness) کی خصوصیت سے آراستہ ہو' وہ اپنے لئے نہیں جیتا بلکہ اُس کی زندگی دوسروں کے لئے وقف ہوتی ہے۔ اُس کے تمام رنج و آلام' تکلیفیں اور پریشانیاں صرف نوعِ انسانی کے لئے ہوتی ہیں یعنی رحمدلی' عدل و انصاف' صحت' عقل و دانش' خیرخواہی' تعلیم و تعلّم اُس کے دوست ہوتے ہیں اور انسان دشمن عناصر یعنی بدخواہی' حسد' تشدد' کج روی' غربت و افلاس' جہالت' عدمِ انصاف' اَمراض یہ سب اُس کے دشمن ہوتے ہیں۔

ہمارے محبوب پیغمبر ﷺ نے مسلمانوں کو ایک جسم کی مانند قرار دیا۔ یہ بات عقل اور منطق سے بھی بعید ہے کہ ایک جنگلی' غیر مہذّب آدمی جس کی پرورش اُس کے بچپنے ہی سے روک دی گئی ہو اور جو اپنی انسانی سرشت ہی سے بے خبر ہو' اُسے ایسے احساسِ باہمی سے آگاہی کیسے ہوسکتی ہے؟ اسی طرح موسیٰ اور فرعون' ابوبکر صدّیق اور ابوجہل کیسے ایک ہی جسم کے اعضاء ہوسکتے ہیں!

تَرَی الْمُؤْمِنِیْنَ فِیْ تَرَاحُمِھِمْ وَتَوَادِّھِمْ وَتَعَاطُفِھِمْ کَمَثَلِ الْجَسَدِ اِذَا اشْتَکٰی عُضْوٌ مِّنْہُ تَدَاعٰی لَہٗ سَائِرُ جَسَدِہٖ بِالسَّھَرِ وَالْحُمّٰی (جامع ترمذی۔ باب: ما جاء فی مثال المؤمن)

"تو مؤمنوں کو اُن کے باہم رحم کرنے' محبت کرنے اور ایک دوسرے سے شفقت و مودّت سے پیش آنے میں ایک جسم کی مانند دیکھے گا۔ جب جسم کے کسی عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو اُس کا سارا جسم بے خوابی اور بخار کے ساتھ اُسے لبیک کہتا ہے۔"

کوئی شک نہیں کہ ایسے لوگ تمام انسانوں اور تمام چیزوں پر مہربان ہوتے ہیں۔ وہ اپنے ازلی دشمنوں پر بھی مہربان ہوتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تبارک و تعالیٰ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو "رحمۃ للعالمین" کے لقب سے نوازتا ہے (سورۃ الانبیاء: ۱۰۷)۔

سیّدنا علی کرّم اللہ وجھہ' نے ابن ملجم کے بارے میں جس نے بعد میں آپ کو شہید کیا تھا' اپنے احساسات کا اظہار یوں کیا:

"میں اُسے زندہ دیکھنا چاہتا ہوں لیکن وہ مجھے قتل کرنے کے موقع کی تلاش میں رہتا ہے۔"

ایک حدیثِ پاک میں ہے کہ دینِ اسلام کا دوسرا نام اللہ تعالیٰ' اُس کے رسول ﷺ اور مسلمانوں کے لئے خیر خواہی کا نام ہے۔ حدیث کا متن یہ ہے:

اَلدِّیْنُ اَلنَّصِیْحَۃُ لِلّٰہِ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ (اربعین نووی)

اس لئے ہمیں اپنے تمام ابنائے جنس کی خیر خواہی کی کوشش کرنی چاہئے اور متحد کوششوں کے ساتھ اس کارِ خیر میں حصّہ لینا چاہئے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ ہمارے نفس' روح' قلب اور عقل کو اس طرح مضبوط دیکھنا چاہتا ہے جس سے ہم مسلم بھائی چارے کے ناگزیر اور لازمی جزء بن جائیں۔

یہ بھی ایک کھلی حقیقت اور ہر کہ و مہ کے نزدیک مسلّمہ بات ہے کہ انسان مدنی الطبع (Social Animal) ہے یعنی وہ اکیلا اور تن تنہا زندگی نہیں گزار سکتا اور جب وہ معاشرہ میں مل جل کر رہے تو اُس سے اچھے آداب و اطوار کے حامل' مہذّب اور نفیس عادات کے حامل ہونے کی توقع کی جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں قرآنی تعلیمات اَخلاقیات پر مرکوز ہیں تا کہ انسان کی سماجی محکومی (غلامی) ہلکی ہو جائے۔ سورۃ العَصر میں اللہ تعالیٰ ہر زمانے میں وقت کو گواہ بنا کر قسم اٹھاتا ہے کہ انسان بے کار اور بے ثمر ہے سوائے اُن کے جو اعمالِ صالحہ' باہمی خیر خواہی اور صبر و صداقت کی نصیحت کرنے کے ساتھ ساتھ ایمانِ محکم کے اعلیٰ و ارفع کردار پر پورے اترتے ہیں۔ اسلامی سماج کی منظم تنظیم اور اس کے افراد کے باہمی تعلق کو اس سورۃ میں بالوضاحت بیان کیا گیا ہے اور مسلمانوں کو اس

تنظیم سے گریز کی کسی بھی صورت کے خلاف تنبیہ کی گئی ہے :

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ (اَلْعَصْر : ۱ تا ۳)

''قسم ہے زمانے کی کہ انسان بڑے خسارہ میں ہے مگر وہ لوگ نہیں جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک کام کئے اور ایک دوسرے کو حق کی فہمائش کرتے رہے اور ایک دوسرے کو صبر کی فہمائش کرتے رہے۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر زندگی کو ایک تجارتی سودے کی تشبیہ سمجھا جائے تو انسان محض اپنے ذاتی مفادات کی طرف متوجہ ہونے سے خسارے میں رہے گا۔ اُس کا یومیہ کھاتا تبھی نفع ظاہر کرے گا اگر اُس کا ایمان ہے، وہ پارسائی کی زندگی بسر کرتا ہے اور دوسرے لوگوں کو حق و صبر کی تلقین کرتے ہوئے سماجی فلاح و بہبود میں حصّہ لیتا ہے۔ طرح ایمان اُس کی زرہ بکتر بن جاتا ہے جو مادّی دنیا کے لگائے ہوئے چرکوں کو مٹا ڈالتی ہے جبکہ اُس کی پارسائی کی زندگی اُس کی روحانی بلندی کی مثبت فراہمی ہے۔

اگر انسان صرف اپنے لئے زندہ رہتا ہے تو قرآنِ حکیم کی قائم کردہ اعلیٰ اخلاقی اقدار کی تکمیل نہیں ہو پاتی۔ بالخصوص اخلاقی اور روحانی زندگی میں اُس کے پاس جو کچھ بھی بھلائی اور خیر ہے، اُسے اپنے بھائی بندوں میں مشتہر کرنا چاہئے تاکہ وہ حق و صداقت کو دیکھیں اور خارجی زندگی کے کٹھن لمحات میں صبر، امید اور غیر متزلزل استقامت کے ساتھ اُس کے شانہ بشانہ کھڑے ہوں۔ کیونکہ اسی صورت میں وہ اور وہ سب لوگ اندرونی طمانیتِ قلبی اور سکون پا سکیں گے۔

ایک حدیثِ مبارکہ کے مطابق ایمان کے ستّر (۷۰) شعبے ہیں جن میں سے اعلیٰ ترین شعبہ اللہ کی وحدانیت کی تصدیق ہے اور اُس کا ادنیٰ ترین شعبہ راستے سے کسی اذیت ناک چیز کا ہٹا دینا ہے۔ مسلمان کی شخصیت کی بنیاد اِسی کلیہ پر ہے جو اُسے تمام سطحوں پر اعلیٰ و ارفع بنا دیتی ہے۔ حدیث کے مطابق ایمان کا ادنیٰ ترین شعبہ راستے سے کسی اذیت ناک چیز کا ہٹا دینا ہے، تو یہ چیز سماج میں مسلمان کے کردار پر کافی روشنی ڈالتی ہے یعنی مسلمان، سماج کے بہتر وجود کے لئے مفید ہوتا ہے اور وہ نوعِ انسانی کے لئے ہمیشہ نفع بخش ہوتا ہے۔ اس لئے مسلمان کبھی بھی خودغرض اور معاشرے سے دُور نہیں ہوا کرتا بلکہ وہ تمام معاشرے کی فلاح و بہبود میں ہمہ وقت مستعد نظر آتا ہے۔ نیکی اور پارسائی کے کاموں میں قرآن کی باہمی تعاون کرنے کی ہدایت کی پوری عکاسی حدیثِ بالا میں کردی گئی ہے۔

سورہ آلِ عمران کی آیت ۱۱۰ اِس بات کی مظہر ہے کہ مسلمان کا ایمان پختہ ہوتا ہے اور اُس کے اعمال و افعال صالح اور لوگوں کی منفعت اور فائدے کے لئے ہوتے ہیں، اس کے شانہ بہ شانہ وہ نیکی کو پروان چڑھانے

اور بدی کو جڑ سے اکھاڑنے کے درپے ہوتا ہے۔درج ذیل حدیث اسی اصول کی تائید میں ہے :

مَنْ رَآى مِنكُمْ مُنْكَرًافَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ وَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَان (اربعین نووی)

''جب تم میں سے کوئی کسی بُرائی کو ہوتا ہوا دیکھے تو وہ اُسے اپنے ہاتھ سے روک دے' اگر وہ ایسا نہیں کر سکتا تو اپنی زبان سے روک دے اور اگر وہ یہ بھی نہیں کر سکتا تو (کم از کم) دل ہی میں اُسے بُرا سمجھے اور یہ (آخری صورت) کمزور ترین ایمان (کی علامت) ہے۔'' (اربعین ا. نووی)

مصائب میں استقامت کردار کی افزونی کا سبب ہے : بدنصیبیوں اور مصائب سے چھٹکارا پانا اور آرام و آسائش کی آرزو رکھنا انسان کی فطرت ہے۔حکیم و دانا اللہ کے آخری پیغمبر ﷺ نے ان دونوں حالتوں میں مناسب طریقہ اختیار کرنے کی تجویز دی ہے۔مصائب میں صبر و استقامت اور انعاماتِ الٰہیہ پر شکر گزاری مسلمان کے دل میں زبردست تبدیلی کا باعث بنتے ہیں۔صبر کی عادت ڈالنے سے انسان رنج و اندوہ' شکایات' آہ و فغاں کرنے اور سینہ کوبی سے نجات پاتا ہے۔صابر بننے میں تکالیف اور مصائب بہ آسانی برداشت ہو جاتے ہیں' رنج و الم کے بادل چھٹ جاتے ہیں اور غم و اندوہ کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔اگر آدمی کا اللہ تبارک و تعالیٰ پر پختہ ایمان ہو اور وہ مصائب کے نزول کو اُسی کی طرف سے سمجھے تو مصائب کا سہنا آسان ہو جاتا ہے۔انعاماتِ الٰہی پر شکر گزاری اُسے فخر و غرور' خود بینی و خود نمائی' بے حیائی اور حُبِّ ذات (نفس پرستی Self-esteem) سے آزاد کر دیتی ہے۔

اس طرح زندگی میں ناخوشگوار حادثات سخت آزمائش ہوتے ہیں اور وہ ہمارے کردار کی نشوونما کرتے ہیں۔سخت یا المناک حادثات ہماری گنہگار زندگی سے دستبردار ہونے کی جگہ لے لیتے ہیں۔وہ ہمیں وفورِ جذبات سے پُر خواہشات سے دور رکھتے ہیں اور ہمارے کردار کی اصلاح کرتے ہیں۔حکیم و دانا اللہ تبارک و تعالیٰ جو ہمیں ہنساتا بھی ہے اور رُلاتا بھی ہے (سورۃ النجم:۴۳) اور جو اپنی مخلوقات پر ماں سے بڑھ کر کہیں زیادہ مہربان ہے' پر پختہ ایمان بھی ہمارے کردار کی نشوونما کرتا ہے۔

آرام و آسائش اور کثرتِ دولت بطور معیارِ آزمائش : جبکہ مصائب اور بدنصیبیاں انسان کی آزمائش ہیں' تو آرام و آسائش اور کثرتِ دولت بھی آزمائش کی حیثیت رکھتے ہیں۔خوشی و مسرت کے ایسے مواقع پر اگر انسان ذکرِ الٰہی کو نہ بھولے' اُس کی طرف رجوع کرے اور اُس کی نعمتوں سے اُس کی رضا کے مطابق فائدہ اٹھائے تو نعمتوں کا کئی گنا زیادہ ہونا یقینی ہے۔الفاظ و اعمال کے ذریعے نہاں خانہ دل سے شکر کا اظہار اللہ کی نعمتوں کا نہ صرف تحفظ ہے بلکہ اُن میں اضافہ ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِىْ لَشَدِيْد''O (ابراھیم:۷)

''اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں تم پر (نعمتوں میں) ضرور بالضرور اضافہ کروں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو میرا عذاب یقیناً سخت ہے۔'' (۷ : ۱۴)

بہتر مستقبل کے لئے نیکی کی راہ اختیار کرنا دانشمندی ہے :اس سخت محنت و مشقت کی دنیا میں کسی بھی شخص کو مصائب و آلام یا مختلف سطح کی مسائلاتی صورتِ حال سے گزرے بغیر چارہ نہیں۔ لیکن اسلام نے انسان سے ایسی صورتِ حال پر صبر و استقلال کے ذریعے غالب آنے کی توقع کی ہے۔ سورۃ البلد میں قرآن حکیم نے اس پہلو کی جاندار نقشہ کشی کی ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي كَبَدٍ O أَيَحْسَبُ أَن لَّن يَقْدِرَ عَلَيْهِ أَحَدٌ O يَقُولُ أَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا O أَيَحْسَبُ أَن لَّمْ يَرَهُ أَحَدٌ O أَلَمْ نَجْعَل لَّهُ عَيْنَيْنِ O وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ O وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ O فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ O وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ O فَكُّ رَقَبَةٍ O أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ O يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ O أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ O ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ O أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ O وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا هُمْ أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ O عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ O (البلد : ۴۔۲۰)

''بے شک ہم نے انسان کو مشقت میں (مبتلا رہنے والا) پیدا کیا ہے۔ کیا وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اُس پر ہرگز کوئی بھی قابو نہ پاسکے گا۔ وہ (بڑے فخر سے) کہتا ہے کہ میں نے ڈھیروں مال خرچ کیا ہے۔ کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اُسے (یہ فضول خرچیاں کرتے ہوئے) کسی نے نہیں دیکھا؟ کیا ہم نے اُس کے لئے دو آنکھیں نہیں بنائیں؟ اور (اُسے) ایک زبان اور دو ہونٹ (نہیں دیئے)؟ اور ہم نے اُسے (خیر و شر کے) دو نمایاں راستے (بھی) دکھا دیئے۔ وہ تو (دینِ حق اور عملِ خیر کی) دشوار گزار گھاٹی میں داخل ہی نہیں ہوا۔ اور آپ کیا سمجھے ہیں کہ وہ (دینِ حق کے مجاہدہ کی) گھاٹی کیا ہے۔ وہ (غلامی و محکومی کی زندگی سے) کسی گردن کا آزاد کرانا ہے یا بھوک والے دن (یعنی قحط و افلاس کے دَور میں غریبوں اور محروم القسمت لوگوں کو) کھانا کھلانا ہے' قرابتدار یتیم کو یا شدید غربت کے مارے ہوئے محتاج کو جو محض خاک نشین (اور بے گھر) ہے۔ پھر (شرط یہ ہے کہ ایسی جدوجہد کرنے والا) شخص اُن لوگوں میں سے ہو جو ایمان لائے ہیں اور ایک دوسرے کو صبر و تحمل کی نصیحت کرتے ہیں اور باہم رحمت و شفقت کی تاکید کرتے ہیں۔ یہی لوگ دائیں طرف والے (یعنی اہلِ سعادت و مغفرت) ہیں۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا وہ بائیں طرف والے ہیں (یعنی اہلِ شقاوت و عذاب) ہیں۔ اُن پر (ہر طرف سے) بند کی ہوئی آگ (چھائی) ہوگی۔'' (۹۰ : ۴۔۲۰)

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي كَبَدٍ یعنی ہم نے انسان کی تخلیق اس لئے نہیں کی کہ وہ آرام و آسائش کی زندگی بسر کر کے بزمِ عالم سے رخصت ہو جائے بلکہ اُس کی زندگی کا سفینہ طوفانوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے بنایا گیا ہے۔

أَيَحْسَبُ أَن لَّن يَقْدِرَ عَلَيْهِ أَحَدٌ O یعنی اس کے باوجود کہ خطرات و آلام نے اُسے چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے' اُس کے گھمنڈ کا یہ عالم ہے کہ وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اُس سے بالاتر کوئی ایسی ہستی نہیں جو اُس سے

باز پرس کر سکے یا جس کے حکم کے آگے وہ سر جھکانے پر مجبور ہو۔ یہ محض اُس کی کم فہمی ہے۔"

"یَقُوۡلُ اَهۡلَكۡتُ مَالًا لُّبَدًا O دنیادار اپنی ثروت کی نمائش کے لئے ہزاروں لاکھوں روپے پانی کی طرح بہاتے ہیں۔ کبھی کوٹھیاں اور محلات تعمیر کر کے اپنی دولتمندی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے، کبھی اعلیٰ سے اعلیٰ کاریں خرید کر اپنی رئیسانہ ٹھاٹھ کا اظہار کیا جاتا ہے۔ بڑے بڑے امراء اور افسروں کی ضیافتیں کی جاتی ہیں۔ شادی بیاہ کے مواقع پر لاکھوں روپے اڑا دئے جاتے ہیں اور اس چیز کو ہی یہ لوگ اپنے لئے فخر و مباہات کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور اس پر ڈینگیں مارتے ہیں کہ ہم نے ڈھیروں مال خرچ کر دیا، ہم نے روپیہ پانی کی طرح بہا دیا۔"

"اَيَحۡسَبُ اَنۡ لَّمۡ يَرَهٗۤ اَحَدٌ" O اس آیت میں اُن کی اس حرکت کی مذمت کی جا رہی ہے کہ یہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں اور جس طرح اپنی دولت لٹا رہے ہیں، اللہ تعالیٰ اُن کی اِن حرکتوں کو دیکھ رہا ہے اور اُن سے اس فضول خرچی کے بارے میں باز پرس ہوگی کہ تمہارے پڑوس میں صدہا غریب اور مسکین ضروریاتِ زندگی کے لئے ترستے رہے اور تم لوگ اپنے نام و نمود کی خاطر دولت کو لٹاتے رہے۔ تمہیں یہ خیال نہ آیا کہ یہ رزق تمہیں اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور تم پر یہ فرض تھا کہ تم اُس کے حکم کے مطابق اُسے صَرف کرتے اور غریبوں اور مسکینوں، یتیموں اور بیواؤں کی ضروریات بہم پہنچاتے۔"

"آیات ۸ تا ۱۰ میں اُن نعمتوں کا ذکر ہے جو اس ناشکر گزار انسان کو عطا کی گئی ہیں۔ اگر وہ اُن کی قدر پہچانتا اور اُن سے صحیح کام لیتا تو یوں آنکھیں بند کر کے سرکشی کی راہ اختیار نہ کرتا۔"

"فَلَا اقۡتَحَمَ الۡعَقَبَةَ O (وہ تو دینِ حق اور عملِ خیر کی دشوار گزار گھاٹی میں داخل ہی نہیں ہوا)۔ اِس آیت کا مدعا یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ یہ جھوٹی ناموری حاصل کرنے کے لئے اپنی دولت کو یوں لٹاتے، چاہئے تو یہ تھا کہ جب اُن کے سامنے بھلائی اور برائی کے راستے واضح کر دئے گئے تھے تو وہ اُس راستے پر چلتے جو حقیقی بلندیوں کی طرف لے جاتا ہے اگرچہ وہ راستہ کٹھن ہے اور اُسے طے کرنا بڑا ہی دشوار ہے لیکن جس منزل کی طرف وہ جاتا ہے، وہ منزل انسان کی عظمتوں کے شایانِ شان ہے۔ وہاں تک پہنچنے کے لئے ہر قسم کی مشقت کو بہ طیبِ خاطر اُنہیں قبول کرنا چاہئے تھا۔ لیکن سخت کوشی سے اُن کی سہل انگار طبیعت کو کوئی مناسبت نہیں۔ وہ لڑھکنا جانتے ہیں اور بلندیوں کی طرف پرواز کرنے سے قاصر ہیں۔"

آیت ۱۳ سے اُس کٹھن راستہ کی تفصیل بیان ہو رہی ہے جو انسان کے شایانِ شان ہے۔ فرمایا کہ کرنے کا کام تو یہ تھا کہ وہ کسی غلام کو آزاد کرنے کے لئے اپنا مال خرچ کرتے، کسی رشتہ دار یتیم کو قحط سالی کے دنوں میں کھانے پینے کی ضروریات مہیا کرتے یا ایسے مسکین کی طرف دستِ تعاون دراز کرتے جسے فقر و تنگدستی نے خاک

نشین بنا دیا ہے۔ بے شک اِن امور میں خرچ کرنے سے اُن کی شہرت کا ڈنکا بجتا۔ اس طرح اگرچہ اُن کی دولت کی نمائش لوگوں کی آنکھیں خیرہ نہ کرتی لیکن ضرورت مندوں کی امداد کر کے' ایک انسان کو غلامی کی زنجیروں سے آزاد کر کے' وہ ایسا کام کرتے جس کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی قدر ہے۔''

آیات ۱۴ تا ۱۶ میں تین چیزیں بیان ہوئی ہیں: (۱) عام قحط سالی اور غذائی اجناس کی نایابی کے وقت کھانا کھلانا۔ (۲) اپنے قریبی رشتہ دار یتیم کو کھانا کھلانا جس پر دگنا ثواب ملتا ہے کیونکہ صدقہ اور صلہ رِحمی دونوں یکجا ہو جاتے ہیں۔ (۳) ایسے مسکین کو کھانا کھلانا جو خاک نشیں ہو۔ اس فعل کو قرآن نے ''عقبہ'' کہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب غذائی اجناس کی فراوانی ہو اور ہر چیز سستے داموں خریدی جا سکے' اُس وقت کسی کو کھانا کھلانا اِتنا مشکل نہیں ہوتا جتنا اُس وقت ہوتا ہے جبکہ غذائی اجناس گراں اور نایاب ہوں اور انسان کو اپنی فاقہ کشی کا خطرہ بھی لاحق ہو۔ نیز قریبی رشتہ دار کو اگر کھانا کھلایا جائے تو لوگوں کی نگاہ میں یہ کوئی قابلِ قدر چیز نہیں۔ ہر شخص یہی سمجھتا ہے کہ اپنے یتیم رشتہ دار کو کھانا کھلایا ہے' کسی غیر کو تو نہیں کھلایا۔ اس لئے اس سے وہ شہرت حاصل نہیں ہوتی جو اہلِ دنیا کے پیشِ نظر ہوا کرتی ہے۔ نیز وہ لوگ جن کا پیشہ ہی گداگری ہے' اُنہیں اگر آپ کچھ دیں گے تو وہ جگہ جگہ آپ کی فیاضی اور سخاوت کا چرچا کریں گے لیکن وہ مسکین جس میں اٹھنے کی سکت بھی نہیں' جسے سوال کرنے کی عادت بھی نہیں' جس میں اِتنی ہمت بھی نہیں کہ وہ کسی کے سامنے حرفِ مدعا زبان پر لا سکے' ایسے شخص کی جب آپ امداد کریں گے تو وہ اُسے قبول کر لے گا۔ دل سے آپ کا شکر گزار بھی ہو گا لیکن اُس میں یہ ہمت ہی نہیں کہ وہ لوگوں کے سامنے آپ کی سخاوت کے گن گا سکے۔ اس لئے ایسے لوگوں پر ضرورت کے وقت اپنی دولت خرچ کرنا صرف اُن لوگوں کا کام ہے جو فقط اللہ کی رضا کے جویا ہیں۔ دنیا میں شہرت حاصل کرنے کے خواہشمند لوگ یہاں مال خرچ نہیں کر سکتے۔ وہ تو وہیں کریں گے جہاں اُن کی سخاوت کے گن گائے جائیں گے۔''

آیت ۱۷ (ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ --الخ) کے دو جملوں میں اسلامی معاشرے کی خصوصیتیں بیان کی گئی ہیں کہ اُن میں سے ہر فرد دوسرے کو صبر کی تلقین کرتا ہے۔ راہِ حق میں پیش آنے والی مشکلات اور مصائب کو بہ طیبِ خاطر گوارا کرنے کی نصیحت کرتا ہے۔ خود تو وہ صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہے لیکن وہ اس پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ وہ چاہتا ہے کہ امت کا ہر فرد صبر کے دامن کو مضبوطی سے پکڑ لے اور دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۝ وہ سنگدل نہیں ہیں' وہ ایک دوسرے کی تکلیفوں سے بے نیاز نہیں ہیں بلکہ اگر مشرق کے بھائی کے پاؤں میں کانٹا چبھتا ہے تو مغرب میں بسنے والا کلمہ گو بے تاب ہو جاتا ہے۔ اُن کا باہمی رشتہ رحمت و شفقت کا ہے۔ آپ خود سوچئے کہ جو قوم ان دو خصوصیتوں سے متصف ہو گی' وہ حق کا بول بالا کرنے کے لئے کتنا زبردست کردار ادا کر سکتی ہے۔ انفرادی نیکی بھی نیکی ہے' انفرادی خوبیاں بھی خوبیاں ہیں لیکن جب تک اُن میں اجتماعی اور عمومی رنگ پیدا نہ ہو' وہ انسانیت کی تقدیر کو نہیں بدل سکتیں' وہ اِس ظلمت کدہِ عالم کو سچی مسرتوں کے نور سے منور نہیں کر سکتیں۔ اس لئے اسلام نے مسلمانوں کو انفرادی طور پر نیک' صالح' مخیّر اور

صابر ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی بھی تاکید کی ہے کہ وہ اپنے دوسرے بھائیوں کو بھی اس رنگ میں رنگنے کی بھرپور کوشش کریں۔'' (''ضیاء القرآن''۔۔پیر کرم شاہ الازہری' جلد پنجم' صفحات ۵۶۵ تا ۵۶۹)

اللہ تعالیٰ نیکی کی راہ اُس شخص کے لئے آسان کر دیتا ہے جسے اُس کی چاہت ہو: راہِ خیر کو اختیار کرنا کوئی پھولوں کی سیج نہیں بلکہ یہ راہ کئی خاردار مشکلات اور سخت تکالیف سے گھری ہوئی ہے۔لیکن رب تعالیٰ اپنے ایسے بندوں کو بہتر مستقبل کی نوید سناتے ہوئے اُن کی حوصلہ افزائی فرماتا ہے جیسا کہ قرآنِ حکیم میں اس کی ضمانت موجود ہے۔فرمایا:

(۱) وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا یَضُرُّکُمْ کَیْدُھُمْ شَیْئًا (آلِ عمران: ۱۲۰)

''اور اگر تم صبر کرتے رہو اور تقویٰ اختیار کیے رکھو تو اُن کا فریب تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔''

(۲) فَمَنِ اتَّقٰی وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ O (الاعراف: ۳۵)

''پس جو پرہیزگار بن گیا اور اُس نے (اپنی) اصلاح کر لی تو اُن پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ (ہی) وہ رنجیدہ ہوں گے۔'' (۷ : ۳۵)

(۳) وَلَوْاَنَّ اَھْلَ الْقُرٰی اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْھِمْ بَرَکٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (الاعراف)

''اور اگر (ان) بستیوں کے باشندے ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم اُن پر آسمان اور زمین سے برکتیں کھول دیتے۔'' (۷ : ۹۶)

(۴) حَقًّا عَلَیْنَا نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ O (یونس: ۱۰۳)

''ایمان والوں کو بچا لینا ہمارے ذمۂ کرم پر ہے۔'' (۱۰ : ۱۰۳)

(۵) وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت: ۶۹)

''اور جو لوگ ہمارے حق میں جہاد (اور مجاہدہ) کرتے ہیں تو ہم یقیناً اُنہیں اپنی راہیں دکھا دیتے ہیں۔'' (۲۹ : ۶۹)

(۶) وَیُنَجِّی اللّٰہُ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِھِمْ لَا یَمَسُّھُمُ السُّوْٓءُ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ O (الزُّمَر: ۶۱)

''اور اللہ ایسے لوگوں کو جنہوں نے پرہیزگاری اختیار کی ہے' اُن کی کامیابی کے ساتھ نجات دے گا' نہ اُنہیں کوئی برائی پہنچے گی اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔'' (۳۹ : ۶۱)

(۷) وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا O وَیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ (الطلاق: ۲'۳)

''اور جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ اُس کے لئے (دنیا و آخرت کے رنج و غم سے) نکلنے کی راہ پیدا فرما دیتا ہے اور اُسے ایسی جگہ سے رزق عطا فرماتا ہے جہاں سے اُس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔'' (۶۵ : ۲'۳)

(۸) وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مِنْ اَمْرِہٖ یُسْرًا O (الطلاق: ۴)

''اور جو اللہ سے ڈرتا ہے (تو) وہ اُس کے کام میں آسانی فرماتا ہے۔'' (۶۵ : ۴)

اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے : قرآنی مطالعہ میں انتہائی اہم اور روح پرور عنصر یہ ہے کہ وہ انسان کو تمام ممکنہ غلطیوں، کوتاہیوں اور گناہوں سے آلودہ ہستی سمجھتا ہے۔ کائناتی تسلیم شدہ مقولہ کہ ''انسان خطا کا پُتلا ہے'' پر سب کا اتفاق ہے اور اُسے گناہوں کی غلطیوں سے نجات پانے کے کافی مواقع اور کافی راہ نمائی فراہم کی گئی ہے۔ تمام گنہگاروں کے لئے توبہ کا دروازہ کھلا ہے لیکن اِسے گناہوں کے ارتکاب کا جواز یا حقیقت سے گریز کے لئے حوصلہ افزائی نہیں سمجھنا چاہئے۔ اگرچہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور اُسے اللہ کی تمام مخلوق پر فوقیت حاصل ہے، تاہم وہ تمام خطاؤں سے آزاد نہیں ہوسکتا کیونکہ اُس کا ازلی دشمن شیطان اُسے ہر ممکن طریق سے صراطِ مستقیم سے دُور رکھنے کی کوشش میں ہوتا ہے۔ پیغمبروں کے سوا دنیا میں کوئی بھی تو ایسا نہیں جو چھوٹی بڑی خطاؤں سے پاک ہو۔ انسان کی خطا کاری کو خوب سمجھتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندوں کو شیطان کے تمام ممکن اثرات سے بچتے ہوئے اُس کے دامن میں پناہ لینے کی ترغیب دی ہے جو غفور رّحیم ہے۔ اگر انسان سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اُسے توبہ کرتے ہوئے اُسی کا درِ عفو وکرم کھٹکھٹانا چاہئے۔ بخش دینا اُس کی انتہائی اہم اور نمایاں صفت ہے۔ اس وسیع وعریض کائنات میں گناہوں اور خطاؤں کا بخشنے والا اُس کے سوا اور کوئی نہیں۔ سورۃ النور میں رب تعالیٰ ایمان والوں کو اعلان فرماتا ہے :

وَتُوبُوٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيۡعًا اَيُّهَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ O (النور : ۳۱)

''اے ایمان والو! تم سب کے سب اللہ کے حضور توبہ کرو تا کہ تم فلاح پا جاؤ۔'' (۲۴:۳۱)

کچھ احادیثِ نبوی کا یہاں حوالہ دیا جاتا ہے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگ اللہ کو کتنے پیارے ہیں جو بہ خلوصِ دل رب تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش چاہتے ہیں :

(۱) ''تم جہاں کہیں بھی ہو، اللہ کا خوف رکھو۔ اگر کوئی گناہ ہو جائے تو کوئی اچھا عمل کرنو، وہ اُس گناہ کو مٹا ڈالے گا۔ لوگوں سے حسنِ سلوک سے پیش آؤ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ وہ خلوصِ دل سے توبہ کرنے والے کی التجا کو رد نہیں کرے گا چاہے وہ اُس کے دمِ آخر کے وقت ہی کیوں نہ ہو۔''

(۲) ''اُس آدمی کا تصوّر کرو جو ایک وسیع و عریض صحرا میں اپنے اونٹ پر خوراک اور ایندھن لادے جا رہا ہے۔ اپنے سر کو سہارا دینے کے بعد وہ سو گیا۔ جاگنے پر اُس نے اپنے اونٹ کو وہاں نہ پایا۔ وہ اِدھر اُدھر بھاگ کر اُسے تلاش کرنے لگا اور بھوک اور گرمی سے تنگ آ کر وہ موت کے انتظار میں اپنے سر کو اپنے ہاتھوں میں لے کر لیٹ گیا۔ اچانک آنکھ کھلنے پر اُس نے اپنے اونٹ کو خوراک اور پانی سمیت اپنے سامنے موجود پایا جس سے اُس کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے مؤمن بندے کی توبہ سے صحرا کے اِس مذکور مسافر سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے۔''

انسان کی بربادی کا سبب: سورۃ الکہف کی درج ذیل آیت میں انسان کی تباہی کے سبب کا

کلیدی اشارہ ہے اگرچہ وہ مادّی مفہوم میں اپنے آپ کو خوش نصیب اور کامیاب وکامران کیوں نہ سمجھے:

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُم بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًاO اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًاO اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًاO (الکھف: ۱۰۳-۱۰۵)

''فرما دیجئے: کیا ہم تمہیں ایسے لوگوں سے باخبر کر دیں جو اعمال کے حساب سے سخت خسارہ پانے والے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی ساری جدّ وجُہد دنیا کی زندگی میں ہی برباد ہوگئی اور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم بڑے اچھے کام انجام دے رہے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی نشانیوں کا اور (مرنے کے بعد) اُس سے ملاقات کا انکار کیا' سو اُن کے سارے اعمال اکارت گئے' پس ہم اُن کے لئے قیامت کے دن کوئی وزن اور حیثیت (ہی) قائم نہیں کریں گے۔'' (۱۸ : ۱۰۳-۱۰۵)

آیات کا صاف مطلب یہی ہے کہ فلسفۂ حیات انسان کی ناکامی یا کامیابی کا اصل سبب ہے۔ اگر اُس کا فلسفۂ حیات مادّیت کا محکوم ہے' اُس نے مقصدِ حیات کو سمجھا ہی نہیں جس سے اُس کا تعلق اپنے خالق سے ٹوٹ گیا ہے تو تباہی اُس کا مقدّر بن کے رہے گی گویا کہ حق وصداقت کا انکار اُس کی تباہی کا موجب بنا۔ جب وہ اپنے آپ کو حق وصداقت کے سپرد کرنے سے انکار کر دیتا ہے تو وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے اور اپنی ہی تباہی و بربادی کا موجب بنتا ہے۔ قوموں کے عروج وزوال سے متعلق قرآنی تعلیمات اس بات کی توثیق کرتی ہیں کہ لوگوں کا مادّی زندگی میں مشغول ہونا اور الٰہی احکامات کی عدمِ تعمیل نہ صرف اُنہیں حیوانیت کے نچلے ترین درجے تک پہنچا دیتی ہے بلکہ انفرادی اور اجتماعی طور پر دونوں طرح لامتناہی مصائب سر اٹھاتے ہیں۔ اسلام میں خلوصِ قلبی زندگی کا مغز ہے جس کا متضاد منافقت ہے۔ زندہ وتابندہ عقیدہ اور منافقت شانہ بہ شانہ ایک ساتھ نہیں چل سکتے۔

<u>انسان امن وآشتی کی تلاش میں</u>: امن وآشتی کی تلاش میں انسان نے ہر زمانے میں ناگفتہ بہ مصائب وآلام کا سامنا کیا ہے۔ اُس کی موجودہ تاریخ اس بات کی مظہر ہے کہ اُسے بزورِ بازو' یا ملحدانہ ترقی یا مادّی خوشحالی کے ذریعے امن وآشتی نصیب نہیں ہوگی۔ اپنی ذاتی اور اجتماعی نجات کے لئے اُسے اپنے اُس خالق سے ٹوٹے ہوئے رشتے کو ازسرِ نو جوڑنا ہوگا جو امن وسکون کا اصل منبع ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک دعا یہ بھی ہے جس میں آپ نے فرمایا:

''اے اللہ! آپ ہی سلامتی ہیں اور آپ ہی سے امن وسلامتی ملتے ہیں۔'' (سنن دارمی)

اپنے حقوق کی بازیابی کے بلند بانگ دعوے کرنا اور اس کے برعکس ''فرائض'' کو پسِ پشت ڈال دینا عدل وانصاف کا گلا گھونٹنا ہے۔ مظلوم کا انتقامی ہاتھ میری شہ رگ تک اُس وقت پہنچے گا جب میں اُس کے جائز حقوق غصب کرلوں اور اپنے آپ کو ایسا خود مختار آمر سمجھنے لگوں جو کسی کے آگے جوابدہ نہیں۔ قرآن مجید نے سورۃ

الرّوم میں اس صورت حال کا صحیح نقشہ کھینچا ہے اور فرمایا ہے:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ٥ (الرُّوم : ۴۱)

''خشکی اور تری میں لوگوں کے کرتوتوں کی وجہ سے بلائیں پھوٹ پڑی ہیں اس غرض سے کہ اللہ انہیں اُن کے بعض اعمال کا مزہ چکھائے تا کہ وہ لوگ باز آ جائیں۔'' (۳۰ : ۴۱)

الٰہی ہدایات کی روشنی میں اپنے اعمال کا جائزہ لینے سے وہ اپنی ذات اور اپنے ابنائے جنس سے انصاف کرنے کے قابل ہوگا جس کے نتیجہ میں اُس کے اعمال و افعال قوانینِ الٰہی کے مطابق ہونے کے باعث اُس کے لئے امن وسکون کی راہ ہموار کردیں گے۔ امن وسکون کے حصول کے لئے اسلام (جس کا مصدر ''سلم'' بمعنیٰ امن ہے)' انسان میں اخلاقی ذمّہ داری کا گہرا احساس پیدا کرنا چاہتا ہے۔

انسانِ کامل : نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معراج کے ضمن میں انڈیا کے ایک ممتاز صوفی عبدالقدوس گنگوہی فرماتے ہیں:

''ملکِ عرب کے محمد ﷺ نے آسمان کی بلندترین منازل کی طرف عروج کیا اور واپس آ گئے۔ اگر میں اُس مقام تک پہنچتا تو بخدا! میں کبھی واپس نہ آتا۔''

اِس مشاہدے کی روشنی میں ہمیں پیغمبر اور صوفی کے درمیان فرق معلوم ہوتا ہے۔ جب صوفی کو اللہ تعالٰی کا وصل مل جاتا ہے تو وہ اُس سے جدا ہونا نہیں چاہتا جبکہ پیغمبر ایسی جدائی کو اس لئے برداشت کرلیتا ہے تا کہ وہ اپنے ابنائے جنس کے آگے حسن و جمال کی ضیاء پاشیوں کو بے نقاب کرے۔ کوئی شک نہیں کہ اپنی ذاتی نجات کے لئے کام کرنا اچھی چیز ہے لیکن تمام نوعِ انسانی کی نجات کے لئے کوشش کرنا یقیناً الٰہی مشن ہے جسے انسانِ کامل کے سوا کوئی اور نہیں کرسکتا۔ اسلامی روایات کے مطابق انبیاء علیہم السلام انسانِ کامل ہیں جو اپنی خدامستی ہستیوں اور جُہدِ بلیغ کے ذریعے مخلوقِ خدا کو ظلمت کی دلدل سے باہر نکال لاتے ہیں۔ اُن کا اللہ تبارک وتعالٰی سے براہِ راست رشتہ' اُن کے مقصد کی استقامت اور صبر واستقلال تاریخ کے دھارے کو اپنا رخ بدلنے پر مجبور کردیتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے بعد وہ لوگ آتے ہیں جو حق وصداقت کی زندگی بسر کرتے ہیں جس کے لئے وہ اپنی مملوکات اور جانیں تک قربان کر دیتے ہیں۔ قرآنِ حکیم کے مطابق اُن کی نیکی' بدی پر فتح یاب ہوتی ہے۔ یہاں درحقیقت موت کو ایک نیا معنیٰ ملتا ہے۔ جیسا کہ قرآن فرماتا ہے کہ جو شخص راہِ خدا میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتا ہے' وہ موت نہیں بلکہ زندگی پا جاتا ہے۔ اس کے برعکس جو شخص بدی کے چنگل کا شکار ہو جاتا ہے' اصل میں وہ مرجاتا ہے۔

اس طرح حق وصداقت کی خاطر جینا' کام کرنا اور تمام چیزوں کو برداشت کرنا حیاتِ انسانی کا اعلیٰ ترین

معیار ہے۔کام واقعی بھاری ہے لیکن جس شخص کو اپنی اصلیت اور اپنی خفیہ قوت وصلاحیت کا احساس ہو' وہ اسے ضرور کرگزرتا ہے۔ایسے شریفانہ مشن کی انجام دہی کے لئے آدمی کو تیار رہنا پڑتا ہے۔قرآن مجید کے مطابق انسانِ کامل کی بنیادی خصوصیات و امتیازات یہ ہیں :

(۱) ایمان باللہ جس کی بنیاد علم پر ہو۔

(۲) اعمالِ صالحہ جن میں قول وفعل کا باہمی تضاد نہ ہو۔

(۳) خلوصِ قلبی جو دین کی اصل روح ہے اور جس کا متضاد منافقت ہے۔

(۴) بدی کے خلاف جہاد' خواہ وہ بدی انسان کے اندر ہو یا اس سے باہر ہو۔انسان کو حسد' نفرت' جھوٹ' لالچ' شہوت جیسی اندرونی بیماریوں سے اپنی روح کا تزکیہ کرنا ہے۔حق وصداقت کی خاطر جہاد' دولت اور جان کی قربانی بھی مانگتا ہے۔

(۵) صبر وتحمل اور استقامت۔

(۶) ریاکاری یا بلند آہنگی کا یہاں کوئی گزر نہیں۔عزمِ صمیم کے علاوہ باحیا رویّہ اور عظمت و وقارِ انسانیت کا طغرائے امتیاز ہیں جیسا کہ سورۃ الفُرقان کی آیات ۶۳ اور ۲۷ میں آیا۔'' ("Islam and Current Issues".. Rashid Ahmad Jullundhri, pp. 43, 44)

''انسان' قوّت اور جاہ ومنصب : کوئی شک نہیں کہ طاقت وتوانائی اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو بطورِ نعمت عطا کی گئی ہے۔حکیم ودانا اللہ نے اِنہیں اعلیٰ وارفع اور انسانیت نواز مقاصد کے حصول کے لئے عطا کیا ہے لہٰذا اِن کا استعمال غلط نہیں ہونا چاہئے۔طاقت وتوانائی میں جب اللہ تعالیٰ کی رضا کا خیال نہیں رکھا جاتا تو اپنے ذاتی خودغرضانہ' مذموم ورذیل مقاصد کے حصول میں اُس طاقت کا غلط استعمال ہوگا جس کی بنیاد بالادستی اور غرور وتکبر پر ہوتی ہے۔ایسی انانیت (Egoism) اور من ومائی (Egotism) کی گاڑی کے پہیوں کے نیچے مفلس ومحتاج اور بے سہارا لوگ پس جاتے ہیں اور اس طرح سماجی انصاف قائم کرنے کا الٰہی مقصد بھاپ بن کر اُڑ جاتا ہے۔

دولت بھی منعمِ حقیقی کی بہت بڑی نعمت ہے اور اسے بھی منعم کی چاہت کے مطابق خرچ کرنا چاہئے۔قرآن مجید میں اُن لوگوں کے لئے سخت وعید آئی ہے جو اسے اپنے اَبنائے جنس کی فلاح وبہبود پر خرچ کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔آنے والی زندگی میں ایسے بخیلوں کے مقدر میں شدید سزا لکھ دی گئی ہے (سورۃ التوبۃ: ۳۴'۳۵)۔

اسلامی نظریہ کے مطابق طاقت اور دولت ایک طرف تو خالق کی طرف سے انسان کے پاس بطورِ امانت ہیں بہ ایں معنیٰ کہ اُنہیں عطا کرنے والے کی مرضی کے مطابق خرچ کیا جائے جبکہ دوسری طرف وہ امین کے لئے آزمائش ہیں کہ وہ اُن کا صحیح استعمال کرے یا غلط۔ دولت کے بارے میں قرآن کی ہدایت یہ ہے کہ مفلوک الحال

لوگوں کا خوشحال لوگوں کے مال و دولت میں جائز حق ہے (سورۃ المعارج: ۲۴، ۲۵) اور اُنہیں بطور خیرات دینا اُن پر دینے والے کی طرف سے کوئی احسان کی بات نہیں ہے۔

نوٹ ضروری: لفظ ''انسان'' اَنَسَ یَاْنِسُ سے ماخوذ ہے بمعنی کسی کی طرف میلان رکھنا اور اُس سے اُنس کرنا ہے۔ تو انسان (بطورِ فاعل) کا معنی کسی سے اُنس رکھنے والا ہے۔ یہ اُنس' جان پہچان اور واقفیت کس کے ساتھ؟ مشہور مقولہ کُلُّ شَیْءٍ یَرْجِعُ اِلٰی اَصْلِہٖ (ہر چیز اپنے اصل کی طرف لوٹتی ہے) اس سوال کو حل کرتا ہے۔ مثلاً آپ آئینے کو سورج کے سامنے کریں تو سورج کی کرنیں آئینہ میں سے گزرتی ہوئی دیوار پر پڑتی ہیں۔ جونہی آپ آئینہ کو سورج سے ہٹائیں تو اُس کی کرنیں اپنے اصل یعنی سورج کی طرف پلٹ جاتی ہیں۔ اسی طرح ہر بچہ باپ کی بجائے اپنی ماں کی طرف رجوع کرتا ہے کیونکہ ماں ہی اُس کی اصل ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ انسان وہ ہے جسے اپنے مصدر (اصل) کی طرف رجحان اور اُس سے اُنس ہو۔ لیکن ابھی یہ سوال باقی ہے کہ انسان کا اصل اور اُس کا مصدر کیا ہے؟ ہر شخص کو معلوم ہے کہ انسان کا خالق اللہ سمیع (سننے والا)' بصیر (دیکھنے والا) ہے۔ اِن دو خصوصیات میں سے اُس نے انتہائی قلیل حصّہ انسان کو عطا کر کے اُسے بھی سننے والا اور دیکھنے والا بنا دیا۔ جیسا کہ سورۃ الدھر میں فرمایا:

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًاO (اَلدَّھر: ۲)

''بے شک ہم نے ہی انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا جسے ہم (تولّد تک ایک مرحلہ سے دوسرے مرحلہ کی طرف) پلٹتے اور جانچتے رہتے ہیں' پس ہم نے اُسے سننے والا' دیکھنے والا بنا دیا۔'' (۷۶:۲)

اس سے ثابت ہوا کہ انسان کی اصل اللہ ہے جس کی نظر میں انسان وہ ہے جس کا اندرونی میلان اور اُنس اللہ سے ہے۔ اس حقیقت کو مختلف قرآنی مقامات پر اجاگر کیا گیا ہے۔ مثلاً سورۃ الرحمٰن میں ارشاد ہوا:

اَلرَّحْمٰنُ O عَلَّمَ الْقُرْاٰنَO خَلَقَ الْاِنْسَانَO (اَلرَّحْمٰن: ۱۔۳)

''(وہ) رحمٰن ہی ہے۔ اُسی نے قرآن سکھایا۔ اُسی نے انسان کو پیدا فرمایا۔'' (۱۔۵۵:۳)

ظاہر ہے کہ انسان کی تخلیق پہلے ہوئی اور اُس کے بعد اُسے قرآن کی تعلیم دی گئی کیونکہ اُس کا نزول تخلیقِ انسانی کے بعد ہوا۔ لیکن آیات میں ترتیب کو الٹ دیا گیا ہے جس کی وجہ یہی ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی نظر میں انسان وہی ہے جو علمِ قرآنی سے آراستہ ہو اور اسی کا نام اللہ سے اُنس اور اُس کی طرف رُجحان و میلان ہے۔ قرآنی نظریہ کے مطابق اللہ سے اُنس نہ رکھنے والے اور اُس سے دور رہنے والے چوپایوں کی طرح بلکہ اُن سے بھی گئے گزرے ہیں جیسا کہ سورۃ الاعراف میں فرمایا:

اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ (الاعراف: ۱۷۹)

''وہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ (اُن سے بھی) زیادہ گمراہ ہیں۔'' (۷ : ۱۷۹)

(۱۴۸) سماجی آداب (Manners in Society)

''سماجی اَخلاقیات کا انتہائی بنیادی' فعّال (زوردار) عامل جو اسلام نے عطا کیا' وہ ہمہ گیر مساوات (Egalitarianism) ہے یعنی قطع نظر رنگ و نسل یا سماجی یا اقتصادی مقام کے ایک ہی عقیدے کے تمام افراد اپنے سماج میں برابر کے شریک ہیں۔'' (انسائیکلوپیڈیا بری ٹینیکا' جلد ۱۲' صفحہ ۶۶۹)

مسلم سماج کے آداب جنہیں قرآن مجید اور سنتِ رسول ﷺ نے ذہن نشین کرایا' حسبِ ذیل ہیں :

(1) عبادتِ الٰہی اور والدین کی بے غرض' والہ وشیدا خدمت : اسلام میں حقوق اللہ کے بعد حقوقِ والدین کا مقام ہے جن کی حقوق العباد میں اس قدر زیادہ اہمیت ہے کہ اُن کی ادائیگی کی تاکید اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی عبادت کی تاکید کے ساتھ کی ہے۔فرمودات ربانی ملاحظہ ہوں :

(۱) وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِ یْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰہَ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا (البقرۃ : ۸۳)

''اور (یاد کرو) جب ہم نے اولادِ یعقوب ؑ سے پختہ وعدہ لیا کہ اللہ کے سوا (کسی اور کی) عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔'' (۲:۸۳)

(۲) وَاعْبُدُوا اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا وَّ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا (النساء : ۳۶)

''اور اللہ کی عبادت کرو اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو۔''

(۳) لَا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا (الانعام : ۱۵۱)

''اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو۔'' (۱۵۱ : ۶)

(۴) وَ قَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ اَحَدُھُمَآ اَوْ کِلٰھُمَا فَلَا تَقُلْ لَّھُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْھَرْھُمَا وَ قُلْ لَّھُمَا قَوْلًا کَرِیْمًاO وَاخْفِضْ لَھُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَۃِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْھُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًاO (بنی اسرائیل : ۲۳' ۲۴)

''اور آپ کے رب نے حکم فرما دیا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت مت کرو اور والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کیا کرو۔اگر تمہارے سامنے دونوں میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو اُنہیں ''اُف'' تک نہ کہنا اور اُنہیں مت جھڑکنا اور اُن دونوں کے ساتھ بڑے ہی ادب سے بات کیا کرو۔اور ان دونوں کے لئے نرم دلی سے عجز وانکساری کے بازو جھکائے رکھو اور (اللہ کے حضور) عرض کرتے رہو: اے میرے پالنہار! اُن دونوں پر رحم فرما جیسا کہ اُنہوں نے بچپن میں مجھے (رحمت وشفقت سے) پالا تھا۔'' (۲۳' ۲۴: ۱۷)

(۵) اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ O وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّ فِصَالُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ O لقمٰن : ۱۳، ۱۴)

''بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ اور ہم نے انسان کو اُس کے والدین کے بارے میں (نیکی کا) تاکیدی حکم فرمایا جسے اُس کی ماں تکلیف پر تکلیف کی حالت میں (اپنے پیٹ میں) برداشت کرتی رہی اور جس کا دودھ چھوٹنا بھی دو سال میں ہے (اُسے یہ حکم دیا) کہ تو میرا (بھی) شکر ادا کر اور اپنے والدین کا بھی۔ (تجھے) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔'' (۱۳، ۱۴ : ۳۱)

اِس قرآنی اخلاقیات کا موازنہ مغربی کنبوں کے جدید طریقوں سے کیجئے :

''وہ سماج جو لازمی طور پر تکنیک پر مبنی ہے اور جس کی تنظیم بڑی تیزی سے مشینی منہاج پر کی جا رہی ہو، اُس کے ایک انفرادی بیٹے کا اپنے باپ کے ساتھ رویّہ کوئی زیادہ سماجی اہمیت کا حامل نہیں ۔۔۔۔ اس کے نتیجہ میں ایک یورپی باپ کی اپنے بیٹے پر مختارکاری (اتھارٹی) دن بہ دن کم ہوتی رہتی ہے اور بیٹے کا اپنے والد کے لئے احترام بھی گھٹتا رہتا ہے۔ باپ بیٹے کے باہمی تعلقات بڑی تیزی سے مسترد کئے جا رہے ہیں اور تمام عملی مقاصد کے لئے ایک ایسے مشینی معاشرے کے ذریعے تباہ کئے جا رہے ہیں جس کا رُجحان ہی ایک فرد کے حقوق کو منسوخ کر کے دوسرے کو اُس پر ترجیح دینا ہے اور اس نظریہ کے منطقی ارتقاء میں اُن اصولوں کی بھی بیخ کنی ہے جو عائلی تعلقات میں پیدا ہوتے ہیں۔'' ("Islam on the Crossroads".. Leopold Asad, pp. 47, 48)

''دراصل تقریباً ہر آسمانی وحی میں والدین کے احترام کی تعلیم دی گئی ہے اور قرآن میں فرزندانہ سعادت مندی (Filial Piety) پر بہت زیادہ اہمیت آئی ہے۔'' ("A Short History of Christianity".. Roberts J.M. p. 46)

<u>(2) مسلمان کا اپنے مسلمان بھائی سے لڑنا اُس کے شایانِ شان نہیں۔۔ دو لڑنے والے مسلمان فریقوں میں صلح کرا دینا نیکی کا کام ہے</u> : اسلام محبت اور امن و سکون کا مذہب ہے اور اسی وجہ سے مسلمان ایک دوسرے کے ساتھ مشفق اور نرم خو ہوتے ہیں (سورہ الفتح : ۲۹)۔ عرب کی سرزمین پر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدوم میمنت لزوم رکھنے سے پہلے یثرب (مدینہ منورہ کا پرانا نام) کا شیرازہ قبائلی جنگوں کی وجہ سے بکھر چکا تھا۔ بعدہٗ وہ مدینہ۔۔ شہرِ نبی' لاثانی مواخات اور مرکزِ اسلام بن گیا۔ یہ بیچاری جھگڑالو دنیا ایک بڑا یثرب ہے' کیا ہم اس کی سرزمین پر مقدس پاؤں رکھ سکتے ہیں اور اُسے جدید اور بڑا مدینہ بنا سکتے ہیں؟

مسلمان سماج میں محبت اور قربانی کی فضا قائم کرنے کے لئے قرآنِ کریم فرماتا ہے :

وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِىْ تَبْغِىْ حَتّٰى تَفِىْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَ اَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ O (الحجرات : ۹)

''اور اگر مسلمانوں کے دوگروہ آپس میں جنگ کرنے لگیں تو اُن کے درمیان صلح کرادیا کرو، پھر اگر اُن میں سے ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو اُس سے لڑو جو زیادتی کر رہا ہے یہاں تک کہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرلے، پھر اگر وہ رجوع کرلے تو اُن کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف کا خیال رکھو، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔'' (۹ : ۴۹)

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ گرامی ہے :''جس نے ہمارے خلاف ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں۔''

(3) مسلمان کی لڑائی اذیت رسانی کے لئے نہیں بلکہ ظلم وتشدد کو جڑ سے اکھیڑنے کے لئے ہوتی ہے :سورۃ الانفال میں حکمِ ربانی ہوا :

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (الانفال : ۳۹)

''اور ان (شیطانی قوتوں) سے لڑو یہاں تک کہ فساد (عقیدہ) باقی نہ رہ جائے اور دین ہمارے کا سارا اللہ ہی کے لئے (خالص) ہو جائے۔'' (۳۹ : ۸)

''جنگ کرنے کا حکم شرارت اور فتنہ وفساد کی حالت کو ختم کرنے اور ایسی زندگی کے لئے راہ صاف کرنے کے لئے دیا گیا ہے جس پر الٰہی احکامات کی حکمرانی ہو اور جو یادِ الٰہی سے معمور ہو۔'' ''فتنہ'' کا لفظ قرآن کی ایک تکنیکی اصطلاح ہے اور ایسی حالت کا نام ہے جس میں لوگوں کو اسلام کی پیروی کرنے اور اُنہیں اپنے حقیقی آقا و مالک کی عبادت کرنے سے روک دیا جائے۔ یہ ایسا جرم ہے جس کی کوئی مثال نہیں ملتی یہاں تک کہ ایک بے گناہ آدمی کا قتل اس کے مقابل کسی اہمیت کا حامل نہیں۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ اگر ایک آدمی قتل ہو جائے تو وہ حیاتِ دنیوی کے مختصر سے عرصہ سے محروم ہو جاتا ہے جبکہ اگر آدمی کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کرنے اور اُس کا سچا اور صحیح بندہ بننے سے روک دیا جائے تو گویا اُس کی روحانی زندگی کو دھچکا لگا دیا گیا اور وہ اپنے رب سے (اگر چہ اختیار سے نہیں) دور ہو گیا۔ اسی وجہ سے قرآن نے فرمایا :

وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (البقرۃ : ۱۹۱) ؛ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ (البقرۃ : ۲۱۷)

''فتنہ قتل ہونے سے زیادہ بُرا ہے۔'' (۱۹۱، ۲۱۷ : ۲)

ایک اور قرآنی آیت ایک اور طرح جسمانی جہاد کی اہمیت کو واضح کرتی ہے :

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ

فِيهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيرًا (الحج : ۴۰)

''اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے سے دفع نہ کرتا تو صومعے اور گرجے اور معبد اور مسجدیں جن میں اللہ کا ذکر کثرت سے کیا جاتا ہے' مسمار کر دیئے جاتے۔'' (۴۰ : ۲۲)

''یہ آیت اس بات کو مزید واضح کرتی ہے کہ اگر مذہب کی خاطر تلوار کا استعمال نہ کیا جائے اور فتنے کو جڑ سے اکھاڑ نہ دیا جائے تو مذہب کا نام ونشان مٹ جائے گا۔ غلط کار لوگ مذہبی سرگرمیوں کو ناممکن بنا دیں گے اور عبادتِ الٰہی کے ہر نشان کو مٹا دیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ مذہبی اعمال کے تسلسل کے لئے قوّت کا استعمال ناگزیر ہے۔'' ("Islam at a Glance".. S. D. Islahi, pp. 190-197)

(4) معاشرے کی برائیاں افراد کی برائیوں کی پیداوار ہوتی ہیں : رحمتِ خداوندی غلط کار کو اپنے گناہوں پر نادم ہونے اور توبہ کرنے کا ہر موقع فراہم کرتی ہے۔ جب برائی اور کمینگی اس قدر عام ہو جاتی ہے کہ سزا دینا ناگزیر ہو جائے تو اُس وقت بھی اُس کی رحمت اور انصاف شانہ بہ شانہ رُوبہ عمل ہوتے ہیں۔ اہلِ منصب اور اہلِ ثروت یا ذہین لوگوں سے بات کے سمجھنے اور اُس پر عمل کرنے کی توقع کی جاتی ہے لیکن اس کے باوجود وہ اگر تجاوز عن الحد کریں' تو اُنہیں مزید کوئی مہلت نہیں دی جاتی اور قانون سے ناواقفیت کو اُن کے عذر کے طور پر قبول نہیں کیا جاتا۔ اس طرح اُن کے خلاف حکمِ الٰہی کا وقوع ثابت ہو جاتا ہے اور اس طرح اُن کی سزا کی تکمیل ہو جاتی ہے۔''
("The Qur'anic Concept of History" ... Mazheruddin Siddiqi)

اس سلسلہ میں قرآن مجید ہمیں ایک منظم اصول عطا فرماتا ہے :

وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا O

''اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کر لیتے ہیں تو اُس (بستی) کے رئیسوں کو (طاعت وخیر کا) حکم بھیجتے ہیں' مگر وہ اُس میں (اُلٹا) نافرمانی کرنے لگتے ہیں' تو اُن پر حجت واجب ہو جاتی ہے (یعنی فرمانِ عذاب واجب ہو جاتا ہے)' پھر ہم اُس (بستی) کو غارت کر ڈالتے ہیں۔'' (۱۶ : ۱۷)

احکامِ الٰہی کی اطاعت کا یہ حکم رسول کے ذریعہ سے ملتا تو اُمّت کے عوام وخواص سب ہی کو ہے لیکن خواص کی حیثیت چونکہ پیشوا کی ہوتی ہے اس لئے اُن کا ذکر بالخصوص کیا گیا' عوام تو بس اُنہی کے پیرو ہوتے ہیں۔ فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ کے الفاظ اس بارے میں صریح ہیں کہ گرفت یکایک اور بلا اطلاع نہیں ہو جاتی۔ پوری طرح موقع دینے اور ہر طرح کے اِتمام حجت کے بعد ہی ہوتی ہے۔ روٴسائے قوم اور اُن کا بااقتدار طبقہ اطاعتِ رسول کو اپنے ذاتی وقار کا مسئلہ بنا کر اُس کی مخالفت بڑھ چڑھ کر کرنے لگتا ہے اور اُس بستی کو گناہوں اور بدکاریوں کا اکھاڑا بنا دیتا ہے۔ اُس وقت عذابِ الٰہی کی بجلی کوندتی ہے اور اُن کے خرمنِ حیات کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیتی ہے۔ اس سے اگلی آیت ۱۷ میں فرمایا کہ اگر تم ہمارے اس قانون کا عملی ثبوت چاہتے ہو تو حضرت نوح علیہ السلام کے

بعد آنے والی قوموں کے حالات پر نگاہِ عبرت ڈالو کہ کس طرح اُنہیں اُن کی بدعملیوں کی پاداش میں ہلاک کیا گیا۔

''فخر الدین رازی کہتے ہیں کہ آیتِ بالا میں ''اَمر'' کا معنیٰ اضافہ کردینا ہے۔ اس لحاظ سے آیت کا معنیٰ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بستی کو تباہ کرنا چاہتا ہے تو وہ اُس بستی کے مرفہ الحال اور باثروت لوگوں کو تعداد میں بڑھا دیتا ہے۔ ایسے لوگ حکمِ الٰہی کی اطاعت کرنے اور اپنے ابنائے جنس سے فیاضانہ سلوک کرنے کی بجائے بالکل اس کے الٹ کرتے ہیں اور بدعنوانی کو پھیلاتے ہیں۔ رازی کہتے ہیں کہ ایسے لوگوں کا بالخصوص ذکر کیا گیا ہے کیونکہ اُنہیں اپنے خالق کی عنایات اور خصوصی توجہ کا زیادہ ممنون ہونا چاہئے تھا۔ ابنِ کثیر کہتے ہیں کہ جب اللہ کسی قوم کو تباہ کرنا چاہتا ہے تو وہ بدخصلت لوگوں کو اُن کا سردار بنا دیتا ہے۔''

آیت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ کثرتِ مال و دولت' خوشحالی اور فارغ البالی اکثر بدی اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے خلاف سرکشی کی راہ کی طرف لے جاتے ہیں۔

سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

''لوگ ایسے لوگوں کو اپنا قائد منتخب کرتے ہیں جو قانونِ الٰہی کی پابندی نہیں کرتے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ اُنہیں سزا دیتا ہے اور وہ تباہ و برباد کردئے جاتے ہیں۔'' (تفسیر ابنِ کثیر)

(5) <u>بدی کا بدلہ اچھائی سے دینا</u>: زندگی کے کٹھن اکھاڑے میں دشمن تک کے دل کو موہ لینے کا یہ بہترین طریقہ ہے۔ جو شخص برائی کرنے کے گناہ کے بندھن میں بندھا تھا' اُسے برائی کا بدلہ اچھائی سے دینے سے آپ نہ صرف اُسے گناہ سے آزاد کرتے ہیں بلکہ اُسے آپ اپنا قریبی دوست اور حق و صداقت میں اپنا معاون و مددگار بنا لیتے ہیں۔ کلمۂ الٰہی کی ایسی ہی معجزانہ حقیقت ہے!

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَه' عَدَاوَة'' كَاَنَّه' وَلِیّ'' حَمِیْم'' o وَمَا یُلَقّٰهَا اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَا یُلَقّٰهَا اِلَّا ذُوْحَظٍّ عَظِیْمٍ o (فُصِّلت: ۳۴' ۳۵)

''آپ نیکی سے (بدی کو) ٹال دیا کیجئے تو پھر یہ ہوگا کہ جس شخص میں اور آپ میں عداوت ہے' وہ ایسا ہو جائے گا جیسا کوئی جانی دوست ہوتا ہے۔ اور یہ بات اُنہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو صبر کرتے رہتے ہیں اور اُسی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑا صاحبِ نصیب ہوتا ہے۔'' (۴۱:۳۵'۳۴)

بدی کا بدلہ بدی سے دینے میں دشمنی بڑھتی ہے اور اس کا بدلہ نیکی سے کرنے میں (بہ شرطِ سلامتِ طبع) دشمنی گھٹتی ہے۔ 'کَـأَنَّـہ' کے لفظ نے یہ صاف کر دیا کہ یہ ضروری نہیں کہ اس برتاؤ کے بعد وہ دشمن دوست بن جائے' البتہ دوست کے مشابہ ضرور ہو جائے گا۔ مشہور غیر مسلم لیڈر گاندھی جی نے جو اپنا فلسفۂ شانتی اور اہمسا کا چلایا' عجب نہیں کہ اُس کا ماخذِ اصلی یہی آیاتِ قرآن ہوں۔

آیاتِ مذکورہ میں تمام داعیانِ حق کو ارشاد ہو رہا ہے کہ جس جنگ میں تم شریک ہو اُسے جیتنے کا واحد گر یہ ہے کہ لوگ تم سے برائی کریں تو تم اُس کا بدلہ صرف نیکی سے نہیں بلکہ بہترین نیکی سے دو۔ لوگ تم پر پتھر برسائیں۔ پتھر کھا کر پتھر نہ مارنا نیکی تو ہے لیکن اُن پر پھول برسانا تمہارا شیوہ ہونا چاہئے۔ لوگ تمہیں گالیاں دیں، تم پر جھوٹے بہتان تراشیں، تمہارے خلاف غلط الزامات لگائیں اور پھیلائیں اور تم چپ رہو، تو یہ بھی قابلِ تعریف بات ہے لیکن لطف تو تب ہے کہ تم رات کو اُٹھ اُٹھ کر سجدہ میں سرِ نیاز رکھ کر اُن کی ہدایت پذیری کے لئے دعائیں مانگو۔

(6) صبر و استقامت بہترین ہتھیار ہے: آیت بالا (۴۱:۳۵) میں مذکور اخلاقی معیار تک رسائی اعلیٰ قسم کے صبر اور نفس کشی کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ اگر آپ اُس اعلیٰ معیار کے کہیں قریب قریب ہی پہنچ جائیں تو آپ فی الواقع روحانی لحاظ سے انتہائی خوش نصیب ہیں کیونکہ وحیِ الٰہی نے آپ کو عظیم و آزاد بنا دیا ہے۔

اعلیٰ اخلاقی ضابطہ کی حیثیت سے صبر و استقامت کے بارے میں قرآن فرماتا ہے:

(۱) وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً أَتَصْبِرُونَ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا O (الفرقان: ۲۰)

''اور ہم نے تمہیں ایک دوسرے کے لئے آزمائش بنایا ہے، کیا تم (آزمائش پر) صبر کرو گے؟ اور آپ کا رب خوب دیکھنے والا ہے۔'' (۲۵ : ۲۰)

(۲) أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُم مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ O (القصص: ۵۴)

''یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اُن کا اجر دوبار دیا جائے گا اس وجہ سے کہ اُنہوں نے صبر کیا اور وہ برائی کو بھلائی کے ذریعے دفع کرتے ہیں اور اُس عطا میں سے جو ہم نے اُنہیں بخشی، خرچ کرتے ہیں۔'' (۲۸ : ۵۴)

(۳) إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ O (الزُّمَر: ۱۰)

''بلاشبہ صبر کرنے والوں کو اُن کا اجر بے حساب انداز سے پورا کیا جائے گا۔'' (۳۹ : ۱۰)

''اللہ تعالیٰ کے کائناتی منصوبے میں ہر اکائی یا چیز کوئی نہ کوئی مقصد انجام دے رہی ہے۔ اگر کچھ لوگ امیر ہیں تو غریبوں کو اُن پر رشک نہیں کرنا چاہئے۔ ہوسکتا ہے کہ امیر آدمی کی اَمارت اس کی نیکی کرنے کی آزمائش ہو۔ اگر کچھ لوگ مفلس و نادار ہیں تو امراء کو اُن سے نفرت یا اُنہیں نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ ہوسکتا ہے کہ غرباء کا امراء کی نظروں میں آنا امراء میں جذبہ خیرات و مواخات اور محبت و مودّت کے لئے آزمائش ہو۔ اگر الف بدمزاج ہے یا وہ (ب) کو اذیت دیتا ہے تو یہ (ب) کے لئے صبر و استقامت یا انکساری یا حق و انصاف پر قائم رہنے کے اظہار کا موقع ہے۔ دیگر انسانوں کے ساتھ ہمارے تجربات کچھ بھی ہوں، ہمیں اُن تجربات کو اپنی اور اُن کی روحانی اصلاح کی خاطر استعمال کرنا چاہئے۔'' (عبداللہ یوسف علی، نوٹ: ۳۰۷۶)

(7) انتقام لینا (اگر ضروری ہو تو) متوازن ہو اور جرم کے تناسب سے ہو:

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِيْنَ O (النّحل: ۱۲۶)

''اور اگر تم سزا دینا چاہو تو اتنی ہی سزا دو جس قدر تکلیف تمہیں دی گئی تھی اور اگر تم صبر کرو تو یقیناً وہ صبر کرنے والوں کے لئے بہتر ہے۔''

(8) سماجی ماحول کو خوش ترتیب اور خوش آہنگ کرنے کے لئے افراد کو اپنے فرائض کو اپنے حقوق پر رضا کارانہ طور پر ترجیح دینی چاہئے: معمولی معمولی بات پر لڑائی، جھگڑے اور قتل اُس معاشرے میں عام ہوتے ہیں جس کے افراد کو اپنے حقوق کا زیادہ خیال ہوتا ہے جبکہ اُن کے فرائض طاقِ نسیاں کی نذر ہو جاتے ہیں۔ افراد کی جانب سے یہ قبیح رویّہ نفرت و عداوت کو جنم دیتا ہے اور سماجی افتراق اور من و مائی ماحول کی طرف راہ نمائی کرتا ہے جو ایسا عنصر ہے جو اللہ خالق و مالک کی ناراضی کا موجب بنتا ہے۔

اللہ کے سچے، وفادار بندے کے نزدیک مادّی منفعت منتہائے مقصد نہیں ہوا کرتی۔ دوسروں کے لئے نفس کشی اور قربانی کا جذبہ آدمی کے معیارِ اخلاق اور اُس کی انسان دوستی کو پرکھنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ سورۃ الحشر (۵۹) اور سورۃ النازعات (۷۹) میں بالترتیب یوں بیان کیا گیا ہے:

(۱) وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ'' (اَلْحَشْر: ۹)

''اور وہ (دوسروں کو) اپنے سے مقدّم رکھتے ہیں اگرچہ وہ خود فاقہ سے ہوں۔'' (۹ : ۵۹)

(۲) وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى O فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى O

''اور جو کوئی اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہو گا اور نفس کو خواہش سے روکا ہو گا تو ایسے کا ٹھکانہ جنت ہی ہے۔ (۴۰، ۴۱ : ۷۹)

(9) حق و انصاف کی حمایت کرنا صحیح راہ ہے جبکہ بے انصافی کی حمایت گناہ کی بات ہے: اِس ضمن میں الٰہی حکم بالکل واضح اور عیاں ہے:

(۱) تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَان (المائدۃ: ۲)

''نیکی اور خدا خوفی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کیا کرو اور گناہ اور ظلم و تعدّی کے کاموں میں تعاون نہ کرو۔''

(۲) وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ O (ہود: ۱۱۳)

''اور ظالموں کی طرف مت جھکنا ورنہ تمہیں آتشِ دوزخ آ چھوئے گی اور تمہارے لئے اللہ کے سوا کوئی مددگار نہ ہو گا، پھر تمہاری مدد (بھی) نہیں کی جائے گی۔'' (۱۱۳ : ۱۱)

(10) کمزور و توانا دونوں کے لئے برابر کا انصاف : کچھ لوگوں کا رجحان امراء کی طرفداری کرنے میں ہوتا ہے کہ شاید اُن کی جانب سے اُنہیں کوئی فائدہ پہنچے۔ اور کچھ لوگوں کا رجحان غریب و نادار کی طرفداری کرنے میں ہوتا ہے کیونکہ وہ بالعموم بے بس اور بے سہارا ہوتے ہیں۔ لیکن کسی بھی صورت میں جانبداری اور طرفداری غلط کام ہے۔ بغیر کسی خوف و خطر اور بغیر طرفداری کے رہنا ہی اسلامی زندگی ہے۔ جہاں تک امیر و غریب کے جائز حقوق کا تعلق ہے تو وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہیں۔ ہمہ بیں اللہ کے فریق متعلق کے ساتھ تمہارے تعلقات کی نسبت زیادہ مضبوط تعلق ہے' لٰہذا تمہیں گواہی دیتے ہوئے کسی خارجی مصلحت سے متاثر نہیں ہونا چاہئے۔ حکمِ قرآنِ پاک ہے :

یٰاَیُّهَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِالْوَالِدَیْنِ وَ الْاَقْرَبِیْنَ اِنْ یَّكُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَاتَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا وَاِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ○ (اَلنِّسآء : ۱۳۵)

''اے ایمان والو! انصاف پر خوب قائم رہنے والے اور اللہ کے لئے گواہی دینے والے رہو' چاہے وہ تمہارے یا (تمہارے) والدین اور قرابت داروں کے خلاف ہی ہو' وہ امیر ہو یا مفلس اللہ (بہر حال) دونوں سے زیادہ حق دار ہے' تو خواہشِ نفس کی پیروی نہ کرنا کہ حق سے ہٹ جاؤ اگر تم کجی کرو گے یا پہلو تہی کرو گے تو جو کچھ تم کر رہے ہو' اللہ اُس سے خوب باخبر ہے۔'' (۱۳۵ : ۴)

(11) دوسروں کا نقصان چاہنا اپنا نقصان کرنا ہے : اپنے دنیاوی مفادات کے حصول میں سرکش' وفورِ جذبات سے معمور انسان یہ نہیں سمجھتا کہ اپنے ابنائے جنس کو نقصان پہنچانے میں دراصل وہ اپنا نقصان کر رہا ہوتا ہے کیونکہ (۱) ''جیسا بوؤ گے ویسا کاٹو گے'' ایک مسلمہ امر ہے اور (۲) مظلوم بھی اُسی سماج کا فطری جزء ہے جس کا ظالم بھی ایک رکن ہے۔ لٰہذا ظالم اور مظلوم ایک ہی جسم کے مشترک اعضاء ہیں اور ایک کو دوسرے کو نقصان پہنچانا دراصل اپنے کو نقصان پہنچانا ہے۔ اس ضمن میں قرآن فرماتا ہے :

(۱) لَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ (النساء : ۲۹) (اپنے آپ کو مت ہلاک کرو)۔

(۲) لَا تَلْمِزُوْا اَنْفُسَكُمْ (اَلْحُجرات : ۱۱) (آپس میں طعنہ زنی اور الزام تراشی نہ کیا کرو)۔

قرآنی لفظ اَنْفُسَكُمْ کا واضح مطلب ہے کہ دوسرے سے کیا گیا عمل گویا اپنے سے کرنے کا فعل ہے۔ سورہ فاطر کے ذیل کے ارشاد میں یہ نکتہ اور بھی واضح ہو جاتا ہے :

وَلَا یَحِیْقُ الْمَكْرُ السَّیِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ (فاطر : ۴۳)

''اور بُری چالیں اُسی چال چلنے والے کو گھیر لیتی ہیں۔'' (۴۳ : ۳۵)

(12) گھر میں انسان کی خلوت کو بہر صورت تحفظ ملنا چاہئے : گھر انسان کا خلوت کدہ ہے۔

جس میں وہ بڑی بے تکلفی اور بیبا کی سے رہتا ہے۔ اگر ہر کہ و مہ کو بغیر اجازت وہاں داخل ہونے دیا جائے تو اُسے سکون و راحت اپنے گھر میں بھی نہیں ملے گا۔ کسی کے ہاں اچانک اور فی الفور داخلے کو قرآن مجید غیر مہذّب اور غیر نفیس فعل سمجھتا ہے کیونکہ صاحب خانہ اُس کے اس غیر مہذّب عمل سے پریشان ہوسکتا ہے یا وہ ایسی حالت میں ہو جسے وہ چھپانا چاہتا ہو۔ اس لئے سماجی نظم و نسق کو کنٹرول کرنے والے اصول حکیم مطلق اللہ نے وضع کئے ہیں تاکہ غاصب لوگ متعلقہ لوگوں کے حقوق کا استحصال نہ کر پائیں۔ سورۃ النور میں قرآن مجید کا یہ حکم ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ O (اَلنُّور : ۲۷)

''مؤمنو! اپنے گھروں کے سوا (دوسروں کے) گھروں میں نہ داخل ہوا کرو جب تک تم اجازت نہ لے لو اور اُن کے رہنے والوں کو سلام نہ کر لو' یہی تمہارے لئے بہتر ہے تاکہ تم (اس کی حکمتوں میں) غور کرو۔

محض اجازت طلب کرنے کے لئے لفظ تَسْتَاْذِنُوْا کافی تھا۔ اس کی بجائے تَسْتَاْنِسُوْا لانے سے (جو انس سے ہے) مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ اُسے اپنا نام و پتہ پوری طرح بتادو تاکہ اُسے وحشت نہ رہے۔ آیت کے آخری حصّے کا مفہوم یہی ہے کہ اس اجازت لینے میں ہرگز اپنے لئے کوئی ذلت نہ سمجھو۔ یہ تو بہت سے مفاسد کی جڑ کاٹ دینے کا ذریعہ ہے اور ہر طرح مفید ہی ہے۔

(۲) اوپر خط کشیدہ عبارت گھر کی رازداری کو قائم رکھنے میں ایک اور اصول بتا رہی ہے۔ یعنی صاحب خانہ سے اجازت طلب کرنا اور سلام کا تبادلہ کرنا۔ اس عمل میں رازداری کا تحفظ ہے اور جان پہچان کے بغیر دوستی کا قائم ہونا بھی یقینی بات ہے۔

اجازت طلب کرنے کا مخصوص طریقہ یہ ہے کہ صاحب خانہ کو پہلے سلام پیش کیا جائے اور اجازت ملنے پر داخل ہوا جائے اور اندر پہنچ کر بھی اُسے سلام پیش کیا جائے۔ اگر صاحب خانہ آنے والے کا نام پوچھے تو وہ اُسے اپنا نام بتائے اور یہ نہ کہے کہ ''میں ہوں''۔ ایسا کرنے کی نبی علیہ السلام نے مذمّت فرمائی ہے کیونکہ اس میں آنے والے کی شناخت نہیں ہو پاتی۔

اجازت طلبی میں نبی ﷺ دروازہ کے سامنے کھڑے نہ ہوتے بلکہ دروازہ کے دائیں یا بائیں ہٹ کر انتظار فرماتے تاکہ پردہ اٹھنے یا دروازہ کھلنے پر گھر کی رازداری افشاء نہ ہو جائے۔ نیز دروازے کو کھٹکھٹانا بھی اجازت طلبی کا ایک طریقہ ہے۔ آج کل کئی گھروں میں گھنٹی لگی ہوتی ہے' اُسے بجا کر بھی اجازت طلب کی جاسکتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ تین بار اجازت طلب کرنا چاہئے۔ جس گھر میں ماں یا بہن رہائش پذیر ہوں وہاں جاتے ہوئے بھی اجازت طلب کرنا چاہئے۔ احتیاط کا تقاضا تو یہ ہے کہ اپنے گھر میں جہاں اُس کی اہلیہ ہو' اطلاع دئے بغیر داخل نہ ہو بلکہ پاؤں کی آہٹ کرنے سے یا کھنکھارنے سے اپنی آمد کی اطلاع دے دے۔ ہوسکتا ہے کوئی اجنبیہ عورت گھر میں اُس کی بیوی سے ملنے آئی ہو۔

۳۷۰۸ (سماجی آداب---Manners in Society)

اسلام نے نہ صرف بلا اجازت داخل ہونے پر ہی پابندی نہیں لگائی بلکہ بلا اجازت کسی کے گھر میں جھانکنا بھی ممنوع قرار دیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

مَنِ اطَّلَعَ فِيْ بَيْتِ قَوْمٍ بِغَيْرِ اِذْنِهِمْ حَلَّ لَهُمْ اَنْ يَّفْقَئُوْا عَيْنَه' (صحیح مسلم)

''جو شخص دوسروں کے گھر میں اُن کی اجازت کے بغیر جھانکے' اُن کے لئے جائز ہے کہ وہ اُس کی آنکھ نکال دیں۔''

(۳) اگر وقفے وقفے سے تین بار اجازت طلب کرنے پر بھی جواب نہ آئے تو اسے اپنی توہین اور ذلت سمجھے بغیر واپس چلا آئے کیونکہ اس سے زیادہ اجازت طلب کرنا صاحبِ خانہ کو اذیت دینا اور پریشان کرنا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ اس وقت ایسے کام میں مشغول ہو جسے وہ منقطع نہ کرسکتا ہو۔ قرآن مجید نے فرمایا:

فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَا اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ (النّور: ۲۸)

''پھر اگر اُن گھروں میں کسی کو نہ پاؤ تو اُن میں داخل نہ ہو و یہاں تک کہ تمہیں اجازت دی جائے اور اگر تمہیں کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس چلے جاؤ۔ یہ (طرزِ معاشرت) تمہارے لئے بہت پاکیزہ ہے۔''

یہاں گھر کی تقدیس کے ساتھ ساتھ وقت کی قدر و منزلت کا بھی سبق دیا جا رہا ہے یعنی مؤمن کی زندگی اتنی بے کار اور بے مصرف تو نہیں ہوتی کہ جس وقت کوئی چاہے' اُس کے اوقات میں دخیل ہو جائے' نہ اُس کے پاس اتنا فالتو وقت ہوتا ہے کہ ہر وقت آپ کے لئے گوش بر آواز رہے۔ جو وقت اُس نے مطالعہ یا کسی مخصوص کام کے لئے مقرر کر رکھا ہے' اُس میں اُسے کام کرنے دو' اُس کی مصروفیتوں کا احترام کرو۔ اگر اُس نے اپنی کسی مجبوری کے تحت معذرت کی ہے تو خندہ پیشانی سے اُس کی معذرت خواہی کو قبول کرلو۔ (''ضیاء القرآن''۔۔ جسٹس کرم شاہ الازہری' جلد سوم' صفحہ ۳۱۱)

ایک روز نبی معظم ﷺ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور طلبِ اجازت کے لئے فرمایا: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ سعد نے سن لیا اور آہستہ سے وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ عرض کیا۔ حضور علیہ السلام نے دوسری بار سلام فرمایا۔ سعد نے پھر بھی چپکے سے جواب دیا۔ تیسری بار بھی حضور علیہ السلام کے سلام کے جواب میں سعد نے آہستہ سے وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ کہہ دیا۔ آپ ﷺ واپس تشریف لے جانے لگے تو سعد دوڑتے ہوئے آئے اور عرض کی: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ آپ نے جتنی بار سلام فرمایا' میں نے سنا اور جواب دیا۔ میری خاموشی کا مقصد یہ تھا کہ آپ مجھے بار بار سلام فرمائیں اور مجھے اُس کی برکت حاصل ہو۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام گھر میں فراخی اور وسعت کو پسند فرماتے تھے اور اسے اس دنیاوی زندگی میں خوشی و مسرّت میں سازگاری عنصر سمجھتے تھے۔ آپ کا فرمان ہے:

''شادمانی اور مسرّت کے چار عناصر ہیں: اچھی رفیقہِ حیات' وسیع وکشادہ گھر' اچھا ہمسایہ اور سواری کے لئے آرام دہ جانور۔'' (صحیح ابن حبان)

آپ اکثر پُر جوش طور پر یہ دعا فرماتے تھے: ''اے اللہ! مجھے معاف فرما دے' میرا گھر وسیع اور کشادہ کر دے اور میرے رزق میں برکت عطا فرما۔'' آپ سے پوچھا گیا: ''اے اللہ کے رسول! آپ اکثر ان الفاظ کے ساتھ دعا کیوں کرتے ہیں؟ فرمایا: ''کیا اس کے بعد بھی کوئی چیز باقی رہ جاتی ہے؟''

نبی اکرم ﷺ لوگوں کو اپنا گھر صاف ستھرا رکھنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے کہ یہ اسلام کا جاں بخش اور حیات آفریں اظہار ہے کیونکہ اسلام صفائی اور پاکیزگی کا مذہب ہے۔ صفائی مسلمان کی امتیازی خصوصیت ہے اور نبی علیہ السلام نے اس سلسلے میں فرمایا:

''یقیناً اللہ تعالیٰ اچھا ہے اور اچھائی کو پسند کرتا ہے' پاک ہے اور پاکیزگی کو پسند کرتا ہے' سخی ہے اور سخاوت کو پسند کرتا ہے' مہمان نواز ہے اور مہمان نوازی کو پسند کرتا ہے۔ پس اپنے کمروں اور صحنوں کو صاف ستھرا رکھا کرو اور یہودیوں کی طرح نہ ہو جاؤ۔'' (ترمذی)

(13) فضول مشاغل سے پرہیز: ''وقت مختصر ہے اور کام طویل ہے'' کا مقولہ مسلمان کے ذہن میں خوب ثبت ہوتا ہے۔ اس عارضی زندگی کے میدان میں انسان کو اپنے خالق کی رضا کے لئے حتی الوسع جتنی زیادہ سے زیادہ نیکی ہو سکتی ہے' کر لینی چاہئے۔ اُس کے کندھوں پر جس ذمہ داری کا بوجھ ڈالا گیا ہے' اُسے اُس کا احساس ہوتا ہے اور یہ کہ اُس کے تمام جسمانی اعضاء اپنے خالق کے حضور اپنے ہر عمل کے جوابدہ ہوں گے۔ اس لئے اُس کے پاس بے ثمر' قابلِ نفرت مشغلوں میں پڑنے کا وقت ہی نہیں ہوتا۔ قرآنِ حکیم پہلے تنبیہ کرتا ہے اور پھر اُن لوگوں کو بہ نظرِ تحسین دیکھتا ہے جنہیں اپنی جوابدہی کا احساس ہے:

(۱) إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ○ (الاسراء: ۳۶)
''بے شک کان' آنکھ اور دل کی پوچھ (ہر شخص سے) ہوگی۔'' (۳۶ : ۱۷)

(۲) حَتَّىٰ إِذَا مَا جَاءُوهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ○
''یہاں تک کہ جب وہ دوزخ تک پہنچ جائیں گے تو اُن کے کان اور اُن کی آنکھیں اور اُن (کے جسموں) کی کھالیں اُن کے خلاف اُن اعمال پر گواہی دیں گے جو وہ کرتے رہے تھے۔'' (۴۱:۲۰)

(۳) قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ○ ------ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ○ (المؤمنون: ۱'۳)
''بے شک ایمان والے مراد پا گئے۔۔۔ اور جو بیہودہ باتوں سے کنارہ کش رہتے ہیں۔'' (۱'۳:۲۳)

(۴) وَعِبَادُ الرَّحْمَٰنِ ------ إِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا ○ (الفرقان: ۷۲)
''اور اللہ کے بندے وہ ہیں۔۔۔ کہ وہ جب بیہودہ کاموں کے پاس سے گزرتے ہیں تو (دامن بچاتے ہوئے) نہایت وقار اور متانت کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔'' (۷۲ : ۲۵)

(14) خرچ کرنے، دوستی اور دشمنی میں اعتدال : اسلام اعتدال کا مذہب ہے اور اُس کے افراد ''اُمّتِ وسط'' ہیں بہ ایں معنیٰ کہ وہ افراط و تفریط کا شکار نہیں ہوتے بلکہ بین بین کی راہ چلتے ہیں۔ اللہ کے مخلص و وفادار بندوں کی خصوصیات شمار کراتے ہوئے قرآن فرماتا ہے :

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا٥ (اَلْفُرْقَان : ۶۷)

''اور وہ لوگ جب خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ تو وہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ ہی بخل کرتے ہیں اور اس کے درمیان اُن کا خرچ اعتدال پر رہتا ہے۔'' (۶۷ : ۲۵)

اِس مختصر سی آیت میں اسلام کی ملّی و انفرادی معاشیات کا صحیح اور اصلِ اُصول بیان کر دیا گیا ہے کہ مالی معاملات میں عبادُ الرَّحمٰن کا طریقہ میانہ روی کا رہتا ہے۔ نہ وہ افراط کی معصیت (گناہ) کی راہ میں خرچ کرنے لگیں اور نہ ہی تفریط کہ طاعت و عبادات کے موقع پر بھی پیسہ خرچ کرنے سے بخل کریں۔ حضرات عبداللہ ابنِ عباس، مجاہد، قتادہ اور ابن جریج وغیرہم رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ اللہ کی معصیت میں خرچ کرنا خواہ قلیل ہو، وہ اِسراف ہے اور اللہ کے حق کو ادا کرنے سے منع کرنا اِقتار ہے۔

انسان کی دوستی اور دشمنی کے متعلق نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

''اپنی دوستی میں میانہ روی رکھو کیونکہ ہوسکتا ہے کہ کسی دن تمہارا دوست دشمن ہو جائے اور اپنی دشمنی میں بھی اعتدال رکھو، ہوسکتا ہے کہ کسی دن تمہارا دشمن تمہارا دوست بن جائے۔''

(15) اسلامی اخلاقیات کا بلند ترین معیار : مسطح رضی اللہ عنہ سیّدنا صدّیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے بہت ہی مفلس و نادار رشتہ دار تھے اور آپ کی خالہ زاد بہن کے بیٹے تھے۔ جنابِ صدّیقِ اکبر اُن کی مالی امداد کر دیا کرتے تھے۔ اپنی سادہ لوحی کے ہاتھوں مسطح بھی منافقین کی جانب سے اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف بہتان طرازی میں منافقین کا آلہِ کار بن گئے۔ سیّدہ کے والدِ گرامی جنابِ صدّیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے لئے یہ فطری امر تھا کہ وہ مسطح کی مالی امداد بند کر دیں۔ لیکن ربّ تعالیٰ نے اُنہیں ایسی چھوٹی سی سزا بھی دلانا پسند نہیں کی بلکہ اُن کے مربّی جنابِ صدّیق کو ترغیب دی کہ اسلام کے قائم کردہ اعلیٰ اخلاقی ضابطے کی پیروی میں مسطح کی مالی امداد جاری رکھیں جیسا کہ ذیل کی آیت میں حکمِ ربّانی ہوا :

وَلَا يَأْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۭ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ (اَلنُّور : ۲۲)

''اور جو لوگ تم میں بزرگی اور وسعت والے ہیں، وہ قرابت داروں کو، مسکینوں کو اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو دینے سے قسم نہ کھا بیٹھیں۔ چاہئے کہ معاف کرتے رہیں اور درگزر کرتے رہیں۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہارے قصور معاف کر دے؟'' (۲۲ : ۲۴)

''ذرا غور فرمایئے قرآنِ کریم اپنے ماننے والوں کو اخلاق کی کن بلندیوں تک پہنچانا چاہتا ہے۔ مسطح نے اپنے خاندان کے بزرگ اور اپنے ذاتی محسن کی ناموس پر حملہ کیا تھا اور ایسا چرکا لگایا تھا کہ یہ زخم کبھی مندمل نہیں ہو سکتے تھے۔ آپ نے اس کے خلاف کوئی کارروائی بھی نہیں کی بلکہ صرف مالی اعانت سے ہاتھ کھینچ لئے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ بھی پسند نہ آیا اور اس سے باز رہنے کا حکم دیا کہ تم جس نبی مکرّم کے فیض یافتہ ہو' اُس نے تو ہمیشہ پتھر مارنے والوں اور راہ میں کانٹے بچھانے والوں کے لئے بھی ہدایت کی دعائیں مانگی ہیں۔ تمہیں یہ زیب دیتا ہے کہ جس شخص نے تمہاری آبرو کو داغدار کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے' اُس کے اس کرتوت کو خاطر میں نہ لاؤ' اُس کی مالی اعانت جاری رکھو۔''

''یہاں ایک مسئلہ کا ذکر کر دینا بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ اگر کوئی شخص کسی بات پر قسم اٹھالے اور اُس سے کوئی دوسری چیز بہتر ہو تو وہ اپنی قسم کو توڑ دے' اُس کا کفارہ ادا کردے اور وہ کام کرے جو زیادہ بہتر اور مفید ہو۔ ایک حدیثِ مبارکہ کا بالکل یہی مضمون ہے۔'' (ضیاء القرآن' جلد سوم' صفحہ ۳۰۵)

ایک اور مقام پر قرآن حکیم اپنے ماننے والوں کو اپنے اندر ایسے ہی اعلیٰ اخلاقی اقدار پیدا کرنے کی ترغیب دیتا ہے اور فرماتا ہے:

أَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاس (آلِ عمران:۱۳۴)

''وہ جو فراغت اور تنگی (دونوں حالتوں میں) خرچ کرتے ہیں' اور غصّہ کے ضبط کرنے والے ہیں' اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں۔'' (۳: ۱۳۴)

''اہلِ تحقیق نے یہ خوب لکھا ہے کہ یہاں فَاقِد'' مِّنَ الْغَیْظ ارشاد نہیں ہوا یعنی مدح اُس کی نہیں آئی جسے غصّہ سرے سے آتا ہی نہ ہو بلکہ اُس کی آئی ہے کہ غصّہ کو قابو میں رکھا جائے اور عقل جذبات کے اوپر حاکم رہے۔ غصّہ حرارتِ طبعی یا حمیّت سے پیدا ہوتا ہے' اُسے سرے سے فنا کر دینا اسلام کو ہرگز مقصود نہیں بلکہ مقصود اُسے حدود کے اندر رکھنا ہے۔ غصّہ مطلق صورت میں ہرگز ممنوع نہیں' نہ شرعاً گناہ کی بات اور نہ عقلاً مُضر ہے۔ بلکہ اگر حدود کے اندر رہے اور مناسب موقع پر پیدا ہو تو عیب نہیں' ہُنر ہے۔ غصّہ کے ضبط کر جانے کی فضیلتیں حدیثِ نبوی میں بہ کثرت آئی ہیں' مثلاً زبانِ رسالت نے فرمایا: مَنْ كَظَمَ غَضبًا وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَى إِنْفَاذِهِ مَلَأَ اللّٰهُ قَلْبَهٗ أَمْنًا وَّاِيْمَانًا (یعنی قدرتِ نفاذ کے باوجود جو شخص اپنے غصّہ کو روک لے تو اللہ اُس کا دل امن وایمان سے لبریز کردے گا) اَلْعَافِيْنَ عَنِ النَّاس یعنی لوگوں کے قصوروں اور خطاؤں کو معاف بھی کر دیتے ہیں۔ یہی نہیں کہ باوجود قدرت و استطاعت خطاوار سے انتقام نہیں لیتے بلکہ اُسے معاف بھی کر دیتے ہیں۔ یہ درجہ اَلْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ سے بلندتر ہے۔ وہ اگر محض ایک سلبی کیفیت تھی تو یہ ایک ایجابی مرتبہ ہے۔ پھر مُحسنین کا درجہ کاظمین و عافین دونوں سے بلندتر ہے یعنی عفو سے بھی آگے بڑھ کر یہ اور حسنِ سلوک سے پیش آتے ہیں۔ اخلاقی تعلیم کے موقع پر قرآن نے

اکثر تدریج کو پیشِ نظر رکھا ہے جس کی بہترین مثال یہ آیت ہے۔ تینوں مقامات فضیلت کے ہیں لیکن یہ تیسرا مقام افضل ترین ہے۔'' (عبدالماجد دریابادی' اردو صفحہ ۱۵۵' نوٹ: ۲۶۸)

(16) مقروض سے نرمی : یہ ایک اور اعلیٰ اخلاقی قدر ہے جسے قرآن مجید اپنے ماننے والوں میں پیدا کرنا چاہتا ہے جب وہ کہتا ہے :

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝ (البقرۃ:۲۸۰)

''اور اگر مقروض تنگدست ہے تو اُس کے لئے آسودہ حالی تک مہلت ہے اور اگر معاف کردو تو تمہارے حق میں (اور بھی) بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔'' (۲ : ۲۸۰)

(17) نیکی کی تاکیدی تلقین: نیکی اور بھلائی کے کاموں کی تشہیر کے سلسلہ میں قرآن فرماتا ہے :

وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَ الْفَوَاحِشَ وَ اِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ۝ وَ الَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ۝ وَالَّذِيْنَ اِذَا اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ۝ وَ جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ۝ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ۝ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۝ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۝ (اَلشُّورٰی : ۳۷-۴۳)

''اور جو لوگ کبیرہ گناہوں اور بے حیائیوں سے بچے رہتے ہیں اور جب اُنہیں غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔ اور جو لوگ اپنے رب کا فرمان قبول کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور اُن کا فیصلہ باہمی مشورہ سے ہوتا ہے اور اُس مال میں سے جو ہم نے اُنہیں عطا کیا ہے' خرچ کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ کہ جب اُنہیں (کسی ظالم و جابر) سے ظلم پہنچتا ہے تو (اُس سے) بدلہ لیتے ہیں۔ اور بُرائی کا بدلہ اُس بُرائی کی مثل ہوتا ہے' پھر جس نے معاف کر دیا اور (معافی کے ذریعے) اصلاح کی تو اُس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے' بے شک وہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔ اور یقیناً جو شخص اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد بدلہ لے تو ایسے لوگوں پر (ملامت و گرفت) کی کوئی راہ نہیں ہے۔ بس (ملامت و گرفت کی) راہ صرف اُن کے خلاف ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق سرکشی و فساد پھیلاتے ہیں' ایسے ہی لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اور یقیناً جو شخص صبر کرے اور معاف کر دے تو بے شک یہ بلند ہمت کاموں میں سے ہے۔'' (۴۲: ۴۳-۳۷)

کبیرہ گناہوں سے مراد غالباً اعتقادی گناہوں سے ہے اور اَلْفَوَاحِش سے مراد غالباً اُن گناہوں سے ہے

جن کا تعلق بے حیائی اور شہوانیت سے ہے (تفسیر کبیر)۔ ''اِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ سے مراد یہ نہیں کہ صالحین اور نیکوکاروں کو غصہ سرے سے آتا ہی نہیں۔ غصہ کا اپنے موقع و محل پر نہ آنا بُردباری کی دلیل نہیں بلکہ بُزدلی اور بے حمیتی کی دلیل ہے، کمال نہیں نقص ہے، ہنر نہیں عیب ہے۔ کمال اور ہنر یہ ہے کہ بندہ کو جب بے محل اور بے جا غصہ آئے تو اُس کے تقاضوں پر عمل نہ کرے بلکہ اپنی طبیعت کو قابو میں رکھے۔'' (تفسیر ماجدی حصہ اُردو، ص ۹۷۳)

آیت ۴۰ (وَ جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ ۔۔ الخ) کا مطلب یہ ہے کہ سزائے جرم بھی درجہ جرم کی مناسبت ہی سے دی جائے اور اُس سے تجاوز نہ کیا جائے۔ یہاں دو اصول ارشاد ہوئے ہیں: (۱) ایک قانونِ عدل کہ جو جیسا کرے گا، ویسا پائے گا مثلاً دانت کا بدلہ دانت اور آنکھ کا بدلہ آنکھ۔ لیکن یہاں یہ بھی شرط ہے کہ وہ شے فی نفسہٖ ممنوع و حرام نہ ہو مثلاً لُوٹ کا بدلہ لُوٹ اور زِنا کے عوض زِنا کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ (۲) دوسرا قانونِ فضل یعنی رحم و رعایت کا قانون۔ آیت سے انتقام کا صرف جواز نکلتا ہے نہ کہ اُس کی ماموریت۔'' (تفسیر ماجدی اردو، صفحہ ۹۷۴، نوٹ: ۴۶)

قانونِ فضل یعنی رحم و رعایت (معاف کر دینے اور صلح صفائی) کا قانون اللہ کے نزدیک قابلِ ترجیح اور افضل ہے بشرطیکہ زخم خوردہ فریق اس پر رضامند ہو۔

اوپر خط کشیدہ حصّے کا مطلب یہی ہے کہ ضروری نہیں کہ عدمِ مزاحمت سے مال و جان وغیرہ کے تحفظ کی ضمانت مل جائے اور ظالم و جابر کے دل کو پگھلا دے۔

(18) خدمتِ خلق بدلہ میں کچھ ملنے کے لالچ میں نہ کی جائے : قرآن مجید کا اپنے ماننے والوں کو سکھائی ہوئی یہ ایک اور اعلیٰ اخلاقی قدر ہے کہ اُن کی اپنے ابنائے جنس کی خدمت کے پسِ پردہ کسی دنیاوی منفعت یا شہرت پانے کا لالچ نہیں ہونا چاہئے بلکہ وہ صرف رضائے الٰہی کی خاطر کی جائے۔ چنانچہ ارشاد ہوا :

(۱) وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّأَسِيْرًا٥ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَانُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا٥ (اَلدَّهر : ۸، ۹)

''اور وہ اللہ کی محبت سے مسکینوں، یتیموں اور غریبوں کو کھانا کھلاتے رہتے ہیں۔ ہم تو تمہیں بس اللہ ہی کی خوشنودی کے لئے کھانا کھلاتے ہیں اور نہ تم سے اس کا عوض چاہیں اور نہ شکریہ۔'' (۸، ۹ : ۷۶)

معاشرے کی روایتی عادت یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے کو کوئی تحفہ اس لئے دیتا ہے کہ اُسے اُس کے بدلہ میں بھی کوئی چیز ملے اور وہ بالعموم اپنی دی ہوئی چیز سے بہتر لینے کی امید کرتا ہے۔ قرآن مجید نے اس مادّی رجحان کو روحانی سوچ میں تبدیل کر دیا۔ اُس نے مسلمان کو دینے کا اور اُس پر لینے والے کی طرف سے کوئی امید نہ رکھنے کا حکم

دیا کیونکہ اُس نے دینے کا یہ عمل اپنے اللہ کو خوش کرنے اور اُس کی مخلوق کی خدمت کے لئے کیا ہے :

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُO (المدثّر : ٦)

''اور (اس غرض سے کسی پر احسان نہ کریں) کہ اس سے زیادہ کے طالب ہوں۔'' (٧٤:٦)

(19) نکتہ چینی کے وقت پُرسکون رہنا: پیغمبر ﷺ کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس طرح تسلی دلائی :

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَO (النّحل:١٢٧)

''اور (اے حبیبِ مکرّم!) صبر کیجئے اور آپ کا صبر کرنا اللہ ہی کے لئے ہے اور آپ اُن (کی سرکشی) پر رنجیدہ خاطر نہ ہوا کریں اور آپ اُن کی فریب کاریوں سے (اپنے کشادہ سینہ میں) تنگی (بھی) محسوس نہ کیا کریں۔'' (١٢٧ : ١٦)

عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دَورِ خلافت میں مسلمانوں نے اپنی بڑھتی ہوئی دولت اور خوشحالی کے باعث اپنی بیٹیوں کا بڑا بھاری حقِ مہر مقرر کرنا شروع کیا۔ خلیفۃ الرسول ہونے کی حیثیت سے جناب عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دن اپنے خطبہ کے دوران حکم دیا کہ مہر کو چار سو درہم سے زیادہ نہیں ہونا چاہئے وگرنہ اس سے زیادہ کا مہر ضبط کر کے بیت المال میں جمع کرا دیا جائے گا۔ جب آپ خطبہ کے اختتام پر منبر سے نیچے تشریف لائے' تو ایک دراز قد' چپٹی ناک والی بڑھیا کھڑی ہو کر کہنے لگی: ''قرآن مجید نے اس معاملے پر کوئی پابندی نہیں لگائی' لہٰذا عمر کو مہر پر پابندی لگانے کا کوئی حق نہیں۔'' اپنے موقف کی تائید میں اُس بڑھیا نے درجِ ذیل قرآنی آیت کا حوالہ دیا :

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّ آتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًاO (النّساء : ٢٠)

''اور اگر تم ایک بیوی کے بدلے دوسری بیوی بدلنا چاہو اور تم اُسے ڈھیروں مال دے چکے ہو تب بھی اُس میں سے کچھ واپس نہ لو۔ کیا تم ظلم و دہشت کے ذریعے اور کھلا گناہ کر کے وہ مال (واپس) لو گے؟'' (٤:٢٠)

اس پر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی تجویز واپس لے لی اور فرمایا:

اِمْرَأَة'' أَصَابَتْ وَرَجُل'' أَخْطَأَ (نَيْلُ الاَوْطَار : شوكانی ٦ : ١٧٠)

''عورت نے صحیح بات کی اور مرد نے غلطی کی۔''

جنابِ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا حکم واپس لینے کے بعد فرمایا کہ یہ لوگوں پر منحصر ہے کہ اُنہیں حسبِ استطاعت بیوی کو کتنا مہر دینا ہے لیکن آپ نے ساتھ ہی یہ تنبیہ بھی فرما دی کہ اگر بھاری مہر دینا کوئی عزت و وقار اور نیک نامی یا شہرت کا موجب دیتا تو نبی آخر الزماں ﷺ اُس کی منظوری دینے والے پہلے شخص ہوتے جبکہ آپ نے دراصل صرف چار سو درہم تک مہر دیا۔ (احمد' ترمذی)

(20) قرآن میں بیان کردہ مذمّتیں : تین قسم کی آئی ہیں : (i) غیبت (سورۃ الحُجرات:۱۲) (ii) غیر ذمہ دارانہ افواہ کا اڑانا (اِفك: سورۃ النور:۱۱) اور (iii) بہتان (سورۃ النور:۲۳)۔

مذکورہ بالا تمام مذمّتیں شک اور بے سکونی کی فضا پیدا کرتی ہیں جس کے نتیجہ میں سماج کے افراد کے مابین شفقت و محبت معدوم ہو کے رہ جاتے ہیں جو تعلیمات اسلامی کی روح ہیں۔ اِسی وجہ سے اُن کا شمار کبیرہ گناہوں میں ہوتا ہے۔ غیبت کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: اَلْغِیْبَةُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا (غیبت زِنا سے بھی زیادہ سخت گناہ کی حامل ہے)۔ قرآن کی نظر میں غیبت آدم خوری (Cannibalism) کا دوسرا نام ہے۔

(21) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قائم کردہ چار سنہرے اصول : ایک دفعہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے صحابہ سے پوچھا: ''کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں جو تمہیں اللہ کی نظروں میں بلند کر دے؟'' صحابہ نے مثبت میں جواب دیا اور نبی مکرّم ﷺ نے فرمایا: ''اُن لوگوں سے حلیم اور بُردبار رہیے جو تم سے حماقت سے پیش آتے ہیں، اُن لوگوں کو معاف کر دیا کیجئے جو تم سے خطا کاری کرتے ہیں اور اُن لوگوں کو عطا کیا کیجئے جو تمہیں کچھ دینے سے گریزاں ہیں اور اپنے رشتوں کو اُن لوگوں سے مضبوط کیجئے جو تم سے تعلق داری کو کاٹ ڈالتے ہیں۔

(22) احترامِ ذات۔۔خودداری : ہر ذی ہوش آدمی عزت و وقار کی زندگی بسر کرنا چاہتا ہے۔ اس شعور کا نام علمِ نفسیات میں احترامِ ذات (Self-respect) ہے۔ کائنات کی کوئی بھی مخلوق اپنی شکل و شباہت، قد و قامت اور ذہنی صلاحیت میں انسان جیسی نہیں۔ انسان کو وحشی مخلوقات پر بلکہ کائنات کی ہر چیز پر عزت و وقار کا اعلیٰ مقام دیا گیا ہے اور کائنات کی ہر چیز انسان کی منفعت کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ قرآنِ حکیم اس ناقابلِ تردید حقیقت کا احساس [illegible] کو یوں دلاتا ہے :

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْ آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا۝ (بنی اسراء یل : ۷۰)

''اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی ہے اور ہم نے اُنہیں خشکی اور دریا (دونوں) میں سوار کیا اور ہم نے اُنہیں نفیس چیزیں عطا کیں اور ہم نے اُنہیں اپنی بہت سی مخلوقات پر بڑی فضیلت دی ہے۔'' (۱۷:۷۰)

''بعض مفسّرین نے كَثِیْر کو کُل کے معنیٰ میں لے کر انسان کو حق تعالیٰ کی افضل ترین مخلوق ہونے پر بھی استدلال کیا ہے۔ بحر و برّ کے الفاظ میں عموم ہے اور جاندار اور بے جان ہر قسم کی سواری، ہر قسم کے مشینی آلہ نقل و حرکت، موٹر، لاری، ریل، موٹر کشتی، دخانی جہاز، ہوائی جہاز وغیرہ سب کو شامل ہے۔'' (تفسیر ماجدی اردو، صفحہ ۵۹۲، نوٹ:۱۰۲)

''یہ اعزاز و اِکرام نسلِ انسانی کے ہر فرد کا بنیادی حق ہے اور ہر فرد کو عقیدہ کی آزادی، علم اور پیشہ ورانہ

مہارت کی تحصیل اور اپنی مرضی اور پسند کے مطابق زندگی بسر کرنے کی آزادی عطا کرتا ہے۔حکومت اور بالخصوص اسلامی حکومت کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ بغیر کسی امتیاز کے اپنے تمام باشندوں کو ضروریاتِ حیات مہیا کرے۔''

خالق کی جانب سے انسان پر عطا کردہ اس عظیم عزت و وقار کے مدِّنظر انسان کا یہ اخلاقی فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے اُن فرائض اور ذمہ داریوں کا ہمیشہ خیال رکھے جو خالق نے اُس کے کندھوں پر ڈالی ہیں۔ایسے کام کرنا اُس کے شایانِ شان نہیں جو اُسے خالق اور اپنے ابنائے جنس کی نظر میں ذلیل کر کے رکھ دیں۔اسلام اپنے ہر ماننے والے سے نیکی میں بھی معتدل اور متوازن ہونے کی توقع کرتا ہے۔مثلاً مذہبی مناسک اور فرائض میں مسلمان کو اپنی صحت کا پورا خیال رکھنا چاہئے اور سخت و دشوار اور اپنی طاقت و ہمت سے باہر کے کام نہیں کرنے چاہئیں۔ایک مرتبہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم میں یہ بات لائی گئی کہ کچھ صحابہ کرام کئی راتیں عبادتِ الٰہی اور رکوع وسجود میں گزار دیتے ہیں اور مسلسل روزے رکھے چلے جاتے ہیں۔اُن کا یہ عمل رہبانیت (ترکِ دنیا) سے مشابہ تھا جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں (بحوالہ سورۃ الحدید: ۲۷)۔اس لئے نبی مکرم ﷺ نے اس عمل کی تحسین نہ کرتے ہوئے اُنہیں ہدایت فرمائی:

''یقیناً تمہارے جسموں کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے۔''

یہ بات قرآن مجید کے اس فرمودہ کے بالکل مطابق وموافق ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرة: ۲۸۶)

''اللہ تعالیٰ کسی جان کو اُس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔'' (۲ : ۲۸۶)

کچھ مذاہب میں اچھی صحت اور مضبوط وتوانا جسم روحانی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔اسلام ایسے غلط نظریہ کا انکار کرتا ہے اور اس بات پر زور دیتا ہے کہ وہ روحانی فوقیت کے حصول میں موافق ومعاون ہیں اور یہ مقولہ ''صحت جسم میں صحت مند ذہن'' روحِ اسلام کے بالکل موافق ہے۔

کچھ نفس کش عیسائیوں نے لذیذ کھانوں کے نہ لینے اور اپنی بیویوں سے قربت نہ کرنے کی قسم کھائی تھی جس کی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منظوری نہ دی اور اعلان فرمایا کہ اسلام میں راہبوں اور تارک الدنیا لوگوں کی کوئی گنجائش نہیں۔سورۃ الانعام کی درجِ ذیل آیت میں مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی بڑی ہی فیاضی سے عطا کردہ نعمتوں سے فائدہ اٹھائیں اور حد سے آگے نہ بڑھیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا (المائدة:۸۷)

''مومنو! اُن پاکیزہ چیزوں کو حرام مت ٹھہراؤ جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں اور حدود سے تجاوز مت کیا کرو۔'' (۵ : ۸۷)

بھوک ہڑتال کی اسلام اجازت نہیں دیتا کہ اس میں خود کو اذیت دینا ہے۔نفس کُش ریاضتوں کی بھی

اسلام میں کوئی گنجائش نہیں جس سے انسان کچھ کھانوں کو اپنے اوپر ممنوع کر لیتا ہے۔

اوپر کے بیان سے یہ واضح ہو گیا کہ اسلام ہم سے احترامِ ذات کی توقع کرتا ہے اور یہ کہ ہم اپنے جسمانی حقوق کا پوری طرح خیال رکھیں۔

(23) نظم و ضبط : اصول وضوابط کی پاسداری اور مناسب و شائستہ رویّہ سے پیش آنا نظم و ضبط(Discipline) کا دوسرا نام ہے۔ قرآنِ مقدس ہمیں اِن وحی شدہ اصولوں کی پابندی کرنے اور زندگی کے تمام شعبوں میں نظم وضبط برقرار رکھنے کا حکم دیتا ہے۔ ہمارے اردگرد کے تمام مظاہرِ فطرت نظم وضبط کی عمدہ مثال ہیں جسے دانا وحکیم اللہ نے قائم کیا ہوا ہے اور اُن سے اخلاقی اصول اخذ کرنے کا ہمیں خاصا موقع ملتا ہے:

(۱) وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ o وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ o لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ o (یٰسٓ : ۳۸ تا ۴۰)

''اور آفتاب اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا رہتا ہے یہ زبردست اور علم والے خدا کا اندازہ ٹھہرایا ہوا ہے اور (ایک نشانی) چاند بھی کہ ہم نے اُس کے لئے منزلیں مقرر کر دی ہیں یہاں تک کہ وہ کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح رہ جاتا ہے۔ نہ آفتاب کی مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آ سکتی ہے اور سب ایک دائرے میں تیر رہے ہیں۔'' (۳۸ تا ۴۰ : ۳۶)

''اگرچہ سورج اور چاند دونوں منطقۃ البروج کی پٹی(Zodiac Belt) کو عبور کرتے ہیں اور اُن کی حرکات مختلف ہیں لیکن اس کے باوجود وہ ایک دوسرے کو کبھی بھی پکڑ نہیں سکتے۔ جب سورج اور چاند ایک ہی سمت میں اور زمین کی سیدھ میں ہوں تو سورج گرہن ہوتا ہے اور جب مخالف سمتوں میں ایک سیدھ میں ہوں تو چاند گرہن ہوتا ہے لیکن کبھی ٹکراؤ نہیں ہوا۔ اُن کے ضوابط واصول اللہ کے متعین کردہ ہیں جو علم الافلاک میں مطالعہ کا مضمون بنتے ہیں۔ اسی طرح رات اور دن ایک دوسرے کے پیچھے آتے جاتے ہیں لیکن متضاد اور باہم مخالف ہونے کے باوجود اُن میں کبھی ٹکراؤ نہیں ہوا۔ اور یہ چیز نیکی اور بدی، صداقت اور جھوٹ جیسی باہم مخالف قدروں کا مناسب نشان ہے۔
(عبداللہ یوسف علی، نوٹ : ۳۹۸۶)

(۲) اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ o (الرّحمٰن : ۵)
''سورج اور چاند (کمپیوٹر شدہ) حساب کے پابند ہیں۔'' (۵ : ۵۵)

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی اُن لوگوں کے لئے عظیم محبت کو بھی بیان کرتا ہے جو میدانِ جنگ میں اپنے آپ کو اچھے نظم وضبط کے فوجی ثابت کرتے ہیں جو دشمن پر فتح وکامرانی پانے کی لازمی اور ناگزیر شرط ہے:
اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ o (الصّف : ۴)

''اللہ تو ایسے لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اُس کی راہ میں اس طرح مل کر لڑتے ہیں کہ گویا وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہیں۔'' (۴ : ۶۱)

اپنے غصّہ اور مزاج کو قابو میں رکھنا منظم شخصیت کی صفت ہے۔ انسانیت کے محسنِ اعظم حضرت محمد ﷺ نے اپنے ماننے والوں کو مزاج اور غصّہ کو قابو میں رکھنے کی اس طرح تاکید کی ہے:
''جو شخص اپنے مزاج اور غصّہ کو قابو میں رکھتا ہے' اللہ اُس کی لغزشوں کو چھپاتا ہے۔''

کھیل کود بچوں میں نظم و ضبط کا احساس پیدا کرتے ہیں۔ نبی ﷺ نے اپنے ماننے والوں کو بچوں کے لئے کھیل کود اور غیر نصابی سرگرمیوں کا انتظام کرنے کے ساتھ ساتھ فوجی تربیت دینے کی بھی ہدایت کی ہے۔ آپ نے ایک مرتبہ فرمایا: ''بچے کا یہ حق ہے کہ اُس کا والد اُسے لکھنا' پڑھنا' تیرنا اور تیر اندازی سکھائے۔''

یہ تمام حوالہ جات اِس بات کے ثبوت کے لئے کافی ہیں کہ مسلمان کے کردار کے لئے نظم و ضبط ایک بنیادی صفت ہے اور اس لئے یہ ذاتی اخلاقیات کے زمرے میں آتا ہے۔

(24) شرم وحیا اور پاکیزگی کردار: Modesty ایک جامع لفظ ہے جو عفت' انکساری' فروتنی' شرم وحیا اور میانہ روی کو شامل ہے۔ یہ صفت فضول گفتگو' ناشائستگی' مخربِ اخلاق مذاق' علمی تفاخر اور نمود و نمائش کے بے کار اظہار' اور زنا کے ارتکاب سے گریز چاہتی ہے۔ قرآن کریم اپنے ماننے والوں سے کردار کی عفت و پاکیزگی چاہتا ہے۔ وہ مسلمان کی خصوصیات کی وضاحت کرتا ہے اور عفت وحیا کو مسلمان کا طغرائے امتیاز ہونا بتاتا ہے۔ سورۃ المؤمنون کے آغاز میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمان کے کردار کے ممتاز پہلوؤں کا ذکر کیا ہے۔ اِن پہلوؤں میں فضول گفتگو اور فضول مشاغل سے پرہیز مسلمان کی بنیادی خصوصیت بتائی گئی ہے:

(۱) قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ O ------ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِمُعْرِضُوْنَ O (المؤمنون: ۱'۳)
''بے شک ایمان والے مراد پاگئے --- اور جو بیہودہ باتوں سے کنارہ کش رہتے ہیں۔'' (۱'۳:۲۳)

(۲) وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰی اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَسَآءَ سَبِيْلًا O (بنی اسرائیل : ۳۲)
''اور زنا کے پاس بھی مت جاؤ' یقیناً وہ بڑی بے حیائی ہے اور بری راہ ہے۔'' (۳۲ : ۱۷)

الفاظِ قرآنی پر غور ہو۔ لَا تَزْنُوْا ارشاد نہیں ہو رہا بلکہ لَاتَقْرَبُوا الزِّنٰی ارشاد ہو رہا ہے یعنی زنا کے پاس بھی نہ پھٹکو اور اس کے مبادی اور دواعی مقدمات تک سے بچو۔ گویا اس حکمِ امتناعی کے تحت میں بے حیائی و بے حجابی کے سارے قولی' فعلی' تقریری' تحریری' تصویری' لباسی مظاہرے آگئے۔ یہ شریعت اسلامی ہی ہے جس نے ہر غیر نکاحی' غیر ازدواجی تعلق کو ہر حال اور ہر صورت میں حرام قرار دیا ہے ورنہ اکثر قدیم و جدید جاہلی تہذیبوں اور قانونوں میں زنا بجائے خود تو کوئی جرم ہی نہیں جب تک جبر کی آمیزش یا حقوقِ شوہری میں دست اندازی وغیرہ

اس میں شامل نہ ہو بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ بابل، مصر، ایران، ہند قدیم وغیرہ کے متعدد جاہلی مذہبوں نے تو خاص خاص حالات میں زنا کاری کو ایک عبادت یا عملِ مقدس مان رکھا ہے۔'' (تفسیر ماجدی اردو، ص ۵۸۴، نوٹ: ۴۷)

''ایک اور خرابی جس میں ساری قومیں بری طرح مبتلا تھیں اور اب بھی ہیں وہ بدکاری تھی۔ اس کی قباحت و وقاحت کو دو مختصر فقروں میں بیان فرمایا اِنَّہٗ کَانَ فَاحِشَۃً یعنی وہ بڑی بے حیائی کا فعل ہے۔ وَسَآءَ سَبِیۡلًا اور بری راہ ہے۔ اس فعل کا فاحش ہونا کسی صاحبِ عقلِ سلیم پر مخفی نہیں۔ زنا کے دُور رس بُرے نتائج پر اگر آپ نظر ڈالیں تو سَآءَ سَبِیۡلًا کا مفہوم بھی واضح ہو جائے گا۔ اس سے انساب میں اختلاط ہوتا ہے، مال کسی کا ہوتا ہے اور وارث کوئی اور بنتا ہے، موذی بیماریاں بڑی کثرت سے پھیلتی ہیں، عورت کی عظمت کا چاند گہنا جاتا ہے، وہ ماں کے تقدس اور بیٹی کی عظمت سے محروم ہو کر ایک بازاری جنس بن جاتی ہے، پھر اس فعلِ شنیع کے ارتکاب سے اُس کی سیرت اور اس کی صحت بُری طرح متاثر ہوتی ہے اور حرامی اولاد شفقتِ پدری سے محروم ہوتی ہے۔ سارے معاشرہ میں کبھی بھی عزت کی نظر سے نہیں دیکھی جاتی۔ اس کی وجہ سے فتنہ و فساد کی چنگاریاں بھڑک اٹھتی ہیں اور خاندانوں کے خاندان اس میں بھسم ہو کر رہ جاتے ہیں۔ ان تمام چیزوں کو اگر غور سے دیکھا جائے تو سَآءَ سَبِیۡلًا کی حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ چند لمحوں کی لذت طلبی کے لئے اتنی گراں قیمت ادا کرنا کون پسند کرتا ہے؟ سَآءَ سَبِیۡلًا کے متعلق اگر اب بھی کسی کو شک ہو تو وہ امریکی فوجیوں کے اُن لاکھوں حرامی بچّوں کی حالتِ زار کو دیکھے جو کوریا اور ویتنام وغیرہ ممالک کی گلیوں میں دھکے کھا رہے ہیں اور کوئی اُن کا پرسانِ حال نہیں۔ انہی قباحتوں اور روح فرسا نتائج کی وجہ سے ہی قرآن کریم نے فرمایا کہ اس فعلِ شنیع کا ارتکاب تو بجائے خود، اس کے قریب تک مت جاؤ یعنی تمام وہ امور جو اس فعل کے ارتکاب پر اُکساتے ہیں، اُن سے باز رہنے کا تاکیدی حکم دیا۔ بھڑکیلے، تنگ اور چست لباس، بے پردگی، مرد و زن کا اختلاط جس میں مخلوط تعلیم پیش پیش ہے، سب سے منع کر دیا ہے کیونکہ یہ تمام چیزیں جذبات کو اتنا مشتعل کر دیتی ہیں کہ کوئی لاکھ بچنا چاہے بچ نہیں سکتا اس لئے فرمایا کہ اس فعلِ شنیع کے قریب بھی مت جانا۔

''گزشتہ چند سالوں میں زنا کاری انگلستان اور امریکہ کے دونوں ممالک میں ایک اندازِ کار (Fashion) بن کے رہ گئی ہے۔'' ("History of Prostitution"... Scott, p. 226)

''عورتوں میں بکارت اور دوشیزگی (کنوارا پن) ایک طنزیہ چیز بن کے رہ گئی ہے۔ قدیم طرز کی طوائف جو بھڑکیلے لباس میں اور شراب میں مدہوش عام گزرگاہوں میں مستانہ چال چلتی تھی، ایک قصہ پارینہ ہو چکا ہے۔ مَردوں میں بے حیائی اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہے اور عورتوں میں اس سے بھی زیادہ ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مرد اپنی جنسی بھوک مٹانے کے لئے اِن نام نہاد ''معزز لڑکیوں'' کی طرف رجوع کرتے ہیں۔'' (ایضاً)

قرآنِ حکیم پُر زور طور پر اُن لوگوں کو وعید سناتا ہے جو مسلم معاشرے میں بے حیائی اور فحاشی کی تشہیر کرتے ہیں:

۳۷۲۰ (سماجی آداب---Manners in Society)

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُحِبُّوۡنَ اَنۡ تَشِیۡعَ الۡفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیۡنَ آمَنُوۡا لَھُمۡ عَذَاب" اَلِیۡم" فِی الدُّنۡیَاوَالۡاٰخِرَۃِ
''بے شک جولوگ ایمان والوں میں بے حیائی کو پھیلانا پسند کرتے ہیں' اُن کے لئے دنیااور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔'' (۱۹ : ۲۴)

یادر ہے کہ قوم کے اصلاح یافتہ ہونے کی برکات سے جس طرح ہر فرد مستفید ہوتا ہے' اُسی طرح اُس کے اخلاق باختہ ہونے سے بھی ہر فرد کو حصّہ رسدی مل کر رہتا ہے۔

غیر اسلامی اطوار و آداب کی تشہیر اور اُن کا پھیلانا اُمّتِ مسلمہ کی خوش آئند ترقی کے لئے ایک اور نا قابلِ تلافی نقصان کا موجب ہے۔ بطلِ جلیل (Hero) کی طرح کندھوں کا تھرتھرانا' اسلامی طرز کے مطابق اَلسَّــــلامُ عَـلَیۡـکُـمۡ کہنے کی بجائے ''خداحافظ'' ''Goodbye'' اور ''Happy Birthday to you' کہنا ایسی ہی دل آزار مثالیں ہیں جو سب کی سب مغربی طرزِ حیات میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ برتھ ڈے کے منانے' روشن قندیلوں کے بجھانے یا کیک کاٹنے کا تصوّر اسلامی تاریخ کے کسی دَور میں بھی تو نہیں پایا گیا۔ غیر مسلموں کی نقالی کرنے کی نبوی وعید و تنبیہ جو احادیث میں موجود ہے' کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں ہے۔ کیا ہمارے ذرائع ابلاغ نے کبھی اپنے اُن عوام کو اسلامی تعلیمات سکھانے کی خدمت انجام دی ہے جو اَب اِن غیر اسلامی اطوار اور اطرازِ معاشرت کو حقیقی اسلام سمجھنے لگے ہیں؟''

نوجوان نسل کے کردار کو بگاڑنے میں فلموں اور دوسرے ذرائع ابلاغ کا کردار جس سے جرائم کی شرح بڑھی ہے' کوئی ڈھپا چھپا راز نہیں ہے اور جس پر ہر حساس آنکھ رو رہی ہے اور ہر دردمند دل اللہ سے فریاد کناں ہے کہ وہ عنانِ اختیار کے اِن حاملین کو اُس صراطِ مستقیم پر لے آئے جو قرآن اور سنتِ نبوی نے ہمیں دکھایا ہے۔

''برطانیہ کے وزیرِ صحت کی طرف سے ایک پیغام میں کہا گیا ہے کہ ٹیلیویژن پر جنس و تشدد سے متعلق دکھائے گئے پروگراموں کا ہماری نوجوان نسل پر منفی اثر پڑ رہا ہے۔ اُس نے حکومت برطانیہ سے ان پروگراموں کو اخلاقی حدود کے اندر رکھنے کا مطالبہ کیا ہے۔ وزیرِ صحت نے والدین کو بھی اپنے اُن فرائض کا احساس کرنے کو کہا ہے جو قدرت نے بچوں سے متعلق اُن کے کندھوں پر ڈالا ہے کہ وہ بچوں کی حرکات و سکنات اور بالخصوص سمعی و بصری ذرائع ابلاغ کے تفریحی پروگراموں کو بچوں کے دیکھنے پر کڑی نگاہ رکھیں۔''
(روزنامہ ''نوائے وقت'' مؤرخہ ۵ اپریل ۱۹۹۳ء بحوالہ ''فلم' ٹی وی' وی سی آر'' از مولانا عبدالمعز ص ص ۱۶' ۱۷)

''بوسہ بازی نے جو زمانہ قدیم سے اُنس و شفقت کی علامت رہی ہے' عیسائی چرچ کی زندگی اور عبادت میں جگہ پالی جس کے بے حیا استعمال سے گرجا گھروں میں بدکاری اور قابلِ اعتراض جنسی عمل کی شکایت کی گونج سنی گئی۔''
("Dictionary of Christian Antiquities".. Smith and Cheetham, Vol. II, p. 902)

اب ذرا شرم و حیا اور پاکیزگی کردار کے اُس معیار پر نگاہ دوڑائیے جو قرآن مجید نے مسلمان معاشرے میں قائم کی ہے۔ سورۃ النُّور میں حکم ہوا :

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ أَزْكٰى لَهُمْ إِنَّ اللهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ O وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَ يَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُوْلَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُوْلَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِيْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِيْ أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَآءِ هِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِيْنَ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ وَتُوْبُوْا إِلَى اللهِ جَمِيْعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ O وَأَنْكِحُوا الْأَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصَّالِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ إِمَآئِكُمْ إِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللهُ مِنْ فَضْلِهِ وَاللهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ O وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللهُ مِنْ فَضْلِهِ (النّور : ۳۰-۳۳)

"(اے نبیِ مکرّم!) ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ اُن کے حق میں زیادہ پاکیزگی کی بات ہے، بے شک اللہ کو اُن کے کاموں کی سب خبر ہے۔ اور ایمان والی عورتوں سے بھی کہہ دیجئے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی آرائش و زیبائش کو ظاہر نہ کیا کریں سوائے (اُس حصہ کے) جو اُس میں سے خود ظاہر ہوتا ہے اور وہ اپنے سروں پر اوڑھے ہوئے دوپٹے (اور چادریں) اپنے گریبانوں اور سینوں پر (بھی) ڈالے رہا کریں اور وہ اپنے بناؤ سنگھار کو (کسی پر) ظاہر نہ کیا کریں سوائے اپنے شوہروں کے یا اپنے باپ دادا یا اپنے شوہروں کے باپ دادا کے، یا اپنے بیٹوں کے یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے یا اپنے بھائیوں یا اپنے بھتیجوں یا اپنے بھانجوں کے یا اپنی (ہم مذہب مسلمان) عورتوں یا اپنی مملوکہ باندیوں کے یا مَردوں میں سے وہ خدمت گار جو خواہش و شہوت سے خالی ہوں یا وہ بچے جو (کمسنی کے باعث ابھی) عورتوں کی پردہ والی چیزوں سے آگاہ نہیں ہوئے (یہ بھی مستثنیٰ ہیں) اور نہ (چلتے ہوئے) اپنے پاؤں (زمین پر اس طرح) مارا کریں کہ (پیروں کی جھنکار سے) اُن کا وہ سنگھار معلوم ہو جائے جسے وہ (حکمِ شریعت سے) پوشیدہ کئے ہوئے ہیں اور اے مومنو! تم سب کے سب اللہ کے حضور توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ اور تم اپنے مَردوں اور عورتوں میں سے اُن کا نکاح کر دیا کرو جو (عمرِ نکاح کے باوجود) بغیر ازدواجی زندگی کے (رہ رہے) ہوں اور اپنے باصلاحیت غلاموں اور باندیوں کا بھی (نکاح کر دیا کرو)، اگر وہ محتاج ہوں گے (تو) اللہ اپنے فضل سے اُنہیں غنی کر دے گا اور اللہ بڑی وسعت والا، بڑے علم والا ہے۔ اور ایسے لوگوں کو پاکبازی اختیار کرنی چاہئے جو نکاح (کی استطاعت) نہیں پاتے یہاں تک اللہ اُنہیں اپنے فضل سے غنی فرما دے۔" (۲۴ : ۳۰-۳۳)

۳۷۲۲ (سماجی آداب---Manners in Society)

شرم وحیا کی اہمیت از روئے احادیث : تاریخ کے اوراق نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مثالی شرم وحیا کے گواہ ہیں اور یہ ایک نا قابلِ انکار حقیقت ہے کہ آپ ﷺ پردہ نشیں کنواری لڑکیوں سے بھی زیادہ شرمیلے تھے جیسا کہ ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَشَدَّ حَيَاءً مِّنَ الْعَذْرَاءِ فِيْ خِدْرِهَا (مُتَّفَق" عَلَيْهِ)

آپ نے معاشرے سے تمام غیر مہذبانہ باتوں کو اُن کی جڑ سے اکھاڑنے کی پوری کوشش کی۔ قرآنِ حکیم کی تعلیمات کی تعمیل میں آپ نے اپنی ازواج مطہرات، دختران اور تمام مسلمان عورتوں کو تاکیدی نصیحت کی کہ وہ باہر ننگے چہروں کے ساتھ نہ نکلا کریں۔ شرم وحیا کے سلسلہ میں آپ کے کچھ فرمودات حسبِ ذیل ہیں :۔

(۱) اَلْحَيَاءُ مِنَ الْإِيْمَانِ وَالْإِيْمَانُ فِي الْجَنَّةِ وَالْبَذَاءُ مِنَ الْجَفَاءِ وَالْجَفَاءُ فِي النَّارِ (مسند احمد)
"حیا ایمان کا جزء ہے اور ایمان بہشت میں لے جائے گا اور بے حیائی جفا ہے اور جفا جہنم کا موجب ہے۔"

(۲) اَلْحَيَاءُ وَ الْإِيْمَانُ قُرَنَاءُ جَمِيْعًا فَإِذَا رُفِعَ اَحَدُهُمَا رُفِعَ الْاٰخَرُ (مستدرك حاكم)
"حیا اور ایمان دو ساتھی ہیں، جب اُن میں سے ایک اُٹھ جاتا ہے تو دوسرا بھی اُٹھا لیا جاتا ہے۔"

(۳) اَلْحَيَاءُ كُلُّهُ خَيْرٌ" (صحیح مسلم : کتاب الایمان، باب: شعب الایمان)
"حیا تو سب خیر ہی ہے (یعنی اس کا انجام بھلائی ہی بھلائی ہے)۔"

(۴) اَلْحَيَاءُ لَا يَأْتِيْ اِلَّا بِخَيْرٍ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)
"حیا خیر ہی لاتا ہے۔"

(۵) اِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ (اربعین نووی)
"جب تجھ میں شرم وحیا نہ رہے، تو تو جو چاہے کر گزر۔"

(۶) اَلْاِيْمَانُ بِضْعٌ" وَّسَبْعُوْنَ اَوْبِضْعٌ" وَّسِتُّوْنَ شُعْبَةً فَاَفْضَلُهَا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَدْنَاهَا اِمَاطَةُ الْاَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ" مِّنَ الْاِيْمَانِ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)
"ایمان کی ستّر یا ساٹھ سے اوپر شاخیں ہیں، افضل شاخ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور کم تر، راہ سے تکلیف دہ چیز کا ہٹانا ہے اور حیا بھی ایمان کا ایک حصّہ ہے۔"

(۷) اَللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ يُّسْتَحْيٰ مِنْهُ مِنَ النَّاسِ (صحیح بخاری)
"لوگوں سے زیادہ اللہ کا حق ہے کہ اُس سے حیا کی جائے۔"

ہاں "باحیا" انسان کو کلمۂ حق کہنے، علم حاصل کرنے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے رکنا نہیں چاہئے۔

حیا اور مغربی تہذیب : اہلِ مغرب جو اپنے آپ کے انتہائی جدید، ترقی یافتہ، انتہائی مہذب اور نفیس عادات کے حامل ہونے، اعلیٰ تعلیم یافتہ اور عمدہ پرورش کی گئی قوم ہونے کے مدّعی ہیں، اُنہیں اُن کے اپنے سماجی نظام کے تناظر میں دیکھنے سے اُن کی تہذیب سے ہمیں درج ذیل سبق ملتا ہے :۔

''اہلِ مغرب کے نزدیک آزادی کے کیا معنی ہیں؟ اگر باپ اپنے بچوں کو زدوکوب کرتا ہے تو بچے اپنے باپ کو سزا دلانے کے لئے پولیس کو بلا لیتے ہیں۔ لڑکے اور لڑکیاں وہاں آزاد ہیں اور شترِ بے مہار کی زندگی گزارتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جہاں روک ٹوک نہ ہو' وہاں لوگوں کا گمراہ ہو جانا یقینی امر ہے۔ وہ آزادانہ جنس روی کا شکار ہیں جو اکثر قبل از وقت (بلوغت سے پہلے) ہوتی ہے اور ہمیشہ صحت اور کردار کے لئے مضر ہوا کرتی ہے۔ اُن کے قانون میں غیر فطری جرم' جرم ہی نہیں ہے اور یہ بات اب اُن کی تہذیب کا حصّہ بن چکی ہے۔ آزاد جنسی ثقافت نے ترقی کرتے کرتے اُن میں انسانیت کو ذلیل کرنے میں تمام حدود کو عبور کر لیا ہے۔ تذلیل کی حد تو یہ ہے کہ اُنہوں نے ''ہائیڈ پارک'' کے نام سے ایک جگہ بنائی ہے جہاں ہر چیز ننگی اور غیر مخفی ہے۔ معروف شاہراہ میں کتے اور کتیا کو جنسی عمل کرنے کی طرح لڑکے اور لڑکیاں آزادانہ طور پر بغیر کسی جھجک یا ضمیر کی چبھن کے اس فعلِ بد میں مصروف نظر آتے ہیں۔ کھلے طور پر اور عوام کی نظروں کے سامنے بوسہ بازی اور بغل گیری کوئی عیب کی بات نہیں سمجھے جاتے۔ یہ وہ سرگرمیاں ہیں جو درندے جنگل میں کرتے ہیں۔ اس قسم کی تہذیب کسی بھی لحاظ سے ازمنہِ قدیم کی جنگلی حیات سے ممتاز نہیں سمجھی جا سکتی۔''

''تہذیبِ حاضر کی تصویر کا ایک اور رخ بھی ملاحظہ ہو۔ وہاں کے مذہبی علماء کا یہ کہنا ہے کہ'' قانون کبھی غلط نہیں ہوا کرتا اور یہ کہ بادشاہ کبھی غلطی کا مرتکب نہیں ہوتا۔'' ملکہ میری (Merry) جو گھوڑے ٹانگے (بگھی) کے پہیوں کی سلاخوں اور بانسوں کے ساتھ لمبے لمبے چھریاں بلیڈ لگا دیا کرتی تھی' بگھی کو تیز چلانے کا حکم صادر کرتی۔ چھری دار بلیڈ کئی بچوں' مردوں اور عورتوں کو زخمی کرتے ہوئے نکل جاتے اور وہ چیختے ہوئے سڑک پر گر پڑتے۔ وہ بہت ہی شدید زخمی ہو جاتے' خون میں لت پت ہو جاتے اور مدد کے لئے آہ و فغاں کرتے۔ یہ تمام دل دوز منظر ملکہ کی خوشی' شادمانی اور تفریح کا منظر ہوتا تھا۔ ذرا بتلایئے تو کہ کیا ملکہ کا یہ عمل اپنی رعایا پر ظلم ڈھانے کے مرادف نہ تھا؟ اسی ملکہ کی ایک اور مثال یہ ہے کہ وہ اپنے مخالفین کے جسموں کو اُن کی قبروں میں سے کھدوا کر باہر نکال لیا کرتی تھی' بے تحاشا اُن پر کوڑے برساتی اور پھر اُنہیں دوبارہ دفن کرا دیا کرتی تھی۔''

''اب میں ایک اور تاریخی واقعہ کا حوالہ دیتا ہوں جو مغربی تہذیب پر خوب روشنی ڈالتا ہے:

''ہندوستان کے قبل از تقسیم کے دَور میں امرتسر کے جلیانوالہ باغ میں ایک بڑا جلوس منعقد ہوا۔ جلوس میں لوگوں کو منتشر کرنے کے لئے جنرل ڈائر (Dyre) نے بندوق چلا دی۔ لوگوں نے مختلف سمتوں کی طرف بھاگنا شروع کیا۔ وقوعہ کا جبر و تشدد اس حد تک تھا کہ ظالم اور سنگدل جنرل ڈائر نے لوگوں کی پشتوں پر بندوق چلانا جاری رکھا جبکہ وہ پہلے ہی منتشر ہو رہے تھے۔ اُس نے یہ بیان دیا: ''میں دل کھول کر آہن و آگ کا یہ کھیل دیکھنا چاہتا تھا۔'' اِس موقع پر بابائے قوم محمد علی جناح نے کہا تھا:

''برطانوی قوم مہذب کہلانے کی مستحق نہیں ہے۔'' (محمد علی ہادی' چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ ملتان)

(25) لوگوں کو بے سکونی سے بچانے کے لئے تمام خبروں کی جانچ پڑتال کا حکم: تمام خبریں اور یاوہ گوئیاں (Tittle-tattle) جو بالخصوص لاعلم لوگوں کی طرف سے محض سنی سنائی ہوں، کی جانچ پرکھ کرلینی چاہئے تاکہ سچی بات کی یقینی دہانی ہوجائے۔ اگر اُن کی جانچ پڑتال اور پرکھ کے بغیر اُنہیں یونہی مشتہر کر دیا جائے تو بہت نقصان کی بات ہوگی جس کے لئے بعد میں کفِ افسوس ملنے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ ہر قسم کی بہتان طرازی اور تہمت لگانے کی اسلام نے مذمت کی ہے اور فرمایا ہے:

یَا اَیُّھَاالَّذِیْنَ آمَنُوْا اِنْ جَآءَ کُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًا بِجَھَالَۃٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَO (اَلْحُجُرات: ۶)

''اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کرلیا کرو، ایسا نہ ہو کہ کہیں تم نادانی سے کسی قوم کو نقصان پہنچادو، پھر اپنے کئے پر پچھتاتے رہو۔'' (۶ : ۴۹)

اس آیت سے جہاں یہ اصول اخذ ہوتا ہے کہ کسی بات کو علمی تحقیق اور غور وفکر کے بغیر یونہی جھٹلا نہیں دینا چاہئے، وہاں اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ جب کوئی اہم خبر یا اطلاع اشاعت کے لئے موصول ہو تو اُسے خوب غور وفکر اور تحقیق وتجزیے کے بعد قبول کیا جائے۔

(26) مسلم مواخات (بھائی چارہ): یہ اسلام کا عمومی سماجی نظام ہے اور اسی پر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حجۃ الوداع کے خطبہ کی بنیاد ہے۔ جب تک اس نصب العین کی تحصیل نہیں ہو پاتی تو اسلام کو مکمل طور پر نہیں سمجھا جاسکتا جس کی تائید وتوثیق اِس حدیثِ نبوی سے ہوتی ہے:

لا یؤمن احدکم حتّٰی یُحبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ

''تم میں سے کوئی اُس وقت تک مؤمن (کامل) نہیں بن سکتا جب تک وہ اپنے (مسلمان) بھائی کے لئے وہ کچھ نہ چاہے جو وہ اپنے لئے چاہتا ہے۔''

اور اسی سلسلہ میں قرآن نے فرمایا:

(۱) وَاذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖ اِخْوَانًا

''اور اپنے اوپر اللہ کی اُس نعمت کو یاد کرو جب تم (ایک دوسرے کے) دشمن تھے تو اُس نے تمہارے درمیان الفت پیدا کردی اور تم اُس کی نعمت کے باعث آپس میں بھائی بھائی ہوگئے۔'' (۳:۱۰۳)

(۲) وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ اَلَّفَ بَیْنَھُمْ اِنَّہٗ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌO (الانفال: ۶۳)

''اور (اُسی نے) اِن (مسلمانوں) کے دلوں میں باہمی الفت پیدا فرمادی۔ اگر آپ وہ سب کچھ جو زمین میں ہے خرچ کرڈالتے تو بھی آپ اُن کے دلوں میں الفت پیدا نہ کرسکتے لیکن اللہ نے اُن کے درمیان محبت فرمادی۔ بے شک وہ بڑے غلبہ والا، حکمت والا ہے۔'' (۶۳ : ۸)

(۳) إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ (الحُجُرات : ۱۰)
''دراصل سب اہلِ ایمان (آپس میں) بھائی ہیں۔سوتم اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرایا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔'' (۱۰ : ۴۹)

(27) احترامِ آدمیت : جانوروں کے برعکس انسان جذبات واحساسات کا مرقع ہے۔طنز اور طعن وتشنیع اُس کے آئینہ دل کو غبار آلود کر دیتے ہیں جس سے اُس کے دل میں اپنے ابنائے جنس کے لئے وہ محبت اور مودّت نہیں رہتی جس کا قرآن تقاضا کرتا ہے۔اس لئے قرآن نے موقع بہ موقع احترامِ آدمیت کا سبق دیا ہے۔فرمایا
يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّنْ نِسَاءٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ (الحُجُرات : ۱۱)
''مؤمنو! نہ مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہئے کیا عجب کہ وہ اُن سے بہتر ہوں اور نہ عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہئے کیا عجب کہ وہ اُن سے بہتر ہوں اور ایک دوسرے کو طعنہ نہ دیا کرو اور نہ ایک دوسرے کو بُرے القاب سے پکارا کرو۔'' (۱۱ : ۴۹)

دوسرے پر ہنسی، تمسخر اور طنز کی بنیاد عموماً یہی ہوا کرتی ہے کہ دوسرے میں فلاں فلاں عیب ہیں اور ہم اُن عیوب سے مبرّا ہیں۔قرآن مجید نے انتہائی حکیمانہ ژرف نگاہی کے ساتھ اس بنیاد پر ضربِ کاری لگا کر اس عمارت کو ہی ڈھا دیا۔انسان کو اگر اپنا عیب دار' داغدار ہونا یاد آجائے تو دوسرے پر زبان کھولنے کی کبھی ہمت ہی نہ پڑے۔ فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ کسی کو عیب دار نام سے یاد کرنا صرف اس صورت میں حرام ہے جب وہ بلا غرض صحیح ہو لیکن اگر کوئی شخص پکارا اور پہچانا ہی ایسے نام سے جاتا ہے اور اس میں وہ اپنی کوئی توہین محسوس نہیں کرتا تو اُسے اس کے ظاہر میں عیب دار نام سے یاد کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں مثلاً حکیم نابینا' لنگڑے حافظ' گنجے وکیل وغیرہ۔ اَلقاب کے یہاں معنی بُرے نام کے ہیں یعنی کسی شخص کو ایسے نام سے پکارنا جو اُسے ناگوار ہو۔

احترامِ آدمیت کے سلسلہ میں محسنِ انسانیت ﷺ کے یہ فرمودات بھی ملاحظہ ہوں جن میں آپ نے فرمایا:
(۱) مَنْ أَشَارَ إِلَى أَخِيهِ بِحَدِيدَةٍ فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَلْعَنُهُ' حَتَّى يَدَعَهُ' وَإِنْ كَانَ أَخَاهُ لِأَبِيهِ وَأُمِّهِ
(صحیح مسلم : کتاب البرّ والصّلة' رقم الحدیث : ۲۶۲۵)
''جس کسی نے اپنے بھائی کی طرف کسی آلے سے اشارہ کیا' تو فرشتے اُس پر اُس وقت تک لعنت بھیجتے رہتے ہیں جب تک وہ اشارہ کرنے سے رک نہ جائے اگرچہ وہ اُس کا حقیقی بھائی ہی کیوں نہ ہو۔''

(۲) مَنْ قَتَلَ مُعَاهِدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَإِنَّ رِيحَهَا يُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ أَرْبَعِينَ عَامًا
(صحیح البخاری : کتاب الجزیة' حدیث : ۳۱۶۶)

''جس کسی نے کسی ایسے غیر مسلم کو قتل کیا جس سے اُس کی حفاظت کا معاہدہ ہو چکا ہے، وہ جنت کی خوشبو تک نہ سونگھ سکے گا اگرچہ اُس کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے سونگھی جا سکتی ہے۔''

(28) اُمراء کی دولت پر غرباء و مساکین کا حق ہے: قرآن نے فرمایا کہ امراء اور خوشحال لوگ صدقات وخیرات اور زکوٰۃ کے ذریعے غرباء اور حاجتمندوں کی مدد کر کے اُن پر کوئی احسان نہیں کرتے بلکہ ایک طرف جہاں وہ اپنی عاقبت کو سنوارتے ہیں، وہاں وہ اُن غرباء کا حق اُنہیں سونپتے ہیں۔ ملاحظہ ہوں ذیل کی آیات :

(۱) وَ فِیۡۤ اَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالۡمَحۡرُوۡمِ ۝ (اَلذّٰرِیٰت : ۱۹)

''اور اُن کے مالوں میں سوالی اور غیر سوالی کا حق رہتا ہے۔'' (۵۱ : ۱۹)

(۲) وَالَّذِیۡنَ فِیۡۤ اَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ مَّعۡلُوۡمٌ ۝ لِّلسَّآئِلِ وَالۡمَحۡرُوۡمِ ۝ (المعارج : ۲۴، ۲۵)

''اور جو اپنے مالوں میں سوالی اور بے سوالی (سب کا) جانا ہوا حق رکھے ہیں۔'' (۷۰ : ۲۴، ۲۵)

زکوٰۃ۔۔ اسلامی نظام معیشت میں ایک انتہائی اہم عامل: زکوٰۃ کا مادّہ ز۔ک۔و (زَکُو) ہے اور اسی سے تَزۡکِیَة کا لفظ ہے بمعنیٰ پاکیزگی، صفائی اور افزائش۔ شریعتِ اسلامی میں یہ رقم کی ایک معیّن مقدار ہے جو ایک صاحبِ نصاب مسلمان، غریب اور نادار شخص کو سال بہ سال دیتا ہے۔ قرآن حکیم میں زکوٰۃ کی ادائی کی بہت سی آیات ہیں جن میں اُن لوگوں کے لئے شدید تنبیہ اور وعید ہے جو دولت کو اکٹھا کر کے رکھتے ہیں اور اُسے راہِ خدا میں خرچ نہیں کرتے۔

زکوٰۃ کی اہمیت از روئے احادیث: زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم سال ۳ ہجری میں آیا جس کے بعد نبی کریم ﷺ نے زکوٰۃ کی وصولی اور اس کی تقسیم کے لئے خصوصی انتظامات فرمائے۔ زکوٰۃ اسلام کا تیسرا بنیادی ستون ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مندرجہ ذیل فرمودات زکوٰۃ کی اہمیت کو واضح کرتے ہیں۔ فرمایا :

(۱) زکوٰۃ اسلام کے خزانے کا پُل ہے۔ (اَلزَّکٰوۃُ قَنۡطَرَةُ الۡاِسۡلَامِ)

(۲) حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا عامل (گورنر) بنا کر بھیجتے ہوئے نبی علیہ السلام نے یوں نصیحت فرمائی کہ ''یمن کے لوگوں سے کہہ دو کہ اُن کے امراء سے زکوٰۃ اکٹھی کر کے اُن کے غرباء و مساکین میں تقسیم کی جائے گی۔''

(۳) ایک مرتبہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زکوٰۃ نہ دینے والوں کے لئے روزِ حساب میں زہریلے سانپوں سے کاٹے جانے کی سزا سنائی۔ آپ نے فرمایا کہ سانپ اُسے ڈسیں گے اور اُسے بار بار یہ کہیں گے کہ میں ہی تمہارا مال

ہوں اور میں ہی تمہارا وہ ذخیرہ ہوں جسے تم جوڑ جوڑ کر رکھتے تھے اور اُس کی زکوٰۃ نہیں دیتے تھے۔

(۴) خلیفہِ اوّل جناب صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں کچھ لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ آپ نے اُن کے خلاف فوجی کارروائی کرنے کا اعلان فرمایا۔ اگر چہ یہ منکرینِ زکوٰۃ نماز کے پابند تھے اور اسلام اور نبی علیہ السلام کی ختمِ نبوّت پر اُن کا عقیدہ پختہ تھا' اس کے باوجود انہیں مرتد قرار دیا گیا۔ اِن مرتدین کے خلاف اپنے اٹھائے گئے اِقدام کی وضاحت کرتے ہوئے آپ نے فرمایا: ''بخدا میں اُن کے خلاف جنگ کروں گا جو نماز تو پڑھتے ہیں لیکن زکوٰۃ دینے سے انکاری ہیں۔''

<u>زکوٰۃ کے فائدے</u>: فرد اور سماج دونوں کے لئے زکوٰۃ کے بہت زیادہ فوائد ہیں۔ چند ایک اقتصادی' معاشرتی اور اخلاقی فوائد کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے:

(۱) زکوٰۃ ادا کرنے سے حرص و لالچ' خود غرضی اور بخل کے منفی جذبات کا خاتمہ ہو کر تزکیہ نفس ہو جاتا ہے۔

(۲) زکوٰۃ معاشرہ سے طبقاتی کشمکش کا خاتمہ کرتی ہے کیونکہ سماج کے امراء غریب بھائیوں کے خیر خواہ ہوتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غرباء کے دلوں میں امراء کے لئے بھائی چارے اور پیار و محبت کے جذبات ہوتے ہیں۔

(۳) زکوٰۃ معاشرے کی ایک ہی طبقے میں ارتکازِ دولت کو روکتی ہے کیونکہ اُمراء کی جانب سے غرباء کی طرف دولت کی روانی جاری رہتی ہے۔ قرآن مجید اسی حقیقت کو سورۃ الحشر کی آیت ۷ میں یوں بیان کرتا ہے: كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاۗءِ مِنْكُمْ (تاکہ وہ مال تمہارے تونگروں ہی کے قبضہ کا ہو کے نہ رہ جائے)۔

(۴) زکوٰۃ کی مد غرباء اور محتاجوں کو مالی ذرائع مہیا کرتی ہے تاکہ وہ اپنی صلاحیتوں اور استعدادِ کار کو ترقی دیں اور اس طرح سماج کے مفید رکن بن جائیں کیونکہ مالی ذرائع مہیا نہ ہونے سے وہ مفید شہری نہیں بن سکتے۔

(۵) زکوٰۃ کی مد افرادِ معاشرہ کے درمیان اخوّت اور بھائی چارہ کی فضا پیدا کرتی ہے جس سے معاشرہ کا استحکام خود بخود اصلاح پذیر ہو جاتا ہے۔

(۶) دولت کی غیر منصفانہ تقسیم معاشرے کو دشمن طبقات میں تقسیم کرتی ہے جس کے نتیجہ میں اقتصادی عدمِ مساوات کے باعث اُن طبقات میں ٹکراؤ پیدا ہوتا ہے۔ بعض اوقات یہ ٹکراؤ اور تصادم اشتراکی نظام سے ملتے جلتے

ظالمانہ انقلاب کو جنم دیتا ہے۔ زکوٰۃ ایسے انقلابات کو روک دیتی ہے۔

(۷) لوگوں میں معاشرتی اور اقتصادی مساوات کے قائم کرنے میں زکوٰۃ ایک مثبت اور منطقی کوشش ہے۔

(۸) حکومت عوامی فلاح و بہبود کے منصوبوں کی تکمیل زکوٰۃ اکٹھا کرنے سے کر سکتی ہے۔ نئے کرنسی نوٹ چھاپنے کی بجائے اُس کی مالی ضروریات کی تکمیل زکوٰۃ کی مد میں سے ہو سکتی ہے اور اس طرح ملک کو افراطِ زر کے منفی اثرات سے بچایا جا سکتا ہے۔

مختصر یہ کہ نظام زکوٰۃ ایک مسلمان کو مستقبل کے تفکرات سے آزاد کرتی ہے۔ ''آج آپ خوشحال ہیں' اس لئے دوسروں کی مدد کیجئے۔ کل کو اگر آپ غریب و نادار ہو گئے' تو دوسرے آپ کی مدد کریں گے۔''

(29) سماجی خدمت کا آغاز قرآن مجید نے کیا: زکوٰۃ کے ضمن میں درجِ بالا آیاتِ قرآنی کے علاوہ درج ذیل آیات بھی شامل کر لیجئے جن میں سماجی خدمت کے اصول کو بیان کیا گیا ہے:

(۱) اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ٥ (اَلْبَقَرَة: ۲۷۴)

''جو لوگ اپنے مال رات اور دن' پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے رہتے ہیں' اُن کا اجر اُن کے پروردگار کے پاس ہے' نہ اُنہیں کوئی خوف ہے اور نہ وہ اداس ہوں گے۔'' (۲۷۴ : ۲)

(۲) وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آلِ عمران)

''اور تم میں سے ایک ایسی جماعت ضرور رہے جو نیکی کی طرف بلایا کرے' بھلائی کا حکم دیا کرے اور بدی سے روکا کرے۔'' (۱۰۴ : ۳)

(۳) اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَ اَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ٥ (اَلْحَدِيد: ۱۸)

''خیرات کرنے والے اور خیرات کرنے والیاں (یہ جو) اللہ کو خلوص کے ساتھ (قرضہ دیں) تو وہ خیرات بلاشبہ اُن کے لئے بڑھا دی جائے گی اور اُن کے لئے پسندیدہ اجر ہے۔'' (۱۸ : ۵۷)

(۴) يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ'' (اَلْحَشْر: ۹)

''وہ دوسروں کو اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ خود فاقہ میں ہی ہوں۔'' (۹ : ۵۹)

(۵) وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ٥ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ٥ (اَلدَّهر: ۸' ۹)

''اور وہ اللہ کی رضا کی خاطر مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے رہتے ہیں (اور کہتے ہیں) ہم تو بس اللہ کی خوشنودی کے لئے تمہیں کھانا کھلاتے ہیں، نہ تم سے اس کا عوض چاہیں اور نہ شکریہ۔''

(۵) قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ (سَبا : ۴۷)

''فرما دیجئے: میں نے تم سے جو کچھ معاوضہ مانگا ہو وہ تمہارا ہی رہا، میرا اجر تو بس اللہ ہی کے ذمہ ہے۔'' (۳۴ : ۴۷)

(۶) قُلْ مَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ O (صٓ : ۸۶)

''فرما دیجئے: میں تم سے (حق کی تبلیغ پر) کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں۔'' (۳۸ : ۸۶)

اللہ کے سچے پیغمبروں نے کبھی بھی حق و صداقت کی تبلیغ پر کوئی معاوضہ یا روزینہ نہیں مانگا جبکہ اُنہوں نے اپنی قوم کی جانب سے بہت سی مصائب جھیلیں اور تکلیفیں اٹھائیں۔ وہ بے غرض مقدس ہستیاں ہوتی ہیں اور اپنے خالق کے حکم کے تحت لوگوں کو صراطِ مستقیم کی طرف لانے میں خدمتِ خلق بجالاتے ہیں، وہ ثواب جس کی وہ اللہ سے توقع رکھتے ہیں، بھی بے غرض ہوتا ہے۔ وہ اپنے نہاں خانہِ دل سے رب کی رضا کے جویا ہوتے ہیں۔ سورۃ الشُّعَرَاء میں تمام پیغمبروں کا یہ متفقہ اعلان آیا ہے: اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعَالَمِيْنَ O

''میرا اجر تو اُس رب کے پاس ہے جو جہانوں کا پروردگار ہے۔''

خدمتِ خلق کے سلسلہ میں آقائے نامدار علیہ التحیۃ والسلام نے فرمایا:

خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَّنْفَعُ النَّاسَ (بہتر آدمی وہ ہے جو لوگوں کو فائدہ پہنچائے)

(30) خوش اخلاقی (Courtesy): اسلامی اَخلاقیات کی یہ ایک اور اہم خصوصیت ہے۔ شائستہ اور باادب رویّہ اور عمدہ اطوار کے ذریعے اپنے مخالف بلکہ اپنے ازلی دشمن کا بھی دل جیتا جا سکتا ہے جس سے سماجی ماحول ہم آہنگ اور موافق ہو جاتا ہے۔ حکمِ ربّانی ہے:

(۱) وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا (البقرۃ : ۸۳)

''اور لوگوں سے خوش خلقی کی بات کہنا۔'' (۲ : ۸۳)

(۲) وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ (لقمٰن : ۱۸)

''اور لوگوں سے (غرور کے ساتھ) اپنا رخ نہ پھیر۔'' (۳۱ : ۱۸)

روزمرّہ زندگی میں خوش اخلاقی کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

لَا تَحْتَقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا وَلَوْ اَنْ تَلْقٰى اَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ

''نیکی کی کسی چیز کو ہرگز حقیر نہ سمجھو اگرچہ وہ اپنے بھائی سے خندہ جبینی سے ملنا ہی کیوں نہ ہو۔''

(31) انکساری اور فروتنی :انکساری' فخر و مباہات اور جھوٹی شان و شوکت کا متضاد ہے اور اپنی ذات کو کم سے کم اہمیت دینا ہے۔قرآن مجید کے قائم کردہ معاشی اور اخلاقی رویّہ میں انکساری کا اہم مقام ہے۔انکساری کے تحت آدمی اپنے بھائی بندوں کے ساتھ معاملات میں حلم و بُردباری اور مسکینیت کو اختیار کرتا ہے کیونکہ وہ خود کو اپنے خالق کا ادنیٰ بندہ سمجھتا ہے۔ چلنے' پھرنے' اُٹھنے' بیٹھنے اور بولنے جیسے معمولی کاموں میں بھی آدمی کی انکساری اور فروتنی کا اظہار ہوتا ہے۔قرآن مجید اس پہلو کو اس طرح ظاہر کرتا ہے :

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا (الفُرقان : ۶۳)

''اور (خدائے) رحمان کے (مقبول) بندے وہ ہیں جو زمین میں آہستگی سے چلتے ہیں۔'' (۲۵:۶۳)

اپنی تخلیق کی اصلیت پر غور کرنے کے ذریعے کہ وہ کہاں سے' کس کی جانب سے اور کیوں دنیا کی سٹیج پر نمودار ہوا' انسان کو اپنے مقام کی یاددہانی کرائی گئی ہے اور اس طرح اُس کے آئے دن کے رویّہ اور معاملات میں انکساری اور فروتنی خود بخود جگہ پا جاتی ہے۔ذیل کی آیات میں قرآن مجید اپنے ماننے والوں کو انکساری کی خصوصیت اپنانے کی ترغیب دیتا ہے کیونکہ یہ خالق کی نظر میں انتہائی پسندیدہ صفت ہے :

(۱) وَلَا تَمْشِ فِى الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا O

''اور زمین میں اکڑ کر مت چل' بے شک تو زمین کو (اپنی رعونت کے زور سے) ہرگز نہیں چیر سکتا اور نہ ہی ہرگز تو بلندی میں پہاڑوں کو پہنچ سکتا ہے۔'' (۱۷ : ۳۷)

(۲) وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِى الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ O وَاقْصِدْ فِىْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ O

''اور لوگوں سے (غرور کے ساتھ) اپنا رخ نہ پھیر' اور زمین پر اکڑ کر مت چل' بے شک اللہ ہر متکبر اِترا کر چلنے والے کو ناپسند فرماتا ہے۔اور اپنے چلنے میں میانہ روی اختیار کر اور اپنی آواز کو کچھ پست رکھا کر' بے شک سب سے بُری آواز گدھے کی آواز ہے۔'' (۳۱ : ۱۸'۱۹)

اپنے خالق کی جانب سے انسان کو رسالت کا تفویض کیا جانا بلاشک و شبہ اعلیٰ ترین و ارفع ترین منصب ہے اور ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام پیغمبروں میں وقار و تمکنت کی ایسی بلند ترین چوٹی پر فائز ہیں جس کا تصوّر شاید ہی کیا جا سکتا ہو۔قرآن حکیم آپ ﷺ کو بھی ذیل کی آیت میں منکسر المزاج ہونے کی تعلیم دیتا ہے تاکہ انسان کو جتلایا جائے کہ وہ خواہ کتنے ہی عظیم اور نمایاں مقام پر پہنچ جائے' اُسے نازاں اور مفتخر نہیں ہونا چاہئے بلکہ وہ نوعِ انسانی سے مسکینیت اور فروتنی سے پیش آئے :

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ O (الحِجر : ۸۸)

"اور اہلِ ایمان (کی دلجوئی) کے لئے اپنے (شفقت و التفات کے) بازو جھکائے رکھئے۔" (۱۵ : ۸۸)

"اِس آیت سے یہ بھی ظاہر ہے کہ انکساری اور مسکینیت صرف مسلمانوں ہی سے ہونی چاہئے کیونکہ وہی اس کے مستحق ہیں۔ جہاں تک کفار اور ملحدین کا تعلق ہے، اگر وہ ہم سے برسرِ پیکار نہیں ہیں یا ہمیں کسی بھی طرح کوئی نقصان یا ضرر پہنچانے کا ارادہ نہیں رکھتے، تو ہمارا اُن کے ساتھ رویّہ موقع و محل کے مطابق مہذبانہ اور تحمل کا ہونا چاہئے اور اُن سے نرمی اور محبت اور عظمت کے رویّے کا اظہار ہونا چاہئے۔ لیکن اُن کے کفر اور شرک کی وجہ سے وہ مسکینیت اور انکساری کے رویّہ کے مستحق نہیں ہیں۔ لہٰذا قرآن مجید میں انکساری کا رویّہ صرف مسلمانوں ہی سے کرنے کا حکم آیا ہے۔" ("The Quran and You" (Eng. Translation) .. Maulana Mohammad Manzoor Nomani, pp. 189, 190)

انکساری سے متعلق چند احادیثِ نبویہ : نبی آخرالزماں ﷺ نے فرمایا:

(۱) "کیا میں تمہیں اہلِ جنت کے بارے میں بتادوں؟ وہ بہت ہی مسکین اور منکسر المزاج ہیں۔ اور کیا میں تمہیں دوزخیوں کے متعلق بتادوں، وہ بہت ہی کمینے، غیر مہذب اور مغرور انسان ہیں۔" (بخاری، مسلم)

(۲) "جس کے دل میں رائی کے دانے جتنا بھی ایمان ہے، وہ دوزخ میں نہیں جائے گا اور جس کے دل میں رائی کے دانے برابر بھی تکبر اور غرور ہے، جنت میں نہیں جائے گا۔" (صحیح مسلم)

(۳) "اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: تکبر میری چادر ہے پس جو بھی اُسے مجھ سے کھینچے گا میں اُسے دوزخ میں جھونکوں گا۔" (صحیح مسلم)

(۴) "وہ بندہ بُرا ہے جو مغرور ہے، اِتراہٹ اور بناوٹ سے پیش آتا ہے اور ارفع و اعلیٰ ترین، انتہائی عظیم اللہ کو بھول جاتا ہے۔" (ترمذی ؛ شعب الایمان للبیہقی)

(32) قول و فعل میں مکمل مطابقت کی تاکید : قول و فعل میں مطابقت کا نہ ہونا منافقت کا دوسرا نام ہے جو اللہ کی نظر میں انتہائی مکروہ اور ناپسندیدہ بات ہے اور مسلمان کے شایانِ شان نہیں۔ اس قابلِ نفرت فطرت کی مذمت کرتے ہوئے قرآن مجید نے سورۃ الصّفّ میں اس طرح تنبیہ کی ہے :

يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللهِ أَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝

"اے ایمان والو! ایسی بات کہتے کیوں ہو جو کرتے نہیں ہو۔ اللہ کے نزدیک یہ بات بہت ناراضی کی ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔" (۶۱ : ۳ ، ۲)

(33) سماج میں ہر قسم کی فریب دہی اور بے ایمانی کے معاملات کی بندش:

وَلَا تَأْكُلُوْا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ أَمْوَالِ

النَّاس بِالْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ہ (البقرة : ۱۸۸)
''اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر مت کھاؤ اُڑاؤ اور نہ اُسے حکام تک پہنچاؤ کہ جس سے لوگوں کے مال کا ایک حصہ تم گناہ سے کھا جاؤ درآنحالیکہ تم جان رہے ہو۔'' (۲ : ۱۸۸)

(34) اسلام میں ''کرے کوئی' بھرے کوئی'' کے نظریہ کی کوئی گنجائش نہیں :

وَمَن يَكْسِبْ خَطِيئَةً أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهِ بَرِيئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ہ (النساء:۱۱۲)
''اور جو شخص کسی خطا یا گناہ کا ارتکاب کرے پھر اُس کی تہمت کسی بے گناہ پر لگا دے تو اُس نے یقیناً ایک بہتان اور کھلے گناہ (کے بوجھ) کو اٹھالیا۔'' (۴ : ۱۱۲)

(35) تحفہ سلام اسلامی معاشرے کا طغرائے امتیاز ہے :

وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا إِنَّ اللهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًاہ
''اور جب (کسی لفظ) سلام کے ذریعے تمہاری تکریم کی جائے تو تم (جواب میں) اُس سے بہتر لفظ کے ساتھ) سلام پیش کیا کرو یا (کم از کم) وہی (الفاظ جواب میں) لوٹا دیا کرو' بے شک اللہ ہر چیز پر حساب لینے والا ہے۔'' (۴ : ۸۶)

بنیادی طور پر یہی وہ حکم ہے جو اسلامی معاشرے میں اخوت و محبت قائم کرنے کا ذمہ دار ہے اور جو مسلمان علاقوں میں عام ہے اور جس کے مشاہدے پر ایک برطانوی خاتون اُسے خراجِ تحسین دئے بغیر نہ رہ سکی اور کہہ اٹھی:

''اَلسلام علیکم'' ایک دوسرے کو سلام کہنے کے یہ نرم و شریف الفاظ کانوں میں رس گھولتے ہیں۔ اُس ذہنی چابکدستی کے مشاہدہ میں یہ خوش کن بات ہے جس کے ساتھ دو دوست سلام کہنے میں ایک دوسرے سے مسابقت کی کوشش کرتے ہیں اور اُن میں سے ہر ایک سلام کہنے میں دوسرے سے پہل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔۔۔ آقا و غلام' امیر و غریب' پڑھا لکھا اور جاہل ایک دوسرے کو سلام کہتا ہے اور دونوں طرف سے برابر کا وقار ہوتا ہے اور جس میں کسی کی بھی خودداری کو ذرّہ بھر آنچ نہیں آتی۔''
("Pilgrimage to Mecca" ... Lady Cobbald, p. 60)

(36) عفو و درگزر : اعلیٰ درجے کی اخلاقی نیکی اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی نمایاں صفت ہوتے ہوئے دونوں دنیاؤں میں اس کا ثواب بہت زیادہ ہے۔ ''خطا کاری انسان کا خاصہ ہے'' ایک آفاقی صداقت ہے اور خالق و مالک لوگوں سے توقع کرتا ہے کہ وہ اپنے ابنائے جنس کی جانب سے کی گئی شرارتوں اور اشتعال انگیزیوں کو کھلے دل سے معاف کر دیا کریں بالخصوص اُس وقت جب وہ انتقام لینے اور ظالم کو اُس کی کمینگی کی سزا دینے پر قادر

ہوں۔ بلندی کردار کی عظمت کے اس پہلو پر زور دیتے ہوئے قرآن حکیم مسلمانوں کو اس کی یوں ترغیب دیتا ہے:

(۱) وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللهُ لَكُمْ (اَلنُّور: ۲۲)

''اُنہیں چاہئے کہ معاف کر دیا کریں اور درگزر کیا کریں' کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں بخش دے؟'' (۲۴ : ۲۲)

(۲) وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ O (اَلشُّورٰی: ۴۳)

''اور جو شخص صبر کرے اور معاف کر دے تو یقیناً یہ بلند ہمت کاموں میں سے ہے۔'' (۴۳ : ۴۲)

قرآنِ حکیم معاف کر دینے کے اس وصف کو اللہ کے مخلص بندوں کا امتیازی نشان بتاتا ہے:

(۱) اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ (آلِ عمران: ۱۳۴)

''وہ جو فراغت اور تنگی (دونوں حالتوں میں) خرچ کرتے ہیں' اور غصہ کے ضبط کرنے والے ہیں' اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں۔'' (۱۳۴ :۳)

(۲) اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِيْمٌ O وَمَا يُلَقّٰهَا اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقّٰهَا اِلَّا ذُوْحَظٍّ عَظِيْمٍ O (فُصِّلت: ۳۵،۳۴)

''آپ نیکی سے (بدی کو) ٹال دیا کیجئے تو پھر یہ ہوگا کہ جس شخص میں اور آپ میں عداوت ہے' وہ ایسا ہو جائے گا جیسا کوئی جانی دوست ہوتا ہے۔ اور یہ بات اُنہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو صبر کرتے رہتے ہیں اور اُسی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑا صاحبِ نصیب ہوتا ہے۔'' (۳۵،۳۴ :۴۱)

بدی کا بدلہ بدی سے دینے میں دشمنی بڑھتی ہے اور اس کا بدلہ نیکی سے کرنے میں (بہ شرطِ سلامتِ طبع) دشمنی گھٹتی ہے۔ 'کَاَنَّہٗ' کے لفظ نے یہ صاف کر دیا کہ یہ ضروری نہیں کہ اس برتاؤ کے بعد وہ دشمن دوست بن جائے' البتہ دوست کے مشابہ ضرور ہو جائے گا۔ مشہور غیر مسلم لیڈر گاندھی جی نے جو اپنا فلسفۂ شانتی اور اہنسا کا چلایا' عجب نہیں کہ اُس کا ماخذِ اصلی یہی آیاتِ قرآن ہوں۔

آیاتِ مذکورہ میں تمام داعیانِ حق کو ارشاد ہو رہا ہے کہ جس جنگ میں تم شریک ہو' اُسے جیتنے کا واحد گُر یہ ہے کہ لوگ تم سے برائی کریں تو تم اُس کا بدلہ صرف نیکی سے نہیں بلکہ بہترین نیکی سے دو۔ لوگ تم پر پتھر برسائیں۔ پتھر کھا کر پتھر نہ مارنا نیکی تو ہے لیکن اُن پر پھول برسانا تمہارا شیوہ ہونا چاہئے۔ لوگ تمہیں گالیاں دیں' تم پر جھوٹے بہتان تراشیں' تمہارے خلاف غلط الزامات لگائیں اور پھیلائیں اور تم چپ رہو' تو یہ بھی قابلِ تعریف بات ہے لیکن لطف تو تب ہے کہ تم رات کو اُٹھ اُٹھ کر سجدہ میں سرِ نیاز رکھ کر اُن کی ہدایت پذیری کے لئے دعائیں مانگو۔

عفوو درگزر کی اس خصوصیت کو کچھ لوگوں نے متعلقہ آدمی کی کمزوری اور کوتاہ نظری پر محمول کیا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ معاف کردینا مسلمان کا قابلِ ستائش وصف ہے لیکن اگر کوئی اسے کمزوری سمجھے اور ''ادلے کا بدلہ'' کی اہلیت سے عاری سمجھے تو ایسے مواقع پر اسلام ظالم کو نہ صرف بدلہ لینے کی اجازت دیتا ہے بلکہ اُسے یہ ترغیب دیتا ہے کہ وہ حد سے تجاوز کرنے والے کو ایسا ناقابلِ فراموش سبق سکھادے کہ اُس کا دماغ ٹھکانے آجائے:

وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُونَ ○ وَ جَزآءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَ أَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللهِ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ○ وَ لَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَأُولٰئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيلٍ ○ إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ أُولٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ○ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ○ (اَلشّورٰی : ۳۷۔۴۳)

'' اور وہ لوگ کہ جب اُنہیں (کسی ظالم و جابر) سے ظلم پہنچتا ہے تو (اُس سے) بدلہ لیتے ہیں۔ اور بُرائی کا بدلہ اُس بُرائی کی مثل ہوتا ہے، پھر جس نے معاف کر دیا اور (معافی کے ذریعے) اصلاح کی تو اُس کا اجر اللہ کے ذمّہ ہے، بے شک وہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔ اور یقیناً جو شخص اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد بدلہ لے تو ایسے لوگوں پر (ملامت و گرفت) کی کوئی راہ نہیں ہے۔ بس (ملامت و گرفت کی) راہ صرف اُن کے خلاف ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق سرکشی و فساد پھیلاتے ہیں، ایسے ہی لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اور یقیناً جو شخص صبر کرے اور معاف کردے تو بے شک یہ بلند ہمت کاموں میں سے ہے۔'' (۳۹۔۴۳ : ۴۲)

یہاں تصویر کے دونوں رخ دکھادئے گئے ہیں کہ اگرچہ ہر شخص کو قانوناً یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے پر کئے گئے ظلم و تشدد یا نقصان کا جائز طور پر بدلہ لے لے لیکن اُس کے لئے زیادہ قابلِ تحسین بات یہ ہے کہ وہ اپنے پر کی گئی زیادتی کو صرف رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر نظر انداز کرتے ہوئے خطاکار کو معاف کردے۔

مسلمان فقہاء کا یہ بھی فیصلہ ہے کہ عادی مجرم کے جرم کو نظر انداز کرنا اور اُسے معاف کرنا جائز نہیں ہے ورنہ اُس کی خباثت سماجی نظام کو تہ و بالا کر کے رکھ دے گی اور ایسے لوگوں کو اگر معافی دی جاتی رہے تو کوئی شخص بھی اُن کی بدفطرت سے محفوظ نہیں رہ سکے گا۔ قرآنِ حکیم ایسے مواقع پر انتقام کی بلا روک ٹوک اجازت دیتا ہے اور فرماتا ہے:

وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ (اَلنّحل : ۱۲۶)

''اور اگر تم سزا دینا چاہو تو اتنی ہی سزا دو جس قدر تمہیں تکلیف دی گئی۔'' (۱۲۶ : ۱۶)

مسلمان فقہاء کا یہ بھی فیصلہ ہے کہ عفوو درگزر کے اصول کا اطلاق انفرادی صورتوں میں ہوگا بالخصوص جب (۱) مجرم عادی نہ ہو اور (۲) مجرم کا جرم سماج کے عمومی مفادات کے لئے ضرر رساں نہ ہو۔ اجتماعی

صورتوں میں جہاں مجرم کا جرم سماج کے عمومی مفادات کے لئے ضرر رساں ہو تو معاف کر دینے کا سوال بالکل پیدا نہیں ہوتا۔ برائیوں کے سدِّ باب کے لئے یہاں قدرتی انصاف (Poetic Justice) اپنے پورے تحکم کے ساتھ رُو بہ عمل ہو کے رہے گا۔

(37) نجی گفتگو عفت و حیا اور بے گناہی سے ہو: جس کی بابت مسلمانوں کو حکمِ ربانی ہوا:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَ تَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَ التَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ O (اَلْمجادلة : ۹)

"مومنو! جب تم آپس میں سرگوشی کرو تو گناہ اور ظلم و سرکشی اور نافرمانیِ رسالت مآب (ﷺ) کی سرگوشی نہ کیا کرو اور نیکی اور پرہیزگاری کی بات ایک دوسرے کے کان میں کہہ دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کی طرف تم سب جمع کئے جاؤ گے۔" (۹ : ۵۸)

(38) دشمن سے بھی کئے گئے عہد و پیمان اور معاہدوں کی تکمیل ہونی چاہئے: آیات ملاحظہ ہوں:

(۱) يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ (المائدة : ۱)

"اے ایمان والو! (اپنے) عہد پورے کرو۔" (۱ : ۵)

(۲) اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْئًا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ O (التوبة : ۴)

"سوائے اُن مشرکوں کے جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا پھر اُنہوں نے تمہارے ساتھ (اپنے عہد کو پورا کرنے میں) کوئی کمی نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلہ پر کسی کی مدد کی، تو تم اُن کے عہد کو اُن کی مقررہ مدت تک اُن کے ساتھ پورا کرو، بے شک اللہ پرہیزگاروں کو پسند کرتا ہے۔" (۹:۴)

(39) ایثار پسندی کی معاونت (ذاتی مفادات کی قربانی کی فراوانی):

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِىْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ O (الحشر : ۹)

"(یہ مال اُن انصار کے لئے بھی ہے) جنہوں نے اُن (مہاجرین) سے پہلے ہی شہر (مدینہ) اور ایمان کو گھر بنا لیا تھا۔ یہ لوگ اُن سے محبت کرتے ہیں جو اُن کی طرف ہجرت کر کے آئے ہیں اور یہ اپنے سینوں میں اُس (مال) کی نسبت کوئی طلب (یا تنگی) نہیں پاتے جو اُن (مہاجرین) کو دیا جاتا ہے اور اپنی جانوں پر اُنہیں ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود اُنہیں شدید حاجت ہی ہو اور جو شخص اپنے نفس کے بخل سے بچا لیا گیا، پس وہی لوگ ہی بامراد و کامیاب ہیں۔" (۵۹:۹)

(40) حسد کی ممانعت: کسی سے حسد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر راضی نہیں ہیں کہ اُس نے فلاں شخص کو وہ نعمت کیوں دے دی۔ گویا کہ حاسد اپنے اس عمل سے اللہ کے خلاف عدمِ اعتماد کی تحریک (No Confidence Motion) پاس کرتا ہے۔ اس لئے اس کی ممانعت کی گئی اور فرمایا گیا:

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ (النسآء: ۳۲)

''اور ایسے امر کی تمنا نہ کیا کرو جس میں اللہ نے تم میں سے ایک کو دوسرے پر بڑائی دی ہے۔ مردوں کے لئے اُس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا اور عورتوں کے لئے اُس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا۔ اور اللہ سے اُس کے فضل کی طلب کیا کرو۔'' ☆ (۴ : ۳۲)

یہ آیت نوعِ انسانی کی حتمی مساوات کے فرضی قصہ کو بھی بے بنیاد ثابت کر رہی ہے کیونکہ کچھ لوگوں کو مال میں، کچھ کو علم میں، کچھ کو ذہانت میں اور کچھ کو فنونِ مختلفہ میں ایک دوسرے پر سبقت و فوقیت حاصل ہے۔

(41) تقویٰ اور خوفِ خدا: اللہ سے خوف کا دوسرا نام اُس سے ایسی شدید محبت کرنا ہے کہ آپ کسی ایسے کام کے کرنے سے ڈریں جو اللہ کی خوشنود کے خلاف ہو۔ اگرچہ اللہ آپ کو جسمانی آنکھ سے نظر نہیں آتا لیکن آپ وہ کام اس لئے کر گزرتے ہیں کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے اپنے دل میں موجود ہونے کا شدید طور پر احساس ہوتا ہے۔ آپ کے اعمالِ صالحہ حُبِّ الٰہی کی خاطر ہیں نہ کہ لوگوں کے دکھاوے کے لئے۔ محبت کی ایسی شدّت خالق کے عفو و درگزر اور اُس کی بخشش کا حصول کر لیتی ہے اور حُبِّ الٰہی اُسے نصیب ہو جاتی ہے جو ناقابلِ پیمائش حد تک قابلِ قدر اور قیمتی ہے اور تمام اُن خوبیوں سے ماوراء ہے جن کے آپ مالک ہیں۔ قرآن فرماتا ہے:

(۱) اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ○ (المُلک: ۱۲)

''بے شک جو لوگ بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اُن کے لئے بخشش اور بڑا اجر ہے۔'' (۶۷ :۱۲)

(۲) وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ○ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ○ (النازعت: ۴۰، ۴۱)

''اور جو شخص اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرتا رہا اور اپنے نفس کو (بُری) خواہشات و شہوات سے روکے رکھا تو بے شک جنت ہی (اُس کا) ٹھکانہ ہوگا۔'' (۴۰، ۴۱ : ۷۹)

ایک مرتبہ ختمی مرتبت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ایک صحابی کو یوں نصیحت فرمائی:

☆ اللہ تعالیٰ بہت بڑا عادل اور منصف ہے کہ تمام نظامِ کائنات اُس کے قانونِ ''عدل'' پر جاری و ساری ہے۔ لیکن پورے قرآن پاک میں اُس کا عدل کہیں بھی نہیں مانگا گیا بلکہ ہر جگہ یہی کہا گیا کہ مجھ سے میرا فضل اور میری رحمت طلب کیا کرو۔ کیونکہ اگر وہ عدل پر آ جائے تو لوگوں کی قطاریں لگ جائیں اور کوئی بھی اُس کے ''مکافاتِ عمل'' کے قانون سے نہ بچ سکے۔

اِتَّقِ اللّٰہَ حَیْثُمَا کُنْتَ وَاتَّبِعِ السَّیِّئَۃَ الْحَسَنَۃَ تَمْحُھَا

''تم جہاں کہیں بھی ہو' اللہ کا خوف رکھو اور گناہ کرنے کے بعد نیکی کر ڈالو' وہ اُس گناہ کو مٹا ڈالے گی۔''

(42) مال و دولت بطور معاونت اور ذریعہ معاش: قابلِ قدر ہے' اُسے غیر سنجیدہ' کھلنڈرے انداز میں ضائع نہیں کرنا چاہیے :درج ذیل آیت عیاش لوگوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے:

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَھَآءَ اَمْوَالَکُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰہُ لَکُمْ قِیَامًا (النساء : ۵)

''اور تم بے سمجھوں کو اپنے مال ☆ سپرد نہ کرو جنہیں اللہ نے تمہاری معیشت کی استواری کا سبب بنایا ہے۔''

(43) مسلمان کے تمام اقوال و افعال منشائے الٰہی کے مطابق :مسلمان اپنے ہر پیش نہادہ کام اور معاملہ میں اِنْ شاءَ اللّٰہ اور مَا شَاءَ اللّٰہ کے الفاظ رب تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کہتا ہے کیونکہ ہمارے ہر منصوبہ اور ہر عمل کا انحصار اللہ کی رضا اور اُس کی مشیت پر موقوف ہے۔ اُس کا آفاقی ارادہ تمام معاملات پر فائق ہے۔ اللہ پر انحصار کرنے کے بغیر آدمی کو مایوسی اور ناامیدی کے سوا کچھ نہیں ملتا اگرچہ وہ کتنا ہی طاقتور و توانا اور باوسائل (طبّاع) کیوں نہ ہو۔

(44) آدابِ مجلس میں ایک اور اخلاقی قدر کا اضافہ :سورۃ المجادلۃ میں ارشاد ہوا :

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْٓا اِذَا قِیْلَ لَکُمْ تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا یَفْسَحِ اللّٰہُ لَکُمْ وَاِذَا قِیْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ آمَنُوْا مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ

''اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ (اپنی) مجلسوں میں کشادگی پیدا کر لو تو کشادہ ہو جایا کرو' اللہ تمہیں کشادگی عطا فرما دے گا اور جب کہا جائے کہ کھڑے ہو جاؤ تو کھڑے ہو جایا کرو' اللہ اُن لوگوں کے درجات بلند فرما دے گا جو تم میں سے ایمان لائے اور جنہیں علم سے نوازا گیا۔'' (۱۱ : ۵۸)

(ب) آدابِ ازدواج (Manners with Regard to Matrimony)

(ا) وَالْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَھُنَّ حَوْلَیْنِ کَامِلَیْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یُّتِمَّ الرَّضَاعَۃَ وَعَلَی الْمَوْلُوْدِ لَہٗ رِزْقُھُنَّ وَکِسْوَتُھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ لَا تُکَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَھَا لَا تُضَآرَّ وَالِدَۃٌ بِوَلَدِھَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّہٗ بِوَلَدِہٖ وَعَلَی الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِکَ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْھُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْھِمَا وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَکُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَیْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ (البقرۃ : ۲۳۳)

☆ اَمْوَالَکُمْ (تمہارے مال) کے لفظ میں نظریہ اشتراکیت (Communism) کا رد ہے جس میں ذاتی ملکیت کے حق کا ثبوت ہے جبکہ نظریہ اشتراکیت ذاتی ملکیت کے حق کو تسلیم نہیں کرتا۔

''اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال تک دودھ پلائیں۔ یہ (حکم) اُس کے لئے ہے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہے' اور دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور پہننا دستور کے مطابق بچے کے باپ پر لازم ہے' کسی جان کو اُس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہ دی جائے (اور) نہ ماں کو اُس کے بچے کے باعث نقصان پہنچایا جائے اور نہ باپ کو اُس کی اولاد کے سبب سے اور وارثوں پر بھی یہی حکم عائد ہوگا' پھر اگر ماں باپ دونوں باہمی رضامندی اور مشورے سے (دو برس سے پہلے ہی) دودھ چھڑانا چاہیں تو اُن پر کوئی گناہ نہیں اور پھر اگر تم اپنی اولاد کو (دایہ سے) دودھ پلوانے کا ارادہ رکھتے ہو' تب بھی تم پر کوئی گناہ نہیں جبکہ جو تم دستور کے مطابق دیتے ہو' اُنہیں ادا کر دو۔'' (۲ : ۲۳۳)

(۲) وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ وَ اَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَلَاتَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ O (البقرة : ۲۳۷)

''اور اگر تم نے اُنہیں چھونے سے پہلے طلاق دے دی جبکہ تم اُن کا مہر مقرر کر چکے تھے تو اُس مہر کا جو تم نے مقرر کیا تھا' نصف دینا ضروری ہے سوائے اس کے کہ وہ (اپنا حق) خود معاف کر دیں یا وہ (شوہر) جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے' معاف کر دے (یعنی بجائے نصف کے زیادہ یا پورا ادا کر دے) اور (اے مردو!) اگر تم معاف کر دو تو یہ تقویٰ کے قریب تر ہے اور (کشیدگی کے اِن لمحات میں بھی) آپس میں احسان کرنا نہ بھولا کرو' بے شک اللہ تمہارے ہر عمل پر نگاہ رکھنے والا ہے۔''

(۳) وَآتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـئًا مَّرِيْٓـئًا O

''تم بیویوں کو اُن کے مہر خوشدلی سے دے دیا کرو لیکن اگر وہ خوش دلی سے تمہارے لئے اس میں سے کوئی حصہ چھوڑ دیں تو تم اُسے مزیدار اور خوشگوار سمجھ کر کھاؤ۔'' (۴ : ۴)

(۴) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا O (النساء : ۱۹)

''اے ایمان والو! تمہارے لئے یہ حلال نہیں کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ اور اُنہیں اِس غرض سے نہ روکے رکھو کہ جو مال تم نے اُنہیں دیا تھا' اُس میں سے کچھ (واپس) لے جاؤ سوائے اس کے کہ وہ کھلی بدکاری کی مرتکب ہوں اور اُن سے اچھی بود و باش رکھو' پھر اگر تم اُنہیں ناپسند کرتے ہو تو ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اُس میں بہت سی بھلائی رکھ دے۔''

مردوں کا اپنی بیویوں کے ساتھ تعلق داری میں یہ اسلام کا بنیادی اصول ہے کہ بیویوں کی فروگزاشتوں اور کوتاہیوں کو برداشت اور نظرانداز کیا جائے اور اُن کے ساتھ تحمل اور بُردباری کا سلوک کیا جائے۔ اس بات

کو حیاتیاتی نقطہ نظر سے ملاحظہ کیجئے:

''عورتیں کبھی بھی اِن رکاوٹوں پر قابو نہیں پاسکیں گی جو اُن کے جسم کی فطرت میں گہرے طور پر رسی بسی ہیں۔ جو کوئی بھی عورت کے عضویات (Physiology) اور حیاتیات (Biology) سے واقف ہے' تو وہ اُس کے مزاج کی اچانک تبدیلی سے بہت کم ہی خفا اور بے چین ہوگا جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ غیر معقول قسم کی مزاج میں اشتعال انگیزیاں اور کسی تحریک و ترغیب کے بغیر ہوتی ہیں۔ اس بات کو سمجھتے ہوئے آدمی بیضوں کے خانوں کی اٹھانے والیوں سے گہری ہمدردی کرے گا جن کی زندگی میں ویسی ہی امنگیں خواہشات ہیں جیسی مردوں کی ہیں لیکن اُن پر زیادہ مشکل حیاتیاتی کام کا بوجھ ڈال دیا گیا ہے۔''

("Biological Tragedy of Women".. Nemilov, pp. 187, 188)

(۵) وَإِنْ أَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّ آتَيْتُمْ إِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا أَتَأْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّإِثْمًا مُّبِيْنًاO (النسآء : ۲۰)

''اور اگر تم ایک بیوی کے بدلے دوسری بیوی بدلنا چاہو اور تم اُسے ڈھیروں مال دے چکے ہو تب بھی اُس میں سے کچھ واپس نہ لو۔ کیا تم ظلم و دہشت کے ذریعے اور کھلا گناہ کر کے وہ مال (واپس لوگے)؟''

(۶) وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ وَ أُحْضِرَتِ الْأَنْفُسُ الشُّحَّ وَ إِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًاO وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْا أَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ (النساء : ۱۲۸، ۱۲۹)

''اور اگر کوئی عورت اپنے شوہر کی جانب سے زیادتی یا بے رغبتی کا خوف رکھتی ہو تو دونوں (میاں بیوی) پر کوئی حرج نہیں کہ وہ آپس میں کسی مناسب بات پر صلح کرلیں اور صلح (درحقیقت) اچھی چیز ہے اور طبیعتوں میں (تھوڑا بہت) بخل (ضرور) رکھ دیا گیا ہے اور اگر تم احسان کرو اور خدا خوفی اختیار کرو تو بے شک اللہ اُن کاموں سے جو تم کر رہے ہو (اچھی طرح) باخبر ہے۔ اور تم سے تو یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ تم بیویوں کے درمیان (پورا پورا) عدل کرو خواہ تم اس کی (کیسی ہی) خواہش رکھو' تو تم بالکل ایک ہی طرف نہ ڈھلک جاؤ کہ اُسے لٹکی ہوئی کی طرح چھوڑ دو۔'' (۴ : ۱۲۸، ۱۲۹)

آیتِ بالا (۱۲۹) میں پنہاں مقصد اپنی فطرت میں نہ صرف اَخلاقی اقدار پر مبنی ہے بلکہ دراصل وہ اجازتی شق (Permissive Clause) کو منسوخ یا مسترد کرنے کا کام دے رہا ہے۔ مزید وضاحت کے ساتھ اسے یوں سمجھئے کہ اگر کوئی شخص تمام بیویوں سے انصاف اور مساوی سلوک نہیں کرسکتا تو وہ ایک سے زیادہ بیوی نہیں رکھ سکتا۔

شرطیہ شِق کا اجازتی شِق کے ساتھ اضافہ ہونے سے الٰہی حکم کی تعمیل فی الواقع واجب ہو جاتی ہے اور اس کے تقاضوں کی عدمِ تعمیل میں آدمی اسلامی قانون سے انحراف کا موردِ الزام ٹھہرتا ہے۔ لہٰذا قانون کو بذاتِ خود ہر لحاظ سے کثیر التعداد بیویوں کا مانع سمجھنا چاہیئے۔

بد قسمتی سے شرطیہ حصّے کو نظر انداز کردینے سے اُس کی اجازتی شِق کو ہر زمانے میں مسلم طبقۂ رؤساء نے اکثر غلط طور پر استعمال کیا ہے اور اس کا استحصال کیا ہے اور اس استحصالی عمل نے مغربی مبلّغین کی جانب سے اسلام کے خلاف نہ رکنے والی دل خراش تنقید کی یلغار کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ لہٰذا ایسے مسلمانوں کی کوتاہیوں کو مذہب اسلام کی طرف منسوب کرنا ایسے ہی نامناسب اور ناروا ہے جیسے مغرب میں عام پھیلے ہوئے اخلاقی بگاڑ کو عیسائیت کی طرف منسوب کرنا درست نہیں ہے۔ اگر قانون شکنی میں قانون کے ڈھیلے پن اور نرمی سے چشم پوشی کی جاتی ہے تو قانون کو موردِ الزام نہیں ٹھہرایا جاتا۔

(۷) اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَاتُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْاعَلَيْهِنَّ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْاعَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗ اُخْرٰى ○ لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا اٰتَاهُ اللّٰهُ (الطلاق : ۶، ۷)

''اُن (مطلقات) کو اپنی حیثیت کے موافق رہنے کا مکان دو جہاں تم رہتے ہو اور تنگ کرنے کے لئے اُنہیں تکلیف نہ پہنچاؤ اور اگر وہ حمل والیاں ہوں تو اُنہیں اُن کے وضعِ حمل تک خرچ دیتے رہو، پھر وہ اگر تمہارے لئے رضاعت کریں تو اُنہیں اُن کی اجرت دو اور باہم مناسب طور پر طے کرلیا کرو اور اگر تم باہم کشمکش کرو گے تو رضاعت کوئی دوسری کرے گی۔ وسعت والے کو خرچ اپنی وسعت کے مطابق کرنا چاہیئے اور جس کی آمدنی کم ہو تو اُسے چاہیئے کہ اللہ نے جتنا اُسے دیا ہے، اُس میں سے خرچ کرے۔'' (۶، ۷ : ۶۵)

''جدائی کے معاً بعد بھی شریعت کا حکم ہے کہ عدت بھر سابق بیوی کا اعزاز واکرام برقرار رکھا جائے۔ عام مطلقہ بیویوں کے لئے عدّت کی میعاد تین ماہ کی ہے لیکن اگر بیوی حاملہ ہے تو اُس کی میعادِ عدّت وضعِ حمل ہے۔ بچہ اگر دوسرے ہی دن پیدا ہو جائے تو عدّت اُسی وقت ختم ہو جائے گی اور زچگی کے انتظار میں اگر چھ ماہ لگ جائیں، جب بھی عدّت ختم نہ ہوگی، قائم رہے گی۔ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ یعنی مطلقہ بیویوں کی رہائش کے لئے صرف مکان ہی نہیں دینا بلکہ عدّت بھر اُن کے کھانے پینے وغیرہ کے ضروری مصارف بھی شوہر کے ذمہ واجب ہیں۔--- یہ ہیں اُس شریعت کے احکام جسے ظالموں نے ''سخت'' مشہور کر رکھا ہے۔ میں بقسم کہتا ہوں کہ دنیا میں کوئی شریعت ہر مخلوق کے حق میں عدل کرنے والی اور کمزوروں کے حق میں رحیم وشفیق اسلامی شریعت سے بڑھ کر نہیں مل سکتی۔'' (ماجدی ص ۱۱۱۸)

(ج) تجارتی آداب

(۱) تمام معاہدے اور بیان تحریری شکل میں ہونے چاہئیں: سورۃ البقرۃ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوا:

وَلَا تَسْـَٔمُوٓا۟ أَن تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَىٰٓ أَجَلِهِۦ ذَٰلِكُمْ أَقْسَطُ عِندَ ٱللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَٰدَةِ وَأَدْنَىٰٓ أَلَّا تَرْتَابُوٓا۟ إِلَّآ أَن تَكُونَ تِجَٰرَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا وَأَشْهِدُوٓا۟ إِذَا تَبَايَعْتُمْ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ (البقرۃ: ۲۸۲)

''معاملہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، میعاد کی تعیین کے ساتھ اُس کی دستاویز لکھوا لینے میں غفلت نہ کیا کرو۔ اللہ کے نزدیک یہ طریقہ تمہارے لئے زیادہ مبنی بر انصاف ہے۔ اس سے شہادت قائم ہونے میں زیادہ سہولت ہوتی ہے اور تمہارے شکوک وشبہات میں مبتلا ہونے کا امکان کم رہ جاتا ہے۔ ہاں جو تجارتی لین دین تم لوگ آپس میں دست بدست کرتے ہو، اُسے اگر نہ لکھا جائے تو کوئی حرج نہیں اور تجارتی معاملے طے کرتے وقت گواہ کرلیا کرو، کاتب اور گواہ کو نقصان نہ دیا جائے۔'' (۲۸۲ : ۲)

''آیت کا پہلا حصّہ اُن معاملات سے متعلق ہے جن میں رقم کی ادائی بعد میں ہوتی ہے جبکہ اس کا دوسرا حصّہ اُن معاملات سے متعلق ہے جن میں رقم کی ادائی اور سامان کی سپردگی موقع پر ہوتی ہے۔ اوّل الذکر کی مثال یہ ہے کہ سامان ابھی دے دیا گیا اور رقم کی ادائی کا وعدہ بعد کا کیا گیا، یا یہ کہ رقم ابھی ادا کردی گئی اور مال کی مستقبل میں سپردگی کا معاہدہ طے پایا۔ ایسی صورتوں میں تحریری دستاویز کر لینے کی ہدایت کی گئی ہے۔ مؤخر الذکر قسم یعنی رقم کی فوری ادائی اور مال کی موقع پر سپردگی میں تحریری دستاویز کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن ایسے معاملات میں زبانی گواہ ہونے کی ہدایت کی گئی ہے۔'' (عبداللہ یوسف علی، نوٹ : ۳۲۹)

(۲) صحیح توازن کے ساتھ ناپ تول کی تاکید: تجارتی اخلاقیات کو کنٹرول کرنے والا یہ ناگزیر اور ناقابلِ فرار اصول ہے جس کی بابت قرآن مجید نے بہت زیادہ تاکید کی ہے اور فرمایا ہے:

(i) وَيَٰقَوْمِ أَوْفُوا۟ ٱلْمِكْيَالَ وَٱلْمِيزَانَ بِٱلْقِسْطِ ۖ وَلَا تَبْخَسُوا۟ ٱلنَّاسَ أَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا۟ فِى ٱلْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۝ (ھود: ۸۵)

''اور اے میری قوم! ناپ اور تول پورا پورا کیا کرو اور لوگوں کا اُن کی چیزوں میں نقصان مت کیا کرو اور زمین میں فساد کرتے نہ پھرو۔'' (۸۵ : ۱۱)

(ii) وَأَوْفُوا ٱلْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوا۟ بِٱلْقِسْطَاسِ ٱلْمُسْتَقِيمِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۝

''اور ناپ پورا رکھا کرو جب (بھی) تم (کوئی چیز) ناپو اور (جب تولنے لگو تو) سیدھے ترازو سے تولا کرو، یہ (دیانتداری) بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے (بھی) خوب تر ہے۔'' (۳۵ : ۱۷)

صحیح ناپ تول نہ صرف بذاتِ خود ایک اچھی بات ہے بلکہ انجام کار اُس شخص کی روحانی اور مادّی منفعت کے لئے بھی ممد و معاون ثابت ہوتا ہے۔

(iii) اَوۡفُوا الۡكَيۡلَ وَلَا تَكُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُخۡسِرِيۡنَ O وَ زِنُوۡا بِالۡقِسۡطَاسِ الۡمُسۡتَقِيۡمِ O وَلَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡيَآءَهُمۡ وَلَا تَعۡثَوۡا فِى الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِيۡنَ O (اَلشُّعراء : ۱۸۱۔۱۸۳)

''تم لوگ پورا ناپا کرو اور نقصان پہنچانے والے نہ بنو اور صحیح ترازو سے تولا کرو اور لوگوں کا نقصان اُن کی چیزوں میں نہ کیا کرو اور ملک میں فساد مت مچایا کرو۔'' (۱۸۱۔۱۸۳ : ۲۶)

قرآن مجید واضح طور پر بتاتا ہے کہ ناپ تول میں کمی عوام الناس کے فطری اور جائز حقوق کا غصب کرنا ہے۔ وہ جب استحصال کرنے والوں کے خودغرضانہ مال بٹورنے کے ہتھکنڈوں سے تنگ آجاتے ہیں تو اُن کے ظلم و جبر کے خلاف بغاوت کر کے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور اُن کی نہ رُکنے والی پیشقدمی تمام سماج کے اقتصادی نظام کو تہ و بالا کر کے رکھ دیتی ہے اور وہ مکمل طور پر تباہ ہو کے رہ جاتی ہے۔ قرآن مجید کے نزدیک اُن کی اِس فریب کاری کے عمل کا دوسرا نام زمین میں فساد پھیلانا ہے جیسا کہ اوپر سورہ ھود کی آیت ۸۵ اور سورۃ الشُّعَراء کی آیت ۱۸۳ میں بیان ہوا۔ سورۃ التَّطۡفِيۡف (۸۳) میں قرآن نے ایک بار پھر کہا:

وَيۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِيۡنَ O الَّذِيۡنَ اِذَا اكۡتَالُوۡا عَلَى النَّاسِ يَسۡتَوۡفُوۡنَ O وَاِذَا كَالُوۡهُمۡ اَوۡ وَّزَنُوۡهُمۡ يُخۡسِرُوۡنَ O (التَّطفيف : ۱۔۳)

''(ناپ تول میں) کمی کرنے والوں کے لئے بڑی ہلاکت ہے کہ جب لوگوں سے ناپ کرلیں تو پورا پورا لے لیں اور جب اُنہیں ناپ کر یا تول کر دیں تو گھٹا کر دیں۔'' (۱۔۳ : ۸۳)

بعض محققین نے تَطۡفِيۡف کو عام اور وسیع معنوں میں لیا ہے یعنی کمی اور کوتاہی کو صرف وزن و پیمائش کی چیزوں تک محدود نہیں رکھا بلکہ طاعت و عبادت کی ہر چیز کو اس میں داخل کیا ہے جیسا کہ چوری صرف مال ہی میں نہیں، ہر شے میں ممکن ہے۔ ایک حدیثِ مبارکہ میں رکوع اور سجدے کو صحیح طور پر ادا نہ کرنے والے کو رکوع اور سجدے کا چور کہا گیا ہے۔

دینا اتنا کم اور مانگنا اتنا زیادہ انتہائی بے انصافی کی روح ہے جس کی یہاں مذمّت کی گئی ہے۔ فانی انسان کس منہ سے اپنے خالق کی محبت و رحمت کا طلبگار ہو سکتا ہے جبکہ وہ خود اُسے اَبنائے جنس کو دینے کے لئے تیار نہیں؟ اس طرح قرآن مجید ہمیں ''جیسے کو تیسا'' کا اصول بتا رہا ہے۔

(۳) آجر کا اپنے ملازمین کو مشکل میں نہ ڈالنا : موسیٰ اور شعیب علیہما السلام کا قصہ بہترین مثال

ہے جب شعیب علیہ السلام نے آجر کی حیثیت سے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا:

وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَشُقَّ عَلَيْكَ (اَلْقَصَص : ۲۷)

''اور میں تم پر کوئی سختی نہیں چاہتا۔'' (۲۸ : ۲۷)

(۴) بہترین تکمیل کے نتائج کے حصول کے لئے تیار کردہ چیزوں میں مہارتِ تامہ دکھانا:

کسی چیز کو حکمت و مہارت سے مضبوط اور پائیدار بنانے کو عربی میں اَتْقَنَ کہتے ہیں۔ رب تعالیٰ نے جو بھی چیز بنائی' اُسے ایسا مضبوط اور مستحکم بنایا کہ وقت سے پہلے بوسیدگی یا ٹوٹ پھوٹ کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔ آسمان ہزاروں صدیوں سے یونہی تنا ہوا ہے اور اُس کا کوئی گوشہ مرمت طلب نہیں۔ پانی کی مقدار جو اُس نے پہلے دن پیدا فرمائی' ساری دنیا اُسے استعمال کر رہی ہے لیکن اُس کے استعمال میں کمی نہیں ہوئی اور نہ ہی مزید پانی بنانے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور نہ ہوگی۔ ہوا کا جو ذخیرہ روزِ اوّل سے فراہم کیا گیا' ساری چیزیں اُس میں سانس لے رہی ہیں لیکن اُس میں کمی نہیں ہوئی اور نہ ہوگی۔ ہر چیز ہمیں بتا رہی ہے کہ وہ اللہ کی قدرت کا شاہکار ہے:

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ (اَلنَّمل : ۸۸)

''(یہ) اللہ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو (حکمت و تدبیر کے ساتھ) مضبوط و مستحکم بنا رکھا ہے۔'' (۲۷:۸۸)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک ارشادِ گرامی بھی سماعت فرمایئے تاکہ آپ کو معلوم ہو کہ آپ کا نبی مکرّم ﷺ اِس بات کو کتنا پسند کرتا ہے کہ آپ ﷺ کا اُمتی جو کام کرے' اُس میں اپنی فنی پختگی اور صنعتی مہارت کا ناقابلِ تردید ثبوت بہم پہنچائے۔ کسی کام کو نیم دلی اور بے توجہی سے کرنا یا اُس میں کوئی خامی اور نقص باقی رہنے دینا ہمارے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہرگز پسند نہیں۔ آپ کا ارشادِ گرامی ہے:

رَحِمَ اللّٰهُ مَنْ عَمِلَ عَمَلاً فَاَتْقَنَهٗ

''خداوندِ عالم اُس پر رحم کرے جو جس کام کو کرے' بڑی عمدگی سے کرے۔''

پختگی' پائیداری اور نفاست غرض کون سی ایسی چیز ہے جس کا ذکر اِس مختصر سے جملہ میں نہ آ گیا ہو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے غلاموں سے اِسی چیز کی توقع رکھتے ہیں اور اسی کی تلقین فرماتے ہیں۔ فنی' صنعتی اور دیگر میدانوں میں کام کرنے والوں کو چاہئے کہ اِس حدیث کو لکھ کر اپنے سامنے آویزاں کریں۔ علامہ اقبال نے بھی کیا خوب فرمایا ہے:

ع   نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر

(۱۴۹) آدابِ گفتگو (Manners in Speech)

انسان کی زبان اگرچہ گوشت کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہے لیکن وہ انسان کے صحیفہ اعمال کو بنانے یا بگاڑنے میں نمایاں کردار ادا کرتی ہے۔ انسان کی زبان سے نکلا ہوا ہر ہر لفظ کِرامًا کاتِبیْن نامی فرشتے درج کر لیتے ہیں (بحوالہ سورۃ الانفطار:۱۱) جن کی بابت سورہ قٓ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوا :

مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌO (قٓ : ۱۸)

"(انسان) منہ سے کوئی بات نہیں کہنے پاتا مگر اُس کے پاس ایک نگہبان (لکھنے کے لئے) تیار رہتا ہے۔" (۱۸ : ۵۰)

اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاں کا یہ ضابطہ بتا کر مسلمان کے لئے راہِ عمل کتنی آسان کر دی ہے! آیت کا استحضار رہے تو مسلمان سے کبھی بھی گناہ صادر نہ ہو سکے کہ غفلت کی مہلت اُسے ایک پَل کے لئے بھی نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے نیک و مخلص بندوں کی خصوصیات گنواتے ہوئے قرآنِ کریم فرماتا ہے :

(۱) وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَO (المؤمنون : ۳)

"اور جو بیہودہ باتوں سے (ہر وقت) کنارہ کش رہتے ہیں۔" (۳ : ۲۳)

(۲) وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًاO (الفرقان : ۷۲)

"اور جب وہ بیہودہ کاموں کے پاس سے گزرتے ہیں تو (دامن بچاتے ہوئے) نہایت وقار و متانت کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔" (۷۲ : ۲۵)

زبان کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے امام الانبیاء ﷺ نے فرمایا :

هَلْ یَكُبُّ النَّاسَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلَّا حَصَائِدُ اَلْسِنَتِهِمْ

"لوگوں کو اُن کے اوندھے منہ کے بل اُن کی زبانوں کی کاٹی ہوئی کھیتیاں ہی تو گرائیں گی۔"

ایک اور موقع پر ختمی مرتبت ﷺ نے فرمایا :

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَیَدِهٖ

"مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے (دوسرے) مسلمان محفوظ رہیں۔"

لہٰذا حفاظتی پہلو یہ ہے کہ مسلمان اپنے ہر قول میں محتاط اور ہوشمند رہے۔ رب تعالیٰ نے ہمیں ایک زبان اور دو (۲) کان دیے ہیں اس معنیٰ میں کہ ہمیں بولنا کم اور سننا زیادہ چاہیے۔ اسلام نے ہمیں گفتگو کی اخلاقیات

عطا کی ہیں جن کے آداب کی سخت پابندی لازم ہے۔ وہ آداب حسبِ ذیل ہیں:

(1) راست گوئی (Truthfulness): پیغمبر علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ کیا مسلمان بزدل ہوسکتا ہے؟ تو فرمایا کہ ہاں، اُس کا بزدل ہونا ممکن ہے۔ پھر آپ سے پوچھا گیا کہ کیا وہ بخیل ہوسکتا ہے تو آپ نے پھر ہاں میں جواب دیا۔ لیکن جب آپ سے یہ پوچھا گیا کہ کیا مسلمان جھوٹا ہوسکتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ نہیں، مسلمان جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی پیغمبر علیہ السلام کے دورِ مبارک میں جھوٹ بولتا تھا تو اُسے منافق سمجھا جاتا تھا۔

کلام اللہ ہوتے ہوئے قرآن پاک بذاتِ خود صادق ہے اور وہ راست گو لوگوں سے دونوں جہانوں میں ثوابِ عظیم کا وعدہ کرتا ہے۔ سچ اور راست گوئی کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے قرآن مجید فرماتا ہے:

(i) وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ حَدِیْثًاO (النّساء: ۸۷)

''اور اللہ سے بات میں زیادہ سچا کون ہے؟'' (۴ : ۸۷)

(ii) یَا اَیُّھَاالَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَO (التّوبۃ: ۱۱۹)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اہلِ صدق (کی معیّت) میں شامل رہو۔'' (۹:۱۱۹)

(iii) قُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْنِیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطَانًا نَّصِیْرًاO (بنی اسرائیل: ۸۰)

''اور آپ (اپنے رب کے حضور یہ) عرض کرتے رہیں: اے میرے پروردگار! مجھے سچائی کے ساتھ داخل فرما (جہاں بھی داخل فرمانا ہو) اور مجھے سچائی کے ساتھ باہر لے آ (جہاں سے بھی لانا ہو)۔ اور مجھے اپنی جانب سے مددگار غلبہ وقوّت عطا فرما دے۔'' (۱۷ : ۸۰)

سچائی اور راست گوئی کی اہمیت سے متعلق متعدد قرآنی آیات ہیں جیسے سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۷۷ کا آخر؛ سورۃ النساء کی آیت ۶۹ ؛ سورہ مریم :۴۱ ؛ سورۃ الحجرات: ۱۵ وغیرہ۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی راست گوئی اور صداقت سے متاثر ہو کر انتہائی متعصب اور ازلی دشمنِ رسول ولیم میور (William Muir) کو بالآخر یہ لکھنا پڑا:

''محمد (ﷺ) کے سفرِ طائف میں بلندیٔ کردار اور برگزیدگی کی عظمت ضرور ہے۔ وہ تن تنہا دنیا میں اکیلا شخص جسے اُس کی اپنی قوم نے نفرت سے دُھتکار دیا تھا، بڑی جراٗتمندی سے اللہ کے نام پر ایک بت پرست قوم کو صراطِ مستقیم کی طرف بلاتے ہوئے آگے اس طرح بڑھ رہا ہے جس طرح یونس (علیہ السلام) نینوا کی طرف بڑھے تھے۔ یہ حقیقت آپ کے اس ایمان پر خوب روشنی ڈالتی ہے کہ آپ کی دعوت اور

مشن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔'' ("The Life of Muhammad", p. 109)

اور تھامس کارلائل (Thomas Carlyle) آپ کو یوں خراجِ تحسین پیش کرتا ہے :
''یہ کہ محمد (ﷺ) کا پورا جسم و جان اس عظیم صداقت کے ساتھ گرم جوش تھا' نے آپ کو یہ احساس دلایا کہ (دنیا میں) صرف اور صرف یہی چیز ہی اہم اور فطری ہے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن کی آپ پر وحی اتار کر آپ کو عزت و شرف کا مقام عطا کیا تھا اور آپ کو (جہالت) کی تاریکی اور موت سے بچا لیا تھا۔ صداقت کی اصل روح کبھی نہیں مرتی۔ آپ خالقِ کائنات کے فیصلوں سے پوری طرح ہم آہنگ تھے' اُن فیصلوں کو بہ دل و جان تسلیم کرتے ہوئے اُن کی پابندی کرتے تھے۔ میں آج تک یہی جانتا ہوں کہ احساسِ فرض کی آپ کی زندگی سے بہتر مثال کہیں نہیں ملتی۔'' ("On Heroes, Hero Worship and the Heroic in History", pp. 292, 293) N.Y. 1911.

(2) قول و فعل میں مکمل مطابقت : قول و فعل میں مطابقت کا نہ ہونا منافقت کا دوسرا نام ہے جو اللہ کی نظر میں انتہائی مکروہ اور ناپسندیدہ بات ہے اور مسلمان کے شایانِ شان نہیں۔ اس قابلِ نفرت فطرت کی مذمّت کرتے ہوئے قرآن مجید نے سورۃ الصفّ میں اس طرح تنبیہ کی ہے :

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْالِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَo کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَاللّٰہِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَo

''اے ایمان والو! ایسی بات کہتے کیوں ہو جو کرتے نہیں ہو۔ اللہ کے نزدیک یہ بات بہت ناراضی کی ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔'' (۲' ۳ : ۶۱)

(3) مصیبت کے وقت صبر و استقامت : زندگی میں حادثات اور سانحات آزمائش بن کر آتے ہیں جو ہمارے کردار کی افزونی کا باعث بنتے ہیں۔ مصائب سے آزادی چاہنا اور زیادہ سے زیادہ آرام و آسائش کو چاہنا انسان کی فطرت ہے۔ اللہ کے آخری پیغمبر ﷺ نے دونوں حالتوں میں مناسب راہ کو اختیار کرنے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مصائب میں صبر و استقامت اور نعمتوں پر شکرگزاری انسان کے دل میں بہت بڑا انقلاب برپا کرتے ہیں۔ صبر و استقامت اختیار کرنے سے انسان واویلا کرنے' آہ و فغاں' نوحہ گری اور سینہ کوبی سے نجات پاتا ہے۔ نعمتیں اور آسائشیں ملنے پر شکرگزاری ہمیں تکبر و نخوت' بے حیائی اور خودستائشی سے محفوظ رکھتی ہے۔

اپنے مصائب کی شکایت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں کرنی چاہئے جیسا کہ قرآن کا یعقوب علیہ السلام کی زبانی دیا ہوا سبق ہے جس میں آپ نے فرمایا :

اِنَّمَآ اَشْکُوْا بَثِّیْ وَحُزْنِیْٓ اِلَی اللّٰہِ (یوسف : ۸۶)

''میں تو اپنی پریشانی اور غم کی فریاد صرف اللہ کے حضور کرتا ہوں۔'' (۸۶ : ۱۲)

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا :
''اعمالِ صالحہ کا خزانہ مصائب اور پریشانیوں کو ظاہر نہیں کیا کرتا۔ اپنے مصائب کو ظاہر کرنے والے شخص نے (گویا) صبر وتحمل سے کام ہی نہیں لیا۔''

(4) بہتان طرازی بدترین جرم ہے: سورۃ النور میں اسے یوں بیان کیا گیا :
اِنَّ الَّذِیۡنَ یَرۡمُوۡنَ الۡمُحۡصَنٰتِ الۡغٰفِلٰتِ الۡمُؤۡمِنٰتِ لُعِنُوۡا فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃِ وَلَہُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ O (اَلنور : ۲۳)
''جو لوگ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں جو انجان ہیں، ایمان والیاں ہیں، ایسے لوگوں پر دنیا اور آخرت میں پھٹکار ہے اور اُن کے لئے عذابِ عظیم ہے۔'' (۲۳ : ۲۴)

اَلْغٰفِلٰت سے مراد وہ پاک طینت خواتین ہیں جو طبعاً اتنی نیک ہوتی ہیں کہ اُن کے دلوں میں ان فضول حرکتوں کا کبھی خیال تک بھی نہیں آتا۔ وہ اپنی فطری عفت کے باعث کمینہ خصلت لوگوں کے طور اطوار سے بالکل ناواقف اور انجان ہوا کرتی ہیں۔ نیز اُنہیں بھولے سے بھی کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ اُن پر کوئی انگشت نمائی کرسکتا ہے۔

(5) خوش اخلاقی : اسلامی اخلاقیات کی یہ ایک اور اہم خصوصیت ہے۔ شائستہ اور بااُدب رویّہ اور عمدہ اطوار کے ذریعے اپنے مخالف بلکہ اپنے ازلی دشمن کا بھی دل جیتا جاسکتا ہے جس سے سماجی ماحول ہم آہنگ اور موافق ہوجاتا ہے۔ حکمِ ربانی ہے :

(۱) وَقُوۡلُوۡا لِلنَّاسِ حُسۡنًا (البقرۃ : ۸۳)
''اور لوگوں سے خوش خلقی کی بات کہنا۔'' (۸۳ : ۲)

(۲) وَلَا تُصَعِّرۡ خَدَّکَ لِلنَّاسِ (لقمٰن : ۱۸)
''اور لوگوں سے (غرور کے ساتھ) اپنا رخ نہ پھیر۔'' (۱۸ : ۳۱)

روزمرّہ زندگی میں خوش اخلاقی کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا :
لَا تَحۡتَقِرَنَّ مِنَ الۡمَعۡرُوۡفِ شَیۡئًا وَلَوۡ اَنۡ تَلۡقٰی اَخَاکَ بِوَجۡہٍ طَلۡقٍ
''نیکی کی کسی چیز کو ہرگز حقیر نہ سمجھو اگرچہ وہ اپنے بھائی سے خندہ جبینی سے ملنا ہی کیوں نہ ہو۔''

(6) دوسروں کی دل آزاری سے پرہیز: ایک دن نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی زوجہ مطہرہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارکہ میں تھے۔ سیّدہ عائشہ نے اپنی سوکن حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو اُن کی کم مرتبی کا طعنہ دیا۔ سیّدہ کے یہ الفاظ سن کر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چہرہ انور کا رنگ متغیر ہوگیا اور آپ نے اُن سے فرمایا :

''جو کچھ تم نے کہا اگر اُسے سمندر میں ملایا جائے تو اُس کے پانی کا رنگ بدل جائے گا۔''

(7) کھانے میں عیب نکالنے سے پرہیز: جس قسم کا کھانا بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیش کیا جاتا تو آپ نے کبھی بھی اُس کی تحقیر و مذمت میں کچھ نہیں کہا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عادت کھانے میں عیب جوئی کی نہیں تھی۔ اگر آپ کو کوئی چیز پسند ہوتی تو اُسے تناول فرما لیتے ورنہ اُسے چھوڑ دیتے' جیسا کہ سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اِن الفاظ سے ظاہر ہے:

مَا عَابَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ طَعَامًا قَطُّ اِنِ اشْتَهَاهُ اَکَلَه' وَاِنْ کَرِهَه' تَرَکَه' (مُتَّفَق'' عَلَیْهِ)

(8) فضول باتوں کا جواب نہ دینا: ایک مرتبہ مشرکینِ عرب نے رسالتمآب ﷺ سے ذیل کے دو سوال پوچھے جن میں سے ایک سوال کا جواب دیا گیا اور دوسرے کا جواب اپنی فضولیت اور لغویت کے باعث نظر انداز کر دیا گیا:

وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ لَوْلَا یُکَلِّمُنَا اللهُ اَوْتَاْتِیْنَا اٰیَةٌ'' کَذٰلِكَ قَالَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ قَدْ بَیَّنَّا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ٥ (اَلْبَقَرَة: ۱۱۸)

''اور جنہیں علم حاصل نہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشان (عظیم) کیوں نہیں آجاتی۔ اسی طرح کی بات اُن سے پہلے لوگ کہہ چکے ہیں' اُن کے دل ایک جیسے ہو گئے۔ ہم نے تو اپنے نشان اُن لوگوں کے لئے کھول کھول دیئے ہیں جو یقین رکھتے ہیں۔''

آیتِ بالا میں کفارِ مکہ کا دُہرا مطالبہ بیان کیا گیا ہے: ایک تو یہ کہ اللہ ہم سے براہِ راست بات کر کے یہ کیوں نہیں کہتا کہ محمد (ﷺ) واقعی میرا بھیجا ہوا پیغمبر ہے اور دوسرا یہ کہ اگر ایسا نہیں تو ہماری طرف اُن کی رسالت کی توثیق و تصدیق کے لئے کوئی نشانی کیوں نہیں آجاتی! اُن کے اس دوسرے مطالبے کا جواب صراحۃً دے دیا گیا لیکن پہلے مطالبے (اللہ کی ہم کلامی) کا جواب دینے کے لئے قرآن بالکل خاموش ہے اور پورے قرآن میں اس کا جواب موجود نہیں ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ اُن کا یہ مطالبہ اس قدر گستاخانہ اور گھٹیا ہے کہ اس کا جواب نہ دینا ہی بہتر ہے۔ اس طرح قرآنِ حکیم نے متعلّمین کو کلاس کے آداب کی تعلیم دی کہ وہ ایسے سوال کرنے سے گریز کریں جن میں معلم کی عزت و توقیر میں فرق آتا ہو۔

کفار کا مطالبہ ایک نشان (آیت بہ صیغہ واحد) کا تھا۔ جواب یہ ملا کہ یہاں تو نشان (الآیات بہ صیغہ جمع) پیش کئے جا چکے ہیں۔ کتب تاریخ و سیرت میں مذکور معجزوں سے قطع نظر دو معجزے تو بالکل ظاہر اور نمایاں تھے: اوّل رسولِ مکرّم ﷺ کی سچائی' امانت و دیانت' پاکبازی' عقل و فہم میں بے مثال ہونا اور آپ کی سیرت

طیبہ کے ایک ایک جزو کا بجائے خود معجزہ ہونا اور دوئم قرآن مجید کا لفظی، معنوی، ظاہری، باطنی وادبی اعتبار سے بے مثل ہونا۔ بَیَّنَّا یعنی یہ نشانات کچھ اُن سے چھپے ہوئے نہیں ہیں بلکہ ہم نے اُنہیں بالکل واضح اور آشکار کر رکھا ہے۔ قَدْ بَیَّنَّا کی تاکید نے بَیَّنَّا کی صراحت کو اور زیادہ زوردار بنا دیا اور اسی کے اظہار کے لئے ترجمہ میں ''کھول کھول'' لایا گیا ہے۔ لِقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ یعنی یہ کھلے ہوئے نشان بھی نظر اُن لوگوں کو آتے ہیں جن کے دل جہل و عناد کی گندگی اور شک کی آلودگیوں سے پاک ہیں۔ شواہد و دلائل مادّی قسم کے ہوں یا معنوی، بہر حال اُن سے نفع حاصل کرنے کے لئے دیدۂ بصیرت و چشمِ بینا ضروری ہے۔ آنکھ رکھنے والے کے لئے پیمبر کی کتابِ زندگی کی ایک ایک سطر روشن معجزہ ہے۔

(9) نکتہ چینی کا جواب اطمینان سے دینا: قبیلہ بنو اسد کی ایک عورت سیّدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور کہنے لگی: مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ جلد کو گودنے والے (Tattooer) کو اور جلد کو نقش کرانے والے کو بُرا سمجھتے ہیں۔ لیکن میں نے قرآن اوّل سے لے کر آخر تک پڑھا ہے اور مجھے اُس میں کہیں بھی اس کا حوالہ نہیں ملا۔ اس کے علاوہ میں شرط لگاتی ہوں کہ آپ کے اہلِ خانہ جلد پر نقش کراتے ہیں۔ عبداللہ بن مسعود نے اُس سے کہا کہ تم خود وہاں جا کر حقیقت دیکھ آؤ۔ وہ آپ کے گھر گئی لیکن اُس نے گھر کے کسی فرد پر گودنے کا کوئی نشان نہ دیکھا۔ اُس کی واپسی پر جناب عبداللہ نے اُس سے کہا: کیا تم نے قرآن میں نہیں پڑھا:

مَا آتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (اَلْحَشر: ۷)

''رسول تمہیں جو کچھ دے دیا کریں، وہ لے لیا کرو اور جس سے وہ تمہیں روک دیں، رُک جایا کرو۔'' (۵۹:۷)

عورت نے کہا کہ میں نے پڑھا ہے۔ اس پر عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جسم کے گودنے سے ہی تو پیغمبر ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

(10) ایسے سوالات سے گریز کرنا جو بعد میں پریشانی کا موجب ہوں:

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَکُمْ تَسُؤْکُمْ (المائدة: ۱۰۱)

''اے ایمان والو! ایسی چیزوں کی نسبت سوال مت کیا کرو (جن پر قرآن خاموش ہو) کہ اگر وہ تمہارے لئے ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں بُری لگیں۔'' (۵ : ۱۰۱)

سوالات کرنے میں غرض و مقصدِ صحیح کچھ بھی نہ ہو اور دُور دُور کے احتمالات پیدا کر کے سوال محض سوال کرنے کی نیت سے کیا جائے۔ تشقیقات اپنے دل سے گھڑے جائیں اور گویا رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا امتحان لینے کے لئے سوالات اُن کے سامنے پیش کئے جائیں۔ یہاں اِسی قسم کی سوال بازی کو ممنوع قرار دیا جا رہا ہے۔ اِنْ تُبْدَ لَکُمْ تَسُؤْکُمْ یعنی ناگوار ہونے کی صورتیں مثلاً یہ کہ تمہارے کسی چھپانے والے واقعہ کی پردہ دری ہو جائے اور تمہیں رسوائی کا سامنا کرنا پڑے۔

(11) تحفہ سلام اسلامی معاشرے کا طغرائے امتیاز ہے: مسلمانوں کا ایک دوسرے کو سلام کہنا اُن کے مابین خوشگوار تعلقات اور اُنس و مودّت کی فضا کو جنم دیتا ہے۔ ایسے ہی ماحول کو پیدا کرنے کے لئے قرآن نے فرمایا:

وَاِذَا حُيِّيۡتُمۡ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوۡا بِاَحۡسَنَ مِنۡهَاۤ اَوۡ رُدُّوۡهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ حَسِيۡبًا ۝
''اور جب (کسی لفظ) سلام کے ذریعے تمہاری تکریم کی جائے تو تم (جواب میں) اُس سے بہتر (لفظ کے ساتھ) سلام پیش کیا کرو یا (کم از کم) وہی (الفاظ جواب میں) لوٹا دیا کرو، بے شک اللہ ہر چیز پر حساب لینے والا ہے۔'' (۴ : ۸۶)

بنیادی طور پر یہی وہ حکم ہے جو اسلامی معاشرے میں اُخوّت و محبت قائم کرنے کا ذمّہ دار ہے اور جو مسلمان علاقوں میں عام ہے اور جس کا مشاہدہ کرنے پر ایک برطانوی خاتون اُسے خراجِ تحسین دیئے بغیر نہ رہ سکی اور کہہ اٹھی:

''اَلسّلام ُعلیکم'' ایک دوسرے کو سلام کہنے کے یہ نرم و شریف الفاظ کانوں میں رس گھولتے ہیں۔ اُس ذہنی چابکدستی کے مشاہدہ میں، یہ خوش کن بات ہے جس کے ساتھ دو دوست سلام کہنے میں ایک دوسرے سے مسابقت کی کوشش کرتے ہیں اور اُن میں سے ہر ایک سلام کہنے میں دوسرے سے پہل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔۔۔آقا و غلام، امیر و غریب، پڑھا لکھا اور جاہل ایک دوسرے کو سلام کہتا ہے اور دونوں طرف سے برابر کا وقار ہوتا ہے اور جس میں کسی کی بھی خودداری کو ذرّہ بھر آنچ نہیں آتی۔''
("Pilgrimage to Mecca" ... Lady Cobbald, p. 60)

(12) دھیمی آواز سے بات کرنا: یہ انکساری اور فروتنی کی مظہر ہے، اسلام کی اس قدر پسندیدہ اور ''سنہری راہ'' ہے کہ وہ فلسفہِ اسلام کا مدار (Pivot) ہے۔ تمام چیزوں میں اعتدال قدرتی طور پر ہمارے اپنے خالق کے ساتھ، اُس کی کائنات کے ساتھ اور اپنے بھائی بندوں کے ساتھ تعلق کو سمجھنے سے پیدا ہوتا ہے۔ جنابِ لقمان نے اپنے فرزند کو جو سبق آموز نصیحتیں کیں، اُن میں سے ایک یہ بھی تھی:

وَاغۡضُضۡ مِنۡ صَوۡتِكَ (لقمٰن : ۱۹) ''اپنی آواز کو پست رکھو۔'' (۱۹ : ۳۱)

(13) تین کی موجودگی میں اُن میں سے دو آدمیوں کو باہم سرگوشی نہ کرنے کا حکم: فرمانِ رسول ﷺ ہے:

اِذَا كُنۡتُمۡ ثَلَاثَةً فَلَا يَتَنَاجَى اِثۡنَانِ دُوۡنَ الۡاٰخِرِ حَتّٰى تَخۡتَلِطُوۡا بِالنَّاسِ مِنۡ اَجۡلِ اَنَّ ذٰلِكَ يُحۡزِنُهٗ
''جب تم تین ہو تو تیسرے کو چھوڑ کر دو کو باہم سرگوشی نہیں کرنی چاہئے جب تک کہ تم لوگوں میں گھل مل نہ جاؤ، یہ اس لئے کہ کہیں یہ بات اُس (تیسرے) کو غمگین نہ کر دے۔''

(14) احترام آدمیت: اسلام میں تمسخر' لگام کھینچنے(Leg-pulling)' ہتکِ عزت' چڑانے کے نام رکھنے(Nicknames)' طعن و تشنیع' بدگمانی' ٹوہ لگانے اور غیبت کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ یہ تمام برائیاں معاشرتی ماحول میں بے آہنگی(Disharmony) پیدا کرتی ہیں اور مسلمان کے لائف چارٹ سے انحراف کا موجب ہیں۔ اس لئے قرآن مجید نے حکم فرمایا:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓی اَنْ یَّكُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓی اَنْ یَّكُنَّ خَیْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ (الحُجُرات: ۱۱)

''مومنو! نہ مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہئے کیا عجب کہ وہ اُن سے بہتر ہوں اور نہ عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہئے کیا عجب کہ وہ اُن سے بہتر ہوں☆ اور ایک دوسرے کو طعنہ نہ دیا کرو اور نہ ایک دوسرے کو بُرے القاب سے پکارا کرو۔'' (۴۹ : ۱۱)

دوسرے پر ہنسی' تمسخر اور طنز کی بنیاد عموماً یہی ہوا کرتی ہے کہ دوسرے میں فلاں فلاں عیب ہیں اور ہم اُن عیوب سے مبرا ہیں۔ قرآن مجید نے انتہائی حکیمانہ ژرف نگاہی کے ساتھ اس بنیاد پر ضربِ کاری لگا کر اس عمارت کو ہی ڈھا دیا۔ انسان کو اگر اپنا عیب دار' داغدار ہونا یاد آ جائے تو دوسرے پر زبان کھولنے کی کبھی ہمت ہی نہ پڑے۔ فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ کسی کو عیب دار نام سے یاد کرنا صرف اس صورت میں حرام ہے جب وہ بلا غرض صحیح ہو لیکن اگر کوئی شخص پکارا اور پہچانا ہی ایسے نام سے جاتا ہے اور اس میں وہ اپنی کوئی توہین محسوس نہیں کرتا تو اُسے اس کے ظاہر میں عیب دار نام سے یاد کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں مثلاً نابینا حکیم' لنگڑے حافظ' گنجے وکیل وغیرہ۔ اَلقاب کے یہاں معنی بُرے نام کے ہیں یعنی کسی شخص کو ایسے نام سے پکارنا جو اُسے ناگوار ہو۔

احترامِ آدمیت کے سلسلہ میں محسنِ انسانیت ﷺ کے یہ فرمودات بھی ملاحظہ ہوں جن میں آپ نے فرمایا:

(۱) مَنْ أَشَارَ إِلَى أَخِيهِ بِحَدِيدَةٍ فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَلْعَنُهُ' حَتَّى يَدَعَهُ' وَإِنْ كَانَ أَخَاهُ لِأَبِيهِ وَأُمِّهِ

(صحیح مسلم: کتاب البرّ والصّلة' رقم الحدیث: ۲۶۲۵)

''جس کسی نے اپنے بھائی کی طرف کسی آلے سے اشارہ کیا' تو فرشتے اُس پر اُس وقت تک لعنت بھیجتے رہتے ہیں جب تک وہ اشارہ کرنے سے رک نہ جائے اگرچہ وہ اُس کا حقیقی بھائی ہی کیوں نہ ہو۔''

(۲) مَنْ قَتَلَ مُعَاهِدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَإِنَّ رِيحَهَا يُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ أَرْبَعِينَ عَامًا

(صحیح البخاری: کتاب الجزیة' حدیث: ۳۱۶۶)

''جس کسی نے کسی ایسے غیر مسلم کو قتل کیا جس سے اُس کی حفاظت کا معاہدہ ہو چکا ہے' وہ جنت کی خوشبو تک نہ سونگھ سکے گا اگرچہ اُس کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے سونگھی جا سکتی ہے۔''

☆ مرد و زن کی دونوں جنسوں کو جدا جدا بیان کیا گیا ہے جس میں ہر دو صنفوں کے باہم ملنے جلنے کی ممانعت کا اشارہ ہے۔ اس لحاظ سے مخلوط تعلیم(Co-education) اور اس طرح کے دوسرے مخلوط اجتماعات غیر اسلامی اور ممنوع ہیں۔

(15) مسلمان کی گفتگو کس طرح کی ہونی چاہیے؟ اس ضمن میں ایک حدیثِ نبوی ہماری راہ نمائی کرتی ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا :

آیَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاث'' : إِذَا حَدَّثَ کَذَبَ وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ

'' منافق (دوڑُخے آدمی) کی تین علامتیں ہوتی ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے' جب اُس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے اور جب لڑائی جھگڑا کرے تو گالی گلوچ بکے۔''

نبی اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا :

'' سچا مسلمان نہ لوگوں کی توہین کرتا ہے' نہ اُنہیں برا بھلا کہتا ہے اور نہ ہی وہ گندی اور اُجڈ زبان استعمال کرتا ہے۔''

(16) زبان کو قابو میں رکھنا اور پاکیزگی کردار جنت کی ضمانت ہیں: بہت سے گناہوں کا ارتکاب زبان سے ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مرتبہ فرمایا :

مَنْ یَّضْمَنُ لِیْ مَابَیْنَ لَحْیَیْهِ وَمَابَیْنَ رِجْلَیْهِ أَضْمَنُ لَهُ الْجَنَّةَ

'' جو کوئی مجھے ڈاڑھوں کے درمیان کی چیز (یعنی زبان) اور ٹانگوں کے درمیان کی چیز کی (حفاظت کی) ضمانت دے دے تو میں اُسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔''

جنابِ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا :

'' اللہ تعالیٰ کو مسلمان کے جسم کا کوئی عضو زبان سے زیادہ پیارا نہیں کیونکہ وہ اپنی زبان کے ذریعے حق و صداقت کی پشت پناہی کرتا ہے اور اس طرح وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو کافر کے جسم کا کوئی عضو اُس کی زبان سے زیادہ قابلِ نفرت نہیں کیونکہ وہ اپنی زبان کے ذریعے حق وصداقت کا انکار کرتا ہے اور اس طرح وہ دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے۔'' (حلیۃ الاولیاء)

(17) خاموشی بذاتِ خود اچھا عمل ہے: نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

فَلْیَقُلْ خَیْرًا أَوْ لِیَصْمُتْ

'' اچھی اور بھلی بات کہو اور اگر کوئی اچھی بات کہنے کی نہیں تو خاموش رہو۔''

(18) گفتگو کا ہر ہر حرف انتہائی واضح اور شفاف و غیر مبہم ہونا چاہیے: سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں :

كَانَ كَلاَمُ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ كَلاَمًا فَصْلاً☆ يَفْهَمُه، كُلُّ مَنْ سَمِعَه، (ابوداؤد : کتاب الادب)
''اللہ کے رسول ﷺ کا کلام واضح طور پر غیر مبہم ہوتا تھا جسے ہر سننے والا سمجھ لیتا تھا۔''

صحیح بخاری کی روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ اپنے الفاظ کو تین بار دہراتے یہاں تک کہ کسی کو مکرّر کہنے کی ضرورت پیش نہ آتی جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ذیل کی حدیث سے ظاہر ہے :
كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِذَا تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ أَعَادَهَا ثَلاَثًا حَتّٰى تُفْهَمَ عَنْهُ (صحیح بخاری)
''رسول اللہ ﷺ جب کوئی بات کہتے تو اُسے تین بار دُہراتے یہاں تک کہ ہر کوئی اُسے سمجھ لیتا۔''

(19) تبلیغ حق نرم اور معقول ہونی چاہیے : جب رب تعالیٰ نے موسیٰ اور اُن کے بھائی ہارون علیہا السلام کو مصر کے جابر و ظالم اور متکبر حکمران فرعون کے دربار میں اپنا پیغام پہنچانے کے لئے روانہ کیا تو اُن دونوں کو گفتگو میں بالخصوص بُردبار اور نرم و گداز ہونے کی ہدایت کی :
فَقُوْلاَ لَه، قَوْلاً لَّيِّنًا لَّعَلَّه، يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى O (طٰهٰ:۴۴)
''اُس سے گفتگو نرم کرنا تا کہ وہ نصیحت قبول کرے یا ڈر ہی جائے۔'' (۴۴ : ۲۰)

فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ قوت و نصرت کے یقین کے باوجود بھی جیسا کہ یہاں موسیٰ علیہ السلام کو نصرتِ غیبی کا پورا یقین تھا کہ رب تعالیٰ نے اِنَّنِیْ مَعَكُمَا (میں بالیقین تمہارے ساتھ ہوں) کے الفاظ میں اپنی مدد کا وعدہ کر لیا تھا، مبلّغ کے لئے ہر طرح لازم ہے کہ وہ اندازِ تبلیغ نرم رکھے۔

ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنے دشمنوں سے اندازِ گفتگو ایسا مہذب اور محتاط تھا کہ دشمن سے استدلال کرنے اور کسی بھی معاملے میں اُن سے نمٹنے میں آپ کے اخلاقِ عالی کو خلاقِ عالم سورۃ القلم میں یوں خراجِ تحسین پیش کرتا ہے :۔
وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ O (القلم : ۴)
''اور (اے حبیب!) بے شک آپ عظیم الشان خُلق پر قائم ہیں۔'' (۴ : ۶۸)

فخر المفسرین امام رازی علیہ الرحمۃ خُلق کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ خُلق نفس کے اُس ملکہ اور

☆ حدیث کے لفظ فَصْلٌ کا ایک معنیٰ تو صاف و شفاف، واضح کلام کا ہے جیسا کہ اوپر ترجمہ میں بیان ہوا۔ اس کا دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ آپ ﷺ تھوڑے تھوڑے وقفہ سے یوں گفتگو فرماتے تھے کہ آپ کی گفتگو کا ہر ہر حرف نمایاں طور پر واضح اور صاف ہوتا تھا ایسے جیسے ہار میں پروئے ہوئے موتیوں کے دانے۔

استعداد کو کہتے ہیں جس میں وہ پایا جائے اور اس کے لئے افعالِ جمیلہ اور خصائلِ حمیدہ پر عمل پیرا ہونا آسان ہو جائے۔ پھر فرماتے ہیں کہ کسی اچھے اور خوبصورت فعل کا کرنا الگ چیز ہے لیکن اُسے سہولت اور آسانی سے کرنا الگ چیز ہے۔ کوئی کام خُلق اُسی وقت کہلائے گا جس کے کرنے میں تکلف سے کام لینے کی نوبت نہ آئے (تفسیر کبیر)۔ یعنی جس طرح آنکھ بے تکلف دیکھتی ہے' کان بے تکلف سنتے ہیں' زبان بے تکلف بولتی ہے' اُسی طرح سخاوت' شجاعت' حیا' حق گوئی' تقویٰ وغیرہ تجھ سے کسی تردّد اور توقف کے بغیر صدور پذیر ہونے لگیں تو اُس وقت ان امور کو تیرے اخلاق شمار کیا جائے گا۔

آیت میں عَلٰی استعلاء کے لئے ہے یعنی کسی پر حاوی ہونا' چھا جانا اور قابو پا لینے کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔ آیت یوں نہیں ہے وَاِنَّ لَكَ خُلُقًا عَظِيْمًا بلکہ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اخلاقِ حمیدہ اور افعالِ پسندیدہ پر حضور علیہ السلام کا قبضہ ہے اور وہ سب آپ کے زیرِ فرمان ہیں۔ وہ سب مَرکب ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اُن کے راکب اور شہسوار ہیں۔ اس لئے حضور علیہ السلام کو ان امور کے لئے کسی تکلف اور بناوٹ کی ضرورت نہیں۔ آفتابِ ذاتِ محمدی سے صفاتِ محمدیہ اور کمالاتِ احمدیہ کی کرنیں خود بخود پھوٹتی رہتی ہیں۔''

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ فرما کر بتا دیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ بابرکات تمام کمالات کی جامع ہے۔ وہ کمالات جو پہلے نبیوں اور رسولوں میں متفرق طور پر پائے جاتے تھے' وہ مجموعی طور پر اپنی تمام جلوہ سامانیوں اور اپنی جملہ رعنائیوں کے ساتھ اس ذاتِ اقدس واطہر میں موجود ہیں۔ شکرِ نوح' خُلّتِ ابراہیم' اخلاصِ موسیٰ' صدقِ اسماعیل' صبرِ یعقوب' تواضعِ سلیمان علیہم الصلوٰۃ والسلام سب یہاں جمع ہیں:

حُسنِ یوسفؑ' دمِ عیسیٰؑ' یدِ بیضا داری　　　آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

ایک مستشرق آپ ﷺ کے اخلاقِ عالی کو یوں سلام پیش کرتا ہے:

''آپ (ﷺ) ایک مکمل دین کے مثالی مبلّغ تھے جنہوں نے اپنے ایمان واعتقاد کی بنیاد پر نفرتوں اور اذیتوں کو خندہ جبینی سے برداشت کیا اور جنہیں اس امتیاز کے سوا اور کچھ نہیں چاہئے تھا کہ اُنہیں اللہ کا سچا رسول تسلیم کر لیا جائے۔ طاقت وقوّت کے حصول کا کوئی نشان آپ میں نہیں ملتا۔'' ("The Arab Civilization" .. Joseph Hell, pp. 22, 23)

اور ڈیمر (Damer) نے کہا:

''آپ کے اس دنیا سے جانے کے بعد آپ کا رویّہ آپ کی امت کے لئے ایک معیار بن گیا۔ اپنے دشمنوں کے خلاف جب تک وہ آپ کے مخالف رہے' آپ سخت گیر تھے' تاہم آپ انتقام لینا نہیں جانتے تھے۔ مغلوب کے لئے آپ نرم دل اور تمام کافروں کے لئے آپ خطا بخش اور متحمل مزاج تھے۔'' ("Islam in the World"... Zaki Ali, p. 13)

(۱۵۰) مقامِ محمود

''ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًاO(بنی اسرائیل:۷۹)

''(اے حبیب!) اور رات کے کچھ حصہ میں (بھی) قرآن کے ساتھ (شب خیزی کرتے ہوئے) نمازِ تہجد پڑھا کیجئے' یہ خاص آپ کے لئے زیادہ (کی گئی) ہے' یقیناً آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز کرے گا (یعنی وہ مقامِ شفاعتِ عظمٰی جہاں جملہ اوّلین وآخرین آپ کی طرف رجوع اور آپ کی حمد کریں گے)۔'' (۱۷ : ۷۹)

''اِس آیتِ کریمہ میں ''عَسٰی'' کا لفظ استعمال ہوا ہے جو عام طور پر شک کا معنیٰ دیتا ہے مگر جب اس کی نسبت اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی طرف ہو تو اس میں یقین کا معنیٰ پایا جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ وہ شک والی بات کرے۔ اُس کی ہر بات حتمی اور قطعی ہوتی ہے۔ اس لئے ''عَسٰی'' یہاں یقین کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔''

''اس آیت میں ایک خاص نکتہ پوشیدہ ہے کہ رب تعالیٰ نے فرمایا: اے محبوب! آپ نمازِ تہجد ادا کیجئے جو کہ نفلی نماز ہے اور آپ کی اس نفلی نماز کا صلہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ روزِ قیامت آپ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا۔ یہاں یہ بات خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ رب تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے نوافل میں سے ایک نفلی نماز تہجد کا صلہ یہ دیا کہ اُنہیں مقامِ محمود پر فائز فرما دیا تو آپ ﷺ کے فرائض کے صلے کا کیا عالم ہوگا!!''

''مقامِ محمود : ''محمود'' ایک مقام ہے جس پر حضور نبی اکرم ﷺ کو فائز کیا جائے گا۔ بعض علماء نے اس سے حضور نبی کریم ﷺ کا قیام فرما ہونا مراد لیا ہے کہ مقام چونکہ ظرف ہے' اس لئے حضور نبی کریم کو روزِ قیامت میں جس مقام پر کھڑا کیا جائے گا وہ مقامِ محمود ہے۔ جبکہ بعض علماء نے مذکورہ معنی کی بجائے یہ کہا ہے کہ مقامِ محمود سے مراد وہ خاص مقام' منصب' درجہ' مرتبہ اور منزلت ہے جس پر حضور نبی کریم ﷺ کو روزِ قیامت فائز کیا جائے گا۔ اس معنی میں زیادہ وسعت' زیادہ صحت اور زیادہ بلاغت ہے۔ مقامِ محمود کی تمام روایات اور احادیث جو مقامِ محمود کو بیان کرتی ہیں' اُنہیں جمع کیا جائے تو یہی معنیٰ اُن کی مراد کو سموتا ہے۔ اکثر علماء اور ائمہ تفسیر نے اسی دوسرے معنیٰ کو اختیار کیا ہے اور یہی مذہب مختار ہے۔''

''مقامِ محمود کی وجہ تسمیہ : امام ابن کثیر (۷۰۰۔۷۷۴ھ) مقامِ محمود کا معنیٰ یہ بیان کرتے ہیں:

اِفْعَلْ هٰذَا الَّذِیْ اَمَرْتُكَ بِهٖ لِنُقِيْمَكَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَقَامًا يَّحْمَدُكَ فِيْهِ الْخَلَائِقُ كُلُّهُمْ وَخَالِقُهُمْ

تَبارَکَ وَتَعَالٰی (تفسیر القرآن العظیم ۵ : ۱۰۳)

''(اے محبوب!) آپ یہ عمل (نمازِ تہجد) ادا کیجئے جس کا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے تا کہ روزِ قیامت آپ کو اُس مقام پر فائز کیا جائے جس پر تمام مخلوقات اور خود خالقِ کائنات بھی آپ کی حمد و ثنا بیان فرمائے گا۔''

''محمود کا معنیٰ: محمود ''حمد'' سے ہے بمعنیٰ تعریف۔ اور اللہ تعالیٰ کا اپنا اسم گرامی بھی محمود ہے یعنی جس کی تعریف کی جائے۔ محمود اُسے کہتے ہیں جس کے ذاتی کمالات' خصائص' فضائل اور عظمت و کمال کی حمد کی جائے۔''

''حمد و شکر میں فرق: کسی کی ذاتی خوبیوں' ذاتی حسن' ذاتی عظمت' ذاتی سطوت' ذاتی جلال و جمال کو سراہنا اور اُس کی تعریف کرنا اور کئے جانا حمد ہے جبکہ اُس کے احسانات پر تعریف کرنا شکر ہے۔ رب تعالیٰ نے قرآن مجید کا آغاز اَلشُّکْرُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن سے نہیں کیا کہ شکر ہے اُس اللہ ربّ العزت کا جو سارے جہانوں کا رب ہے۔ شکر اس لئے نہیں کہا کہ شکر تو نام ہی کسی کے احسانات پر تعریف کرنے کا ہے اور رب کی ذات پر کسی کا احسان تو کیا' وہ تو خود احسان کرنے والا (محسن) ہے۔ جب اُس پر کسی کا احسان نہیں تو تعریف کیسی! شکر حمد کا حصّہ ہے لیکن حمد' شکر میں شامل نہیں ہے۔ حمد کا دائرہ وسیع ہے اور شکر کا دائرہ محدود ہے۔ اس لئے اَلشُّکْرُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن کہہ دینے میں اُس کی تعریف محدود ہو جاتی۔ لامحدود کی تعریف محدود ہو جائے' یہ اُسے پسند نہیں۔''

''حمد بڑی عظیم شے ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اس بناء پر وہ محمود بھی ہے۔ وہ اُس وقت بھی محمود تھا جب اُس کی تعریف کرنے والا کوئی بھی نہ تھا۔ حمد اُس کی ذاتی خوبی ہے اور ذاتی خوبی مخلوق کی احتیاج سے بھی ماوراء ہوتی ہے۔ وہ تعریف کرنے والوں کا محتاج نہیں ہے۔ اس لئے اُس نے یہ نہیں کہا کہ سب تعریف کرنے والوں کی تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ اُس نے تعریف کرنے والوں کو ایک طرف رکھ دیا ہے۔ کوئی حامد تعریف کرے یا نہ کرے' وہ اپنی ذات میں ہر حمد کا حق دار ہے اور ہر خوبی کا سزاوار ہے۔ اس حمد کی بناء پر وہ محمود ہے۔''

''لفظِ حمد کا اطلاق: لفظ ''حمد'' کے اطلاق کے بارے میں کچھ لوگوں کے ہاں یہ نظریہ پایا جاتا ہے کہ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے بولا جا سکتا ہے اور حضور نبی کریم ﷺ کے لئے اس لفظ کا استعمال جائز نہیں۔ اُن کے نزدیک حضور ﷺ کے لئے ''نعت'' کا لفظ تو ٹھیک ہے' حمد کا لفظ ٹھیک نہیں۔ سوچنے کی بات ہے کہ رب تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کا نام ہی محمد رکھا ہے جو مبالغہ کا صیغہ ہے جس کا معنیٰ ہے جس کی بار بار اور بے حد و حساب حمد کی جائے۔ حضور ﷺ کی حمد ہی اللہ تعالیٰ کی حمد ہے بلکہ حضور نبی کریم ﷺ کی حمد اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی اور اعلیٰ حمد ہے۔''

''مثال کے طور پر ایک کاریگر کوئی عمارت تعمیر کرتا ہے۔ لوگ اس کی تعمیر کردہ عمارت کی خوبیاں بیان کریں ورا ُس کے حسنِ تعمیر کو سراہیں تو کیا کاریگر اُس تعریف سے ناراض ہوگا؟ ہاں اگر ساتھ کوئی دوسری عمارت

ہے' اُس کی تعریف کی جائے تو وہ کاریگر ناراض ہوگا لیکن اگر عمارت ہی ایک ہو اور آپ ساری عمر اُس کی تعریف کرتے رہیں تو اُس عمارت کا تعمیر کرنے والا کبھی ناراض نہ ہوگا۔ کاریگر کو تو کسی نے دیکھا' کسی نے نہیں دیکھا لیکن عمارت تو سب نے دیکھی ہے تو گویا عمارت کی تعریف دراصل کاریگر کی تعریف ہے۔ اس طرح اللہ رب العزت کو تو کسی نے نہیں دیکھا لیکن حضور نبی اکرم ﷺ کو تو سب نے دیکھا۔ اب حضور نبی اکرم ﷺ کی تعریف کرنا دراصل اللہ ہی کی تعریف ہے۔''

اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ یہ سن کر ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اے باری تعالیٰ! تو ساری تعریفوں کا حقدار کیوں ہے' اس کی کوئی دلیل بھی تو ہوگی؟ اُس نے ساتھ ہی جواب دیا: رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اس لئے کہ میں سارے جہانوں کا پالنہار ہوں اور مخلوق کی پیدائش سے لے کر اُن کے تادمِ آخر اُن کی ضروریات کا کفیل ہوں۔ میں نے ہی سارے جہانوں کو بنایا ہے۔ جو کچھ میں نے بنایا ہے' اُسے دیکھ لو کہ میں قابلِ تعریف ہوں کہ نہیں۔ جو اللہ تعالیٰ بناتا ہے اگر وہ قابلِ تعریف ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے۔ اگر کسی نے اولیاء کی تعریف کی تو رب کبھی ناراض نہ ہوگا کہ اُسی نے ہی تو ولایت دی ہے۔ کسی نے انبیاءِ کرام کی تعریف کی تو اللہ تعالیٰ کبھی ناراض نہ ہوگا کہ اُسی نے ہی تو نبوت دی ہے لہٰذا اُن کی تعریف اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہے۔ اسی طرح اگر کوئی ساری عمر حضور نبی اکرم ﷺ کی ہی تعریف کرتا رہے تو اس سے اللہ تعالیٰ ناراض نہیں ہوگا، حضور نبی کریم ﷺ کی تعریف جس جس جہت سے کرتے رہیں' وہ سب اَلْحَمْد کے ضمن میں ہے اور وہ اللہ ہی کی تعریف ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جو کچھ ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے بنانے سے ہیں۔ آپ ﷺ کا خالق و معمار رب تعالیٰ ہے' اس لئے ذہن میں یہ سوال پیدا نہیں ہونا چاہئے کہ حمد کا لفظ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے جائز ہے۔''

جیسا کہ اوپر بیان ہوا کہ محمد مبالغہ کا صیغہ ہے اور اس کا معنی ہے جس کی بہت زیادہ کثرت کے ساتھ تعریف کی جائے۔ ایمان اور معرفت کے بغیر عقلِ مادّی یہ سوچتی ہے کہ باری تعالیٰ! بہت زیادہ تعریف تو تیری ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جتنا بھی مرتبہ ہو' بہرصورت وہ تیری مخلوق ہیں' تیرے بھیجے ہوئے رسول ہیں اور تیرے محبوب و مقرب بندے ہیں۔ محمد تو تیرا نام ہونا چاہئے تھا کہ سب سے زیادہ تعریف تو تیری ہوتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سوال غلط ہے۔ میں نے کبھی کوئی نام غلط نہیں رکھا' میں غلطی سے پاک ہوں۔ میں نے اگر اپنا نام محمود اور اپنے محبوب کا نام محمد رکھا ہے تو درست رکھا ہے۔ دیکھتے نہیں ہو کہ جس ذات کی تعریف تمام مخلوقات کے ساتھ ساتھ میں خود کروں تو وہ محمد ہوگا کہ نہیں! حضور نبی کریم ﷺ کو مقامِ محمدیت اس لئے ملا کہ اللہ رب العزت آپ کی تعریف بیان کرتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی تعریف بیان نہ کرتا تو آپ ﷺ مقامِ محمدیت تک نہ پہنچتے۔ مقامِ محمود تو نوافل کا صلہ تھا اور مقامِ محمدیت حضور ﷺ کے فرائض کا صلہ ہے۔ مگر اصل بات اس سے بھی بڑھ کر ہے کہ حمد کسی عمل کے صلہ میں نہیں ہوتی اور وہ عمل کے صلہ سے بے نیاز ہے۔ اس لئے حضور نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کی حمد کرنے والے تو بعد میں بنے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اوّل دن سے محمد کر دیا۔ جس کی تعریف اللہ کرے' اُس کی تعریف

حد سے بڑھ گئی۔ حضور ﷺ کی تعریف تو اللہ تعالیٰ نے حد سے بڑھا دی۔ ہم کون ہوتے ہیں حد سے بڑھانے والے! ہم خود محدود ہیں، محدود کسی کو حد سے کیسے بڑھا سکتا ہے!"

"یہاں پر ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ اے باری تعالیٰ! تو جو روزِ قیامت اپنے محبوب کی تعریف کرے گا، تو کیا تیرا یہ عمل صرف یومِ قیامت کے ساتھ خاص ہے یا یہ کام پہلے بھی کیا ہے؟ فرمایا: مقام کا نام آج رکھا ہے، کام پہلے سے کرتا چلا آ رہا ہوں۔ وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ (ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند کر دیا)۔ محبوب کی حمد تو میں ہمیشہ سے کرتا چلا آ رہا ہوں، اُسی سے تو ذکر بلند ہوتا آ رہا ہے۔ کام ایک ہی رہا ہے عنوان بدلتے رہے ہیں۔ کبھی اس کو وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ کے پردے میں سمجھا دیا، کبھی اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا کے حکم میں بیان کر دیا اور کبھی عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا کے نام سے اجاگر کر دیا کہ میں حمد تو اول دن سے کر رہا ہوں اور روزِ قیامت بھی کروں گا۔ حمد کر رہا ہوں تو نام محمد رکھا ہے۔"

"یہی وہ مقام ہے جہاں سے آپ ﷺ شفاعتِ کبریٰ فرمائیں گے۔ جملہ مخلوق آپ کی تعریف کرے گی۔ تمام اہلِ محشر تو پُل صراط سے گزرنے میں مشغول ہوں گے مگر حضور شافعِ محشر ﷺ پُل صراط کے کنارے کھڑے کمال گریہ وزاری سے اپنی عاصی و گنہگار امت کی نجات کی فکر میں غلطاں و پیچاں اپنے خالق و مالک سے دعا کر رہے ہوں گے: رَبِّ سَلِّمْ، رَبِّ سَلِّمْ، پروردگار! اُنہیں سلامتی و عافیت سے پار لگا دے۔ مولا! ان خطا کاروں کو بچا لے، اُنہیں اپنے عفو و کرم میں پناہ عطا فرما دے۔ اے احکم الحاکمین! تجھے تیری رحمت کا واسطہ! اِن عاصیوں اور سیاہ کاروں کو نجات عطا فرما۔"

"نفسا نفسی کا عالم ہوگا۔ باپ بیٹے سے بھاگ رہا ہوگا، بیٹا باپ کو نہیں پہچانتا ہوگا۔ جن سے کچھ توقع اور امید تھی، وہ سب بیگانے ہو چکے ہوں گے۔ ہاتھ، پاؤں اور جسمانی طاقت جواب دے گئی ہوگی۔ ٹوٹی ہوئی کمریں اور اوپر سے گناہوں کا بوجھ عجیب ندامت کا سماں ہوگا۔ اب تمام اوّلین و آخرین کا بار حضور شافعِ محشر ﷺ کے کندھوں پر آ پڑے گا۔ یومِ حشر حضور ﷺ تمام مقامات کا دورہ فرمائیں گے۔ میزان قائم ہوگی، نامہ اعمال کھولے جا رہے ہوں گے، ہنگامہ دار و گیر گرم ہوگا اور وہاں آپ ﷺ جس کے اعمالِ حسنہ میں کمی دیکھیں گے، اُس کی شفاعت فرما کر نجات دلوائیں گے اور کبھی دیکھو تو حوضِ کوثر پر تشریف فرما ہیں اور تشنہ لب پیاسوں کو سیراب فرما رہے ہیں کہ پانی پی کر ہوش و حواس باقی رکھیں۔ اگر آپ ﷺ ایک ہی جگہ پر جلوہ افروز رہتے تو اللہ جانے میزان پر آفت رسیدوں اور غم زدوں پر کیا گزرتی! کون سا پلہ بھاری ہو جائے۔ اُدھر کرم نہ فرمائیں تو یہ بے کس و بے چارے، بے یار و مددگار برباد ہو جائیں۔ پھر وہاں سے پُل صراط پر رونق افروز ہوئے اور گرتوں کو تھام لیا۔ غرض ہر جگہ آپ کے نام کی دُہائی ہوگی۔ ایک آپ ﷺ کا دَم ہوگا اور جہاں بھر کی خبر گیری ہوگی۔ اتنا عظیم اژدہام اور اس قدر مختلف کام اور پھر عطائے مصطفیٰ ﷺ کی عطر بیز ضو فشانیاں عجیب سماں بندھا ہوگا۔ زبان پر اللہ کا نام ہوگا،

آنکھوں سے اشک رواں ہوں گے۔ اِدھر گرتوں کو سنبھال رہے ہوں گے اور اُدھر ڈوبتوں کو نکال رہے ہوں گے۔ یہاں روتوں کے آنسو پونچھے جا رہے ہوں گے اور وہاں آگ میں جلتوں کو دوزخ سے نکالا جا رہا ہوگا۔ الغرض ہر جگہ آپ ﷺ کی دُہائی ہوگی۔ ہر شخص عام و خاص آپ ﷺ ہی کو پکار رہا ہوگا اور آپ ﷺ مقامِ محمود پر فائز ہو کر اوّلین و آخرین کو فیضیاب فرما رہے ہوں گے۔'' (تلخیص: ماہنامہ منہاج القرآن' لاہور' جون ۲۰۰۷ء' صفحات ۵ تا ۱۰)

''مقامِ محمود کس شان و مرتبہ کا حامل مقام ہوگا' اس بارے میں ائمہ تفسیر نے درج ذیل مختلف تعبیرات بیان کی ہیں :

''امام قرطبی (م ۶۷۱ ھ): امام قرطبی اس آیت عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مقامِ محمود کے بارے میں چار اقوال ہیں:

''پہلا قول : مقامِ شفاعت ہی مقامِ محمود ہے: امام قرطبی بیان کرتے ہیں کہ مقامِ محمود کے بارے میں راجح قول یہی ہے کہ اس سے مراد مقامِ شفاعت ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا کیا جائے گا۔ امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ارشادِ خداوندی عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا : هِیَ الشَّفَاعَةُ (اس سے مراد شفاعت ہے) (سنن ترمذی : کتاب تفسیر القرآن عن رسول اللہ ﷺ)''

''اس سے مقامِ محمود کا وسیع تصوّر سامنے آتا ہے اس لئے کہ قیامت کے دن شفاعت کے جتنے عظیم المرتبت مراحل ہیں' وہ تمام کے تمام شفاعت کے اندر ہی آتے ہیں۔''

''شفاعت کی اَقسام : درج ذیل حدیث روایت کرنے کے بعد امام قرطبی' قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہما کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ اُنھوں نے شفاعت کی پانچ قسمیں بیان کی ہیں کہ روزِ قیامت حضور نبی اکرم ﷺ کی شفاعت پانچ قسم کی ہوگی اور یہ تمام مقامِ محمود کے دائرے میں آئیں گی۔ امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''ارشاد الساری'' شرح صحیح البخاری میں' امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''فتح الباری'' میں اور دیگر محدّثین نے بھی شفاعت کی اِن پانچ قسموں کو قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے بیان کیا ہے :

(۱) شفاعتِ عامّہ : روزِ قیامت تمام انبیاء علیہم السلام اور اُن کی اُمتوں کی جلد حساب شروع کرنے کے جواب میں نبی اکرم ﷺ بارگاہِ الٰہی میں حساب جلد شروع کرنے کی درخواست کریں گے اور آپ

ﷺ کی شفاعت کی بناء پر حساب و کتاب شروع ہوگا۔ تعجیلِ حساب کا یہی مرحلہ شفاعت عظمیٰ اور شفاعتِ کبریٰ ہے جسے شفاعتِ عامّہ بھی کہتے ہیں۔''

''شفاعت کا یہی مقامِ اوّل حضور ﷺ کا مقامِ محمود ہوگا کہ اس پر حضور نبی اکرم ﷺ کی تعریف شروع ہو جائے گی اور تمام مخلوقات آپ ﷺ کی حمد کریں گی۔ قیامت کے اس مرحلہ کی ابتداء سے ہی حضور ﷺ کی تعریف شروع ہو جائے گی اور جنت کے داخلے تک آپ ﷺ کی حمد جاری رہے گی۔ یومِ قیامت کی ابتداء سے یومِ قیامت کی انتہاء تک حضور نبی اکرم ﷺ کا مقامِ محمود چھایا رہے گا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی درج ذیل حدیثِ مبارکہ میں نبی اکرم ﷺ اپنے اس مقامِ محمود کا اظہار یوں فرماتے ہیں:

إِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَاجَ النَّاسُ بَعْضُهُمْ فِيْ بَعْضٍ فَيَأْتُوْنَ آدَمَ فَيَقُوْلُوْنَ: اِشْفَعْ لَنَا إِلٰى رَبِّكَ فَيَقُوْلُ: لَسْتُ لَهَا وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِإِبْرَاهِيْمَ فَإِنَّهُ خَلِيْلُ الرَّحْمٰنِ فَيَأْتُوْنَ إِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَيَقُوْلُ: لَسْتُ لَهَا وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِمُوْسٰى فَإِنَّهُ كَلِيْمُ اللهِ فَيَأْتُوْنَ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَيَقُوْلُ: لَسْتُ لَهَا وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِعِيْسٰى فَإِنَّهُ رُوْحُ اللهِ وَكَلِمَتُهُ فَيَأْتُوْنَ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَيَقُوْلُ: لَسْتُ لَهَا وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِمُحَمَّدٍ ﷺ فَيَأْتُوْنَنِيْ فَأَقُوْلُ: أَنَا لَهَا فَأَسْتَأْذِنُ عَلٰى رَبِّيْ فَيُؤْذَنُ لِيْ وَيُلْهِمُنِيْ مَحَامِدَ أَحْمَدُهُ بِهَا لَا تَحْضُرُنِيَ الْآنَ فَأَحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ وَأَخِرُّ لَهُ سَاجِدًا فَيُقَالُ: يَا مُحَمَّدُ! اِرْفَعْ رَأْسَكَ وَسَلْ تُعْطَ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَأَقُوْلُ: يَا رَبِّ! أُمَّتِيْ أُمَّتِيْ فَيُقَالُ: اِنْطَلِقْ فَأَخْرِجْ مِنْهَا مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهِ مِثْقَالُ شَعِيْرَةٍ مِّنْ إِيْمَانٍ فَأَنْطَلِقُ فَأَفْعَلُ ثُمَّ أَعُوْدُ فَأَحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ وَأَخِرُّ لَهُ سَاجِدًا فَيُقَالُ: يَا مُحَمَّدُ! اِرْفَعْ رَأْسَكَ وَسَلْ تُعْطَ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَأَقُوْلُ: يَا رَبِّ! أُمَّتِيْ أُمَّتِيْ فَيُقَالُ: اِنْطَلِقْ فَأَخْرِجْ مِنْهَا مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ أَوْ خَرْدَلَةٍ مِّنْ إِيْمَانٍ فَأَنْطَلِقُ فَأَفْعَلُ ثُمَّ أَعُوْدُ فَأَحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ وَأَخِرُّ لَهُ سَاجِدًا فَيُقَالُ: يَا مُحَمَّدُ! اِرْفَعْ رَأْسَكَ وَسَلْ تُعْطَ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَأَقُوْلُ: يَا رَبِّ! أُمَّتِيْ أُمَّتِيْ فَيُقَالُ: اِنْطَلِقْ فَأَخْرِجْ مِنْهَا مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهِ أَدْنٰى أَدْنٰى مِثْقَالِ حَبَّةِ خَرْدَلَةٍ مِّنْ إِيْمَانٍ فَأَخْرِجْهُ مِنَ النَّارِ ثُمَّ أَعُوْدُ الرَّابِعَةَ فَأَحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ وَأَخِرُّ لَهُ سَاجِدًا فَيُقَالُ: يَا مُحَمَّدُ! اِرْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ يُسْمَعْ لَكَ وَسَلْ تُعْطَ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَأَقُوْلُ: يَا رَبِّ! اِئْذَنْ لِيْ فِيْمَنْ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ فَيَقُوْلُ: وَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ وَكِبْرِيَائِيْ وَعَظَمَتِيْ لَأُخْرِجَنَّ مِنْهَا مَنْ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ

''قیامت کے دن لوگ دریا کی موجوں کی طرح بے قرار ہوں گے۔ پھر وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ آپ ہمارے لئے اپنے رب سے شفاعت کیجئے۔ وہ کہیں گے کہ میں اس کے لئے نہیں ہوں۔ لیکن تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ کہ وہ خلیل الرحمٰن ہیں۔ تو لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے۔ وہ کہیں گے کہ میں اس کے لئے نہیں ہوں۔ لیکن تم موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ کہ وہ اللہ کے کلیم ہیں۔ تو لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے۔ وہ کہیں گے کہ میں اس کے لئے نہیں ہوں۔ لیکن تم حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ کہ وہ اللہ کی پسندیدہ روح اور اُس کا کلمہ ہیں۔ تو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے۔ وہ کہیں گے کہ میں اس کے لئے نہیں ہوں۔ لیکن تم پر لازم ہے کہ تم سیّدنا محمد ﷺ کے پاس جاؤ۔ پھر وہ میرے پاس آئیں گے۔ پس میں کہوں گا اَنَـا لَهَـا اَنَـا لَهَـا کہ میں ہی اس کے لئے ہوں۔ پھر میں اپنے رب سے اجازت طلب کروں گا تو میرے لئے اجازت دی جائے گی اور میرے دل میں اللہ تعالیٰ کی حمد سے ایسے کلمات ڈالے جائیں گے جو اِس وقت مجھے مستحضر نہیں ہیں اور میں ان کلمات سے اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گا اور اللہ کے لئے سجدہ میں گر جاؤں گا۔ پھر کہا جائے گا: يَا مُحَمَّدُ! اِرْفَعْ رَأْسَكَ فَاشْفَعْ تُشَفَّعْ سَلْ تُعْطَ ''اے سراپا حمد وستائش! اپنا مُکھ تو دکھلایئے۔ آپ شفاعت کیجئے' آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی اور مانگ کے تو دیکھئے' خالی ہاتھ نہ لوٹاؤں گا۔'' میں کہوں گا: اے میرے رب! میری امت' میری امت۔ آپ سے کہا جائے گا کہ آپ جایئے اور دوزخ سے اُنہیں نکال لیجئے جن کے دل میں ایک جَو کے برابر بھی ایمان ہو۔ میں جاؤں گا اور اسی طرح کروں گا۔ پھر میں واپس آ کر انہی کلمات سے اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گا اور پھر اللہ کے حضور سجدہ میں گر جاؤں گا۔ پھر کہا جائے گا: ''اے سراپا حمد وستائش! اپنا مُکھ تو دکھلایئے۔ آپ شفاعت کیجئے' آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی اور مانگ کے تو دیکھئے' خالی ہاتھ نہ لوٹاؤں گا۔'' میں کہوں گا: اے میرے رب! میری امت' میری امت۔ آپ سے کہا جائے گا کہ آپ جایئے اور دوزخ سے اُنہیں نکال لیجئے جن کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو۔ میں جاؤں گا اور اسی طرح کروں گا۔ پھر میں واپس آ کر انہی کلمات سے اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گا اور پھر اللہ کے حضور سجدہ میں گر جاؤں گا۔ پھر کہا جائے گا: ''اے سراپا حمد وستائش! اپنا مُکھ تو دکھلایئے۔ آپ شفاعت کیجئے' آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی اور مانگ کے تو دیکھئے' خالی ہاتھ نہ لوٹاؤں گا۔'' میں کہوں گا: اے میرے رب! میری امت' میری امت۔ آپ سے کہا جائے گا کہ آپ جایئے اور دوزخ سے اُنہیں نکال لیجئے جن کے دل میں ادنیٰ' ادنیٰ رائی کے درجہ کے برابر بھی ایمان ہو۔ میں جاؤں گا اور اسی طرح کروں گا۔ پھر میں چوتھی بار جاؤں گا اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گا۔ پھر اللہ کے لئے سجدہ میں گر جاؤں گا۔: ''اے سراپا حمد وستائش! اپنا مُکھ تو دکھلایئے۔ آپ شفاعت کیجئے' آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی اور مانگ کے تو دیکھئے' خالی ہاتھ نہ لوٹاؤں گا۔'' میں کہوں گا: اے میرے رب! مجھے اُس شخص کے لئے اجازت دیجئے جس نے لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللهُ پڑھا ہو۔ رب فرمائے گا: میری عزت' میرے جلال' میری کبریائی اور میری عظمت کی قسم! جس شخص نے لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللهُ پڑھا ہو' میں اُسے دوزخ سے نکال لوں گا۔'' (صحیح بخاری' کتاب التوحید' باب: قول اللہ لِـمَا خَلَقْتُ بِيَدِيَّ رقم الحدیث: ۷۵۱۰ ؛ صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۱۹۳ ؛ السنن الکبریٰ للنسائی' رقم الحدیث: ۱۱۲۴۳؛ سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۴۳۱۲)

''اس حدیث سے یہ اہم بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ لوگ قیامت کے دن اللہ کے بندوں سے شفاعت کا سوال کریں گے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ کی عدالت ہوگی اور لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے شفاعت کا سوال اللہ کے انبیاء علیہم السلام سے کریں گے تو لوگوں کے اس عمل سے اللہ تعالیٰ ناراض نہیں ہوگا کہ پریشانی اور مشکل کو تو میں نے ختم کرنا ہے تو پھر کیوں کسی اور سے مانگنے جا رہے ہو' مجھ ہی سے مانگو بلکہ وہ اپنے

انبیاءٔ اولیاء اور صلحاء کی شفاعت قبول فرمائے گا۔ نیز یہ بات بھی غور طلب ہے کہ توحید کا عروج اُس وقت ہوگا جب اللہ تعالیٰ عرش پر جلوہ افروز ہوگا اور یہ آواز آرہی ہوگی: لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ (آج کس کی بادشاہی ہے؟) اُسی ربِّ جبّار کی جو آج کے دن کا مالک ہے۔ جس رب نے قیامت کے دن توسّل' وسیلہ اور شفاعت کو سنت بنا رکھا ہے' وہ رب آج توسل اور شفاعت کو کیسے منع فرمائے گا۔ معلوم ہوا کہ توسل اور شفاعت توحید کے منافی نہیں۔''

''(۲) حساب کے بغیر جنت میں داخلے کا اعلان: امام قرطبی بیان کرتے ہیں کہ قاضی عیاض مالکی نے بیان کیا کہ شفاعت کی دوسری قسم حضور نبی اکرم ﷺ کا اپنی اُمّت کے لوگوں کو بغیر حساب کے جنت میں داخل فرمانا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ روزِ قیامت اپنی اُمّت کے ایک عظیم گروہ کو بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل فرمائیں گے۔ یہ نبی اکرم ﷺ کی اُمّت کے اولیاءٔ صلحاء اور صوفیاء کا گروہ ہوگا۔ اس سے یہ تصوّر بھی غلط ہوگیا کہ قیامت کے روز ہر ایک کا حساب ہوگا۔ قیامت امتحان کا دن ہے لیکن ہر ایک کا امتحان نہیں ہوگا۔ جنہوں نے دنیاوی زندگی میں اُس امتحان کی تیاری نہیں کی' امتحان اُنہی کا ہوگا۔ وہاں کچھ صاحبانِ امتنان بھی ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ کے احسانات ہوں گے' وہ شکر ادا کرتے ہوئے جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ اُن کا امتحان اس لئے بھی نہیں ہوگا کہ اُن کی کارکردگی پہلے ہی دیکھ لی گئی ہوگی۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی ساری زندگی امتحان میں گزاری اور اُن کی زندگی کا ایک ایک لمحہ خدا کے حضور امتحان کا تھا۔ اگر اُنہوں نے بھی امتحان دینا ہے تو پھر اُنہوں نے پاس کس کو کرانا ہے؟ وہ تو خود صاحبانِ شفاعت ہیں۔ احادیث کی درجنوں کتب اس بات کی تصدیق کرتی ہیں۔ روایات میں اس گروہ کی تعداد ستر ہزار آئی ہے۔ احادیث میں یہ بھی ہے کہ اُن میں سے ہر ہزار شخص اپنے ساتھ ستر ہزار افراد کو جنت میں لے جائیں گے۔ ایک حدیث میں اُن افراد کا عدد سات لاکھ کا بھی آیا ہے:

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَيَدْخُلَنَّ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي سَبْعُوْنَ أَلْفًا أَوْسَبْعُ مِائَةِ أَلْفٍ شَكَّ فِيْ أَحَدِهِمَا مُتَمَاسِكِيْنَ آخِذٌ" بَعْضُهُمْ بِبَعْضٍ حَتّٰى يَدْخُلَ أَوَّلُهُمْ وَآخِرُهُمُ الْجَنَّةَ وَوُجُوْهُهُمْ عَلٰى ضَوْءِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ (صحیح بخاری: کتاب الرقاق' باب: يَدْخُلُ الْجَنَّةَ سبعون الفا بغير حساب)

''سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری اُمّت کے ستر ہزار یا سات لاکھ افراد بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے (راوی کو دونوں میں سے ایک کا شک ہے) وہ ایک دوسرے کو تھامے ہوئے ہوں گے یہاں تک کہ اُن کا پہلا اور آخری شخص جنت میں داخل ہو جائے گا اور اُن کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے۔''

''روزِ قیامت یہ وہ لوگ ہوں گے جنہیں بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل کیا جائے گا۔ اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس بات کا تعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت سے کیا ہے؟ اس کا جواب اس حدیث

مبارکہ میں آیا ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا: جب تمام انبیاء و رسل علیہم السلام اپنی اُمتوں کے ساتھ میرے پاس آئیں گے اور مجھ سے شفاعت کرنے کی درخواست کریں گے تو میں اُن کی درخواست کو قبول کرتے ہوئے بارگاہِ الٰہی میں سجدہ ریز ہو جاؤں گا اور اپنی اُمّت کی شفاعت کی اجازت مانگوں گا تو اُس وقت رب تعالیٰ فرمائے گا: اے محبوب! اپنی امت میں سے اُن لوگوں کو اپنے ہاتھوں سے دائیں دروازے سے جنت میں داخل فرمایئے جن کی بخشش آج بغیر حساب و کتاب کے ہے۔ گویا ہیں تو وہ بغیر حساب و کتاب والے مگر جنت میں وہ بھی حضور ﷺ کے توسل اور شفاعت سے جائیں گے۔''

(۳) عذاب کے مستحق اُمتیوں کا جنت میں داخل ہونا: حضور نبی اکرم ﷺ اپنی اُمّت کے اُن افراد کو بھی اپنی شفاعت سے جنت میں داخل فرما دیں گے جن کے گناہوں کے باعث اُن پر دوزخ میں ڈالا جانا لازم ہو چکا ہوگا لیکن ابھی دوزخ میں داخل نہیں کئے گئے ہوں گے کہ آپ ﷺ اپنی شفاعت سے اُنہیں بخشوا لیں گے' لہٰذا اُنہیں دوزخ میں ڈالے جانے کا فیصلہ منسوخ کر دیا جائے گا اور اُنہیں جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

(۴) دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل فرمانا: حضور نبی اکرم ﷺ کی کرم نوازی کی حد یہ ہوگی کہ روزِ قیامت آپ ﷺ اپنی اُمّت کے اُن گنہگاروں کو جو اپنے گناہوں کے باعث دوزخ میں ڈالے جا چکے ہوں گے' اُنہیں دوزخ سے نکال نکال کر جنت میں داخل فرمائیں گے:

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَيَخْرُجَنَّ قَوْمٌ مِّنْ أُمَّتِي مِنَ النَّارِ بِشَفَاعَتِي يُسَمَّوْنَ الْجَهَنَّمِيُّوْنَ (سنن ترمذی: کتاب صفة جهنم)

''حضرت عمران بن حُصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میری امت میں سے ایک قوم ضرور میری شفاعت کے سبب جہنم سے نکلے گی' پس اُنہیں جہنمی کہہ کر پکارا جائے گا۔''

(۵) جنت میں درجات کی بلندی کے لئے شفاعت: آپ ﷺ اپنے اُمتیوں کے درجات کی بلندی کے لئے بھی شفاعت فرمائیں گے اور آپ کی شفاعت سے جنت میں ادنیٰ درجے کے مستحق اعلیٰ درجات پر فائز کر دئے جائیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی شفاعت قیامت کے ختم ہو جانے کے ساتھ ختم نہیں ہوگی بلکہ آپ ﷺ کی شفاعت جنت میں بھی جاری رہے گی۔ ہر ایک جنتی کو اُس کے اعمال کے مطابق درجات عطا کر دئے جائیں گے۔ جنت کے مختلف درجات ہوں گے۔ جو جس درجے کا مستحق ہوگا' اُس درجہ میں اُسے داخل کر دیا جائے گا۔ یہ تو عدل ہوگا لیکن پھر حضور ﷺ کی شفاعت سے اُن کے درجات بدل دئے جائیں گے۔

جنت کے مختلف درجات کا ثبوت سورۃ الاحقاف کی اس آیت میں اور ایک حدیثِ مبارکہ میں ملتا ہے:

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ O (الاحقاف ۱۹)

''اور سب کے لئے ان (نیک و بد) اعمال کی وجہ سے جو اُنہوں نے کئے (جنت و دوزخ میں الگ الگ) درجات مقرر ہیں تاکہ (اللہ) اُنہیں اُن کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے اور اُن پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔''

جنت کے مختلف درجات کا ثبوت آنجناب ﷺ کی اس جنت کے مختلف درجات کا ثبوت

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ اُمَّ حَارِثَةَ اَتَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَقَدْ هَلَكَ حَارِثَةُ يَوْمَ بَدْرٍ اَصَابَهُ غَرْبُ سَهْمٍ فَقَالَتْ : يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قَدْعَلِمْتَ مَوْقِعَ حَارِثَةَ مِنْ قَلْبِيْ فَاِنْ كَانَ فِي الْجَنَّةِ لَمْ اَبْكِ عَلَيْهِ وَاِلَّا سَوْفَ تَرٰى مَا اَصْنَعُ فَقَالَ لَهَا : هَبِلْتِ اَجَنَّةٌ'' وَاحِدَةٌ'' هِيَ اِنَّهَا جِنَانٌ ''كَثِيْرَةٌ'' وَاِنَّهُ فِي الْفِرْدَوْسِ الْاَعْلٰى (صحيح بخاری: كتاب الرقاق' باب : صفة الجنة والنار)

''حضرت اَنس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبیِ اکرم ﷺ کی خدمت میں اُمِّ حارثہ رضی اللہ عنہا حاضر ہوئیں جبکہ غزوہ بدر میں ایک تیر لگنے سے حضرت حارثہ ﷺ شہید ہو گئے تھے' عرض گزار ہوئیں : اے اللہ کے رسول ! آپ کو معلوم ہے کہ حارثہ کے ساتھ میرے دل کو کتنا لگاؤ ہے' لہٰذا اگر وہ جنت میں ہے تو میں اُس پر نہیں روؤں گی' ورنہ آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ میں کیا کرتی ہوں۔ آپ ﷺ نے اُن سے فرمایا: کیا تم پاگل ہو گئی ہو؟ کیا کوئی ایک ہی جنت ہے؟ وہاں تو بہت سی جنتیں ہیں اور تیرا بیٹا حارثہ فردوسِ اعلیٰ میں ہے۔''

''امام بخاری کی روایت کے الفاظ میں تو حضرت اُمِّ حارثہ رضی اللہ عنہا کے اس واقعہ کا یہیں تک ذکر ہے مگر امام بیہقی نے ایک اور طریق سے جو روایت بیان کی ہے اُس میں ان الفاظ کا اضافہ ہے اور ان الفاظ کو امام بدرالدین عینی نے ''عمدة القاری فی شرح صحیح البخاری'' میں ان الفاظ میں بیان کیا ہے :

قَالَ : فَانْصَرَفَتْ وَهِيَ تَضْحَكُ وَتَقُوْلُ : بَخٍ بَخٍ لَكَ يَاحَارِثَةُ (بیهقی: شعب الایمان)

''راوی کہتا ہے کہ اُمِّ حارثہ رضی اللہ عنہا وہاں سے اس حال میں روانہ ہوئیں کہ وہ ہنستی جاتی تھیں اور (حالتِ وجد میں) کہتی جاتی تھیں: واہ حارثہ! واہ حارثہ! واہ حارثہ!''

''اس سے واضح ہوا کہ جنت کے کئی درجات ہوں گے اور مختلف لوگوں کو مختلف درجات عطا کئے جائیں گے' کسی کو محلات عطا کئے جائیں گے' کسی کو بڑے بڑے باغات ملیں گے اور وہاں کے محلات اور باغات اِس دنیا سے دس دس گنا بڑے ہوں گے حتی کہ جنت میں جو آخری شخص داخل ہوگا اور دوزخ سے جو آخری شخص نکلے گا' اس کا ذکر بھی احادیثِ مبارکہ میں آیا ہے۔ اُسے جنت کا جو آخری درجہ عطا کیا جائے گا' وہ اس پوری دنیا سے دس گنا بڑا ہوگا۔'' (تلخیص: ماہنامہ منہاج القرآن' لاہور جولائی ۲۰۰۷ء صفحات ۶ تا ۱۲)

''روزِ قیامت لواءُ الحمد کا عطا کیا جانا : امام قرطبی مقامِ محمود کی تفسیر میں دوسرا قول یہ بیان

کرتے ہیں کہ روزِ قیامت نبی اکرم ﷺ کو لِوَاءُ الْحَمْد کا عطا کیا جانا مقامِ محمود ہے۔ وہ اپنی رائے بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس میں اور پہلے والے قول میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ حضور نبی اکرم ﷺ لوائے حمد (حمد کا جھنڈا) اٹھائے ہوئے شفاعت فرمائیں گے جیسا کہ اس حدیثِ مبارکہ میں آپ ﷺ نے بیان فرمایا:

اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَافَخْرَ وَبِيَدِيْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ وَمَا مِنْ نَبِيٍّ يَوْمَئِذٍ آدَمَ فَمَنْ سِوَاهُ اِلَّا تَحْتَ لِوَائِيْ (سنن ترمذی، کتاب: تفسیر القرآن عن رسول اللہ ﷺ)

"روزِ قیامت میں بنی نوع آدم کا سردار ہوں گا اور یہ فخر یہ نہیں کہتا، روزِ قیامت لوائے حمد میرے ہاتھ میں ہوگا اور یہ فخر یہ نہیں کہتا اور روزِ قیامت حضرت آدم علیہ السلام سمیت تمام انبیاء کرام میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔"

"حضور نبی اکرم ﷺ کو یہ خاص مقام اور رفعت وعظمت کا عطا کیا جانا کہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام اور رُسُل عظام حضور نبی اکرم ﷺ کے جھنڈے تلے ہوں گے، یہ مقامِ محمود ہے۔"

"حضور ﷺ کو عرش پر بٹھانا: امام قرطبی بیان کرتے ہیں کہ مقامِ محمود کے بارے میں تیسرا قول اللہ تعالیٰ کا آپ ﷺ کو اپنے ساتھ عرش پر بٹھانے کا ہے۔ اللہ تعالیٰ جب اپنی شان کے لائق عرش پر اپنی کرسی پر شانِ نزول فرمائے گا تو اپنے ساتھ حضور نبی اکرم ﷺ کو اُن کی شانِ مخلوقیت کے مطابق کرسی پر بٹھائے گا۔ اس قول کو امام طبری اور دیگر مفسرین نے مختلف راویوں سے بیان کیا ہے جن میں حضرت مجاہد تابعی بھی ہیں جو فرماتے ہیں:

اَلْمَقَامُ الْمَحْمُوْدُ هُوَ اَنْ يُّجْلِسَ اللّٰهُ تَعَالٰى مُحَمَّدًا ﷺ مَعَه عَلٰى كُرْسِيِّه

"مقامِ محمود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت محمد ﷺ کو اپنے ساتھ اُن کے لئے مخصوص کرسی پر بٹھائے گا۔"

"امام قرطبی اور دیگر ائمہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا حضور نبی اکرم ﷺ کو عرش پر بٹھانا آپ ﷺ کے لئے صفتِ ربوبیت ثابت کرنے کے لئے نہیں ہے اور نہ ہی آپ ﷺ کو صفتِ عبدیت سے نکالنے کے لئے ہے بلکہ یہ آپ ﷺ کے مقام ومرتبہ اور آپ ﷺ کی عزت وتکریم کو دیگر مخلوقات سے بلند تر کرنے کے لئے ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ اور اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ اور اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ اور اس طرح کی دیگر تمام آیات رتبہ، قدر ومنزلت کی بلندی اور اعلیٰ درجات کی طرف اشارہ کرتی ہیں نہ کہ کسی مخصوص مقام کی طرف۔ علاوہ ازیں جیسا کہ صابرین، محسنین اور متقین وغیرہ کی اللہ کے ساتھ ہمراہی اُنہیں صفتِ ربوبیت سے ہمکنار نہیں کرتی تو حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اپنے رب کے ساتھ ہمراہی اُنہیں صفتِ ربوبیت سے کیسے متصف کر سکتی ہے؟

"مقامِ محمود شفاعتِ کبریٰ ہے: حضور نبی اکرم ﷺ کی احادیثِ مبارکہ اور مفسرینِ کرام کی تصریحات اِس حقیقت پر شاہدِ عدل ہیں:۔

۳۔۶۶ (مقامِ محمود)

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰی : عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا سُئِلَ عَنْهَا قَالَ : هِیَ الشَّفَاعَةُ (سنن ترمذی، کتاب : تفسیر القرآن عن رسول اللہ ﷺ باب: ومن سورۃ بنی اسرائیل)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ سے اللہ رب العزت کے اِس فرمان (یقیناً آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا) کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: اس سے مراد شفاعت ہے۔''

(۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : اَلْمَقَامُ الْمَحْمُوْدُ الشَّفَاعَةُ (مسند احمد بن حنبل ۲ : ۴۴۴، ۴۷۸)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مقامِ محمود، مقامِ شفاعت ہے۔''

(۳) امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ روایت کئے ہیں:

هُوَالْمَقَامُ الَّذِیْ اَشْفَعُ لِاُمَّتِیْ فِیْهِ (المسند احمد بن حنبل ۲ : ۴۴۱)

''یہ وہ مقام ہوگا جس پر میں اپنی اُمت کی شفاعت کروں گا۔''

(۴) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حدیثِ شفاعت کو روایت کرتے ہوئے یہ الفاظ بیان فرمائے:

ثُمَّ مُحَمَّدٌ ﷺ فَیَشْفَعُ فَیُقْضٰی بَیْنَ الْخَلْقِ فَیَمْشِیْ حَتّٰی یَاْخُذَ بِحَلْقَةِ الْجَنَّةِ فَیَوْمَئِذٍ یَبْعَثُهُ اللّٰهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا یَحْمَدُهٗ اَهْلُ الْجَمْعِ كُلُّهُمْ (المُعجم الاوسط للطبرانی ۸: ۳۱۱)

''پھر نبی اکرم ﷺ شفاعت فرمائیں گے، پس لوگوں کے درمیان فیصلہ کیا جائے گا۔ پھر نبی اکرم ﷺ چلیں گے اور بڑھ کر جنت کے دروازے کو پکڑ لیں گے۔ اُس روز اللہ تعالیٰ نبی اکرم ﷺ کو مقامِ محمود پر فائز کرے گا اور تمام اہلِ محشر آپ ﷺ کی تعریف بیان کریں گے۔''

(۵) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

اَنْ یُّقِیْمَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا مَقَامَ الشَّفَاعَةِ مَحْمُوْدًا یَحْمَدُكَ الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ (تنویر المقیاس من تفسیر ابن عباس)

''آپ کے رب کا آپ ﷺ کو مقامِ محمود پر فائز کرنا مقامِ شفاعت ہے جہاں اوّلین و آخرین آپ کے لئے محوِ ثناء ہوں گے۔''

(۶) امام جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) فرماتے ہیں :

يَحْمَدُكَ فِيْهِ الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ وَهُوَ مَقَامُ الشَّفَاعَةِ (جلالين للسيوطى : ۲۹۰)

''مقامِ محمود وہ مقام ہے جس جگہ اوّلین و آخرین آپ ﷺ کی حمد کریں گے اور وہ مقامِ شفاعت ہوگا۔''

''نبی اکرم ﷺ کو شفاعت سے پہلے سبز پوشاک کا پہنایا جانا: شفاعت سے پہلے نبی اکرم ﷺ کو سبز پوشاک کا پہنایا جانا مقامِ محمود ہوگا:

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : اَنَا اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْاَرْضُ فَاُكْسَى الْحُلَّةَ مِنْ حُلَلِ الْجَنَّةِ ثُمَّ اَقُوْمُ عَنْ يَمِيْنِ الْعَرْشِ لَيْسَ اَحَدٌ" مِّنَ الْخَلَائِقِ يَقُوْمُ ذٰلِكَ الْمَقَامَ غَيْرِیْ (سنن ترمذی، کتاب المناقب عن رسول الله ﷺ، باب: فی فضل النبی ﷺ ۵ : ۵۸۵)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میں ہی وہ پہلا شخص ہوں جس پر سب سے پہلے زمین شق ہوگی، پس مجھے جنت کے لباس میں سے ایک حلّہ پہنایا جائے گا۔ اُس کے بعد میں عرش کے دائیں جانب اعلیٰ مقام پر کھڑا ہوں گا جہاں میرے سوا مخلوق میں سے کوئی دوسرا کھڑا نہیں ہوگا۔''

(۲) عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: يُبْعَثُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَكُوْنُ اَنَا وَاُمَّتِیْ عَلٰى تَلٍّ فَيَكْسُوْنِیْ رَبِّیْ حُلَّةً خَضْرَاءَ فَاَقُوْلُ مَاشَاءَ اللّٰهُ اَنْ اَقُوْلَ فَذٰلِكَ الْمَقَامُ الْمَحْمُوْدُ (صحیح ابن حبان، رقم: ۶۴۷۹)

''حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اور میرے اُمّتی روزِ قیامت ایک ٹیلے پر جمع ہوں گے، تو میرا پروردگار مجھے سبز رنگ کا لباسِ فاخرہ پہنائے گا، اُس مقام پر میں اللہ ربّ العزت کی منشاء کے مطابق حمد و ثناء کروں گا اور یہی مقامِ محمود ہے۔''

''اللہ تعالیٰ کا نبی اکرم ﷺ سے پیار بھرا سوال: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لِلْاَنْبِيَاءِ مَنَابِرُ مِنْ ذَهَبٍ فَيَجْلِسُوْنَ عَلَيْهَا وَيَبْقٰى مِنْبَرِیْ لَا اَجْلِسُ عَلَيْهِ اَوْلَا اَقْعُدُ عَلَيْهِ قَائِمًا بَيْنَ يَدَیْ رَبِّیْ مَخَافَةَ اَنْ يَّبْعَثَ بِیْ اِلَى الْجَنَّةِ وَيَبْقٰى اُمَّتِیْ مِنْ بَعْدِیْ فَاَقُوْلُ: يَا رَبِّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى : يَا مُحَمَّدُ! مَا تُرِيْدُ اَنْ اَصْنَعَ بِاُمَّتِكَ؟ فَاَقُوْلُ: يَا رَبِّ! عَجِّلْ حِسَابَهُمْ فَيُدْعٰى بِهِمْ فَيُحَاسَبُوْنَ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّدْخُلُ الْجَنَّةَ بِرَحْمَةِ اللّٰهِ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّدْخُلُ الْجَنَّةَ

بِشَفَاعَتِيْ فَمَا أَزَالُ أَشْفَعُ حَتّٰى أُعْطِيَ صَكًّا بِرِجَالٍ قَدْ بُعِثَ بِهِمْ إِلَى النَّارِ وَاٰتِي مَلَكًا خَازِنُ النَّارِ فَيَقُوْلُ: يَا مُحَمَّدُ! مَا تَرَكْتَ لِلنَّارِ لِغَضَبِ رَبِّكَ فِيْ أُمَّتِكَ مِنْ بَقِيَّةٍ (المستدرك للحاكم ۱: ۱۳۵؛ المُعجم الاوسط للطبرانی، رقم: ۲۹۳۷)

''(محشر کے دن) تمام انبیاء علیہم السلام کے لئے سونے کے منبر (لگے) ہوں گے، وہ اُن پر جلوہ افروز ہوں گے جبکہ میرا منبر (خالی) رہے گا۔ میں اُس پر نہیں بیٹھوں گا بلکہ اپنے پروردگار کی بارگاہِ اقدس میں کھڑا رہوں گا اِس ڈر سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے جنت میں بھیج دیا جائے اور میرے بعد میری اُمّت بے یارومددگار رہ جائے۔ چنانچہ میں بارگاہِ خداوندی میں عرض پرداز ہوں گا: میری اُمّت، میری اُمّت! رب تعالیٰ دریافت فرمائے گا: اے (پیارے) محمد! آپ کیا چاہتے ہیں کہ آپ کی اُمّت کے ساتھ کیسا سلوک کیا جائے؟ میں عرض کروں گا: اے میرے پروردگار! اُن (میری اُمّت) کا حساب جلد فرما دے پھر اُنہیں بلایا جائے گا، اُن کا حساب ہوگا، اُن میں سے کچھ اللہ کی رحمت سے جنت میں داخل ہوں گے اور کچھ میری شفاعت سے، یہاں تک کہ میں (اپنی اُمّت کے) اُن افراد (کی رہائی) کا پروانہ بھی حاصل کرلوں گا جنہیں دوزخ میں بھیجا جاچکا ہوگا اور جہنم کا داروغہ عرض کرے گا: اے محمد! (ﷺ) آپ نے اپنی اُمّت میں سے کوئی بھی جہنم میں باقی نہیں رہنے دیا کہ جس پر آپ کا رب ناراض ہو۔''

<u>شفاعت سے متعلق اہلِ مغرب کی ہرزہ سرائی</u>: راقم الحروف ''انسائیکلو پیڈیا آف دی قرآن'' طبع لیڈن کے مضمون نگار Valerie J. Hoffman کے بیان کو پڑھ کر ششدر رہ گیا جس میں اُس نے روزِ قیامت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رب تعالیٰ کے حضور شفاعت پر شک کا اظہار کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کا شافی و کافی ثبوت قرآن میں کہیں نہیں ہے۔ اس کے الفاظ کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

''اسلام میں یہ ایک بڑا عقیدہ بن کے رہ گیا ہے کہ محمد (ﷺ) روزِ محشر کو مسلمانوں کی شفاعت کریں گے لیکن اس کا کوئی ٹھوس ثبوت قرآن میں کہیں نہیں ہے۔'' (جلد۲، صفحہ ۵۵۱)

اُس آنکھ پر کیا واویلا کرنا جس نے تابندہ و روشن حقیقت سے اپنے آپ کو موندلیا ہو۔ ذرا غور تو کیجئے کہ اللہ رب العزت نے کس شان اور طمطراق سے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو روزِ محشر میں شفاعت کا اختیار دے کر اُن کی توقیر و عظمت کو چار چاند لگا دیے ہیں جس پر قرآنِ حکیم کی متعدّد آیات اور احادیثِ مبارکہ شاہدِ عدل ہیں۔ آپ ﷺ پر خالق و مالک کی یہ عطا جہاں آپ کے عنداللہ مقام کی مظہر ہے تو اُس قادرِ مطلق کے مالكِ يومِ الدّين کے اصل مفہوم کی بھی غماز ہے۔ شفاعت سے متعلق آیاتِ قرآنی ملاحظہ ہوں:

(۱) مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗ إِلَّا بِإِذْنِهٖ (البقرة: ۲۵۵)

''کون ایسا شخص ہے جو اُس کے حضور اُس کے اذن کے بغیر سفارش کر سکے۔'' (۲: ۲۵۵)

(۲) لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۝ (مریم: ۸۷)

"(اُس دن) لوگ شفاعت کے مالک نہ ہوں گے سوائے اُن کے جنہوں نے (خدائے) رحمٰن سے وعدہ (شفاعت) لے لیا ہے۔" (۸۷ : ۱۹)

(۳) يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا O (طٰهٰ : ۱۰۹)
"اُس دن سفارش فائدہ مند نہ ہوگی سوائے اُس شخص (کی سفارش) کے جسے (خدائے) رحمٰن نے اِذن (اجازت) دے دی ہے اور جس کی بات سے وہ راضی ہوگیا ہے۔" (۱۰۹:۲۰)

(۴) وَلَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ (سبا : ۲۳)
"اور اُس کی بارگاہ میں شفاعت نفع نہ دے گی سوائے جس کے حق میں اُس نے اذن دیا ہوگا۔" (۳۴:۲۳)

یہاں معقول سوال یہ ہے کہ وہ کون ہے جسے اللہ تعالیٰ نے شفاعت کرنے کی اجازت دے رکھی ہے یا اُس کا وعدہ کر رکھا ہے؟ ظاہر ہے کہ وہ آخر الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذاتِ اقدس ہی ہے جن سے اللہ نے شفاعت کا وعدہ کر رکھا ہے کیونکہ پوری مخلوقات میں آپ کی ذاتِ ستودہ صفات سے بڑھ کر اللہ کو کوئی پیارا نہیں۔

(۵) وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ وَهُم مِّنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ O (الانبیاء : ۲۸)
"وہ (فرشتے اللہ کے حضور) سفارش بھی نہیں کرتے مگر اُس کے لئے (کرتے ہیں) جس سے وہ خوش ہوگیا ہو اور وہ اُس (کی ہیبت و جلال) سے خائف رہتے ہیں۔" (۲۸ : ۲۱)

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کی نظر میں اچھے اور نیک ہیں' فرشتے اُن کے حق میں اللہ کے حضور شفاعت کرتے ہیں اور چونکہ مسلمان اللہ کے حبیب و محبوب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اُمّت ہونے کے حوالے سے اللہ کو بہت ہی پیارے ہیں' اس لئے فرشتے رب کی اجازت سے اُن کے حق میں شفاعت کریں گے۔

قرآنِ حکیم شفاعت جیسے اہم عقیدے پر خاموش نہیں رہ سکتا تھا کہ ایک طرف تو وہ نبی آخر الزماں ﷺ کی عظمت و فوقیت کی پُر زور طور پر بات کرتا ہے تو دوسری طرف وہ اُس مایوس مسلمان کو رجائیت کا پیغام دیتا ہے جو شدید طور پر گناہوں کی ناقابلِ فرار دلدل میں ٹامک ٹوئیاں مار رہا ہے۔ لہٰذا سورۃ الزُّخرُف کی آیت ۸۶ میں واضح اور غیر مبہم طور پر نوعِ انسانی کو جتلایا گیا کہ :

وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَن شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ O
"اور جن کی یہ (کافر لوگ) اللہ کے سوا پرستش کرتے ہیں وہ (تو) شفاعت کا (کوئی) اختیار نہیں رکھتے ہاں جس نے حق کا اقرار اور تصدیق کی اور وہ اُسے جانتے بھی ہیں۔" (۸۶ : ۴۳)

اِلَّا مَنۡ شَهِدَ بِالۡحَقِّ (جس نے حق کا اقرار اور تصدیق کی) سے مراد نبی علیہ السلام کی ذاتِ اقدس ہے اور وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ (وہ اُسے جانتے بھی ہیں) سے مراد قبیلہِ قریش ہے جن میں آپ ﷺ کی نشو ونما اور پرورش ہوئی اور جنہوں نے آپ کو ''صادق'' اور ''امین'' کے القاب دئے تھے۔

اِسی طرح سورہ الضُّحٰی کی آیت پنجم روزِ قیامت نبیِ اکرم ﷺ کی رب تعالیٰ کے حضور سفارشی ہونے کا کافی ثبوت ہے جس میں فرمایا:

وَلَسَوۡفَ يُعۡطِيۡكَ رَبُّكَ فَتَرۡضٰى O (اَلضُّحٰی :۵)

''اور آپ کا رب عنقریب آپ کو (اتنا کچھ) عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔'' (۹۳:۵)

مستند روایات کی رُو سے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انتہائی خوشی یہ ہے کہ وہ اپنے آخری اُمّتی کو بہ اذنِ الٰہی اپنے ساتھ جنت میں لے جائیں۔ یہ بات آپ کے خالق کے حضور اپنی امت کے گنہگاروں' توبہ کرنے والوں' نادم و پشیمان لوگوں کے لئے شفیع ہونے کا مظہر ہے۔ امام غزالی (۴۵۰-۵۰۵ھ/۱۰۵۸-۱۱۱۱ء) کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا محمد (ﷺ) کو خوش کن تحفہ آپ کی امت کے لئے شفیع بنانا ہے۔'' (''احیاء علوم الدین'')

مقامِ محمود کی وضاحت میں چند مزید احادیث نبویہ

(۱) حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جبریلِ امین میرے پاس آئے اور مجھے پیغامِ الٰہی دیا:

فَخَيَّرَنِىۡ رَبِّىۡ بَيۡنَ اَنۡ يَّدۡخُلَ نِصۡفَ اُمَّتِىۡ اَلۡجَنَّةَ وَبَيۡنَ الشَّفَاعَةِ فَاخۡتَرۡتُ الشَّفَاعَةَ

''میرے رب نے مجھے اختیار دیا کہ وہ یا تو میری آدھی اُمت کو جنت میں داخل کر دے یا میں شفاعت کو قبول کرلوں' تو میں نے شفاعت کو پسند کیا۔'' (ابن ماجہ' ترمذی)

(۲) صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ایک اور حدیث کی رُو سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دستِ مبارک بلند کئے اور گریہ وزاری کرتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے رب کے حضور فریاد کناں ہوئے: اُمَّتِىۡ اُمَّتِىۡ تو اللہ تعالیٰ نے جبریلِ امین کو حکم دیا کہ وہ جا کر میرے حبیب لبیب کو تسلی دیں اور یہ پیغام دے کر آئیں:

اِنَّا سَنُرۡضِيۡكَ فِىۡ اُمَّتِكَ وَلَانَسُوۡءُ كَ (بحوالہ تفسیر نعیمی' ج ۱' ص ۳۹۸)

''ہم یقیناً آپ کو آپ کی اُمّت کے بارے میں راضی کر کے رہیں گے اور آپ کو غم زدہ نہیں ہونے دیں گے۔''

(۳) مَنۡ زَارَ قَبۡرِىۡ وَجَبَتۡ لَهٗ شَفَاعَتِىۡ

''جس نے (بحالتِ ایمان ویقین) میرے مقبرہ کی زیارت کی' اُس کے لئے میری شفاعت واجب ہو گئی۔''

(۴) شَفَاعَتِیْ لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ
''میری شفاعت میری اُمت کے کبیرہ گناہوں کے مرتکب لوگوں کے لئے ہوں گی (جو توبہ کرنے والے پشیمان اور نادم ہوں)۔''

(۵) ''حضرت اَنس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ روزِ محشر میری اللہ تعالیٰ کے حضور شفاعت کرائیں جس کا آپ نے وعدہ فرما لیا۔ میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! اُس دن میں آپ کو کہاں تلاش کروں؟ فرمایا: پہلے تم مجھے پُل صراط پر پاؤ گے۔ میں نے پوچھا: اگر میں وہاں آپ کو نہ پاؤں تو کہاں؟ فرمایا: پھر میں تمہیں میزان پر ملوں گا (یہ وہ جگہ ہے جہاں لوگوں کے اعمال تولے جائیں گے)۔ میں نے پھر پوچھا: وہاں بھی اگر آپ نہ مل سکے تو؟ آپ نے فرمایا: تو پھر تم مجھے حوضِ کوثر پر پاؤ گے کیونکہ میں نے ان تین جگہوں میں سے کسی نہ کسی جگہ پر ملنا ہے۔'' (ترمذی)

''آپ ﷺ کی دعا نے آپ کے چچا ابوطالب کی سزا میں جو اسلام نہیں لائے تھے' کسی حد تک تخفیف کر دی اور اُنہیں نارِ جہنم کے بالائی طبقوں میں رکھا گیا۔'' (صحیح مسلم ؛ انسائیکلوپیڈیا آف دی قرآن' ج ۲' ص ۵۵۳)

<u>شفاعت کے انکار سے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ</u> : <u>عقیدہ شفاعت کے مخالفین کے اعتراضات اور اُن کا جواب</u> : عقیدہِ شفاعت کے مخالفین کی پہلی دلیل یہ ہے کہ اُن کے مطابق قرآن مجید میں شفاعت کی پُرزور تردید کی گئی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بروزِ قیامت شفاعت سے متعلق قرآن مجید کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ اللہ قادرِ مطلق ہونے کے ناطے سے اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان تعلق قائم کرنے میں خودمختار ہے اور اس لئے اُس دن شفاعت کی کوئی بھی کوشش باثمر اور مؤثر ثابت نہیں ہوگی۔ وہ اس حدیث کا حوالہ بھی دیتے ہیں جس میں ختمی مرتبت ﷺ نے اپنی بیٹی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ میں تم سے خدا کا عذاب دفع نہیں کرسکتا۔ نیز اپنے موقف کی تائید میں وہ درجِ ذیل آیات بھی پیش کرتے ہیں:۔

(۱) وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ '' عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ ''وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ'' وَّ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ○ (البقرة : ۱۲۳)

''اور اُس دن سے ڈرو جب کوئی کسی کے بھی کام نہ آئے گا اور نہ اُس کی طرف سے معاوضہ قبول کیا جائے گا اور نہ اُسے سفارش نفع پہنچا سکے گی اور نہ اُنہیں مدد ہی پہنچ سکے گی۔'' (۲ : ۱۲۳)

جواب : آیتِ مذکورہ اور اس سے قبل کی آیت (۱۲۲) بنی اسرائیل (یہود) سے متعلق ہے جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان لانے کے باوجود ختمی مرتبت ﷺ کی رسالت کا انکار کر کے کافر ہوئے اور راندہِ درگاہِ الٰہی ہوئے۔ ایسے ہی لوگوں کی بابت قرآن نے یہ وعید سنائی ہے:

مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ O (المؤمن : ۱۸)
''ظالموں کا نہ کوئی دلی دوست ہوگا اور نہ سفارشی جس کی بات مان بھی لی جائے۔'' (۱۸ : ۴۰)

یعنی کافروں کا نہ کوئی دوست اور نہ کوئی سفارشی ہوگا جس کا کہا مانا جائے۔ اگر مسلمانوں کا بھی کوئی دوست اور شفیع نہ ہو تو مؤمن و کافر میں فرق کیا رہا؟

سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے یہی تو فرمایا جا رہا ہے کہ اگر تم نے ایمان قبول نہ کیا تو تمہاری شفاعت نہ ہوگی۔ (تفسیر نعیمی ج ۱ ص ۴۰۴۔ مفتی احمد یار خاں گجراتی)

(۲) لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ (مریم : ۸۷)
''شفاعت کا اختیار کوئی بھی نہ رکھے گا۔'' (۸۷ : ۱۹)

جواب: اس کا جواب اس سے متصل آیت ہی میں اِلّا سے استثناء کر کے دے دیا گیا اور فرمایا گیا:
اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا O (مریم : ۸۷)
''بجز اس کے جس نے خدائے رحمان سے اجازت لے رکھی ہے۔'' (۸۷ : ۱۹)

آیت متقین سے متعلق ہے جنہوں نے خدائے رحمان سے شفاعت کا عہد لے رکھا ہے۔ معلوم ہوا کہ متقین باذنِ الٰہی شفاعت کریں گے اور جب (عام) متقین کا یہ مقام ہے تو امام المتقین ﷺ کے مقام و مرتبہ کا کیا کہنا!

ہم کہتے ہیں کہ اگر شفاعت کوئی چیز نہیں تو نمازِ جنازہ بھی نہیں ہونی چاہئے کیونکہ وہ بھی شفاعت ہی ہے جو اس میّت کو سامنے رکھ کر اُس کے لئے دعا کرتے ہیں اور بچے کو اپنا شفیع بناتے ہیں اور بچے کے جنازے پر پڑھتے ہیں:
اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرَطًا وَّاجْعَلْهُ لَنَا شَافِعًا وَّمُشَفَّعًا
''اے اللہ! اس بچے کو ہمارا شفیع (سفارشی) بنا۔''

(۳) اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَاءَ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ O قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الزُّمَر : ۴۳، ۴۴)
''اچھا تو کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا دوسروں کو سفارشی قرار دے رکھا ہے؟ کہہ دیجئے کہ اگرچہ یہ (سفارشی) کچھ بھی قدرت نہ رکھتے ہوں اور نہ کچھ سمجھتے بوجھتے ہوں۔ آپ فرما دیجئے کہ تمام تر سفارش اللہ ہی کے اختیار میں ہے' اُسی کی سلطنت آسمانوں اور زمین میں ہے۔'' (۴۳، ۴۴ : ۳۹)

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی (م ۶۰۶ ھ) لکھتے ہیں کہ بعض لوگوں نے سورۃ الزُّمر کی آیت ۴۴:
قُلْ لِلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الزُّمر: ۴۴)
"(اے حبیبِ مکرّم!) فرما دیجئے: تمام شفاعتوں کا مالک اللہ ہی ہے، تمام
آسمانوں اور زمین کی ملکیت اللہ ہی کی ہے۔" (۳۹ : ۴۴)

سے مطلقاً شفاعت کی نفی پر استدلال کیا ہے اور یہ استدلال ضعیف ہے کیونکہ ہم یہ مانتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو شفاعت کا اِذن نہ دے تو وہ شفاعت نہیں کر سکتا۔ (تفسیر کبیر ج ۹، ص ۴۵۶، ۴۵۷ طبع بیروت ۱۴۱۵ ھ)

"یہ آیت اہلِ مکہ کے ردّ میں نازل ہوئی کیونکہ وہ یہ زعم کرتے تھے کہ بت اللہ کے ہاں اُن کی سفارش کریں گے تو آیت کا معنی یہ ہوا کہ اے حبیبِ لبیب! آپ مشرکین سے یہ کہئے کہ کیا تم بتوں کو سفارشی بنا رہے ہو خواہ وہ کسی چیز کے مالک ہی نہ ہوں اور اُنہیں کسی چیز کی عقل بھی نہ ہو اور جب وہ کسی چیز کے مالک نہیں ہیں تو اللہ کے ہاں تمہاری سفارش کرنے کے کیسے مالک ہوں گے! اس دلیل کے ذریعے مشرکین کو ساکت کرنے کے بعد فرمایا: "تمام شفاعتوں کا مالک اللہ ہی ہے" یعنی کوئی شخص کسی کی شفاعت کرنے کی طاقت نہیں رکھتا جب تک کہ جس کی شفاعت کی جائے وہ اللہ کا پسندیدہ بندہ نہ ہو اور شفاعت کرنے والے کو شفاعت کا اِذن نہ دیا گیا ہو جبکہ بتوں کی شفاعت کے معاملہ میں دونوں چیزیں مفقود ہیں۔" ("تبیان القرآن"۔ غلام رسول سعیدی، جلد ۱۰، ص ۲۷۴)

(۴) فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ○ (اَلْمُدَّثِّر: ۴۸)
"سو اُنہیں سفارش کرنے والوں کی سفارش کوئی نفع نہ دے گی۔" (۷۴ : ۴۸)

اس آیت کا سیاق یومِ آخرت کے منکرین سے متعلق ہے اور اُنہی کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے کہ اُنہیں سفارش کرنے والوں کی سفارش کوئی فائدہ نہ دے گی۔ اُن پر قہر و غضبِ الٰہی ہوگا کہ اُنہیں شفاعت فائدہ نہ دے گی۔ اگر مسلمانوں کا بھی یہی حال ہو تو اُن میں اور کفار میں کیا فرق رہا؟ جیسا کہ سورۃ الشُّعَراء (۲۶) کی آیات ۸۸، ۸۹ میں فرمایا: يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ○ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ○ (جس دن نہ مال کام آئے گا اور نہ اولاد مگر ہاں جو اللہ کے پاس پاک دل لے کر آئے) یعنی ایسا دل جو کفر و شرک کی آلائش سے پاک ہو۔ معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے لئے مال بھی کارآمد اور اولاد بھی فائدہ مند۔ جبکہ مشرکین کے لئے مال و اولاد بے کار رہوں گے۔

(۵) عقیدہ شفاعت کے منکرین کا یہ بھی کہنا ہے کہ اس عقیدے سے مسلمان بدعمل ہو جائیں گے کیونکہ وہ شفاعت پر اعتماد کر کے اعمال سے غافل ہو جائیں گے۔

جواب : یہ اعتراض تو ایسا ہی ہے جیسے آریہ کہتے ہیں کہ توبہ کا مسئلہ بدعمل بناتا ہے۔ منکرین کو معلوم نہیں کہ شفاعت سے امید بڑھے گی اور امید سے شوقِ عمل زیادہ ہوگا۔

عقیدہ شفاعت کے قطعی انکار میں معتدل عنصر : عقیدہ شفاعت سے بہ ظاہر قطعی انکار کو قرآن مجید کی کچھ دیگر آیات میں معتدل عنصر کے طور پر لیا گیا ہے۔ وہ لوگ (بہ شمول فرشتے) جنہوں نے اللہ بزرگ و برتر سے وعدہ لے رکھا ہے، سب اللہ کی طرف سے شفاعت کے مختار ہیں۔ مثلاً ذیل کی آیات ملاحظہ ہوں:

(۱) لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ○ (مریم : ۸۷)

''شفاعت کا اختیار کوئی بھی نہ رکھے گا بجز اس کے جس نے خدائے رحمان سے اجازت لے رکھی ہے۔'' (۸۷ : ۱۹)

(۲) وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَن شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ○ (الزخرف : ۸۶)

''اور جنہیں یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں، انہیں تو سفارش تک کا اختیار نہیں، ہاں جن لوگوں نے حق کا اقرار کیا اور وہ (پیغمبر علیہ السلام کی) تصدیق بھی کرتے ہیں وہ البتہ سفارش کر سکیں گے۔'' (۸۶ : ۴۳)

(۳) وَكَم مِّن مَّلَكٍ فِي السَّمَاوَاتِ لَا تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا إِلَّا مِن بَعْدِ أَن يَأْذَنَ اللَّهُ لِمَن يَشَاءُ وَيَرْضَىٰ ○ (النجم : ۲۶)

''اور آسمانوں میں بہت سے فرشتے ہیں کہ اُن کی سفارش ذرا بھی کام نہیں آسکتی مگر ہاں بعد اس کے کہ اللہ اجازت دے دے جس کے لئے وہ چاہے اور اُس کی رضا ہو۔'' (۵۳: ۲۶)

کفار کی اس غلط فہمی کو دور کیا جا رہا ہے کہ ان بتوں اور مورتیوں کا تو خیر ذکر ہی نہیں جو سرے سے شفاعت کی کوئی اہلیت ہی نہیں رکھتے۔ نورانی مخلوق ملائکہ مقربین تک کی یہ مجال نہیں کہ اپنی رائے اور ارادہ سے جس کی چاہیں، ہماری جناب میں بے دھڑک سفارش کر ڈالیں اور اُسے بخشوا کر جنت میں پہنچا دیں بلکہ وہ بھی صرف اجازتِ الٰہی کے بعد ہی اس کی جرأت کر سکتے ہیں۔ لِمَن يَشَاءُ کا مطلب بھی یہی ہے کہ سفارش کی اجازت بھی صرف اُسی کے حق میں ملے گی جسے خود حضرتِ حق کی مشیت چاہ رہی ہو۔ وَيَرْضَىٰ کی قید غالباً اس لئے بڑھا دی کہ کہیں دنیا والوں کی طرح وہاں بھی یہ قیاس نہ کیا جائے کہ نعوذ باللہ حق تعالیٰ کو بھی کسی کے لحاظ یا خوف سے اپنی مرضی کے خلاف اجازت دے دینا پڑے گی۔ مرضیِ حق خود ہی سب سے بالا تر ہے جس کے اوپر کوئی مؤثر نہیں۔ معلوم ہوا کہ جب فرشتے بھی کفر و شرک پر مرنے والوں کی شفاعت نہیں کر سکتے تو یہ بت تمہاری نجات کا سبب کیسے بن سکتے ہیں؟

اپنے موقف کی تائید میں عقیدۂ شفاعت کے منکرین سورۃ البقرۃ کی مندرجہ ذیل آیت بھی پیش کرتے ہیں جس میں مؤمنین تک کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ اُس دن کوئی سودے بازی نہیں ہوگی، کوئی دوستی کام نہیں آئے گی اور

کوئی سفارش فائدہ نہیں دے گی:۔

یَا اَیُّهَاالَّذِیْنَ آمَنُوْا أَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰکُم مِّنْ قَبْلِ أَنْ یَّأْتِیَ یَوْم'' لَّا بَیْع'' فِیْهِ خُلَّة'' وَّلَا شَفَاعَة'' وَ الْکَافِرُوْنَ هُمُ الظَّالِمُوْنَ O (البقرۃ : ۲۵۴)

''مؤمنو! ہمارے دیئے میں سے اللہ کی راہ میں وہ دن آنے سے پہلے خرچ کرو جس میں نہ تجارت کام آئے گی' نہ دوستی اور نہ سفارش اور کافر ہی تو ظالم ہیں۔'' (۲۵۴ : ۲)

جواب: کفار ہی دراصل اِن نعمتوں سے محروم ہیں ورنہ یہاں اُن کا ذکر نہ کیا جاتا۔ یہاں مؤمنین کو اس لئے خطاب کیا جارہا ہے کہ کہیں زکوٰۃ کا انکار کر کے اُن کا شمار کفار میں نہ ہو جائے۔ یہاں کفار سے مراد منکرینِ زکوٰۃ ہیں جیسا کہ تفسیر روح البیان نے فرمایا: اَیْ وَالتَّارِکُوْنَ لِلزَّکوٰۃ۔ مؤمنین کا تو رب تعالیٰ کے ہاں بڑا مرتبہ اور مقام ہے کہ بروئے حدیثِ مبارکہ مسلمانوں کے چھوٹے بچے اپنے والدین کے لئے رب سے جھگڑا کریں گے۔ معلوم ہوا کہ یہ حضرات بارگاہِ الٰہی میں ناز کرتے ہیں اور اُن کے ناز قبول فرمائے جاتے ہیں۔ (نعیمی ج ا' ص ۴۰۲)

(۲) وَلَا تَزِرُ وَازِرَة'' وِّزْرَ اُخْرٰی (الانعام : ۱۶۴ ؛ اَلنَّجم : ۳۸)

''اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔'' (۱۶۴ : ۶ ؛ ۳۸ : ۵۳)

جواب: علامہ بیضاوی نے فرمایا کہ یہ آیت بت پرستوں کے اُس زعم کے جواب میں ہے جس میں اُنہوں نے مسلمانوں سے کہا تھا:

اِتَّبِعُوْا سَبِیْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰیٰکُمْ (العنکبوت : ۱۲)

''ہماری راہ پر چلو اور تمہارے گناہ ہمارے ذمہ ہیں۔'' (۱۲ : ۲۹)

لَاتَزِرُ وَازِرَة'' وِّزْرَ اُخْرٰی کی آیت عیسائی عقیدے ''کفارۂ مسیح'' کی بھی نفی کرتی ہے۔

مندرجہ ذیل حدیثِ مبارکہ جس کے راوی جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں' عقیدہ شفاعت کا انتہائی مضبوط اور ناقابلِ انکار ثبوت ہے کہ ختمی مرتبت ﷺ نے فرمایا:

اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ اِنْقَطَعَ عَمَلُه' اِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ : اِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِیَةٍ أَوْعِلْمٍ یُنْتَفَعُ بِه أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ یَدْعُوْا لَه' (مسلم : کتاب الوصایا ؛ سنن ابی داؤد: کتاب الوصایا ؛ نسائی: کتاب الوصایا ؛ ترمذی و مسند احمد بن حنبل؛ السنن الکبریٰ للبیہقی ؛ شرح السُّنّة للبغوی)

''انسان کے مرنے پر اُس کا عمل سوائے تین چیزوں کے کٹ جاتا ہے: صدقہ جاریہ' یا ایسا علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے یا نیک اولاد جو اُس کے لئے (مغفرت کی) دعا کرے۔''

یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ اولاد کے نیک اعمال والدین کے لئے اُن کی وفات کے بعد بھی ذریعہ نجات

بن جاتے ہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ ایک آدمی کی نیکیاں دوسرے کے بھی کام آتی ہیں ۔کوئی شک نہیں کہ حدیث مذکورہ میں اوّل الذکر دو کام متوفّی (مرنے والے) کے ذاتی کام ہیں لیکن اُس کی اولاد کی نیکیاں تو اُس کی اپنی ذاتی نہیں لیکن اس کے باوجود اُن کا اُسے فائدہ مل رہا ہے ۔اُن لوگوں کو جو رحمتِ الٰہی کو محدود و مقید کرنے پر تلے ہوئے ہیں' اپنے رویّے پر شرم آنی چاہئے کہ اُن کا یہ رویّہ تعلیماتِ اسلامی کے سراسر خلاف ہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ختمی مرتبت ﷺ کے چہرہ انور سے نقاب اٹھایا اور یوں ملتجی ہوئے :

اُذْكُرْنَا يَامُحَمَّدُ عِنْدَ رَبِّكَ وَلْنَكُنْ مِّنْ بَالِكَ (زهرالآداب ۱ : ۳۵)

''اے قابلِ صدستائش ہستی ! اپنے رب کے ہاں ہمارا ذکر کر دینا اور ہمیں اپنے دل میں یاد رکھنا۔''

ایک اور حدیثِ مبارکہ میں آپ ﷺ نے فرمایا :

إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا يَقُوْلُ ثُمَّ صَلُّوْا عَلَيَّ فَإِنَّه' مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلاَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا ثُمَّ سَلُوا اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ فَإِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ لاَ تَنْبَغِيْ إِلاَّ لِعَبْدٍ مِّنْ عِبَادِ اللّٰهِ وَ أَرْجُوْا أَنْ أَكُوْنَ أَنَا هُوَ فَمَنْ سَأَلَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ حَلَّتْ لَهُ الشَّفَاعَةُ (صحيح مسلم : كتاب الصلوٰة ؛ سنن ابى داؤد : كتاب الصلوٰة ؛ جامع الصحيح للترمذى : كتاب المناقب ؛ سنن نسائى: كتاب الاذان ؛ مسند احمد بن حنبل ؛ شرح السُّنَّة للبغوى ؛ صحيح ابن حبّان ؛ السُّنن الكبرىٰ للبيهقى ؛ مشكوة المصابيح : كتاب الصلاة ؛ كنزالعمال لعلاء الدين)

''جب تم مؤذن کو اذان کہتے سنو تو جیسے وہ کہے تم بھی (اُسی طرح) کہتے جاؤ پھر مجھ پر درود بھیجو کیونکہ جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے تو رب تعالیٰ اُس کے بدلے میں اُس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے۔اس کے بعد تم میرے لئے جنت میں مقامِ وسیلہ کی (رب سے) درخواست کرو جس کا کوئی بندہ اہل نہیں اور مجھے امید ہے کہ میں ہی اُس کا اہل ہوں۔تو جو شخص میرے لئے مقامِ وسیلہ کی (رب سے) درخواست کرے تو اُس کے لئے (میری) شفاعت واجب ہو گئی۔''

جیسا کہ اوپر بیان ہوا قرآن مجید اور احادیثِ مبارکہ نے بار بار کافروں کے عقیدۂ شفاعت کو باطل اور غلط کہا ہے اور شفاعت کا صحیح نظریہ پیش کیا ہے کہ جس میں نہ تو کسی صفتِ الٰہی کا انکار ہوتا ہے اور نہ ہی کسی مخلوق کو اللہ کے ساتھ شریک کرنا ہے۔ S.D. Islahi نے صحیح کہا :

''نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت ایک عاجزانہ درخواست' التجا اور دعا سے مختلف نہیں ہوگی۔آپ ﷺ نہ تو کسی شخص کے ایمان و اعمال کی بابت اللہ تعالیٰ کے علم میں اضافہ کریں گے' نہ ہی آپ کسی شخص کی بخشش کے استحقاق کے لئے اپنا نظریہ پیش کریں گے اور نہ ہی آپ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر اثر انداز ہونے تک کا تصوّر تک

کریں گے۔ رب تعالیٰ کے اذن کے ساتھ آپ ربّ العالمین کے حضور عاجزانہ درخواست کریں گے اور اُس کے رحم وکرم کی بھیک مانگیں گے۔ آپ کی اُس سے دعا یہ ہوگی:

''اے اللہ! اے میرے آقا و مالک! میں تجھ سے تیرے فلاں بندے کے گناہ معاف کرنے' اُس کی خطاؤں کونظر انداز کرنے اور اُسے اپنے عفووکرم اور جوارِ رحمت میں رکھنے کی التجا کرتا ہوں۔''

حقیقت یہی ہے کہ شفاعت کی قبولیت کا اختیار اللہ ہی کے پاس ہے اور اصل شفیع بھی اللہ ہی ہے۔ قرآن مجید نے اس نکتے کو کئی بار واضح کیا ہے۔ مثلاً سورۃالانعام کی آیت ۵۱ میں فرمایا:

وَ اَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ '' وَّلَا شَفِيْعٌ ''

''اور آپ اِس (قرآن) کے ذریعے اُن لوگوں کو ڈرسنایئے جو اپنے رب کے پاس اِس حال میں جمع کئے جانے سے خوف زدہ ہیں کہ اُن کے لئے اُس کے سوا نہ کوئی مددگار رہو اور نہ کوئی سفارشی۔''

<u>شفاعت کی اہمیت اور مقصد</u>: گنہگاروں کی بخشش کے لئے آخر کسی چیز کی کمی تو ہوگی جس کی وجہ سے بخشش نہ ہونے کی اُنہیں پریشانی ہوگی۔ اُسی کمی کو پورا کرنے کے لئے ربّ کریم ورحیم نے اپنے محبوب پیغمبر رحمۃ للعالمین ﷺ کو گنہگاروں کے لئے شفیع اور سفارشی بنایا۔

''یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ ''شفاعت'' خاص بخششِ خداوندی کا نام ہے جو معافی کے عام اصول سے قدرے مختلف ہے۔ ہم اسے رعایت کا اصول سمجھ سکتے ہیں۔ تاہم شفاعت کا یہ اصول اللہ تعالیٰ کی وحدانیت' اُس کے عدل وانصاف' اُس کی کبریائی اور عظمت' اُس کے علم اور اُس کی توقیر کے عین موافق ہے اور یہ کسی بھی طرح اُس کے ضابطۂ سزا وجزا کے مخالف نہیں ہے۔''

''قرآن مجید اور احادیثِ مبارکہ سے یہ بات بالکل عیاں ہے کہ روزِ محشر لوگوں کی بخشش اُس کی رحمت کے بغیر ممکن نہیں اور قرآن مجید نے اعلان فرمادیا:

وَوَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ O فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ (اَلدُّخان: ۵۶' ۵۷)

"اور اللہ اُنہیں دوزخ سے بچائے گا۔ (یہ سب) آپ کے پروردگار کے فضل سے ہوگا۔"(۴۴:۵۷'۵۶)

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی فرمایا کہ کوئی بھی شخص صرف اپنے اعمال کی بدولت نجات نہ پا سکے گا۔ یہ بات بھی اہم ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت صرف آپ کی امت کے افراد کے لئے ہوگی۔ جو لوگ اللہ کی تمام صفات کو مانتے ہوئے مشرک وکافر اور مرتد ہو کر مرتے ہیں لیکن نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ختمِ نبوّت کو نہیں مانتے' اُنہیں بھی شفاعتِ رسول سے کوئی فائدہ نہ پہنچ سکے گا بلکہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم کا ایندھن بنے رہیں گے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے غضب سے اُس کی پناہ میں آتے ہیں!

(۱۵۱) ازدواج ونکاح (Marriage)

اسلام میں مرد وزن کے درمیان جائز اور قانونی جنسی تعلق کے لئے نکاح پسندیدہ ادارہ ہے۔ پاکیزگیِ کردار اعلیٰ خوبیوں میں سے ایک ہے جس کا مسلمان سے مطالبہ کیا جاتا ہے۔ اس لئے اسلام اپنے پیروکاروں کو رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے کی ترغیب دیتا ہے کیونکہ پاکیزگیِ کردار کا وہی بہترین راستہ ہے۔ سورۃ النــور (۲۴) میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا:

وَأَنْكِحُوا الْأَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصَّالِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَآئِكُمْ إِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (النور: ۳۲)

"اور تم اپنے بے نکاحوں کا نکاح کر دیا کرو اور تمہارے غلام اور باندیوں میں سے جو اس کے (یعنی نکاح کے) لائق ہوں اُن کا بھی، اگر وہ لوگ مفلس ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے اُنہیں غنی کر دے گا۔"

حکم کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان معاشرے میں قابلِ نکاح عورتوں کو بن شوہر رہنے کی اجازت نہیں ہے۔ فقر وغنا کو نکاح اور عدمِ نکاح سے کوئی تعلق نہیں اور فقر و نکاح میں کوئی منافات نہیں۔

اس لئے مرد کی جانب سے تمام دیگر فطری اعمال کی طرح قانونی حدود کے اندر رہتے ہوئے باقاعدہ جنسی عمل قابلِ تحسین ہے بالخصوص جبکہ وہ اپنی بیویوں کے حقوق وفرائض کو بہ احسن طریق ادا کرتے ہوں، یہ سب کچھ اسلام میں مذمّت سے بالا ہے۔ بیویوں سے بلاوجہ الگ تھلگ رہنے کو روحانیت کی علامت نہیں دیکھا گیا بلکہ غلط روی اور خطا کاری سمجھا گیا ہے۔ دراصل حیاتیاتی نقطہ نگاہ سے شادی کا مقصد ہی یہی ہے کہ میاں بیوی کی جنسی تسکین ایک دوسرے کے ذریعے ہوتی رہے۔ اب اس کا موازنہ عیسائیت سے کیجئے جس کا نظریہ یہ ہے کہ شادی کے بندھن میں ہوتے ہوئے بھی جنسی عمل نجات کی راہ میں رکاوٹ ہے اور اُس کا نظریہ ہے کہ جنسی عمل جسے اجازت نامہ کی تائید بھی حاصل ہے، پھر بھی قابلِ تحسین نہیں ہے۔

عمرانیات کا ایک برطانوی طالب علم لکھتا ہے:

"دائمی زندگی کی مؤید ہوتے ہوئے عیسائیت بڑے منطقی طریق سے اس بات کی تبلیغ کرتی ہے کہ جنس کو قابلِ ملامت سمجھا جائے اور اگر ممکن ہو تو اس سے گریز کیا جائے۔ اور پیورٹن جسے انتہا کا عیسائی سمجھا جاتا ہے، جنس کے خلاف اپنے کٹھورپن اور سخت دل نفرت کے باعث بدنام ہے۔" ("Woman" ... Ludovici, p. 5)

کنبہ بطور ایک خداداد الہامی ادارہ: کنبہ حکمِ الٰہی کے تحت وجود میں آیا ہے۔ اُس کا تدریجی ارتقاء انسانی تجربہ کے ذریعے نہیں ہوا جو وقت پر پھیلی ہوئی آزمائش و ابتلاء اور جرم و خطا کو شامل ہو۔ نکاح و ازدواج ایسا ادارہ اور تنظیم ہے جو انسان کی تخلیق کے ساتھ ہی معرضِ وجود میں آ گیا تھا۔ نسلِ انسانی اِسی تنظیم کی پیداوار ہے نہ کہ کسی اور تنظیم کی۔ قرآن مجید فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً (النسآء: ۱)

''لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں نفسِ واحدہ سے پیدا کیا' پھر اُسی سے اُس کا جوڑ پیدا فرمایا' پھر اُن دونوں میں سے بکثرت مردوں اور عورتوں (کی تخلیق) کو پھیلا دیا۔'' (۱ : ۴)

''نفس واحدہ سے مراد آدم علیہ السلام ہیں۔ سیاہ ترین سے لے کر سفید ترین' انتہائی درندہ صفت سے لے کر انتہائی تہذیب یافتہ غرض لوگوں کے تمام قبائل کے مابین اپنی جسمانی ساخت اور ذہنوں کی کارکردگی میں عمومی مشابہت ہے' اگرچہ اُن کا زمانہ بُعدِ بعید کا ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ اُن کا جدِّ اعلیٰ ایک ہی ہے اور وہ اس لحاظ سے ایک ہی بزرگ کی اولاد ہیں۔'' (E.B. Taylor in the Hastings' Encyclopaedia of Religion & Ethics, Vol. V, p. 522)

سورۃ الروم کی آیت ۲۱ میں مرد و زن کی تخلیق اور رشتہ ازدواج کو جو امن و سکون' محبت اور رحم و کرم پر مبنی ہو' علامتِ الٰہی بتایا گیا ہے۔ شادی اور کنبہ کے اداروں کو انبیاء علیہم السلام کی سنت بتایا گیا ہے (سورۃ الرّعد: ۳۸) اور ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِيْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ (سنن ابن ماجہ: کتاب النکاح)

''نکاح کرنا میری سنت ہے' جس نے میری سنت سے منہ موڑا' اُس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔''

نوٹ: سورۃ النور کی محولہ بالا آیت میں لفظ اَیَامیٰ (واحد اَیِّم) کا معنی وہ لوگ ہیں جو بے نکاح ہوں خواہ وہ غیر شادی شدہ' مطلقہ یا بیوہ یا رنڈوے ہوں۔ (Arabic Glossary of the Holy Quran -- Ibn-i-Qutaybah)

اگر اَیَامیٰ سے مراد بیوگان لیا جائے تو یہ بات یاد رہے کہ اسلام میں بیوگی نہ تو کوئی پلید و خسیس چیز ہے جس کے لئے خاص پاکیزگی کی ضرورت ہو اور نہ ہی یہ کوئی جرم یا گناہ ہے جس کے لئے کفارہ کی ضرورت ہو۔ اسلام کے اس نظریہ کا موازنہ ہندو نظریہ سے کیجئے جس کے مطابق:

''بیوگی اُن گناہوں کی سزا ہے جن کا ارتکاب گزشتہ جنم میں ہوا تھا اور جس کا باقی تمام زندگی کے ساتھ نا امیدی کے عفریت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ دریائے گنگا کے کنارے پر روزانہ کچھ بیوگان اُس کے مقدس پانی میں نہاتی ہوئی دیکھی جاتی ہیں اِس اُمید میں کہ اُن کے وہ گناہ دُھل جائیں جن کی وجہ سے اتنی بھاری مصیبت کا اُنہیں سامنا کرنا پڑا ہے۔'' (Hammerton's Encyclopaedia of Modern Knowledge", Vol. IV, p. 1927) New York.

۳۷۸۰ (ازدواج و نکاح --- Marriage)

''معاشرتی عہد و پیمان : نکاح کرنا حکمِ الٰہی ہے اور ہر نکاح معاہدہ اور عہد و پیمان ہوتا ہے۔ قرآن مجید اور احادیثِ نبویہ میں لفظ ''نکاح'' جو شادی کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے' کا معنیٰ ''عقد'' یعنی عہد و پیمان کا ہے۔ سورۃ النساء کی آیت ۲۱ میں اس عہد کو مِیثَاقًا غَلِیْظًا (پختہ عہد) کا نام دیا گیا ہے۔ قبل از اسلام کے عام رسم و رواج کے برعکس عورتوں کو ورثے میں لینے کے عمل سے روک دیا گیا (سورۃ النساء :۱۹)۔ اسلام میں مرد و زن کی آزادانہ رضامندی صحیح نکاح کے لئے شرطِ اوّل ہے (سورۃ البقرۃ :۲۳۲؛ صحیح بخاری' کتاب النکاح)۔

''اس کا مطلب یہ ہے کہ نکاح (شادی) ایک معاشرتی' شریفانہ اور مقدّس معاہدہ ہے' جس سے کچھ رشتے وجود میں آتے ہیں' پھر اُن رشتوں میں باہمی حقوق و فرائض جنم لیتے ہیں۔ نکاح ناقابلِ تنسیخ نہیں ہے۔ طلاق کی اجازت وہاں ہے جہاں شادی ناکام ہو چکی ہو یا میاں بیوی کے مابین لاینحل مسائل پیدا ہو گئے ہوں۔ دوبارہ شادی کی صرف اجازت ہی نہیں بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔ مطلقہ عورت یا رنڈوے کی دوبارہ شادی کرنے میں بدنامی کا داغ لگنے کی کوئی بات نہیں۔''

''ایمان -- معاشرے کی بنیاد : اسلام ایمان اور مذہب کو تمام انسانی معاشرے کی بنیاد اور اس کی رشتہ داریوں کے سلسلہ کو منبعِ اعظم قرار دیتا ہے۔ معاشرتی طبقات اور گروہوں کی بنیاد نسل' خون' قبیلہ اور جغرافیہ وغیرہ پر رکھی گئی ہے لیکن اسلام میں اِن تمام مختلفات کو تنظیم کی ایک نئی شکل کے ماتحت کر دیا گیا ہے جس کا منبع ایمان و یقین ہے۔ قومیت کا اسلامی تصوّر رنگ و نسل' زبان' علاقے یا سیاسی اقتصادی تعلق داری پر قائم نہیں۔ مذہب اسلام اور اس کے اندازِ فکر کو ماننے والا قطع نظر رنگ و نسل' زبان یا وطن کے اِس اُمّت کا ناقابلِ جدا جزء ہے۔''

''نکاح تنظیمِ انسانی کا ایک نیا اصول ہے۔ اپنی فطرت میں یہ معقول اور مثالی ہے اور اس میں تمام نسلِ انسانی کو سمونے کی صلاحیت ہے۔ ایک مثالی معاشرے کا یہ تصوّر محض اخلاقی نظریہ ہی نہیں بلکہ اس کی معاشرتی' سیاسی اور قانونی وسعتیں ہیں۔ یہ انسانی رشتوں کا ایک نیا ڈھانچہ پیدا کرتا ہے۔ اسی سے کنبہ سے لے کر ریاست تک کے معاشرتی ادارے جنم لیتے ہیں۔ اِسی ایمان سے اسلامی ثقافت اُسی طرح نشو و نما پاتی ہے جس طرح درخت بیج سے اُگتا ہے۔ کسی حد تک یہ خارجی قوتوں سے متاثر ہوتا ہے لیکن انجام کار یہ ایمان کے بیج کی قوّت ہے جس سے اُس کی تکمیل ہوتی ہے۔''

''ایمان اور کنبہ : ایمان کنبہ کی تنظیم کے لئے بنیادی اصولوں کی تشکیل کرتا ہے۔ مسلمان کو غیر مسلم سے شادی کرنے کی اجازت نہیں (سورۃ البقرۃ :۲۲۱)۔ شادی میں دونوں فریقوں کا زندگی کے عمومی نظریہ اور اخلاقیات کے اصولوں پر متفق ہونا ضروری ہے اور یہ کہ وہ نائب خدا ہونے کی حیثیت سے الٰہی مشن کو ترقی دینے میں باہم کوشاں رہیں۔''

''عائلی رشتہ داریوں کے تمام نظام میں ایمان اور عقیدہ فیصلہ کن کردار ادا کرتا ہے۔ باپ یا بیٹا غیر مسلم کے ترکہ کے وارث نہیں بن سکتے اور نہ ہی وہ کسی غیر مسلم باپ یا بیٹے کے لئے وصیت کر سکتے ہیں۔ اس طرح اگر زوجین (میاں بیوی) میں سے کوئی ایک اپنا مذہب تبدیل کر لیتا ہے تو عقدِ نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔''

''کنبہ اور نکاح: اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ کنبہ کی صحتمند اور خوشگوار خطوط پر تشکیل صرف نکاح کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ نکاح سے باہر تمام جنسی تعلق داریوں کی اسلام میں ممانعت ہے۔ وہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ یہ جنسی تعلق محض وقتی حظ اندوزی کے لئے قائم نہ ہو کہ وقت اچھا گزر جائے بلکہ ذمّہ دارانہ' عمدہ منصوبہ بندی اور مضبوط عائلی زندگی پر مستحکم ہو۔ نکاح کا رشتہ مستقل اور دائمی ہوتا ہے اور زوجین میں سے ہر ایک سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ رہتے ہوئے عمدہ گزران کے لئے اپنی بھرپور' سنجیدہ کوشش کریں اور معاشرے میں اپنا مثبت کردار ادا کریں۔''

''عائلی نظام مسلمان معاشرے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ یہ معاشرے کی بنیادی اکائی ہے اور اس کی تنظیم اس طرح کی گئی ہے کہ یہ بطور سماج کے چھوٹے پیمانے پر اثر انداز ہوتا ہے۔ قرآن مجید کے قانونی احکامات کا ایک تہائی حصہ کنبہ سے متعلق ہے۔''

اسلام میں نکاح و ازدواج کے مقاصد: کنبہ نوعِ انسانی کو پیدا کرنے کا کارخانہ نہیں ہے اگرچہ نسلِ انسانی کا تحفظ اور اس کی ترقی اسلام کے مقاصد میں سے ایک ہے۔ کنبہ تمام معاشرتی ثقافتی ڈھانچے کی بنیاد ہے اور خود کو سہارا دینے والا (Self-sustaining) فنی طریق کار (میکانزم) ہے۔ آیئے مختصر طور پر دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ نے نکاح کے کیا مقاصد اور اُس کی کیا غرض و غایت بتلائی ہے:

(ا) پاکیزگی کردار: شادی کے ذریعے پاکیزگی کردار کا حصول اسلام کا پہلا اور اوّلیں مقصد ہے۔ پاکیزگی کردار عظیم ترین نیکیوں میں سے ایک ہے جس کا مسلمان میں ہونا ضروری ہے۔ قرآنی اصطلاح میں نکاح کو ''حِصْن'' یعنی قلعہ اور شادی شدہ کو ''مُحْصَن'' کہا گیا ہے کہ وہ شادی کرنے کے بعد نحش زندگی سے بچتے ہوئے قلعہ بند ہو کر شیطانی حملوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ ''مُحْصَن'' کے لفظ میں بذاتِ خود پاکیزگی کردار اور خالص پن کا معنیٰ پنہاں ہے۔ جنسی تسکین کا حصول نکاح سے باہر بھی ممکن ہے لیکن یہ یاد رہے کہ شہوت کو منتہائے مقصد قرار دینے میں اسلام کبھی متفق نہیں ہوا۔ اسلام ہر قسم کی عارضی شادی اور وقتی مصاحبت کی حوصلہ شکنی کرتا ہے جہاں صرف شہوت ہی اصل مقصد ہوتا ہے۔ ایک امریکی تبصرہ نگار اس سلسلہ میں کہتا ہے:

''اصل تسکین محض جنسی عمل سے نہیں ہوتی بلکہ ایسے رشتے سے ہوتی ہے جو دائمی اور جاری رہنے والا ہو

اور جس کی بنیاد محبت وشفقت' والہانہ وابستگی اور نرم مزاجی پر ہو۔'' ...("The Sex Criminal" Pollens, p. 196)

پاکیزگیِ کردار کی ترغیب میں مسلمانوں کو سورۃ النساء اور سورۃ المائدۃ میں بالترتیب یوں حکم ہوا ہے:
(۱) فَانْكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ وَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّ لَا مُتَّخِذٰتِ أَخْدَانٍ (اَلنِّسَاء : ۲۵)
''سو اُن کے مالکوں کی اجازت سے اُن سے نکاح کرلیا کرو اور اُن کے مہر بھلے طریق سے اُنہیں دے دیا کرو' اِس طرح کہ وہ قیدِ نکاح میں لائی جائیں نہ کہ مستی نکالنے والیاں ہوں اور نہ چوری چھپے آشنائی کرنے والیاں۔'' (۴: ۲۵)

جنسی تسکین کے لئے اسلام نے کچھ جائز' معزز اور شریفانہ طریقے مقرر کئے ہیں۔ اُس نے اپنے ماننے والوں کو اجازت دی ہے کہ وہ اپنی پسند کی کسی بھی عورت /مرد کو بطور رفیقہِ حیات /رفیقِ حیات ایسے طریقہ سے چُن لیں جو اسلامی ضابطہِ اخلاق کے مطابق ہو' پھر بعد از ازدواج اُن کے باہمی تعلقات کی بنیاد کامل وفاداری' باہمی تعاون اور ایک دوسرے کے ساتھ والہانہ وابستگی پر ہو۔ تعدّدِ ازواج (Polygamy) کی اجازت کچھ حالات کے تحت مشروط ہے اور مسلم معاشرے کے عائلی نظام میں محض ایک تحفظاتی دریچہ (Safety-valve) ہے جس کا مقصدِ وحید مسلمانوں کے اخلاقی کردار کو شیطانی ترغیبات سے محفوظ رکھنا ہے۔

(۲) وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوْهُنَّ أُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْ أَخْدَانٍ (المائدة : ۵)
'' اور تمہارے لئے جائز ہیں مسلمان پارسائیں اور اُن کی پارسائیں جنہیں تم سے قبل کتاب مل چکی ہے جب تم اُن کے مہر دے دو اور قیدِ نکاح میں لانے والے ہو نہ کہ (محض) مستی نکالنے والے اور نہ چوری چھپے آشنائی کرنے والے۔'' (۵ : ۵)

نکاح صرف اُن کی عورتوں سے مسلمان مرد کا جائز ہے' اُن کے مرد سے مسلمان عورت کا نکاح جائز نہیں۔ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ مِنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ۔ مسلمات اور کتابیات دونوں کے درمیان اصلاً قدرِ مشترک سلسلہ وحی ونبوت پر ایمان ہے۔ یہود اور نصرانیوں کے اعمال کیسے ہی فاسقانہ ہوں اور بعض عقائد کیسے ہی غالیانہ ہوں' بہر حال اصلاً وہ لوگ توحید ہی کے قائل ہیں اور سلسلہِ وحی ونبوت کے ماننے والے ہیں اور عقائد کے باب میں یہی دو عنوانات اہم ترین ہیں۔۔ البتہ یہ خیال رہے کہ ''نصرانیت'' موجودہ یورپی قوموں کی مسیحیت کے مرادف نہیں۔ کتابیوں کے ساتھ نکاح بالکل جائز ہے البتہ فقہاء نے مفسدوں پر نظر کرکے اور مصلحتِ شرعی کا لحاظ کرکے فتویٰ یہ دیا

ہے کہ بلا ضرورت ایسے نکاحوں سے بچنا چاہئے بالخصوص جبکہ مسلمان برادری میں رشتے موجود ہوں۔'' (تفسیر ماجدی اردو' صفحہ ۲۳۸' نوٹ :۳۱' ۳۲) نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ اس عورت سے نکاح کرو جو دیندار ہو اور کثیر الولود (بہت زیادہ بچے جننے والی) ہو۔

ظاہر ہے کہ ایک مسلمان عورت قطع نظر اس کے کہ وہ کون ہے' مسلمان مرد کے لئے مناسب و موافق ہے بہ نسبت یہودن یا عیسائی عورت کے قطع نظر اس کی خصوصیات کے۔ اگر مسلمان مرد کو تھوڑا سا بھی اندیشہ ہو کہ اُس کی غیر مسلم بیوی اُس کے بچوں کے اعتقادات اور رویّوں پر اثر انداز ہوگی تو اس کے لئے احتیاط کرنا لازم ہوگا۔

اگر کسی ملک میں مسلمان اقلیت میں ہیں مثلاً وہ کسی غیر مسلم ملک میں مہاجرین کے طور پر رہ رہے ہیں تو اُن کے مردوں کو غیر مسلم عورتوں سے نکاح کرنے سے روکا گیا ہے کیونکہ مسلمان عورتوں کو غیر مسلم مَردوں کے ساتھ نکاح کرنے سے روکا گیا ہے تو مسلمان مَردوں کا غیر مسلم عورتوں سے نکاح کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ بہت سی مسلمان لڑکیاں بن بیاہی رہ جائیں گی۔ چونکہ یہ صورتِ حال مسلم سماج کے لئے ضرر رساں ہے تو اس اجازت پر عارضی طور پر پابندی لگانے سے اس ضرر سے بچا جا سکتا ہے۔

''<u>مسلمان عورت کو غیر مسلم مرد سے نکاح کرنے کی ممانعت</u> : مسلمان عورت کو غیر مسلم مرد سے نکاح کرنا حرام ہے قطع نظر اس کے کہ وہ مرد اہلِ کتاب میں سے ہے یا نہیں (سورۃُ البقرۃ:۲۲۱) ۔سورۃ المُمتَحِنہ (۶۰) کی آیت دہم میں یہی حکم دوبارہ دیا گیا ہے :

فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ'' لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ

''پس اگر وہ عورتیں تمہاری جانچ پڑتال میں مسلمان ثابت ہو جائیں تو اُنہیں کافروں کی طرف واپس مت کرو۔ وہ عورتیں اُن (کافروں) کے لئے نہ حلال ہیں اور نہ وہ (کافر) اُن کے لئے حلال ہیں۔''

اسی مذکورہ بالا آیت کی بنیاد پر اُمتِ مسلمہ کا اس ممانعت پر اجماع ہے۔ اس طرح جبکہ مسلمان مرد کو نصرانی یا یہودی عورت سے نکاح کرنے کی اجازت ہے' تو مسلمان عورت کو عیسائی یا یہودی مرد سے نکاح کرنے کی اجازت نہیں ہے جس کی کئی ٹھوس وجوہات ہیں: ایک تو یہ کہ مرد گھر کا سربراہ ہوتا ہے جو عائلی ضروریات کا کفیل اور اپنی بیوی کا ذمہ دار ہوتا ہے اور جبکہ اسلام مسلمان مرد کی عیسائی یا یہودی بیوی کو آزادیِ عقیدہ اور آزادیِ عمل کی ضمانت دیتا ہے اور اُس کے حقوق کی پاسداری کرتا ہے جبکہ یہودیت یا عیسائیت غیر عقیدے کی عورت کے حقوق کو کوئی تحفظ فراہم نہیں کرتے تو ایسی صورتِ حال میں اسلام کیسے اپنی بیٹیوں کے مستقبل کو اُن لوگوں کے ہاتھوں میں دے کر داؤ پر لگا سکتا ہے جن کے ہاں اپنے مذہب کی کوئی تکریم نہیں اور نہ ہی اُن کے ہاں دوسروں کے حقوق کے تحفظ تک کا کوئی تصور رہے؟''

''مختلف مذاہب ونظریات کے حامل مردوزن کے درمیان شادی کی بنیاد اس بات پر ہے کہ مرد اپنی بیوی کے اعتقادات کی کس قدر تعظیم وتکریم کرتا ہے جس کے بغیر اُن کے درمیان اچھا تعلق قائم نہیں ہوسکتا۔اب مسلمان کا یہ ایمان ہے کہ یہودیت اور عیسائیت دونوں مذاہب الہامی ہیں اگرچہ بعد میں تبدیلیوں اور ترامیم کے ذریعے اُن کی شکل بگاڑ دی گئی۔اُس کا اس بات پر بھی ایمان ہے کہ موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام دونوں ہی اللہ کے اولوالعزم رسول ہیں۔اس طرح مسلمان مرد کی یہودی یا عیسائی بیوی ایسے شخص کی حفاظت میں رہتی ہے جس کے دل میں اپنی بیوی کے اعتقاد کے مبادیات' اُس کی آسمانی کتاب (تورات یا انجیل) اور اس کے رسولوں کا احترام ہے جبکہ اس کے برعکس یہودی اور عیسائی نہ تو اسلام کو الہامی مذہب مانتا ہے اور نہ ہی قرآن کو کلامِ الٰہی اور صاحب قرآن ﷺ کو اللہ کا رسول مانتا ہے۔تو پھر ایک مسلمان عورت ایسے شخص کے ساتھ کیسے رہ سکتی ہے۔اس صورت میں مسلمان عورت کے لئے اپنے عقیدہ کی تکریم کو بحال رکھنا ناممکن ہوگا اور اُس کے لئے اپنی عبادات کے فریضے کو صحیح طور پر ادا کرنا بھی ممکن نہ ہوگا کیونکہ اُس کا (غیر مذہب کا) شوہر قدم قدم پر عبادات کی تکمیل میں رکاوٹ بنے گا۔''

''اس بیان سے یہ معلوم کرنا آسان ہے کہ اسلام نے مسلمان مرد کو مشرکہ عورت کے ساتھ شادی کرنے سے روکا ہے کیونکہ اسلام ''شرک'' کے سراسر خلاف ہے۔لہٰذا میاں بیوی میں سے ہر ایک کے لئے مختلف اعتقادات و نظریات کا حامل ہونے کے حوالے سے ایک ہی چھت تلے اُنس ومحبت کے ساتھ رہنا ناممکن ہوگا۔''(''الحلال والحرام فی الاسلام''۔۔۔یوسف القرضاوی' صفحات ۱۷۷تا۱۸۶۔انگریزی ترجمہ)

زانیہ عورت کے ساتھ نکاح :اس سے مراد پیشہ ور عصمت فروش عورت ہے۔روایت ہے کہ مرثد بن ابو مرثد نے نبیِ معظم ﷺ سے عنق نامی ایک پیشہ ور عورت سے نکاح کرنے کی اجازت چاہی جس کے ساتھ زمانہ جاہلیت میں اُس کا جنسی تعلق تھا۔نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی:

اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوْمُشْرِکَۃً وَالزَّانِیَۃُ لَا یَنْکِحُھَا اِلَّا زَانٍ اَوْمُشْرِكٌ ؕ وَحُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ O (النور : ۳)

''زناکار مرد نکاح بھی کسی کے ساتھ نہیں کرتا سوائے زناکار عورت یا مشرکہ عورت کے اور زناکار عورت کے ساتھ بھی کوئی نکاح نہیں کرتا سوائے زانی یا مشرک کے اور اہلِ ایمان پر یہ حرام کر دیا گیا ہے۔''(۲۴:۳)

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس آیت کی مرثد کے آگے تلاوت فرمائی اور اُسے اُس عورت سے نکاح کرنے سے روک دیا۔

مذکورہ آیت ۳ کا مطلب یہ ہے کہ مشرکہ اور زانیہ دونوں سے نکاح کرنا گناہ کا کام ہے۔مشرکہ سے جوازِ

نکاح کی تو کوئی صورت ہی نہیں ۔ زانیہ سے نکاح قانونی لحاظ سے نافذ ہو جائے گا لیکن عنداللہ معصیت تو بہرحال رہے گی ۔ جاہلی عرب میں یہ دستور تھا کہ عورت ایک طرف کسی کے نکاح میں بھی ہے اور دوسری طرف شوہر کے علم میں بلکہ اُس کی اجازت سے زناکاری میں بھی مبتلا ہے ۔ آیتِ قرآنی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ایسی بے عصمت عورت کی طرف کوئی رغبت کر بھی کیسے کرسکتا ہے جب تک کہ وہ خود بھی ایسی ہی مسخ شدہ ذہنیت کا شکار نہ ہو ۔ (ماجدی)

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے مسلمانوں کو پاکدامن مسلمان عورتوں یا اہلِ کتاب کی پاکدامن عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت دی ہے ۔ اسی طرح اُس نے مَردوں کے لئے شادی کو اس شرط پر جائز قرار دیا ہے کہ وہ عورتوں کو شریفانہ طور پر قیدِ نکاح میں لانے والے ہوں نہ کہ مستی نکالنے والے (سورۃ النساء : ۲۴) یعنی مقصود یہ ہے کہ زوجین نکاح کے ذریعہ سے مستقل طور پر پاک ومنزہ ٗ باعفت زندگی بسر کریں گے ۔ اگر کوئی اس حکمِ الٰہی کو ماننے کے لئے تیار نہیں اور نہ ہی وہ اسے ضروری سمجھتا ہے تو وہ ''مشرک'' ہے اور مشرک کے سوا کوئی بھی اس سے نکاح کرنے کے لئے تیار نہ ہوگا ۔ اگر کوئی اس حکمِ الٰہی کو لازم مانتے ہوئے کسی زانیہ سے نکاح کرتا ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے ممانعت کردی ہے تو وہ خود زانی ہے ۔

اِس طرح اسلام میں لذت اندوزی اور احساسِ ذمّہ داری ساتھ ساتھ چلتے ہیں ۔ نکاح اُور صرف نکاح کے ذریعے ہی جنسی انگیخت کو قابو میں رکھا جاسکتا ہے ۔ نکاح جنسی اخلاقیات کے حفاظتی دریچہ کا کام بھی دیتا ہے ۔ نکاح کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے جنسی تعلق کے ذریعے اطاعتِ الٰہی اور تطہیرِ اعمال کا حصول متوازن طریق اور خاطر جمعی سے ممکن ہے ۔

(۲) **نسلِ انسانی کا تسلسل اور بقاء** : نسلِ انسانی ٗ ثقافتِ انسانی کی بقاء اور اللہ کا نائب ہونے کا تسلسل تولید وتناسل کے بااثر عمل پر منحصر ہے ۔ نسلِ انسانی کے تسلسل کی بابت درج ذیل قرآنی احکامات ہیں :

(i) فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ (البقرۃ : ۱۸۷)

''اب اُن سے (روزے کی راتوں میں) مباشرت کرلیا کرو اور جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے ٗ چاہا کرو ۔'' (۲ : ۱۸۷)

(ii) نِسَآءُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ وَقَدِّمُوْا لِأَنْفُسِكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْا أَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ O (البقرۃ : ۲۲۳)

''تمہاری بیویاں تمہاری کھیتی ہیں ٗ سو تم اپنے کھیت میں جس طرح بھی چاہو آؤ اور اپنے حق میں آئندہ کے لئے کچھ کرتے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ تمہیں اللہ سے ملنا ہے اور آپ ایمان والوں کو خوشخبری سنا دیجئے ۔'' (۲ : ۲۲۳)

۳۷۸۶ (ازدواج و نکاح ۔۔ Marriage)

شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے شانِ نزول اور اس کی اہمیت کی بابت رقم طراز ہیں :

''یہود نے کسی الٰہی سند کے بغیر عورت کے ساتھ مجامعت پر پابندی لگا دی تھی ۔ انصارِ مدینہ نے اُن کے دوست ہونے کی وجہ سے اُن کے طریق پر چلنا شروع کیا اور یہ کہنا شروع کیا کہ اگر آدمی عورت کی پشت کی جانب سے اُس کی فرج میں جماع کرے تو بچہ بھینگا پیدا ہوگا ۔ اس موقع پر آیت فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ (سو تم اپنے کھیت میں جس طرح بھی چاہو آؤ) نازل ہوئی یعنی اس بات کی کوئی حقیقت نہیں کہ آیا خاوند اپنی بیوی کے اوپر ہے یا اُس کی پشت پر ہے جب تک کہ مجامعت فرج میں ہے اور اسی کا نام کھیتی ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسی باتوں کا دینی یا سماجی پالیسی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں بلکہ اُن کا تعلق ذاتی ذوق سے ہے ۔ ایسی کہاوتیں یہود کی خرافات ولغویات ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اُنہیں مسترد کر دیا ۔'' (حُجَّةُ اللهِ البالِغَة' جلد دوم' صفحہ ۱۳۴ بحوالہ یوسف القرضاوی' صفحہ ۱۹۶)

نِسَآءُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ (تمہاری بیویاں تمہاری کھیتی ہیں) کا مفہوم لین کی عربی' انگریزی لغت کے مطابق یہ ہے : تمہاری بیویاں تمہارے لئے ایسی ہیں جہاں تم بچوں کا بیج ڈالتے ہو' اس طرح اُنہیں ایسی زمین سے تشبیہ دی گئی ہے جس میں بیج اگانے کے لئے ہل چلایا جاتا ہے ۔'' یہاں بھی پُر زور تاکید سے جتلا دیا گیا کہ جنسی لذات کی انتہا میں بھی تمہیں اخلاقی اور روحانی مقاصد کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے ۔

وَقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ (اور اپنے حق میں آئندہ کے لئے کچھ کرتے رہو) میں اُن بچوں کا' اُن کی تعلیم کا' نشوونما کا اور اخلاقی تربیت کا اشارہ ہے جو اِس جنسی تعلق کے نتیجہ میں پیدا ہوتے ہیں ۔ اِسی آیت کے لفظ حَـرْث (کھیتی) کی تشبیہ میں تولیدی پہلو بھی واضح ہے ۔

(۳) نکاح باہمی رشتوں کو مضبوط کرنے کا ذریعہ ہے : سماج کے مختلف افراد اور طبقات کے مابین تعلقات کو مضبوط کرنے کا نکاح ایک وسیلہ ہے ۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدنی زندگی کے دوران کثیر الازدواجی زندگی میں یہی مصلحت کارفرما تھی کہ مختلف قبائل اور طبقات کے ساتھ تعلقات مضبوط کرنے کے ذریعے اسلام اور پیغامِ حق کی تشہیر ہوتی رہے ۔

(۴) نفسیاتی رجذباتی استحکام' محبت وشفقت اور مہربانی : نفسیاتی' جذباتی اور روحانی مصاحبت کے حصول کے لئے میاں بیوی کے درمیان محبت وشفقت' ہم آہنگی' باہمی شادمانی وخوشی اور خندہ روئی کا ہونا ضروری ہے ۔ شادی محض افادیت پسند رشتہ نہیں ہے بلکہ یہ روحانی رشتہ ہے جو محبت' رحمدلی' مہربانی' باہمی اعتماد' قربانی' امن و آشتی کو پروان چڑھاتا ہے ۔ انسان کی ذات کی ترقی اور تکمیل کے لئے عائلی زندگی ہی موافق فضا پیدا کرتی ہے ۔ اسی

لئے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تمام دنیا میں گھر بہترین جگہ ہے۔شادی اور کنبے کے اس عمل کو قرآن کے مختلف مقامات پر اجاگر کیا گیا ہے۔مثلاً فرمایا:

(1) هُنَّ لِبَاس" لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاس" لَّهُنَّ (البقرة: ۱۸۷)

''وہ (عورتیں) تمہارے لئے اور تم اُن کے لئے لباس ہو۔'' (۱۸۷ : ۲)

اِس اجمال کی ذرا تفصیل ملاحظہ ہو :

(i) میاں بیوی کا باہمی قرب واتصال ایسا ہی ہے جیسے جسم اور لباس کا۔

(ii) دونوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے جیسے لباس اور جسم کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔

(iii) دونوں ایک دوسرے کے اسی طرح محتاج ہیں جیسے انسان لباس کا محتاج ہے۔

(iv) دونوں ایک دوسرے کے لئے ایسے ہی موجبِ تسکین ہیں جیسے لباس انسان کے لئے ہے۔

(v) لباس جسم کے حسن وخوبی کو ابھارتا ہے۔میاں بیوی کو بھی ایک دوسرے کی زینت کو بڑھانے والا ہونا چاہئے۔

(vi) بوقتِ جماع دونوں ایک دوسرے سے یوں ملتے ہیں جیسے جسم سے لباس ملتا ہے۔

(vii) نکاح کی وجہ سے میاں بیوی لوگوں کے طعنوں اور الزام تراشیوں سے ایسے محفوظ ہو جاتے ہیں جیسے لباس کی وجہ سے جسم موسمی اثرات سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

(viii) انسان کے حق میں لباس کا ایک وصفِ امتیازی اُس کی پردہ پوشی ہے جس طرح لباس جسم کے عیوب کو چھپاتا ہے۔تشبیہ سے خاص اشارہ اِسی وصف کی جانب معلوم ہوتا ہے۔گویا ہر اسلامی خاندان میں میاں بیوی کو ایک دوسرے کا پردہ پوش ہونا چاہئے۔میاں بیوی کے درمیان جو انتہائی گہرا رشتہ ہوتا ہے' اُس کی بنا پر ظاہر ہے کہ جتنا موقع ایک کو دوسرے کے جسمانی' اخلاقی' روحانی عیبوں اور کمزوریوں پر مطلع ہونے کا ملتا ہے اُتنا نہ کسی دوست کو مل سکتا ہے نہ کسی عزیز کو اور نہ ایک کا کوئی راز دوسرے سے چھپا رہ سکتا ہے۔اس صورت میں عورت کے اخلاق کا کمال یہی ہے کہ شوہر کی ہر کمزوری کو چھپائے' اُس پر صبر کرے اور اُسے بہتر سے بہتر صورت میں ظاہر کرے۔اسی طرح مرد کے کمالِ اخلاق کی یہی معراج ہے! ۔۔۔۔دونوں کی اخلاقی تکمیل کا یہ مؤثر ترین نسخہ اسلام نے باتوں باتوں میں بغیر کسی شدید اور پُر تعب مجاہدہ میں ڈالے ہوئے روزمرّہ کے لطیف وآسان مجاہدات کے ذریعے بتا دیا۔یہ اُس مذہب کی تعلیم ہے جو فرنگی محققین کی نظر میں پست اس لئے ہے کہ اُس میں عورت کی تحقیر کی گئی! اس سے بڑھ کر کونسا سخت جھوٹ ہوگا اور اس سے بڑھ کر صریح کونسا اتہام ہوگا؟ منوسمرتی والے ہندو مذہب کا ذکر نہیں' عہدِ عتیق وجدید والے یہودی ونصرانی مذہبوں سے سوال ہے کہ اُن کے سارے دفترِ کتب واسفار میں زن وشو کے باہمی تعلق' محبت واعتماد کے باب میں کون سی تعلیم اس درجہ کی ہے؟'' (تفسیر ماجدی اردو' ص ۷۱)

(2) هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا (الاعراف)

''وہ وہی پروردگار ہے جس نے تمھیں ایک جانِ واحد سے پیدا کیا اور اُسی میں سے اُس کا جوڑا بنایا تاکہ وہ اُس سے سکون حاصل کرے۔'' (۱۸۹ : ۷)

یہ آیت بھی میاں بیوی کے یک جان دو قالب ہونے کی حقیقت پر زور دیتی ہے۔آیت کا لفظ لِیَسۡکُنَ (تا کہ سکون پائے) انتہائی جامع اور پُر مغز ہے اور معانی کے تمام آثار کو شامل ہے۔یہ لفظ میاں بیوی کے زمانہ شباب میں باہمی محبت و شفقت' اُدھیڑ عمری میں باہمی مصاحبت اور پیرانہ سالی اور کمزوری کے زمانہ میں توجہ اور خدمت کا مظہر ہے۔

''ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہئے جیسا کہ اکثر ہوتا ہے کہ شادی جنسی اختلاط کا اتحاد ہے۔ایک سچی' مثالی شادی میں صرف شہوت انگیزی ہی نہیں ہوتی بلکہ ہمہ جہتی اور ہمیشہ گہری ہونے والی غیر شہوتی محبت کی ہم آہنگی ہوتی ہے۔ زندگی میں اُن کے ذوق واحساسات اور مفادات مشترک ہوتے ہیں' مشترک ولدیت ہوتی ہے اور اکثر اوقات اقتصادی اتحاد ہوتا ہے۔''
("Psychology of Sex".. Ellis, p.284)

''مکمل جنسی تعلق آدمی کی تمام شخصیت' اُس کی ذہانت' تصوّر' جذبات' قوّتِ ارادی' دلچسپی اور اُن تمام چیزوں کا طالب ہوتا ہے جو اُس کی شخصیت کو عورت کے مزاج کے مطابق بناتے ہیں۔ اِسی لئے بے قاعدہ یا آزادانہ جنسی تعلق کبھی بھی کامل جنسی تعلق نہیں ہوسکتا۔کامل جنسی تعلق کے لئے اِن شرائط کا ہونا ضروری ہے۔اِس میں میاں بیوی دونوں کی شخصیات کو برابر کا مشغول ہونا چاہئے۔دونوں رفقائے حیات کی راہ میں اسے رکاوٹ نہیں بننا چاہئے بلکہ دونوں کی اُٹھان میں مدد ومعاون ہونا چاہئے۔اور سوم یہ کہ اسے رشتۂ نکاح کو تحفظ اور استقلال و پائیداری (Permanence) دینی چاہئے۔''
("The School Psychologist" ... Livis Noble, p. 103)

(۵) ''میل جول اور اقدار سے واقفیت حاصل کرنے کا عمل: بچے جننے کا مقصد نامکمل رہ جاتا ہے جب تک بچوں کی صحیح پرورش' مناسب نشوونما' اُن کی تعلیم' اخلاقی اقدار کی آگہی' کردار سازی اور مذہب و اسلامی ثقافت سے بتدریج واقفیت نہ ہو۔اِسی پہلو کی وجہ سے کنبے کی طرف توجہ ہمہ وقتی کام بن کے رہ گیا ہے۔ قرآن نے اس سلسلہ میں فرمایا:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیۡ تَسَآءَلُوۡنَ بِهٖ وَالۡاَرۡحَامَ (النساء : ۱)
''اور ڈرو اُس اللہ سے جس کے وَاسطے سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور قرابتوں (میں بھی تقویٰ اختیار کرو)'' (۵:۱)

رِحم کے رشتوں کا احساس وشعور ہونا ہمہ جہتی تقاضا ہے اور بیوی' بچوں اور دوسری رشتہ داریوں کے فرائض کو شامل ہے۔سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۲۳ میں اِسی ذمّہ داری کا حوالہ ہے۔اپنے اہلِ خانہ کی اخلاقی و دینی تربیت کا انتظام کرنا بھی خاوند کی ذمّہ داری ہے جس کا اہم رکن اُس کی بیوی ہے۔قرآن مجید نے اپنی ذات اور افرادِ خانہ کے حقوق کی ادائیگی کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

۳۷۸۹ (ازدواج ونکاح ۔۔Marriage)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (اَلتّحريم : ٦)
''مؤمنو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو نارِ (جہنم) سے بچاؤ۔'' (٦٦: ٦)

اِس مقصد کو کچھ مقامات پر دعا کی شکل میں بیان کیا گیا ہے :

(۱) رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ O رَبَّنَا اغْفِرْلِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ O (ابراھیم : ۴۰، ۴۱)

''اے پروردگار! مجھے اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا بنا دے۔ اے ہمارے پروردگار! ہماری دعا سن لے اے ہمارے پروردگار! تو مجھے اور میرے والدین کو اور کُل مؤمنوں کو قیامِ حساب (قیامت) کے دن بخش دینا (۱۴ : ۴۰،۴۱)

(۲) رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا O (اَلْفُرْقَان : ۷۴)

''اے ہمارے پالنہار! ہمیں اپنی بیویوں اور ہماری اولاد کی جانب سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا دے۔'' (۲۵ : ۷۴)

معلوم ہوا کہ اسلام نے تقویٰ اور پارسائی کا جو بلند معیار مقرر کیا ہے' وہاں تک پہنچنے کے لئے گھریلو مسرّتوں سے دست بردار ہونا صحیح نہیں بلکہ وہ گھر جس میں سلیقہ شعار بیوی اپنی صوری اور معنوی خوبیوں کا نور بکھیر رہی ہو' جہاں خوبصورت اور نیک سیرت بچے پھولوں کی طرح دل لبھا رہے ہوں' اُس گھر کی فضا اس قابل ہے کہ وہاں کے بسنے والے تقویٰ کی رفعتوں تک پہنچنے کے لئے کمرِ ہمّت باندھیں۔

دعا کے آخری حصہ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا سے معلوم ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ ہم اپنی خانگی زندگی کی لذّتوں میں ایسے کھو کر رہ جائیں کہ تیری یاد کی بھی ہمیں فرصت نہ ملے یا دولت کی طلب میں ہم ایسے حواس باختہ ہو جائیں کہ حلال وحرام میں تمیز بھی نہ کرسکیں۔ ہو یہ سب کچھ لیکن دل تیری یاد سے سرشار ہو' زبان تیری حمد وثنا کے گیت گا رہی ہو' پیشانی پر تیری بندگی کا نشان چمک رہا ہو' ہمیں دیکھ کر لوگوں کو تیری یاد آ جائے' ہماری باتیں سن کر اُن کے دل دردِ محبت سے آشنا ہو جائیں' ہمارے پاس بیٹھ کر اُن کی بے چین روحوں کو قرار آ جائے' ہمیں اُن پاک بندوں کا سراپا عطا فرما جن کے متعلق تیرے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: هُمْ قَوْم" لَايَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ" یعنی اولیاء اللہ وہ ازلی سعادت مند ہیں کہ جو بدبخت ایک لحہ اُن کے پاس بیٹھ جائے' وہ بھی بدبخت نہیں رہتا۔'' (ضیاء القرآن)

اگرچہ انسان کی اوّلیں ذمّہ داری اپنے بچوں اور اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کی ہوتی ہے لیکن یہ ذمّہ داری حالات کے مطابق کچھ اور قریب اور بعید کے رشتوں کو بھی شامل ہے۔ اپنے والدین اور کنبہ کے ناتوان اور غریب افراد کی دیکھ بھال کا حکم قرآنِ مجید اور سنتِ نبوی نے بار بار دیا ہے۔

اس طرح نکاح وازدواج بچوں کی صحیح اور مناسب نشوونما کی ضمانت دیتا ہے۔ نکاح کے بغیر پیدا ہونے والے بچے ناجائز ہوتے ہیں اور کوئی بھی اُنہیں اپنانے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ لہٰذا اُن کی نشوونما کو زبردست دھچکا لگتا ہے۔ اُس انتہائی محرومی اور بے سروسامانی کی زندگی میں کوئی بھی تو اُن کے آنسو پونچھنے والا نہیں ہوتا۔ لیکن نکاح کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے بچے نعمتِ الٰہی ہیں جس کے متعلق قرآن نے فرمایا:

وَاللهُ جَعَلَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُم مِّنْ أَزْوَاجِكُم بَنِينَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُم مِّنَ الطَّيِّبٰتِ أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَتِ اللهِ هُمْ يَكْفُرُونَ۝ (النَّحل: ۷۲)

''اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تم ہی میں سے تمہاری بیویاں بنائیں اور تمہاری بیویوں میں سے تمہارے لئے بیٹے اور پوتے پیدا کئے اور تمہیں نفیس چیزیں عطا کیں' تو کیا پھر بھی یہ لوگ باطل پر ایمان رکھیں گے اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے رہیں گے!'' ☆ (۱۶: ۷۲)

(۶) سماجی اور اقتصادی تحفظ: عائلی شعبہ' اسلام کے معاشرتی/اقتصادی نظام کے تحفظ کا اہم جزء ہے۔ حقوق کا تعلق صرف اخلاقی' ثقافتی اور فکریاتی پہلوؤں ہی سے نہیں بلکہ وہ افرادِ خانہ کے اقتصادی اور معاشرتی پہلوؤں کو بھی شامل ہیں۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

''جب اللہ تعالیٰ تمہیں خوشحالی عطا کرے تو سب سے پہلے اپنی ذات پر اور اپنے اہلِ خانہ پر خرچ کرو۔''

''اگرچہ بیوی مالدار ہو' کنبے کی کفالت اور دیکھ بھال کرنا خاوند کا قانونی فرض ہے۔ رِحم کے رشتوں پر خرچ کرنے کا بالخصوص حکم دیا گیا ہے۔ غریب و نادار رشتہ داروں کا آدمی کی زکوٰۃ اور خیرات وصدقات پر سب سے مقدّم حق ہے۔ قانونِ وراثت بھی عائلی ڈھانچے کے اندر اقتصادی فرائض کی فطرت کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ ذمّہ داری کچھ رشتہ داریوں کو محیط ہے۔ آدمی کے والدین' دادادادی اور پدری و مادری رشتہ داریوں کا بھی آدمی کے مال و دولت اور دوسرے ذرائع آمدنی پر حق ہے۔ کسی شخص نے ایک بار نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا:

''میری کچھ جائداد ہے اور میرے والد کو اس کی ضرورت ہے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تم اور تمہارا مال دونوں تمہارے باپ کے ہیں۔ تمہارے بچے تمہاری حاصل کردہ چیزوں میں عمدہ ترین ہیں۔ تمہارے بچے جو کچھ حاصل کرتے ہیں' اُس میں سے کھاؤ۔'' (مشکوٰۃ المصابیح)

کچھ احادیث میں چچیوں' چچاؤں اور دیگر رشتہ داروں کے حقوق پر زور دیا گیا ہے۔ کنبہ کے یتیم بچوں

☆ اوپر کی خط کشیدہ عبارت کا مطلب مؤلف کے نزدیک یہی ہوسکتا ہے کہ رب تعالیٰ بیویوں' بیٹوں اور پوتوں وغیرہ کا بطور نعمتِ الٰہی ذکر کرنے کے بعد تحدیدِ نسل (برتھ کنٹرول) کے خلاف اپنی ناپسندیدگی اور بیزاری کا اظہار کررہے ہیں کہ وہ کیسے لوگ ہیں جو اِن نعمتوں کے پانے کے باوجود بھی تحدیدِ نسل (برتھ کنٹرول) جیسی باطل چیز کو اپنا کر اسلام کے پکے دشمنوں کی اندھا دُھند تقلید کرتے ہیں اور اس طرح اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کی بے قدری کرتے ہیں۔

کو اپنے اندر سمو لینا اور اُنہیں اپنا لینا ہے اور اُن سے اپنے ہی بچوں کی طرح سلوک کرنا ہے۔ بزرگوں کی دیکھ بھال کرنی ہے اور اُن سے احترام اور مہربانی سے پیش آنا ہے اور اسی طرح اِن ذمہ داریوں کا دائرہ وسیع ہو کر پوتوں اور پڑپوتوں تک جا پہنچتا ہے۔ میاں بیوی کے ضرورتمند رشتہ داروں کا بھی خوشحال لوگوں کے مال و دولت پر حق ہے۔ شادی اور کنبہ کے منصبی کاموں میں سے ایک کام رشتوں کے بندھن کو مضبوط کرنا اور اُن سب کو معاشرتی / اقتصادی باہمی چسپیدگی اور امدادِ باہمی کے بندھن میں جوڑ دینا ہے۔''

''افرادِ کنبہ گھر کے اندر ہی رہنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ بزرگ لوگ عمر رسیدہ لوگوں کے امان خانے کے سپرد نہیں کئے جاتے' یتیموں کو یتیم خانوں میں نہیں پھینکا جاتا۔ غریب و نادار اور بے روزگاروں کو عوامی امداد پر جینا نہیں ہوتا بلکہ اس کی بجائے اِن تمام مسائل کو پہلی فرصت میں ہر ایک کی ضروریات کے مطابق حل کیا جاتا ہے۔ یہاں جذباتی ضروریات کا بھی خیال رکھا جاتا ہے۔ اسلام کے سماجی تحفظ کے نظام میں کنبے کو صفِ اوّل کا درجہ حاصل ہے۔''

(۷) عائلی خطوطِ اُفق کو وسیع کرنا اور سماج میں باہمی چسپیدگی پیدا کرنا: شادی اور نکاح آدمی کی تعلق داریوں کے علاقے کو وسیع کرنے کا اور مختلف معاشروں کے مختلف گروہوں کے مابین رابطے بڑھانے کا ذریعہ بھی ہے۔ اس سلسلہ میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ گرامی ہے:

''دو کنبوں اور قبیلوں کے درمیان نکاح سے پیدا ہونے والا تعلق دوستی میں کسی اور چیز کی نسبت زیادہ اضافہ کرتا ہے۔'' (مشکوٰۃ المصابیح)

مختلف کنبوں' قبیلوں اور معاشروں کے درمیان نکاح پُل کا کام دیتا ہے اور قسما قسم کے لوگوں کو وسیع تر رشتہ کے جوڑنے میں آلۂ کار کا کام دیتا ہے۔ اسلام کے ابتدائی دَور میں اور پوری اسلامی تاریخ میں نکاح اور شادی نے عملی طور پر تمام عالم میں یہ کردار ادا کیا ہے۔''

(۸) جہدِ مسلسل اور قربانی کی تحریک: نکاح آدمی کے احساسِ ذمہ داری میں اضافہ کرتا ہے اور آدمی کی اقتصادی حالت کو بہتر سے بہتر بنانے کے لئے بہت زیادہ محنت کرنے کی تحریک دیتا ہے۔ اس پہلو کا قرآن مجید نے حوالہ دیا ہے جب اُس نے نکاح کرنے کا حکم دیا اور فرمایا:

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصَّالِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (النور: ۳۲)

''اور تم اپنے بے نکاحوں کا نکاح کر دیا کرو اور تمہارے غلام اور باندیوں میں سے جو اس کے (یعنی نکاح کے) لائق ہوں اُن کا بھی' اگر وہ لوگ مفلس ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے اُنہیں غنی کر دے گا۔''

۳۷۹۲ (ازدواج و نکاح ۔۔Marriage)

''اسلامی معاشرے میں کنبہ جو عظیم منصبی کام انجام دیتا ہے' حسب ذیل ہیں :

(۱) یہ نسلِ انسانی کی تولید و ترقی کی فراہمی کا موجب ہے۔
(۲) یہ افراد اور معاشرے کی اخلاقیات کے محافظ ہونے کا کام دیتا ہے۔
(۳) یہ زوجین اور دوسرے افرادِ خانہ کی روحانی اور جذباتی تکمیل کے لئے موافق فضا پیدا کرتا ہے۔
(۴) یہ معاشرے میں اُنس و محبت' رحم و کرم اور امن و سکون کو پروان چڑھاتا ہے۔
(۵) یہ آدمی کے جذبہِ تحریک کو مہمیز لگاتا ہے اور محنت و کوشش اور سماجی ترقی کے محرکات کو مضبوط کرتا ہے۔
(۶) تہذیب و ثقافت ابتداءً کنبہ ہی میں پرورش پاتے ہیں۔ کنبہ ایک پُل ہے جو نسلِ نو کو نسلِ قدیم کے ساتھ سماج میں چلنے پھرنے کے قابل بناتا ہے۔
(۷) کنبہ ایک ایسی کڑی ہے جو ماضی کو حال اور مستقبل کے ساتھ اس طرح جوڑتا ہے کہ سماجی تغیّر و تبدّل ایک صحتمند اور پائیدار عمل کے ذریعے وقوع پذیر ہوتے ہیں۔

پس کنبہ ایک طرف تو جنسوں کے درمیان باقاعدہ تعلق قائم کرنے اور ایسی میکانیت فراہم کرنے کا ایک ذریعہ ہے جس سے بچے کا معاشرے کے ساتھ تعلق کا تعین کیا جاتا ہے تو دوسری طرف وہ معاشرے کی بنیادی اکائی ہے جو افرادِ معاشرہ کو اپنے اندر متحد رکھتی ہے اور اُنہیں نظریاتی' ثقافتی کردار ادا کرنے کے قابل بناتی ہے۔ کنبے کی یہی جامع و مانع اہمیت ہے۔''

''کنبے کی صحیح نشو و نما اور ترقی میں عورت کلیدی کردار ادا کرتی ہے۔ اسلامی معاشرہ میں وہ روزی کی تلاش میں ماری ماری پھرنے کی مشقت اور روزگار حاصل کرنے کے تقاضوں سے آزاد ہے۔ اس کی بجائے وہ اپنے آپ کو کم و بیش کنبے میں نہ صرف اپنے بچوں کے لئے بلکہ کنبے کے تمام دست نگر (Dependant) رشتہ داریوں کے لئے وقف کر دیتی ہے۔ وہ گھر کو حتی الوسع بہتر طور پر چلانے کی ذمہ دار ہے۔ وہ گھر کی جسمانی' جذباتی' تعلیمی' انتظامی اور دوسری ضروریات کی دیکھ بھال کرتی ہے۔ عورت بذاتِ خود ایک جہان اور انجمن ہے اور ذہنی' جسمانی اور تنظیمی سرگرمیوں میں اپنے آپ کو مصروف رکھتی ہے۔'' ☆

☆ پروفیسر ایس ایچ نصر نے اس کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے صحیح کہا ہے: ''گھر میں عورت ملکہ کی طرح حاکم ہوتی ہے اور مسلمان مرد گھر میں ایک لحاظ سے اپنی بیوی کے تجسس میں ہوتا ہے۔ گھر اور عائلی ڈھانچہ جس میں وہ رہتی ہے' مسلمان عورت کے لئے یہی ساری دنیا ہے جس سے کٹ جانا دنیا سے کٹ جانے یا مر جانے کے مرادف ہوگا۔ وہ اپنے وجود کا معنی اِسی وسیع و عریض عائلی ڈھانچے میں پاتی ہے۔ اس لئے شریعتِ اسلامی مرد و زن کے کردار کو اُن کی فطرت کے مطابق ظاہر کرتی ہے۔ وہ مرد کو معاشرتی اور سیاسی مختارکاری کا حق عطا کرتی ہے جس کے تحت اُس نے بھاری ذمہ داریوں کو سنبھالنا ہے۔ اُسے اپنے کنبے کی تمام قو توں اور سماج کے دباؤ سے حفاظت کرنا ہے۔ اپنے گھر کا آقا اور اپنے کنبے کا پادری ہونے کی حیثیت سے اُس کا گھر میں کردار ایسا ہے کہ وہ گھر کی چھوٹی سی ریاست میں اپنی بیوی کی حکمرانی کو تسلیم کرتا ہے اور اُس کا احترام کرتا ہے۔ (بقایا اگلے صفحہ کے آخر میں)

(۱۰) حسب و نسب کا تحفظ :اللہ تبارک وتعالیٰ نے نکاح کا حکم دیا ہے اور زنا کاری سے روکا ہے تا کہ کسی شک وشبہ اور ابہام کے بغیر ولدیت قائم ہو جائے اور یہ کہ بچے کو اپنے باپ کی طرف اور باپ کو اپنے بچوں کی طرف نسبت دی جائے۔ شادی کے ذریعے ایک عورت صرف ایک مرد کے لئے مخصوص ہو جاتی ہے اور عورت کا اپنے خاوند سے بے وفائی کرنا یا کسی اور کو اُس چیز تک پہنچنے دینا جو بلاشرکت غیرے صرف شوہر کی ہے' حرام ہے۔ اس طرح نکاح کے بندھن میں ہوتے ہوئے جس بچے کو بھی وہ جنم دے گی' وہ اُس کے خاوند کا ہوگا بغیر اس کے کہ عوام میں اس کے اعلان کی ضرورت محسوس کی جائے یا والدہ کی طرف سے اُسے تسلیم کرنے کا کوئی قدم اٹھایا جائے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اعلان فرمایا :

''بچے کو اُسی مرد کی طرف نسبت دی جائے گی جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا۔''

نکاح کے قانونی نتائج : معاہدۂ نکاح کی رُو سے زوجین میں جنسی عمل جائز ہو جاتا ہے اور میاں بیوی دونوں کو ایک دوسرے کے وارث ہونے کا استحقاق مل جاتا ہے (سورۃ النساء : آیت ۱۲)۔ علاوہ ازیں میاں بیوی دونوں میں سے ہر ایک پر کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں : بیوی اپنے شوہر کو جس وقت بھی وہ چاہے' اپنے سے مجامعت کرنے کی پابند ہے سوائے ایامِ حیض کے یا فرض روزوں کے' یا اعتکاف کے دوران اور حج کے دوران (سورۃ البقرۃ: ۱۸۷'۲۲۲)۔ خاوند اپنی بیوی کو حقِ مہر دینے کا پابند ہے جو بلاشرکتِ غیرے صرف بیوی کی مِلک ہوتا ہے۔ اُسے اور اُس کے اور اپنے مشترکہ بچوں کو لباس' خوراک اور رہائش مہیا کرنا بھی خاوند ہی کے ذمے ہے۔ (سورۃ البقرۃ: ۲۴۰'۲۳۳)۔''

''شادی کا خصوصی پہلو یا اثر یہ ہے کہ یہ ایک کنیز (باندی یا غلام عورت) کو مُحْصَنہ بنا دیتا ہے بہ ایں معنی کہ ایک غلام یا آزاد مسلمان سے شادی کرنے کی صورت میں اُس کا کسی اور سے جنسی تعلق قائم کرنا ممنوع ہو جاتا ہے (سورۃ النساء : ۲۵)۔ اس طرح ضروری نہیں کہ غلام پاکیزہ کردار کے ہوں کیونکہ وہ اپنے مالکوں کی ملکیت میں ہوتے ہیں جو اُنہیں طوائف بننے پر مجبور کر کے جنسی طور پر استعمال کر سکتے ہیں خواہ وہ باندیاں یا کنیزیں ہوں۔ نکاح مالک کے ایسے اختیار کو جڑ سے اکھیڑ ڈالتا ہے۔''

''ابتدائی تفسیراتِ دینی نے سورۃ النساء کی آیت ۲۴ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً [پھر اُن میں سے جن سے تم نے اس (مال) کے عوض فائدہ اٹھایا ہے' اُنہیں اُن کا مقرر شدہ مہر ادا کر دو] (گزشتہ صفحہ کا ذیلی نوٹ :) باہمی افہام اور اس احساس کے ذریعے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن میں سے ہر ایک کے کندھوں پر ذمہ داری نبھانے کا بوجھ ڈالا ہے' مسلمان مرد و عورت اپنی زندگی الٰہی ضابطۂ اخلاق کے مطابق گزار سکتے ہیں اور اس طرح ایک مضبوط و پائیدار عائلی یونٹ پیدا کر سکتے ہیں جو مسلمان سماج کا بنیادی ڈھانچہ ہے۔'' ("Ideals and Realities of Islam" ... George Allen and Unwin : London, 1966)

سے نکاحِ تمتع کا جواز پیدا کرنے کی کوشش کی ہے جو قرآن مجید میں بیان کردہ با قاعدہ نکاح سے بالکل مختلف ہے کہ نکاحِ تمتع میں وقت اور قانونی نتائج کی محدودیت ہے اور اس کے مخصوصات طوائف ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ سورۃ النسآء کی آیت ۲۴ مذکورہ سے نکاحِ تمتع کی غلط تاویل کی گئی ہے اور قرآن مجید میں بیان کردہ نکاح کے اصول کی رُو سے اسلام میں نکاحِ تمتع کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔'' (انسائیکلوپیڈیا آف دی قرآن' ج ۳' ص ۲۷۸)

اسلام اور رہبانیت (ترکِ دنیا) : ایک طرف تو اسلام کا موقف جنس کی بے مہار آزادی کے خلاف ہے جس کے نتیجہ میں وہ زنا سے روکتا ہے اور زنا کی طرف لے جانے والے تمام راستوں کو بند کرتا ہے۔ دوسری طرف اسلام جنسی خواہش کو دبانے کے خلاف ہے۔ اس طرح اسلام ترکِ دنیا اور خصی ہونے سے روکتے ہوئے لوگوں کو نکاح کی ترغیب دیتا ہے۔ جب تک آدمی کے پاس شادی کرنے کے وسائل ہیں' اُسے اس سے گریز کرنے کی اس بناء پر اجازت نہیں کہ اُس نے اپنے آپ کو عبادتِ الٰہی کے لئے وقف کر دینے اور رہبانیت اور ترکِ دنیا کا فیصلہ کر لیا ہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے کچھ صحابہ میں رہبانیت کا رُجحان دیکھا تو آپ ﷺ نے رہبانیت کو اسلام کے صراطِ مستقیم اور سنتِ رسول ﷺ سے منحرف ہونے کا اعلان فرمایا اور اس طرح آپ نے اسلام کے ... راتی ڈھانچے کو ایسے عیسائی عقیدے سے نجات دلا دی۔ ابو قلابہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کچھ صحابہ کرام نے ترکِ دنیا' اپنی بیویوں سے دُور رہنے اور راہب بننے کا فیصلہ کر لیا تو نبی اکرم ﷺ نے اُنہیں درشت لہجے میں بتایا:

> ''تم سے پہلے لوگ ترکِ دنیا کی وجہ سے تباہ ہوئے۔ اُنہوں نے اپنے آپ پر انتہائی بوجھ ڈالے تو اللہ نے اُن پر تکالیف کا بوجھ ڈال دیا' تم اب تک اُن میں سے کچھ کو راہب خانوں اور گرجاؤں میں دیکھ سکتے ہو۔ اس لئے اللہ کی عبادت کرو' اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ' حج اور عمرہ ادا کرو' نیک بن جاؤ تو تمہارے تمام معاملات سیدھے ہو جائیں گے۔'' (مصنف عبد الرزاق' ابنِ جریر' ابن المنذر)

> ''اقتصادی اکائی کی حیثیت سے کنبہ مشترکہ جائداد کا جوہڑ ہے جو والد کی زندگی میں صحیح سالم اور بے خلل رہا' بیٹوں نے اُس جوہڑ میں اپنی محنت و کوشش اور خدمات لگائیں اور اُس سے فوائد حاصل کئے۔''
> ("Modernization of Muslim Education".. Ghulam Nabi Saqib, pp.63, 64)

> ''رشتۂ نکاح کو طلاق کے ذریعے فسخ کیا جا سکتا ہے جو اگرچہ حلال اور جائز تو ہے لیکن اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی گئی۔ طلاق کے وقوع سے پہلے میاں بیوی کو اپنے بزرگوں اور با اثر' تعلیم یافتہ لوگوں کی مدد سے ممکنہ مصالحت کی کوشش کے لئے کہا گیا ہے۔ (ایضاً' ص ۶۴)

کنبہ میں مرد کی حیثیت : مردوں اور عورتوں سے متعلق تمام قرآنی آیات میں سے شاید سورۃ النساء کی آیت ۳۴ کو مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں کی جانب سے اکثر غلط طور پر سمجھا گیا اور اُس کا غلط استعمال کیا گیا:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ۝ (اَلنِّسَاء : ۳۴)

"مرد عورتوں پر محافظ و منتظم ہیں اس لئے کہ اللہ نے اُن میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے (بھی) کہ مرد (اُن پر) اپنے مال خرچ کرتے ہیں' پس نیک بیویاں اطاعت شعار ہوتی ہیں' شوہروں کی عدم موجودگی میں اللہ کی حفاظت کے ساتھ (اپنی عزت کی) حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں اور جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو تو اُنہیں نصیحت کرو اور اُنہیں خواب گاہوں میں تنہا چھوڑ دو اور اُنہیں مارو۔ پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرنے لگیں تو اُن پر (ظلم کرنے کی راہ) نہ تلاش کرو' یقیناً اللہ تعالیٰ (عظمت و کبریائی میں) سب سے بالا' سب سے بڑا ہے۔" (۴: ۳۴)

لفظ "قوّام" کی وضاحت : سورۃ النساء کی آیت ۳۴ میں لفظ "قوّام" کا ترجمہ "محافظ" اور "دیکھ بھال کرنے اور سہارنے والا" کے کئے گئے ہیں۔ اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ اس قرآنی لفظ کا حقیقی مفہوم کیا ہے۔ اس کا مطلب ایسا شخص ہے جو کسی چیز یا شخص کی ضروریات کو پورا کرے' اُس کی حفاظت کا ذمّہ دار ہو اور اُس کی اصلاح اور صحیح مقام کو عمل میں لائے۔ جس طرح فوج کا ایک کمانڈر اور ریاست کا ایک حکمران ہوتا ہے جو ایک خاص نظام کو تعمیل کے لئے قائم رکھتا ہے' اسی طرح گھر بھی ایک (چھوٹی سی) ریاست کی مانند ہے جس کا اُصولی طور پر ایک سربراہ ہونا چاہئے جو اراکینِ خانہ کی ضروریات کی تسکین کا ذمّہ دار ہو اور وہ دیکھے کہ کنبہ ایک پُرمسرت زندگی گزار رہا ہے۔ اگر خاندان کا سربراہ مناسب کنٹرول اور نگرانی نہیں کر سکتا تو تمام عائلی زندگی پارہ پارہ ہو کے رہ جائے گی جس سے ناگفتہ بہ مصائب اور حادثات کی راہ کھل جائے گی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اِن فرائض کا ذمّہ دار کون ہو؟ اس کے لئے ماں اور باپ دو اُمیدوار ہیں۔ قرآن کا فیصلہ یہ ہے کہ باپ میں اس فرض کو نبا ہنے کی دو وجوہ کے باعث اہلیت و استعداد زیادہ ہے: ایک وجہ الٰہی عطیہ ہے اور دوسری کسبی ہے۔ الٰہی عطیہ کی رُو سے مرد مسلّمہ طور پر جسمانی قد و قامت' توانائی' ذہنی فوقیت' دانشمندی اور دُور بینی میں عورت کی نسبت بہتر ہوتا ہے۔ دوسری نمایاں خصوصیت جو اُسے خاندان کا سربراہ بناتی ہے' یہ ہے کہ اُسے خاندان کی جملہ ضروریات کی تکمیل کا فریضہ سونپا گیا ہے۔ عورت کی نسبت مرد اِن تقاضوں کو پورا کرنے کا زیادہ اہل ہے۔

علامہ واعظ کشفی سورۃُ النسآء کی آیت ۳۴ کی تشریح میں لکھتے ہیں :

''مردوں کو عورتوں پر غلبہ حاصل ہے کیونکہ وہ عورتوں کو سماجی برتاؤ اور طرزِ عمل سکھاتے ہیں۔ مردوں کو عورتوں پر علم، تحمل و بُردباری، فہم و فطانت، جہاد میں شرکت کے فرض، نمازِ جمعہ کے اجتماع میں شرکت اور لوگوں کو نماز کی طرف بلانے میں فضیلت حاصل ہے۔ جمعہ کا خطبہ مرد ہی دیتے ہیں، کفن دفن کی رسوم وہی ادا کرتے ہیں اور اسلامی قوانینِ تعزیرات کے نفاذ کی ضرورت میں گواہ مرد ہی بنتے ہیں۔ وراثت میں مرد کا حصّہ عورت کی نسبت زیادہ ہوتا ہے اور اُسے قسما قسم کے فرائض تفویض کئے گئے ہیں۔ تمام انبیاء علیہم السلام طبقہِ مردان سے تعلق رکھتے تھے (بحوالہ سورۃ النحل :۴۳ ؛ سورۃ الانبیاء :۷)۔ عورتوں پر مردوں کا غالب غلبہ اس اصولی حقیقت کے باعث بھی ہے کہ مرد اپنی کمائی عورت کے تغذیہ (کھلانا پلانا)، لباس اور پناہ گاہ (گھر) کی فراہمی میں کرتے ہیں اور شادی کے اخراجات اور مہر کی ادائی کو برداشت کرتے ہیں۔'' (تفسیر حسینی از علامہ حسین واعظ کشفی، ج ا، ص ۱۱۳)

خاوند کی فیصلہ کرنے کی مختارکاری (Authority) اور بیوی کی اُس کی اطاعت گزار ہونے کے سلسلہ میں درجِ ذیل نکات ذہن نشین ہونے چاہئیں :

(۱) خاوند کی مختارکاری کو ایک حاکم یا افسر کی مختارکاری کی طرح نہیں سمجھنا چاہئے۔ خاوند کو ہر معاملہ میں بیوی کے جذبات کا ہمیشہ خیال رکھنا چاہئے اور اس کی مختارکاری کے حق کو انس و محبت اور شفقت و مودّت کے تابع ہونا چاہئے۔ اسلام میں حکمرانوں اور افسروں کو بھی اپنے ماتحتوں کے احساسات و جذبات کا خیال رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اور خاوندوں کی صورت میں تو اس کی ضرورت اور بھی زیادہ ہے۔ اسی طرح بیوی کی اپنے خاوند کے لئے محبت کو اُس کے ساتھ تعلق داری کا فطری طور پر عکاس ہونا چاہئے۔ خاوند کے لئے بیوی کی اطاعت گزاری جبری نہیں بلکہ خاوند کے احترام میں رضاکارانہ طور پر خوشدلی سے ہونی چاہئے۔

(۲) خاوند کی فیصلہ کرنے کی مختارکاری کو ذمہ داری (یعنی فیملی بجٹ اور معاشرے کے ساتھ لین دین) کی حد تک محدود ہونا چاہئے اور تمام شعبوں پر اس کا نفاذ نہیں ہونا چاہئے۔

(۳) اگر بیوی اپنے خاوند کو وہ محبت و احترام اور اطاعت گزاری نہیں دے سکتی جس کی وہ توقع کرتا ہے تو وہ اس سے طلاق کا مطالبہ کر سکتی ہے جو لازماً اُسے مل جائے گی۔

(۴) بیوی کی اپنے خاوند کے لئے فرمانبرداری اسلام میں دوسری فرمانبرداریوں کی طرح صحیح اور درست کاموں میں ہونی چاہئے۔ بیوی اپنے خاوند کا غیر مناسب اور غیر اسلامی حکم ماننے سے انکار کر دے مثلاً اگر خاوند اُسے بے پردگی اور بے حجابی کا حکم دے تو وہ ماننے سے انکار کر دے۔

وَالّٰتِیۡ تَخَافُوۡنَ نُشُوۡزَهُنَّ اس جملے کا ترجمہ کرنے سے پیشتر ''نشوز'' کے معنی خیز اور پُر مغز لفظ کی

وضاحت ضروری ہے۔اس کا لفظی ترجمہ ''بغاوت'' اور ''سرکشی'' ہے۔لیکن یہ بغاوت ایک شہنشاہیت یا آمریت میں محکوم کی حاکم کے خلاف کے مفہوم میں نہیں بلکہ یہ بیوی کی اپنے خاوند کے کچھ احکام کو نہ ماننے کے مفہوم میں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ''نُشوز'' کا لفظ سورۃ النساء کی آیت ۱۲۸ میں خاوند کے لئے بھی استعمال ہوا ہے:

وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا

''اور اگر کوئی عورت اپنے شوہر کی جانب سے زیادتی یا بے رغبتی کا خوف رکھتی ہو تو دونوں (میاں بیوی) پر کوئی حرج نہیں کہ وہ آپس میں کسی مناسب بات پر صلح کرلیں۔'' (۱۲۸ : ۴)

اس لئے ''نُشــــوز'' کے لفظ میں خاوند کا بیوی کے بارے میں اندیشہ اور بیوی کا خاوند کے بارے میں اندیشہ دونوں شامل ہیں۔لہٰذا یہ محکوم کی حاکم کے خلاف بغاوت کے معنیٰ میں نہیں اور سورۃ النساء کی ہر دو آیات ۳۴ اور ۱۲۸ میں ازدواج کے بندھن کو توڑنے کے سیاق میں آیا ہے۔اگر اِس سیاق وسباق کو مدِّ نظر رکھا جائے تو بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ ''نُشوز'' خاوند یا بیوی کے اُس رویّے کا نام ہے جو دوسرے کے لئے اس قدر پریشان کن ہو کہ اُن کا ایک ساتھ رہنا مشکل ہو جائے۔اب دوسرے کے لئے یہ پریشان کن رویّہ درجِ ذیل دو طریقوں میں سے کسی ایک طریق میں ہوسکتا ہے:۔

(i) پریشان کرنے والے فریق کی جانب سے کوئی بدنیتی نہ ہو۔یہ یا تو اُن دونوں کے مزاجوں میں ناموافقت کی وجہ سے ہو یا کسی ایک کی جانب سے دوسرے کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہو کہ وہ دوسرے کے رویّہ میں کوئی پریشان کن پہلو محسوس کرتا ہے۔

(ii) میاں بیوی دونوں میں سے کوئی ایک دانستہ طور پر ایسے طریق سے پیش آتا ہے جو دوسرے فریق کے لئے سنجیدہ طور پر پریشان کن ہو۔اس صورت میں ایک فریق کی جانب سے دوسرے فریق کے لئے بہ ظاہر بدنیتی ہے۔تو ''نُشوز'' کا لفظ اس دوسری قسم کے رویّہ کو شامل ہے کیونکہ دیدہ دانستہ ناشائستہ رویّہ ہی کو جس کی بنیاد بدنیتی پر ہو'بغاوت اور سرکشی پر محمول کیا جاسکتا ہے۔

پھر یہ بات بھی ہے کہ ممکن ہے کہ ایک آدمی کے نزدیک ''نُشــوز'' کا جو معنیٰ ہے' وہ دوسرے کے نزدیک نہ ہو۔یہی وجہ ہے کہ میاں بیوی دونوں میں سے ایک فریق کا یہ فیصلہ کہ ایک کا رویّہ دوسرے کے خلاف ''نُشــوز'' کا ہے' معروضی اور ذاتی ہے۔قرآن مجید نے اسی لئے کہا ہے: ''اگر تمہیں نُشــوز کا اندیشہ ہو' اور یہ نہیں کہا کہ ''اگر تم نُشوز پاؤ۔''

الغرض ''نُشــوز'' کا لفظ میاں بیوی میں سے کسی ایک کے ایسے رویّہ پر دلالت کرتا ہے جو دوسرے فریق کے لئے انتہائی پریشان کن ہو۔

اِن باریکیوں کو سمجھ لینے کے بعد ہم کچھ آگے بڑھتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ آیت میں اُن بیویوں کے لئے کیا تجویز کیا گیا ہے جن کی طرف سے خاوند کو نُشُـوز کا اندیشہ ہے۔ اس سلسلہ میں قرآن مجید نے یکے بعد دیگرے تین اقدام تجویز کئے ہیں: (i) وعظ ونصیحت (ii) خوابگاہوں کا اُن سے علیحدہ کرنا (iii) ہلکی مار۔

(i) فَعِظُوْهُنَّ (وعظ ونصیحت): سرکش بیوی کی سزا کی یہ پہلی منزل ہے کہ اُسے نرمی وآشتی سے سمجھایا جائے۔ اگر عورت شریف طینت ہے تو یہ کافی ہو جائے گا اور اس میں شوہر کو بھی یہ تعلیم ہے کہ فوراً غصّے میں آ کر وہ کوئی سخت کارروائی نہ کر بیٹھے۔ اس اِقدام میں شوہر بیوی کو مختلف قسم کی نصیحتیں کر سکتا ہے۔ وہ اُس کی توجہ کو متعلقہ تعلیماتِ قرآنی ونبوی کی طرف مبذول کر سکتا ہے' وہ اُسے ازدواجی بندھن کے ممکنہ ٹوٹنے کے اُن خطراتِ بد کی یاددہانی کرا سکتا ہے جس کا اثر اُن دونوں اور اُن کے بچوں سمیت تمام لواحقین پر پڑے گا۔ تاہم ایسی نصیحت اُس صورت میں پُراثر ہوگی اگر خاوند کم از کم اپنی بیوی کی نسبت زیادہ صاحبِ کردار ہو۔ ورنہ بیوی اُسے یا تو اپنے دل میں یا بابانگِ دہل کہہ سکتی ہے: ذرا دیکھو تو سہی' یہ بات کون کہہ رہا ہے! اس لئے خاوند کے قول وفعل میں تضاد نہیں ہونا چاہئے کہ تضاد رَب کو پسند نہیں ہے (سورۃ البقرۃ: ۴۴؛ سورۃ الصّفّ: ۲'۳)۔

(ii) وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ (خواب گاہوں کا علیحدہ کرنا): یعنی اُن سے تعلقاتِ ہمبستری منقطع کر لو اور اُن کے پاس لیٹنا چھوڑ دو۔ یہ سزا کی دوسری منزل ہے۔ خاوند کا بیوی کو نہایت موزوں اور پُراثر طریقے سے نصیحت کرنے میں اُسے بہت فائدہ مل سکتا ہے لیکن اگر وعظ ونصیحت کارگر نہیں ہوتی تو اُسے اپنی خوابگاہ کو علیحدہ کرنے کے علاوہ دوسرے ایسے اقدامات بھی کرنے چاہئیں جو اُس کے مقصد کے حصول میں مد ثابت ہوں مثلاً اُس سے کلام کرنا چھوڑ دے۔ کلام وخواب کا یہ سلسلہ ٹوٹنا بیوی کی غیرت پر تازیانے کی حیثیت رکھتا ہے جس کے نتیجے میں بیوی اپنے طریقوں کو بدلنے پر تیار ہو سکتی ہے۔

(iii) وَاضْرِبُوْهُنَّ (اُنہیں ہلکی مار مارو): یہ تیسرا علاج اُس وقت کے لئے ہے جب دوسرا علاج بھی ناکام ثابت ہو۔ اِس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ یہ مار بالکل ہلکی قسم کی ہو۔ ایسی نہ ہو جس سے چوٹ زیادہ آ جائے یا جس سے جیون ساتھی کی توہین لازم آتی ہو بلکہ مفسر صحابی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تو یہ منقول ہے کہ یہ مار مسواک جیسی ہلکی پھلکی چیز سے ہو۔ اتنی اجازت بھی ضرورت پڑنے پر ہے ورنہ سیاقِ عبارت نرمی ہی کی سفارش کر رہا ہے اور اہلِ تحقیق نے تصریح کر دی ہے کہ اگر نرم تدبیر کافی ہو تو سخت تر صورت ہرگز جائز نہیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا کہ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو غلام اور لونڈی کی سی مار بھی دے اور پھر اُس سے ہمبستری بھی کرے! (صحیح بخاری' صحیح مسلم بروایت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

یاد رہے کہ یہ مار پیٹ عورت پر ظلم نہیں بلکہ اُن کی اصلاح ہے جیسے کبھی اپنے بچوں اور شاگردوں کو مارنا اصلاح کی خاطر ہوتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: وَاضْرِبُوْهُنَّ غَيْرَ مُبَرِّحٍ (ضرورۃً بیویوں کو مارو

جس سے اُن کے جسم پر نشان نہ پڑے یعنی سخت اور تکلیف دہ مار نہ مارنی چاہئے)۔ نیز اس مار کا مقصد اذیّت رسانی نہیں بلکہ عورت کو خوابِ غفلت سے جگانا اور اُسے یہ جتلانا ہے کہ وہ غلط راہ پر جارہی ہے۔

ساتھ ہی یہ فرمانِ الٰہی بھی ذہن نشین رہے کہ اگر عورت اپنی سرکشی سے باز آجائے اور اپنے شوہر کی فرمانبردار بن جائے تو پھر شوہر پر بھی لازم ہے کہ وہ اپنے پہلے رویّہ کو یکسر بدل دے اور اُس پر دست درازی سے کلیۃً باز آجائے۔ یہ حکم اُس خدا کا ہے جو سب سے بالا اور سب سے بڑا ہے' اور اُس کے حکم کی سرتابی کے نتائج بڑے ہی المناک ہیں۔ یاد رکھو اگر تم اپنے من مانے رویّہ سے باز نہ آئے تو وہ مقتدر ذاتِ عظیم تم سے نمٹنا خوب جانتی ہے۔ لہٰذا اپنی بیوی کے آقا' افسر اور مالک بننے کی کوشش مت کرو۔

آج یورپ میں جو بات بات پر طلاقیں ہورہی ہیں' اُس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اُن کے ہاں خاوندوں کو بیویوں کی اصلاح کی اجازت نہیں ہے۔

دشمنانِ اسلام نے خاوند کے اس قرآنی اختیار پر بھی بڑا ہنگامہ کھڑا کیا ہے اور کہا ہے کہ صنفِ ناتواں پر یہ ظلم اور غیر انسانی فعل ہے۔ لیکن اُن کی یہ تنقید اُن کی کوتاہ نظری کا نتیجہ ہے۔ وہ نہیں جانتے کہ اسلامی کنبے کی صحیح فطرت کیا ہے جس پر تمام عمرانیاتی نظام کا انحصار ہے۔ خاوند کا یہ اقدام بشرطِ ضرورت حتمی اور آخری تدبیر ہے تاکہ خاندان کا امن وسکون اور اتحاد و یک جہتی قائم رہے۔ یہ بات بہ شمول بیوی کے تمام اہلِ خانہ کے مفاد میں جاتی ہے کہ وہ سب بغیر کسی ردّوکد کے امن سے رہیں۔ اس سزا کا حکم صرف اُس صورت میں ہے جب تمام مصالحاتی طریقے ناکام ہوجائیں اور بیوی گھر میں صرف اپنے بچوں کی خاطر رہنا چاہے' خاوند سے وفادار رہنے سے انکار کردے اور اپنی سرکشی کے رویّہ کو برقرار رکھے۔ اِن حالات میں ایسے غیر مہذبانہ رویّہ کو سیدھا کرنے کا سوائے ہلکی مار کے اور کوئی متبادل راہ نہیں ہے۔ مخالفینِ اسلام کو اُس تدریجی عمل کو بھی دیکھنا چاہئے جو قرآن نے بیوی کی اصلاح کے لئے تجویز کیا ہے اور جس کی آخری اور حتمی سزا ہلکی مار ہے۔

نکاح اور شادی ایک ایسی تنظیم ہے جس کا مقصد شادی شدہ جوڑے کی مشترک فلاح و بہبود ہے۔ اُس مشترک فلاح و بہبود کی بنیاد باہمی الفت ومحبت اور ہم آہنگی ہے جو ہر قیمت پر گھر میں ہونی چاہئے۔ لیکن زوجین کی باہمی کشیدگی اور عدمِ اتحاد کے نتیجہ میں بُرے اثرات صرف میاں بیوی تک ہی محدود نہیں رہ سکتے بلکہ بچوں اور آنے والی نسلوں کو بھی بری طرح متاثر کرسکتے ہیں۔ اگر اس مصیبت کا سبب بیوی ہے تو اُس کی اصلاح کی توقع کس سے کی جانی چاہئے؟ اگر معاملہ عدالت تک جاپہنچتا ہے تو یہ بات زوجین کے درمیان حائل خلیج کو اور زیادہ چوڑا کرے گی کہ اُن کے نجی معاملات میں مداخلت کی گئی ہے۔ اُن کے باہمی اختلافات معمولی اور عارضی ہوسکتے ہیں لیکن عدالت کی مداخلت معاملے کو اور ہوا دے گی اور صورتِ حال کو سنگین بنادے گی۔ کوئی بھی ذی ہوش انسان اپنے روزمرّہ کے معمولی مسائل کو عدالت

تک لے جانے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ لہٰذا ایسے معاملات سے نمٹنے کے لئے کسی ایسی با اختیار ہستی کی ضرورت ہے جو بوقتِ ضرورت اس کی اصلاح اور سرزنش کر سکے اور وہ ہستی خاوند کی ہے جو خاندان کا حقیقی اور حتمی سربراہ ہے۔

''عورت کی اصلاح کے لئے تدریجی اور مرحلہ وار ذرائع (وعظ و نصیحت' خواب گاہ سے علیحدگی اور ہلکی مار) کی تجویز واضح طور پر اس بات کی مظہر ہے کہ عورت کی نفسیات پر اسلام کی نظر کیسی تیز اور بلیغ ہے۔'' --"Islam the Misunderstood Religion"... Muhammad Qutub, pp. 112, 113)

محمد قطب نے بڑی ذہانت سے قرآن کے اِس اقدام کا دفاع کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ سزا کسی بھی طرح عورت کے لئے ذلت آمیز یا اُس کی خودداری کو نقصان پہنچانے والی نہیں ہے۔ (انسائیکلو پیڈیا آف سیرۃ)

خوش کن ازدواجی زندگی کی بنیاد: شروع شروع میں خاوند اپنی رفیقہ حیات کے لئے بالعموم اجنبی اور نامعلوم ہوتا ہے۔ وہ اُسے اپنے رشتہ ازدواج میں لاتا ہے اور اللہ کے نام پر اُسے اُس پر ازدواجی حقوق حاصل ہو جاتے ہیں۔ قرآنی اصطلاح میں اس ازدواجی تعلق کو مِیثَاقًا غَلِیْظًا (پختہ عہد) کہا گیا ہے۔ اسلام اس ''پختہ عہد'' کو قائم رکھنے کی پوری کوشش کرتا ہے اور معمولی سی باتوں پر اسے تحلیل ہونا نہیں چاہتا۔

حقوق و فرائض کے ضمن میں ہم اکثر اپنے فرائض کو بھولتے ہوئے اپنے حقوق دوسروں پر ٹھونستے ہیں۔ اصولی طور پر بہترین گھر وہ ہے جہاں فرائض کا خیال حقوق سے پہلے ہو۔ جہاں فرائض کو حقوق پر تقدم حاصل ہو اور حقوق کو مؤخر کر دیا جائے۔ بے غرضی اور قربانی اس بات میں مضمر ہے کہ تمام فرائض کی انجام دہی بہ دل و جان کی جائے اور کسی بھی فرض کو نہ چھوڑا جائے۔ اس ضمن میں خاوندوں کو سورۃ النساء میں یوں ترغیب دی گئی ہے:

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا

''اور اُن (بیویوں) سے اچھی بود و باش رکھو' اگر تم اُنہیں ناپسند کرتے ہو تو ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اُس میں بہت سی بھلائی رکھ دے۔'' (۴ : ۱۹)

شوہروں کا اپنی بیویوں کے ساتھ تعلق میں یہ اسلام کا بنیادی اصول ہے۔ بیویوں کی خطاؤں اور خامیوں کو برداشت کرنا چاہئے اور اُن سے رواداری کا رویّہ قائم کیا جائے۔ اس حقیقت کو حیاتیاتی طور پر ملاحظہ کیجئے:

''عورتیں کبھی بھی اِن رکاوٹوں پر قابو نہیں پا سکیں گی جو اُن کے جسم کی فطرت میں گہرے طور پر رسی بسی ہیں۔ جو کوئی بھی عورت کے عضویات (Physiology) اور حیاتیات (Biology) سے واقف ہے' تو وہ اُس کے مزاج کی اچانک تبدیلی سے بہت کم ہی خفا اور بے چین ہو گا جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ غیر

معقول قسم کی مزاج میں اشتعال انگیزیاں اور کسی تحریک وترغیب کے بغیر ہوتی ہیں ۔اس بات کو سمجھتے ہوئے آدمی بچوں کے خانوں کی اٹھانے والیوں سے گہری ہمدردی کرے گا جن کی زندگی میں ویسی ہی امنگیں خواہشات ہیں جیسی مردوں کی ہیں لیکن اُن پر زیادہ مشکل حیاتیاتی کام کا بوجھ ڈال دیا گیا ہے۔''

("Biological Tragedy of Women".. Nemilov, pp. 187, 188)

ایک حدیثِ مبارکہ کی رُو سے بہترین بیوی وہ ہے جو اپنے بچوں سے فطری محبت کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے شوہر کی مملوکات کی، اپنی عزت اور پاکیزگی کردار کی حفاظت کرے۔ایک اور حدیث کے مطابق بیوی دو پردوں میں چھپی ہوتی ہے: ایک اُس کا خاوند اور دوم اُس کی قبر۔

مرد باپ اور روزی کمانے والا ہوتا ہے جبکہ عورت ماں اور امورِ خانہ داری کی منتظمہ ہوتی ہے اور عائلی زندگی کی کامیابی وکامرانی کے لئے دونوں کا کردار برابر کی اہمیت کا حامل ہے جو تہذیب انسانی کا بنیادی اور اوّلیں منبع ہے۔قرآن مجید نے اس تعلق کا سورۃ النحل اور سورۃ الشوریٰ میں یوں حوالہ دیا ہے :

(۱) وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُم مِّنْ أَزْوَاجِكُم بَنِينَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُم مِّنَ الطَّيِّبٰتِ (النَّحل : ۷۲)

''اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تم ہی میں سے تمہاری بیویاں بنائیں اور تمہاری بیویوں میں سے تمہارے لئے بیٹے اور پوتے پیدا کئے اور تمہیں نفیس چیزیں عطا کیں۔'' (۱۶: ۷۲)

(۲) جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا (الشوریٰ : ۱۱)

''اُسی نے تمہارے لئے تمہاری جنسوں سے جوڑے بنائے۔'' (۱۱ : ۴۲)

اِن قرآنی آیات میں جنسی زندگی کا راز پوشیدہ ہے اور وہ عائلی زندگی کی تعمیر کی ضرورت کو میاں بیوی کے درمیان مساوات اور محبت کی بنیاد کی طرف اشارہ کرتی ہیں ۔ یہ آیات زوجین کو اس بات کی بھی یاددہانی کراتی ہیں کہ اُن کا ازدواجی رشتہ انعام الٰہی ہے جس کے لئے اُنہیں اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ شکرگزار رہنا چاہئے۔اور اللہ کی شکرگزاری کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اُن میں سے ہر ایک رشتہ ازدواج کو کامیاب بنانے کے لئے دوسرے کے حقوق کا خیال رکھے اور ایک دوسرے سے عمدہ اور مہذب طریق سے برتاؤ کرے۔

اُس کے انعام کی اور علامت نفسیاتی اور جذباتی عامل پر منحصر ہے جس کا ذکر سورۃ الرّوم کی آیت ۲۱ میں ہوا کہ اُسی اللہ نے میاں بیوی کے درمیان الفت ونرم روی کو قائم کر دیا تاکہ وہ ایک دوسرے سے برابر کا آرام و آسائش، امن اور حظ اندوزی حاصل کریں ۔ یہ چیز اُن کے ازدواجی بندھن کو مضبوط کرنے میں موافق ثابت ہوتی

۳۸۰۲ (ازدواج و نکاح ۔۔Marriage)

ہے۔میاں بیوی کے مابین ایسی حیرت انگیز ہم آہنگی پیدا کی گئی ہے کہ اُن میں سے ہر ایک دوسرے کا مکمل جزوِ لازم ہے۔ایک کے جسمانی اور نفسیاتی تقاضے دوسرے کے جسمانی اور نفسیاتی تقاضوں سے بالکل ہم آہنگ اور موافق ہیں۔

ایک بنیادی عامل جو انسانی تہذیب میں معاون ثابت ہوا ہے' یہ ہے کہ خالقِ کائنات نے اپنی کامل حکمت سے عورت و مرد کی دونوں جنسوں میں چاہت' پیاس اور خواہش کو رکھ دیا ہے جس کی تسکین اُس وقت تک نہیں ہو پاتی جب تک دونوں ایک دوسرے کے ساتھ مکمل چسپیدگی اور لگاؤ کے ساتھ نہ رہیں۔امن و سکون کی یہی خواہش اُنہیں ایک ہی گھر اکٹھا بنانے پر مجبور کرتی ہے۔

سورۃ الرّوم کی آیت ۲۱ اِس عمرانی حقیقت کی طرف بھی اشارہ کر رہی ہے کہ ہم آہنگ ازدواجی رشتہ کے لئے دونوں جنسوں کے درمیان مساوات ہے جس کے بغیر اتحاد کا یہ رشتہ نہ تو کبھی پروان چڑھ سکتا ہے اور نہ ہی انسانی تہذیب کو مضبوط بنیاد پر تعمیر کرنے میں صحتمند اور موافق نتائج فراہم کرسکتا ہے۔

زمین و آسمان' مخلوقاتِ سماوی' پودوں اور جانوروں وغیرہ کے بیان میں قرآن مجید بڑے واضح طور پر کہتا ہے کہ یہ سب چیزیں انسان کے لئے پیدا کی گئی ہیں بلکہ وہ کہیں بھی یہ نہیں کہتا کہ عورت مرد کے لئے پیدا کی گئی ہے۔بلکہ وہ یہ کہتا ہے کہ مرد و عورت دونوں ایک دوسرے کے لئے پیدا کیے گئے ہیں۔رحیم و کریم اللہ کا شکر ہے جس نے عورت کے مقام کو مائل بہ اصلاح کرتے ہوئے فرمایا :

هُنَّ لِبَاس "لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاس" لَّهُنَّ (البقرة : ۱۸۷)

''وہ (عورتیں) تمہارے لئے اور تم اُن کے لئے لباس ہو۔'' (۲ : ۱۸۷)

یہاں مرد اور عورت کو ایک دوسرے کا لباس کہا گیا کیونکہ دونوں ایک دوسرے سے بغل گیر ہوتے ہیں' دونوں ایک دوسرے کے پاس آرام و سکون کی خاطر جاتے ہیں۔اسے یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ مرد و زن ایک دوسرے کو مستقل اور ناقابلِ جدا ساتھی کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔زندگی میں ایک دوسرے کا سہارا ہونے پر قرآن زور دیتا ہے۔مرد اپنی ساری قوّتوں اور صلاحیتوں کے باوجود عورت کے بغیر نامکمل ہے اور عورت اپنی تمام تر لطافتوں کے باوجود مرد کے بغیر ادھوری ہے۔دونوں مل کر ایک وحدت بنتے ہیں۔یہ وحدت بانجھ نہیں بلکہ کثیر التعداد وحدتوں کا سرچشمہ ہے۔اُن کے ہاں بچے بھی ہوں گے اور بچیاں بھی۔کسی کے یہ سسرال بنیں گے اور کوئی ان کے بچوں کے سسرال ہوں گے' باہمی رشتے ہوں گے' قرابتیں بڑھیں گی تو اس طرح ایک انسانی معاشرہ وجود میں آئے گا جس کا ہر فرد دوسرے افراد سے پیار و محبت' شفقت و احترام کے رشتوں سے بندھا ہوا ہوگا۔

اسلام کو یہ بات مکمل طور پر تسلیم ہے کہ جنس انسان کی انتہائی قوی عضویاتی ضرورت ہے۔ قرآن مجید مرد وزن کے درمیان رشتہ کی ماہیت اور دائرہ عمل کو بڑی خوبصورتی سے بیان کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ مرد کی زندگی میں بہت سے خوابیدہ پہلو ہیں جنہیں مائل بہ عمل صرف عورت ہی کر سکتی ہے اور عورت کی زندگی کے بہت سے گوشے مرد کے بغیر نامکمل رہ جاتے ہیں۔ اکملیت اور اتمام نفرت' غصہ یا بغض وعداوت سے نہیں بلکہ محبت اور باہمی تعاون ہی سے ممکن ہے۔

ایسے پیارے اور دل پسند کنبہ کی تعمیر میں شوہر کا منصبی کام یہ ہے کہ اُسے اپنی بیوی سے پیار ومحبت' صبر اور عزت واحترام سے پیش آنے میں حکمِ الٰہی کا احساس ہو۔ خاوند کا یہ فیاضانہ اور محبت بھرا رویّہ اُس کی بیوی کا دل موہ لے گا اور اُن کے درمیان عمدہ اور صحتمند رشتہ پروان چڑھے گا۔ قرآنِ حکیم بیویوں کے ساتھ درشتی وکرختگی سے پیش آنے کی مذمت کرتا ہے اور اُن سے رحمدلی سے پیش آنے کا حکم دیتا ہے جیسا کہ سورۃ النساء کی آیت ۱۹ میں حکم ہوا اور جس کی وضاحت گزشتہ صفحات میں ہو چکی ہے۔ اگر ہر شخص کو اپنے قانونی حقوق ہی میں دلچسپی ہو اور اپنے فرائض اور ذمہ داریوں سے تغافل ہو تو معاشرتی زندگی کبھی بھی خوش کن اور خوشگوار نہیں ہو سکتی۔

بیوی کے حقوق (خاوند کے فرائض)

(1) حقِ مہر : عورت کو اپنے پر حلال کرنے کے لئے خاوند اُسے بوقتِ نکاح جو تحفہ دیتا ہے' وہ ''مہر'' (Nuptial Gift) کہلاتا ہے۔ مہر کا ادا کرنا خواہ وہ کسی شکل میں ہو' بیوی کے مطالبہ پر خاوند کی طرف سے ادا کرنا فرض ہے کیونکہ یہ عورت کے حقِ زوجیت کے عوضانہ کے بدلے میں ہے۔ اس فریضہ کو خوشدلی سے ادا کرنے کی بابت کئی مقامات پر یوں حکم دیتا ہے :

(i) وَمَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهُ' وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ' مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ (البقرۃ : ۲۳۶)

''اور مطلّقہ عورتوں کو متاع میں کپڑے دو' فراخ دست اپنی حیثیت کے مطابق اور تنگ دست اپنی گنجائش کے مطابق دستور اور رواج کے اعتبار سے دے۔'' (۲۳۶ : ۲)

(ii) وَآتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً (النساء : ۴)

''اور بیویوں کو اُن کے مہر خوشدلی سے ادا کر دیا کرو۔'' (۴ : ۴)

(iii) فَانْكِحُوْهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ وَآتُوْهُنَّ أُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (النساء : ۲۵)

''ان (کنیزوں) سے اُن کے مالکوں کی اجازت کے ساتھ نکاح کر دو اور اُنہیں اُن کے مہر حسبِ دستور ادا کر دو۔'' (۲۵ : ۴)

بیوی کو اختیار حاصل ہے کہ وہ خاوند کو کل مہر یا اس کا کچھ حصہ اپنی آزادانہ رضامندی سے بغیر کسی داخلی یا خارجی جبر واکراہ کے معاف کر دے لیکن خاوند کے لئے یہ بالکل جائز نہیں کہ وہ بیوی کو اشارتاً یا وضاحتاً یا بالواسطہ طور

پر یا اُس پر دباؤ ڈال کر مہر کے چھوڑنے یا معاف کرنے کا کہے۔ جیسا کہ سورۃ النساء کی آیت ۴ میں اس کا بیان ہوا جس میں نِحْلَة کا لفظ ''عطیہ'' کا ہم معنیٰ ہے ("Arabic Glossary of the Holy Quran"
---Ibn-e-Qutayba (d. 276 A.H/890 C.E.)

مہر میں تخفیف مستحب ہے اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ پاک ہے:
أَعْظَمُ النِّسَاءِ بَرَكَةً أَيْسَرُهُنَّ مُؤْنَةً (مسند احمد، مسند حاکم وسنن بیہقی)
''وہ عورت سب سے زیادہ بابرکت ہے جس کا حصول آسانی سے ہو۔''

جیسا کہ درج ذیل احادیث سے ثابت ہے، مہر کی ادائیگی کا فرض نمایاں اہمیت کا حامل ہے:
(۱) مہر کے لئے کوئی چیز تلاش کرو خواہ وہ آہنی انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)
(۲) جو شخص مہر مقرر کر کے کسی عورت سے نکاح کرتا ہے لیکن اُس کی نیت اُسے ادا کرنے کی نہیں، وہ زناکار ہے۔

نوٹ: (۱) مہر کا بوقتِ نکاح ادا کر دینا بھی درست ہے اور کل مہر یا اس کے کچھ حصّہ کی ادائیگی میں تاخیر کرنا بھی درست ہے بشرطیکہ دلہن یا اُس کا سرپرست اس پر راضی ہو۔
(۲) جماع کے بعد کل مہر کی ادائیگی فرض ہے تاہم اگر مجامعت سے پہلے طلاق واقع ہو جائے تو مقرر شدہ مہر کا نصف ادا کرنا ہوگا جیسا کہ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۳۷ میں بیان ہوا۔

(۳) اگر خاوند ''عقد'' کے بعد اور مجامعت سے پہلے فوت ہو جائے تو عورت کو خاوند کی پوری وراثت اور مہر ملے گا اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہی فیصلہ ہے بشرطیکہ نکاح کے وقت ''مہر'' مقرر ہو چکا ہو اور اگر مہر مقرر نہیں ہوا تھا تو عورت ''مہرِ مثل'' کی مستحق ہوگی اور ''عدّتِ وفات'' بھی گزارے گی (یعنی چار ماہ دس دن یا وضعِ حمل) (''منہاج المسلم'' -- ابوبکر جابر الجزائری، صفحہ ۶۱۸)

(2) <u>خوش اخلاقی</u>: عائلی زندگی کی نفاست ولطافت اس بات میں مضمر ہے کہ خاوند اپنی بیوی کے حقوق کو تسلیم کرتے ہوئے اُس سے خوش اخلاقی اور احسن رویّہ سے پیش آئے جیسا کہ سورۃ النساء کی آیت ۱۹ میں حکم ہوا۔ بیوی کی عزت وتکریم اُس کا جائز اور قانونی حق ہے اور عمدگی کے اس اصول کی وسعت چھوٹے، بڑے تمام خانگی معاملات کو محیط ہونی چاہئے۔ اس بارے میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مثال ہمارے لئے اور بالخصوص اُن لوگوں کے لئے مشعلِ راہ ہے جو اپنی بیویوں سے ظالمانہ اور بہیمانہ سلوک کرتے ہیں۔ فرمودۂ رسول اللہ ﷺ ہے:
(i) خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهِ وَاَنَا خَيْرُكُمْ لِاَهْلِيْ (الطبرانی)
''تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے اچھا ہے اور میں اپنے اہلِ خانہ کے لئے تم سب سے بہتر ہوں۔''

(ii) خِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَاءِ هِمْ (ترمذی)
''تم میں سے بہتر وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے ساتھ بہتر اور عمدہ ہیں۔''

اس عالمِ رنگ و بُو میں کوئی بھی آدمی مثالی نہیں ہے۔ ہر شخص میں خواہ وہ کتنا ہی پارسا اور نیک کیوں نہ ہو' کچھ نہ کچھ خامیاں ہوتی ہیں اور کوئی بھی خطا سے مبرّا نہیں ہے۔ بیوی بھی اس حقیقت سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ اس روشن حقیقت کے تحت ہر ایک کو دوسرے کی کوتاہیوں کو برداشت کرنا ضروری ہے اور برداشت کرنے والے کو خطاکار کی پوزیشن میں رکھ کر دیکھنا چاہئے کہ اگر یہ خطا اُس کی طرف سے ہوتی تو وہ دوسروں سے کیا توقع رکھتا؟ اس باب میں نبی آخر الزماں علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ہمیں ایک سنہرا اصول عطا کیا ہے کہ فرمایا:

لَايَفْرَكُ مُؤْمِن" مُؤْمِنَةً اِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلْقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ (صحیح مسلم: کتاب الرضاع)
''مسلمان خاوند کو اپنی مسلمان بیوی سے نفرت نہیں کرنی چاہئے۔ اگر بیوی کی ایک عادت اُسے ناپسند ہے تو اُس کی کوئی دوسری خصوصیت اُسے ضرور خوش کرے گی۔''

(3) <u>نان ونفقہ</u> : عورت کی جائز ضروریات کا پورا کرنا بھی خاوند کی ذمہ داری ہے جن میں طعام' لباس اور رہائش شامل ہیں۔ ان کی اسلام نے کوئی حد یا وسعت مقرر نہیں کی بلکہ وہ شوہر کے وسائل اور ذرائع آمدنی پر منحصر ہے جیسا کہ سورۃ البقرۃ میں ارشاد ہوا:

عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ (البقرۃ : ۲۳۶)
''وسعت والے پر اُس کی حیثیت کے مطابق (لازم) ہے اور تنگدست پر اُس کی حیثیت کے مطابق۔'' (۲۳۶ : ۲)

غذا اور خوراک کی فراہمی کے فرض کی بابت قرآن فرماتا ہے :

وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (البقرۃ: ۲۳۳)
''اور ماؤں کا کھانا اور پہننا دستور کے مطابق بچے کے باپ پر لازم ہے۔'' (۲:۲۳۳)

ایک صحابی نے نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! ہماری بیویوں کا ہم پر کیا حق ہے؟ تو آپ نے یہ جواب دیا:

اَنْ تُطْعِمَهَا اِذَا طَعِمْتَ وَتَكْسُوْهَا اِذَا اكْتَسَيْتَ وَلَا تَضْرِبِ الْوَجْهَ وَلَا تُقَبِّحْ وَلَا تَهْجُرَ اِلَّا فِي الْبَيْتِ (ابوداؤد)
''یہ کہ کھانے کے وقت تو اُسے کھلائے' اُسے لباس پہنائے' نہ تو اُس کے چہرے پر مارے اور نہ ہی اُسے برا بھلا کہے اور اگر تو اُس سے جدا ہونا چاہے تو (یہ جدائی) گھر ہی میں ہو۔''

ایک حدیثِ مبارکہ کی رُو سے آدمی جب اپنی کمائی کو اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا ہے تو اس کا بھی ثواب

ملتا ہے اور اللہ کی مہربانی کا وہ بندہ مورد بن جاتا ہے۔ نبی آخرالزماں علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشادِ گرامی ہے :

(i) ''ایک دینار تو اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے' ایک دینار تو غلام کو آزاد کرانے میں' ایک دینار تو کسی مسکین پر اور ایک دینار تو اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا ہے لیکن جو دینار تو نے اپنے اہل وعیال پر خرچ کیا' اُس کا اجر وثواب بہت بڑا ہے۔'' (صحیح مسلم)

(ii) ''رضائے الٰہی کی خاطر تم جو کچھ بھی اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتے ہو' یہاں تک کہ وہ لقمہ جو تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتے ہو' اُس کا بھی تمہیں اجر وثواب ملتا ہے۔'' (بخاری' مسلم)

(iii) ''آدمی کے گنہگار ہونے کے لئے یہی بات کافی ہے کہ وہ اُن لوگوں کے حقوق ادا نہ کرے جن کی کفالت اُس کے ذمّے ہے۔'' (ابوداؤد)

(4) تحمّل وبُردباری : ازدواجی زندگی کی کامیابی کا راز دوسرے کی کوتاہیوں اور خطاؤں کو نظر انداز کرنے میں ہے۔ معمولی معمولی باتوں پر غضبناک ہونا جس کی وسعت جدائی اور طلاق تک جا پہنچتی ہے' گھر کو جہنم زار سے کم نہیں بناتا اور جس کا نتیجہ باہمی لڑائی جھگڑوں اور بچوں میں احساسِ کمتری میں نکلتا ہے۔ تنازعات اور اختلافات کو باہمی طور پر اپنی خلوتوں میں چکانا چاہئے جن کا کسی دوسرے کو علم نہ ہو۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اِسْتَوْصَوْا بِالنِّسَاءِ فَاِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ وَاِنَّ اَعْوَجَ مَافِی الضِّلَعِ اَعْلَاهُ فَاِنْ ذَهَبْتَ تُقِيْمُهُ' كَسَرْتَهُ' وَاِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ اَعْوَجَ فَاسْتَوْصَوْا بِالنِّسَاءِ (مُتَّفَق'' عَلَيْهِ)

''اپنی بیویوں سے رواداری سے پیش آؤ اور اُن کی اچھی باتوں کی قدر کرو' بے شک عورت مرد کی پسلی سے پیدا ہوئی ہے اور پسلی کا ٹیڑھا ترین حصّہ اُس کا بالائی حصّہ ہوتا ہے' اگر تم اُسے سیدھا کرنا چاہو تو اُسے توڑ ڈالو گے اور اگر تم اُسے اُس کی حالت میں (ویسا ہی) رہنے دو تو وہ ٹیڑھا ہی رہے گا۔ اس لئے عورت (کی اس کمزوری) کا خیال رکھو۔'' (صحیح بخاری' صحیح مسلم)

صحیح مسلم میں بیان کردہ حدیث کا مضمون اس طرح ہے :

''عورت بے شک پسلی سے پیدا ہوئی ہے' وہ کسی طرح بھی تمہارے لئے سیدھی نہیں ہوگی' اس لئے اگر اُس سے فائدہ اٹھانا ہے تو اُس کے ٹیڑھے پن کی حالت سے فائدہ اٹھالو۔ اگر تم اُسے سیدھا کرنے لگو گے' تو اُسے توڑ ڈالو گے اور اُس کے توڑنے کا مطلب طلاق اور جدائی ہے۔''

(5) اخلاقی تربیت : اپنے اہلِ خانہ کی اخلاقی اور دینی تربیت کا انتظام کرنا بھی خاوند کی ذمّہ داری ہے جس کا اہم رکن اُس کی بیوی ہے۔ قرآنِ مجید نے ہمیں اللہ سے دعا کرنے کی یہ تعلیم دی ہے :

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا O (اَلْفُرْقَان : ۷۴)

''اے ہمارے پالنہار! ہمیں اپنی بیویوں اور ہماری اولاد کی جانب سے آنکھوں کی ٹھنڈک

عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا دے۔'' (۷۴ : ۲۵)

تفسیر و توضیح ملاحظہ ہو اِسی جلد کے صفحہ ۳۷۸۹ پر۔

(6) خاوند کے ایک سے زیادہ شادی کرنے کے مقابل بیوی کو عدل و انصاف کی شرط کے ساتھ تحفظ دیا گیا ہے۔ اگر خاوند قرآنی قانون کے مطابق اپنی بیویوں کے ساتھ عدل و انصاف نہیں کرسکتا تو اُسے ایک سے زیادہ شادی کرنے کی اجازت نہیں ہے (بحوالہ سورۃ النساء: ۳' ۱۲۹)۔

(7) خاوند کو اس بات کی اجازت نہیں کہ اُس کی بیوی بہ ظاہر سہاگن اور شوہر دار ہو لیکن فی الحقیقت وہ اپنے کسی حق سے بھی فائدہ نہ اٹھا رہی ہو۔ وہ نہ تو عام شوہر والیوں کی طرح اپنے حقوق سے مستفید ہو رہی ہو اور نہ طلاقنوں کی طرح اپنے کو آزاد اور خود مختار پاتی ہو۔ شریعت نے اس ادھر میں پڑی رہنے والی کی حالت کو بدترین اور ظالمانہ قرار دیا ہے۔ شوہر کو چاہئے کہ اپنے امکان بھرپوری کوشش حسنِ معاشرت کی اور تعلقِ زوجیت کے حق کی کرے لیکن جب دیکھے کہ اس میں کامیابی کی کوئی صورت نہیں تو پھر صاف طور پر قاعدۂ شرعی کے مطابق طلاق دے دے۔ چنانچہ سورۃ النساء کی آیت ۱۲۹ میں فرمایا گیا:

وَلَنۡ تَسۡتَطِيۡعُوۡۤا اَنۡ تَعۡدِلُوۡا بَيۡنَ النِّسَآءِ وَلَوۡ حَرَصۡتُمۡ فَلَا تَمِيۡلُوۡا كُلَّ الۡمَيۡلِ فَتَذَرُوۡهَا كَالۡمُعَلَّقَةِ

''اور تم ہرگز اس بات کی استطاعت نہیں رکھتے کہ (ایک سے زائد) بیویوں کے درمیان (پورا پورا) عدل کرسکو اگرچہ تم کتنا بھی چاہو' پس (ایک کی طرف) پورے میلانِ طبع کے ساتھ (یوں) نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو (درمیان میں) لٹکتی ہوئی چیز کی طرح چھوڑ دو۔'' (۱۲۹ : ۴)

طلاق دینے کی صورت میں خاوند کی طرف سے بیوی کو نقصان پہنچانے کی کوئی صورت نہ ہونے پائے بلکہ اِس حساس موقع پر معاملہ کو بڑی شرافت اور عالی ظرفی سے نمٹانے کا حکم دیا گیا ہے (بحوالہ سورۃ البقرۃ: ۲۳۱)۔

(8) خلع : اس کی تفصیل جلد ششم کے صفحات ۲۹۶۸ تا ۲۹۷۲ میں دی جا چکی ہے۔

(9) حلالہ (Superseding Marriage): حلال اور جائز چیزوں میں سے اللہ کے نزدیک مبغوض ترین چیز طلاق ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ طلاق دینے پر ارض و سماء کانپ اٹھتے ہیں۔ طلاق سے شیطان خوش ہوتا ہے اور رحمان ناراض ہوتا ہے۔ (''الجامع الصغیر فی احادیث البشیر النذیر'' لجلال الدین السیوطی' صفحہ ۱۹۷ ؛ ''الاسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعۃ'' لملا علی قاری' صفحہ ۱۲۹)

اب اگر جدائی اور دونوں کے درمیان زن و شو کے تعلق کے ختم ہونے پر دونوں دوبارہ باہم ملنا چاہیں تو

خاوند اپنی مطلقہ بیوی کو دوبارہ اپنے حبالۂ عقد میں نہیں لاسکتا جب تک کہ اُس عورت کا نکاح کسی اور خاوند سے نہ ہو (بحوالہ سورۃ البقرۃ : ۲۳۰)۔ جب تک دوسرا خاوند بغیر کسی جبر و اکراہ کے اپنی صوابدید اور آزادانہ رضامندی سے طلاق دینے پر راضی نہ ہو تو پہلا خاوند اُس سے نکاح کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ طلاق اور دوبارہ ملاپ کی یہ تشکیل خاوند کو بغیر کسی معقول وجہ کے طلاق دینے سے ممانعت کی بناء پر ہے اور اُس کی غیرت پر تازیانہ لگانے کے سبب سے ہے کہ وہ اپنی بیوی کو کسی دوسرے مرد کو تسکینِ راحتِ جاں کے شرمناک فعل جیسا سامان فراہم کر رہی ہے۔ پس اگر دوسرا خاوند اپنی آزادانہ رضامندی سے اُسے طلاق دے دے اور عورت کی پہلے خاوند سے محبت بھی لوٹ آتی ہے اور پہلا خاوند بھی اُسے دوبارہ قبول کرنے کے لئے تیار ہو تو اسلام اُنہیں نئی ازداجی زندگی دوبارہ شروع کرنے کی اجازت دیتا ہے۔

(10) ایلاء☆ کے ذریعے بیوی کی اذیت رسائی کی ممانعت: قبل از اسلام کے عرب میں کچھ خاوندوں کی اپنی بیویوں کے ساتھ جماع نہ کرنے کی عادت تھی اور ایسا کرنے میں بیوی کو دکھ اور آزار دینا مقصود تھا۔ ایسے فعل میں بیوی اُن کے حبالۂ عقد میں رہتے ہوئے حقوقِ ازدواج سے محروم رہتی۔ اس سلسلہ میں احادیثِ نبویہ واضح ہیں کہ اگر خاوند اپنی قسم کو چار ماہ کے اندر توڑ نہیں دیتا تو عورت اُس کی زوجیت سے آزاد ہو جائے گی (صحیح بخاری، جلد ششم، صفحہ ۱۷۰)۔ اگر خاوند اپنی قسم کو توڑ دے تو وہ یا تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے یا مسلسل دو ماہ کے روزے رکھنے سے کفارہ ادا کرے۔ اگر چار ماہ کی مدت گزر جائے تو عورت اپنی پسند کے کسی دوسرے مرد سے نکاح کرنے کے لئے آزاد ہو جائے گی۔ لیکن عورت کو کسی غیر یقینی مدت تک آزار دینا صحیح نہیں۔ تاہم اگر عورت چار ماہ کے بعد اُسی مرد سے دوبارہ نکاح کرنا چاہتی ہو تو اُس پر حلالہ کا اطلاق نہیں ہوگا بلکہ مرد پر کفّارہ ادا کرنا لازم ہوگا۔ ("Islam and Women"... Ali Asghar Chishti, p. 34)

(11) عدّت کے بعد بیوہ کو عقدِ ثانی کا حق: سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۳۴ میں فرمایا کہ متوفیان کی بیوگان کی عدّت چار ماہ، دس دن ہے اگر وہ حاملہ نہ ہوں۔ حاملہ بیوہ کی عدّت اُس کا وضعِ حمل ہے یعنی اُس کی عدت بچے کی پیدائش پر ختم ہوگی جیسا کہ سورۃ الطلاق کی آیت چہارم میں ہے۔

بیوہ کی عدّت کے دوران قرآنِ حکیم کسی مرد کو اُسے نکاح کا پیغام بھجوانے کی اجازت نہیں دیتا۔ تاہم اس خیال سے کہ کہیں وہ اپنے اچھے مستقبل سے مایوس نہ ہو جائے، اُسے محتاط طریقے سے اشارتاً اپنا ارادہ بھیجنا جائز ہے۔

رنڈوے (مرد) کو اپنی بیوی کی وفات کے تین دن بعد عقدِ ثانی کی اجازت ہے۔ مرد کے لئے ایسی رعایت کے پس پردہ منطق یہ ہے کہ عورت کے بغیر گھر کا نظام نہیں چل سکتا۔ اس لئے اسلام نے اُسے سوگ کے تین دن بعد

☆ خاوند کا اللہ کی قسم اٹھا کر کہنا کہ میں اپنی عورت کے ساتھ اتنی مدت وطی (جماع) نہیں کروں گا جبکہ وہ مدت ۴ ماہ سے زائد ہو۔

عقدِ ثانی کرنے کی اجازت دی ہے۔ (''کتاب السنن الصغیر'' للبیہقی' ج ۲' ص ۱۲۵ ؛ ''الکتاب المصنف فی الاحادیث والآثار'' لابن ابی شیبہ' صفحات ۱۰۴' ۱۰۵ ؛ ''المصنف'' للسمعانی' ج ۶' ص ۴۷۰ ؛ النسائی' جلد ۳' ص ۳۸۸)

ہمارے نبیِ معظم ﷺ کی مثال مندرجہ بالا حقیقت کا ٹھوس ثبوت ہے۔ سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سال نبوت کے دسویں سال ۱۰ رمضان المبارک میں وفات پائی اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اُس سے ایک ماہ بعد یعنی ۱۰ شوال المکرّم کو نکاح فرمایا۔ (''سفینۃ الاولیاء'' لدارا شکوہ' صفحات ۱۹۹' ۲۰۰ : ''شریف التواریخ'' لشریف احمد شرافت' جلد اوّل' صفحہ ۲۲۸)

(12) حیض والی عورت سے جماع کرنے کی ممانعت: حیض والی عورتوں کے ساتھ یہود کا رویّہ غیر معقول تھا۔ وہ اُن دنوں میں اُس کے ساتھ ہر قسم کا تعلق یہاں تک کہ ہم نشینی اور کھانا پینا تک ترک کر دیتے تھے۔ حیض کے ایام میں اُس کے ہاتھ کے پکائے ہوئے کھانے کو وہ گندا اور ناپاک سمجھتے تھے۔ اُن کے نزدیک ان مخصوص ایام میں عورت گندگی کا مجسمہ ہوتی ہے۔ اِن معاملات میں ملحدین کا بھی یہود جیسا رویّہ تھا۔ عورت کی ماہواری کے اِن دنوں میں عیسائی لوگ جماع سے گریز نہیں کرتے تھے۔ اس طرح عورت ان تین طبقات کے ہاتھوں ستم رسیدہ تھی۔

اسلام نے اعتدال کا دین ہونے کے ناطے سے اِن متشدّد عادات کا خاتمہ کیا۔ اُس نے عورت کے حیض کے ایام میں اُس سے جماع کرنے کی اس لئے ممانعت کی کہ اِن دنوں میں عورت کمزور اور چڑ چڑے مزاج والی ہو جاتی ہے اور اُس میں جنسی خواہش بھی نہیں رہتی۔ تاہم خاوند کو اُن مخصوص ایام میں اُس کی چاہت کی موافقت میں اُس کی ہم نشینی اختیار کرنے' بات چیت کرنے اور اُس کے ساتھ کھانے پینے کی اجازت دی گئی ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۲۲ میں اس ممانعت کا ذکر آیا ہے:

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ (البقرۃ : ۲۲۲)

''(اے نبی!) لوگ آپ سے حیض کا حکم دریافت کرتے ہیں۔ فرما دیجئے کہ وہ ایک (طرح کی) گندگی ہے پس تم حیض کے دوران عورتوں کو چھوڑے رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں اُن سے قربت نہ کرو۔''

ایامِ حیض میں جماع سے ممانعت کی بابت چند ماہرین کی آراء: ملاحظہ ہو اِسی انسائیکلوپیڈیا کی جلد سوم کا صفحہ ۱۳۹۵۔

(13) ظہار کے مشغلہ کی بیخ کنی: زمانہ قبل از اسلام میں ظہار کا غیر انسانی مشغلہ عام تھا جس کی رُو سے اگر مرد اپنی بیوی کو اپنی ماں کی پشت سے تشبیہ دیتا تو اُسے طلاق کے مساوی سمجھا جاتا اور عورت کے اپنے خاوند

کے ساتھ جملہ ازدواجی تعلّقات و حقوق ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتے۔ یہ مشغلہ صاف طور پر غیر شریفانہ اور عورت کے حقوق کا ظالمانہ غصب تھا کیونکہ یہ سب کچھ اُس کے قصور کے بغیر ہوتا تھا۔ اسلام نے اس غیر انسانی مشغلہ کی بیخ کنی کی اور سرزنش کی کہ خاوند کو ماں کے ساتھ تشبیہ دینے کے الفاظ کہنا اپنے اوپر کفّارہ کو عائد کرنا ہے۔ تاہم اس سے معاہدۂ نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

(14) خاوند کے فیصلے بیوی پر ٹھونسے نہیں جا سکتے : ایک حدیثِ نبوی کی رُو سے عورت آدم کی پسلی سے پیدا کی گئی ہے' اس لحاظ سے جبلّاتی طور پر وہ کج (ٹیڑھی) ہے۔ لہٰذا خاوند کے لئے اپنے فیصلوں کو اُس پر زبردستی ٹھونسنا اچھی بات نہیں کیونکہ اُس کا ضدی اور خود پسندی کا رویّہ ازدواجی رشتے کو قائم رکھنے میں بہتر نتائج کا موجب نہیں ہوگا۔ عورت کی فطرت سے متعلق حدیثِ نبویؐ کا حوالہ جلد ششم (اردو) کے صفحہ ۲۹۹۴ پر دیا جا چکا ہے۔

(15) اسلام نے عورت کو اپنے خاوند کے انتخاب میں مکمل آزادی عطا کی ہے۔ اُسے اپنی پسند کے خلاف شادی پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ اس سلسلہ میں قرآن حکیم مسلمانوں کو حکم دیتا ہے:

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ (البقرة : ۲۳۲)

''جب تم عورتوں کو طلاق دے چکو اور پھر وہ اپنی عدّت پوری کر چکیں تو اُنہیں اپنے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جبکہ وہ آپس میں شریفانہ طریقے سے رضا مند ہو جائیں۔'' (۲ : ۲۳۲)

درج ذیل احادیثِ مبارکہ زیرِ نظر موضوع کو مزید تقویت دیتی ہیں جن میں پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا:

(۱) ''لڑکی کو اپنی ذات کے بارے میں فیصلہ کرنے کا حق اپنے سرپرست کی نسبت زیادہ ہے۔''

(۲) ''کنواری لڑکی کو اُس کے مرضی کے بغیر نکاح میں نہ دو۔''

(۳) ''کسی بیوہ کا نکاح اُس کے مشورہ کے بغیر نہ کرو اور کسی کنواری لڑکی کی شادی اُس کی مرضی کے بغیر نہ کرو اور اُس کی رضامندی اُس کی خاموشی ہے۔''

شادی ہو جانے کے بعد بھی اگر لڑکی اعلان کرے کہ وہ اس شادی پر راضی نہیں تو نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔

(۴) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد مبارک میں ایک شخص نے اپنی لڑکی کی شادی ایک امیر آدمی سے کر دی لیکن لڑکی اُس مرد کو پسند نہیں کرتی تھی۔ وہ نبی علیہ السلام کی بارگاہ میں آئی اور کہا کہ میرے والد نے میری شادی اپنے ایک امیر بھتیجے سے کر دی ہے تاکہ وہ اس سے مالی منفعت حاصل کر کے اپنی اقتصادی حالت کو بہتر بنا لے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم اُسے پسند نہیں کرتیں تو تم آزاد ہو۔ لڑکی نے جواب دیا کہ میں اپنے

والد کے فیصلے کو برقرار رکھتی ہوں لیکن میں یہ سمجھنا چاہتی ہوں کہ آیا والد کو اپنی بیٹیوں کی شادی اُن کی مرضی کے خلاف کرنے کا حق حاصل ہے؟'' (مسند امام احمد' ابن ماجہ)

(۵) اسی طرح بریرہ نامی ایک لونڈی ایک غلام سے بیاہ دی گئی۔ کچھ عرصہ کے بعد بریرہ کو آزادی مل گئی اور اُس نے اُس غلام خاوند کی بیوی رہنے سے انکار کر دیا۔ لیکن وہ اس سے بے حد محبت کرتا تھا۔ وہ اُس کے پیچھے شدید طور پر روتا ہوا گیا۔ اس بات کو دیکھتے ہوئے نبی ﷺ نے بریرہ سے فرمایا: ''بریرہ! اللہ کا خوف کرو اور تمہارے لئے اُس کی محبت اور تمہاری طرف سے مایوس کن صورتِ حال کا کچھ تو خیال کرو! وہ تمہارا خاوند رہا ہے اور اُس سے تمہارے بچے بھی ہیں۔'' بریرہ نے جواب دیا: ''کیا آپ مجھے اُس کی زوجیت میں رہنے کا حکم فرما رہے ہیں؟'' آپ نے فرمایا: ''نہیں' میں اس کا حکم کیسے دے سکتا ہوں؟ میں تو تم سے سفارش کر رہا ہوں۔'' اس پر بریرہ نے کہا کہ مجھے اُس کی ضرورت نہیں۔'' (صحیح بخاری)

یہ اور اس قسم کے دوسرے واقعات اس بات کا مظہر ہیں کہ اسلامی معاشرے میں حقوقِ نسواں کو بڑا احترام اور قانونی تحفظ حاصل ہے۔

خاوند کے حقوق (بیوی کے فرائض)

جس طرح اسلام نے خاوند پر کچھ ذمہ داریاں عائد کی ہیں' اُسی طرح بیوی پر بھی کچھ فرائض عائد کئے ہیں۔ اسلام کی نظر میں خاوند اور بیوی دونوں کے مساوی حقوق و فرائض ہیں اور اُن میں سے کسی کو دوسرے پر کوئی امتیاز حاصل نہیں جیسا کہ سورۃ البقرۃ میں فرمایا گیا:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (البقرۃ: ۲۲۸)

''اور دستور کے مطابق عورتوں کے بھی مردوں پر اسی طرح حقوق ہیں جیسے مردوں کے عورتوں پر۔'' (۲:۲۲۸)

بیوی کے فرائض درج ذیل ہیں:۔

(۱) **اطاعت و نیاز مندی**: خاوند کے آگے بیوی کا مطیع و فرمانبردار رہنا اُس کا فرضِ اوّلیں ہے۔ خاوند کا جائز حکم کا ماننا اُس کا مذہبی فریضہ ہے۔ نیک اور صالح خواتین کی تعریف میں قرآن فرماتا ہے:

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰت'' (النساء: ۳۴)

''نیک بیویاں (اپنے خاوندوں کی) اطاعت شعار ہوتی ہیں۔'' (۴: ۳۴)

خاوند کی اطاعت شعار ہونے کے حوالے سے چند احادیثِ نبویہ ذیل میں پیش کی جاتی ہیں:

(i) اِذَا دَعَاالرَّجُلُ زَوْجَتَه' لِحَاجَتِهٖ فَلْتَأْتِهٖ وَاِنْ كَانَتْ عَلَى التَّنُّوْر (ترمذی' نسائی)
''جب خاوند اپنی بیوی کو اپنی کسی ضرورت کے لئے بلائے تو اُسے (فوراً) اُس کے پاس آنا چاہئے خواہ وہ تنور پر روٹی تیار کر رہی ہو۔''

(ii) لَوْ كُنْتُ آمِرًا أَحَدًا أَنْ يَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ يَّسْجُدَ لِزَوْجِهَا (ترمذی)
''اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ وہ کسی کو سجدہ کرے تو میں بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔''

(iii) أَيُّمَا امْرَأَةٍ مَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَنْهَا رَاضٍ دَخَلَتِ الْجَنَّةَ (ترمذی)
''جو بھی عورت اس حال میں مرے کہ اُس کا خاوند اُس سے راضی ہو' وہ جنت میں داخل ہوگی۔''

(iv) اِذَا دَعَا الرَّجُلُ اِمْرَأَتَه' اِلَى فِرَاشِهٖ فَلَمْ تَأْتِهٖ فَبَاتَ غَضْبَانَ عَلَيْهَا لَعَنَتْهَاالْمَلَائِكَةُ حَتّٰى تُصْبِحَ (صحیح بخاری' صحیح مسلم)
''جب خاوند اپنی بیوی کو اپنی خواب گاہ کی طرف بلائے اور وہ اُس کی طرف نہ آئے' جس وجہ سے خاوند تمام رات غصہ کی حالت میں گزارے تو فرشتے (اُس عورت پر) صبح تک لعنت کرتے رہتے ہیں۔''

اپنے خاوند کی اطاعت و نیاز مندی کے نقشے کا اندازہ ذیل کی حدیث سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے :
لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ أَنْ تَصُوْمَ وَزَوْجُهَاشَاهِدٌ'' اِلَّا بِاِذْنِهٖ وَلَا تَأْذَنَ فِيْ بَيْتِهٖ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (مُتَّفَق ''عَلَيْهِ)
''بیوی کے لئے (نفل) روزہ رکھنا خاوند کی موجودگی میں اُس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں اور نہ ہی اُس کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ خاوند کے گھر میں خاوند کی اجازت کے بغیر کسی کو داخل کرے۔'' (بخاری' مسلم)

(۲) <u>خاوند کی عزت و ناموس اور اُس کے مفادات کا تحفظ</u> : ایک اچھی بیوی خاوند کی موجودگی میں اطاعت شعار اور اُس کی ہم آواز وہمنوا ہوتی ہے اور اُس کی عدم موجودگی میں بہ حکمِ الٰہی اُس کی عزت و ناموس اور اُس کے اثاثوں کی محافظ ہوتی ہے۔ اس حقیقت کے متعلق قرآن فرماتا ہے :

حٰفِظٰتٌ'' لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ' (النساء : ۳۴)
''شوہروں کی عدم موجودگی میں اللہ کی حفاظت کے ساتھ (اپنی عزت کی) حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں۔'' (۴:۳۴)

حجۃ الوداع کے خطبہ☆ میں ختمی مرتبت آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا :
أَيُّهَا النَّاسُ! اِنَّ لَكُمْ عَلٰى نِسَآءِ كُمْ حَقًّا وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ حَقًّا وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَلَّايُوْطِئْنَ فُرُشَكُمْ أَحَدًا تَكْرَهُوْنَه' وَعَلَيْهِنَّ أَلَّا يَأْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ (سیرت ابن ہشام' مظاہر حق)
<u>''لوگو! تمہارا تمہاری بیویوں پر حق ہے اور اُن کا تم پر حق ہے' تمہارا اُن پر یہ حق ہے کہ وہ تمہاری خوابگاہ کو</u>

☆ حجۃ الوداع کا مکمل خطبہ انسائیکلوپیڈیا کی جلد سوم (اردو) کے صفحات ۱۱۳۸' ۱۱۳۹ پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

کسی سے پامال نہ کرائیں (اور اس کام سے تمہیں نفرت بھی ہے) اور اُن پر تمہارا یہ حق ہے کہ وہ مکمل اخلاقی بلندی کو قائم رکھیں اور ناشائستگی سے گریز کریں۔''

قرآنِ حکیم سورۃ النسآء میں ایک اور طبقہ نسواں کا حوالہ دیتا ہے جو اوّل الذکر طبقہ سے کہیں مختلف، بدفطرت اور بدخو ہے:

وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْهِنَّ سَبِیْلًا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیًّا كَبِیْرًاO (النسآء : ۳۴)

''تمہیں جن عورتوں کی سرکشی کا اندیشہ ہو تو اُنہیں نصیحت کرو اور (اگر نہ سمجھیں تو) اُنہیں خوابگاہوں میں علیحدہ کر دو اور (اگر پھر بھی اصلاح پذیر نہ ہوں تو) اُنہیں (تادیباً ہلکا سا) مارو، پھر اگر وہ تمہاری فرماں بردار ہو جائیں تو اُن پر (ظلم کا) کوئی راستہ تلاش نہ کرو، بے شک اللہ سب سے بلند، سب سے بڑا ہے۔''

نوٹ: اس کی تشریح و توضیح دیکھئے اسی جلد کے صفحات ۳۷۹۷ تا ۳۷۹۹ پر۔

(۳) جذباتِ تشکر و امتنان کا اظہار : بالعموم یہ دیکھا گیا ہے کہ عورتیں اپنے خاوندوں کی ناقدرشناس اور ناشکری ہوتی ہیں اور کسی نہ کسی طریق سے اُن کی شکایت کرتی رہتی ہیں۔ اپنے الفاظ اور کلام میں اُنہیں اپنے خاوندوں کا نہ صرف شکر گزار ہونا چاہئے بلکہ اطاعت و فرمانبرداری کے ذریعے بھی اُن کا ممنون ہونا چاہئے کیونکہ اطاعت بھی شکر گزاری کا ایک طریقہ ہے۔ فرمانِ رسولِ عربی ﷺ ہے کہ :

''شبِ معراج میں نے مردوں سے زیادہ عورتوں کو نارِ جہنم میں جلتے دیکھا۔ جب آپ سے اس کی وجہ معلوم کی گئی تو آپ نے فرمایا: کیونکہ تم عورتیں اپنے خاوندوں کی ناشکر گزار رہتی ہو اور اُن کے حقوق کو تسلیم نہیں کرتیں۔''

اپنی سالی سیّدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک مرتبہ آپ نے فرمایا :

''اُس ذات کی بے قدری اور ناشکری سے بچو جو تمہارا محسن ہے۔ تم میں سے کوئی اپنے والدین کے گھر میں خاصا وقت بغیر شادی شدہ رہتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ اُسے خاوند (جیسی نعمت) عطا فرماتا ہے، اولاد دیتا ہے، تب بھی وہ شکایت ہی کرتی رہتی ہے۔ میں نے تم عورتوں سے کوئی بھلائی نہیں دیکھی۔'' (الادب المفرد)

(۴) اپنے خاوند کے لئے خیرہ کن اظہار : بیوی کا اپنے خاوند کے لئے جنسی انگیخت کا ہر عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ اور لائقِ تحسین ہے۔ لہٰذا یہ عمل نہ صرف جائز بلکہ رضائے الٰہی کے حصول کے لئے کافی ہے

کہ بیوی ہر وقت صاف ستھری رہے اور ہر طرح اپنے خاوند کا دل موہتی رہے۔خوش کن، ہم آہنگ ازدواجی زندگی کی بنیاد ایک دوسرے کے ساتھ والہانہ شیفتگی اور مغلوب الجذبات (Passionate) محبت ہے (سورۃ الرّوم:۲۱)۔نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ پاک ہے:

خَيْرُ النِّسَآءِ الَّتِيْ إِذَا نَظَرْتَ إِلَيْهَا سَرَّتْكَ (الطبرانی)

''بہترین بیوی وہ ہے کہ جب بھی تو اُسے دیکھے، وہ تجھے خوش کرے۔''

آپ نے یہ بھی فرمایا:

''جب خاوند اپنی بیوی کا ہاتھ ازراہِ محبت اپنے ہاتھ میں تھامتا ہے، اللہ بزرگ و برتر عرشِ معلی پر اپنے بندے کے اس عمل پر خوش ہو رہا ہوتا ہے۔''

(۵) حقِ جماع (Copulation): اسلام میں ازدواجی زندگی کا اصل مقصد پاکیزگی کردار ہے جسے اپنے جیون ساتھی کے ساتھ جماع (ہمبستری) کے ذریعے ہی محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔لہٰذا یہ بیوی کا فرض ہے کہ وہ بوقتِ ضرورت اپنے خاوند کے اس مطالبے کو بہ احسن طریق پورا کرے ورنہ وہ گناہِ کبیرہ کی مرتکب ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے غیظ وغضب کا مورد بھی بنے گی۔جیسا کہ صفحہ ۲۹۹۹ پر احادیثِ نبویہ کا حوالہ دیا جا چکا ہے۔

(۶) خاوند کی خوشنودی کا حصول: لوگوں سے میل جول کے معاملہ میں بیوی کو اپنے خاوند کے مزاج اور طبیعت کا بخوبی علم ہونا چاہئے تا کہ وہ اُسے اپنے سے ناراض اور غضبناک ہونے کا کوئی موقع نہ دے۔نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''تین قسم کے لوگوں کی نہ تو نماز اور نہ ہی قربانی قبول کی جاتی ہے۔اُن میں سے ایک وہ عورت ہے جس کا خاوند اُس سے ناراض ہو۔'' (البیہقی)

خاوند کی جانب سے ظلم وتعدّی یا بیوی کو چھوڑ دینے کے معاملہ سے نکلنے کا طریقہ: اس کا علاج سورۃ النساء کی آیت ۱۲۸ میں یہ بتایا گیا ہے:

وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ وَأُحْضِرَتِ الْأَنْفُسُ الشُّحَّ وَإِنْ تُحْسِنُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا

''اور اگر کوئی عورت اپنے شوہر کی جانب سے زیادتی یا بے رغبتی کا خوف رکھتی ہو تو دونوں (میاں بیوی) پر کوئی حرج نہیں کہ وہ آپس میں کسی مناسب بات پر صلح کرلیں اور صلح (درحقیقت) اچھی چیز ہے اور طبیعتوں میں (تھوڑا بہت) بخل (ضرور) رکھ دیا گیا ہے اور اگر تم احسان کرو اور خدا خوفی اختیار کرو تو بے شک اللہ اُن کاموں سے جو تم کر رہے ہو (اچھی طرح) باخبر ہے۔'' (۴ : ۱۲۸)

''عورت کے اقتصادی مفادات کے تحفظ میں شادی کے مہر میں مختلف اصول مقرر کئے گئے ہیں۔لیکن شادی کا تقدس کسی بھی اقتصادی مفاد سے عظیم تر ہے۔تمام حلال چیزوں میں سے طلاق اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔اس لئے اگر میاں بیوی کے درمیان واقع ہونے والے کسی دراڑ اور رخنے کو کسی اقتصادی تامّل سے پُر کیا جا سکتا ہو تو بیوی' بچوں اور غالباً شوہر کے مستقبل کو داؤ پر لگانے کی بجائے اُس سہولت کو بروئے کار لایا جائے۔ انتہا کے غلط کار انسان کی فطرت میں حبِّ دولت رچی بسی ہوئی ہے اس لئے تجویز یہی ہے کہ انسان ضبطِ نفس کا حامل ہو اور عورت پر کسی اقتصادی قربانی کا بوجھ ڈالے بغیر ہمیں کسی مخلصانہ' دوستانہ تصفیہ پر پہنچنے کے لئے حتی المقدور بھرپور کوشش کرنی چاہئے۔'' (عبداللہ یوسف علی' نوٹ : ۶۳۸)

الغرض شوہر اور بیوی انسانی گاڑی کے دو پہیے ہیں۔اگر وہ دونوں اپنے اپنے فرائض خوش اسلوبی اور لگن سے ادا کریں تو گاڑی جمالیاتی نظم و تناسب اور سکون و شانتی کے ساتھ رواں دواں رہے گی۔پُرمسرت ازدواجی زندگی سے لطف اندوز ہونے کے لئے اُنہیں پہلے اپنے فرائضِ منصبی کی طرف توجہ دینی چاہئے اور اس کے بعد اپنے حقوق کے حصول کی امید رکھنی چاہئے۔

<u>والدین اور بچوں کا باہمی رشتہ</u> : گھر ایک چھوٹی سی ریاست ہے جس کا بادشاہ باپ اور اُس کی وزیر اُس کی بیوی (بچوں کی ماں) ہوتی ہے اور اس مفہوم میں اُن کے بچے اُس ریاست کی رعایا ہوتے ہیں۔ اسلام میں چونکہ سربراہِ مملکت اپنی رعایا کے ہر فرد کی فلاح و بہبود کا ذمہ دار ہوتا ہے' اُسی طرح والد بھی مناسب اور موزوں طور پر اپنے بچوں کی بہتری کا ذمہ دار ہوتا ہے۔روزی کمانے والا ہونے کی حیثیت سے وہ اپنے اہلِ خانہ کو خوراک رسانی اور اُن کی ہمہ قسم ضروریات کی تکمیل کے لئے اپنا خون پسینہ ایک کر دیتا ہے اور اکثر گھر سے باہر رہتا ہے' تو اس لئے ماں کو اپنے بچوں کی صحیح اسلامی خطوط پر نشو و نما اور تربیت کا برابر کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے۔اگر والدین اپنی اولاد کو صراطِ مستقیم پر چلانے کی ذمہ داری سے گریز کریں' تو قرآن مجید نے اُنہیں مہیب نتائج کی وعید سنائی ہے۔اس ناقابلِ فرار ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے سورۃ التّحریم میں حکمِ خداوندی ملاحظہ فرمائیے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَّقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ" غِلَاظٌ "شِدَادٌ" لَّا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ O (التحریم :٦)

''مؤمنو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اُس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں' اُس پر تند خو بڑے ہی مضبوط فرشتے (مقرر) ہیں۔وہ کسی بات میں اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے جو وہ اُنہیں حکم دیتا ہے اور اُنہیں جو حکم دیا جاتا ہے' اُسے (فوراً) بجالاتے ہیں۔'' (٦ : ٦٦)

(۱۵۲) شہادت (Martyrdom)

شہادت کا معنیٰ صرف اور صرف اللہ کی راہ میں مارا جانا یا اُس کی راہ میں بہت زیادہ تکالیف اور نقصان اٹھانا ہے۔

لفظ ''شہید'' کی تعریف کرتے ہوئے علامہ برہان الدین المرغینانی (م۵۹۳ھ) لکھتے ہیں:

اَلشَّهِيْدُ مَنْ قَتَلَهُ الْمُشْرِكُوْنَ اَوْ وُجِدَ فِي الْمَعْرِكَةِ وَبِهٖ اَثَرٌ'' اَوْ قَتَلَهُ الْمُسْلِمُوْنَ ظُلْمًا

(الهداية : باب الشهيد' ص ۱۸۳)

''شہید وہ ہے جسے مشرکین قتل کر دیں یا وہ میدانِ جنگ میں اپنے جسم پر زخموں کے نشانات کے ساتھ پایا جائے یا اُسے مسلمان ازراہِ ظلم قتل کر دیں۔''

علامہ المرغینانی مزید رقم طراز ہیں:

وَلَمْ يَجِبْ بِقَتْلِهٖ دِيَةٌ'' فَيُكَفَّنُ وَيُصَلّٰى عَلَيْهِ وَلَا يُغَسَّلُ لِاَنَّهٗ' فِيْ مَعْنٰى شُهَدَاءَ اُحُدٍ وَقَالَ ﷺ: زَمِّلُوْهُمْ بِكُلُوْمِهِمْ وَدِمَائِهِمْ وَلَا تَغْسِلُوْهُمْ (ایضاً)

''اُس کے قتل میں کوئی دیت (خوں بہا) نہیں ہے' اُسے کفن دیا جائے گا اور اُس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی لیکن اُسے غسل نہیں دیا جائے گا کیونکہ شہدائے اُحد کی قسم میں سے ہے جن کے بارے میں ختمی مرتبت آقا ﷺ نے فرمایا تھا: اُنہیں اُن کے زخموں اور خونوں سمیت لپیٹ دو لیکن اُنہیں غسل نہ دو۔''

''شہداء کی موت عام انسانوں کی موت کی طرح نہیں ہوتی بلکہ اُنہیں برزخ میں ایک مخصوص قسم کی زندگی حاصل رہتی ہے۔ اور وہاں کی حیات اور رزق اُسی عالمِ برزخ کے متناسب ہوتے ہیں۔ شہید کی اس حیات کی قوّت کا ایک اثر اُس کے جسدِ ظاہری تک بھی پہنچتا ہے کہ اُس کا جسد باوجود گوشت پوست ہونے کے خاک سے متاثر نہیں ہوتا اور زندہ جسم کی طرح صحیح و سالم رہتا ہے جیسا کہ احادیث و مشاہدات شاہد ہیں اور یہی حیات ہے جس میں حضرات انبیاء علیہم السلام شہیدوں سے بھی زیادہ قوّت و امتیاز رکھتے ہیں۔'' (ماجدی اردو' ص ۵۹:۵۶۶)

شہداء کی ابدی زندگی کے متعلق جو حق و صداقت کی خاطر اپنی زندگیاں قربان کرتے ہیں' قرآن فرماتا ہے:

(۱) وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ'' بَلْ اَحْيَآءٌ'' وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ○ (البقرۃ:۱۵۴)

''اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں' اُنہیں مردہ مت کہا کرو' بلکہ (وہ تو) زندہ ہیں لیکن تمہیں (اُن کی زندگی کا) شعور نہیں۔'' (۱۵۴ : ۲)

(۲) وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ'' عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ○ فَرِحِيْنَ

بِمَا آتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ O يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ وَّ اَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ O (آل عمران : ۱۶۹۔۱۷۱)

''اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جائیں اُنہیں ہرگز مردہ خیال (بھی) نہ کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے حضور زندہ ہیں اُنہیں (جنت کی نعمتوں کا) رزق دیا جاتا ہے۔ وہ (حیاتِ جاودانی کی) اِن (نعمتوں) پر شاداں و فرحاں رہتے ہیں جو اللہ نے اُنہیں اپنے فضل سے عطا فرما رکھی ہیں اور اپنے اُن پچھلوں سے بھی جو (تا حال) اُن سے نہیں مل سکے (اُنہیں ایمان اور اطاعت کی راہ پر دیکھ کر) خوش ہوتے ہیں کہ اُن پر بھی نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔ وہ اللہ کی (تجلّیاتِ قرب کی) نعمت اور (لذّاتِ وصال کے) فضل سے مسرور رہتے ہیں اور اس پر (بھی) کہ اللہ ایمان والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔'' (۱۶۹ تا ۱۷۱ : ۳)

ہماری اِس مادّی (دُنیوی) زندگی کو مادّی خوراک سے تقویّت ملتی ہے اور اس کی بہترین خوشیاں اور حظ اندوزیاں وہ ہیں جو اس مادّی دنیا کے پردہِ سکرین پر منعکس ہوتی ہیں۔ اُن کی حقیقی زندگی کو اللہ کی ناگفتنی حضوری اور قرب سے تقویّت ملتی ہے۔ شہداء خداداد انعام پر نہ صرف خوشیاں مناتے ہیں بلکہ اُن کے پیچھے چھوڑے ہوئے پیارے اور محبوب وارثان اُن کے خیالات میں مرتکز رہتے ہیں۔

ایک گروہ نے کہا ہے کہ حیات صرف روحانی ہوتی ہے لیکن ترجیح اسی قول کو ہے کہ جسمانی و روحانی دونوں ہوتی ہے جیسا کہ تفسیر ''روح البیان'' میں مذکور ہوا :

ذَهَبَ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ السَّلَفِ اِلٰى اَنَّهَا حَقِيْقَةٌ بِالرُّوْحِ وَالْجَسَدِ وَ ذَهَبَ الْبَعْضُ اِلٰى اَنَّهَا رُوْحَانِيَّةٌ وَالْمَشْهُوْرُ تَرْجِيْحُ الْقَوْلِ الْاَوَّلِ

شہداء کی ابدی اور دائمی زندگی کے بارے میں علامہ بیضاوی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں :

تَخْصِيْصُ الشُّهَدَاءِ لِاخْتِصَاصِهِمْ بِالْقُرْبِ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَمَزِيْدُ الْبَهْجَةِ وَالْكَرَامَةِ

''اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہونے میں شہداء کو تخصیص حاصل ہے اور علاوہ ازیں اُن کی انتہائی شادمانی اور رب کے ہاں عزت و وقار میں بھی اُن کی تخصیص ہے۔''

ایک حدیث کے مطابق روزِ حساب کو شہادت کا عظیم ثواب دیکھتے ہوئے شہید اس بات کی آرزو کرے گا کہ کاش کہ اُسے دنیا میں دوبارہ بھیجا جاتا' وہ اللہ کی راہ میں قتل کیا جاتا' پھر اُسے دنیا میں بھیجا جاتا اور وہ راہِ خدا میں مارا جاتا اور اسی طرح یہ سلسلہ غیر مختتم طور پر جاری رہتا جیسا کہ صحیح بخاری کی کتاب الجہاد میں یہ

۳۸۱۸ (شہادت ۔۔۔ Martyrdom)

روایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

مَا مِنْ عَبْدٍ يَّمُوتُ لَهٗ عِنْدَاللّٰهِ خَيْر" يَسُرُّهٗ اَنْ يَّرْجِعَ اِلَى الدُّنْيَا وَاَنَّ لَهُ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا اِلاَّ الشَّهِيْدُ لِمَا يَرٰى مِنْ فَضْلِ الشَّهَادَةِ فَاِنَّهٗ يَسُرُّهٗ اَنْ يَّرْجِعَ اِلَى الدُّنْيَا فَيُقْتَلُ مَرَّةً اُخْرٰى

شہادت کی فضیلت : اللہ تعالیٰ کے ہاں شہید کو بڑا اعزاز حاصل ہے۔ جیسا کہ فوجی سپاہی بادشاہ کو بڑا پیارا ہوتا ہے کہ وہ جان ہتھیلی پر رکھ کر سرحد کی حفاظت کرتا ہے، اُس سے بڑھ کر شہید اللہ کو محبوب اور پیارا ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنی جان اور زندگی کا نذرانہ پیش کرنے کے ذریعے حق وصداقت اور اپنے خالق کے نام کا تحفظ کرتا ہے۔ قرآن مجید اور احادیثِ مبارکہ کی رُو سے اُس کے کچھ فضائل ذیل میں سپردِ قلم کئے جاتے ہیں :

(1) شہید اور پیغمبر کے مابین بڑی مماثلت ہے کہ (۱) پیغمبر بھی اس دنیا سے جانے کے بعد ختم نہیں ہو جاتا (بحوالہ سورہ سبا : آیت ۱۴) اور یہی کیفیت شہید کی ہے (بحوالہ سورۃ البقرہ : ۱۵۴؛ سورہ آل عمران : ۱۶۹)۔ (۲) جس طرح پیغمبر کو رزق ملتا ہے، اُسی طرح شہید کو بھی رزق ملتا ہے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا :

اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ فَنَبِيُّ اللّٰهِ حَيٌّ يُرْزَقُ

(ابن ماجہ، مشکوٰۃ : باب الجمعۃ)

''کچھ شک نہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے کھانے کو حرام کر دیا ہے، پس اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے، اُسے رزق دیا جاتا ہے۔'' ☆

(2) نبی کے جسم کو نہ تو زمین کھاتی ہے اور نہ ہی وہ گلتا گلتا ہے جیسا کہ حدیث بالا میں بیان ہوا۔

☆ ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی ضرورت کے تحت کچھ شہداء کی قبریں کھدوا کر اُن کے جسدِ اطہر کو کسی اور جگہ منتقل کرنے کا حکم جاری کیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہم نے شہداء کی لاشیں اُن کی قبور سے باہر نکالیں تو وہ بالکل تروتازہ تھیں۔ اتفاق سے ایک تیشہ (پھاوڑا) سے ایک شہید کی انگلی کو ضرب لگی تو اُس سے خون بہنا شروع ہو گیا۔ (تفسیر کبیر، تفسیر خازن بحوالہ تفسیر نعیمی، جزء چہارم، صفحہ ۳۰۹)

امام بغوی حضرت عبداللہ بن عمیر سے روایت کرتے ہیں کہ جب نبی اکرم ﷺ جنگِ اُحد سے واپس ہوئے تو آپ نے حضرت مُصعب بن عُمیر (جو جنگ اُحد میں شہید ہو گئے تھے) کی لاش مبارک کے پاس کھڑے ہو کر اُن کے لئے دعا کی اور سورۃ الاحزاب کی آیت ۲۳ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَال" صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلاً O [مومنوں میں سے (بہت سے) مردوں نے وہ بات سچ کر دکھائی جس پر اُنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا، پس اُن میں سے کوئی تو (شہادت پا کر) اپنی نذر پوری کر چکا ہے اور اُن میں سے کوئی (اپنی باری کا) انتظار کر رہا ہے مگر اُنہوں نے (اپنے عہد میں) ذرا بھی تبدیلی نہیں کی] کی تلاوت کرتے ہوئے فرمایا: لوگو! میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ مصعب شہید ہے، اُن کی قبر پر آیا کرو اور اُنہیں سلام کیا کرو۔ بخدا! قیامت تک کے آنے والا جو کوئی بھی اُنہیں ہدیہ سلام پیش کرے گا تو مصعب اُس کا جواب دے گا۔''

(3) شہید کے خون کا پہلا قطرہ زمین پر گرتے ہی اُس کی بخشش ہو جاتی ہے۔

(4) شہید قبر میں نکیرین کے سوالوں سے محفوظ و آزاد ہے جو اُس پر بڑا انعامِ ربانی ہے۔

(5) شہید اپنے گناہوں اور خطاؤں سے ایسے پاک وصاف ہو جاتا ہے جیسے وہ آج ہی پیدا ہوا ہو۔

(6) شہید بہ وقتِ شہادت جنت میں اپنے مقامِ ارفع و اعلیٰ کو پہلے ہی دیکھ لیتا ہے۔

(7) یومِ محشر میں شہید کو ستر لوگوں کی شفاعت کرنے کی اجازت دی جائے گی۔

(8) شہید کے اعمالِ صالحہ کا ثواب اور اُس کا رزق روزِ قیامت تک جاری رہیں گے۔

(9) شہید قیامت کے دن بڑی دہشت اور گھبراہٹ (فزع الاکبر بحوالہ سورۃ الانبیاء: آیت ۱۰۳) سے محفوظ رہے گا۔ (تفسیر نعیمی ۔۔ مفتی احمد یار خان نعیمی، جزء ۲، ص ۴۴)

(10) شہید کو اُس کے سر پر یاقوتِ احمر کا تاج پہنا کر اعزاز بخشا جائے گا۔ اُس تاج کا ایک ہیرا تمام دنیا کے خزانوں سے زیادہ قیمتی ہے۔

(11) روزِ قیامت شہید کا نکاح 72 حسین و جمیل، بڑی بڑی موٹی، چمکتی ہوئی آنکھوں والی حورانِ جنت کے ساتھ کر دیا جائے گا، جن کے گلے کے ہاروں کے ایک نگینے کو اگر اس دنیا میں لایا جائے تو بروئے حدیث شمس و قمر بے نور ہو جائیں۔

نوٹ: شہید کی زندگی کو ہندو عقیدے ''کرما'' سے کوئی تعلق نہیں ہے جس میں آدمی کا دوبارہ جنم لینا اہم اور بنیادی عقیدہ ہے۔ کرما (تناسخ) کا عقیدہ قرآنی تعلیمات کے بالکل خلاف ہے جس کے مطابق ہر ایک کو ایک دفعہ موت آنی ہے اور دوبارہ جنم لینا ناممکن ہے۔ (تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہوں جلد ششم کے صفحات ۲۹۴۰ تا ۲۹۵۳ بہ عنوان ''کرما'' Karma)

(۱۵۳) قرآن مجید کے عجائبات ونوادرات (Marvels of the Qur'an)

قرآن مجید کے کچھ گوشے ایسے ہیں جو اُسے نمایاں حیثیت عطا کرتے ہیں اور جس کی نقل ممکن نہیں۔نقل کے اِس عدمِ امکان کو''اعجاز القرآن'' کا نام دیا جاتا ہے جو قرآنِ حکیم کا معجزاتی پہلو ہے۔

لفظ''اعجاز'' کا مصدر ع۔ج۔ز (عَجز) ہے جس کے کئی معانی ہیں: نااہل ہونا' کسی کو بے طاقت بنا دینا' کسی چیز کا ناممکن ہونا اور نقل کا ممکن نہ ہونا۔(''علوم القرآن''۔۔(Ahmad Von Denffer, p.149

عَجزَ عَنہُ کا معنیٰ ہے کسی چیز کو نہ کرسکنا' کسی چیز سے عاجز آجانا' بے ہمت ہو جانا یا بڑھاپے کی وجہ سے کسی چیز کے کرسکنے کی اہلیت کا نہ ہونا(E.W. Lane's Arabic-English Lexicon, Part 5, p.1960)

تکنیکی زبان میں اس کا معنیٰ ہے قرآن مجید کی عدیم المثال ہیئت اور یہ کہ اس کی نقل ممکن نہیں۔نقل کے اِسی عدم امکان نے قرآن کے مخالفین کو بے بس اور اس کے آفاقی چیلنج کو قبول کرنے سے عاجز کر دیا۔یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قرآنِ حکیم خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کا (زندہ وجاوید) معجزہ ہے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔اُنہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ہر پیغمبر کو معجزات عطا کئے گئے جن کی وجہ سے لوگ ایمان لے آئے لیکن جو کچھ مجھے عطا کیا گیا' وہ وحیِ الٰہی ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھ پر نازل کی۔ مجھے امید ہے کہ روزِ قیامت میری اُمّت کی تعداد دوسرے پیغمبروں کی اُمتوں کی تعداد سے کہیں زیادہ ہوگی۔''(صحیح بخاری)

''معجزہ کیا ہے؟ علمائے اُمّت نے کہا ہے کہ کسی واقعہ کو معجزہ ماننے سے پہلے درجِ ذیل پانچ شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:

(۱) یہ کہ مالکِ کائنات اللہ تبارک وتعالیٰ کے سوا کوئی بھی اسے کرسکنے کے قابل نہیں۔
(۲) یہ کہ معجزہ عام معیار کے خلاف ہو اور قوانینِ فطرت سے مختلف ہو۔
(۳) یہ کہ معجزہ حق وصداقت کے اور پیغمبر کے دعویٰ کے سچا ہونے کے ثبوت کا کام دے۔
(۴) یہ کہ معجزہ پیغمبر کے دعویٰ کے مطابق ہو۔
(۵) واقعہ پیغمبر کی وساطت سے رونما ہو نہ کہ کسی اور کی وساطت سے۔''(''تبیان''۔۔صبونی' ص ۹۹)

قرآن مجید کا چیلنج: محمد ﷺ اُمّی تھے۔آپ نے قرآن مجید کے اللہ کی طرف سے نازل ہونے کا

اعلان کیا۔قرآن کے مخالفین کو آپ نے قرآن جیسی کتاب لانے کا چیلنج کیا اور پھر مختلف مقامات پر چیلنج میں رعایت بھی دی۔مثلاً اوّل تو چیلنج یہ تھا:

(۱) قُلْ فَأْتُوا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ أَهْدٰى مِنْهُمَا أَتَّبِعْهُ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ O (اَلقَصَص:۴۹)

''(اے حبیبِ لبیبؑ!) آپ فرما دیجئے کہ تم اللہ کے حضور سے کوئی (اور) کتاب لے آؤ جو اِن دونوں (تورات وانجیل) سے زیادہ ہدایت والی ہو (تو) میں اُس کی پیروی کروں اگر تم سچے ہو۔'' (۲۸ : ۴۹)

مخالفینِ قرآن کو چیلنج کی قبولیت کا کچھ وقت دیا گیا لیکن اُن کے عجز اور بے بسی کے مدِّ نظر اُنہیں کہا گیا کہ اچھا! کتاب کا لانا تو بڑا ہی مشکل کام ہے' ذرا اس جیسی دس سورتیں ہی لے آؤ:

(۲) أَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰهُ قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ O (هود: ۱۳)

''کیا کفار یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اِس (قرآن) کو خود گھڑ لیا ہے؟ فرما دیجئے: تم (بھی) اِس جیسی گھڑی ہوئی دس سورتیں لے آؤ اور اللہ کے سوا (اپنی مدد کے لئے) جسے بھی بلا سکتے ہو' بلا لو اگر تم سچے ہو۔'' (۱۱ : ۱۳)

یہ دوسرا چیلنج بھی قبول کرنا مخالفین کے بس کی بات ثابت نہ ہوئی تو تیسرا چیلنج دس سورتوں کی بجائے قرآن جیسی صرف ایک سورۃ لانے کو کہا گیا اور فرمایا گیا:

(۳) وَإِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ O (البقرة: ۲۳)

''اور اگر تمہیں اُس (کلام) کے بارے میں شک ہے جو ہم نے اپنے (برگزیدہ) بندے پر اتارا ہے تو اِس جیسی کوئی ایک سورت ہی بنا لاؤ اور (اس کام کے لئے) اللہ کے سوا اپنے (سب) حمائتیوں کو بلا لو اگر تم (اپنے انکار اور شک میں) سچے ہو۔'' (۲ : ۲۳)

اس رعایت سے بھی وہ فائدہ نہیں اٹھا سکے۔خاک وخون اور شمشیر وآہن کا سہارا لینا تو اُنہوں نے قبول کر لیا لیکن فصاحت وبلاغت کے مردِ میدان ہونے کے باوجود وہ اِتنی رعایتوں سے فائدہ اٹھانے میں ناکام رہے تو بالآخر قرآن مجید نے قیامت تک کے آنے والوں اپنے مخالفین کی بے بسی پر مہرِ عجز ثبت کر دی اور فرمایا:

(۱) فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ O

''پس اگر تم ایسا نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے تو اُس آگ سے بچو جس کا ایندھن آدمی (یعنی کافر) اور پتھر (یعنی اُن کے بت) ہیں' جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔'' (۲ : ۲۴)

(۲) قُلۡ لَّئِنِ اجۡتَمَعَتِ الۡجِنُّ وَالۡاِ نۡسُ عَلٰۤى اَنۡ يَّاۡتُوۡا بِمِثۡلِ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لَا يَاۡتُوۡنَ بِمِثۡلِهٖ وَلَوۡ كَانَ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ ظَهِيۡرًاO (بنی اسرائیل : ۸۸)

"(اے حبیبِ لبیب!) فرما دیجئے اگر تمام انسان اور جنات اِس بات پر جمع ہو جائیں کہ وہ اِس قرآن کے مثل (کوئی دوسرا کلام بنا) لائیں گے تو (بھی) وہ اس کی مثل نہیں لا سکتے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں۔" (۱۷ : ۸۸)

قرآن مجید کا یہ دعوی کہ تمام انسان اور جنات مل کر بھی تا قیامت اُس کی مثیل ونظیر ہرگز پیش نہیں کر سکتے، ہی قرآن مجید کا یکتا اور اُسے نقل نہ کر سکنے کا امتیازی پہلو ہے اور اِسی کا نام "اعجاز القرآن" ہے۔

اعجاز القرآن کے مختلف پہلو :علامہ قرطبی (م ۶۵۶ھ/۱۲۵۸ء) نے اپنی تفسیر میں اعجاز القرآن کے حسب ذیل دس پہلوؤں کی نشان دہی کی ہے :۔

(۱) قرآن کی زبان کو دوسری تمام عربی زبان پر فوقیت حاصل ہے۔
(۲) قرآن مجید کے طرزِ بیان کو دوسرے تمام اطرازِ بیان پر سبقت حاصل ہے۔
(۳) قرآن مجید کی جامعیت کا کوئی جواب نہیں۔
(۴) قرآن مجید کی قانون سازی تمام قوانین پر سبقت لے گئی ہے۔
(۵) حقائقِ غیب پر قرآنی بیان وحیِ الٰہی کا نتیجہ ہے۔
(۶) طبعی سائنسز کے خلاف قرآن مجید کا کوئی تضاد نہیں اور تمام علومِ طبعی قرآن مجید میں بیان کردہ حقائق کے مؤید ہیں۔
(۷) قرآن مجید اپنے بیان کردہ وعدوں بہ شمول خوشخبریوں اور وعیدوں کا ایفاء کرتا ہے۔
(۸) اس میں بیان کردہ تمام علوم شامل ہیں۔ حیاتِ دنیوی واخروی اور مابعد الطبعیات کا کوئی گوشہ مخفی نہیں رکھا گیا یعنی بہ زبانِ قرآن "ہر خشک وتر چیز کو اس میں سمو دیا گیا ہے۔"
(۹) وہ انسان کی ضروریات کی تکمیل کرتا ہے۔
(۱۰) اس کا براہِ راست اثر انسانوں کے دلوں پر ہوتا ہے۔

امام باقلانی (م ۴۰۳ھ/۱۰۱۳ء) اپنی کتاب "اجازۃ القرآن" میں درج ذیل تین پہلوؤں کو زیرِ بحث لائے ہیں:

(۱) نبی اُمّی: نبیِ اکرم ﷺ کو نبی اُمّی کہا جاتا ہے۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ بالکل لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے لیکن آپ نے قرآن پڑھ کر سنایا اور اُس کی کچھ ایسی آیات کی تلاوت کی جس میں آپ نے گزشتہ انبیاء علیہم

السلام' گزشتہ آسمانی کتابوں' صحیفوں اور گزشتہ واقعات کے بارے میں بتایا' اس حقیقت کے باوجود کہ آپ ناخواندہ (Un-schooled and Un-lettered) تھے اور دنیا کے بعید ترین حصّے میں رہتے تھے جو تہذیب وثقافت کے مراکز سے بہت ہی دُور تھا۔ اس حقیقت میں بھی ''اعجاز القرآن'' کا ایک پہلو ہے۔

(۲) دنیائے غیب : اعجاز القرآن کے دوسرے پہلوؤں میں سے ایک پہلو قرآن مجید کی پیشگوئیاں ہیں جو دنیائے غیب کے علم کے ساتھ ہی ممکن ہیں۔ ایسی مشہور پیش گوئی رومیوں کی اہلِ فارس پر فتح سے متعلق ہے۔ اس پیشگوئی کی تکمیل نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ ہی میں ہوگئی تھی جس کے دشمنانِ اسلام بھی چشم دید گواہ تھے ☆:

غُلِبَتِ الرُّوْمُO فِيْ أَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَO فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ

''اہلِ روم زمین کے نچلے ترین حصّے میں مغلوب ہوگئے اور وہ اپنی اس مغلوبیت کے بعد عنقریب چند سالوں میں غالب آجائیں گے۔'' (۲ تا ۴ : ۳۰)

رومیوں کو شکست ۶۱۴ ـ ۱۵ ہجری میں ہوئی جب یروشلم پر اہلِ فارس کا قبضہ ہوا جبکہ اہلِ فارس کو شکست اس کے سات سال بعد ہوئی جب رومیوں نے ۶۲۲ ہجری میں میدان مار لیا۔

ایک اور پیشگوئی اسلام کی دوسرے اَدیان پر فتح کی ہے جس کا ذکر سورۃ التـــوبۃ کی آیت ۳۳ میں' سورۃ النّور کی آیت ۵۵ میں' سورۃ الفتح کی آیت ۲۸ میں اور سورۃ الصّفّ کی آیت نہم میں ہوا۔☆☆

(۳) عدمِ تضاد : تیئیس (۲۳) برس کے عرصہ میں مختلف مواقع اور حالات میں نازل شدہ قرآن ہر قسم کے تضاد سے ماوراء اور پاک ہے۔ اگر قرآن انسانی کلام ہوتا تو لازماً اُس میں کہیں نہ کہیں تضاد ضرور ہوتا۔ قرآن مجید نے اس حقیقت کو پہلے ہی بیان کر دیا ہے اور فرمایا ہے :

أَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًاO (النسآء : ۸۲)

''تو کیا وہ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے اور اگر یہ (قرآن) غیرِ خدا کی طرف سے (آیا) ہوتا تو یہ لوگ اس میں بہت سا اختلاف پاتے۔'' (۸۲ : ۴)

قرآن مجید اور کمپیوٹر مطالعہ : سورۃ المدثّر کی آیت ۳۰ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَO (اُس جہنم پر اُنیس فرشتے' داروغے مقرر ہیں) نے بعض مفسرین کو پریشان کر دیا۔

☆ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوں جلد چہارم کے صفحات ۱۶۶۶' ۱۶۶۷ ؛ جلد ششم کے صفحات ۲۵۳۲ تا ۲۵۳۹۔

☆☆ دوسری پیشگوئیوں کی تفصیل اگلی کسی جلد (غالباً دہم) میں ''انبیاء علیہم السلام اور پیشگوئیاں'' کے عنوان کے تحت دیکھئے۔

۳۸۲۴ (قرآن مجید کے عجائبات ونوادرات ۔۔(Marveis of the Qur'an

1976ء میں ریاستہائے متحدہ امریکہ(U.S.A) میں ایک مسلمان سائنسدان کے کمپیوٹر سٹڈی میں ظاہر ہوا کہ 19 کے عدد کو قرآنی متن کے ترکیبی عمل(Composition) میں قدرے اہمیت حاصل ہے۔

کمپیوٹر کے معلومہ مواد جو ہمارے سامنے آیا ہے' اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مختلف قرآنی سورتوں میں کچھ حروف کے اعداد ہمیشہ 19 کے عدد کے مضاعف(Multiples) ہوتے ہیں (یعنی وہ عدد جس عدد جو کسی اور عدد سے پورا تقسیم ہو جائے)۔مثلاً سورہ ق ۤ میں ''ق'' کے حروف 57 بار آئے ہیں جو 19 کے عدد کا مضاعف ہے (یعنی 57=19x3)۔ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيم کا کلمہ 19 حروف (ب'س'م' ل'ل'ا'ہ 'ل'ر'ح'م' ا'ن'ا'ل' ر'ح'ی'م) پر مشتمل ہے جو 19 کے عدد کا مضاعف ہے۔ پھر بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ کا کلمہ پورے قرآن مجید میں 114 بار آیا ہے (113 بار سورۃ التوبہ کے علاوہ 113 سورتوں کے شروع میں اور ایک بار سورۃ النمل کی آیت ۳۰ میں' اس طرح کُل 114=1+113 ہوئے)۔ 114 کا عدد بھی 19 کے عدد کا مضاعف ہے (یعنی 114=19x6)۔

ان تحقیقات سے محقق نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ انسانی مقدور میں یہ بات ناممکن بلکہ محال بالذات ہے کہ اپنے سائز' ہیئت اور ہمہ نوع مضامین کے اعتبار سے اور جملہ خصوصیاتِ قرآنی کے ساتھ وہ قرآن جیسی بے مثل کتاب کمپوز کرے اور اس سے یہ نتیجہ نکالنا چنداں مشکل نہیں کہ قرآن کے ''ریاضیاتی ثبوت'' کے مدِّ نظر یہ کلام اُس ذاتِ کبریاء کا ہے جو بجا طور پر اپنے آپ کو اَحْكَمُ الْحَاكِمِيْن اور عَلىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْر کہتا ہے۔ (''علوم القرآن''۔۔(Ahmad Von Denffer, pp. 153, 154

<u>19 کا عدد اللہ کو پسند کیوں</u>؟ قرآن مجید کا نازل کرنے والا پروردگارِ عالم ہی بخوبی جانتا ہے کہ اُس کی حکمتِ کاملہ کے پس پردہ کیا مصلحت کارفرما ہے کیونکہ کسی کے بس کی بات نہیں کہ اُس سے اُس کے افعال کی وجہ معلوم کر سکے۔لیکن ریاضی کے اصول کی رُو سے 19 کے عدد کی کچھ خصوصیات ہیں جن میں سے کچھ کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

''(الف) 19 کا عدد 1 اور 9 کا جزوِ ترکیبی(Component) ہے۔ 1 کا عدد(Digit)☆ اَعداد میں اوّل اور 9 کا عدد(Digit) اَعداد کا آخر ہے۔ 1 اور 9 کا میزان 10 ہے۔ 10 کے عدد میں 1 اور 0 کا میزان 1 ہے جس کا صاف مطلب یہی ہے کہ وحدانیتِ الٰہی 19 کے عدد میں پنہاں ہے۔''

''(ب) ربِ تعالیٰ کی ذات ناقابلِ تقسیم ہے' اسی طرح 19 کا عدد بھی ناقابلِ تقسیم ہے کہ وہ کسی عدد پر تقسیم نہیں ہوسکتا۔''

☆صفر سے لے کر 9 تک کا کوئی عدد یا ہندسہ (Digit) کہلاتا ہے۔

''(ج) آدمی میں لڑکپن کا عرصہ 19 سال کی عمر میں ختم ہو جاتا ہے جس کے بعد وہ مضبوط وتوانا نوجوانی کی عمر میں داخل ہوتا ہے۔''

''(د) میڈیکل سائنس کی رُو سے ہر انسان کے جسم میں 209 ہڈیاں ہیں جو 19 کے عدد کا حاصل ضرب ہے (یعنی 209=19x11)۔

''(ذ) یہ بھی حساب لگایا گیا ہے کہ تخلیق کے لمحات کے بعد بچہ اپنی ماں کے رِحم میں 266 دن (38 ہفتے) رہتا ہے اور 266 'اور 38 کے اعداد پھر 19 کے حاصل ضرب ہیں (یعنی 266=19x14) اور (38=19x2)۔''

''(ر) کائنات کے نظام میں 19 کے ہندسے کی خاص اہمیت ہے مثلاً سورج' چاند اور زمین انسان کے لئے اہم ترین فلکی نظام ہیں۔ یہ تینوں ہر سال بعد ایک دوسرے کے آمنے سامنے ایک لائن والی (Collinear) پوزیشن بناتے ہیں۔'' (Encyclopaedia Judaica Calendar, بحوالہ ''قرآنِ پاک ۔۔ ایک سائنسی معجزہ'' از سلطان بشیر محمود' صفحہ ۱۵۳)

''(ز) لیکن سب سے زیادہ دل لگتی اور پُرکشش وجہ یہ ہے کہ جیسا کہ اوپر بیان ہوا' اللہ تبارک وتعالیٰ نے 19 فرشتے دوزخ پر مقرر کر رکھے ہیں (سورۃ المدثّر :۳۰)۔ یہ فرشتے بڑے ہی تندخو' کرخت اور کھردرے مزاج کے ہیں اور کسی مجرم کو نہیں چھوڑتے (سورۃ التّحریم :٦)۔ انسانی ذہن میں اُن کی تندخوئی اور کرختگی کو ہمیشہ تازہ رکھنے کے لئے 19 کے ہندسہ کو ترجیح دی گئی ہے تاکہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے بغاوت کی پاداش میں کوئی اُن کی ناگزیر گرفت کا شکار نہ ہو جائے۔ اِن فرشتوں کے تندخو اور کرخت رویّہ کو سورۃ التّحریم میں یوں بیان کیا گیا ہے:

عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَo (اَلتَّحریم :٦)

''اُس پر تندخو' بڑے مضبوط فرشتے مقرر ہیں' وہ کسی بات میں اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے جو وہ اُنہیں حکم دیتا ہے اور جو کچھ (اُنہیں) حکم دیا جاتا ہے' اُسے فوراً بجالاتے ہیں۔'' (٦٦ : ٦)

علمِ ریاضی ہمیں بتاتا ہے کہ قرآنِ مجید کے حروفِ تہجی کی ریاضیاتی تقسیم میں ملکہ پیدا کرنے کے لئے آدمی کو حروفِ تہجی کے 826 Quadrillion ☆ حروف کے مجموعے کا ماہر ہونا پڑتا ہے۔ اس طرح سے آیات کی کمپوزنگ ایک اضافی کارنامہ ہے۔ بیس سال کے اوپر کے عرصہ میں آیات کا تدریجاً نازل ہونا جس میں آیات یا الفاظ پر نظرِ ثانی کی ضرورت نہیں' قرآن پاک کی معجزاتی حیثیت میں مزید اضافہ کرتا ہے۔

☆ ہزار کو ہزار سے 5 مرتبہ ضرب دینے سے حاصل ہونے والا عدد Quadrillion کہلاتا ہے۔

کھلم کھلا چیلنج : آخر یہ تمام معجزاتی نظام کس چیز کا عکاس ہے؟ کیا یہ سب کچھ بلا تنظیم' الل ٹپ کوئی حادثاتی چیز ہے جبکہ نا قابلِ چیلنج' معجزاتی نوادرات قرآن مجید کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے مضامین اس میں مخفی ہیں جنہوں نے عرب کے نامور فصحاء و بلغاء کے گھٹنے ٹکوا دیئے تھے' جنہوں نے تیر و تفنگ سے خون کی ہولی کھیلنے کو ترجیح تو دی لیکن قرآن کے چیلنج کو قبول کرنے اور اس کے مقابل لانے کی کوئی بھی چیز پیش کرنے سے عاجز رہے اور تا قیامت عاجز رہیں گے۔

حروفِ مقطعات کا کمپیوٹرائی نظام : قرآن مجید کی 29 سورتوں کا آغاز حروفِ مقطعات سے ہوتا ہے۔ اِن حروف کی تعداد 14 ہے جو کہ عربی کے کل حروف کا نصف ہے۔ حروفِ مقطعات یہ ہیں:۔

ا ۔ ل ۔ م ۔ ر ۔ ح ۔ ع ۔ س ۔ ق ۔ ط ۔ ہ ۔ ك ۔ ی ۔ ص ۔ ن   کل میزان = 14

''کمپیوٹروں کی مدد سے کیئے گئے تجزیوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ حروف قرآن مجید کا ایسا لا جواب معجزہ ہیں جو اِسی کمپیوٹر کے زمانہ میں ہی ظاہر ہو سکتا تھا۔ ذیل میں صرف چند ایک سادہ' عام فہم باتوں کا ذکر کیا گیا ہے:۔

''حروفِ مقطعات والی پہلی سورت نمبر 2 (البقرۃ) اور آخری سورت نمبر 68 (اَلقَلَم) کے درمیان اللہ تعالیٰ نے 38 غیر مقطعات حروف والی سورتیں رکھی ہیں۔ یہ 38 تعداد بھی 19 کا حاصل ضرب ہے (19x2=38) مزید برآں یہ کہ اِن دونوں سورتوں کے درمیان آیات کی کل تعداد 5263 ہے جو کہ 19 کا حاصل ضرب ہے۔ (19x277=5263) اس سے ثابت ہوا کہ سورتوں کی ترتیب الٰہیہ ہے۔ کسی انسان کے لئے ایسے حساب کے مطابق سوچنا بھی محال ہے۔''

''آیئے ہم صرف سورۃ البقرۃ کے مقطعات ا ۔ ل ۔ م کے حسابی نظام کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ ا ۔ ل ۔ م کے جو کچھ بھی معنی ہیں' وہ اپنی جگہ پر لیکن ان تین حروف نے دنیا بھر کے علماء' سائنسدانوں اور دانشوروں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حجت قائم کر دی ہے کہ قرآن مجید کی تشکیل' ترتیب اور کلام میں ہرگز ہرگز کوئی انسانی دخل نہیں اور یہ خالصتاً خالقِ کائنات کا کلام ہے۔ کمپیوٹروں کی مدد سے جب تمام قرآن کے ا ۔ ل ۔ م گنے گئے تو یہ دیکھ کر عقل مبہوت رہ گئی کہ اِن تینوں حروف کا حاصل جمع 19 کا حاصل ضرب ہے۔'' ("Computer Speaks" ...Rashid Khalifa

Publishers : Islamic Production, 739-E 6th Street, Ticketson A.Z. 85716 U.S.A.

بحوالہ ''قرآن پاک ایک چیلنج ایک سائنسی معجزہ''۔۔ میجر (ر) میر افضل خان' ص ص ۱۷۸ تا ۱۸۰)

مقطعاتی سورتوں کا اپنا معجزانہ کمپیوٹرائی نظام

''(1) قٓ کا معجزہ: قرآن کریم کی سورۃ 42 (اَلشُّورٰی) کے حروفِ مقطعات حٰمٓ عٓسٓقٓ ہیں جن میں حرف قٓ آتا ہے۔ سورۃ قٓ بھی حرفِ مقطع قٓ سے شروع ہوتی ہے۔ کمال کی بات یہ ہے کہ اِن دونوں سورتوں کے تمام الفاظ میں حرف ''قٓ'' 57, 57 دفعہ استعمال ہوا ہے جو بیان کردہ کلیہ کے عین مطابق ہے۔ اب قٓ کے حروفِ مقطعات والی دونوں سورتوں میں قٓ کی کل تعداد (57+57=)114 بنتی ہے جو کہ کلام اللہ کی کل سورتوں کی تعداد ہے اور یہ بات جیسا کہ آگے بیان ہوگی' بذاتِ خود لفظ ''قرآن'' بھی کلام اللہ میں 57 دفعہ آیا ہے۔''

''لیکن قٓ کا صحیح معنوں میں دماغ کو ہلا دینے والا (Mind Boggling) معجزہ یہ ہے کہ اِس سورت کی آیت 13 میں ''قوم'' کے لفظ کو ''اِخوان'' کے لفظ سے بدل دیا گیا ہے حالانکہ پیغمبروں کی اُمتوں کے لئے قرآن مجید نے ہر جگہ ''قوم'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ لیکن یہاں کی مثال استثنائی کیفیت کی ہے کہ یہاں اگر ''قوم'' کا لفظ استعمال کیا جاتا تو سورت مذکورہ میں استعمال ہونے والے قٓ کی تعداد 58 ہو جاتی جو قائم کردہ فارمولہ کے خلاف ہو جاتا۔ اسی لئے ''قوم'' کے لفظ کی بجائے ''اِخوان'' کا لفظ الٰہی حکمت کے تحت استعمال کیا گیا۔'' (''قرآن پاک۔۔ایک سائنسی معجزہ'' از سلطان بشیر محمود' صفحہ 146 اِسلام آباد ۲۰۰۶)

''نٓ کا معجزہ: سورۃ نمبر 68 (القلم) کی پہلی آیت حرفِ مقطع ن سے شروع ہوتی ہے اور یہ حرف ن پوری سورت میں 133 دفعہ استعمال ہوا ہے جو 19 کا ٹھیک ٹھیک حاصل ضرب ہے (یعنی 133=19x7)

''یٰسین کا معجزہ: سورۃ 36 یٰسین حروفِ مقطعات ''ی' س'' سے شروع ہوتی ہے۔ اس سورت مبارکہ میں بھی وہی حسابی فارمولہ موجود ہے۔ ساری سورت میں حرف ''ی'' 237 دفعہ اور حرف ''س'' 48 دفعہ استعمال ہوا ہے۔ ان دونوں کا مجموعہ 48+237=285 ہے جو کہ 19 کا ٹھیک ٹھیک حاصل ضرب ہے (یعنی 285=15x19)

''عٓسٓقٓ کا معجزہ: عٓسٓقٓ حروفِ مقطعات سورت نمبر 42 (اَلشُّورٰی) کی دوسری آیت ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں حروف عٓ۔ سٓ۔ قٓ بالترتیب 98, 54, 57 دفعہ استعمال ہوئے ہیں جن کا کل مجموعہ 209 ہے جو کہ 19 کا ٹھیک ٹھیک حاصل ضرب ہے (یعنی 209=19x11)۔

''صٓ کا معجزہ: قرآن حکیم کی تین سورتوں یعنی اَعْراف (۷)' مریم (۱۹) اور ص (۳۸) میں حرفِ مقطع ''ص'' موجود ہے۔ ان تینوں سورتوں میں حرف ''ص'' 152 دفعہ استعمال ہوا ہے جو 19 کا پھر ٹھیک ٹھیک حاصل ضرب ہے (152=19x8)۔ وضاحت کے لئے اگلے صفحہ پر دی ہوئی جدول ملاحظہ ہو:

سورة نمبر	سورة کا نام	''ص'' کی تعداد
7	الاعراف	97
19	مریم	26
38	صٓ	29
کل :		8x19=152

''حٰمٓ کا معجزہ: قرآن حکیم کی کل سات سورتوں (سورۃ 40 تا 46) کا اِن دوحروف (ح اور م) سے آغاز ہوتا ہے۔ ان میں ح اور م کے حروف کی کل تعداد 2147 ہے جو پھر سے 19 کا ٹھیک حاصل ضرب ہے (یعنی 19x113=2147)۔ مندرجہ ذیل جدول میں اس حساب کو دکھایا گیا ہے:۔

سورة نمبر	ح کی تعداد	م کی تعداد	کُل ح،م
40 المؤمن	64	380	444
41 حٰم السجدة	48	276	324
42 الشّورٰی	53	300	353
43 الزُخرُف	44	324	368
44 الدُخان	16	150	166
45 الجاثية	31	200	231
46 الاحقاف	36	225	261
کل	292	1855	2147

''الٓمّٓ کا معجزہ: سائنسی اور علمی ترقی کے اِس ہوش رُبا دور میں انسانی عقل اس حیرت انگیز دریافت پر انگشت بہ دنداں ہے کہ تمام قرآن مجید میں الف، ل اور م اتنی دفعہ استعمال ہوئے ہیں جن کا کل مجموعہ 19 کے عدد کا پورا پورا حاصل ضرب ہے۔''

''سورہ آل عمران (۳) حروف مقطعات الٓمّٓ سے شروع ہوتی ہے جس کا حرف م ہماری خصوصی توجہ کا طالب ہے۔ سورہ مبارکہ کی آیت 96 میں عام مستعمل لفظ ''مکّہ'' کی بجائے بکّۃ استعمال ہوا ہے۔ اس تبدیلی کی وجہ یہی ہے کہ اگر وہاں ''مکّہ'' کا لفظ استعمال ہوتا تو سورت میں استعمال ہونے والے حرف ''م'' کی تعداد (جو 8683 ہے) 19 کے حاصل ضرب سے 1 زیادہ ہو جاتی جبکہ 8683 کا عدد 19 کا پورا پورا حاصل ضرب ہے (یعنی 19x457=8683)۔

بہ لحاظ ترتیب زمانی (Chronological Order) آخری سورۃُ النّصر کا ہندسی اعجاز: نبی اکرم ﷺ وحی کی ہدایت کے مطابق کاتبانِ وحی سے فرما دیتے کہ فلاں آیت فلاں سورۃ کی فلاں آیت کے بعد لکھیں۔ کوئی کمپیوٹر نہیں، کوئی حساب دان نہیں لیکن پھر بھی قرآنِ حکیم اس انتہائی پیچیدہ حساب کے مطابق ترتیب پاتا گیا حتی کی آخری سورۃ النَّصر کا نزول ہوا۔ یہ سورت بھی ٹھیک 19 اَلفاظ پر مشتمل ہے اور اُس کی پہلی آیت جس میں اللہ کی نصرت اور اسلام کی فتح کی بشارت ہے: اِذَا جَــــــاۤءَ نَــــــصْـــــــرُ اللہِ وَالْـــــفَتْـــــحُ (ا۔ذ۔ا۔ج۔ا۔ء۔ن۔ص۔ر۔ا۔ل۔ل۔ہ۔و۔ا۔ل۔ف۔ت۔ح) بھی ٹھیک 19 حروف کا مجموعہ ہے۔ یوں کلام اللہ کی پہلی اور آخری سورت ایک ہی حسابی قاعدہ کے لحاظ سے مرتب ہوئیں!''

اللہ کے بعض صفاتی ناموں کا ہندسی معجزہ: ''یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بعض صفاتی نام بھی بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم کے الفاظ کی تعداد کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں۔ مثلاً اگر اِسْم 19 مرتبہ آیا ہے تو اللہ کا صفاتی نام واحِدْ بھی 19 مرتبہ ہی آیا ہے۔ جہاں قرآن مجید میں اللہ کا ذاتی نام اَللہ 2699 دفعہ آیا ہے وہاں ذُوالفضلِ العظیم کا صفاتی نام بھی 2699 دفعہ ہی آیا ہے۔ جو کہ 1 کے حاصل جمع سے 19 کا حاصل ضرب ہے یعنی 2699=19x142+1 یہاں 1 کا بچنا ناگزیر ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی شان کسی ہندسہ کی پابند نہیں ہو سکتی۔ اَلرَّحمٰن 57 مرتبہ ہے تو مجید بھی 57 مرتبہ اور اَلرَّحِیْم بھی 57 مرتبہ ہی آیا ہے۔

''بار بار 19 کے ہندسہ کی اس تکرار کے بعد متعصب سے متعصب نقاد کے لئے بھی یہ کہنا کہ یہ سب اتفاقات ہیں، مشکل ہوگا۔ کیونکہ یہ سوال اپنی جگہ قائم ہے کہ یہ حساب کون لگاتا تھا؟ کیا اپنی مدد کے لئے کیا رسولِ اکرم ﷺ نے کچھ حساب دان مقرر کر رکھے تھے جو الفاظ اور حروف کو گنتے رہتے اور پھر ایسا انتخاب کرتے کہ اُنیس کا فارمولہ قائم رہے؟ لیکن کیا اُس وقت یا کسی بھی زمانے میں یہ انسان کے بس کی بات ہے؟ اگر کوئی ایسا سمجھتا ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ اس کے پیچھے کرنے والے کا کیا مقصد ہوگا؟''

سورۃُ النَّمل کی پہلی بِسْمِ اللہ اور دوسری بِسْمِ اللہ کے درمیان الفاظ کا مجموعہ بھی 342 ہے جو 19 کا حاصل ضرب ہے۔ بِسْمِ اللہ اور 19 کے تعلق سے سورۃ تَوبہ اور سورۃ نَمل کا بھی ایک عجیب معجزہ ہے۔ سورہ توبہ کا نمبر 9 ہے جو بِسْمِ اللہ کی آیت سے شروع نہیں ہوتی اور سورۃ نَمل کا نمبر ترتیبی 27 ہے جس میں بِسْمِ اللہ دو دفعہ آتی ہے۔ اِن دونوں کے درمیان آنے والی سورتوں کے نمبر ترتیبی کی حاصل جمع 342 بنتی ہے جو پھر سے 19 ہی کا حاصل ضرب ہے۔ خود جمع کر کے دیکھ لیجئے:

342=27+26+25+24+23+22+21+20+19+18+17+16+15+14+13+12+11+10+9   342=19x6x3

''لفظ قرآن کا معجزہ: قرآنِ حکیم کا اپنا نام مبارک ''قرآن'' پوری کتاب میں 58 دفعہ آیا ہے۔ لیکن

سورہ یونس کی پندرھویں آیت میں جس لفظِ قرآن کا ذکر آیا وہ بِقُرآنٍ غَيْرِ هٰذَا یعنی ''اِس قرآن کے علاوہ'' کے الفاظ کے ساتھ آیا ہے یعنی اس لفظ ''قرآن'' کو ہم اصلِ قرآن کے حساب سے غیر (یعنی مستثنیٰ) کریں گے۔ یوں کلام اللہ قرآن کے اعداد 57 ہی ہیں جو کہ ٹھیک 19 کا حاصل ضرب ہیں (57=19x3)۔

''لفظ صلوٰۃ کا معجزہ: لفظ صلوٰۃ جو کہ اسلام کا دوسرا استون ہے' سارے قرآنِ حکیم میں 67 دفعہ آیا ہے۔ اب اگر ہم اس میں اُن سورتوں کے نمبر' اور آیات کے نمبر جن میں لفظ صلوٰۃ آتا ہے' سب کو جمع کریں تو ٹوٹل 4674 بنتا ہے جو کہ 19 کا حاصل ضرب ہے (4674=19x246)۔ سُبْحَانَ اللہ ! تمام اہم ارکانِ اسلام 19 کے حسابی کلیے سے محفوظ کر دیے گئے ہیں۔''

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا حیرت انگیز معجزہ: لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کلمہ شہادت ہے جو قرآن مجید کی ٹھیک 19 سورتوں میں آیا ہے۔ پہلی دفعہ سورۃ البقرۃ کی آیت مبارکہ 163 میں (یہ الفاظ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ) آیا اور آخری دفعہ یہ سورۃ مُزَّمِّل کی آیت مبارکہ 9 میں ہے۔ نہایت ہی حیران کن بات یہ ہے کہ جن سورتوں میں کلمہ شہادت آیا ہے' اُن کے ترتیبی نمبروں اور متعلقہ آیات کے اعداد کی جمع بھی 19 کا ہی حاصل ضرب ہے۔ اس کے سامنے عقل بے بس ہے کہ اس قدر پیچیدہ نظام کیسے ممکن ہوا۔ لیکن اگر حساب رکھنے والی ذاتِ پاک مالکِ کون و مکان ہو تو پھر یہ قابلِ سمجھ بات ہو جاتی ہے۔'' (''قرآنِ پاک ۔۔ ایک چیلنج' ایک سائنسی معجزہ''۔۔ میجر (ر) میر افضل خان ۔۔ ص ص ۱۶۹ تا ۱۷۲)

قرآنِ حکیم کی سورتوں کی تعداد 114 ہے جو 19 کا حاصل ضرب ہے (114 =19x6)۔ اس کے علاوہ 114 کے ہندسوں کی کل حاصل جمع 4+1+1=6 ہے (اور اللہ تعالیٰ نے 6 اَیّام میں کائنات کی تخلیق اور تکمیل کی ہے)۔ یعنی 114 میں 6 اور 19 کا جو تعلق ہے وہ قرآن حکیم اور کائنات کے آپس کے تعلق کو بھی ظاہر کرتا ہے۔

ماسوائے سورۃ التَّوبۃ کے قرآنِ حکیم کی ہر سورت بِسْمِ اللہ سے شروع ہوتی ہے۔ یوں سورتوں کے آغاز میں 113 دفعہ بِسْمِ اللہ آتی ہے جو 19 کا حاصل ضرب نہیں لیکن حساب برابر کرنے کے لئے اس کی کمی کو سورہ النَّمل میں پورا کر دیا گیا جہاں آیت مبارکہ 30 میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے خط کے حوالہ سے پوری بِسْمِ اللہ شریف دہرائی گئی ہے۔ یوں پورے قرآن پاک میں 114 بِسْمِ اللہ ہو گئیں جو کہ 19 کا حاصل ضرب ہے۔

کلام اللہ کی 114 سورتیں تو 19 کا حاصل ضرب ہیں ہی لیکن ہوش رُبا بات یہ ہے کہ تمام سورتوں کا مجموعی عدد (1+2+3+4......+114=6555) یعنی سورتوں کے ترتیبی نمبروں کو 1 سے 114 تک جمع کرتے جائیں تو کل میزان 6555 بنتا ہے جو کہ 19 کا ٹھیک حاصل ضرب ہے (19x345=6555)۔

یوں اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی 114 سورتوں پر حسابی مہر ثبت کر دی ہے اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کوئی ایک بھی سورت کم یا زیادہ ہے۔''

پہلی وحی کا اندراج سورۃ الــعَــلَــق میں ہے۔ یہ سورۃ بہ لحاظ ترتیب 96 نمبر پر ہے اور اس کی کل آیات 19 ہیں۔ گویا (شروع قرآن سے) اس سورۃ سے پہلے 95 سورتیں ہیں جو کہ 19 کا ٹھیک حاصل ضرب ہے یعنی قرآن مجید کے نازل کرنے والے نے پہلی وحی جس کے الفاظ 19 ہیں' کو 19 واں سورت میں رکھا اور پہلی وحی کے حروف (اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَق اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ) 76 تک محدود کر دیئے تا کہ 19 کا فارمولہ قائم رہے اور پھر اس سورت کو قرآن کی کل ترتیب میں 96 نمبر پر رکھا تا کہ اس سے پہلے 95=19x5 سورتیں اور بعد میں 19=19x1 سورتیں ہوں۔ سُبْحَانَ اللہ کیا کمال ہے۔ کیا بیچارے انسان کے بس میں ایسی کوئی بات ہے؟ رب تعالیٰ صرف اسی پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ سورۃ 96 کے کل حروف 304 مقرر کرتا ہے تا کہ وہ بھی 19 کا حاصل ضرب ہو 304=19x16

<u>نفسِ لوّامہ (ضمیر) کمپیوٹر کی مانند</u> :نفسِ لوّامہ انسان کو اُس کی بدعملیوں پر سرزنش کرتا ہے اور اُسے اپنی کوتاہیوں اور لغزشوں کا پورا پورا احساس ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ نیکی پر مستعد اور بدی کے خلاف برسرِ پیکار رہتا ہے۔ اس لحاظ سے نفسِ لوّامہ (جس کی قسم رب تعالیٰ نے سورۃ الــقــیــامــة کی آیت دوئم میں اُٹھائی ہے) ایک کمپیوٹر کی مانند ہے۔ جس طرح شماریاتی رقوم و علامات اور دوسری معلومات کمپیوٹر میں Feed کی جاتی ہیں اور اُن شماریاتی رقوم و علامات اور دوسری معلومات کو دوبارہ سکرین پر برآمد کیا جاتا ہے' اسی طرح قادرِ مطلق اور حکیمِ کل نے ہر انسان میں ایک کمپیوٹر لگا دیا ہے جسے قرآنی اصطلاح میں' نفسِ لوّامہ '' (ضمیر) کہا جاتا ہے جو انسان کو ہر وقت اُس کی کوتاہیوں اور خطاؤں پر متنبہ کرتا رہتا ہے۔ قرآن مجید نے مختلف مقامات پر روح کے اس پہلو یعنی ضمیر کی طرف براہِ راست اور بالواسطہ اشارے کئے ہیں' مثلاً آلِ عمران کی آیت ۱۳۵' الاعراف کی آیت ۲۰۱ اور سورۃ القیامۃ کی آیت ۲۔

نبی اکرم ﷺ نے اپنے ایک صحابی وابصہ بن مَعْبَد سے خطاب فرماتے ہوئے نیکی اور بدی کی حقیقت کو اس طرح بے نقاب کیا تھا:

يَا وَابِصَةُ! اِسْتَفْتِ قَلْبَكَ اَلْبِرُّ مَا اطْمَاَنَّتْ بِهِ النَّفْسُ وَالْاِثْمُ مَا حَاكَ فِىْ صَدْرِكَ وَ كَرِهْتَ اَنْ يَّطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ (اربعین نووی)

''اے وابصہ! اپنے دل سے پوچھ' نیکی وہ ہے جس سے (تیرا) ضمیر مطمئن ہو جائے اور گناہ وہ ہے جو تیرے ضمیر میں کھٹکے اور تو اس بات کو ناپسند کرے کہ لوگ اس پر مطلع ہو جائیں گے۔''

یہ خودکار کمپیوٹرائی نظام (یعنی ضمیر یا نفسِ لوّامہ) انسان کو اُس کی برائیوں پر برابر مطلع کرتا رہتا ہے لیکن جب انسان اُس تنبیہ کار کی تنبیہات کے باوجود بدی سے باز نہیں آتا اور ضمیر کی خلش کسی طرح کارگر نہیں ہوتی تو وہ نظام اُن گناہوں اور بدیوں کی بدولت زنگ آلود ہو جاتا ہے اور بالآخر گند ہو کر اُسے ملامت کرنا چھوڑ دیتا ہے۔ قرآن مجید نے ایک مقام پر ظلمتِ قلب کی اسی کیفیت کو یوں بیان کیا ہے:

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ٥ (اَلْمُطَفِّفِين : ۱۴)

''ہرگز (ایسا نہیں کہ جزا وسزا نہ ہو) اصل یہ ہے کہ اُن کے دلوں پر اُن کے کرتوتوں کا زنگ لگ گیا ہے۔'' (۱۴ : ۸۳)

اور نبی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا:

''جب انسان کوئی برا کام کرتا ہے تو اُس کے دل پر ایک سیاہ دھبّہ آجاتا ہے۔ پھر اگر وہ اُس گناہ سے باز رہتے ہوئے نادم و پشیمان ہوتا ہے اور اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہے تو اُس کے دل سے وہ دھبّہ دھو دیا جاتا ہے اور اگر وہ گناہ دوبارہ کرتا ہے تو وہ سیاہ دھبّہ اس حد تک بڑھ جاتا ہے کہ وہ دل کا پورا احاطہ کر لیتا ہے۔'' (ترمذی)

علمِ جینیات (Genetics) کے بارے میں قرآن پاک میں ارشاد ہوا:

يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِي ظُلُمَٰتٍ ثَلَاثٍ (اَلزُّمَر : ٦)

''وہ تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں بناتا ہے ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت پر تین تاریکیوں میں۔'' (٦ : ٣٩)

خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ یعنی ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت' ایک تغیر کے بعد دوسرا تغیر۔ جو شخص بھی جنین کے تغیرات سے واقف ہے' بخوبی جانتا ہے کہ نو مہینے تک کتنے تغیرات ہر روز ہوا کرتے ہیں۔

فِي ظُلُمَٰتٍ ثَلَاثٍ یعنی تین اندھیروں میں۔ ان سے مراد پیٹ کا اندھیرا' رِحم کا اندھیرا اور رِحم کے اندر جھلی کا اندھیرا جس میں بچے کی تخلیق مکمل ہوتی ہے۔ یہ تین پردے اور تین تین تاریکیاں ہوئیں۔

تخلیق اور اس کے مکمل ہونے کا عمل اُس وقت سے شروع ہو جاتا ہے جب نطفہ رِحم میں قرار پکڑ لیتا ہے۔ نطفے کا وہ چھوٹا سا قطرہ مختلف ارتقائی مراحل سے گزرنے کے بعد مکمل تخلیق کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ یہ ارتقائی عمل تین مختلف طبقات میں جاری رہتا ہے جن کا ذکر اوپر ہوا۔ اُن طبقات کے نام علی الترتیب یہ ہیں: (i) Perimetrium

(ii) Myometrium (iii) Endometrium.
("The Developing Human".... Keith Moore and Persuad, p. 20) 5th edition.

جنین کو ایک کیفیت سے دوسری کیفیت میں منتقل کرنا بذاتِ خود جینیات کا ایک نا قابلِ فہم راز ہے۔ خلیاتی کیفیت سے دوسرے تاریک مقام اور پھر وہاں سے عضلاتی مقام کی طرف منتقلی سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ کسی کمپیوٹر نے اس نظام کو ترتیب دیا ہے۔ اپنی افزائش کی مدت مکمل کرنے کے بعد ایک مرحلہ خود بخود دوسرے مرحلے کی طرف بڑھ جاتا ہے اور آیت مذکورہ کے الفاظ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْق میں اسی حقیقت کا اظہار ہے۔

قرآن مجید نے اِن حقائق کو کس قدر عمدہ فصاحت و بلاغت کے ساتھ صدیوں پہلے اُس وقت بیان کر دیا تھا جب انسان جہالت کی اتھاہ، گہری تاریکیوں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہا تھا اور وہ علم جینیات کے بارے میں کچھ بھی نہ جانتا تھا۔ یہ بات جہاں قرآن مجید کی عظمتِ شان کو دوبالا کر رہی ہے، وہاں نبی مکرّم ﷺ کی رسالت کی حقانیت کی بھی روشن دلیل ہے کہ ایک اُمّی عرب کے لئے اس گہری طبّی حقیقت سے آج سے چودہ سو برس پہلے خداداد علم کے بغیر از خود واقف ہو جانا ناممکن تھا۔

حرفِ آخر : طاقتور اور انتہائی اعلیٰ وقیمتی کمپیوٹروں کی مدد سے بھی قرآنی کمپیوٹرائی نظام کے مطابق کسی کتاب کی تشکیل انتہائی مشکل کام ہوگا اور چودہ صدیاں پہلے تو یہ ہر لحاظ سے ناممکن تھا بالخصوص یہ کہ قرآن حکیم کوئی ایسی کتاب تو تھی نہیں جسے بیٹھ کر کسی مصنف نے لکھ دیا ہو۔ یہ تو پورے 23 سال کی لاثانی جدّ وجہد اور انتہائی فعّال زندگی کے دوران ٹکڑے ٹکڑے نازل ہوتا رہا، ایسی زندگی جس میں ایک دن بھی ایسا نہیں تھا کہ صاحبِ قرآن ﷺ آرام سے بیٹھ کر کچھ لکھ لیتے۔ تو پھر ایسا معجزانہ حساب وہ کیسے کر سکتے تھے؟ یقیناً قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے اور یہ اُسی کا کارنامہ ہے۔

سائنس اور سائنسی تحقیق کیا ہے؟ ''وسیع معنیٰ میں ہم سائنس کی تعریف معلوم شدہ مادّی کائنات کے بارے میں ''علم'' کے لفظ میں کر سکتے ہیں اور یہ کہ جہاں تک ممکن ہو، اُسے کامل درستی کے ساتھ بیان کر دیا جائے۔ سائنسی صداقت یا سائنسی حقیقت کی دریافت کا نام سائنسی تحقیق ہے۔ سائنس جس کا تعلق چیزوں کے علم سے ہے، کو بھی صداقت کی ایک شاخ سمجھا جاتا ہے لیکن اس کا اہم پہلو یہ ہے کہ سائنسی حقائق حتمی اور غیر متبدّل نہیں ہوتے بلکہ متواتر بدلتے رہتے ہیں۔ سائنسی تحقیق اور سائنسی دریافت کے تسلسل کا مطلب یہ ہے کہ جونہی علم کے نئے گوشے سامنے آئیں گے، آج کی کسی سائنسی صداقت کو کل مختلف روشنی میں دیکھا جائے گا۔ آخری بات یہ کہ انسانی ذہن کی کوشش اور اس کی حد بندیوں کے ہوتے ہوئے سائنسی حقائق چیزوں کی اصل حقیقت پر اپنے تنوع اور حد بندیوں کے ساتھ انسانی تناظر کی تشکیل کرتے ہیں۔'' (Ahmad Von Denffer)

سائنس اور قرآن : انسانی آنکھیں اور کان تجرباتی علم کی بنیاد ہیں جو مشاہدات' آزمائشوں اور تخمینوں پر منحصر ہے جبکہ انسانی دل روحانی علم کی بنیاد ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ مسلمان کو مشاہدے اور تجربے کے ذریعے علم حاصل کرنے کا شوق دلاتا ہے جس طرح وحی کے ذریعے انسان وہبی تحریک (Inspiration) کی تحصیل کرتا ہے۔

''قرآن مجید سائنسی حقائق پر ایسی معلومات مہیا کرتا ہے جو انسان کی تحقیق شدہ معلومات سے بالکل متفق ہیں۔ وہ تمام معاملات جو سائنسی تحقیقات کے بالکل موافق ہیں' نزولِ قرآن کے وقت کسی انسان کے علم میں نہیں تھے بلکہ وہ خاصی گہری سائنسی تحقیق کے نتیجہ میں صدیوں بعد معلوم ہوئے۔ لہٰذا قرآن مجید میں اُن کا بیان اس بات کا محکم اور ٹھوس ثبوت ہے کہ قرآن کلام اللہ ہے۔ اُس کے کلام اللہ ہونے کی مزید تصدیق اُس میں سائنسی حقائق کے ٹھیک ٹھیک بیان سے بھی ہوتی ہے۔'' (ایضاً' صفحہ ۱۵۶)

نوٹ : قرآن مجید اپنی تصدیق کے لئے سائنسی حقائق کا ہرگز محتاج نہیں بلکہ سائنسی حقائق اپنی صداقت و صحت کے لئے قرآن مجید کی طرف رجوع کرنے کے محتاج ہیں۔

وہ سائنسی تحقیقات جو قرآن کے بالکل موافق ومطابق ہیں

(1) حیض کے دنوں میں عورت سے جماع کرنے کی ممانعت ہائی جین کی جدید تحقیق کے بالکل موافق ہے (ملاحظہ ہو ''تحریکِ آزادیِ نسواں Feminism'' کے عنوان کے تحت' جلد سوم' صفحہ ۱۳۹۵)۔

(2) آئن سٹائن سے صدیوں پہلے قرآن مجید نے (سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۵۹' سورہ بنی اسرائیل کی آیت اوّل' سورۃ الکہف کی آیت ۱۹' سورۃ الحج کی آیت ۴۷' سورۃ المؤمنون کی آیات ۱۱۲' ۱۱۳' ۱۱۴ اور سورۃ المعارج کی آیت ۴ میں) وقت کے نظریہ اضافیت (Relativity of Time) سے متعارف کرایا جس کا ذکر اگلی کسی جلد میں انشاء اللہ ''فزکس'' کے عنوان کے تحت ہوگا۔

(3) زراعتی اور باغبانی پیداوار کا ذکر سورۃ البقرۃ کی آیات ۲۶۱' ۲۶۵ میں' سورۃ الانعام کی آیات ۹۹' ۱۴۱ میں' سورۃ الاعراف کی آیت ۵۸ میں' سورۃ الرّعد کی آیت ۴ میں' سورۃ النّحل کی آیت ۶۷ میں' سورۃ الکہف کی آیات ۳۲ تا ۴۲ میں' سورۃ النّمل کی آیت ۶۰ میں' سورہ یٰسٓ کی آیات ۳۳' ۳۴ میں اور سورۃ الواقعہ کی آیات ۶۳ تا ۶۷ میں ہوا۔ (ملاحظہ ہو جلد اوّل میں ''زراعت ونباتات'' کے عنوان کے تحت' صفحات ۱۶۱' ۱۶۲ نیز جلد چہارم میں ''باغبانی'' کے عنوان کے تحت' صفحات ۱۹۴۵ تا ۱۹۴۹۔

(4) آڈٹ اینڈ اکاؤنٹس کا ذکر سورہ آلِ عمران کی آیت ۲۵ میں' سورہ ھُود کی آیت ۱۰۹ میں' سورۃ

الحجر کی آیات ۹۲، ۹۳ میں، سورۃ النحل کی آیات ۵۶، ۱۲۴ میں، سورۃ الانبیاء کی آیت ۴۷ میں، سورۃ الشوریٰ کی آیت ۴۷ میں، سورۃ الواقعۃ کی آیات ۱، ۲ میں، سورۃ التغابن کی آیت ۷ میں، سورۃ المزمّل کی آیت ۱۷ میں اور سورۃ المدثر کی آیت ۳۸ میں ہوا۔ (ملاحظہ ہو جلد اوّل کے صفحات ۴۲۸ تا ۴۶۹ Audit and Accounts کے عنوان کے تحت۔

(5) کچھ کمپیوٹرائی تراکیب کی طرف اشارات:

(الف) معلومہ مواد کا تحفظ (Data Saved): (آلِ عمران: ۱۸۱؛ بنی اسرائیل: ۱۳؛ المؤمنون: ۶۲؛ النمل: ۷۵؛ یٰس: ۱۲؛ الشوریٰ: ۲۲؛ الجاثیۃ: ۲۹؛ الحآقۃ: ۱۹ تا ۲۳، ۲۵ تا ۲۹؛ النبا: ۲۹؛ الزلزال: ۴، ۵)۔ ملاحظہ ہوں جلد دوم کے صفحات ۸۴۴ تا ۸۴۶ Computer Science کے عنوان کے تحت۔

(ب) معلومات کی برآمدگی (Data Retrieved): (آلِ عمران: ۳۰؛ النحل: ۷۷؛ الکہف: ۴۹؛ قٓ: ۲۳) ملاحظہ ہوں جلد دوم کے صفحات ۸۴۶، ۸۴۷ Computer Science کے عنوان کے تحت۔

(6) ایٹم سے اٹامک انرجی تک: (سورۃ النساء: ۴۰؛ سورہ یونس: ۶۱؛ الانبیاء: ۴۷؛ لقمٰن: ۱۶؛ سبا: ۳) ملاحظہ ہوں جلد اوّل کے صفحات ۴۲۲ تا ۴۲۷ "جوہری توانائی Atomic Energy" کے تحت۔

(7) جلدی امراض کے علم (Science of Dermatology) سے تعارف قرآن مجید نے کرایا (سورۃ النساء: ۵۶) جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ صفحات میں Medical Science کے تحت ہوگا۔

(8) الجبرا کے ابواب "گروہ بندی اور ہمکاری Permutations Combinations" سورۃ النساء کی آیت ۱۰۲ کے تحت ہوا۔ جس کا ذکر آئندہ صفحات میں MATHEMATICS کے ذیلی عنوان Algebra کے تحت ہوگا۔

(9) بالائی بلندیوں کی ہوا میں آکسیجن کی بمقدار کم ہو جاتی ہے۔۔ آکسیجن اور کاربن ڈائی اوکسائڈ کا تصوّر: (سورۃ الانعام: ۱۲۵) ملاحظہ ہو جلد دوم کا صفحہ ۷۰۵ Chemistry کے عنوان کے تحت۔

(10) علمی معقولیت کو ثابت کرنے کا قرآنی طریق کار: جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں، سورج اور چاند کے حوالے سے کر کے دکھایا (سورۃ الانعام: آیات ۷۶ تا ۷۸، سورۃ الانبیاء: آیات ۵۱ تا ۷۰) ملاحظہ ہوں جلد پنجم کے صفحات ۲۲۰۰ تا ۲۲۰۲ بہ عنوان "ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے صاحبزادے۔"

(11) راڈار(Radar) کا ضمنی اشارہ سورۃ الاعراف کی آیت ۲۷ میں ہوا ''شیطان اور اُس کے چیلے تمہیں اُس جگہ سے دیکھتے ہیں جہاں سے تم اُنہیں نہیں دیکھ سکتے''۔ اور ''راڈار'' میں بھی یہی خصوصیت ہوتی ہے کہ وہ دشمن کو نظر نہیں آتا۔ ملاحظہ ہو جلد پنجم' ص ۲۱۸۰ بہ عنوان ''ابلیس''۔

(12) نصف علمِ طب (میڈیکل سائنس) سورۃ الاعراف کی آیت ۳۱ میں پنہاں ہے: ''کھاؤ' پیو لیکن حد سے آگے نہ بڑھو''۔

(13) غذائی احتیاط کے قواعد وضوابط سورۃ المائدۃ کی آیت ۳ میں اور سورۃ الاعراف کی آیات ۳۲' ۳۳ میں بیان ہوئے۔

(14) آڈٹ اینڈ اکاؤنٹس میں جانچ پڑتال کا بند ہونا (بہ معنیٰ زندگی کی سانسوں کا ختم ہو جانا اور وقتِ معیّن کا آجانا): سورۃ الاعراف کی آیت ۳۴ میں' سورۃ الحِجر کی آیت ۵ میں' سورہ فاطر کی آیت ۴۵ میں' سورۃ المُنٰفِقون کی آیت ۱۱ میں اور سورہ نوح کی آیت ۴ میں ہوا۔

(15) تابکار مادّے اور اُن سے خارج ہونے والی شعاعوں(Radioactivity) کا نظریہ ضمنی طور پر سورۃُ الاعراف کی آیت ۸۴ میں' سورہ ھود کی آیت ۸۲ میں' سورۃ الحِجر کی آیت ۷۴ میں' سورۃ الفُرقان کی آیت ۴۰ میں' سورۃ الشّعراء کی آیت ۱۷۳ میں' سورۃ النّمل کی آیت ۵۸ میں اور سورۃ الاحقاف کی آیات ۲۴' ۲۵ میں ہوا۔ اس کا ذکر انشاء اللہ فزکس کے باب میں ہوگا۔

(16) علمِ ہیئت (اجرامِ فلکی کا مطالعہ Astronomy) یعنی سورج' چاند اور ان کے مدارج کا تعارف سورہ یونُس کی آیت ۵ میں کرایا گیا۔

(17) مادّہ چھوٹے چھوٹے' باریک ذرّات سے بنا ہے: سورہ یونُس کی آیت ۶۱ ملاحظہ ہو۔

(18) فزکس کے Thermodynamics کی ذیلی شاخ Law of Entropy (کائنات کے بکھرنے یا توانائی زائل کرنے کی مقدار کا ایک قیاسی پیمانہ) کا تعارف سورۃ الرّعد کی آیات ۱۱' ۳۳ میں' سورۃ الانبیاء کی آیت ۴۲ میں اور سورۃ المؤمنون کی آیت ۱۷ میں ہوا۔

(19) موسمیات میں ضوفشاں بادلوں اور بجلی کی گرج چمک کا ذکر سورۃ الرّعد کی آیات ۱۲' ۱۳ میں اور سورۃ النّور کی آیت ۴۳ میں ہوا۔

(20) کچھ پودوں کے تولیدی عمل(Fertilization) میں عملِ تلقیح (Pollination) کے ذریعے چلنے والی ہوائیں کارفرما ہوتی ہیں ۔اس کا ذکر علم نباتات کے تحت سورۃ الحجر کی آیت ۲۲ میں لَواقِح کے لفظ میں ہوا۔

(21) بندر سے انسان تک کے آدمی کے ارتقاء (ڈاروزم) کی تردید سورۃ الحِجر کی آیت ۲۶ اور سورۃ الرّحمٰن کی آیت ۱۴ میں ہوئی ۔ (ملاحظہ ہو جلد سوم کا صفحہ ۱۳۱۲ بہ عنوان ''نظریہ ارتقاء بمقابلہ نظریہ تخلیق'')

(22) انسانی خوراک میں حیواناتی پروٹین کی اہمیت سورۃ النّحل کی آیات ۵' ۶۶ میں اشارتاً بیان ہوئی ۔(ملاحظہ ہو جلد اوّل کے صفحات ۳۲۷' ۳۲۸ بہ عنوان ''الٰہی کرشمہ سازیاں'') ۔

(23) حالات کا دھارا آگے بڑھنے کے ساتھ ساتھ نقل وحمل کے نت نئے وسائل (ہوائی جہاز' دخانی جہاز' ٹرین' بس' موٹر کار' موٹر بائیک' بائیسکل وغیرہ) کی ایجاد کا ذکر جن کا نزولِ قرآن کے زمانہ میں تصوّر تک نہیں کیا جا سکتا تھا' سورۃ النّحل کی آیت ۸ میں ہوا۔

(24) سمندر کے فوائد سورۃ النّحل کی آیت ۱۴ اور سورہ فاطر کی آیت ۱۲ میں بیان ہوئے ۔اس کا ذکر انشاء اللہ اگلی کسی جلد میں ''بحریات Oceanography'' کے عنوان کے تحت ہوگا۔

(25) جہازرانی کی سہولیات(Navigational Facilities) کا ذکر سورۃُ النّحل کی آیت ۱۶ میں ہے۔

(26) تازہ دودھ کی افادیت سورۃ النّحل کی آیت ۶۷ اور سورۃ المؤمنون کی آیت ۲۱ میں ہے۔

(27) بطور عمدہ نشوونمائی غذا' پھلوں کی افادیت سورۃ النّحل کی آیت ۶۷ اور سورہ عَبَس کی آیات ۲۷ تا ۳۲ میں بیان ہوئی ۔

(28) مادہ شہد کی مکھی کو خطاب کرنے میں نفیس و باریک نکتہ سورۃ النّحل کی آیات ۶۸' ۶۹ میں بیان ہوا (ملاحظہ ہو جلد دوم کا صفحہ ۵۷۵ ''علمِ حیاتیات ونباتات BIOLOGY'' کے عنوان کے تحت) ۔

(29) شکمِ مادر میں کان' آنکھ اور دل و دماغ کی تشکیل میں تسلسل کا تدریجی عمل سورۃُ النّحل کی آیت ۷۸ میں' سورۃ المؤمنون کی آیت ۷۸ میں' سورہ الٓمّ السّجدۃ کی آیت ۹ میں اور سورۃ المُلک کی آیت ۲۳ میں بیان ہوا۔

(30) نیوٹن سائنسدان سے صدیوں قبل قرآن مجید نے کششِ ثقل کے قانون کو بیان کر دیا تھا (بحوالہ سورۃ النّحل: آیت ۷۹، سورہ فاطر: آیت ۳۵، سورۃ المُلک: آیت ۱۹)۔

(31) جغرافیہ میں قمری اور شمسی سال کا بیان سورۂ الکہف کی آیت ۲۵ میں ہوا۔

(32) زچگی کے کچھ نکات (Gynaecological points) جو اَب تک انسانی علم میں نہ تھے' کا ذکر سورہ مریم کی آیات ۲۲ تا ۲۶ میں ہوا (ملاحظہ ہو جلد پنجم کے صفحات ۲۰۶۷، ۲۰۶۸ بہ عنوان ''ماہجین'')

(33) صاف ستھری اور خطا سے مبرّا بیلنس شیٹ (سورہ طٰہٰ: ۵۲؛ الانبیاء: ۴۷؛ المؤمنون: ۶۲)

(34) شروع میں زمین سورج کا حصہ تھی' پھر اس سے جدا ہونے کے بعد نوعِ انسانی کے آباد ہونے کے لئے بن گئی (سورۃ الانبیاء: ۳۰) [ملاحظہ ہوں جلد دوم کے صفحات ۸۵۸، ۸۵۹]

(35) تمام زندگی کا مبداء پانی ہے (سورۃ الانبیاء: ۳۰؛ سورہ الفرقان: ۵۴) [ملاحظہ ہو جلد اوّل کے صفحات ۱۸۸، ۱۸۹ بہ عنوان ''علم نوعِ انسان Anthropology'']۔

(36) آسمان بہ حیثیت محفوظ چھت (سورۃ الانبیاء: ۳۲) [ملاحظہ ہو جلد سوم کا صفحہ ۱۳۲۱ بہ عنوان ''نظریہ ارتقاء بمقابلہ نظریہ تخلیق'']

(37) سیّارگان کا اپنے مداروں میں گھومنے کا تصور (سورۃ الانبیاء: ۳۳؛ سورہ یٰسٓ: ۴۰) [ملاحظہ ہوں جلد اوّل کے صفحات ۳۷۶، ۳۷۷]۔

(38) زرہ بطور حفاظتی ڈھال (سورۃُ الانبیاء: ۸۰)

(39) ہوابازی (Aviation) کا تصوّر (سورہ الانبیاء: ۸۱؛ سَبا: ۱۲)

(40) ایک غیر نامی (بے جان) مادہ کو ذی حیات بنایا گیا۔ شکمِ مادر میں جنین کا سفر (سورۃ الحج: ۵؛ المؤمنون: ۱۴)

(41) علمِ ہیئت کے بیان میں آسمانوں کے اندر مختلف راہوں کا ذکر (المؤمنون: ۱۷؛ الذّاریت: ۷)

(42) برقِ جدید کی پیشگوئی (سورۃالنّور : ۳۵)

(43) زیرِ آب ظلمت بھری تاریکیوں کا سائنسی علم (سورۃ النّور : ۴۰)۔

(44) مختلف الانواع جانور (سورۃ النّور : ۴۵) Zoology سے متعلق ہے۔

(45) قانونِ بصریات(Law of Optics) کا ذکرسورۃ الفُرقان کی آیات ۴۵، ۴۶ میں۔(ملاحظہ ہوں جلد دوم کے صفحات ۸۸۰، ۸۸۱)

(46) میٹھے اور کھاری پانی کی دونوں قسمیں آپس میں مل تو جاتی ہیں لیکن پھر بھی کھلے سمندر (High Seas) میں ایک دوسرے سے جدا رہتی ہیں (سورۃالفُرقان:۵۳ ؛ سورۃ الرّحمٰن:۱۹، ۲۰)۔

(47) سورۃ الرّوم کی آیت ۴۸ میں مذکور بارش کی تشکیل کے تین مراحل، علم الماء (Hydrology) کی جدید تحقیق کے عین مطابق ہیں ۔

(48) پھیلتی ہوئی کائنات کا جدید نظریہ(Hubble's Law)سورہ فاطر کی اوّل آیت اور سورۃ الذّاریٰت کی آیت ۴۷ میں بیان ہوا۔

(49) نباتاتی زندگی کا ارتقاء سورہ یٰسٓ کی آیت ۳۳ میں بیان ہوا۔

(50) جدید حالیہ تحقیق کے مطابق قدرت کی ہر چیز نہ صرف انسانوں اور پودوں میں بلکہ غیر نامی اشیاء میں بھی جوڑوں پر مشتمل ہے، مثلاً بجلی میں مثبت اور منفی چارج، ایٹم کی تشکیل میں پروٹان/الیکٹران کا اجتماع وغیرہ۔ ہر چیز کے جوڑے ہونے کا ذکر سورہ یٰسٓ کی آیت ۳۶ میں اور سورۃالذّاریٰت کی آیت ۴۹ میں ہوا۔

(51) زمین کروی شکل کی گنبد نما ہے (سورۃالزّمَر:۵)۔

(52) رِحمِ مادر میں جنین (آنے والا بچہ) تین پردوں میں لپٹا ہوتا ہے (سورۃ الزّمَر:۶)[ملاحظہ ہو جلد اوّل کا صفحہ ۱۹۶، جلد دوم کا صفحہ ۸۳۱]۔

(53) زیرِ زمین چشموں کا منبع بارش (واٹرسائیکل) ہے (سورۃالزّمَر:۲۱)

(54) شروع میں آسمان آتشیں گیس کی شکل میں تھا (حٰمٓ السجدۃ :۱۱)۔

(55) دوسرے سیّارگان پر حیوانی زندگی کا وجود اور اُس کا زمین کی حیوانی حیات سے رابطے کی توقع (سورۃالشّوریٰ : ۳۲)

(56) انسانی جینیات (Genetics) (سورۃ الحُجُرات : ۱۳)

(57) علمِ بصریات (Science of Ophthalmology) کا اشارہ سورہ قٓ کی آیت ۲۲ میں ہوا۔

(58) خلائی گہری چھان بین (Space-probe)' خلائی تسخیر (Space-conquest) اور تسخیرِ قمر کی پیشگوئی اُس کی تمام مشکلات اور امکانات کے ساتھ سورہ اَلرّحمٰن کی آیت ۳۳ میں اور سورۃ الاِنشِقَاق کی آیات ۱۸ تا ۲۰ میں ہوئی۔ [ملاحظہ ہوں جلد اوّل کے صفحات ۳۸۰ تا ۳۸۵ بہ عنوان ''علمِ فلکیات'']

(59) معدنی ذرائع (پٹرولیم' قدرتی گیس) کی طرف اشارہ سورۃ الحَدِید کی آیت ۴ میں ہوا۔

(60) میزائل کا تصوّر سورۃ المُلْك کی آیت ۵ کے الفاظ رُجُومًا لِّلشَّيٰطِينِ نے دیا۔

(61) جیومیٹری میں زاویے کا تصوّر سورۃ المَعَارِج کی آیت ۴۰ کے الفاظ رَبُّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِب (مشرقوں اور مغربوں کا رب) اور سورہ اَلرّحمٰن کی آیت ۱۷ کے الفاظ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ (دو مشرقوں اور دو مغربوں کا رب) نے دیا۔☆

(62) خوردبینی نامی وجود (Microscopic Organisms) جو خوردبین کے بغیر ننگی آنکھ کو نظر نہیں آتے' کا ذکر سورۃ العَلَق کی آیت دوم میں عَلَق کے لفظ میں ہوا۔

☆ ہر روز سورج نئے زاویے سے طلوع ہوتا ہے اور نئے زاویے میں غروب ہوتا ہے۔ آج جس زاویے سے سورج طلوع ہوا' کل اُس زاویے سے طلوع نہیں ہوگا اور نہ ہی کل اُس زاویے میں غروب ہوگا جس زاویے میں آج غروب ہوا۔ ہر وہ نیا زاویہ جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے' اُس کا مشرق ہوتا ہے اور ہر وہ نیا زاویہ جہاں سورج غروب ہوتا ہے' اُس کا مغرب ہوتا ہے۔ روزانہ ایک ڈگری عبور کرتے ہوئے سال کے 360 دنوں میں وہ 360 ڈگریاں عبور کرتا ہے۔ اس طرح سورج کے کل مشرق اور مغرب سال کے کل دنوں کی تعداد کے برابر 360 ہوتے ہیں۔ لہٰذا رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ کے جملہ نے زاویے کا تصوّر دیا۔ یہی صورتِ حال رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ (دو مشرقوں اور دو مغربوں کا رب) کے جملہ کی ہے کہ جب وہ بہت سے مشرقوں اور بہت سے مغربوں کا رب ہے تو دو مشرقوں اور دو مغربوں کا رب بہ طریقِ اَولیٰ ہوا۔ نیز دیکھئے جلد اوّل کے صفحات ۴۰۲' ۴۰۳۔

(63) فضائی حملہ اور ایٹم بم کا تصوّر سورۃ الفیل (۱۰۵) نے دیا۔

(64) زمین کا خشک حصہ (28.88%) اور اُس کا آبی حصّہ (71.12%) قرآن مجید میں بیان کردہ خشکی اور آبی حصّوں کی تعداد کے تناسب سے جدید جغرافیائی تحقیقات کے عین مطابق ہے۔ اس کا تفصیل ذکر اگلی کسی جلد میں انشاء اللہ بحریات Oceanography کے عنوان کے تحت ہوگا۔

(65) حرام کردہ اور ممنوع گوشتوں اور (کشید کردہ) مشروبات کے پس پردہ وجوہ واسباب جدید بائی جینی تحقیقات کے عین مطابق پائے گئے۔ (ملاحظہ ہوں جلد چہارم کے صفحات ۱۵۳۸ تا ۱۵۴۳)۔

(66) ہر انسان کی ہتھیلی کے انگلیوں کے نشانات انفرادی اور اپنے اپنے ہیں اور کسی انسان کی انگلیوں کے نشانات دنیا کے کسی بھی اور انسان سے بالکل نہیں ملتے۔ یاد رہے کہ وقت معلوم ہی سے اِن نشانات نے مجرموں کی نشان دہی میں خاصا اہم کردار ادا کیا ہے۔ اِس کا نظریہ سورۃ القیٰمۃ کی آیت چہارم نے دیا۔

(67) وہ باریک ونفیس نکتہ کہ مسلمانوں کو نمازوں کے دوران اپنا رخ کس سمت کو کرنا چاہیے' بالآخر مسلمان مفکرین کو علمِ موسمیات (Meteorology)' علم ہیئت (Astronomy) اور علمِ مثلثات (Trigonometry) کا گہرا اور گرم جوش مطالعہ کرنے کا ذمّہ دار ہوا تاکہ وہ اِن علوم کی وساطت سے کعبۃ اللہ کی صحیح سمت معلوم کرنے کی خدمت انجام دے سکیں۔ مشہور ومعلوم موسمی ہواؤں کی سمت' سیارگان بالخصوص سورج اور چاند کی حرکت سے انسان کعبۃ اللہ کی سمت معلوم کرنے کے قابل ہوا اور اس طرح مسلمان دنیا کے جس بھی دُور دراز گوشے میں ہو' کعبے کے وقوع کی صحیح سمت معلوم کر کے نماز ادا کر سکتے ہیں (سورۃ البقرۃ: ۱۲۵' ۱۴۳' ۱۴۴) ("Qur'anic Ayaat containing References to Science and Technology" pp. x, xi... Sh. Siri Welfare & Cultural Trust, Pakistan Science Foundation, F-7, Islamabad, 1987)

لاتعداد مثالوں میں سے یہ معدودِ چند مثالیں ہیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا۔

اس طرح قرآن مجید نے شائقینِ علم کے لئے ایک نئے دستور العمل کی راہ کھولی اور اُس عمل میں سائنسی نقطہ نظر اور سائنسی علوم کے تجسس وتحقیق کو حرکت میں لایا گیا اور اس لحاظ سے سائنسی تحقیق وتجسس کو (بہ شرطِ ایمان) عبادتِ الٰہی کا جزو بنا دیا گیا۔ قرآن مجید کو اللہ کا سچا کلام اور مستقل معجزہ تسلیم کرتے ہوئے چشمِ بینا نے قرآن کے اس دعویٰ کو من وعن درست تسلیم کر لیا:

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ (حٰمٓ السّجدۃ: ۵۳)

''ہم اُنہیں عنقریب اطرافِ عالم میں اور خود اُن کی ذوات میں اپنی نشانیاں دکھادیں گے یہاں تک کہ اُن پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہی حق ہے۔'' (۴۱ : ۵۳)

''بلاشبہ سائنس جوں جوں ترقی کرتی چلی جائے گی' وہ قرآن کے بیان کردہ حقائق کو ہی منظرِ عام پر لانے کا موجب بنے گی۔'' (ماہنامہ ''منہاج القرآن'' لاہور' جولائی 2008' صفحہ 54)

ہم اپنا مقدمہ انسانی ضمیر' انسانی عقل وخرد اور انسان دوستی کی عدالت میں دائر کرتے ہیں کہ وہ تمام تاریخی حقائق اور نبیِ مکرّم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ طیّبہ کا بے لاگ اور غیر جانبدارانہ مطالعہ کرنے کے بعد فیصلہ صادر کرے کہ آیا اس مختلف الانواع علوم کے مخزن (انسائیکلوپیڈیا) اور بحرِ علم وآگہی کی ٹھاٹھیں مارتی ہوئی کتاب کو ایسے انسان کی کاوش کا نتیجہ قرار دینا صحیح اور درست ہے جن کے اُمّی (ناخواندہ) ہونے کو مخالفین تک نے تسلیم کیا ہے؟

ڈاکٹر مارس بوکائیل (Dr. Maurice Bucaille) ایک غیر متعصب محقق ہونے کے حوالے سے ہمارے طرفدار ہیں اور اُنہوں نے معلوم کیا ہے کہ صورتِ حال اصل حقیقت سے بالکل مختلف ہے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت پر لگائے گئے الزامات بالکل بے بنیاد اور غیر معقول ہیں۔ وہ لکھتے ہیں :۔

''جبکہ بائبل میں بھاری اور زبردست غلطیاں پائی گئی ہیں' مجھے قرآن میں ایک بھی غلطی نہیں ملی۔ مجھے کچھ دیر رُک کر اپنے آپ سے پوچھنا پڑا کہ اگر ایک آدمی قرآن کا مصنف ہوسکتا ہے تو اُس نے ساتویں صدی عیسوی میں ایسے حقائق کیوں تحریر کیے جنہیں آج کے جدید سائنسی علم کے عین موافق ومطابق پایا گیا ہے؟ اس بارے میں قطعاً کوئی شک نہیں کہ قرآن کا جو متن آج ہمارے پاس ہے' اُس زمانہ میں بھی بالکل یہی تھا۔۔۔ اس مشاہدے کی انسانی توجیہ اور کیا ہوسکتی ہے؟ میرے رائے میں تو کوئی توجیہ نہیں۔ اس کی کوئی خاص وجہ نہیں کہ جزیرہ نمائے عرب کے (ناخواندہ ماحول میں) ایک باسی کو سائنسی علوم پر دسترس حاصل ہو جو ہمارے پڑھے لکھے زمانہ سے دس صدیاں پیشتر تھا۔'' ("The Bible, the Qur'an and Science" p. 120)

مستشرقین کے اس الزام کا جواب دیتے ہوئے کہ محمد (ﷺ) نے اپنے ہم عصر اہلِ علم وفضل کے اثر کے تحت اِن سائنسی حقائق کی نقاب کشائی کی' مارس بوکائیل رقمطراز ہیں :

''یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ نزولِ قرآن کے وقت سائنسی علوم نے صدیوں تک ترقی نہیں کی تھی اور اسلامی تہذیب کی سرگرمی کا دَور اپنے سائنسی وفور اور اُبال کے ساتھ نزولِ قرآن کے اختتام پر شروع ہوا تھا۔ ایسی مذہبی اور لادینی معلومات کی جہالت ہی ایسی بے ڈھنگی رائے تک لے جاسکتی ہے جسے میں نے کئی بار سنا ہے۔۔۔ اسلامی تاریخ کا جاننے والا اس بات سے آگاہ ہے کہ ازمنہ وسطیٰ کا دَور جس میں دنیائے عرب میں ثقافتی اور سائنسی وفور اور اُبال نظر آتا ہے' محمد ﷺ کے دَور کے بعد آیا اور اس لئے ایسے (غلط) توہمات میں ہمیں نہیں پڑنا چاہئے۔ اس قسم کی آراء بالخصوص دُور از کار ہیں کیونکہ قرآن

میں بیان کردہ حقائق کی تصدیق وتوثیق زمانۂ جدید میں ہو چکی ہے۔'' (ایضاً' صفحہ ۱۲۱)

اپنے دلائل کو جاری رکھتے ہوئے مارس بوکائل کہتے ہیں کہ قرآن میں ایسی سائنسی معلومات بھی ہیں جن تک جدید سائنس کی رسائی نہیں ہو سکی لیکن ایک صحیح نتیجہ تک پہنچنے کے لئے وہ گہری چھان بین کی راہ میں مائل بہ عمل ہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جعلی اور بناوٹی نبی (Impostor) ہونے کے الزام کو مسترد کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

''یہ تمام مشاہدات اُن لوگوں کے اس الزام کو بالکل غیر معقول قرار دیتے ہیں جن کے نزدیک محمد (ﷺ) قرآن کے خود مصنف و مؤلف ہیں۔ اُمی ہونے کے باوجود ایک آدمی تمام عربی لٹریچر میں ادبی خوبی کے لحاظ سے کیسے انتہائی اہم مصنف بن سکتا ہے؟ پھر وہ کیسے سائنسی نوعیت کی صداقتوں اور حقیقتوں کا اعلان اس طرح کر سکتا ہے کہ کسی بھی انسان میں اِن حقائق کو بے نقاب کرنے کا یارا نہیں ہے۔ اور پھر لطف یہ کہ اِن حقائق میں ذرّہ بھر کسی غلطی یا خطا کا احتمال نہیں ہے۔'' (ایضاً' صفحہ ۱۲۵)

اس مسئلہ پر اپنی بحث کے اختتام پر وہ اپنا حرفِ آخر یوں پیش کرتے ہیں:

''اس مطالعہ میں خیالات کو خالصتاً سائنسی نقطہ نگاہ سے ترقی ملی ہے۔ اُن سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ساتویں صدی عیسوی میں رہنے والے ایک شخص کے لئے ناقابلِ تصوّر ہے کہ وہ مختلف الانواع موضوعات پر قرآن میں ایسے بیانات دے جو اُس کے دَور سے متعلق بھی نہیں اور جن کی تصدیق وتوثیق بعد کی صدیوں میں ہوئی۔ میرے نزدیک قرآن کی کوئی اور انسانی توجیہ نہیں ہو سکتی۔'' (ایضاً)

<u>قرآنی اصطلاحات کے مابین عددی موافقت</u>: درج ذیل قرآنی اعلان کی صداقت کے ثبوت میں یہاں مختلف قرآنی اصطلاحات کے مابین عددی توافق وتطابق کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:۔

کِتٰبٌ "اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ" لِّيَدَّبَّرُوْا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ O (صٓ : ۲۹)

''یہ کتاب برکت والی ہے جسے ہم نے آپ کی طرف نازل فرمایا ہے تاکہ دانشمند لوگ اس کی آیتوں میں غور وفکر کریں اور نصیحت حاصل کریں۔'' (۲۹ : ۳۸)

(1) <u>اَلدُّنيا' اَلْاٰخِرة</u>: لفظ اَلدُّنيا قرآن مجید میں 115 بار استعمال ہوا ہے جبکہ اِسی لفظ سے متعلق لفظ اَلْاٰخِرة بھی قرآن میں 115 بار استعمال ہوا ہے۔

لفظ اَلدُّنیَا مندرجہ ذیل سورتوں کی اِن آیات میں استعمال ہوا ہے:۔

سورۃ البقرۃ: ۸۵، ۸۶، ۱۱۴، ۱۳۰، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۴، ۲۱۲، ۲۱۷، ۲۲۰ = ۱۰
آلِ عمران: ۱۴، ۲۲، ۴۵، ۵۶، ۱۱۷، ۱۴۵، ۱۴۸، ۱۵۲، ۱۸۵ = ۰۹
اَلنّسَآء : ۷۴، ۷۷، ۹۴، ۱۰۹، ۱۳۴ (میں دوبار) = ۰۶
اَلمائدۃ : ۳۳، ۴۱ = ۰۲
اَلانعام : ۲۹، ۳۲، ۷۰، ۱۳۰ = ۰۴
الاعراف : ۳۲، ۵۱، ۱۵۲، ۱۵۶ = ۰۴
الانفال : ۴۲، ۶۷ = ۰۲
التّوبۃ : ۳۸ (میں دو بار)، ۵۵، ۶۹، ۷۴، ۸۵ = ۰۶
یونس : ۷، ۲۳، ۲۴، ۶۴، ۷۰، ۸۸، ۹۸ = ۰۷
ھود : ۱۵، ۶۰ = ۰۲
یوسُف : ۱۰۱ = ۰۱
اَلرّعد : ۲۶ (میں دومرتبہ)، ۳۴ = ۰۳
ابراھیم : ۳، ۲۷ = ۰۲
النّحل : ۳۰، ۴۱، ۱۰۷، ۱۲۲ = ۰۴
اَلْکَھف : ۲۸، ۴۵، ۴۶، ۱۰۴ = ۰۴
طٰہٰ : ۷۲، ۱۳۱ — الحج : ۹، ۱۱، ۱۵ = ۰۵
المؤمنون: ۳۳، ۳۷ — النّور : ۱۴، ۱۹، ۲۳، ۳۳ = ۰۶
القَصَص : ۴۲، ۶۰، ۶۱، ۷۷، ۷۹ — العنکبوت : ۲۵، ۲۷، ۶۴ = ۰۸
الرّوم : ۷ — لقمٰن : ۱۵، ۳۳ = ۰۳
الاحزاب : ۲۸، ۵۷ — فاطر : ۵ — الصّٰفّت : ۶ = ۰۴
الزُّمر : ۱۰، ۲۶ — غافر : ۳۹، ۴۳، ۵۱ = ۰۵
فُصّلت : ۱۲، ۱۶، ۳۱ — الشّوریٰ : ۲۰، ۳۶ = ۰۵
الزُّخرُف : ۳۲، ۳۵ — الجاثیۃ : ۲۴، ۳۵ = ۰۴
الاحقاف : ۲۰ — مُحَمّد : ۳۶ = ۰۲
النّجم : ۲۹ — الحدید : ۲۰ (دومرتبہ) = ۰۳
الحشر : ۳ — المُلک : ۵ = ۰۲
النازعٰت : ۳۸ — الاعلیٰ : ۱۶ = ۰۲

کل میزان : = ۱۱۵

لفظ آخر یا الآخرۃ بھی قرآن میں ۱۱۵ مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو :

سورۃ البقرۃ: ۴، ۸، ۶۲، ۸۶، ۹۴، ۱۰۲، ۱۱۴، ۱۲۶، ۱۳۰، ۱۷۷، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۱۷، ۲۲۰، ۲۲۸، ۲۳۲، ۲۶۴ = ۱۷

آلِ عمران: ۲۲، ۴۵، ۵۶، ۷۷، ۸۵، ۱۱۴، ۱۴۵، ۱۴۸، ۱۵۲ = ۰۹

اَلنّسَآء : ۳۸، ۳۹، ۵۹، ۷۴، ۷۷، ۱۳۴، ۱۳۶، ۱۶۲ = ۰۸

اَلمائدۃ : ۵، ۳۳، ۴۱، ۶۹ — الانعام : ۳۲، ۹۲، ۱۱۳، ۱۵۰ = ۰۸

الاعراف : ۱۵۶، ۱۶۹ — الانفال : ۶۷ = ۰۳

التّوبۃ : ۱۸، ۱۹، ۲۹، ۳۸ (دوبار)، ۴۴، ۴۵، ۶۹، ۷۴، ۹۹ = ۱۰

یونس : ۶۴ — یوسُف : ۳۷، ۵۷، ۱۰۱، ۱۰۹ = ۰۵

اَلرّعْد : ۲۶، ۳۴ — ابراھیم : ۳، ۲۷ = ۰۴

اَلنّحل: ۲۲، ۳۰، ۴۱، ۶۰، ۱۰۷، ۱۲۲ = ۰۶

بنی اسراء یل : ۷، ۱۰، ۱۹، ۲۱، ۴۵، ۷۲، ۱۰۴ = ۰۷

طٰہٰ : ۱۲۷ — الحج : ۱۱، ۱۵ = ۰۳

اَلمؤمنون: ۳۳ — اَلنّور : ۲، ۱۴، ۱۹، ۲۳ = ۰۵

اَلْقَصَص : ۷۰، ۷۷، ۸۳ = ۰۳

العنکبوت : ۲۷، ۳۶، ۶۴ = ۰۳

اَلرّوم : ۷، ۱۶ = ۰۲

الاحزاب : ۲۱، ۲۹، ۵۷ — سَبَا : ۸ = ۰۴

الزُّمَر : ۲۶ — غافر : ۳۹، ۴۳ = ۰۳

فُصِّلَت: ۱۶، ۳۱ — اَلشّوریٰ : ۲۰ (دوبار) = ۰۴

اَلزُّخْرُف : ۳۵ — اَلنّجم : ۲۵، ۲۷ = ۰۳

اَلمُجَادَلۃ : ۲۲ — اَلحَشر: ۳ = ۰۲

اَلمُمْتَحِنۃ : ۶، ۱۳ — اَلطّلاق : ۲ = ۰۳

اَلقلم : ۳۳ = ۰۱

اَلاعلیٰ : ۱۷ = ۰۱

اَلضُحیٰ : ۴ = ۰۱

کل میزان : ۱۱۵ =

(2) اَلفُرقان، بَنی آدم : اَلفُرقان قرآن مجید کا ایک اور نام ہے بہ معنٰی ''حق و باطل میں فرق اور تمیز کرنے والا''۔ چونکہ قرآن مجید بنی آدم یعنی نوعِ انسان کے لئے نازل ہوا، لہٰذا یہ دونوں لفظ پورے قرآن میں چھ، چھ بار درج ذیل سورتوں میں استعمال ہوئے ہیں:

اَلفُرقان/فُرقان : اِن سورتوں کی دی گئی آیات میں استعمال ہوا ہے :

البقرہ : آیت ۵۳ آلِ عمران : آیت ۴ الانفال : آیات ۲۹، ۴۱ = ۰۴

الانبیاء : آیت ۴۸ الفرقان : آیت ۱ = ۰۲

کل : =۰۶ بار

''بنی آدم'' کا لفظ اِن سورتوں کی دی گئی آیات میں استعمال ہوا ہے :

الاعراف : ۲۶، ۲۷، ۳۱، ۳۵، ۱۷۲ = ۰۵

بنی اِسراءِیل : ۷۰ = ۰۱

میزان : = ۰۶

(3) اَلصَّیف، اَلحَرّ، اَلحَرُور، اَلشِّتَاء، اَلبَرد، اَلبَارِد :

لفظ اَلصَّیف (موسمِ گرما) سورۃ القریش کی آیت ۲ میں ایک بار استعمال ہوا۔ = ۰۱

لفظ اَلحَرّ (گرمی) سورۃ التّوبۃ کی آیت ۸۱ میں دو بار اور سورۃ النّحل کی آیت ۸۱ میں ایک مرتبہ استعمال ہوا۔ = ۰۳

لفظ اَلحَرُور (بہ معنٰی دھوپ) سورہ فاطر کی آیت ۲۱ میں ایک مرتبہ آیا۔ = ۰۱

میزان : = ۰۵

لفظ اَلصَّیف کا متضاد لفظ اَلشِّتاء (موسمِ سرما) سورۃ القریش کی آیت ۲ میں ایک بار استعمال ہوا۔ = ۰۱

لفظ ''بَرد'' (ٹھنڈک) سورۃ الانبیاء کی آیت ۶۹ اور سورۃ النّبا کی آیت ۲۴ میں ایک ایک مرتبہ آیا (۱+۱) = ۰۲

لفظ ''بارد'' (ٹھنڈا) سورہ صٓ کی آیت ۴۲ میں اور سورۃ الواقعۃ کی آیت ۴۴ میں ایک ایک مرتبہ آیا (۱+۱) = ۰۲

ان کا کل میزان بھی = ۰۵ ہوا جو اوپر کے متضاد الفاظ کے میزان کے موافق و مطابق ہے۔

(4) اَلرِّجس ' اَلرِّجز : "اَلرِّجس" وہ بدعملی ہے جس کا شیطان کی انگیخت پر انسان مرتکب ہوتا ہے جبکہ "اَلرِّجز" اُس بدعملی پر مرتب ہونے والی سزا ہے۔ یہ دونوں لفظ قرآن مجید میں دس دس بار استعمال ہوئے۔

لفظ "اَلرِّجس"

سورۃ المائدہ کی آیت ۹۰ میں ایک مرتبہ سورۃ الانعام کی آیات ۱۲۵، ۱۴۵ میں ایک ایک مرتبہ آیا۔ = ۰۳

سورۃ الاعراف کی آیت ۷۱ میں ایک مرتبہ اور سورۃ التوبہ کی آیات ۹۵، ۱۲۵ (دو مرتبہ) آیا۔ = ۰۴

سورہ یونس کی آیت ۱۰۰ میں اور سورۃ الحج کی آیت ۳۰ میں ایک ایک مرتبہ استعمال ہوا۔ = ۰۲

سورۃ الاحزاب کی آیت ۳۳ میں ایک مرتبہ استعمال ہوا۔ = ۰۱

میزان : = ۱۰

لفظ اَلرِّجز / اَلرُّجز

سورۃ البقرۃ کی آیت ۵۹ میں ایک مرتبہ آیا۔ = ۰۱

سورۃ الاعراف کی آیت ۱۳۴ (میں دوبار)، ۱۳۵، ۱۶۲ میں استعمال ہوا۔ = ۰۴

سورۃ الانفال کی آیت ۱۱، سورۃ العنکبوت کی آیت ۳۴، سورہ سبا کی آیت ۵ میں آیا۔ = ۰۳

سورۃ الجاثیہ کی آیت ۱۱ اور سورۃ المدثر کی آیت ۵ میں ایک ایک مرتبہ آیا۔ = ۰۲

کل میزان : = ۱۰

(5) فُجَّار ' اَبرار : اِن دو لفظوں کے وقوع میں ایک منظم توازن رکھا گیا ہے کہ

لفظ فُجَّار / اَلْفَجَرۃ (بدعمل لوگ) تین مرتبہ استعمال ہوا، جس کی تفصیل یہ ہے :۔

سورۃ المطفّفین کی آیت ۷ میں اور سورۃ الانفطار کی آیت ۱۴ میں ایک ایک مرتبہ استعمال ہوا۔ = ۰۲

سورہ عَبَس کی آیت ۴۲ میں لفظ فجّار کی بجائے اَلْفَجَرۃ آیا جس کا معنیٰ بھی فُجّار کا ہے۔ = ۰۱

میزان : = ۰۳

لفظ فُجّار کا متضاد لفظ اَبرار / بَرَرَۃ پورے قرآن پاک میں کل چھ (۶) مرتبہ استعمال ہوا :۔

سورہ آلِ عمران کی آیت ۱۹۳ میں، سورۃ الدّھر کی آیت ۵ میں ایک ایک مرتبہ آیا۔ = ۰۲

سورۃ الانفطار کی آیت ۱۳ میں اور سورۃ المطفّفین کی آیت ۱۸، ۲۲ میں ایک ایک مرتبہ آیا۔ = ۰۳

جبکہ سورہ عَبَس کی آیت ۱۶ میں اَلْفَجَرۃ کی نسبت سے بَرَرَۃ استعمال ہوا۔ = ۰۱

کل میزان : = ۰۶

جو اوپر کے لفظ فُجّار کے میزان کا دوگنا ہے۔ ☆

☆ مشاہدہ ہے کہ ہر زمانہ میں بدعمل لوگوں (فُجّار) کی تعداد نیکوکاروں (اَبرار) سے زیادہ رہی ہے۔ لیکن یہاں اَبرار کی تعداد کو فُجّار کی تعداد کا دوگنا دکھایا گیا ہے۔ مؤلف کی ناقص رائے میں اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ رب تعالیٰ چاہتا ہے کہ اُس کے اطاعت گزار، نیکوکار بندے، فُجّار سے تعداد میں زیادہ ہوں۔ وَاللہُ اَعْلَمُ بِالصَّواب

(6) اَلحیٰوۃ اور اَلموت :

لفظ اَلْحَیٰوۃ اپنے تمام مشتقات یعنی حَیّ ' اَحیاء وغیرہ سمیت پورے قرآن مجید میں ۱۴۵ بار استعمال ہوا ہے اور اسی طرح ''موت'' کا ذکر بھی اپنے تمام مشتقات سمیت ۱۴۵ مرتبہ ہوا ہے ۔☆

(7) اَلنَّفع ' اَلفساد : اَلفساد متضاد ہے اَلنَّفع کا۔ یہ دونوں لفظ اپنے مشتقات کے ساتھ پورے قرآن پاک میں ۱۴۵' ۱۴۵ بار استعمال ہوئے ہیں۔

(8) اَلشَّیٰطین اور اَلملائکۃ:

لفظ شیطان قرآن پاک میں ۷۰ مرتبہ اور اس کی جمع شیاطین ۱۸ مرتبہ استعمال ہوئے۔

ان دونوں لفظوں کا میزان ۷۰ + ۱۸ = ۸۸

لفظ مَلَك (فرشتہ) ۱۳ مرتبہ' اس کا تثنیہ مَلَکَین سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۰۲ میں اور سورۃ الاعراف کی آیت ۲۰ میں ایک ایک مرتبہ' جبکہ اس کی جمع ملائکہ ۷۳ بار آیا۔

اس طرح کل میزان ۱۳+۱+۱+۷۳ = ۸۸

(9) بصیرۃ /بَصَر اور فؤاد/قلب :بصیرۃ اور بَصَر اور اسی طرح فؤاد اور قلب کے تمام الفاظ جانچنے کی اندرونی فطری صلاحیت(Insight) کا معنیٰ دیتے ہیں۔

دونوں لفظ بَصَر اور بصیرۃ اپنے تمام مشتقات کے ساتھ قرآن میں ۱۴۸ بار استعمال ہوئے۔ = ۱۴۸

اس کے برعکس لفظ قلب (دل) ۱۹ مرتبہ' اس کا تثنیہ قَلْبَین سورۃ الاحزاب کی آیت ۴ میں ایک مرتبہ اور اس کی جمع قُلُوب ۱۱۲ مرتبہ استعمال ہوئے۔ میزان ۱۹+۱+۱۱۲ = ۱۳۲

لفظ فُؤاد اور اس کی جمع اَفئِدۃ علی الترتیب ۵ اور ۱۱ مرتبہ استعمال ہوئے۔ = ۱۶

کل میزان : = ۱۴۸

(10) اَلجحیم ' اَلعِقاب : جہنم کا ایک طبقہ اَلجَحِیْم قرآن پاک میں ۲۶ مرتبہ اور اس کا مقابل لفظ اَلعِقاب (بہ معنیٰ سزا) بھی اپنے تمام مشتقات کے ساتھ پورے قرآن پاک میں ۲۶ مرتبہ استعمال ہوا۔

(11) اَلنَّاس ' اَلرَّسول : لفظ اَلنَّاس اپنی مختلف شکلوں (الانسان' الِانس' اُناس' بشر) سمیت ۳۶۸ مرتبہ اور اسی طرح رسول کا لفظ بھی اپنی مختلف شکلوں سمیت ۳۶۸ مرتبہ استعمال ہوا۔

☆ حیات اور موت کے الفاظ میں قرآن پاک میں مذکور انسانی زندگی کو شمار کیا گیا ہے نہ کہ حیوانی یا بارش کے ذریعے زمینی زندگی کو۔

(12) قَالُوْا' قُلْ: قَالُوْا (اُنہوں نے کہا) کا وقوع اپنے فعل امر قُلْ کی مناسبت سے ہے۔ یہ دونوں لفظ (قَالُوْا مخلوقات کی جانب سے' قُلْ الٰہی حکم کے طور پر) برابر برابر ۳۳۲ مرتبہ استعمال ہوئے۔

(13) ضیق (دل کی تنگی)' الطّمانینۃ (اطمینان) : یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔ اپنے تمام مشتقات کے ساتھ یہ دونوں لفظ قرآن پاک میں ۱۳' ۱۳ مرتبہ استعمال ہوئے ہیں۔

(14) الانسان اور اُس کی قیمتی ملکیتیں : لفظ ''انسان'' بہ شمول اس کے مترادفات اور اشتقاقات کے ۳۶۸ بار استعمال ہوا ہے۔ اب انسان کی قیمتی ملکیتوں کو جن سے وہ فائدہ اٹھاتا ہے (مثلاً اُس کی اولاد' رزق اور مال) مدِّنظر رکھنے سے آدمی حیران وششدرر ہ جاتا ہے کہ اُن کا استعمال بھی ۳۶۸ بار ہوا ہے۔ یعنی لفظ ''رزق'' اپنے تمام مشتقات کے ساتھ ۱۲۳ بار جن میں سے تین حیوانات کے رزق سے متعلق ہیں۔ ۱۲۳ میں سے تین کو منہا کرنے کے بعد باقی ۱۲۰ بچے جس کا تعلق رزقِ انسانی سے ہے۔ لفظ ''مال'' قرآن میں ۲۵ مرتبہ اور اس کی جمع ''اموال'' ۶۱ مرتبہ آئے جن کا میزان ۲۵ + ۶۱ = ۸۶۔ تیسرا لفظ ''بَنُوْن'' (بیٹے) اپنی مختلف شکلوں سمیت پورے قرآن پاک میں ۱۶۲ مرتبہ استعمال ہوا۔

اس طرح تینوں الفاظ (رزق' مال' بنون) کا مجموعہ ۱۲۰ + ۸۶ + ۱۶۲ = ۳۶۸ ہے جس کا مطلب یہی ہے کہ حیاتِ انسانی کی اِن ضروریات کا ذکر اُتنی ہی بار ہوا جتنا کہ خود انسان کا ذکر ہوا ہے۔

(15) کفر' الکفر؛ ایمان' الایمان: کفر اور ایمان کے دونوں نام (نکرہ اور معرفہ سمیت) اُن کے مشتقات کے علاوہ ۲۵' ۲۵ مرتبہ آئے ہیں۔ لفظ ''کفر'' (الف لام کے بغیر) آٹھ مرتبہ اور ''الکُفر'' (الف لام سمیت) ۱۷ مرتبہ استعمال ہوا ہے جس کا کل میزان ۸ + ۱۷ = ۲۵ ہے۔

اسی طرح لفظ ''ایمان'' (الف لام کے بغیر) آٹھ مرتبہ اور ''الایمان'' (الف لام سمیت) ۱۷ مرتبہ استعمال ہوا ہے جس کا کل میزان ۸ + ۱۷ = ۲۵ بنتا ہے۔ معلوم ہوا کہ کفر اور ایمان کے دونوں الفاظ (الف لام سمیت اور الف لام بغیر) کا مجموعہ ۲۵' ۲۵ ہے۔

اس حقیقت کے باوجود کہ کفر اور ایمان کے دونوں الفاظ برابر کی تعداد (۲۵) میں بیان ہوئے ہیں لیکن اُن کے مشتقات کو شامل کرنے سے بہت بڑا فرق پیدا ہوتا ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ لفظ ایمان اپنے مشتقات سمیت ۸۱۱ مرتبہ استعمال ہوا ہے لیکن لفظ کفر اپنے مشتقات سمیت ۵۰۶ مرتبہ استعمال ہوا ہے اور کفر کا مترادف (ہم معنی لفظ) یعنی ''الضّلالۃ'' اپنے مشتقات سمیت ۱۹۱ مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ اس طرح کل میزان ۵۰۶ + ۱۹۱ = ۶۹۷ ہوا۔ ۸۱۱ منفی ۶۹۷ (کا فرق) ۱۱۴ ہے جبکہ قرآن مجید کی کل سورتوں کی تعداد بھی ۱۱۴ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ''ایمان'' اور ''کفر'' کے مابین فرق قرآن مجید کی سورتوں کی تعداد کے برابر ہے۔

(16) "اَلْعُسْر" (تنگی اور مشکل)، "اَلْیُسْر" (آسانی): لفظ "اَلْعُسْر" اپنے مشتقات کے ساتھ ۱۲ مرتبہ قرآن میں استعمال ہوا ہے جبکہ اس کا متضاد لفظ "اَلْیُسْر" اپنے مشتقات کے ساتھ ۴۱ مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ اِن اکتالیس (۴۱) مقامات میں سے لفظ "یُسْر" پانچ مقامات پر کسی کام کو کر سکنے کی صلاحیت اور اہلیت کے معنیٰ میں استعمال ہوا جبکہ باقی چھتیس (۳۶) مقامات پر وہ اپنے اصل معنیٰ "آسانی اور آرام وسکون" کے معنیٰ میں استعمال ہوا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ لفظ "الیُسْر" اپنے متضاد لفظ "اَلْعُسْر" سے سہ گنا زیادہ استعمال ہوا ہے۔ (۱۲x۳=۳۶)

(17) سات (۷) کا حیران کن عدد: پورے قرآن مجید میں کارفرما ایسے باریک و نفیس، بے خطا اور متوازن عددی نظام کو دیکھ کر آدمی حیران اور ششدر رہ جاتا ہے۔ علاوہ ازیں درجِ ذیل ٹھوس مثالیں سات (۷) کے عدد کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے کافی ہیں:

(۱) آسمانوں کی تعداد قرآن مجید نے سات (۷) بتائی ہے اور اُن کی تعداد کا ذکر بھی ۷ آیات میں ہوا

(۲) اس حقیقت کا ذکر کہ تمام مخلوقاتِ الٰہی اُس کے حضور قطار در قطار پیش ہوں گی، سات مرتبہ ہوا۔ قطار کے لئے قرآن میں "صف" کا لفظ استعمال ہوا جو سات مرتبہ آیا ہے۔ قرآن میں لفظ "صف" کے مشتقات کی تعداد بھی سات ہی ہے۔

(۳) قرآن مجید کی افتتاحی سورہ یعنی الفاتحہ کی آیات کی تعداد سات ہے۔ اس سورۃ کا ایک اور نام سورۃ الحجر کی آیت ۸۷ میں سبع مثانی بھی آیا ہے یعنی وہ سات آیات جو بار بار پڑھی جاتی ہیں۔

(۴) اُن لوگوں کی مثال جو راہِ خدا میں خرچ کرتے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۶۱ میں اناج کے اُس دانے سے دی ہے جو سات بالیاں اُگاتا ہے۔

(۵) ربّ تعالیٰ کی حمد وثنا میں قرآن مجید نے سورہ لقمٰن کی آیت ۲۷ میں سات سمندروں کا ذکر کیا ہے

(۶) سورۃ الحجر کی آیت ۴۴ کے مطابق دوزخ کے سات دروازے ہیں جبکہ کلمہ طیبہ میں الفاظ کی تعداد بھی سات ہی ہے (لا۔ الٰہ۔ اِلّا۔ اللہ۔ محمّد۔ رسول۔ اللہ) (گورنمنٹ ڈگری کالج شکر گڑھ کا سالانہ میگزین "قرآن پاک نمبر" صفحات نمبر ۳۳۱ تا ۳۴۱۔ مرتّب: عبدالرزاق نوفل)

اِسی کو بس اور کافی نہ سمجھا جائے، یہ تو قرآنِ مجید کے مشمولات کا ایک انتہائی مختصر ساڈھانچہ ہے۔ بحرِ علم کے شناوروں اور یارانِ نکتہ داں کو صلائے عام ہے کہ وہ آگے بڑھیں اور علم و آگہی کی ٹھاٹھیں مارتی ہوئی اس فقید المثال اور بابرکت کتابِ الٰہی سے اپنی بساط کے مطابق گوہر نایاب ڈھونڈ کے بے چاری گم کردہ راہ انسانیت کے آگے رکھیں تاکہ وہ اس کی روشنی میں مقصدِ حیات کو سمجھ کر اپنی راہ متعین کر سکیں۔

درج بالا معجزاتی نکات سے یہ نتیجہ نکالنا چنداں مشکل نہیں کہ قرآن مجید کی فصیح البیانی اور بلیغ اللسانی ہونے کے دوش بدوش ایسا فقید المثال عددی نظام جو انسانی ہمت سے ماوراء ہے' کوئی الل ٹپ اور حادثاتی یا اتفاقی امر نہیں بلکہ اس کے پیچھے ایک دانائے کل غیر مرئی ہاتھ کارفرما ہے۔

قرآن مجید پر چند مستشرقین کا تبصرہ

(1) ''ہم اکثر کتنی ہی بار قرآن کی طرف رجوع کرتے ہیں جو ہمیں جلد ہی اپنی طرف متوجہ کرتا ہے' ہمیں ورطۂ حیرت میں ڈال دیتا ہے اور بالآخر ہمارے احترام کو (اپنے اوپر) عائد کر دیتا ہے۔ اپنے مشمولات اور مقاصد کی مطابقت میں اس کا طرزِ بیان متین و سنجیدہ' عظیم اور زور آوری کا ہے اور فی الحقیقت وہ بہر صورت ارفع واعلیٰ اور برتر ہے۔ اس طرح یہ کتاب ہر زمانہ میں انتہائی باقوت و توانا اثر چھوڑ رہی ہے۔'' (Goethe)

(2) ''مشہور و معروف' محترم (Goethe) کے اس بیان کے جواز میں خاصا وزن ہے کہ قرآن ایک ایسا کلام ہے جس کی بے کیفی سے قاری پہلے پہل اُکتا جاتا ہے لیکن بعد میں اُس کی جاذبیت سے کھچا چلا جاتا ہے اور بالآخر اس کے مختلف الجہتی حُسن و جمال سے ناگزیر طور نہال نہال ہو جاتا ہے۔'' ("Apology for Muhammad and the Koran" ... John Davenport, p. 64)

(3) ''مسلم دنیا کو پڑھئے اور بار بار پڑھئے۔ یہ کتاب سچّے' باوفا مسلمان میں کسی قسم کی اُکتاہٹ پیدا نہیں کرتی بلکہ اسے بار بار پڑھنے سے اس سے محبت بڑھتی جاتی ہے۔ یہ قاری اور سامع میں بہ یک وقت خوف و اضطراب اور عزت و احترام کے دونوں جذبات کو پیدا کرتی ہے۔'' ("Apologie de l'Islamisme" ...Prof. Laura Veccia Vaglieri, p. 58)

(4) ''جب مدح و ستائش کا انحصار اِن بنیادوں پر ہو تو اُکتاہٹ پیدا کرنے والی تکرار اور بے ترتیب انتشارِ ذہنی کے الزامات بے معنیٰ ہو کے رہ جاتے ہیں۔ بار بار کے بیان سے حق و صداقت دھیما اور مدھم نہیں پڑتا بلکہ وہ بالوضاحت طشت از بام اور قائل کرنے والا ہو جاتا ہے۔ جہاں سچ ہی سچ ہو' وہاں اُس کا بے ربط اور ناقابلِ فہم ہونا محسوس نہیں کیا جاتا۔'' ("The Holy Qur'an : An Introduction with Selection" ... A. J. Arberry, p. 27)

(5) ''جب قرآن کی بہ آوازِ بلند تلاوت کی جاتی' تو سامعین ایک وقت میں خوف اور تھرتھراہٹ سے مرعوب ہو جاتے۔ کئی لوگوں کے مرنے کے واقعات ہم تک پہنچے ہیں جب اُنہوں نے دوزخ میں بدعملوں کی

بدنصیبی کے حال سے متعلق کوئی آیت سنی۔ مبالغہ سے ہم جتنا بھی کام لیں' اس حقیقت میں کچھ شک نہیں ہوسکتا کہ قرآن نے (انسانی تہذیب وثقافت' عادات واطوار پر) پُر اثر' گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔'' ("The Life and Times of Muhamad" ... Sir John Glubb, p. 95)

(6) ''قرآن دنیا کے اُن روایتی شہ پاروں میں سے ایک ہے جس کا ترجمہ متین وسنجیدہ خطا کے بغیر ممکن نہیں۔ اس کے مخصوص حُسن و جمال میں صوتی توازن ہے اور ایک ایسا زیروبم (لحن ولہجہ) ہے جو کانوں میں رَس گھولتا ہے۔ بہت سے عرب کے رہنے والے عیسائی اس کے طرزِ بیان کی گرم جوش ستائش سے بات کرتے ہیں اور بہت سے جعلی عرب (Arabists) اس کی فوقیت کو تسلیم کرتے ہیں۔ جب اس کی بہ آواز بلند تلاوت کی جاتی ہے تو اس کا تقریباً خواب آور' تنویمی (Hypnotic) اثر ہو ہی جاتا ہے۔'' ("Islam" .. Alfred Guillaumme, p. 73)

(7) ''اپنے اصلی لباس میں قرآن کا' دل لبھانے والا حُسن و جمال ہے اور اس کی اپنی جاذبیت اور کشش ہے۔ جامع اور اعلیٰ وارفع طرزِ بیان میں اس کے مختصر' پُر از معانی جملے جو اکثر صوتی لحاظ سے متوازن ہوتے ہیں' انتہائی گہری قوّت اور دھماکا خیز توانائی کے حامل ہوتے ہیں جسے لفظ بہ لفظ ترجمہ میں ادا کرنا انتہائی مشکل کام ہے۔'' ("The Wisdom of the Qur'an"... John Naish , p. viii)

(8) ''ادبی نکتہ نگاہ سے قرآن کو خالص عربی زبان کا نمونہ سمجھا جاتا ہے جسے نیم شعری اور نیم نثری بیان میں تحریر کیا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ کچھ صورتوں میں گرامر (صرف ونحو) کے ماہرین نے قرآن میں بیان شدہ محاورات اور تصریحات (Expressions) کے ساتھ مطابقت کرنے کے لئے کچھ اپنے اصول وضع کئے ہیں اور اگرچہ قرآن کی مثل اور نظیر لانے کی کئی کوششیں کی گئی ہیں لیکن کوئی کوشش تا حال بار آور نہیں ہوسکی۔'' ("The Construction of the Bible and the Qur'an"... F. F. Arbuthnot, p. 5)

(9) ''قرآن اللہ کی زبان ہے اور اس کی فصاحت و بلاغت معجزاتی ہے۔ جو بھی اس کے مدِّ مقابل آنے کی کوشش کرتا ہے' اُسے نا اہلی اور ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ دانائے کل اور حکیم مطلق کا کلام ہونے کے ناطے سے یہ انسانی رویے کا بے خطا راہ نما ہے۔ بیانات اور فرامین وضوابط دونوں میں اُس کی مختارکاری (اتھارٹی) اعلیٰ وارفع ہے۔ لہٰذا وہ بے مثال طور پر حتمیّت کے ساتھ ہم آہنگ' موافق ومتوازن ہے جس میں کوئی تناقض وتضاد نہیں۔ عدمِ موافقت اور عدمِ مطابقت جو انسانی خامی ہوا کرتی ہے' اس میں نام کو نہیں پائی گئی۔'' ("Introduction to the Koran"... Prof. Margoliouth, p. 83)

(10) ''قرآن اللہ کے کلام کی وحی ہے جسے جبریل نے محمد (ﷺ) کو پڑھ کر سنایا جو ہر لحاظ سے خطا اور سہو (بھول چوک) سے پاک ہے۔ یہ بذاتِ خود پیغمبرِ خدا' محمد (ﷺ) کا ہمہ وقتی معجزہ ہے۔ اس کی معجزاتی

خوبی کچھ تو اس کے ایسے طرزِ بیان میں مضمر ہے جو ایسی اعلیٰ وارفع ہے کہ نہ ہی انسان اور نہ ہی جنات اس کی مختصر ترین ایک سورۃ کی مثل اور نظیر لا سکے اور کچھ اس کی تعلیمات، مستقبل سے متعلق پیشگوئیوں اور حیران کن حد تک محمد (ﷺ) جیسے اُمّی اور ناخواندہ شخص کی زبان سے ایسی درست و بے خطا معلومات کے صادر ہونے میں مضمر ہے جو اپنی طرف سے نہیں بلکہ کسی غیر مرئی قوت کی سکھلائی سے بات کرتے تھے۔'' ("Towards Understanding Islam"... Harry Gaylord Dorman, p. 3)

(11) ''تمام عربی ادب میں ایک اُمّی (ناخواندہ) شخص کیسے ایک انتہائی اہم مصنف بن گیا؟ پھر وہ کیسے ایسی سائنسی نوعیت کی صداقتوں کا اعلان کرسکتا تھا جس کا کوئی اور انسان اہل نہ تھا اور وہ صداقتیں بھی ایسی جو بالکل بے خطا ہیں اور دنیائے علم وآگہی کو تابندہ روشنی دکھانے والی ہیں۔''

''اس مطالعہ میں خیالات کو خالصتاً سائنسی نکتہ نگاہ سے ترقی ملی ہے جو اس نتیجہ تک پہنچاتے ہیں کہ ساتویں صدی عیسوی (کے جاہلانہ ماحول) میں کسی آدمی کے لئے مختلف موضوعات پر قرآن میں ایسے بیانات دینا ناقابلِ تصوّر تھا جو نہ صرف اُس کے زمانہ سے متعلق تھے بلکہ بعد میں آنے والے زمانوں میں اُن کی صداقت کو تسلیم کیا گیا۔ میرے نزدیک قرآن کی کوئی انسانی توجیہ نہیں ہوسکتی...... جہاں تک قرآن کا محمد (ﷺ) کا اختراعی کلام ہونے کا الزام ہے تو یہ الزام بالکل بے بنیاد اور لغو ہے۔ آج سے چودہ صدیاں قبل کا انسان اُس زمانہ میں رائج الوقت خیالات کی درستی اس حد تک کیسے کرسکتا تھا کہ جن کی صداقت کو آج ''نئی روشنی'' کے دور میں حتمی طور پر سچا تسلیم کرلیا گیا ہے۔'' ("The Bible, the Koran and Science"... Dr. Maurice Bucaille, pp. 125, 148)

(12) ''اسلام میں محمد (ﷺ) ہی وحیِ الٰہی کے وکیل (Mouthpiece) ہیں اور قرآن کلامِ الٰہی ہے۔ ہر مقدس کتاب کا اپنے تقدس کے باعث معاشرے کی ثقافتی زندگی پر گہری وہبی تحریک (Inspiration) کا اثر انداز ہونا یقینی بات ہے۔ تاہم ایک لحاظ سے قرآن کسی اور آسمانی کتاب کی نسبت مسلم سماج میں زیادہ گہرے طور پر اثر انداز ہوا ہے۔'' ("The Qur'an as Scripture".. Arthur Jeffery, p. 4)

(13) ''قرآن کے طرزِ بیان کو بے مثال اور ناقابلِ نقل مانا جاتا ہے۔ سورہ بہ سورہ اور عنوان بہ عنوان مختلف ہونے کے باوجود وہ یقیناً امتیازی خصوصیات کا حامل اور بے خطا ہے۔ اس کی فنی، ڈرامائی، تصویری اور تصوّراتی خوبیوں نے اُسے ''اعجاز'' کا مقام دیا ہے یعنی جس کی نقل نہیں کی جاسکتی۔'' ("Introduction to the Qur'an"... Richard Bell, p. 81)

(14) ''ہمیں ایک ہم زمانی (معاصر) کتاب حاصل ہے جو اپنی اصلیت اور تحفظ میں بے مثال ہے جس کی صداقت پر کسی نے کبھی کوئی شک نہیں کیا۔'' ("The Messenger".. R.V.C. Bodley, p. 1)

(۱۵۴) اشتراکیت (Marxism) اور اسلام

جرمن سیاسی مفکر کارل مارکس (Karl Marx) کے نام پر اشتراکیت (Communism) کو Marxism کا نام دیا گیا۔ اُس نے اپنے معاشی و سیاسی نظریات میں پیشگوئی کی تھی کہ سرمایہ داری نظامِ معیشت کے استیصال کے بعد بالآخر ایک غیر طبقہ داری معاشرہ ظہور میں آئے گا جس میں ریاست ذرائع پیداوار پر حاوی ہوگی۔ Marxism کو Leninism کا نام بھی دیا جاتا ہے۔

اسلام کا معاشی نظام بمقابلہ نظامِ اشتراکیت : سوشلزم، کیمونزم کی نرم اصطلاح ہے۔ سوشلسٹ ارتقائی جبکہ کیمونسٹ انقلابی ہیں۔ اسلام اور اشتراکی نظامِ معیشت میں فرق کی تفصیل یوں ہے:۔

(1) مذہب اور روحانیت : اشتراکی نظام میں اللہ، روح، اخلاق اور مذہب کی کوئی جگہ نہیں جبکہ اسلام کے تمام تر سماجی اور اقتصادی نظام کی بنیاد ہی یہی ہیں۔ حدیثِ پاک کے الفاظ ہیں:

قُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا

''(بہ صدقِ دل) لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ ڈالو، نجات پا جاؤ گے۔''

اِسی طرح سورۃ الصّف کی آیات ۱۰، ۱۱ میں فرمایا کہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ پر ایمان لانا اور راہِ خدا میں اپنے مالوں اور جانوں کے ذریعے جہاد کرنا بہترین تجارت ہے جس سے گناہ دُھل جاتے ہیں، رب کی رضا ملتی ہے اور جنات میں داخلہ اُس کے فضل و کرم سے یقینی ہو جاتا ہے۔

(2) ذاتی ملکیت کا حق : اشتراکیت کا نظام ذاتی ملکیت کے حق کو تسلیم نہیں کرتا اور اس میں تمام اَملاک عوامی ملکیت ہوتی ہیں جبکہ اسلام نے ذاتی ملکیت کے حق کو نہ صرف تسلیم کیا ہے بلکہ اُس کی حوصلہ افزائی بھی ہے۔ قرآنی متن (اور اُس کا ترجمہ) ملاحظہ ہو :

(۱) وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (البقرۃ : ۱۸۸)

''اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر مت کھاؤ، اُڑاؤ۔'' (۲: ۱۸۸)

(۲) لَتُبْلَوُنَّ فِیْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ (آلِ عمران ؛ ۱۸۶)

''تم اپنے مالوں اور جانوں سے ضرور بالضرور آزمائے جاؤ گے۔'' (۱۸۶ : ۳)

(۳) وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا (النِّسآء : ۵)

''اور اپنا وہ مال کم عقلوں کو نہ دو جسے اللہ نے تمہارے لئے سرمایہِ زندگی بنایا ہے۔'' (۵ : ۴)

(۴) وَفِیۡۤ اَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ "لِّلسَّآئِلِ وَالۡمَحۡرُوۡمِ O (اَلذّٰرِیٰت : ۱۹)
''اور اُن کے مالوں میں سوالی اور محروم (سب) کا حق ہوتا ہے۔'' (۱۹ : ۵۱)
(۵) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُلۡهِکُمۡ اَمۡوَالُکُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُکُمۡ عَنۡ ذِکۡرِ اللّٰهِ (اَلۡمُنٰفِقُوۡن: ۹)
''مومنو! تمہارے مال اور تمہاری اولادیں تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کردیں۔'' (۶۳:۹)
(۶) لَنۡ تُغۡنِیَ عَنۡهُمۡ اَمۡوَالُهُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ شَیۡئًا (اَلۡمُجَادَلَة : ۱۷)
''اُن کے مال اور اُن کی اولادیں اللہ (کے عذاب) سے اُنہیں ہرگز نہ بچا سکیں گے۔'' (۵۸:۱۷)
(۷) فَتَنَادَوۡا مُصۡبِحِیۡنَ O اَنِ اغۡدُوۡا عَلٰی حَرۡثِکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰرِمِیۡنَ O (اَلۡقَلَم : ۲۱، ۲۲)
''پھر وہ ایک دوسرے کو پکارنے لگے کہ اپنے کھیت پر سویرے چلو اگر تمہیں پھل توڑنا ہے۔'' (۲۱، ۲۲ : ۶۸)

(3) ''معاشی مساوات'': اشتراکی نظام نجی ملکیت کو ختم کر کے تمام وسائل کو اجتماعی ملکیت قرار دیتا ہے اور تمام وسائل کی مساوی تقسیم کا دعویدار ہے جو قانونِ فطرت کے خلاف ہے۔ چونکہ تمام انسان یکساں صلاحیتوں کے مالک نہیں ہیں، اس لئے معاشرے میں مختلف افراد میں وسائل کی تقسیم بھی برابر نہیں ہو سکتی۔ یہ طبعی اور فطری فرق و تفاوت ہی وہ وجہ ہے جس سے کائنات کا نظام چل رہا ہے۔ اگر تمام انسان وسائلِ رزق میں برابر ہو جائیں تو کارخانۂ حیات کا چلنا ناممکن ہو جائے گا۔ سورۃ الزُّخرُف کی آیت ۳۲ میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے:

نَحۡنُ قَسَمۡنَا بَیۡنَهُمۡ مَّعِیۡشَتَهُمۡ فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا وَرَفَعۡنَا بَعۡضَهُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَتَّخِذَ بَعۡضُهُمۡ بَعۡضًا سُخۡرِیًّا (اَلزُّخۡرُف : ۳۲)
''ہم اُن کے درمیان دنیاوی زندگی میں اُن کے (اسباب) معیشت کو تقسیم کرتے ہیں اور ہم ہی اُن میں سے بعض کو بعض پر (وسائل و دولت میں) درجات کی فوقیت دیتے ہیں تاکہ ایک دوسرے سے کام لیتا رہے۔'' (۳۲ : ۴۳)

(4) طبقاتی کشمکش: اشتراکیت نظام، طبقہ داری جنگ کا حامی ہے۔ طبقاتی کشمکش خستہ حال اور خوشحال طبقے کے درمیان معاشی عدمِ موافقت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ قرآنِ مجید کے اِس سبق کی رُو سے کہ خالق و رزّاق اللہ تعالیٰ اپنی حکمتِ بالغہ کے تحت کچھ بندوں کو زیادہ اور کچھ کو کم دولت سے نوازتا ہے، کسی قسم کی طبقاتی کشمکش اور ایک دوسرے سے دست بہ گریباں ہونے کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

اسلام امن و سکون کا مذہب ہونے کے لحاظ سے طبقاتی کشمکش کے خلاف ہے۔ وہ سماجی انصاف کے حصول کے لئے اپنے افراد کے درمیان صلح و آشتی اور اخلاق و محبت پیدا کرنا چاہتا ہے تاکہ انسانیت کی اعلیٰ ترین اخلاقی اَقدار کا حصول ممکن ہو سکے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہوا:-

(۱) وَلَا تَتَمَنَّوۡا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعۡضَکُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ (اَلنِّسَآء : ۳۲)

''اور تم ایسے امر کی تمنا مت کیا کرو جس میں اللہ نے تم میں سے ایک کو دوسرے پر بڑائی دی ہے۔'' (۴:۳۲)

(۲) أُنظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَلَلْآخِرَةُ أَكْبَرُ دَرَجَٰتٍ وَأَكْبَرُ تَفْضِيلًا ۝ (الاسراء:۲۱)

'' آپ دیکھئے تو سہی ہم نے اُن میں سے ایک کو دوسرے پر کیسی فضیلت دے رکھی ہے اور یقیناً آخرت درجات کے اعتبار سے بھی اور فضیلت کے اعتبار سے بھی بہت بڑی ہے۔'' (۱۷ : ۲۱) ☆

(5) جبر و تشدد دبالمقابل امن و آشتی : سوشلزم ہو یا کیمونزم ہر شکل میں جبر و تشدد کا پہلو کارفرما نظر آتا ہے کیونکہ سوشلزم (اشتراکیت) کا مقصدِ وحید سماج کی فلاح و بہبود کی خاطر آدمی کی انفرادیت کو کچلنا ہے۔ اسی لئے اشتراکیت اسلامی روح کے موافق نہیں ہے۔ اسلام سماجی انصاف کا حامی ہے جس کا ثبوت نبی اکرم ﷺ کے خطبہ حجۃ الوداع کے وہ الفاظ ہیں جن میں آپ نے فرمایا:

''لوگو! تمہاری جانیں، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں تا قیامت اسی طرح ایک دوسرے کے لئے محترم ہیں جس طرح یہ دن، یہ مہینہ اور یہ جگہ تمہارے لئے محترم ہیں۔''

(6) بنیادی فلسفہِ حیات کا فرق : اشتراکیت کی بنیاد زندگی کے مادی نظریہ پر ہے جس کے مطابق مادی ضروریات ہی انسان کی اصل ضروریات ہیں اس لئے اشتراکیت کے نزدیک انسان کی مصروفیات کا محور اُن ضروریات کا حصول ہونا چاہئے۔ چونکہ اشتراکی نظام میں آخرت اور وہاں کے محاسبہ کا کوئی تصور نہیں اس لئے اس نظام پر یہ مقولہ صادق آتا ہے ع بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

اس کے برعکس بروئے حدیثِ مبارکہ:

اَلدُّنیَا مَزْرَعَۃُ الْآخِرَۃِ (دنیا آخرت کی کھیتی ہے)

اور بروئے قرآن دنیاوی زندگی کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دینے والوں کا انجام بہت ہی بُرا ہے جیسا کہ سورۃ الاحقاف میں فرمایا:

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُونَ ۝ (الاحقاف : ۲۰)

''اور جس دن کافر لوگ آتشِ دوزخ کے سامنے پیش کئے جائیں گے (تو اُن سے کہا جائے گا) تم اپنی

☆ یہ ایک پر دوسرے کی فضیلت، مال و جاہ، منصب و کمالات وغیرہ جیسے انعاماتِ دنیوی میں ہے۔ آخرت میں باہمی فرقِ درجات تو اس سے ہزاروں گنا زیادہ نمایاں ہوگا۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کی ترجیحات، کی یہ حکمتِ عملی خوشحال اور خستہ حال دونوں طبقوں کے لئے آزمائش کی حیثیت رکھتی ہے جیسا کہ سورۃ الانعام کی آیت ۱۶۵ اور سورۃ التوبۃ کی آیات ۵۵ اور ۸۵ میں بیان ہوا۔

لذیذ و مرغوب چیزیں دُنیوی زندگی میں ہی حاصل کر چکے اور اُن سے (خوب) نفع اندوز بھی ہو چکے، پس آج کے دن تمہیں ذلت کے عذاب کی سزا دی جائے گی اس وجہ سے کہ تم زمین میں ناحق تکبّر کیا کرتے تھے اور اس وجہ سے (بھی) کہ تم نافرمانی کیا کرتے تھے۔'' (۲۰ : ۴۶)

(7) معاشی اصول : نظامِ اشتراکیت کے اصول جامد اور غیر لچکدار ہیں۔ اِن اصولوں سے انحراف کو نظامِ اشتراکیت سے غداری تصوّر کیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس اسلام کے اصول اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ہیں۔ وقت اور زمانے کی تبدیلیوں کے لئے حالات کے مطابق قرآن و سنت کے اصولوں کی پابندی کرتے ہوئے اجتہاد کی راہ کھلی چھوٹ دی گئی ہے۔ نبیِ اکرم ﷺ کے دَورِ مبارک اور آپ کے بعد خلفائے راشدین کے اَدوارِ مبارکہ میں اجتہاد کی متعدد مثالیں تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہیں۔

(8) اجتماعی فلاح و بہبود : نظامِ اشتراکیت اجتماعی مفاد کے لئے ملکی وسائل کے خرچ کا دعویدار ہے تاکہ عام لوگوں کے حالاتِ زندگی کو بہتر بنایا جا سکے۔ جبکہ اس ضمن میں اسلام بنیادی ذمہ داری ہر فرد پر ڈالتا ہے کہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق ضروریاتِ زندگی کو حاصل کرنے کی جدّ وجُہد کرے اور ناکامی کی صورت میں معاشرہ اس ذمہ داری کو قبول کرے اور جب معاشرہ بھی اپنی اس ذمہ داری کو ادا کرنے کی کوئی صورت نہ نکال سکے تو ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ ہر فرد کے لئے رزق و روزی کا بندوبست کرے اور ہر فرد کے لئے ضروریاتِ زندگی کو یقینی بنائے۔''

افراد کی بنیادی ذمہ داری کے متعلق آنحضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے :

اَلاَ كُلُّكُم رَاعٍ وَ كُلُّكُم مَسْئُوْل'' عَنْ رَعِيَّتِه

''خبردار! تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور تم سب سے اپنی رعیّت کے بارے میں جواب طلبی ہوگی۔''

(9) ''جذبہ کار : نظامِ اشتراکیت میں نجی ملکیت کے خاتمہ سے افراد میں آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کا جذبہ بھی ختم ہو جاتا ہے اور صارفین کو اپنی پسند اور ذوق کی اشیاء نہیں ملتیں۔ اس کے برعکس اسلام چونکہ نجی ملکیت کے حق کا قائل ہے اور انسان کو فکر و عمل اور ذریعہ معاش کی آزادی دیتا ہے (اگرچہ وہ اِس آزادی پر حلال و حرام کی کچھ قیود عائد کرتا ہے)' اس لئے حاصل شدہ منافع اور مال کو اپنی ذات اور دوسرے افرادِ معاشرہ پر خرچ کرنے سے اُسے اللہ کی خوشنودی کا وعدہِ جانفزا ملتا ہے جو انسان کے اندر کام کرنے کے جذبے کو فروغ دیتا ہے۔''

''(10) سرمایہ داری کا خاتمہ : نظامِ اشتراکیت سرمایہ داری کو بزورِ بازو اور تصادم کے ذریعے ختم کرتا ہے۔ اِس کے برعکس اسلام دولت کمانے کے ناجائز ذرائع پر پابندی' زکوٰۃ' عُشر اور تقسیمِ دولت کے قانون کے نفاذ اور سُود کی مذمّت کے ذریعے سرمایہ داری کا قلع قمع کرتا ہے۔''

۳۸۵۸ (اشتراکیت Marxism اور اسلام)

’’اشتراکیت سماجی جبر و تشدد کی بدترین شکل ہے۔۔۔ایک معقول انسان اشتراکی نظام میں سماجی انصاف کی کیسے توقع کر سکتا ہے جبکہ وہ نظام لوگوں کی جائداد و زمین کو ہتھیا کر اُسے ریاستی ملکیت میں دے دیے، صنعتی اداروں کو قومی تحویل میں لے لے اور تمام ملک کو ایک ایسے قیدی کیمپ میں تبدیل کر دے جس میں تنقید، درخواست گزاری، شکایات، نالش اور مساوات کے تمام دروازے مضبوطی سے بند کر دیئے گئے ہوں۔ ایسے ملک میں سماجی انصاف کیسے قائم ہو سکتا ہے جس میں کوئی جماعت، کوئی تنظیم اور ایسی کوئی جلسہ گاہ اور مشاورت گاہ (Forum) نہ ہو جہاں لوگ باہم تبادلہ خیال کر سکیں، جہاں کوئی پریس نہ ہو جو رائے عامہ کی عکاسی کرے اور جہاں کوئی عدالت نہ ہو جہاں لوگوں کو انصاف مل سکے۔ کیا ایسے ملک میں سماجی انصاف کے مقاصد حاصل ہو سکتے ہیں جہاں جاسوسی کا وسیع جال اس حد تک پھیلا ہوا ہو کہ ہر شخص دوسرے پر مخبر اور جاسوس ہونے کا شک کرے، جہاں ایک شخص اپنے گھر کی تنہائیوں میں بھی ایک لفظ منہ سے نکالنے سے پہلے اپنے آس پاس یہ دیکھ لے کہ کہیں گھات میں بیٹھا ہوا، کوئی سننے والا سن تو نہیں رہا کہ وہ اس کی خبر حکومت تک پہنچا دے؟۔‘‘ ("Economic System of Islam" --- S. Maududi, pp. 107 - 109)

’’اسلامی سوشلزم کا نعرہ محض فریب ہے: ہم ’’اسلامی سوشلزم‘‘ کے حامیوں کی توجہ ’’اسلامی سوشلزم‘‘ کی تاریخ کی طرف مبذول کرتے ہیں کہ اس نے اسلام اور مسلمانوں پر کیسے کیسے وحشیانہ مظالم ڈھائے اور کس طرح اس کے ہاتھوں اسلامی اقدار کو پامال کیا گیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سرمایہ دارانہ نظام کی خرابیاں انتہائی ناگوار ہیں اور ہر دھڑکنے والا دل اُن خرابیوں کی تباہی و بربادی کا خواہاں ہے لیکن یہ بات یاد رہے کہ مزدور اور کسان کو آرام و اطمینان صرف اُس کے در پر نصیب ہوگا جس نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا اور جو ہمیشہ غریبوں، محتاجوں کی فلاح و بہبود کے لئے فکر مند رہے۔‘‘ (ﷺ)

’’تلنے کی کڑاہی میں سے اُچھل کر دیدہ و دانستہ آگ میں کود پڑنا کوئی عقل و دانش کی بات تو نہیں ہے۔‘‘ ("Our Socio-Economic Order" --- Mufti Muhammad Taqi Usmani, p. 70)

مندرجہ بالا بحث کا لُبِّ لباب یہی ہے کہ اسلام نے اپنے سماجی نظام میں ’’اقتصادی مساوات‘‘ کو لانے کے نہ تو جھوٹے دعوے کئے اور نہ ہی اُن کی وکالت کی جبکہ اشتراکیت ’’اقتصادی مساوات‘‘ کو اپنا مثالی نمونہ سمجھتی ہے (جسے اُس نے نہ اب تک حاصل کیا ہے اور نہ ہی آئندہ اس کے حصول کی اُمید ہے)۔ اسلام کی مساوات سماجی مساوات ہے جو اشتراکیت کی کبھی بھی تائید نہیں کرے گی۔

’’متشدد سرمایہ دارانہ نظام یا مُلحِد کیمونزم میں سے کسی نے بھی غریب اور ضرورتمند کے لئے کچھ بھی تو نہیں کیا۔ اسلامی نظام کے ساتھ موازنہ نہ کیا جائے تو سوال یہ ہے کہ کیا مُلحِد سوشلزم اُن لوگوں کو امیر بنا سکا جن پر اس نظام کو لاگو کیا گیا، یا اُس نے اپنے لوگوں کو روٹی کے چورا چور ٹکڑے ہی دیئے ہوں۔ محض زبانی دعاوی اور خالی خولی

نعرے ہی ہر زمانے میں غنائی اور دل بہلاوے کی باتیں رہی ہیں۔"

اقتصادی انصاف بمقابل اقتصادی مساوات : یہاں اس نکتے کا ذکر ضروری ہے کہ اسلام اقتصادی انصاف کا حامی ہے نہ کہ اقتصادی مساوات کا۔ اقتصادی انصاف کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کو اُس کا حق اُس کی اُس خدمت کے تناسب سے ملنا چاہئے جو اُس نے معاشرے کے لئے کی ہے اور یہ کہ کوئی شخص دوسرے کے حقوق کا استحصال نہ کرے۔ اقتصادی مساوات کا مطلب یہ ہے کہ معاشی ذرائع پر تمام افراد کو برابر کا حق حاصل ہونا چاہئے۔

تمام قرآن مجید میں اقتصادی عدمِ مساوات کو' جو ایک فطری اور قدرتی بات ہے' سماج میں سے خارج کرنے کا کوئی ثبوت نہیں ہے تا کہ اُس کی جگہ ایسا نظام قائم کیا جائے جو معاشرہ کے ہر فرد کو معاشی ذرائع میں برابر کا حصّہ دے۔ اقتصادی عدمِ مساوات منشائے الٰہی ہے جس کی بنیاد اُس کی حکمتِ بالغہ ہے جیسا کہ کچھ انسانوں کو اعلیٰ دماغ' ذہانت' حسن و جمال' صحت اور اعلیٰ جسمانی قوّت سے نوازا گیا ہے۔ جب تک فطری صلاحیت کے فرق موجود ہیں' اُس وقت تک انفرادی آمدنی کے فرق بھی رہیں گے اور کوئی بھی سماجی نظام ان فرقوں کو ختم نہیں کرسکتا۔ لہٰذا "اقتصادی مساوات" کا نعرہ طبقاتی فرق کی بدترین قسم ہے جو کمیونزم کے ممالک میں لگایا جاتا ہے اور جو اقتصادی مساوات کے زبردست حامی ہیں۔

درج ذیل قرآنی آیات اشتراکیوں اور کمیونسٹوں کے "دولت اور جائداد کی مساویانہ تقسیم" کے خیالی اور تصوّراتی نظریے کو مسترد کرتی ہیں:۔

(۱) وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ (اَلنِّسَآء : ۳۲)

"اور ایسے امر کی تمنا مت کیا کرو جس میں اللہ نے تم میں سے ایک کو دوسرے پر بڑائی دی ہے۔" (۴:۳۲)

(۲) وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَا آتٰكُمْ (الانعام : ۱۶۵)

"اور وہ وہی ہے جس نے تمہیں زمین پر خلیفہ بنایا اور تم میں سے ایک کے رُتبے دوسرے پر بلند کئے تا کہ تمہیں اُن چیزوں میں آزمائے جو اُس نے تمہیں دے رکھی ہیں۔" (۱۶۵ : ۶)

رَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ سے مراد طبعی فرقِ مراتب سے ہے۔ کوئی تندرست ہے تو کوئی بیمار' کوئی قوی و توانا تو کوئی کمزور' کوئی حاکم کوئی محکوم' کوئی مرد کوئی عورت' کوئی زردار کوئی نادار (قرطبی)۔

(۳) وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ (اَلنَّحل : ۷۱)

''اور اللہ نے تم میں سے کسی کو کسی پر رزق کے معاملہ میں فضیلت دے رکھی ہے۔'' (۷۱ : ۱۶)

(۴) اِنَّ رَبَّكَ يَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيَقۡدِرُ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيۡرًا بَصِيۡرًا○ (الاسراء)
''بے شک آپ کا رب جس کے لئے چاہتا ہے رزق بڑھا دیتا ہے اور تنگی بھی کر دیتا ہے۔ بے شک وہی اپنے بندوں کی خوب خبر رکھنے والا ہے۔'' (۳۰ : ۱۷)

(۵) نَحۡنُ قَسَمۡنَا بَيۡنَهُمۡ مَّعِيۡشَتَهُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَرَفَعۡنَا بَعۡضَهُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعۡضُهُمۡ بَعۡضًا سُخۡرِيًّا (اَلزُّخۡرُف : ۳۲)
''ہم نے تو اُن کے درمیان اُن کی دنیوی زندگی میں اُن کی روزی تقسیم کر رکھی ہے اور ہم نے ایک کے درجے دوسرے سے بلند کر رکھے ہیں تا کہ ایک دوسرے سے کام لیتا رہے۔'' (۳۲ : ۴۳)

معلوم ہوا کہ (۱) معاشرہ میں فرقِ مراتب بالکل فطری وطبعی ہے۔ کوئی دولتمند ہوگا تو کوئی نادار' کوئی افسر کوئی ماتحت۔ بے طبقات معاشرہ (Classless Society) کا لفظ ہی سرے سے بے معنی ہے یعنی بڑے چھوٹے کا فرق تو قائم رہے گا اور اسے قائم رہنا بھی چاہئے۔ (۲) مال و دولت میں عدم مساوات فطری وطبعی ہے اور تقسیمِ دولت میں مساوات کا دعویٰ بجائے خود بے بنیاد اور خلافِ فطرت ہے۔ فقہاء اور مفسرین نے آیت سے مالک اور غلام کے درمیان نفیِ مساوات صراحت کے ساتھ نکالی ہے۔ (جصاص)

<u>سماجی انصاف اور اسلام کو اشتراکیت کے ساتھ گڈمڈ نہیں کرنا چاہئے</u> : کچھ لوگ اپنی ناکام کوشش میں مندرجہ ذیل قرآنی آیات سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ قرآن مجید کا مقصد انسانوں میں مکمل اقتصادی مساوات کو قائم کرنا ہے جو بہرحال اشتراکیت کا دوسرا نام ہے:۔

(۱) وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعۡضَكُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ فِى الرِّزۡقِ فَمَا الَّذِيۡنَ فُضِّلُوۡا بِرَآدِّىۡ رِزۡقِهِمۡ عَلٰى مَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُهُمۡ فَهُمۡ فِيۡهِ سَوَآءٌ'' (اَلنَّحل : ۷۱)
''اور اللہ نے تم میں سے کسی کو کسی پر رزق کے معاملہ میں فضیلت دے رکھی ہے' سو جن لوگوں کو فضیلت دی گئی ہے وہ اپنے حصّہ کا مال اپنے غلاموں کو کبھی اس طرح دینے والے نہیں کہ وہ سب اس میں برابر ہو جائیں۔'' (۷۱ : ۱۶)

(۲) ضَرَبَ لَكُمۡ مَّثَلًا مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ هَلۡ لَّكُمۡ مِّنۡ مَّا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ مِّنۡ شُرَكَآءَ فِىۡ مَا رَزَقۡنٰكُمۡ فَاَنۡتُمۡ فِيۡهِ سَوَآءٌ'' تَخَافُوۡنَهُمۡ كَخِيۡفَتِكُمۡ اَنۡفُسَكُمۡ (اَلرُّوم : ۲۸)
''(اللہ) تمہارے ہی متعلق ایک مثال تم سے بیان کرتا ہے' کیا تمہارے غلاموں میں کوئی اُس روزی میں تمہارا شریک ہے جو ہم نے تمہیں دی ہے کہ تم اور وہ اس میں برابر ہو جائیں' (مزید یہ کہ کیا) تم اُن سے اُسی طرح ڈرتے ہو جس طرح تمہیں اپنوں کا خوف ہوتا ہے؟'' (۲۸ : ۳۰)

۳۸۶۱ (اشتراکیت Marxism اور اسلام)

دراصل مندرجہ بالا دونوں آیات شرک کی مذمت میں نازل ہوئیں اور ان میں اقتصادی عدمِ مساوات کی بجائے ہمہ گیر اقتصادی مساوات کے قیام کا کوئی منصوبہ نہیں۔ آیات میں اس بات کا صاف اشارہ موجود ہے کہ چونکہ تم خود اپنے غلاموں کو اپنی دولت میں برابر کے شریک ماننے کے لئے تیار نہیں ہو تو تمہارا یہ مشرکانہ عقیدہ کتنا فضول اور غیر معقول ہے کہ اللہ کی کوئی مخلوق اُس کی اُلوہیت میں اُس کی شریک ہوسکتی ہے؟

اقتصادی مساوات کے علمبردار (یعنی اشتراکی) خلیفہ عمر رضی اللہ عنہ کی مثال بھی دیتے ہیں جنہوں نے حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ سے وہ قطعۂ زمین زبردستی واپس لے لیا تھا جو اُنہیں نبی اکرم ﷺ نے عطا کیا تھا۔ اس سے اُن کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر کا یہ عمل اشتراکیت کی طرف ایک قدم تھا لیکن یہ اُن کی غلط فہمی ہے۔ حقائق یہ ہیں کہ حضرت بلال اس موہوبہ زمین کو اپنے استعمال میں نہیں لائے تھے اور وہ کافی عرصہ تک بنجر، غیر مزروعہ پڑی رہی تھی۔ حضرت عمر کا اِقدام اسلامی اصول کے مطابق تھا جو ایسی زمینوں کو ریاست کے سپرد کرنے پر زور دیتا ہے جو تین سال تک غیر مستعمل پڑی رہیں اور آپ کا یہ عمل نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان کے مطابق تھا:

''زمین اُس کی ہوتی ہے جو اُسے بار آور یا کاشت کرتا ہے لیکن جو شخص اُسے تین سال تک استعمال کئے بغیر (یونہی) رکھ چھوڑتا ہے، اُس کا اس پر کوئی حق نہیں ہے۔'' (''کتاب الخراج''۔ ابو یوسف، ص ۳۵۰)

اشتراکی اپنی شدید ضد میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منظورِ نظر صحابی ابوذر غِفاری رضی اللہ عنہ کی مثال بھی دیتے ہیں کہ وہ اپنے زمانہ کے عیّاش، خود غرض بخیلوں اور غیر ذمہ دار شاہ خرچوں کے خلاف بغاوت میں اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ اُن کا موقف یہ تھا کہ جب تک تمام باشندوں کی بنیادی ضروریات پوری نہیں ہو جاتیں، اُس وقت تک اُمراء کو دولت ذخیرہ کرنے یا پُر عیش زندگی بسر کرنے کا کوئی حق نہیں۔ ابوذر کے نزدیک اپنے ابنائے جنس کی پست ترین اور تکلیف دِہ غربت کے مدِّ نظر اُمراء کے لئے دولت کی ذخیرہ اندوزی اور اُسے سنبھال کے رکھنا امانت میں خیانت کرنے سے بڑھ کر جرم تھا۔

ابوذر غِفاری رضی اللہ عنہ کو اشتراکی (سوشلسٹ) سمجھنا غلط بات ہے کیونکہ (۱) اُنہوں نے کبھی بھی انسان کی انفرادیت کو دبانے کی تبلیغ نہیں کی۔ (۲) نہ ہی اُنہوں نے ذرائع پیداوار کے اجتماعی کنٹرول کی وکالت کی۔ (۳) نہ ہی وہ جائداد کی نجی ملکیت کے خلاف تھے بلکہ وہ اُمراء کے خلاف اُنہیں اُن کے سماجی فرائض کی یاد دہانی کے لئے اُٹھے تھے۔ اسی وجہ سے ابنِ حزم اپنی ایک تحریر میں لکھتے ہیں:۔

''اگر بیت المال یا ریاستی خزانہ کی آمدنی غریبوں، فقیروں کی ضروریات کو پورا نہ کر سکے تو سربراہِ مملکت اُمراء کو مجبور کر سکتا ہے کہ وہ غریبوں کو ضروری کھانا اور ایسا لباس مہیا کریں جو اُنہیں گرمی کی حرارت

۳۸۶۲ (اشتراکیت Marxism اور اسلام)

اور سردیوں کی سردی سے محفوظ رکھ سکے اور ایک پناہ گاہ بھی مہیا کریں جو اُنہیں گرمی اور طوفانِ بادو باراں سے بچا سکے۔'' (''محلّہ''۔ ابن حزم' جلد ششم' صفحہ ۱۵۶)

اور خلیفۃ المسلمین حضرت علی کرّم اللہ وجھہ' نے فرمایا:۔
''اللہ تعالٰی نے اُمراء کو اس بات کا مکلف کیا ہے کہ وہ غریبوں کی ضروریات کو پورا کریں اور اگر غریب اُمراء کی غفلت کی وجہ سے بھوکے ننگے رہتے ہیں تو اُمراء کو اللہ تعالٰی سخت سزا دیں گے۔'' (ایضاً ص ۱۵۸)

خلیفۃ المسلمین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا (بحوالہ ''کتاب الاموال'' لابی عُبید' صفحہ ۳۰۴)
''ریاستی خزانہ میں ہر مسلمان کا حق ہے خواہ وہ اُس سے فائدہ اٹھائے یا نہ اُٹھائے۔''

اور یہ ظاہر ہے کہ یہ سوشلزم نہیں بلکہ سوشل سیکیورٹی (سماجی تحفظ) ہے جو سماجی انصاف کی ذیلی شاخ ہے۔ مزید برآں اب تک یہ بھی واضح ہو چکا ہو گا کہ اسلام دولت کی مساویانہ تقسیم کا حامی نہیں ہے بلکہ اس کی منصفانہ اور دیانتدارانہ تقسیم کا حامی ہے اور اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ تمام لوگوں کی ضروریاتِ زندگی پوری ہوں۔

''لہٰذا یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں ہے کہ اسلام اشتراکیت ہے۔ ایسا نتیجہ نکالنے کی بڑی وجہ سوشلزم اور سماجی انصاف کے مابین فرق کا نہ سمجھنا ہے (''سماجی انصاف'' کو آئندہ صفحات میں زیر بحث لایا گیا ہے)۔ سوشلزم (اشتراکیت) کے نظریہ کی تمام تر بنیاد مادیّت ہے اور مادیت کے مطابق مادّہ کے سوا کسی چیز کا وجود حقیقی نہیں ہے۔ ایسا نظریہ مکمل طور پر مذہب کی نفی کرتا ہے اور دراصل تشدّد پسند اِلحاد (اللہ کی ہستی کا انکار) ہے جس کی اسلام کسی بھی شکل میں پشت پناہی نہیں کر سکتا۔''

''یہاں ہم اُن چراگاہوں اور کھیتوں کا حوالہ دیتے ہیں جنہیں بطور مثال پیش کیا جاتا ہے کہ اُنہیں نجی ملکیت کی حیثیت سے نبی اکرم ﷺ اور خلیفہ عمر رضی اللہ عنہ نے قومی تحویل میں لے لیا تھا جبکہ وہ عام زمینیں تھیں اور کسی خاص شخص کی ملکیت نہیں تھیں۔ اُن چراگاہوں میں سے اَلــنّقی نامی چراگاہ کو جو مدینہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر تھی' نبی اکرم ﷺ نے چراگاہ کا درجہ دیا تھا۔ ابو عُبیدہ کی ''کتاب الاموال'' (صفحہ ۲۷۱) کے مطابق وہ ٹھہرے ہوئے پانی کے جوہڑ کی قسم ہو گئی تھی اور اُس پر گھاس اُگ آئی تھی اور اس طرح وہ جانوروں کے چرنے کے لئے رہ گئی تھی۔ دوسرا قطعہ زمین جس کے چراگاہ ہونے کا اعلان عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا' ربضہ کے مقام پر تھا اور اس اعلان کے خلاف وہاں کے لوگوں نے احتجاج کرتے ہوئے حضرت عمرؓ سے رابطہ بھی کیا تھا اور خود کہا تھا کہ وہ عوامی زمین ہے۔''
("Economics and Islam"" --- Dr. Muhammad Musleh-u-Din, p. 103)

<u>سماجی انصاف (قانونی مساوات)</u>: مہذّب سماج میں باشندوں کا یہ بنیادی حق ہوتا ہے جو منصفانہ' حق و صداقت پر مبنی اور نفیس رویئے کو شامل ہے۔ سماجی طور پر ریاست کے تمام باشندے قانون کی نظر میں قطع نظر

اُن کے پیشہ، زبان، یا رنگ و نسل کے مساوی حیثیت کے حامل ہیں۔ قرآنِ حکیم حاکم اور محکوم، بالا اور پست اور گورے اور کالے کے درمیان کوئی حدِّ فاصل قائم نہیں کرتا۔ قانون کی رتھ کے پہیے خوش حال اور محروم القسمت کو جانتے تک نہیں۔ ایک ملزم کو منصفانہ عدالتی کارروائی کا پورا حق حاصل ہے اور یہ حق بھی حاصل ہے کہ اُسے غیر منصفانہ یا انسانیت سوز سزا یا پولیس کی بربریت سے تحفظ حاصل ہو۔ اِس ضمن میں قرآنِ حکیم کے احکام ملاحظہ ہوں:

(i) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُوۡنُوۡا قَوّٰمِيۡنَ بِالۡقِسۡطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوۡ عَلٰٓى اَنۡفُسِكُمۡ اَوِ الۡوَالِدَيۡنِ وَالۡاَقۡرَبِيۡنَ ۚ اِنۡ يَّكُنۡ غَنِيًّا اَوۡ فَقِيۡرًا فَاللّٰهُ اَوۡلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الۡهَوٰٓى اَنۡ تَعۡدِلُوۡا ۚ وَاِنۡ تَلۡوٗۤا اَوۡ تُعۡرِضُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرًا ۝ (اَلنِّسَاء: ۱۳۵)

''مومنو! انصاف پر خوب قائم رہنے والے اور اللہ کے لئے گواہی دینے والے رہو چاہے وہ تمہارے یا (تمہارے) والدین اور عزیزوں کے خلاف ہی ہو، وہ امیر ہو یا مفلس اللہ (بہرحال) دونوں سے زیادہ حق دار ہے، تو خواہشِ نفس کی پیروی نہ کرنا کہ (حق سے) ہٹ جاؤ اور اگر تم ٹیڑھ پن کرو گے یا پہلو تہی کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔'' (۴:۱۳۵)

(ii) وَاُمِرۡتُ لِاَعۡدِلَ بَيۡنَكُمۡ (اَلشُّوۡرٰى: ۱۵)

''اور مجھے یہ حکم ملا ہے کہ (اپنے اور) تمہارے درمیان انصاف کروں۔'' (۴۲:۱۵)

سماجی مساوات کو جو سماجی انصاف کا تتمہ ہے، قرآن اور سنت نے واضح طور پر قائم رکھا ہے۔ اسی سماجی نظام کی رُو سے عدل و انصاف، مساوات کے ہم معنی ہے۔ سید مودودی اسلامی نظریہ انصاف کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''انصاف جس چیز کا تقاضا کرتا ہے وہ توازن اور تناسب ہے نہ کہ مساوات۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کچھ حالات میں عدل و انصاف معاشرے کے تمام افراد کے درمیان مساوات کا مقتضی ہوتا ہے جیسا کہ شہریت کے حقوق میں مساوات۔ لیکن کچھ دیگر حالات میں مساوات انصاف کے بالکل الٹ ہو جاتی ہے مثلاً والدین اور اُن کی اولاد کے درمیان اخلاقی اور سماجی مساوات اور اونچے عُہدوں پر کام کرنے والوں اور اُن سے کمتر کام کرنے والوں کے معاوضوں میں مساوات۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے حقوق میں مساوات کا حکم نہیں دیا بلکہ اُن میں تناسب و توازن قائم رکھنے کا حکم دیا ہے اور ایسا نظام اس بات کا مقتضی ہے کہ ہر شخص کو اُس کے اخلاقی، معاشرتی، اقتصادی، قانونی، سیاسی اور شہری حقوق دیانتداری سے ملنے چاہئیں۔'' (تفہیم القرآن، جلد دوئم، صفحہ ۵۶۵) ۱۹۶۵ء

نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ایک فرد یا قوم کی روزمرہ زندگی میں عدمِ مساوات اور حقوق میں فرق کرنے کے مہیب نتائج کے بارے میں تنبیہ فرمائی ہے اور اسی طرح عدالتی فیصلوں کے بارے میں بھی تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:

''تم سے پہلے قومیں گمراہ ہوئیں کیونکہ اُن کے اونچے درجے کے افراد جب چوری کے مرتکب ہوتے تو وہ سزا پانے میں آزاد کر دیے جاتے لیکن جب کوئی کمتر آدمی چوری کرتا تو اُسے قانون کے حوالے کر دیا جاتا۔ بخدا! اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کی مرتکب ہوتو میں یقیناً اُس کے ہاتھ کاٹ دوں۔'' (صحیح بخاری، ج ۸)

(۱۵۵) مساکیت (Masochism) اوراسلام

یہ نفسیات کا موضوع ہے جس میں آدمی دوسروں کو آرام پہنچا کر خود آزاری میں لذت محسوس کرتا ہے۔ مساکیت ''سادیت (Sadism)'' کی ضد ہے جس میں آدمی دوسروں کو ایذا پہنچا کر خود تسکین حاصل کرتا ہے۔''سادیت'' اسلامی روح کے خلاف ہے اس لئے اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔

''مساکیت(Masochism)'' خدمتِ خلق کے جذبے کا دوسرا نام ہے۔ خیرِ خلق کا یہ جذبہ خواہ دنیاوی لحاظ سے ہو یا اُخروی لحاظ سے' بہرحال دونوں طرح قابلِ ستائش ہے۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اگر اس جذبے کے پسِ پردہ صرف رضائے الٰہی مقصود ہو اور نام ونمود یا شہرت یا عزت ومنصب وغیرہ مقصد نہ ہوں تو اُس کا اجر وثواب اللہ رب العالمین کے ہاں ہے۔

سچا مسلمان تمام نوعِ انسانی کے لئے نیک نیتی اور خیر خواہی کا مجسمہ ہوتا ہے اور اس فرمانِ الٰہی کے مطابق دوسروں کو اپنے آپ پر ترجیح اور فوقیت دیتا ہے:

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ'' (اَلْحَشْر : ۹)

''اور وہ (دوسروں کو) اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ وہ خود فاقہ سے ہوں۔'' (۹ : ۵۹)

دوسروں کو اپنے سے مقدم رکھنے ہی میں جذبہ مساکیت(Masochism) مضمر ہے' اگرچہ وہ خود فاقے سے ہوں۔ یہ فضیلت کا اعلیٰ درجہ اور انتہائی مرتبہ ہے جو حضرات انصار کے لئے ارشاد ہو رہا ہے۔ یہ حضرات مہاجرین کے حصہ پر تو کیا رشک کرتے' خود اپنے پاس سے اُنہیں کھلاتے پلاتے رہتے تھے' چاہے خود اپنے فاقہ کی ہی نوبت کیوں نہ آجائے۔ معلوم ہوا کہ سچے' باوفا مسلمان کے پیشِ نظر ہر وقت رضائے الٰہی کا حصول ہوتا ہے۔ جیسا کہ سورۃ الدّھر میں بیان ہوا:

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًاo اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَانُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًاo (اَلدَّھر : ۸' ۹)

''اور وہ اللہ کی محبت سے مسکینوں' یتیموں اور غریبوں کو کھانا کھلاتے رہتے ہیں۔ ہم تو تمہیں بس اللہ ہی کی خوشنودی کے لئے کھانا کھلاتے ہیں اور نہ تم سے اس کا عوض چاہیں اور نہ شکریہ۔'' (۸' ۹ :۷۶)

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جانب سے مدینہ منورہ میں قائم کردہ ''مؤاخاتِ مدینہ'' مندرجہ بالا قرآنی نظریہ

کا عملی مظاہرہ ہے اور اسی میں مسلمان کے ایمان کی پختگی، باہمی بھائی چارے کے جذبات، ایک دوسرے کے لئے قربانی کے جذبہ اور نتیجۃً سماج کے استحکام کی بقا ہے۔

''مسکین و یتیم تو اُس وقت مسلمانوں میں بھی تھے لیکن ''اسیر'' (قیدی) تو نزولِ آیت کے وقت بہرحال مشرکین ہی تھے۔ اس سے یہ مسئلہ نکلا کہ غیر مسلم قیدیوں کی امداد و اعانت بھی موجب اجرِ آخرت ہے اگرچہ بعض فقہاء نے اس میں کچھ قیدیں لگا دی ہیں۔'' (تفسیر ماجدی اردو، ص ۱۱۶۲)

اس سلسلہ میں اصحاب صُفّہ کی مثال بھی ہمارے سامنے ہے یعنی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وہ مفلس و نادار صحابہ جو کئی کئی دنوں کے فاقے برداشت کرنے اور اس سے پیدا ہونے والی خود آزاری میں لذت محسوس کرتے تھے لیکن دوسروں کے آگے دستِ سوال دراز کر کے اُنہوں نے کبھی دوسروں کو پریشان نہیں کیا۔ اِنہی خدا پرست اور خدا مست مقدّس ہستیوں کے بارے میں قرآن نے فرمایا :

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا (البقرۃ : ۲۷۳)

''(اصل) حق اُن حاجتمندوں کا ہے جو اللہ کی راہ میں گھر گئے ہیں، ملک میں کہیں چل پھر نہیں سکتے، ناواقف اُن کی احتیاطِ سوال کے باعث اُنہیں غنی خیال کرتا ہے، تو اُنہیں اُن کے بشرہ ہی سے پہچان لے گا، وہ لوگوں سے لگ لپٹ کر نہیں مانگتے۔'' (۲۷۳ : ۲)

انسان کا اندرونی دشمن نفسِ امّارہ بڑا ہی ظالم اور خدا فراموش ہے۔ اس پر قابو پانے اور اطاعتِ الٰہی ہی میں مساکیت (Masochism) کا راز مضمر ہے۔ نفسِ اَمّارہ کے متعلق امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے قصیدہ بُردہ میں فرماتے ہیں :۔

وَالنَّفْسُ كَالطِّفْلِ اِنْ تُهْمِلْهُ شَبَّ عَلٰى حُبِّ الرِّضَاعِ وَاِنْ تَفْطِمْهُ يَنْفَطِمِ

''اور نفس تو بچے کی مانند ہے، جب تک اُسے دودھ پلاتے جاؤ گے، پیے جائے گا اور جب چھڑا دو گے، تو چھوڑ دے گا۔''

اور قرآن مجید نے اِسی نفسِ اَمّارہ کے بارے میں فرمایا :

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰىO فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰىO (النّٰزعٰت: ۴۰، ۴۱)

''اور جو شخص اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرتا رہا اور (اپنے) نفس کو (بُری) خواہشات اور شہوات سے روکے رکھا تو بے شک جنت ہی (اُس کا) ٹھکانہ ہوگا۔'' (۴۰، ۴۱ : ۷۹)

(۱۵۶) علمِ ریاضی (MATHEMATICS)

لفظ Mathematics دو لفظوں Mathema (بمعنیٰ ''فطرت سے بہت قریب'') اور tics (بہ معنی ''علم کی شاخ'') کا مجموعہ ہے۔

''ریاضی وہ علم ہے جس کا تعلق عملِ پیمائش اور مقداروں کی خصوصیات اور اُن کے باہمی رابطے سے ہوتا ہے۔ اس میں علم الہندسہ، جیومیٹری اور الجبرا وغیرہ شامل ہیں۔'' (Hamlyn Encyclopedic World Dictionary, p. 977) Great Britain, 1979.

''ذہن میں معقولیت اور استدلال کی عادت راسخ کرنے کا نام ''ریاضی'' ہے۔'' (Locke)
''علمِ ریاضی تمام ماڈی اور طبیعیاتی تحقیقات (Physical Researches) کا ناگزیر آلہ ہے۔'' (Kent)

اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ خود بہت بڑا ریاضی دان ہے : کہ رب تعالیٰ کا دعویٰ ہے :

(۱) اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ حَسِیْبًا O (النساء : ۸۶)
''بے شک اللہ ہر چیز پر حساب لینے والا ہے۔'' (۸۶ : ۴)

(۲) وَاللّٰہُ یَحْکُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُکْمِہٖ وَھُوَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ O (اَلرَّعْد : ۴۱)
''اور اللہ ہی حکم فرماتا ہے، کوئی بھی اُس کے حکم کو رد کرنے والا نہیں اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔'' (۴۱ : ۱۳)

(1) علمِ ریاضی کی دو اہم شاخوں یعنی علم الاعداد اور علم الحساب کا وجود ریاضی کی تحریک دلانے والے قرآنی بیانات کا رہینِ منّت ہے۔ باری تعالیٰ کی توحید کا اصول ریاضیاتی مطالعہ کا بنیادی ماخذ ہے۔ لہٰذا سورۃ الاخلاص کی آیت ھُوَاللّٰہُ اَحَد'' (وہ اللہ ایک ہے) میں اعداد کے تسلسل میں ایک کا عدد توحید کو سمجھنے میں براہِ راست اور قابلِ فہم ذریعہ ہے۔ علمِ ریاضی سے مسلمانوں کے شغف اور محبت کی وجہ بھی ''ایک'' خدائے واحد پر اُن کا ایمان ہے جو اسلام کا مرکزی نکتہ ہے۔ اس طرح علمِ ریاضی کا مطالعہ اکائی سے شروع ہو کر اکائی پر ہی ختم ہوتا ہے کیونکہ اکائی ہی سے آگے بڑھتے بڑھتے کثرتِ تعدّد (Multiplicity) بنتا ہے اور اعداد کے طول طویل چکروں سے ہوتا ہوا یہ سفر پھر اکائی پر آ کر ختم ہوتا ہے۔ یہ بات انسان کو اپنے خالق و مالک کا شعور عطا کر کے اُسے اُس کا قرب عطا کرتی ہے۔

(2) '1' کا عدد ریاضی کے مطالعہ میں آغاز میں بھی اور اختتام میں بھی نمایاں حیثیت کا حامل ہے۔ اس

طرح ''توحید'' تمام علم کا منبع ہے کہ تمام علم اِسی سے پھوٹتا ہے اور انسانی دنیا کو مالا مال کرتا ہے۔ اس لئے علم الاعداد کے مطالعہ کو قرآن مجید سے تحریک ملی اور اس کی حوصلہ افزائی ہوئی۔ قرآن مجید ہی نے دوسرے علوم کے ساتھ ساتھ علم ریاضی کے میدان میں بھی تعلیم و تعلّم کے وسیع و عریض آفاق کھولے۔ اس طرح قرآنی مطالعہ سے تحریک پاتے ہوئے مسلمان علم الاعداد اور علم الحساب سے آغاز کر کے علمِ شماریات (Computation) تک پہنچے اور اس میدان میں عظیم کامیابیاں حاصل کیں۔

(3) قرآن مجید اپنے مختلف سیاق و سباق میں اعداد کو بیان کرتا ہے۔ مثلاً خدائی انعامات و نوازشات سے متعلق وہ سورہ ابراھیم اور سورۃ النّحل میں ایک ہی الفاظ کے ساتھ یوں اعلان کرتا ہے :

وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ لَا تُحۡصُوۡهَا (ابراھیم : ۳۴، النّحل : ۱۸)

''اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو اُنہیں شمار نہ کر سکو گے۔'' (۳۴ : ۱۴؛ ۱۸ : ۱۶)

(4) اعداد کا استعمال عبادات کی کچھ قسموں میں بھی قرآن مجید نے کیا ہے۔ مثلاً روزے اور حج کی بابت ہمیں سورۃ البقرۃ میں یہ بیانات ملتے ہیں :

(۱) کُتِبَ عَلَيۡكُمُ الصِّيَامُ۔۔۔اَيَّامًا مَّعۡدُوۡدٰتٍ فَمَنۡ كَانَ مِنۡكُمۡ مَّرِيۡضًا اَوۡ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنۡ اَيَّامٍ اُخَرَ۔۔۔ يُرِيۡدُ اللّٰهُ بِكُمُ الۡيُسۡرَ وَلَا يُرِيۡدُ بِكُمُ الۡعُسۡرَ وَلِتُكۡمِلُوا الۡعِدَّةَ

(البقرۃ : ۱۸۴، ۱۸۵)

''تم پر روزے فرض کئے گئے۔۔۔ (وہ) گنتی کے (چند) دن ہیں۔ پس تم میں سے جو کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ بعد کے دنوں (کے روزوں) سے گنتی پوری کر لے۔۔۔ اللہ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور تمہارے لئے دشواری نہیں چاہتا تاکہ تم گنتی پوری کر سکو۔''

(۲) وَاذۡكُرُوا اللّٰهَ فِىۡۤ اَيَّامٍ مَّعۡدُوۡدٰتٍ (البقرۃ : ۲۰۳)

''اور اللہ کو (حج کے اِن) گنتی کے چند دنوں میں (خوب) یاد کیا کرو۔'' (۲۰۳ : ۲)

(5) کسی چیز کے شمار کرنے اور اُس کے حساب رکھنے کی بابت قرآن مجید یوں فرماتا ہے :

(۱) فَلَا تَعۡجَلۡ عَلَيۡهِمۡ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمۡ عَدًّا ۝ (مریم : ۸۴)

''سو آپ اُن پر (عذاب کے لئے) جلدی نہ کریں، ہم تو خود ہی اُن کے (انجام کے) لئے دن شمار کر رہے ہیں۔'' (۸۴ : ۱۹)

(۲) لَقَدۡ اَحۡصٰٮهُمۡ وَعَدَّهُمۡ عَدًّا ۝ (مریم : ۹۴)

''بے شک اُس (اللہ) نے اُنہیں اپنے (علم کے) احاطہ میں لے لیا ہے اور اُنہیں (ایک ایک کر کے) پوری طرح شمار کر رکھا ہے۔'' (۹۴ : ۱۹)

۳۸۶۸ (علمِ ریاضی ـ ـ Mathematics)

(۳) إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ (الطلاق : ۱)

"جب تم عورتوں کو طلاق دینا چاہو تو اُن کے طُہر کے زمانہ میں اُنہیں طلاق دو اور عدت کو شمار کرتے رہو۔" (۱ : ۶۵)

(۴) فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا O (الجنّ : ۲۴)

"اُنہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ کون مددگار کے اعتبار سے کمزورتر اور عدد کے اعتبار سے کم تر ہے۔" (۲۴ : ۷۲)

(۵) وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا O (الجنّ : ۲۸)

"اور (احکاماتِ الٰہیہ اور علومِ غیبیہ میں سے) جو کچھ اُن کے پاس ہے، اللہ نے (پہلے ہی سے) اُس کا احاطہ فرما رکھا ہے اور اُس نے ہر چیز کی گنتی شمار کر رکھی ہے۔" (۲۸ : ۷۲)

(6) دو درخشاں اور منوّر سیارگان یعنی شمس و قمر کے بیان میں قرآن مجید کچھ مقامات پر ریاضیاتی مسائل کا حوالہ دیتا ہے۔ مثلاً:

(۱) وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا (الانعام : ۹۶)

"اور اُسی نے رات کو آرام کے لئے اور سورج اور چاند کو وقت کے حساب و شمار کے لئے بنایا۔" (۶:۹۶)

(۲) هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَ الْحِسَابَ (یونس : ۵)

"وہی تو ہے جس نے سورج کو روشنی (کا منبع) بنایا اور چاند کو (اُس سے) روشن (کیا) اور اُس کے لئے منزلیں مقرر کیں تا کہ تم برسوں کا شمار اور (اوقات کا) حساب معلوم کر سکو۔" (۵ : ۱۰)

(۳) وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ فَمَحَوْنَا آيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلاً مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَ الْحِسَابَ (بنی اسراءیل : ۱۲)

"اور ہم نے رات اور دن کو (اپنی قدرت کی) دو نشانیاں بنایا پھر ہم نے رات کی نشانی کو تاریک بنایا اور ہم نے دن کی نشانی کو روشن بنایا تا کہ تم اپنے رب کا فضل (رزق) تلاش کر سکو اور تا کہ تم برسوں کا شمار اور حساب معلوم کر سکو۔" (۱۲ : ۱۷)

یہ اور اس قسم کی دوسری قرآنی آیات ایک طرف تو ہمارے ذہنوں پر اُس خالق و مالک کی عظمت و کبریائی کے اَن مٹ نقوش چھوڑتی ہیں تو دوسری طرف شمس و قمر کے دو روشن سیارگان برسوں اور دنوں کے شمار اور اُن کا حساب لگانے میں اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔ "اس طرح انسان کے اللہ کے ساتھ تعلق کو اعداد کے صفاتی پہلو انسانی ذہن میں تر و تازہ رکھتے ہیں جبکہ انسان کا شماریاتی عمل میں انہماک و استغراق اعداد کے مقداری پہلو کو گرہن نہیں لگنے دیتا یا اُن کے علامتی اثر کو نہیں بگاڑتا۔ اِس حقیقت کو مسلم سائنسدانوں نے اللہ کے ساتھ قریبی

تعلق رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنی ہمہ گیر' قاموسی(Encyclopaedic) علمی خدمات کے ذریعے ثابت کیا۔'' —
(Encyclopaedia of Seerah, Vol. 1, p. 340)

(7) کچھ قرآنی آیات ''وقت و زمان'' کے مفہوم کو نئی جہت عطا کرتی ہیں جیسا کہ اگلی کسی جلد میں انشاء اللہ ''فزکس'' کے عنوان کے تحت اس پر بات ہوگی۔ یہ آیات واضح طور پر اس بات کا پتہ دیتی ہیں کہ اللہ کی نظر میں عددی مقداریں انسان کے اپنائے ہوئے طریق سے بالکل مختلف ہیں۔ وقت (زمان) کے اس پہلو پر درج ذیل آیات ہماری راہ نمائی کرتی ہیں :

(۱) وَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ O (الحج : ۴۷)
''اور (عذاب کا) ایک دن آپ کے رب کے ہاں ایک ہزار سال کی مانند ہے (اُس حساب سے) جو تم شمار کرتے ہو۔'' (۴۷ : ۲۲)

(۲) یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ O (الٓمّٓ السَّجدة : ۵)
''وہ آسمان سے زمین تک (نظامِ اقتدار) کی تدبیر فرماتا ہے' پھر وہ امر اُس کی طرف ایک دن میں چڑھتا ہے جس کی مقدار ایک ہزار سال ہے اُس (حساب) سے جو تم شمار کرتے ہو۔'' (۳۲:۵)

(۳) تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ O (المعارج:۴)
''اُس کی طرف فرشتے اور روح الامین (جبریل) عروج کرتے ہیں ایک دن میں' جس کا اندازہ (دُنیوی حساب سے) پچاس ہزار برس کا ہے۔'' (۴ : ۷۰) ☆

(8) اسی طرح کا مفہوم اُن آیات پر محمول کیا جائے جن میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو اور اُن کے درمیان کی چیزوں کو فِیْ سِتَّةِ اَیَّام یعنی چھ دنوں میں پیدا فرمایا (بحوالہ سورۃ الاعراف:۵۴' ھُود :۷' اَلْفُرقان : ۵۹' اَلٓمّٓ السَّجدة: ۴' قٓ : ۳۸)۔ اللہ کی نظر میں چھ دنوں کا مطلب انسانی حساب کے سالوں سے ہزاروں ہزاروں سال کا ہے۔

اِن آیات نے ریاضی دانوں کے لئے نیا مواد اور نئی جہتیں فراہم کیں' دنیائے اعداد میں زیادہ گہرا جانے کی حوصلہ افزائی کی اور اپنے مسائل کے حل کرنے میں نئے نئے طریقے اور نئی تکنیکیں معلوم کرنے میں مدد کی۔ وہ قرآن مجید کی صداقت میں گھس جانے کے لئے کوشاں رہے' اُس کی صحیح معنویت کو سمجھنے میں سعی بلیغ کی اور اُس کی توضیح کے لئے موزوں تراکیب تلاش کرنے اور شمار کرنے میں مصروف کار رہے۔ قدرتی طور پر اس چیز

☆ یہاں سے نوری سال (Light-year) کے تصوّر کا استنباط ہوتا ہے۔

نے ریاضی کی دنیا میں رب تعالیٰ کی رضا میں نئے میدان اور نئے نظریات معلوم کرنے میں راہ نمائی کی۔ شاید بہت سے عاملین میں سے یہی وہ عامل ہے جس نے ریاضی کو "تمام علوم کی جڑ، عقل و دانش کا عنصر اور الٰہی علوم کا مبداء" ہونے کا استحکام بخشا اور علومِ اسلامیہ میں اُسے اُس کا استحقاقی مقام عطا کیا۔" (ایضاً، صفحہ ۳۴۱)

(9) وراثت پر سورۃ النساء کی آیات ۷، ۱۱، ۱۲ اور ۱۷۶ نے قوانینِ وراثت کے ریاضیاتی پہلو پر بڑی دلچسپی پیدا کی اور مسلم سماج پر اُنہوں نے اقتصادی اور اخلاقی اثرات چھوڑے۔

(10) رمضان المبارک کے مقدس مہینہ میں روزے کے اوقات میں شماریات کو بڑا دخل ہے (بحوالہ سورۃ البقرۃ: ۱۸۳ تا ۱۸۵)۔ یہ بات دنیا کے مختلف علاقوں میں اور سال کے مختلف موسموں میں روزے کے صحیح اوقات متعین کرنے میں ریاضی دان کے لئے خاصا موقع فراہم کرتی ہے۔ یہ بات بہترین عبادت گزار ہونے کے لئے لوگوں میں تقویٰ (خداخوفی) کی عادت ڈالنے میں بھی ممد ثابت ہوتی ہے۔

(11) ایمانداری کے ساتھ مکمل ناپ تول اور درست و بے خطا وزن ایماندارانہ اور صحیح کاروبار کے لئے ناگزیر شرط ہے۔ اس کی ترغیب درج ذیل آیات میں دی گئی ہے:-

(۱) اَوۡفُوا الۡكَيۡلَ وَالۡمِيۡزَانَ بِالۡقِسۡطِ (الانعام: ۱۵۲؛ ھود: ۸۵)

"پیمانے اور ترازو (یعنی ناپ اور تول) کو انصاف کے ساتھ پورا کیا کرو۔" (۶:۱۵۲؛ ۱۱:۸۵)

(۲) اَوۡفُوا الۡكَيۡلَ وَالۡمِيۡزَانَ وَلَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡيَآءَهُمۡ (الاعراف: ۸۵)

"ناپ اور تول کو پورا کیا کرو اور لوگوں کو اُن کی چیزیں گھٹا کر نہ دیا کرو۔" (۸۵ : ۷)

(۳) وَنَضَعُ الۡمَوَازِيۡنَ الۡقِسۡطَ لِيَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ فَلَا تُظۡلَمُ نَفۡسٌ شَيۡئًا (الانبیاء: ۴۷)

"اور ہم قیامت کے دن عدل و انصاف کے ترازو رکھ دیں گے، سو کسی جان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔" (۴۷ : ۲۱)

(۴) اَللّٰهُ الَّذِيۡۤ اَنۡزَلَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ وَالۡمِيۡزَانَ (الشوریٰ: ۱۷)

"اللہ وہی ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی اور (عدل و انصاف کا) ترازو (بھی اتارا)۔" (۱۷ : ۴۲)

"میزان" سے مراد وہ خداداد صلاحیت بھی ہوسکتی ہے جس کے ذریعے انسان حق و باطل، کھوٹے اور کھرے میں تمیز کرتا ہے۔ (عبداللہ یوسف علی، نوٹ: ۴۵۵۰)

(۵) لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا بِالۡبَيِّنٰتِ وَاَنۡزَلۡنَا مَعَهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡمِيۡزَانَ لِيَقُوۡمَ النَّاسُ بِالۡقِسۡطِ وَاَنۡزَلۡنَا الۡحَدِيۡدَ فِيۡهِ بَاۡسٌ شَدِيۡدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ (الحدید: ۲۵)

۳۸۷۔ا (علمِ ریاضی ۔۔Mathematics)

''ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور ہم نے اُن کے ساتھ کتاب کو اور انصاف کرنے کو نازل کیا تا کہ لوگ اعتدال پر قائم رہیں اور ہم نے لوہے کو (بھی) نازل کیا کہ اُس کے اندر شدید ہیبت ہے اور لوگوں کے لئے (اور بھی) فائدے ہیں۔'' (۵۷ : ۲۵)

یعنی معاشرے کی اصلاح اور قانون کی بالا دستی کے لئے تین چیزیں تحفتاً عطا کی گئیں: کتاب اللہ' انصاف اور لوہا۔ ''لوہے سے مراد یہی لوہا ہے جسے ہم آپ سب جانتے پہچانتے ہیں۔فِیْہِ بَأْس'' شَدِیْد' معمولی اور گھریلو چاقو' چھری' اُسترہ سے لے کر تلوار' خنجر' نیزہ' سنگین' پستول' رائفل' مشین گن' توپ وغیرہ سے ہوتے ہوئے جدید ترین قسم کے مہلک آلات' ایٹم بم وغیرہ پر نظر کر جائیے' ہر ایک میں کارفرمائی اِسی مہلک اور پُر ہیبت دھات لوہے ہی کی نظر آئے گی اور پھر ہتھیاروں یا اسلحہ کے علاوہ دوسرے قسم کے مہلک آلاتِ حرب' ٹینک' آرمرڈ کار' ڈریڈ نائٹ جہاز' آبدوز کشتیاں' تباہ کن کشتیاں' بمباز طیارے' شکاری طیارے وغیرہا' ان سب کو بھی نظر میں رکھئے جب جا کر لفظِ قرآنی کی حیرت انگیز ومعجزانہ جامعیت کی قدر ہوگی۔ وَمَنَافِعُ لِلنَّاس آج دنیا جس کارخانہ عالم کو کارگاہِ تہذیب وتمدن کے نام سے یاد کرتی ہے' اس سے لوہے کے چھوٹے بڑے سارے مصنوعات' گھریلو ہل' سوئی' نِب' پین' سیفٹی پین' قینچی' ہولڈر' پھاوڑہ' بیلچہ' کدال' اُسترے' ناخن گیر' کرچھے' دست پناہ' کھرپے' گنڈاسے' کلہاڑی' چھلنی' ہاون دستہ' ہتھوڑے' انگیٹھی' ترازو کے باٹ اور پلڑے' کیل' برنجی کیل' چولھے' کنجی' قفل' آرے' قبضے' پیچکس' زنجیر' کنڈی' چھتری کی تیلیوں' بائیکل کی تیلیوں اور تانگوں' گاڑیوں کی کمانیوں' دھونکنی' سلاخیں' توے' پہیوں کے آہنی خول' موٹر اور موٹر سائیکلیں' ریلوے انجن' فائر انجن' ٹیلیفون' ٹیلیگراف' ریڈیو کے تار' ریل کی پٹڑیوں' ٹراموے اور ان سب کے اندر کے بے شمار پرزوں اور جنگی وغیر جنگی' رزمی' بزمی' اَن گنت بڑی اور چھوٹی مشینوں کو ذرا معدوم فرض کر کے دیکھئے کہ اعلیٰ شہری تمدن تو خیر بڑی چیز ہے' ادنیٰ دیہاتی تمدّن بھی باقی رہ جاتا ہے؟ یہ سارے جائزے لے ڈالنے کے بعد الفاظِ قرآنی کی معجزانہ جامعیت پر بے اختیار قربان ہو جانے کو جی چاہے گا۔'' (تفسیر ماجدی اردو' صفحہ ۱۰۸۱' نوٹ: ۳۹)

یہ آیت واضح طور پر ریاضی دانوں کے لئے عدل وانصاف کے بنیادی اصول (''میزان'') کو بیان کرتی ہے۔اس طرح قرآنی مطالعہ نے اِنہی خطوط پر مساوات اور اس طرح کے دوسرے ریاضیاتی مسائل کی تحقیق پر انسان کو تحریک دی ہے۔اسی لئے بجا طور پر کہا گیا ہے کہ علم ریاضی کو علومِ اسلامیہ میں خصوصی مقام حاصل ہے۔

(12) عربی لفظ ''حساب'' (شمار اور گنتی کے معنی میں) قرآن میں چودہ (۱۴) مرتبہ استعمال ہوا ہے' جیسے:

وَاللّٰہُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَاب O(البقرۃ: ۲۱۲؛ النور: ۳۸)

''اللہ بغیر کسی شمار اور گنتی کے جسے چاہے رزق عطا فرماتا ہے۔'' (۲:۲۱۲ ؛ ۳۸ :۲۴)

اور یہی لفظ ''حساب'' جوابدہی کے معنی میں قرآن میں بتیس (۳۲) بار استعمال ہوا ہے' جیسے :

۳۸۷۲ (علمِ ریاضی -- Mathematics)

(۱) رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ O (ابراھیم: ۴۱)
''اے ہمارے پروردگار! جس دن جوابدہی قائم ہو مجھے' میرے والدین اور مؤمنوں کو بخش دینا۔''
(۱۴ : ۴۱)

(۲) وَھُوَ سَرِیْعُ الْحِسَاب O (اَلرَّعْد : ۴۱)
''اور وہ جلد جواب طلبی کرنے والا ہے۔'' (۴۱ :۱۳)

سورۃ البقرۃ کی محولہ بالا آیت ۲۱۲ سے ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کسی منظم ناپ اور مقررہ قانون کے بغیر خدائی عطیات کیسے عطا کئے جا رہے ہیں؟ ایسا خیال کم فہمی کا نتیجہ ہے۔ درحقیقت زور غیر مختتم (ختم نہ ہونے والے) خدائی عطیات کی کثرت پر ہے اس حقیقت کو اجاگر کرنے کے ساتھ کہ مستفید ہونے والے شخص میں اتنی استعداد ہی نہیں کہ وہ اُن عطیات کو اپنی جھولی میں سما سکے' یہاں تک کہ اپنے وقت کا ایک بڑا ریاضی دان؛ یہ نہیں بتا سکتا کہ اُس نے آٹے یا جَو کے کتنے کلومن اپنی زندگی میں استعمال کئے ہیں۔ ''اللہ کے بغیر حساب دینے'' کا یہی مطلب ہے ورنہ رب تعالیٰ یہ نہ فرماتا :

اَللّٰہُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ (الرّعد: ۲۶ ؛ اَلشُّوریٰ : ۱۲)
''اللہ جس کے لئے چاہتا ہے' رزق کھول دیتا ہے اور جس کے لئے چاہے' رزق تنگ کر دیتا ہے۔'' (۲۶:۱۳؛۱۲:۴۲)

کیونکہ جوابدہی کے بغیر کثرت اور بندش کا سوال غیر متصور رہے۔ جوابدہی کا سوال غیر مختتم عطیات کی فراہمی کے ساتھ اٹھتا ہے۔ اسی حقیقت کو سورۃ التّکاثُر میں یوں بیان کیا گیا ہے:۔

ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ O (اَلتَّکَاثُر : ۸)
''پھر اُس دن تم سے (اللہ کی) نعمتوں کے بارے میں ضرور پوچھا جائے گا
(کہ تم نے اُنہیں کہاں کہاں اور کیسے کیسے خرچ کیا تھا)۔ (۸ : ۱۰۲)

(13) کائنات کا ہر ہر ذرّہ اور چھوٹی سے چھوٹی بنیادی اکائی (Molecule) ریاضیاتی قانون کے تابع ہے جسے اللہ بزرگ و برتر کی خودمختار قدرتِ کاملہ نے وضع کیا ہے اور یہ حقیقت اس نظام کے ''علم الاعداد'' کے ساتھ ناقابلِ جدا گہرے تعلق کی مظہر ہے۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں :۔

(۱) ھُوَالَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَہٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَ الْحِسَابَ (یونُس : ۵)
''وہی تو ہے جس نے سورج کو روشنی (کا منبع) بنایا اور چاند کو (اُس سے) روشن (کیا) اور اُس کے لئے منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کا شمار اور (اوقات کا) حساب معلوم کر سکو۔'' (۵ : ۱۰)

(۲) وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّھَا ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ O وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰہُ مَنَازِلَ حَتّٰی

عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ٥ لَاالشَّمْسُ يَنْبَغِيْ لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَاالَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ٥ (یٰسٓ : ۳۸ تا ۴۰)

''اور آفتاب اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا رہتا ہے' یہ زبردست اور علم والے خدا کا اندازہ ٹھہرایا ہوا ہے اور (ایک نشانی) چاند بھی کہ ہم نے اُس کے لئے منزلیں مقرر کر دی ہیں یہاں تک کہ وہ کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح رہ جاتا ہے۔ نہ آفتاب کی مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آ سکتی ہے اور سب ایک دائرے میں تیر رہے ہیں۔'' (۳۸ تا ۴۰ : ۳۶)

(۳) اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ٥ (الرّحمٰن : ۵)

''سورج اور چاند (اُسی کے) مقرّرہ حساب سے چل رہے ہیں۔'' (۵ : ۵۵)

''فلکیات سے متعلق نہایت بسیط و عظیم کائنات میں جسے سوچنا محال ہے' ریاضیاتی قوانین ہیں جو اللہ کی حکمتِ کاملہ اور اپنی مخلوقات پر اُس کی عنایات و نوازشات کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ ہم سب حرارت' روشنی' موسموں اور سمندری جوار بھاٹا (مدّ و جزر) کی متعدد تبدیلیوں سے مستفید ہوتے ہیں جن پر ہماری زمین کی تشکیل اور زندگی کے قائم و دائم ہونے کا انحصار ہے۔'' (یوسف علی' نوٹ: ۵۱۴۵)

(14) ہر مخلوق کو پیدا کرنے کے بعد خالق نے اُسے تنہا اور آوارہ پھرنے کے لئے کسی منظم اور با ضابطہ قانون کے بغیر نہیں چھوڑ دیا جس سے اُس کی بے مقصد تخلیق ظاہر ہوتی ہو' بلکہ اپنی تمام مخلوقات کے لئے نہ صرف اُس نے قواعد و ضوابط کی تشکیل کی بلکہ اُنہیں وہ تمام آرام اور سہولیات مہیا کیں جو اُن کی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لئے ضروری تھیں۔ جیسا کہ سورۃ الاعراف اور سورۃ المنافقون میں بیان ہوا' اُس نے اُن کا عرصۂ حیات متعیّن کیا جس سے کسی ذی نفس کو فرار حاصل نہیں:

(۱) وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ٥ (الاعراف : ۳۴)

''اور ہر امت کے لئے ایک میعاد مقرر ہے' سو جب اُن کی میعادِ مقررہ آ جاتی ہے تو وہ ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے۔'' (۳۴ : ۷)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر مخلوق کا عرصۂ حیات عددی طور پر مقرر کر دیا گیا ہے جیسا کہ سورہ الجن کی آخری آیت میں بیان ہوا جس کا حوالہ سابقہ صفحہ ۳۸۵۶ (۵) میں دیا جا چکا ہے۔

(۲) وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا (المنافقون : ۱۱)

''اور اللہ ہرگز کسی کو مہلت نہیں دیتا جب اُس کی میعادِ مقررہ آ جاتی ہے۔'' (۱۱ : ۶۳) ☆

☆ ذیلی نوٹ اگلے صفحہ کے آخر میں ملاحظہ ہو۔

بات کو دہراتے ہوئے ہم پھر یہی کہیں گے کہ اُس کی ہر ہر مخلوق خواہ وہ آسمانی ہو یا زمین پر کے ریت کے چھوٹے چھوٹے ذرّوں کی ہو' اُس کے شمار اور گنتی میں ہے جیسا کہ سورہ مریم کی آیت ۹۴ میں بیان ہوا جس کا حوالہ سابقہ صفحہ ۳۸۶۷ کے آخر میں (۲) کے تحت دیا جا چکا ہے۔

(15) جیسا کہ درج بالا بحث سے ظاہر ہے کہ علم الاعداد رب تعالیٰ کا اختیار کردہ عنوان ہے۔ اپنی رحمتِ کاملہ میں سے اُس نے اپنی مخلوق حضرتِ انسان کو بھی اور کچھ فرشتوں کو بھی جزوِ قلیل (Fraction) عطا کیا ہے۔ سورۃ المؤمنون کی آیت ۱۱۳ میں فرمایا: فَاسْئَلِ الْعَادِّيْنَ (آپ اعداد و شمار کرنے والوں سے پوچھ لیں)

(16) قرآن ایک مقام پر جینیاتی ضابطے کے متعلق قادرِ مطلق کے ریاضیاتی پروگرام کو بہ تسلسل یوں بیان کرتا ہے:

وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ (حٰمٓ السجدة:۴۷)

''اور نہ پھل اپنے غلافوں سے نکلتے ہیں اور نہ کوئی مادہ حاملہ ہوتی ہے اور نہ وہ بچہ جنتی ہے مگر (یہ سب کچھ) اُس کے علم میں ہوتا ہے۔'' (۴۱ : ۴۷)

بہ الفاظِ دیگر یہ کہنا بجا ہے کہ ہر خلیہ کو تسلسل میں اپنا ریاضیاتی پروگرام دیا جاتا ہے اور یہ کہ حیات (یا گرم خیزی Vitality) کے دو مختلف پہلو ہیں۔ وہ چھوٹے چھوٹے ذرّات جو ذی حیات وجود (Organism) کی تشکیل کرتے ہیں' اُس کے مادّی اجزائے ترکیبی ہیں جبکہ اُس کی ساخت پر نافذ ہونے والا ریاضیاتی پروگرام ایک کمپیوٹرائی پروگرام کے قریب قریب ہے۔

وسیع معنی میں ریاضی کی چار شاخیں ہیں:

(الف) علم الہندسہ (۲) الجبرا (۳) جیومیٹری اور (۴) علم مثلثات (Trigonometry)

☆ (سابقہ صفحہ کا ذیلی نوٹ) کچھ مفسرین کا خیال ہے کہ آیتِ بالا ہمارے نبیِ اکرم ﷺ کے بارے میں براہِ راست اشارہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ نبیِ مکرّم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مشن جونہی تکمیل پذیر ہو' ہم اُنہیں دارالفنا سے دارالبقاء کی طرف بلا لیں گے۔ اب قابلِ توجہ نکتہ یہ ہے کہ دارالبقاء کو سدھارنے کے وقت آپ کی عمرِ مبارک تریسٹھ (۶۳) برس تھی اور سورۂ المُنافِقون جس میں آیتِ بالا وارد ہوئی' کا نمبر بھی تریسٹھ (۶۳) ہے جس میں آپ کے اِس دنیا سے تشریف لے جانے کا ذکر ہے۔ اس سے اگلی سورۃ التَّغَابُن کا تعلق یومِ حشر اور روزِ جزا و سزا سے ہے۔ اِس منطقی مناسبت کو پڑھنے کے بعد بظاہر نتیجہ یہ نکلا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال شریف اور یومِ حشر کے درمیان کوئی رسول اور اللہ کا کوئی پیغمبر نہیں آئے گا اور رسالت کا منصبِ عظیم آپ ﷺ کی ذاتِ ستودہ صفات پر ختم ہو گیا ہے۔

۳۸۷۵ (علمِ ریاضی ۔۔Mathematics)

(الف) علم الہندسہ (Arithmetic)

ریاضی کی وہ شاخ جس کا تعلق اعداد کے جمع کرنے، ضرب دینے وغیرہ سے ہو، علم الہندسہ کہلاتی ہے۔
(Oxford Advanced Learner's Dictionary, p. 53)

(1) اعداد کو بہ ترتیب شمار کرنا: قرآنی مثالیں درج ذیل ہیں :۔

(۱) وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (ابراهيم : ۳۴؛ النّحل : ۱۸)
"اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو اُنہیں شمار نہ کرسکو گے۔" (۳۴ : ۱۴ ؛ ۱۸ : ۱۶)

(۲) سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ (الكهف : ۲۲)
"عنقریب بعض لوگ کہیں گے کہ وہ تین تھے اور چوتھا اُن کا کتا تھا اور بعض کہیں گے کہ وہ پانچ تھے، چھٹا اُن کا کتا تھا، یہ اُن کی اٹکل کے تکے ہیں اور بعض کہیں گے کہ وہ سات تھے اور آٹھواں اُن کا کتا تھا۔" (۲۲ : ۱۸)

(۳) اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا آتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًاO لَقَدْ اَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّاO (مریم : ۹۳، ۹۴)
"آسمانوں اور زمین کی وسعتوں میں جس قدر بھی (مرئی وغیر مرئی مخلوقات بستی ہے) سب کی سب اپنی گردنوں میں اُس کی عبدیت کا طوق ڈالے اُس کے حضور پیش ہوگی۔ بے شک اُس (اللہ) نے اُنہیں اپنے (علم کے) احاطہ میں لے لیا ہے اور اُنہیں (ایک ایک کر کے) پوری طرح شمار کر رکھا ہے۔"

(2) لنگڑی کسر، سادہ کسر (Vulgar Fraction) جسے اعشاری طور کی بجائے شمار کنندہ اور نسب نما کے ذریعے ظاہر کیا جائے۔ جیسے 3/1، 4/3، 2/1، 8/1 وغیرہ۔ سورۃ النساء کی آیات ۱۱، ۱۲ اِس کی موزوں مثالیں ہیں :

لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ فَاِنْ كَانَ لَهٗ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَا اَوْ دَيْنٍ۔۔۔۔وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَا اَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَا اَوْ دَيْنٍ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ فَاِنْ كَانُوْا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَا اَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَآرٍّ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌO (النساء : ۱۱، ۱۲)

" مرد کا حصّہ دو عورتوں کے حصّہ کے برابر ہے اور اگر دو سے زائد عورتیں ہوں تو اُن کے لئے دو تہائی (حصّہ) اُس مال کا ہے جو مورث چھوڑ گیا ہے' اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اُس کے لئے نصف حصّہ ہے اور مورث کے والدین یعنی ان دونوں میں سے ہر ایک کے لئے اُس (مال) کا چھٹا حصّہ ہے جو وہ چھوڑ گیا ہے بشرطیکہ مورث کی کوئی اولاد ہو اور اگر مورث کی کوئی اولاد نہ ہو اور اُس کے والدین ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کا ایک تہائی ہے لیکن اگر مورث کے بھائی بہن ہوں تو اس کی ماں کے لئے چھٹا حصّہ ہے وصیت کے نکالنے کے بعد کہ مُورث اس کی وصیت کر جائے یا ادائے قرض کے بعد۔۔۔ اور تمہارے لئے اُس (مال) کا آدھا حصّہ ہے جو تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں بشرطیکہ اُن کی کوئی اولاد نہ ہو۔ اور اگر اُن کی اولاد ہو تو تمہارے لئے بیویوں کے ترکے کی چوتھائی ہے وصیّت نکالنے کے بعد جس کی وہ وصیّت کر جائیں یا ادائے قرض کے بعد۔ اور اُن بیویوں کے لئے تمہارے ترکہ کی چوتھائی ہے بشرطیکہ تمہاری کوئی اولاد نہ ہو لیکن اگر تمہاری کوئی اولاد ہو تو اُن (بیویوں) کو تمہارے ترکہ کا آٹھواں حصّہ ہے بعد وصیت نکالنے کے جس کی تم وصیت کر جاؤ یا ادائے قرض کے بعد۔ اگر کوئی مُورث مرد یا عورت ایسا ہو جس کے نہ اصول ہوں نہ فروع اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو دونوں میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصّہ ہے اور اگر یہ لوگ اس سے زیادہ ہوں تو وہ ایک تہائی میں شریک ہوں گے بعد وصیّت نکالنے کے جس کی وصیت کر دی جائے یا ادائے قرض کے بعد بغیر کسی نقصان پہنچائے۔ یہ حکم اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ بڑا علم والا ہے' بڑا بُردبار ہے۔" (۴ : ۱۱'۱۲)

"کَلالۃ کے لئے اردو میں کوئی ایک لفظ موجود نہیں۔ کَلالۃ عربی میں ایسے شخص کو کہتے ہیں جس کے نہ باپ دادا میں سے کوئی موجود ہو اور نہ اولاد دَر اولاد میں سے کوئی موجود ہو۔ غَیْرَ مُضَآرٍّ یعنی مُورث کسی کو نقصان نہ پہنچائے نہ عملاً نہ ارادۃً۔ عملاً کی مثال یہ کہ وصیّت ایک تہائی سے زائد کی کر دی۔ ایسی وصیّت قانونِ شریعت کے خلاف ہونے کی بناء پر نا قابلِ نفاذ ہوگی۔ ارادۃً یہ کہ وصیّت رکھے تو ایک تہائی کے اندر ہی لیکن نیت یہ ہو کہ وارث کا حصّہ کٹ جائے۔ ایسی وصیّت کا نفاذ قانوناً تو ہو جائے گا لیکن وصیّت کرنے والا عند اللہ گنہگار رہوگا۔ اسلام اپنے پیروؤں سے قدم قدم پر عمل کے ساتھ ساتھ نیّت میں بھی اخلاص و صداقت چاہتا ہے۔" (تفسیر ماجدی اردو' صفحہ ۱۸۲' نوٹ: ۴۶۱' ۴۶۲)

" اَعداد کا اعشاری نظام: عام علم الہندسہ کے نظام میں اعداد کی نمائندگی 10 کی طاقت کے خطی اتّصال (Linear Combination) کے طور پر کی جاتی ہے۔ Base 10 ☆ کا اپنا ایک مخرج اس حقیقت میں ہے کہ انسان کے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کی تعداد 10 ہے۔ اس کے علاوہ اعداد کے اعشاری نظام کی دوسرے نظاموں پر ترجیح دیتے ہوئے اس کی سفارش کی جاتی ہے۔ (MacGraw-Hill Encyclopedia of Science and Technology, Vol. 4, p.46)

☆ Base یا Radix کوئی عدد یا علامت جسے کسی عدد شماری کی بنیاد بنایا جائے۔

۳۸۷۔ (علمِ ریاضی ۔۔ Mathematics)

کسر (Fraction): کُل کا کوئی جزء ''کسر'' کہلاتا ہے' جیسے پونڈ کی کسر اور جزء' کسی رقبے کی کسر' انچ کی کسر' گھنٹے کی کسر یا کسی گروپ کی کسر (Encyclopaedia Britannica, Vol. 9, p. 574)۔

مزید معلومات کے لئے D.E. Smith کی کتاب "History of Mathematics" Vol. 2 کے صفحات 93-477, 20-418, 27-208 کی طرف رجوع کیا جائے "General Development of the Various Types of Fractions" کے عنوان کے تحت۔

قرآن مجید میں کسروں کے عام استعمال بالخصوص سورۃ النساء کی آیات ۱۱' ۱۲ میں قانونِ وراثت کے بیان سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جاہلیت کے اُس دَور میں جب قرآن مجید نازل ہو رہا تھا' اہلِ عرب کسری نظام سے بالکل واقف تھے اور وہ اُس کا استعمال اپنی روزمرّہ زندگی اور کاروباری لین دین میں کرتے تھے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ قرآن مجید اپنے مختلف بیانات میں کسری (یا اعشاری) نظام کا استعمال کیسے کرتا ہے:۔

دسواں حصہ (One-tenth 1/10): وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ O (سبا: ۴۵)

''اور اِن سے پہلے لوگوں نے بھی (حق کو) جھٹلایا تھا اور یہ اُس کے دسویں حصہ کو بھی نہیں پہنچے جو کچھ ہم نے اُن (پہلوں) کو دیا تھا' پھر اُنہوں نے (بھی) میرے رسولوں کو جھٹلایا' سو میرا کیسا عذاب ہوا۔'' (۳۴:۴۵)

آٹھواں حصہ (One-eighth 1/8): فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ (النساء: ۱۲)

''اگر تمہاری کوئی اَولاد ہو تو اُن (بیویوں) کے لئے تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں حصہ ہے' تمہاری اُس (مال) کی نسبت کی ہوئی وصیت (پوری کرنے) یا (تمہارے) قرض کی ادائیگی کے بعد۔'' (۴ : ۱۲)

چھٹا حصہ (One-sixth 1/6): فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ (النساء: ۱۱)

''اگر مورث کے بھائی بہن ہوں تو اُس کی ماں کے لئے چھٹا حصہ ہے' (یہ تقسیم) اُس وصیت (کے پورا کرنے) کے بعد جو اُس نے کی ہو یا قرض (کی ادائیگی) کے بعد (ہوگی)۔'' (۴ : ۱۱)

پانچواں حصہ (One-fifth 1/5): وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ (الانفال: ۴۱)

۳۸۷ (علمِ ریاضی -- Mathematics)

''اور جان لو کہ جو کچھ مالِ غنیمت تم نے پایا' تو اُس کا پانچواں حصّہ اللہ کے لئے اور رسول (ﷺ) کے لئے اور رسول (ﷺ کے) قرابتداروں کے لئے' یتیموں' محتاجوں اور مسافروں کے لئے ہے۔'' (۸:۴۱)

چوتھا حصّہ (One-fourth 1/4) : فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ (النساء : ۱۲)

''اگر اُن بیویوں کی کوئی اولاد ہو تو تمہارے لئے اُن کے ترکہ سے چوتھائی ہے (یہ بھی) اُس وصیت (کے پورا کرنے) کے بعد جو اُنہوں نے کی ہو یا قرض (کی ادائیگی) کے بعد۔'' (۴ : ۱۲)

تیسرا حصّہ (One-third 1/3) : فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ (النساء: ۱۱)

''اگر اُس میّت (مورث) کی کوئی اولاد نہ ہو اور اُس کے وارث صرف اُس کے ماں باپ ہوں تو اُس کی ماں کے لئے تہائی ہے۔'' (۴ : ۱۱)

نصف حصّہ (Half 1 / 2) : وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ (النساء : ۱۲)

'' اور تمہارے لئے اُس (ترکہ) کا آدھا حصّہ ہے جو تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں بشرطیکہ اُن کی کوئی اولاد نہ ہو۔'' (۴ : ۱۲)

دو تہائی حصّہ (Two-third 2 / 3) : إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِنْ ثُلُثَيِ اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ (اَلمُزّمّل : ۲۰)

''بے شک آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ (کبھی) دو تہائی شب کے قریب اور (کبھی) نصف شب اور (کبھی) ایک تہائی شب (نماز میں) قیام کرتے ہیں۔'' (۷۳ : ۲۰)

نوٹ : کسری (اعشاری) نظام سے شمار کنندہ (Numerator)' نسب نما (Denominator) اور حاصل قسمت (Quotient) کا تصوّر پیدا ہوا۔

شمار کنندہ (Numerator): وہ عدد جو حسابی ترقیم میں خط کے اوپر لکھا جائے یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ نسب نما کی نشاندہی کے لئے کتنے حصّے نکالے گئے ہیں جیسے $\frac{2}{3}$ میں 2 کا عدد۔

نسب نما (Denominator) : غیر اعشاری کسور میں خطِ تقسیم کے نیچے کا عدد یا رقم جیسے $\frac{2}{3}$ میں 3 کا عدد۔

۳۸۷۹ (علمِ ریاضی ۔۔Mathematics)

حاصل قسمت (Quotient) : یہ تقسیم کے عمل کا نتیجہ ہوتا ہے جیسے $\frac{27}{9}$ میں 3 حاصلِ قسمت ہے۔

قدرتی اعداد (Natural Numbers) : قرآن مجید میں ان کی مثالیں حسب ذیل ہیں :۔

صفر (0) : اَوَلَا یَذْکُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ یَکُ شَیْئًاO (مریم : ۶۷)
" کیا انسان اس بات کو یاد نہیں کرتا کہ ہم نے اس سے پہلے (بھی) اُسے پیدا کیا تھا جبکہ وہ کوئی چیز ہی نہ تھا (یعنی صفر تھا)۔" (۶۷ : ۱۹)

ایک (1) : قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌO (الاخلاص : ۱)
(اے حبیبِ لبیب!) فرما دیجئے : وہ اللہ ایک ہے۔" (۱ : ۱۱۲)

دو (2) : وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْا اِلٰهَیْنِ اثْنَیْنِ (النّحل : ۵۱)
"اور اللہ نے فرمادیا: تم دو معبود مت بناؤ۔" (۵۱ : ۱۶)

تین (3) : یَخْلُقُکُمْ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِکُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِیْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ (اَلزُّمَر : ۶)
"تمہاری شکم ہائے مادر میں وہ تین تاریک پردوں کے اندر تمہیں ایک کے بعد ایک شکل دیتا چلا جاتا ہے۔" (۶ : ۳۹)

چار (4) : وَاللّٰهُ خَلَقَ کُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ فَمِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰی بَطْنِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰی رِجْلَیْنِ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰٓی اَرْبَعٍ (النور : ۴۵)
"اور اللہ نے ہر چلنے پھرنے والے (جاندار) کی پیدائش (کی کیمیائی ابتداء) پانی سے فرمائی پھر اُن میں سے بعض وہ ہیں جو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں اور اُن میں سے بعض وہ ہیں جو دو پاؤں پر چلتے ہیں اور اُن میں سے بعض وہ ہیں جو چار پاؤں پر چلتے ہیں۔" (۴۵ : ۲۴)

پانچ (5) : سَیَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ" رَّابِعُهُمْ کَلْبُهُمْ وَیَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ" سَادِسُهُمْ کَلْبُهُمْ (الکھف : ۲۲)
" کچھ لوگ کہیں گے : (اصحابِ کہف) تین تھے' اُن میں سے چوتھا اُن کا کتا تھا اور بعض کہیں گے وہ پانچ تھے' اُن میں سے چھٹا اُن کا کتا تھا۔" (۲۲ : ۱۸)

چھ (6) : وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍO
"اور بے شک ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور اُس (کائنات) کو جو دونوں کے درمیان ہے'

چھ مرحلوں ☆ میں تخلیق کیا ہے اور ہمیں کوئی تکان نہیں پہنچی۔" (۳۸ : ۵۰)

سات (7): اَلَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا (اَلْمُلك : ۳)
"(وہ وہی تو ہے) جس نے سات آسمانی کرّے باہمی مطابقت کے ساتھ (تہہ بہ تہہ) پیدا فرمائے۔" (۳ : ۶۷)

آٹھ (8): قَالَ اِنِّیْٓ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ (اَلْقَصَص : ۲۷)
"(شعیب علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا:) میں چاہتا ہوں کہ اپنی اِن دو بیٹیوں میں سے ایک تمہارے نکاح میں دے دوں اِس شرط پر کہ تم آٹھ سال میری نوکری کرو۔" (۲۷ : ۲۸)

نو (9): وَ كَانَ فِی الْمَدِیْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ یُّفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَلَا یُصْلِحُوْنَ O (اَلنَّمل : ۴۸)
"اور (قومِ ثمود کے) شہر میں نو سر کردہ لیڈر ملک میں فساد پھیلاتے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے۔" (۴۸ : ۲۷)

دس (10): لَا یُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِیْٓ اَیْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ یُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَیْمَانَ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِیْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِیْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ (المائدة : ۸۹)
"اللہ تمہاری بے مقصد قسموں میں تمہاری گرفت نہیں فرماتا لیکن تمہاری اُن (سنجیدہ) قسموں پر گرفت فرماتا ہے جنہیں تم (ارادی طور پر) مضبوط کرلو (اگر تم ایسی قسم کو توڑ ڈالو) تو اُس کا کفّارہ دس مسکینوں کو اوسط (درجہ کا) کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا (اسی طرح) ان (مسکینوں) کو لباس دینا ہے یا ایک گردن (یعنی غلام یا باندی کو) آزاد کرنا ہے۔" (۸۹ : ۵)

گیارہ (11): اِذْ قَالَ یُوْسُفُ لِاَبِیْهِ یٰٓاَبَتِ اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ (یُوسُف : ۴)

☆یوم (جس کی جمع اَیّام ہے) کا متعارف معنیٰ طلوعِ آفتاب سے غروبِ آفتاب تک کا وقت ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں یوم سے مراد متعارف یوم ۲۴ گھنٹوں والا تو ہو نہیں سکتا کیونکہ یوم کا تصوّر طلوع و غروبِ آفتاب سے ہے۔ آفتاب آسمان میں ہوتا ہے۔ جب آسمان کی تخلیق بھی نہ ہوئی تھی تو آفتاب کہاں تھا؟ لہٰذا یوم سے یہاں مراد مرحلہ ہے یا اس سے مراد ایام دنیا میں سے چھ دنوں کی مقدار ہے یا اس سے مراد چھ مختلف زمانے ہیں (تفسیر بیضاوی)۔

''جب یوسف (علیہ السلام) نے اپنے والد سے کہا: اے میرے والدِ محترم! میں نے (خواب میں) گیارہ ستاروں' سورج اور چاند کو اپنے لئے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔'' (۱۲:۴)

بارہ (12): اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَاللهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللهِ (التوبة ۳۶)
''بے شک اللہ کے نزدیک مہینوں کی گنتی اللہ کی کتاب (یعنی نوشتۂ قدرت) میں بارہ مہینے (لکھی) ہے۔'' (۹ : ۳۶)

(B) درجاتی اعداد (Ordinal Numbers)

وہ اعداد جو اعداد کے مربوط سلسلہ میں کسی چیز کے مقام اور حیثیت کو ظاہر کریں' درجاتی اعداد کہلاتے ہیں جیسے: پہلا' دوسرا' تیسرا' چوتھا وغیرہ۔ سورۃ الکہف میں ان اعداد کی مثال اُس کتے میں دی گئی ہے جسے چوتھا' چھٹا اور آٹھواں کہا گیا ہے۔ [قرآنی متن ملاحظہ ہو سابقہ صفحہ ۳۸۷۵ (۲) کے تحت۔]

(C) اعدادِ ترتیبی (Cardinal Numbers)

: جیسے ایک' دو' تین' چار وغیرہ۔
وَاَمَّا عَادٌ'' فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍO سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا (اَلْحَاقَّة : ۶'۷)
''اور رہے قومِ عاد کے لوگ تو وہ تیز آندھی سے ہلاک کر دیے گئے جو انتہائی سرد نہایت گرجدار تھی۔ اللہ نے اُس (آندھی) کو اُن پر مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن مسلّط رکھا۔''(۶'۷ : ۶۹)

(D) مرکّب اعداد (Compound Numbers)

: یہ دو ہندسوں سے مل کر بنتے ہیں۔ جیسے ۲۰' ۳۰' ۲۸' ۴۹' ۹۹ وغیرہ۔ ۱۰۰ تک کے مرکب اعداد' اعدادِ مرکب کہلاتے ہیں۔ انگریزی میں اعدادِ مرکّب کے دو ہندسوں کے درمیان ہائیفن (-) ڈالی جاتی ہے' جیسے: Twenty-five, Sixty-six وغیرہ۔ اس کی مثال سورہ صٓ میں ملتی ہے:
اِنَّ هٰذَا اَخِيْ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ'' (صٓ : ۲۳)
''بے شک یہ میرا بھائی ہے' اُس کی ننانوے دُنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک ہی دُنبی ہے۔'' (۳۸:۲۳)

ننانوے (۹۹) کا عدد دو ہندسوں یعنی ۹' ۹ کا مرکب عدد ہے جسے انگریزی میں ہائیفن (-) کے ساتھ Ninety-nine لکھا جاتا ہے۔

(E) منتشر اعداد (Scattered Numbers)

: قرآن مجید میں منتشر اعداد کی تفصیل یہ ہے:
19 : لَوَّاحَةٌ'' لِّلْبَشَرِO عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَO (اَلْمُدَّثِّر : ۲۹' ۳۰)
''(نارِ جہنم) جسمانی کھال کو جھلسا کر سیاہ کر دینے والی ہے۔ اُس پر اُنیس فرشتے مقرر ہیں (۲۹'۳۰:۷۴)

۳۸۸۲ (علمِ ریاضی ۔۔Mathematics)

20 : اِنۡ یَّکُنۡ مِّنۡکُمۡ عِشۡرُوۡنَ صٰبِرُوۡنَ یَغۡلِبُوۡا مِائَتَیۡنِ (الانفال : ۶۵)
''اگر تم میں سے (جنگ میں) بیس ثابت قدم رہنے والے ہوں تو وہ دو سو (کفار) پر غالب آئیں گے۔'' (۸ : ۶۵)

30 : وَحَمۡلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوۡنَ شَهۡرًا (الاحقاف : ۱۵)
''اور اُس کا (پیٹ میں) اُٹھانا اور اُس کا دودھ چھڑانا (یعنی زمانہ حمل و رضاعت) تیس ماہ (پر مشتمل ہے)۔'' (۴۶ : ۱۵)

40 : قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَیۡهِمۡ اَرۡبَعِیۡنَ سَنَةً (المائدۃ : ۲۶)
''(رب نے) فرمایا: یہ (سرزمین) اِن (نافرمان) لوگوں پر چالیس سال تک حرام کر دی گئی ہے۔''

50 : وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِهٖ فَلَبِثَ فِیۡهِمۡ اَلۡفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمۡسِیۡنَ عَامًا (العنکبوت: ۱۴)
''اور بے شک ہم نے نوح (علیہ السلام) کو اُن کی قوم کی طرف بھیجا تو وہ اُن میں پچاس برس کم ایک ہزار سال رہے۔'' (۲۹ : ۱۴)

60 :فَمَنۡ لَّمۡ یَجِدۡ فَصِیَامُ شَهۡرَیۡنِ مُتَتَابِعَیۡنِ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّتَمَآسَّا فَمَنۡ لَّمۡ یَسۡتَطِعۡ فَاِطۡعَامُ سِتِّیۡنَ مِسۡکِیۡنًا (المجادلۃ : ۴)
''پھر جسے (غلام یا باندی) میسر نہ ہو تو دو ماہ متواتر روزے رکھنا (لازم ہے) قبل اس کے کہ وہ ایک دوسرے کو مَس کریں، پھر جو شخص اس کی (بھی) طاقت نہ رکھے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا (لازم ہے)'' (۵۸:۴)

70 : خُذُوۡهُ فَغُلُّوۡهُ ثُمَّ الۡجَحِیۡمَ صَلُّوۡهُ ثُمَّ فِیۡ سِلۡسِلَةٍ ذَرۡعُهَا سَبۡعُوۡنَ ذِرَاعًا فَاسۡلُکُوۡهُ
''اُسے پکڑ و اور اُسے طوق پہناؤ، پھر اُسے دوزخ میں داخل کر دو، پھر اُسے ایسی زنجیر میں جکڑ دو جس کی پیمائش ستر گز ہے۔ (سورۃ الحاقۃ : ۳۰ تا ۳۲ : ۶۹)

80 : وَالَّذِیۡنَ یَرۡمُوۡنَ الۡمُحۡصَنٰتِ ثُمَّ لَمۡ یَاۡتُوۡا بِاَرۡبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجۡلِدُوۡهُمۡ ثَمٰنِیۡنَ جَلۡدَةً (النور)
''جو لوگ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگائیں، پھر چار گواہ لے کے نہ آئیں تو اُنہیں اَسّی کوڑے مارو۔'' (۲۴:۴)

99 :اِنَّ هٰذَاۤ اَخِیۡ لَهٗ تِسۡعٌ وَّتِسۡعُوۡنَ نَعۡجَةً وَّلِیَ نَعۡجَةٌ وَّاحِدَةٌ (صٓ : ۲۳)
''بے شک یہ میرا بھائی ہے، اُس کی ننانوے دُنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک ہی دُنبی ہے۔'' (۳۸:۲۳)

100 : فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ (البقرۃ : ۲۵۹)

۳۸۸۳ (علمِ ریاضی ۔۔Mathematics)

"اللہ نے اُسے (عزیر علیہ السلام کو) سو برس تک مردہ رکھا، پھر اُسے زندہ فرمایا۔" (۲:۲۵۹)

200 : فَاِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ یَّغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ (الانفال : ۶۶)
"اور اگر تم میں سے ایک سو ثابت قدم رہنے والے ہوں تو وہ دو سو (کفار) پر غالب آئیں گے۔" (۸ : ۶۶)

309 : وَلَبِثُوْا فِیْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًاO (الکہف : ۲۵)
"اور وہ (لوگ) اپنے غار میں تین سو برس تک رہے اور نو برس اور رہے۔" ☆ (۱۸ : ۲۵)

950: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِیْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِیْنَ عَامًا
"اور بے شک ہم نے نوح (علیہ السلام) کو اُن کی قوم کی طرف بھیجا تو وہ اُن میں پچاس برس کم ایک ہزار سال رہے۔" ☆☆ (۲۹ : ۱۴)

1,000 : لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍO (اَلْقَدْر : ۳)
"شبِ قدر (فضیلت و برکت اور اَجر و ثواب میں) ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔" (۹۷:۳)

2,000 : وَاِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ یَّغْلِبُوْا اَلْفَیْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ (الانفال : ۶۶)
"اور اگر تم میں سے ایک ہزار ثابت قدم رہنے والے ہوں تو وہ دو ہزار (کفار) پر غالب آئیں گے۔" (۸ : ۶۶)

3,000 : اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ اَلَنْ یَّكْفِیَكُمْ اَنْ یُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِیْنَO (آل عمران : ۱۲۴)
"(اے حبیب!) جب آپ مسلمانوں سے فرما رہے تھے کہ کیا تمہارے لئے یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب تین ہزار اتارے ہوئے فرشتوں کے ذریعے تمہاری مدد فرمائے۔" (۳:۱۲۴)

5,000 : بَلٰٓى اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَیَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا یُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِیْنَO (آل عمران : ۱۲۵)

☆ 300 اور 9 کا ہندسہ علیحدہ علیحدہ بیان کرنے میں بالترتیب شمسی سالوں اور قمری سالوں کا تصوّر دینا مقصود ہے یعنی شمسی حساب سے اصحابِ کہف 300 برس اور قمری حساب سے 309 برس اپنے غار میں رہے۔
☆☆ نوح علیہ السلام کی عمر مبارک یہاں 950 برس بتائی گئی ہے، ان میں سے 350 برس طوفانِ نوح کے بعد کے ہیں۔

۳۸۸۴ (علمِ ریاضی ۔۔Mathematics)

''ہاں اگر تم ثابت قدم رہو اور پرہیز گاری قائم رکھو اور وہ (کفار) تم پر اِسی وقت (پورے) جوش سے حملہ آور ہو جائیں تو تمہارا رب پانچ ہزار نشان زدہ فرشتوں کے ذریعے تمہاری مدد فرمائے گا۔'' (۳ : ۱۲۵)

50,000 : تَعۡرُجُ الۡمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوۡحُ اِلَيۡهِ فِىۡ يَوۡمٍ كَانَ مِقۡدَارُهٗ خَمۡسِيۡنَ اَلۡفَ سَنَةٍ ۝ (المعارج: ۴)

''اُس (کے عرش) کی طرف فرشتے اور روح الامین عروج کرتے ہیں ایک دن میں جس کا اندازہ (دنیوی حساب سے) پچاس ہزار برس کا ہے۔'' (۴ : ۷۰)

1,00,000 : وَاَرۡسَلۡنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلۡفٍ اَوۡ يَزِيۡدُوۡنَ ۝ (اَلصّٰٓفّٰت : ۱۴۷)

''اور ہم نے اُنہیں (یونس علیہ السّلام کو قومِ نینوٰی کے) ایک لاکھ یا اُس سے زیادہ افراد کی طرف بھیجا تھا۔'' (۳۷ : ۱۴۷)

Digit: صفر (0) سے نو (9) تک کا کوئی عدد یا ہندسہ Digit کہلاتا ہے۔

Integer (عددِ سالم یا عددِ صحیح) :3,4,5 وغیرہ اعدادِ صحیح ہیں جبکہ 2/3 عددِ صحیح Integer نہیں۔

Geometric Progression (بڑھتے ہوئے اعداد کا سلسلہ جس میں ہر اگلا عدد اُسی نسبت سے بڑھے جس نسبت سے پچھلا عدد بڑھا تھا جیسے 1,3,9,27,81,243 وغیرہ۔) قرآنی اصطلاح میں اس سے مراد بڑھتے ہوئے اعداد کا سلسلہ ہے۔ قرآن مجید میں اس کی مثالیں حسب ذیل ہیں :

(ا) مَنۡ ذَا الَّذِىۡ يُقۡرِضُ اللّٰهَ قَرۡضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضۡعَافًا كَثِيۡرَةً (البقرۃ : ۲۴۴)

''کون ہے جو اللہ کو قرضِ حسنہ دے☆ پھر وہ اُس کے لئے اُسے کئی گنا بڑھا دے گا۔'' (۲ : ۲۴۴)

☆ مال و دولت کو راہِ خدا میں خرچ کرنے کو رب تعالیٰ نے ''قرضِ حسنہ'' کہا ہے۔ یہ کئی طرح سے حُسن ہے: (۱) یہ نفس کشی کے خوبصورت جذبے کا مظہر ہے۔ (۲) دنیاوی قرضوں میں کئی خطرات مضمر ہیں کہ اُن میں بعض اوقات اصل زر بھی ڈوب جاتا ہے لیکن جب ہم اُس رزّاقِ حقیقی کے دیئے ہوئے مال کو اُس کے حکم پر اُس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں تو اُس کی طرف سے ہمیں کئی گنا زیادہ ملتا ہے۔ اسی لئے فرمایا: جو تمہارے پاس ہے' خرچ ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے' باقی رہے گا۔ (سورۃ النّحل: ۹۶)
قرضِ حسنہ کی شرائط : (۱) وہ حلال مال میں سے ہو (۲) عمدہ اور اعلیٰ قسم کا ہو (۳) اُسے چھپ کر دیا جائے (۴) قرض دینے والے کو اُس رقم یا عطیہ کی سخت ضرورت ہو (۵) قرض دینے کے بعد احسان نہ جتلایا جائے (۶) اس کے پس پردہ مقصد صرف اور صرف رضائے الٰہی ہو۔ (۷) جتنا بھی زیادہ دیا جائے' اُتنا ہی کم تر سمجھا جائے۔
☆☆ ''دوگنا چوگنا'' کی وضاحت کے لئے ملاحظہ ہوں جلد پنجم کے صفحات ۲۳۳۷ تا ۲۳۴۰۔

(۲) یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَاتَاْکُلُوا الرِّبٰوا اَضْعَافًا مُّضَاعَفَۃً (آلِ عمران : ۱۳۰)

''اے ایمان والو! دوگنا اور چوگنا کر کے سود مت کھایا کرو۔'' (۱۳۰ : ۳)

(۳) مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَۃِ فَلَہٗ عَشْرُ اَمْثَالِھَا (الانعام : ۱۶۰)

''جو کوئی ایک نیکی لائے گا تو اُس کے لئے اُس جیسی دس نیکیاں ہیں۔'' (۱۶۰ : ۶)

(۴) وَمَا آتَیْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّیَرْبُوَا فِیْ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَاللّٰہِ وَمَا آتَیْتُمْ مِّنْ زَکٰوۃٍ تُرِیْدُوْنَ وَجْہَ اللّٰہِ فَاُولٰئِکَ ھُمُ الْمُضْعِفُوْنَ O (اَلرُّوم : ۳۹)

''اور جو مال تم سود پر دیتے ہو تا کہ (تمہارا اثاثہ) لوگوں کے مال میں مل کر بڑھتا رہے تو وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا اور جو مال تم فقط اللہ کی رضا چاہتے ہوئے زکوٰۃ (وخیرات) میں دیتے ہو تو وہی لوگ (اپنا مال عنداللہ) کثرت سے بڑھانے ہوئے ہیں۔'' (۳۹ : ۳۰)

Arithmetic Progression : توالی ہندسی یعنی ایک ہی مقدار سے بڑھانا یا گھٹانا مثلاً 1,2,3,4 وغیرہ۔ قرآن مجید میں اس کی مثال سورۃ الانعام (۶) میں ملتی ہے :

وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَۃِ فَلَا یُجْزٰی اِلَّا مِثْلَھَا (الانعام : ۱۶۰)

''اور جو کوئی ایک گناہ لائے گا تو اُسے اُس جیسے ایک (گناہ) کے سوا سزا نہیں دی جائے گی۔''

Addition (Plus +) : (جمع + کا عمل)

وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا وَاتَّبَعَتْھُمْ ذُرِّیَّتُھُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَابِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ (اَلطُّور : ۲۱)

''اور جو لوگ ایمان لائے اور اُن کی اولاد نے ایمان میں اُن کی پیروی کی، ہم اُن کی اولاد کو بھی (اُن کے صالح آباء کے اکرام میں) اُن کے ساتھ ملا دیں گے۔'' (۲۱ : ۵۲)

Subtraction (نفی کا عمل) : وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا وَاتَّبَعَتْھُمْ ذُرِّیَّتُھُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَابِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ وَمَا اَلَتْنٰاھُمْ مِّنْ عَمَلِھِمْ مِّنْ شَیْءٍ (اَلطُّور : ۲۱)

''اور جو لوگ ایمان لائے اور اُن کی اولاد نے ایمان میں اُن کی پیروی کی، ہم اُن کی اولاد کو (بھی) اُن کے ساتھ ملا دیں گے اور ہم اُن (صالح آباء) کے ثوابِ اعمال سے بھی کوئی کمی نہیں کریں گے۔'' (۵۲:۲۱)

Multiplication (ضرب x کا عمل) :

وَمَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰہِ وَتَثْبِیْتًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ کَمَثَلِ جَنَّۃٍ بِرَبْوَۃٍ اَصَابَھَا وَابِلٌ " فَآتَتْ اُکُلَھَا ضِعْفَیْنِ فَاِنْ لَّمْ یُصِبْھَا وَابِلٌ " فَطَلٌّ " (البقرۃ:۲۶۵)

۳۸۸۶ (علمِ ریاضی ۔۔Mathematics)

"اور اُن لوگوں کی مثال جو اپنے مال رضائے الٰہی کی طلب میں اور اپنے نفس میں پختگی (پیدا کرنے کی غرض سے) خرچ کرتے رہتے ہیں' ایک باغ کی طرح ہے جو کسی ٹیلے پر ہو اور اُس پر زور کا مینہ پڑا ہو' پھر وہ دگنا پھل لایا ہو اور اگر زور کا مینہ نہ بھی پڑے تو ہلکی پھوار (ہی کافی ہے)۔" (۲:۲۶۵)

Division (Fraction): (تقسیم ÷ کامل)

(۱) وَ قَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْآنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۝ أَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَةَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (الزُّخرف: ۳۱' ۳۲)

"اور (کفّار) کہنے لگے: یہ قرآن (مکّہ اور طائف کی) دو بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی (یعنی کسی وڈیرے سردار اور مالدار) پر کیوں نہیں اتارا گیا؟ کیا آپ کے رب کی رحمتِ (نبوّت) کو یہ لوگ تقسیم کرتے ہیں؟ اور ہم اُن کے درمیان دنیوی زندگی میں اُن کے (اسباب) معیشت کو تقسیم کرتے ہیں۔" (۳۱' ۳۲ : ۴۳)

(۲) أَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْأُنْثٰى ۝ تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ۝ (اَلنَّجم: ۲۱' ۲۲)

"(اے مشرکو!) کیا تمہارے لئے بیٹے ہیں اور اُس (اللہ) کے لئے بیٹیاں ہیں؟ (اگر تمہارا تصوّر درست ہے) تب تو یہ تقسیم بڑی نا انصافی ہے۔" (۲۱' ۲۲ : ۵۳)

Total (میزان' مجموعہ): فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ (البقرة: ۱۹۶)

"پھر جب تم اطمینان کی حالت میں ہو تو جو کوئی عمرہ کو حج کے ساتھ ملانے کا فائدہ اٹھائے تو جو بھی قربانی میسر آئے (کردے) پھر جسے یہ بھی میسر نہ ہو' وہ تین دن کے روزے (زمانہ) حج میں رکھے اور سات روزے جب تم واپس ہو۔ یہ پورے دس روزے ہوئے۔"

Reciprocity (باہم مبادلہ):

(۱) وَإِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوْهَا (اَلنِّساء: ۸۶)

"اور جب تمہیں سلام کیا جائے تو تم اس سے بہتر طور پر سلام کرو یا اُسی کو لوٹا دو۔" (۸۶ : ۴)

(۲) وَإِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ (الانفال: ۱۹)

"(اے مشرکو!) اگر تم پھر یہی (شرارت) کرو گے (تو) ہم (بھی) پھر یہی (سزا) دیں گے۔" (۱۹ : ۸)

(۳) وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا (اَلشُّورٰى: ۴۰)

"اور برائی کا بدلہ اُسی برائی کی مثل ہوتا ہے۔" (۴۰ : ۴۲)

Infinity (لامحدودیت): قرآن مجید کا کثیرالوقوع جملہ خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا (وہ اُس جنت یا جہنم میں ہمیشہ رہیں گے)' زمانہ کی لامحدودیت Infinity کا مظہر ہے۔

(ب) الجبرا (Algebra)

''علمِ ریاضی کا وہ شعبہ جو اپنے کلیات ومساوات میں حروف وعلامات کو اعداد ومقدار کی مثل کے طور پر استعمال کرتا ہے' ''الجبرا'' کہلاتا ہے۔ مسائل کے حل کرنے میں الجبرا مساوات اور عدم مساوات کو استعمال کرتا ہے۔ وہ منفی اور تصوراتی اعداد کا بھی استعمال کرتا ہے۔'' (Funk & Wagnalls New Encyclopedia of Science, Vol. 1, p. 44)

''الجبرا میں الجبرائی علامات (Algebraic Expressions) کو کئی مسائل حل کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ ''دو اعداد کا مجموعہ 10 ہوتا ہے'' کو اس طرح لکھا جا سکتا ہے: $x+y=10$ جس میں x اور y کوئی سے دو اعداد کی نمائندگی کرتے ہیں۔

(1) Coefficient عددی سر یعنی وہ عدد جو کسی الجبرائی رقم سے پہلے درج ہو اور اُسے ضرب دے جیسے 3xy میں 3 عددی سر ہے:۔

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً (البقرة: ۲۴۴)

" کون ہے جو اللہ کو قرضِ حسنہ دے' پھر وہ اُس کے لئے اُسے کئی گنا بڑھا دے گا۔'' (۲۴۴ : ۲)

اِس آیت میں ''قرضِ حسنہ'' عددی سر ہے' اپنے نتیجہ میں کئی گنا بڑھوتری کا۔

(2) Exponent (قوت نما: کسی عدد کے اوپر لگی ہوئی علامت یا نشانی جو یہ ظاہر کرے کہ اُس کی کتنی درجے کی قوت سے مراد ہے جیسے 4_3 میں 4 base ہے اور 3 قوت نما ہے۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًاO يُضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا (الفرقان: ۶۸' ۶۹)

''اور جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس انسان کی جان کو اللہ نے محفوظ قرار دے دیا ہے' اُسے قتل نہیں کرتے بجز حق (شرعی) کے اور نہ وہ زنا کرتے ہیں اور جو کوئی ایسا کرے گا' اُسے سزا سے سابقہ پڑے گا۔ اُس کے لئے قیامت کے دن عذاب دوگنا کر دیا جائے گا اور وہ اُس میں ذلت وخواری کے ساتھ ہمیشہ رہے گا۔'' (۶۸'۶۹ : ۲۵)

اس میں مُضاعَف قوت نما اور گناہوں کا مرتکب انسان اُس کی base ہے۔

(3) Equal to (=) (مساوی ہونا) :

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلاً مِّنْ اَنْفُسِكُمْ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ (الروم : ۲۸)

''اُس نے (کلمہِ توحید سمجھانے کے لئے) تمہارے لئے تمہاری ذاتی زندگیوں سے ایک مثال بیان فرمائی ہے کہ کیا جو (لونڈی' غلام) تمہاری مِلک میں ہیں' اُس مال میں جو ہم نے تمہیں عطا کیا ہے' شراکت دار ہیں کہ تم (سب) اُس (ملکیت) میں برابر ہو جاؤ۔'' (۲۸ : ۳۰)

(4) Not equal to (≠) (غیر مساوی ہونا):

وَمَا يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُO وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُO وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُO وَمَا يَسْتَوِى الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوٰتُ (فاطر : ۱۹-۲۲)

''اور اندھا اور بینا برابر نہیں ہو سکے اور نہ تاریکیاں اور نہ نور (برابر ہو سکتے ہیں) اور نہ سایہ اور دھوپ اور نہ زندہ لوگ اور نہ مُردے برابر ہو سکتے ہیں۔'' (۱۹-۲۲ : ۳۵)

(5) Equalisation (مساوی کرنا یا بنانا) :

(۱) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَO (الانعام : ۱)

''تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اور تاریکیوں اور روشنی کو بنایا' پھر بھی کافر لوگ (معبودانِ باطلہ کو) اپنے رب کے برابر ٹھہراتے ہیں۔'' (۱ : ۶)

(۲) قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَO تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍO اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَO (الشعراء : ۹۶-۹۸)

''وہ (گمراہ لوگ) اُس (دوزخ) میں باہم جھگڑا کرتے ہوئے کہیں گے: اللہ کی قسم! ہم کھلی گمراہی میں تھے جب ہم تمہیں سب جہانوں کے رب کے برابر ٹھہراتے تھے۔'' (۹۶-۹۸: ۲۶)

(6) Formula (کلیہ/قاعدہ) : یہودیت اور عیسائیت وغیرہ کے تمام باطل نظریات کو رد کرتے ہوئے قرآن مجید نے نجاتِ اُخروی کا ایک کلیہ (Formula) مقرر کر دیا ہے جو حسب ذیل ہے:

بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَO (البقرة : ۱۱۲)

''ہاں البتہ جو کوئی بھی اپنی ذات کو اللہ کے آگے جھکا دے اور وہ مخلص بھی ہو تو ایسے کے لئے اُس کے رب کے پاس اس کا اجر ہے اور ایسوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔'' (۱۱۲ : ۲)

(7) Permutations, Combinations : (گروہ بندی کرنا اور حالتِ اتصال) : بحالتِ جنگ نمازِ قصر کے بارے میں قرآن میں فرمایا گیا :

وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُم مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوٓا أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِن وَرَآئِكُمْ وَلْتَأْتِ طَآئِفَةٌ أُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ (النِّسآء : ۱۰۲)

''اور (اے محبوب!) جب آپ ان (مجاہدوں) میں (تشریف فرما) ہوں تو اُن کے لئے نماز (کی جماعت) قائم کریں، پس اُن میں سے ایک جماعت کو (پہلے) آپ کے ساتھ (اقتداء) کھڑا ہونا چاہئے اور اُنہیں اپنے ہتھیار بھی لئے رہنا چاہئیں، پھر جب وہ سجدہ کر چکیں تو (ہٹ کر) تم لوگوں کے پیچھے ہو جائیں اور (اب) دوسری جماعت کو جنہوں نے (ابھی) نماز نہیں پڑھی، آ جانا چاہئے پھر وہ آپ کے ساتھ (مقتدی بن کر) نماز پڑھیں اور چاہئے کہ وہ (بھی بدستور) اپنے اسبابِ حفاظت اور اپنے ہتھیار لئے رہیں۔'' (۱۰۲ : ۴)

(8) Greater than جسے (>) کی علامت سے ظاہر کیا جاتا ہے :

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ O (المؤمن)

''یقیناً آسمانوں اور زمین کی پیدائش انسانوں کی پیدائش سے کہیں بڑھ کر ہے لیکن اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔'' (۵۷ : ۴۰)

(9) Less than جسے (<) کی علامت سے ظاہر کیا جاتا ہے :

اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّ وَلَدًاO (الکهف : ۳۹)

''(اس وقت) تو مجھے مال و اولاد میں اپنے سے کم تر دیکھتا ہے (تو کیا ہوا؟)'' (۳۹ : ۱۸)

بولین الجبرا (Boolean Algebra)

الجبرا کی اس جدید قسم کو اس کے بانی George Boole کے نام پر رکھا گیا ہے جس نے ایک کلاسیکی کتاب بہ عنوان "An Investigation of the Laws of Thought, on which are Founded the Mathematical Theories of Logic and Probabilities" لکھی۔ جارج بُول نے کہا کہ اُس کا مقصد منطق کا ریاضیاتی تجزیہ کرنا ہے۔''

''بولین مساوات میں تغیر پذیر مقداروں(Variables) کی اپنی امتیازی حیثیت ہے۔تاہم وہ دو ممکنہ قدروں میں سے کسی ایک کو اختیار کرلیتی ہیں۔ان دو مقداروں کو 0 اور 1 کی علامات سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ 0 منفی برقی قوّت(Voitage) جبکہ 1 کا عدد مثبت برقی قوّت کی نمائندگی کرتا ہے۔'' ("Digital Computer Fundamentals" ... Thomas C. Bartee, p. 79) 1972 Lahore.

بولین الجبرا کے عناصر : عام مروّج الجبرا کی طرح بولین الجبرا بھی الجبرائی ترقیم(notation) کو منطقی رشتہ کے اظہار کے لئے اُسی طرح استعمال کرتا ہے جس طرح عام مروّج الجبرا کو ریاضیاتی تعلقات میں استعمال کیا جاتا ہے۔

عام الجبرا میں x+y= 0 جیسی ترقیم x,y اور a جیسی متغیر مقداروں پر مشتمل ہوتی ہے جس میں جمع (+) کے نشان کو کسی چیز میں اضافہ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

بولین الجبرا میں اُسی قسم کی استعمال شدہ ترقیم کو عناصر کے سیٹوں' آپریٹرز کے سیٹوں اور قواعد وضوابط کے سیٹوں سے ظاہر کیا جاتا ہے۔

سادگی کی خاطر ہم بولین الجبرا کے دو مستقل اور غیر مبدّل سیٹوں کو استعمال کریں گے جن کے 0 اور 1 صرف دو عناصر ہیں۔ A,B,C....x,y,z جیسی غیر متغیر مقداروں کی قدر یا تو 1 ہوگی اور یا 0 ہوگی۔اِن دو قدروں کو ''صحیح'' اور ''غلط'' ''ہاں'' یا ''نہ'' ''بالا'' اور ''پست'' وغیرہ کے مختلف نام دئے جاسکتے ہیں۔

منطقی مشین کار(LOGICAL OPERATORS): بولین الجبرا میں تین بنیادی آپریٹر ہوتے ہیں:

(1) Unary Operator "NOT" : جس کا مطلب منفی یا آپریٹ کی ہوئی ترقیم کا الٹ ہونا ہوتا ہے۔مثلاً اگر x = 1 توپھر Not x= 0
اگر x = صحیح توپھر Not x = غلط

قرآن مجید اِس دُہری حقیقت کو نبی آخرالزماں ﷺ کی ذاتِ قدس میں اس طرح بے نقاب کرتا ہے :

اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍO (الحج : ٦٧)
''بے شک آپ ہی سیدھی (راہِ) ہدایت پر ہیں۔'' (٦٧ : ٢٢) یا
وَ اِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍO (اَلشوریٰ : ٥٢)
''اور بے شک آپ ہی صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت عطا فرمانے والے ہیں۔''(٤٢:٥٢)

یعنی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صراطِ مستقیم پر ہوتے ہوئے X تسلیم کیا جائے' تو صحیح = X=1 اِس طرح غلط Not of X=0 ہو سکتا ہے جس حقیقت کی بابت قرآن مجید نے یوں فرمایا ہے :

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى O (النّجم : ۲)

''تمہیں اپنے فیضِ صحبت سے صحابی بنانے والے رسول ﷺ نہ (کبھی) راہ بھولے اور نہ (کبھی) راہ سے بھٹکے۔'' (۲ : ۵۳)

(2) <u>"AND" Operation</u> : یہ آپریشن دو غیر متغیر مقداروں (Variables) کی منطقی ضرب ہوتی ہے۔ اس کی علامت ڈاٹ (.) ہوتی ہے۔

A . B = X کو یوں پڑھا جاتا ہے : A and B = X جبکہ X=1

اگر دونوں A and B = 1 ہوں' ورنہ X=0 (یعنی A اور B میں سے کوئی ایک 0= (X=0

علامتی طور پر ہم یوں کہہ سکتے ہیں :

1.1= 1

1.0= 0

1.1=1

A.B=1 یعنی اگر دونوں غیر متغیر مقداریں A,B صحیح ہوں یعنی A=1 اور B=1 تو نتیجہ صحیح یا 1 میں ہوگا۔

قرآن مجید اس حقیقت کو اس طرح بے نقاب کرتا ہے :

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ O (النّحل : ۹۷)

''جو کوئی نیک عمل کرے (خواہ) مرد ہو یا عورت جبکہ وہ مومن ہو تو ہم اُسے ضرور پاکیزہ زندگی کے ساتھ زندہ رکھیں گے اور اُنہیں ضرور اُن کا اجر (بھی) عطا فرمائیں گے' اُن اچھے اعمال کے عوض جو وہ انجام دیتے تھے۔'' (۱۶ : ۹۷)

<u>آیت کا تجزیہ:</u> جو کوئی نیک عمل کرے =1= صحیح

جبکہ وہ مومن ہو =1= صحیح

ہم اُسے نئی زندگی عطا فرمائیں گے =1= صحیح دونوں شرطیں یہاں پوری ہیں' لہٰذا نتیجہ 1 ہے۔

قرآنی اصطلاح میں 1 کا عدد ''حق'' اور ''صحیح'' کی جبکہ 0 ''جھوٹ'' اور ''غلط'' کی نمائندگی کرتا ہے۔

اب 1 اور 0 کی باہم ضرب سے درجِ ذیل نتائج حاصل ہوتے ہیں :

0.0=0 (یعنی جب باطل' باطل سے ملتا ہے تو نتیجہ جھوٹ اور باطل ہی ہوتا ہے)۔

0.1=0 (یعنی جب باطل، حق سے گڈمڈ ہوتا ہے تو نتیجہ باطل ہی ہوتا ہے، جیسے پیشاب کا ایک قطرہ پورے ایک من دودھ کو حرام کر دیتا ہے)۔
1.0=0 (اسی طرح جب حق، باطل سے گڈمڈ ہوتا ہے تو نتیجہ جھوٹ اور باطل ہی ہوتا ہے۔)
1.1=1 (یعنی جب حق، حق سے ملتا ہے تو نتیجہ حق اور سچ ہی ہوتا ہے)۔

اِن منطقی، ریاضیاتی نتائج کو قرآنِ حکیم نے آج سے چودہ صدیاں اُس وقت بے نقاب کیا تھا جب فانی انسان ریاضیاتی علوم سے ذرّہ بھر واقف نہیں تھا۔ اِن حقائق کے متعلق قرآن کی زبانی سنئے :

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ" (الانبیاء : ۱۸)
''بلکہ ہم حق سے باطل پر پوری قوّت کے ساتھ چوٹ لگاتے ہیں، تو حق اُسے کچل دیتا ہے، پس وہ (باطل) ہلاک ہو جاتا ہے۔'' (۱۸ : ۲۱)

اس کا مطلب یہ ہے کہ حق (1) کی باطل (0) کے ساتھ دائمی کشمکش میں بالآخر فتح حق ہی کی ہوتی ہے اور باطل کو شکست خوردہ ہو کر صفر (0) کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ اِن ناقابلِ انکار حقائق کو قرآن نے یوں بیان کیا ہے:

(۱) حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ O (یونس : ۱۰۳)
''ہمارے ذمّہ کرم پر (یہ بات) ہے کہ ہم ایمان والوں کو بچالیں۔'' (۱۰:۱۰۳)

(۲) فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِى الْاَرْضِ (الرّعد : ۱۷)
''سو جھاگ تو (پانی والا ہو یا آگ والا سب) بے کار ہو کر رہ جاتا ہے اور البتہ جو کچھ لوگوں کے لئے فائدہ مند ہوتا ہے وہ زمین میں باقی رہتا ہے۔'' (۱۷ : ۱۳)

یعنی انجام کار حق اور صداقت ہی کو فتح ہوتی ہے اور باطل تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔

(۳) كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِىْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِىٌّ عَزِيْزٌ O (المجادلة : ۲۱)
''اللہ نے لکھ دیا ہے کہ یقیناً میں اور میرے رسول ضرور غالب ہو کر رہیں گے، بے شک اللہ بڑی قوّت والا، بڑے غلبے والا ہے۔'' (۲۱ : ۵۸)

(3) "OR"Operation : بولین الجبرا میں OR منطقی اضافہ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کی علامت جمع (+) کا نشان ہے۔ A+B=X کو یوں پڑھا جاتا ہے : A OR B = X.

اگر A OR B میں سے ایک یا دونوں =1 ہو تو علامتی طور پر
اس طرح A+B=X کی قدر 1 ہو گی۔

$$A + B = X$$
$$1+1=1$$
$$1+0=1$$
$$0+1=1$$
$$0+0=0$$

X کی قدر 0 تب ہوگی جب A اور B دونوں 0 ہوں یعنی اگر ایک شرط پوری ہو تو نتیجہ =1= صحیح ہوگا۔

تلخیص : "Computer Science" P. Harvey "(قرآنی متون کا اضافہ مؤلف کی جانب سے ہے)

ہم دیکھتے ہیں کہ بولین کے الجبرائی آپریشن کے تعارف سے صدیوں پہلے قرآن مجید نے کیسے اس الجبرائی حقیقت کو طشت از بام کیا:

خَلَطُوْا عَمَلاً صَالِحًا وَّآخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللّٰہُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْهِمْ (التوبة : ۱۰۲)

''اُنہوں نے کچھ نیک عمل اور دوسرے برے کاموں کو (غلطی سے) ملا جلا دیا ہے' قریب ہے کہ اللہ اُن کی توبہ قبول فرمائے۔'' (۹ : ۱۰۲)

آیت کا تجزیہ : نیک اعمال کا ملا جلا دینا =1= صحیح

برے کاموں کا ارتکاب =0= غلط

توبہ کا قبول کیا جانا =1= صحیح

یہاں ایک شرط پوری ہو رہی ہے لہٰذا نتیجہ صحیح یعنی 1 ہے۔

سیٹ(SET) اور اس کے ارکان : اکائیوں کا مجموعہ جو واضح طور پر ایک کُل کے مربوط اجزاء ہوں' سیٹ کہلاتے ہیں۔ مثلاً چھری کانٹوں' چمچوں(Cutlery) کا سیٹ' چھ کھانے کی میزوں کا سیٹ' نقلی دانتوں کا سیٹ' نئے اصولوں کا سیٹ' زائد چابیوں کا سیٹ' ''ضیاء القرآن'' کا مکمل سیٹ۔

وہ اشیاء اور نظریات جن پر ایک سیٹ مشتمل ہوتا ہے' اُس کے عناصر یا ارکان کہلاتے ہیں۔ قرآن مجید میں سیٹوں کی متعدد مثالیں ہیں' مثلاً:

(۱) متقی (خدا خوف) لوگوں کا سیٹ (سورۃ البقرۃ: آیت ۵ وغیرہ)
(۲) منافقین کا سیٹ (سورۃ البقرۃ: آیات ۸ تا ۲۰ وغیرہ)
(۳) لوگوں کا سیٹ (سورۃ البقرۃ: آیت ۲۱ ؛ سورہ یونس : آیت ۱۰۴ وغیرہ)
(۴) مشرکین کا سیٹ (سورۃ التحریم: آیت ۷ وغیرہ)
(۵) توحید پرستوں کا سیٹ (سورہ ھود: آیت ۴۰ ؛ المؤمنون: ۲۷ وغیرہ)
(۶) فرشتوں کا سیٹ (سورۃ البقرۃ: آیت ۳۰ ؛ سورۃ النساء : آیت ۱۶۶ وغیرہ)

(۷) انبیاء علیہم السلام کا سیٹ (سورۃ النساء : آیات ۱۶۳ تا ۱۶۵ ؛ سورۃ الرّعد : آیت ۳۸)
(۸) مؤمنین کا سیٹ (سورۃ البقرۃ : آیت ۱۰۴ ؛ سورۃ التحریم : آیت ۸ وغیرہ)
(۹) جنتیوں کا سیٹ (سورۃ البقرۃ : آیت ۸۲ ؛ سورۃ الاعراف : آیت ۴۴ وغیرہ)
(۱۰) دوزخیوں کا سیٹ (سورۃ البقرۃ : آیات ۳۹، ۸۱ ؛ سورۃ الاعراف : آیت ۴۴ وغیرہ)

(Null Set OR Empty Set) : اگر کسی سیٹ کا کوئی رکن نہ ہو تو اُسے Null Set یا Empty Set کہا جاتا ہے۔ مثلاً 3 اور 4 کے درمیان قدرتی اعداد نہ ہونے کی وجہ سے یہ Null Set ہے۔ اس ضمن میں نبی اکرم ﷺ کی مثال بہترین ہے کہ رب تعالیٰ کی مخلوقات میں عظمت اور فوقیت میں آپ جیسا کوئی نہیں ہوا اور نہ ہوگا جیسا کہ قرآن مجید نے اعلان فرمایا :

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيرًا O (الاحزاب : ۲۱)

"فی الحقیقت تمہارے لئے رسول اللہ (ﷺ کی ذات میں) نہایت ہی حسین نمونہ (حیات) ہے ہر اُس شخص کے لئے جو اللہ (سے ملنے) کی اور یومِ آخرت کی امید رکھتا ہو اور اللہ کا ذکر بکثرت کرتا ہو۔" (۳۳:۲۱)

Finite and Infinite Set (مختتم اور غیر مختتم سیٹ) : اگر کسی سیٹ کے ارکان کی تعداد شمار میں آ سکتی ہو تو اُسے مختتم سیٹ (Finite Set) کہتے ہیں مثلاً A=(1,2,3,4...) مختتم سیٹ ہے اور اسی طرح موت سے پہلے انسان کی زندگی کے دن بھی مختتم سیٹ میں آتے ہیں۔

وہ سیٹ جو مختتم نہ ہو، غیر مختتم سیٹ (Infinite Set) کہلاتا ہے۔ مثلاً:
(۱) اللہ تعالیٰ کی انسان پر بے حد و حساب نعمتیں جن کا شمار ممکن ہی نہیں (سورہ ابراھیم : ۳۴)
(۲) حیات بعد الموت کے دنوں کی تعداد غیر مختتم سیٹ ہے۔

Subset : (ذیلی سیٹ جس کے تمام اجزاء کسی دوسرے میں شامل ہوں) مثلاً قرآن مجید میں منافقین اور مؤمنین سے متعلق درج ذیل بیان :

(۱) اَلْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ (اَلتّوبۃ : ۶۷)
"منافق مرد اور منافق عورتیں ایک دوسرے کی جنس سے ہیں۔" (۹ : ۶۷)

(۲) وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ (اَلتوبۃ : ۷۱)
"اور اہلِ ایمان مرد اور اہلِ ایمان عورتیں ایک دوسرے کے رفیق و مددگار ہیں۔" (۹ : ۷۱)

Union of Sets : (سیٹوں کا آپس میں مل جل جانا) قرآنی مثال یہ ہے :

وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيْمَانٍ اَلْحَقْنَابِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ (الطُّور : ۲۱)

''اور جولوگ ایمان لائے اور اُن کی اولاد نے ایمان میں اُن کی پیروی کی' ہم اُن کی اولاد کو بھی (اُن کے صالح آباء کے اکرام میں) اُن کے ساتھ ملادیں گے۔'' (۲۱ : ۵۲)

Intersection of Sets : (سیٹوں کا تقاطع یعنی کاٹنے کا عمل)

(۱) لَقَدِابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُاللّٰهِ (التّوبة : ۴۸)

''درحقیقت وہ (منافقین) پہلے بھی فتنہ پردازی میں کوشاں رہے ہیں اور آپ کے کام اُلٹ پلٹ کرنے کی تدبیریں کرتے رہے ہیں یہاں تک کہ حق آپہنچا۔'' (۹:۴۸)

(۲) اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ O (اَلْقَصَص : ۴)

''بے شک فرعون زمین میں سرکش ومتکبر ہو گیا تھا اور اُس نے اپنے باشندوں کو (مختلف) فرقوں میں بانٹ دیا تھا' اُس نے اُن میں سے ایک گروہ (یعنی بنی اسرائیل کے عوام) کو کمزور کردیا تھا کہ اُن کے لڑکوں کو (اُن کے مستقبل کی طاقت کچلنے کے لئے) ذبح کرڈالتا اور اُن کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتا (تاکہ مَردوں کے بغیر اُن کی تعداد بڑھے اور اُن میں اَخلاقی بے راہ روی کا اضافہ ہو) بے شک وہ فسادانگیز لوگوں میں سے تھا۔'' (۲۸:۴)

نوٹ : یعقوب علیہ السلام کا یوسف علیہ السلام سے عرصہ دراز کے بعد مل جانا اور موسیٰ علیہ السلام کا اپنے بڑے بھائی ہارون علیہ السلام کے ساتھ ملنے کی بھی اس سلسلے میں مثالیں ہیں۔

(ج) جیومیٹری

''جیومیٹری مختلف قسم کی شکلوں اور اُن کی خصوصیات کے مطالعہ کا نام ہے۔ جیومیٹری میں اس بات کا بھی مطالعہ کیا جاتا ہے کہ مختلف اشیاء کی ہیئتِ ظاہری' زاویوں اور فاصلوں کا آپس میں کیا رشتہ اور تعلق ہے۔''

''جیومیٹری علمِ ریاضی کی قدیم ترین شاخوں میں سے ایک ہے۔ جیومیٹری کی خصوصیات معلوم کرنے میں قدیم مصریوں کو اوّلیت حاصل ہے۔ ہر سال دریائے نیل اپنے کناروں سے اچھل کر باہر آجاتا تھا جس سے آس پاس کا علاقہ زیرِ آب آجاتا تھا۔ اُن زمینی حد بندیوں کو مضبوط کرنے کے لئے جو سیلاب میں بہہ جاتیں' مصریوں نے زاویوں کا استعمال کرنا سیکھ لیا تھا۔ جیومیٹری کو سائنس بنانے کا سہرا یوکلیڈ (Euclid) (300 قبل مسیح) کے سر ہے۔ جیومیٹری کے تمام علم کے بنیادی اجزاء نقطے اور سطریں ہوتی ہیں۔ اِن نقطوں اور سطروں سے ہم زاویے معلوم کر سکتے ہیں۔ ایک سمت سے دوسری سمت کی طرف گردش کی پیائش کا نام ''زاویہ'' ہے۔''

۳۸۹۶ (ریاضی - - Mathematics)

''اہلِ بابل نے مکمل چکر کو 360 مساوی حصّوں میں تقسیم کیا جسے اُنہوں نے ''ڈگری'' کا نام دیا۔ چوتھائی چکر (یا 360 کو 4 پر تقسیم کرنے سے) 90 ڈگری کے برابر ہے۔ یہی ایک چوتھائی چکر زاویہ قائمہ (Right Angle) ہوتا ہے۔ زاویہ حادہ (Acute Angle) 90 ڈگری یعنی زاویہ قائمہ سے کم ہوتا ہے۔ زاویہ منفرجہ (Obtuse Angle) 90 ڈگری سے زیادہ اور 180 ڈگری سے کم ہوتا ہے۔'' (Funk & Wagnalls New Encyclopedia of Science, Vol. 9, pp. 711-712)

''جیومیٹری کے اس نظریہ کو ''جونہی ہم کسی چیز سے پرے ہٹتے جائیں' وہ چیز چھوٹی سے چھوٹی ہوتی چلی جاتی ہے'' کو قرآن مجید نے جہالت کے اُس دَور میں پیش کیا جب بیچارہ انسان جہالت اور درندگی کی گہری تاریکیوں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہا تھا۔ جنابِ ذوالقرنین نے واقعہ میں قرآن مجید کا اعلان ہے :

حَتّٰى إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ (الکھف : ۸۶)

''یہاں تک کہ جب وہ غروبِ آفتاب (کی سمتِ آبادی) کے موقع پر پہنچے تو اُسے ایک سیاہ چشمہ میں ڈوبتا ہوا محسوس کیا۔'' (۸۶ : ۱۸)

جیسا کہ سمندر کے کنارہ پر کھڑے ہوئے شخص کو سورج سمندر ہی میں ڈوبتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ یہاں اوپر خط کشیدہ جیومیٹری کی حقیقت کو آشکار کیا جا رہا ہے کہ چونکہ ذوالقرنین سورج سے بہت دُور تھے اس لئے سورج آپ کو اُفقِ مغرب میں ڈوبنے کی حالت میں چھوٹے سے چھوٹا اور روشنی میں مدھم ہوتا ہوا دکھائی دیا۔

(1) ANGLE زاویہ (زاویہ قائمہ' زاویہ حادہ' زاویہ منفرجہ' زاویہ مستقیمہ اور زاویہ معکوس):
زاویے کا تصوّر قرآن مجید کی اِن آیات نے دیا :

(۱) رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ O (اَلرَّحْمٰن : ۱۷)

''(وہی) دونوں مشرقوں کا مالک ہے اور (وہی) دونوں مغربوں کا مالک ہے۔'' (۱۷ : ۵۵)

(۲) فَلَآ أُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ (المعارج : ۴۰)

''سو میں مشرقوں اور مغربوں کے رب کی قسم کھاتا ہوں۔'' (۴۰ : ۷۰)

(۳) رَبُّ الْمَشْرِقِ وَرَبُّ الْمَغْرِبِ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا O (المزّمّل : ۹)

''وہ مشرق و مغرب کا مالک ہے' اُس کے سوا کوئی معبود نہیں' سو اسی کو (اپنا) کارساز بنالیں۔'' (۷۳:۹)

ہر روز سورج نئے زاویے سے طلوع ہوتا ہے اور نئے زاویے میں غروب ہوتا ہے۔ آج جس زاویے سے سورج طلوع ہوا' کل اُس زاویے سے طلوع نہیں ہوگا اور نہ ہی کل اُس زاویے میں غروب ہوگا جس زاویے

میں آج غروب ہوا۔ ہر وہ نیا زاویہ جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے' اُس کا مشرق ہوتا ہے اور ہر وہ نیا زاویہ جہاں سورج غروب ہوتا ہے' اُس کا مغرب ہوتا ہے۔ روزانہ ایک ڈگری عبور کرتے ہوئے سال کے 360 دنوں میں وہ 360 ڈگریاں عبور کرتا ہے۔ اس طرح سورج کے کل مشرق اور مغرب سال کے کل دنوں کی تعداد کے برابر 360 ہوتے ہیں۔ لہٰذا رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ کے جملہ نے زاویے کا تصور دیا۔ یہی صورتِ حال رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ (دو مشرقوں اور دو مغربوں کا رب) کے جملہ کی ہے کہ جب وہ بہت سے مشرقوں اور بہت سے مغربوں کا رب ہے تو دو مشرقوں اور دو مغربوں کا رب بہ طریقِ اَولیٰ ہوا۔ نیز دیکھئے جلد اوّل کے صفحات ۴۰۲، ۴۰۳۔

(2) BASE (کسی مثلث، مربع، مستطیل، چوکور وغیرہ شکل کا قاعدہ جس پر وہ قائم ہو)۔

لَمَسْجِدٌ "اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ (اَلتَّوبة : ۱۰۸)

"البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے' حق دار ہے کہ آپ اُس میں قیام فرمائیں۔" (۹ : ۱۰۸)

(3) BISECTION : (تنصیف یعنی دو برابر کے حصّوں میں تقسیم کرنا)

قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ "لَّهَا شِرْبٌ" وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ O (اَلشُّعراء : ۱۵۵)

"صالح (علیہ السلام) نے فرمایا: (وہ نشانی) یہ اُونٹنی ہے' پانی کا ایک وقت اُس کے لئے (مقرر) ہے اور ایک مقررہ دن تمہارے پانی کی باری ہے۔" (۲۶:۱۵۵)

(4) CONCENTRIC : (ہم مرکز ہونا)

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (آلِ عمران : ۶۴)

"آپ فرمادیں: اے اہلِ کتاب! تم اس بات کی طرف آجاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے' (وہ یہ کہ) ہم اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو اللہ کے سوا رب نہیں بنائے گا۔" (۳ : ۶۴)

(5) CONGRUENCE : (موافقت)

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ O (اَلنَّحل : ۱۱۲)

"اور اللہ نے ایک ایسی بستی کی مثال بیان فرمائی ہے جو (بڑے) امن اور اطمینان سے (آباد) تھی

اُس کا رزق اُس کے (مکینوں کے) پاس ہر طرف سے بڑی وسعت و فراغت کے ساتھ آتا تھا پھر اُس بستی (والوں) نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے اُسے بھوک اور خوف کے عذاب کا لباس پہنا دیا' اُن اعمال کے سبب سے جو وہ کرتے تھے۔'' (۱۶ : ۱۱۲)

(6) CUBE (مکعب جس میں چھ برابر کی چوکور سطحیں ہوتی ہیں)

جَعَلَ اللّٰہُ الْکَعْبَۃَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ قِیٰمًا لِّلنَّاسِ (المائدۃ : ۹۷)

"اللہ نے عزت (وادب) والے گھر کعبہ کو لوگوں کے (دینی و دنیوی امور میں) قیامِ امن کا باعث بنا دیا ہے۔'' (۵ : ۹۷)

نوٹ: لفظ ''کعبہ'' کی وجہ تسمیہ کے لئے جلد ششم کے صفحہ ۲۹۲۲ کی طرف رجوع کیا جائے۔

(7) CURVED LINES: (منحنی خطوط):

وَعَلَی اللّٰہِ قَصْدُ السَّبِیْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ "(اَلنَّحل : ۹)

"اور درمیانی راہ اللہ پر جا پہنچتی ہے اور اس میں سے کئی ٹیڑھی راہیں بھی نکلتی ہیں۔'' (۱۶:۹)

(8) DIAGONAL: (وتر یعنی دو غیر ملحق کونوں کو ملانے والا خط)

اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتَانِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰہُ وَلِیُّهُمَا (آل عمران : ۱۲۲)

"جب تم میں سے دو گروہوں کا بزدل ہونے کا ارادہ ہوا حالانکہ اللہ اُن دونوں کا مددگار تھا۔'' (۳:۱۲۲)

(9) DIMENSION: (کسی شے کے ابعاد میں سے کوئی جیسے طول' عرض' گہرائی' رقبہ' ضخامت)

وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ (آلِ عمران : ۱۳۳)

"اور اپنے رب کی بخشش اور اُس جنت کی طرف تیزی سے بڑھو جس کی وسعت میں سب آسمان اور زمین آجاتے ہیں۔'' (۳ : ۱۳۳)

(10) ECCENTRICITY: (مرکز سے منحرف' کج نہاد)

(۱) وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ O (اَلْمُؤمنون : ۷۴)

"اور بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے (وہ) ضرور (سیدھی) راہ سے کتراتے رہتے ہیں۔'' (۲۳ : ۷۴)

(۲) وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ O (اَلْمُنٰفِقُون : ۵)

''اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ آؤ تاکہ اللہ کا رسول تمہارے لئے مغفرت طلب کرے تو وہ (انکار سے) اپنے سروں کو گھماتے ہیں اور آپ اُنہیں دیکھتے ہیں کہ وہ (حاضری سے) تکبر کرتے ہوئے رک رہے ہیں۔'' ☆ (۵ : ۶۳)

(11) ELEVATION : (ارتفاع، بلندی)

وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّاO (مریم : ۵۷)

''اور ہم نے اُنہیں (ادریس علیہ السلام کو) بلند مقام پر اٹھالیا تھا۔ (۵۷ : ۱۹)

(12) ENCIRCLE : (گھیرے میں لینا)

وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكٰفِرِيْنَO (اَلتّوبة : ۴۹)

''اور بے شک جہنم کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔'' (۴۹ : ۹)

(13) EQUIDISTANT : (مساوی فاصلے پر)

لَاالشَّمْسُ يَنْبَغِيْ لَهَا اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَاالَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَO (یٰسٓ : ۴۰)

''نہ آفتاب کی مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے اور سب ایک دائرے میں تیر رہے ہیں۔'' (۴۰ : ۳۶)

(14) HEXAGON (چھ زاویوں اور چھ اضلاع والی شکل) :

شہد کی مکھی کا چھتہ جس کا ذکر سورۃ النحل کی آیت ۶۸ میں ہوا مسدّس شکل (Hexagonal) ہوتا ہے۔

(15) INTERCEPTION (تقاطع، بیچ میں روک لینا)

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا (البقرة : ۱۱۴)

''اور اُس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ کی مسجدوں میں اُس کے نام کا ذکر کیے جانے سے روک دے اور اُنہیں ویران کرنے کی کوشش کرے۔'' (۱۱۴ : ۲)

(16) MEDIAN : (معلومہ سلسلے میں وسطی عدد جیسے 1,3,4,8,9 میں 4 وسطی عدد ہے)۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (البقرة : ۱۴۳)

☆ بارگاہِ نبوت جو توحید کا اصل مرکز ہے، میں حاضری اور رب تعالیٰ کے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اپنی مغفرت کی دعا کرانے میں منافق کو صریح شرک نظر آتا ہے اور وہ اپنے اعمال نماز، زکوٰۃ وغیرہ پر ہی نازاں رہتا ہے۔

۳۹۰۰ (علمِ ریاضی --Mathematics)

''اور (اے مسلمانو!) اس طرح ہم نے تمہیں (اعتدال والی) بہترین اُمّت بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ بنو۔'' (۲ : ۱۴۳)

(17) ORBIT : (مدار)

کُلّ'' فِیۡ فَلَكٍ یَّسۡبَحُوۡنَ O (الانبیاء : ۳۳؛ یٰسٓ : ۴۰)

''سب (ستارے اور سیارے) اپنے (اپنے) مدار میں حرکت پذیر ہیں۔'' (۲۱:۳۳؛ ۳۶:۴۰)

(18) PARALLEL : (متوازی خطوط جو مسلسل ایک دوسرے سے ایک ہی فاصلے پر رہیں)۔

فَاِنۡ آمَنُوۡا بِمِثۡلِ مَا آمَنۡتُمۡ بِهٖ فَقَدِاهۡتَدَوۡا (البقرة : ۱۳۷)

''اگر وہ (بھی) اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم اُس پر ایمان لائے ہو تو وہ (واقعی) ہدایت پا جائیں گے۔'' (۲ : ۱۳۷)

(19) PERIMETER : (کسی محدود شکل کی حدود)

تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللهِ فَلَا تَعۡتَدُوۡهَا وَمَنۡ یَّتَعَدَّ حُدُوۡدَ اللهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ O (البقرة : ۲۲۹)

''یہ اللہ کی (مقرر کی ہوئی) حدیں ہیں، پس تم اُن سے آگے مت بڑھو اور جو لوگ اللہ کی حدود سے تجاوز کرتے ہیں، وہی لوگ ظالم ہیں۔'' (۲ : ۲۲۹)

(20) QUADRANGLE : (چوگوشیا شکل بالخصوص مربع یا مستطیل)

وَاللهُ جَعَلَ لَكُمۡ مِّنۡ بُیُوۡتِكُمۡ سَكَنًا (النّحل : ۸۰)

''اور اللہ نے تمہارے لئے تمہارے گھروں کو سکونت کی جگہ بنایا۔'' (۱۶ : ۸۰)

(21) RATIO : (تناسب، دو چیزوں کے درمیان مقدار یا جسامت وغیرہ کے لحاظ سے باہمی ربط)

اِنۡ تَكُوۡنُوۡا تَاۡلَمُوۡنَ فَاِنَّهُمۡ یَاۡلَمُوۡنَ كَمَا تَاۡلَمُوۡنَ (النسآء : ۱۰۴)

''(اے مسلمانو!) اگر تمہیں (پیچھا کرنے میں) تکلیف پہنچتی ہے تو اُنہیں بھی (تو ایسی ہی) تکلیف پہنچتی ہے جیسی تکلیف تمہیں پہنچ رہی ہے۔'' (۴ : ۱۰۴)

(22) ROTATION : (گردش، چکر، دولابی عمل)۔

وَتِلۡكَ الۡاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیۡنَ النَّاسِ (آلِ عمران : ۱۴۰)

''اور یہ دن ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان پھیرتے رہتے ہیں۔'' (۳ : ۱۴۰)

(23) SCALAR : (ایسی مقدار جس میں صرف حجم یا قدر ہو' جہت نہ ہو)

اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ (اَلنّور : ۳۵)

''قندیل گویا ایک چمکدار ستارہ ہے' ایک نہایت مفید درخت (یعنی) زیتون سے روشن کیا جاتا ہے جو نہ پورب رخ ہے اور نہ پچھم رخ ہے' یوں معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود جل اٹھے گا اگرچہ آگ اُسے نہ بھی چھوئے۔'' (۲۴ : ۳۵)

(24) STRAIGHT LINE : (خطِ مستقیم)

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ O (اَلفاتحۃ : ۵)

''(اے اللہ!) ہمیں سیدھی راہ دکھا دے۔'' (۱ : ۵)

(25) TRIANGLE : (مثلث)

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ (المائدۃ : ۷۳)

''بے شک ایسے لوگ بھی کافر ہو گئے جنہوں نے کہا: اللہ تین (معبودوں) میں سے تیسرا ہے۔''

(26) VECTOR : (ایسی مقدار جو قدر کے ساتھ سمت کی بھی حامل ہو)

وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا (یوسف : ۱۰۰)

''اور یوسف (علیہ السلام) نے اپنے والدین کو اوپر تخت پر اٹھا لیا اور وہ (سب) یوسف (علیہ السلام) کے لئے سجدہ میں گر پڑے۔'' (۱۲ :۱۰۰)

نوٹ: درجِ بالا قرآنی آیات میں سے اکثر آیات متعلقہ اصطلاحات کے حوالے سے ضمنی اور بالواسطہ (Implied) ہیں' براہِ راست نہیں۔

علمِ ریاضی میں مسلمان ریاضی دانوں کی خدمات

علمِ ریاضی کے میدان میں مسلمان ریاضی دانوں کے کارنامے انتہائی نمایاں حیثیت کے حامل ہیں۔ دوسرے علوم کے مطالعہ کی طرح اس علم کا باقاعدہ مطالعہ دوسرے عباسی خلیفہ منصور کے عہد میں آٹھویں صدی ہجری کے دوسرے نصف میں شروع ہوا۔ اس عرصہ کے دوران علمِ ریاضی پر کام بلا شرکتِ غیرے مسلمانوں نے کیا ("Introduction to the History of Science"... George Sarton, Vol 1, p. 521)

تحقیقات جاری رہیں اور پانچویں صدی ہجری رگیارہویں صدی عیسوی کے اختتام تک تقریباً تمام اصلی اور تخلیقی کام مسلمانوں نے کر لیا تھا۔ تمام غیر مسلموں نے بھی ریاضی پر کام عربی زبان میں کر لیا تھا۔ بارھویں صدی میں یہود و نصاریٰ نے بھی اس میدان میں تحقیق کرنا شروع کی لیکن تیرھویں صدی عیسوی کے اختتام تک عیسائیوں یا یہودیوں کی طرف سے ریاضی میں کوئی بھی کام مسلمانوں کے کام کے مقابلہ کا نہ ہو سکا تھا۔'' ("Islam & Evolution of Science"... Muhammad Saud, p. 17)

''مسلمانوں نے علم الہندسہ میں ترقی کی۔ اُنہوں نے روزمرّہ استعمال کے علم الاعداد پر کتابیں تحریر کیں۔ تجارتی علم الہندسہ پر بھی اُنہوں نے کام کیا ہے۔''

''مسلمانوں نے الجبرا کو ایک مستقل سائنس کی شکل دی۔ اس مضمون سے متعلق الخوارزمی نے اپنی کتاب کا نام ''کتاب الجبر والمقابلہ'' رکھا۔ لفظ ''جبر'' کا معنیٰ ''نقصان یا ایذا کی تلافی'' (Restitution) کا ہے۔ وہ کسی معلوم مقدار میں کسی چیز کا اضافہ کرنا ہے یا اُسے ضرب دینا ہے تاکہ وہ دوسری کسی مقدار کے مساوی ہو جائے۔ ''مقابلہ'' کا معنیٰ ''موازنہ'' کا ہے۔ اس اصطلاح کا اطلاق کسی مساوات کی طرفین (دو طرفوں) کے موازنہ میں ہوتا ہے جیسے $a+b=5$۔ یوں لگتا ہے کہ لفظ ''الجبر'' کو ابتداء میں جمع (+) اور ضرب (x) کے لئے استعمال کیا جاتا تھا لیکن بعد میں یہ تمام مضمون کے لئے استعمال ہونے لگا۔''

''الجبرا پر اپنی کتاب میں الخوارزمی نے پہلے پہل دوسری درجاتی مساوات کے مسائل پر بحث کی ہے۔ اُس کے بعد وہ ضرب (x) اور تقسیم (÷) کو بیان کرتا ہے۔ وہ سطحوں کی پیائش کو زیرِ بحث لاتا ہے۔ اُس کی کتاب کا ایک حصّہ وراثت کے مسائل سے متعلق ہے۔ پہلے درجے کی مساوات کو عددی مثالوں سے واضح کیا گیا ہے۔ مصنّف نے خطی مساوات اور دو مدارجی مساوات (Linear & Quadratic Equations) کا تحلیلی حل پیش کیا ہے۔ مساوات کو حل کرنے کے اس طریقے سے منفی اور مثبت علامات پیدا ہوئیں۔ اُس نے دو مدرجی مساوات کا شکلوں کے ذریعے جیومیٹریکل حل بھی پیش کیا ہے' جیسے $x^2+10x=20$۔ ایسی مساوات کا اعادہ بعد میں آنے والے مصنفین نے کیا ہے۔'' (''کتاب الجبر والمقابلہ'' ـ ـ الخوارزمی' صفحات ۱۵ تا ۱۰۶)

''اپنی کتاب میں پیسا کے Leonardo نے الخوارزمی کی طرح دو مدرجی مساوات کی چھ صورتیں بتائی ہیں۔ اُس کا بیان ہے کہ عرب قاعدے کو فیثاغورث کے قاعدے پر فوقیت حاصل ہے۔'' ("The Legacy of Islam" ... Arnold and Guillaume, p. 384)

الخوارزمی اور الکندی کی تحریریں وہ بڑا ذریعہ تھیں جن کی وساطت سے اہلِ مغرب عددی نظام سے متعارف ہوئے۔'' (''الفہرست'' لابن ندیم' صفحات ۳۷۸'۳۷۹)

۳۹۰۳(علمِ ریاضی ـ۔Mathematics)

''علم ہیئت کے ماہراور ریاضی دان ایک مسلمان ابوسعید الضریر (م 845ھ) نامی نے جیومیٹری کے مسائل پر ایک علمی مقالہ تحریر کیا۔'' ("The Legacy of Islam" ... Arnold and Guillaume, p. 562)

''نویں صدی عیسوی کے دوسرے نصف میں ریاضی دانوں کی تعداد خاصی بڑھ گئی۔ اُن میں کچھ کو علم الہندسہ میں' کچھ کو جیومیٹری میں تخصص حاصل تھا اور کچھ دوسروں نے جو علمِ ہیئت کے ماہرین تھے' علم مثلثات (Trigonometry) میں اپنی دلچسپی ظاہر کی۔ اس عرصہ کے دوران ہندسی عدد (Numerals) کا استعمال عام ہوگیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اُس وقت مسلمانوں کی تجارت دنیا کے ہر حصّہ میں پھل پھول رہی تھی۔ ہندسی علامات کی حامل شروع کی مسلم دستاویزات کی تاریخ 874 سے 888 عیسوی تک کی ہے۔'' "Introduction to the History of Science"... George Sarton, Vol 1, p. 585)

''اس صدی کا بڑا ریاضی دان اور علمِ ہیئت کا ماہر فارس کے علاقے ماہان (کرمان) کا ابوعبداللہ محمد بن عیسیٰ الماہانی (م 844 عیسوی) تھا۔ اُس نے Euclid اور ارشمیدس پر تبصرے لکھے اور اسحاق بن حنین کے کیے ہوئے ترجمہ کی اصلاح کی۔ اُس نے ارشمیدس کے ایک مسئلے کو حل کرنے کی ناکام کوشش کی جسے ایک کروی شکل کو ایک معلوم نسبت سے دو حصّوں میں تقسیم کرنا تھا۔'' (ایضاً' صفحہ 597)

''دسویں صدی عیسوی میں ریاضی پر تمام تخلیقی کام مسلمانوں نے بلا شرکتِ غیرے کیا اور تمام تحریریں عربی میں کی گئیں۔ اس صدی کے اختتام پر ریاضی دانوں کی تعداد خاصی اضافہ پذیر ہوگئی۔ اس صدی کے ممتاز ریاضی دان ابو کامل نے الجبرا پر کیے ہوئے الخوارزمی کے کام کی تکمیل کی۔ اُس نے الجبرائی نقطہ نگاہ سے شکلِ مخمس (Pentagon) اور ذوعشرۃ الاضلاع (دس پہلوؤں والی مسطح شکل Decagon) کا خصوصی مطالعہ کیا۔ اُس کی تحریروں کا مطالعہ اور اُن سے استفادے کا کام الکرخی اور لیونارڈو نے خوب لیا۔'' (ایضاً' صفحہ 630)

''علم ہیئت اور ریاضی کے ماہر ابواسحاق ابراہیم بن صنعان نے مخروطیات (Conics) کی ابتدائی کتاب اور بطلیموس کے علم ہیئت کی تحریروں ''المجسطی'' پر تبصرے لکھے۔ جیومیٹری اور علم ہیئت کے مضامین پر کئی مسوّدات اُس کی طرف منسوب ہیں۔ مکافی (Parabola) میں اُس کی مربع نگاری (Quadrature) ارشمیدس کی نسبت بہت سادہ ہے۔ احصائے تکملی (Integral Calculus) کے وجود میں آنے سے پہلے یہ اپنی سادگی کو منوا چکی ہے۔''

''مسلم ریاضی دان اور علم ہیئت کے ماہر علی بن احمد العمرانی (م 955) نے ابو کامل کے الجبرا پر تبصرہ تحریر کیا۔'' (ایضاً' صفحہ 233)

''ابوجعفر الخازن (م 961) نے Euclid کی دسویں کتاب پر تبصرہ لکھا۔ چند اور ریاضیاتی اور علمِ

ہیئت کی تحریریں بھی اُس کی طرف منسوب ہیں۔ اُس نے مخروطی اشکال کے ذریعے ''الماہانی مساوات'' نامی سہ رکنی مساوات کو حل کیا جسے الماہانی خود حل نہ کر سکا تھا۔'' ("Introduction to the History of Science"... George Sarton, p. 664)

''بہت سے ریاضیاتی اور ہیئتی کاموں کے مصنف الکوہی نے ارشمیدس اور اپالو کے مسائل پر تحقیقات کیں جو اعلیٰ درجاتی مساوات سے متعلق ہیں۔ اُس نے ان میں سے چند مساوات کو حل کیا اور اُن کے حل ہونے کی شرط پر بحث کی۔ مسلمانوں کی طرف سے جیومیٹری پر کی گئی یہ تحقیقات بہترین ہیں۔'' (تاریخ الحکماء لقفطی' صفحہ 351)

''ابوالوفاء محمد البزجانی جو علمِ ہیئت کا ماہر اور عظیم مسلم ریاضی دان تھا' بغداد میں پھلا پھولا اور 997 یا 998 میں فوت ہو گیا۔ یونانی تحریروں کا وہ آخری عرب مترجم اور تبصرہ نگار تھا۔ اُس نے Euclid, Diophantos اور الخوارزمی کی تحریروں پر تبصرے کئے اور علم الہندسہ پر ''کتاب الکامل'' نامی ایک کتاب لکھی۔ اطلاقی جیومیٹری پر ''کتاب الہندسہ'' نامی ایک کتاب بھی اُس کی طرف منسوب ہے۔''

''ابو غالب محمد ابن خلف فخر الملک (م 1016) کے وزارتی دَور میں ابوبکر محمد الکرخی ابن الحسن (یا ابن الحسین) بغداد میں پھلا پھولا۔ وہ مسلمان ریاضی دانوں میں عظیم ترین ریاضی دان تھا۔ اُس نے علم الہندسہ پر ایک کتاب بہ عنوان ''الکافی فی الحساب'' لکھی۔ اس کتاب کا زیادہ تر انحصار یونانی علم پر ہے۔ ہندسی علامت کو استعمال کرنے کی بجائے مصنف نے اعداد کا پورا نام لکھ دیا ہے۔ اُس نے الجبرا پر ایک کتاب بہ عنوان ''الفخری'' لکھی جسے اُس نے (وقت کے وزیر) کے نام منسوب کر دیا۔ اُس نے دلائل کے ساتھ دو دَرجی مساوات (Quadratic Equations) کا مکمل حل پیش کیا اور اس قسم کی مساوات میں درجات کے چھوٹا ہونے کو بیان کیا۔

''فارسی ریاضی دان ابوالحسن علی النساوی نے جو بویہی سلطان مجد الدولہ (م 1029) اور اُس کے جانشین کے دَور میں پھلا پھولا' عملی علم الہندسہ پر فارسی میں کتاب لکھی اور اُس کا ترجمہ عربی میں کیا۔ ''المغنی فی حساب الہندی'' نامی اپنی کتاب میں وہ کسر (Fraction) کی تقسیم کی اور مربعوں اور مکعب کے (Roots) کی تخریج کو بیان کرتا ہے۔''

''ابن الہیثم نے علم المناظر والمرایا (Catoptrics) میں تحقیق کی۔ اُس نے ماہانی کی مکعب مساوات کو بھی حل کیا۔'' (''ہدایۃ العارفین''۔۔۔ اسماعیل باشا البغدادی' جلد ۲' ص ۶۶۰' استنبول ۱۹۵۱)

''ریاضی دان' علم ہیئت کے ماہر' فلسفی' جغرافیہ دان اور سیاح' مدیر قاموس (Encyclopaedist) ابوریحان محمد ابن احمد البیرونی (م 1045) کی علمِ ریاضی میں خدمات قابلِ داد ہیں۔ وہ ہر آنے والے وقت

میں عظیم ترین سائنسدان شمار کئے جاتے رہے ہیں۔اُنہوں نے خاصا وقت ہندوستان میں گزارا۔اُنہوں نے متعدد تحریروں کا سنسکرت سے عربی میں ترجمہ کیا اور مسلم علوم کو ہندی عوام تک منتقل کیا۔مختلف سائنسی مضامین پر متعدد کام آپ کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔آپ نے عربی علم الہندسہ کا اور زاوئے کو تین حصوں میں کاٹنے کا نہایت واضح بیان دیا۔آپ نے بہت سے ایسے مسائل کو (جنہیں بعد میں ''البیرونی کے مسائل'' کا نام دیا گیا) حل کیا جو صرف پیمانے اور پرکار (Compass) سے حل نہیں کئے جا سکتے۔'' (جارج سارٹن بحوالہ محمد سعود)

''اب ہم عمر ابن ابراہیم الخیام کے ریاضیاتی کام کی طرف آتے ہیں جو قرونِ وسطیٰ کے عظیم مسلمان ریاضی دانوں اور علمِ ہیئت کے ماہرین میں سے تھے۔آپ کا الجبرا میں کام یونانیوں' الخوارزمی اور دوسرے مسلمان الجبرا کے ماہرین کے کام پر خاصا اضافہ ہے۔الجبرا کی ترقی میں آپ کی خدمات کو نمایاں مقام حاصل ہے۔''

''جبکہ الخوارزمی صرف دو درجی مساوات کو زیرِ بحث لائے ہیں تو عمر الخیام نے زیادہ تر مکعبی مساوات پر بحث کی ہے۔عمر الخیام نے اِن مساوات کی نمایاں صف بندی کی ہے جن کی بنیاد اُن کی مختلف اصطلاحات پر ہے۔مصنف نے مکعبی مساوات کی 27 قسموں میں صف بندی کی جنہیں مزید چار قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے۔الخیام نے اُنہیں حل کرنے کی کوشش کی اور حل کی حدود کو بیان کیا۔آپ نے اُن میں سے چند ایک کا جزوی جیومیٹری حل دیا۔عمر الخیام کا الجبرا پیرس میں 1857ء میں مدوّن کیا گیا اور اُس کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں کیا گیا۔'' (جارج سارٹن' صفحہ 759 بحوالہ ''اسلام اینڈ ایولیوشن آف سائنس'' صفحات 24,25)

''ابن الیاسمینی نے الجبرا پر ایک چھوٹی سی نظم کمپوز کی اور محمد الحصر نے جو بارھویں اور تیرھویں صدی میں پھلا پھولا' علم الہندسہ اور الجبرا پر ایک علمی مقالہ تحریر کیا جس کا عبرانی زبان میں ترجمہ 1271ء میں کیا گیا۔''

''عبدالملک الشیرازی نے Apollonios کے علمی مسوّدے کی تلخیص کی اور فخر الدین الرازی نے جو وقت کے بہت بڑے عالم و فاضل اور فلسفی تھے' Euclid کے مفروضات پر تحریر کیا۔محمد عبداللہ ابن الحصر ابن یونس کے تعاون سے ایک علمی مقالہ بہ عنوان ''رسالۃ البرکار التمام'' (''مکمل پرکار پر علمی مقالہ'') ضبطِ تحریر میں لایا۔مکمل پرکار ایک ایسا آلہ ہے جس کے ذریعے ہر مخروطی شکل کھینچی جا سکتی ہے۔'' (ایضاً' صفحہ 401)

''ہسپانوی مسلم ریاضی دان ابن البدر نے الجبرا کا اختصار نامہ بہ عنوان ''اختصار الجبر والمقابلہ'' کمپوز کیا۔یہ اختصار نامہ نظریاتی اور ہندسی مثالوں پر مشتمل ہے۔یہ دو درجی مساوات' غیر ناطق اعداد (Surds)' کثیر رقمی (Polynomials) کی ضرب' تناسب کے ہندسی نظریہ' اور اس قسم کے دوسرے مسائل کو زیرِ بحث لاتا ہے۔'' (ایضاً' جلد 2' حصہ 2' صفحہ 622)

''مدیرِ قاموس (Encyclopaedist) کمال الدین ابن یونس (م 1242) نے ہندسی الجبرا' با قاعدہ

۳۹۰۶(علمِ ریاضی ۔۔Mathematics)

سبعۃ الزوایا (Heptagon) یعنی سات اضلاع اور سات زاویوں والی شکل اور اسی طرح کے دوسرے عنوانات پر علمی مقالہ تحریر کیا۔ کمال الدین نے شہنشاہ فریڈرک ثانی کی طرف سے کیے گئے ایک سوال کو حل کیا جو اُسے ایوبی الکامل نے بھیجا تھا (ایوبی الکامل 1218 سے 1238 تک مصر کا اور دمشق کا 1234 سے 1235 تک حکمران رہا)۔ جس سوال کو کمال الدین نے حل کیا' یہ تھا کہ ایک کُروی قطعہ کے مساوی مربع شکل کو کیسے بنایا جائے؟ اُس حل کا ثبوت کمال الدین کے ایک شاگرد المفضل بن عمر الابحری نے دیا جس نے اس پر ایک مضمون بھی تحریر کیا۔'' (ایضاً' صفحہ 600 بحوالہ محمد سعود' صفحہ 26)

''تیرھویں صدی عیسوی کے مراکو کے ریاضی دان اور علمِ ہیئت کا ماہر ابوالعباس احمد بن محمد بہت ہر دلعزیز مضمون نگار تھا۔ وہ تقریباً 74 کتابوں کا مصنف ہے جن میں سے اکثر ریاضی اور ہیئت پر ہیں۔ ''التلخیص عن الحساب'' اُس کی بہت ہر دلعزیز کتاب ہے۔ یہ کتاب کم از کم دو صدیاں پڑھائی جاتی رہی اور اس پر بہت تبصرے لکھے گئے۔ ابن خلدون نے اس کی ثقاہت کو تسلیم کیا ہے۔ 1864ء میں فرانسیسی زبان میں اس کا ترجمہ کیا گیا۔ یہ ہندسیاتی علم کا خلاصہ ہے جو بہت سے دلچسپ پہلوؤں کو شامل ہے۔'' ("Islam and Evolution of Science"... Muhammad Saud, pp. 26, 27)

''تلخیص'' کے علاوہ مصنف نے اعداد و شمار پر چار علمی مقالے لکھے جو علی الترتیب عددِ سالم (Integers)' جذر (Roots) اور متناسبات (Proportions) پر مشتمل ہیں۔ اُنہوں نے ثنائیہ (Binomials)' مسائلِ وراثت اور جیومیٹری پر بھی ایک علمی مقالہ لکھا۔ اُنہوں نے Euclid پر ایک تعارفی مقالہ اور سطحوں کی پیائش پر ایک مقالہ لکھا۔ الجبرا پر ایک کتاب بھی اُن کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔'' ("Introduction to the History of Science"... George Sarton, Vol 1, p.27)

(د) مثلّثات (TRIGONOMETRY)

ریاضی دان Hopper کے بقول Trigonometry کا لفظ یونانی الفاظ Tri (بمعنی تین)' gonon (بمعنی زاویہ) اور metria (بمعنی پیائش) سے لیا گیا ہے۔ ان الفاظ کے معانی کی رُو سے علمِ ریاضی کی اس شاخ کی اہمیت معلوم ہوتی ہے جو مثلثوں کے زاویوں اور ضلعوں کے باہمی تعلق کو زیرِ بحث لاتی ہے۔

مسلمانوں نے تحلیلی جیومیٹری (Analytical Geometry) اور مستوی (Plane) اور کروی شکل کی مثلثات (Spherical trigonometry) کی بنیاد رکھی۔ مؤخر الذکر کو جسے اپنے ابتدائی ارتقائی مراحل میں علمِ ہیئت کی ایک شاخ سمجھا جاتا تھا' تیرھویں صدی میں علمِ ریاضی کی جداگانہ شاخ بنا دیا گیا جب اس کی خاصی ترقی ہو چکی تھی۔'' ("Islam and Evolution of Science".. Muhammad Saud, pp. 18, 19)

۳۹۰۷(علمِ ریاضی۔۔Mathematics)

''الفضل بن حاتم النیرزی نے جو عباسی خلیفہ معتضد (م 922) کے دَور میں پروان چڑھا' بطلیموس اور Euclid پر تبصرے لکھے جن کا ترجمہ لاطینی زبان میں کیا گیا۔ اُنہوں نے مماس(Tangent) کو اصل مثلثاتی عنصر کے طور پر استعمال کیا۔''(ایضاً' صفحہ 21)

البتانی (م 929) نے اپنے علم ہیئت کے کام پر کا تیسرا باب مثلثات کے لئے وقف کیا۔ وہ جیبی تفاعل (Sines) کو یونانی(Chords) سے بہتر اور فائق سمجھتے ہوئے اُن کا استعمال کرتا ہے۔ اُس نے کروی مثلث کے اضلاع اور زاویوں کے مابین تعلق کو واضح کیا جسے اس فارمولا سے ظاہر کیا جاتا ہے:

$$\cos a = \cos b \cos c + \sin b \sin c \cos A.$$

''مثلثات کے ارتقاء میں ابوالوفاء کا کردار قابلِ داد ہے۔ اُس نے مماس کا مطالعہ کیا اور مماس کا ایک جدول تیار کیا۔''

''ابومحمود حامد الخوجندی (م 1000ء) نے ناتمام طور یہ ثابت کیا کہ دو مکعب اعداد کا مجموعہ مکعب عدد نہیں ہوسکتا۔ مخروطی مثلثات سے متعلق اُسے Sine Theorem کا دریافت کرنے والا مانا جاتا ہے۔''

''البیرونی کے استاد ابونصر منصور بن علی اُن تین میں سے ایک ہیں جنہیں Sine Theorem کی دریافت کا اعزاز حاصل ہے۔ وہ بہت سے مثلثاتی اور ہیئتی تحریروں کے مصنف ہیں۔'' (محمد سعود' صفحہ 23)

''گیارھویں صدی عیسوی میں ریاضی کی ترقی کی بابت جارج سارٹن لکھتے ہیں:۔

''اب ذرا اسلام کی طرف چلیں۔ یہ تقریباً سائے سے کھلی دھوپ کی طرف بڑھنے اور خوابیدہ دنیا سے انتہائی گرم جوش دنیا کی طرف بڑھنے کی طرح ہے۔'' ("Introduction to the History of Science", p. 695)
مشرق میں ریاضی پر کام مصر میں ہوا اور مغرب میں سپین' مراکو' تیونس اور دوسرے مقامات پر ہوا۔''

''ابن یونس (م 1009ء) نے پہلے اُن فارمولوں سے تعارف کرایا جو لوگرتھم کی دریافت سے پہلے ناگزیر تھے۔''

''فارس کے ریاضی دان قُشیر بن لبان نے مثلثات کی ترقی میں قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔ اُس نے اُن تحقیقات کو جاری رکھا جو ابوجعفر نے مماس(Tangent) پر شروع کی تھیں اور اُس نے مماس کا جدول مدوّن کیا۔'' (ہدایہ العارفین''۔۔اسماعیل پاشا البغدادی' جلد اوّل' صفحہ ۶۳۸) استنبول ۱۹۵۱ء۔''

۳۹۰۸ (علمِ ریاضی ۔۔Mathematics)

''ایک بہت بڑے ہیئت دان الزرکلی نے مثلثاتی جدولوں کی ساخت کی وضاحت کی (ایضاً، صفحہ ۷۵۸)۔ جابر بن افلح نے علمِ ہیئت پر اپنی کتاب بہ عنوان ''کتاب الھیئۃ'' یا ''اصلاح المجسطی'' میں مثلثات کے تعارف پر ایک اہم مضمون تحریر کیا۔'' (ایضاً، جلد دوم، جزء اوّل، صفحہ ۲۰۶)

''مراکو کے ماہرِ علمِ ہیئت، ریاضی دان اور جغرافیہ دان الحسن المراکشی نے جو 1262ء تک پروان چڑھے، علمِ ہیئت پر مختلف الانواع کام کیے۔''

''اب ہم فارس کے فلسفی، ریاضی دان، علم ہیئت کے ماہر، طبیب اور سائنسدان ناصرالدین الطوسی کے ریاضیاتی کاموں کی طرف آتے ہیں۔ اُس کی تحریریں عربی اور فارسی میں ہیں۔ وہ مسلمانوں کے عظیم ترین ریاضی دان اور سائنسدان تھا۔ متعدد مضامین پر چونسٹھ کتابیں اُس کی طرف منسوب ہیں۔ مثلثات پر اعلیٰ کارکردگی کی وجہ سے وہ خاصا مشہور و معروف ہے۔ اُس نے مسائلِ وراثت پر بھی لکھا اور اُس کا ایک مقالہ اس ثبوت میں ہے دو طاق مربعوں کا مجموعہ مربع نہیں ہو سکتا۔ اُنہوں نے ثابت کیا کہ اگر ایک دائرہ اندرونی طور پر کسی ڈبل قطر کے دائرے کو چھوئے اور اگر دو دائرے مخالف سمت کو یکساں طور پر ۱۲ طرح گھومیں کہ مماس (Tangent) اور چھوٹے دائرے کی رفتار دوسرے بڑے دائرے سے دوگنی بڑھ جائے تو چھوٹے دائرے کا ابتدائی نقطہ اتصال بڑے دائرے کے قطر کے ساتھ حرکت کرے گا۔'' ("Islam and Evolution of Science".. Muhammad Saud)

یہاں اُن چند عربی الفاظ اور اصطلاحات کا ذکر کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا جو فی زمانہ کچھ یورپی زبانوں میں استعمال کیے جا رہے ہیں۔ لاطینی زبان میں لفظ Ciphra، انگریزی زبان میں Cipher اور فرانسیسی زبان میں Chiffre عربی لفظ ''صفر'' سے ماخوذ ہیں جس کا معنیٰ خالی ہونا اور معدوم ہونا ہے۔ ''صفر'' ایک ایسا عدد ہے جو دوسرے عدد کے دائیں جانب لکھا جاتا ہے جس سے اُس عدد کی قیمت دس گنا بڑھ جاتی ہے جیسے 10, 20, 70, 300, 1000, 5000 وغیرہ۔ سترھویں صدی کے اختتام تک فرانسیسی زبان کا لفظ Chiffre اُسی صفر کے مفہوم میں استعمال ہوتا تھا لیکن رفتہ رفتہ اُس کا اطلاق علم الہندسہ کے تمام مضمون پر ہونے لگا۔ انگریزی لفظ Cipher ایک خاص قسم کے صفر (زیرو) کے لئے استعمال ہوتا ہے۔''

''کیمیا کی اصطلاح میں لفظ ''الکلی'' اُس خاص چیز کے لئے استعمال ہوتا ہے جسے اگر تیزاب کے ساتھ ملایا جائے تو اُس کا نتیجہ نمک ہوتا ہے۔ یہ لفظ عربی لفظ ''القلی'' کی تبدیل شدہ صورت ہے۔ سیارگان الجدی، العقرب وغیرہ کے نام بھی عرب اصلیت کے ہیں۔''

''فرانسیسی لفظ Escadre اور انگریزی لفظ Squadron جو مسلح افواج کے ایک حصے پر استعمال ہوتا

ہے' بھی عربی کے لفظ ''عسکریہ'' سے ماخوذ ہیں جو اُسی مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔''

''ترجمہ کے عمل میں مسلم علماء وفضلاء کی کثیر تعداد کے نام بھی بدل دیئے گئے ہیں جس کے نتیجہ میں قاری بعض اوقات سمجھتا ہے کہ وہ یورپ کے غیر مسلمین کے نام ہیں۔اُن میں سے چند ایک نام یہ ہیں :

عربی نام	لاطینی نام
۱۔ ابوالقاسم الزہراوی	Albucasis
۲۔ ابن صنعان البتانی	Albetinius
۳۔ ابوعلی ابن سینا	Avicenna
۴۔ محمد بن زکریا الرازی	Rhazes
۵۔ ابن رُشد	Averroes
۶۔ ابو یوسف یعقوب بن اسحاق الکندی	Alkindus
۷۔ ابوعلی ابن الحسین ابن الہیثم	Alhazen
۸۔ عبدالعزیز ابن عثمان ابن علی القبیسی	Alcabitius
۹۔ عبدالملک ابن ابی علاء الزہر	Avenzoar
۱۰۔ الفضل بن حاتم النیرزی	Anaritius
۱۱۔ ماشاءاللہ	Messahala
۱۲۔ البتانی	Albatenius
۱۳۔ الزرکلی	Arzachel
۱۴۔ جابر بن حیّان	Geber

''درج بالا بحث سے یہ صاف عیاں ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں میں تجسس کا جذبہ اور سائنسی طریقہ یعنی سائنسی تحقیق جس کی طرف وہ اسلامی تعلیمات سے کھچے چلے گئے' جدید سائنس کے ارتقاء پر نتیجہ پذیر ہوئے۔''
"Islam and Evolution of Science"....Muhammad Saud, pp. 13, 14)

ڈاکٹر رابرٹ بریفالٹ (Dr. Robert Briffault) لکھتے ہیں :

''یورپ میں سائنس تحقیق وتجسس کے نئے جذبے اور تحقیق کے نئے طریقوں کے ساتھ ابھری۔یہ طریقہ تجرباتی' مشاہداتی اور ایسی شکل میں ریاضی کے ارتقاء پر مشتمل تھا جس سے اہلِ یونان واقف نہیں تھے اور اُن طریقوں اور اُس روح کو یورپی دنیا سے عرب مسلمانوں نے متعارف کرایا۔'' ("TheMaking of Humanity... p. 191)

(۱۵۷) پختگی، بلوغ (MATURITY)

''جسمانی اور ذہنی صلاحیت واستعداد کی تکمیل کا نام ''بلوغ'' (پختگی) ہے۔ پختگی (اَشُدّ اور رُشد) کا حامل وہ شخص ہوتا رہوتی ہے جس نے قدرتی نشوونما مکمل طور پر حاصل کر لی ہو، جو مکمل طور پر جوان ہو چکا رچکی ہو اور وہ اپنے معاملات کو سنبھالنے کی ذمہ دارانہ انتظامیہ صلاحیت کا رکی مالک ہو۔'' (Encyclopaedia of the Qur'an, Vol. III, p. 330)

اس موضوع پر کے مقالہ نگار چارلس جے آدمز نے مذکوہ بالا ''انسائیکلو پیڈیا آف دی قرآن'' میں ''بلوغ (Maturity)'' کی حسبِ ذیل تین قسمیں بتائی ہیں:۔

(1) جسمانی پختگی (Physical Maturity): جسمانی پختگی میں استعمال ہونے والا عربی لفظ اَشُدّ ہے جس کا مصدر ش۔د۔د بمعنیٰ مضبوط کرنا ہے۔ اَشُدّ کا لفظ قرآن مجید میں آٹھ بار استعمال ہوا ہے اور ہر موقع پر مصدر (ب۔ل۔غ) کی کسی بھی شکل کے ساتھ استعمال ہوا ہے جو بذاتِ خود بلوغت اور پختگی کا معنیٰ دیتا ہے۔ (ب۔ل۔غ) کے اسی مصدر سے ایسے الفاظ بنتے ہیں جو بول چال میں فصاحت و بلاغت کے مظہر ہیں اور اس طرح بلوغ اور آدمی کے زوردار، باوقار اور شائستہ اظہار مافی الضمیر کے مابین تعلق کو آشکار کرتے ہیں۔ وہ شخص جس نے جنسی پختگی کی عمر حاصل کر لی ہے ''بالغ'' کہلاتا ہے۔ سورۃ الانعام اور سورۃ الاسراء دونوں سورتوں میں یَبْلُغَ اَشُدَّہٗ کا جملہ آیا ہے یعنی وہ اپنی پوری قوت کو پہنچ جائے۔ قوت میں جسمانی اور عقلی دونوں قوتیں آ گئیں۔

وَلَاتَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ (الانعام:۱۵۲؛ الاسراء: ۳۴)
''اور یتیم کے مال کے قریب مت جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو بہت ہی پسندیدہ ہو یہاں تک کہ وہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے۔'' (۶:۱۵۲ ؛ ۳۴ : ۱۷)

''یتیم کے مال کے قریب نہ جانے'' کا مطلب یہ ہے کہ اُس کی جائداد میں کسی قسم کا تصرّف نہ رکھو۔ سرپرستوں کو یتیموں کے مال کے نہ ہتھیانے یا غصب نہ کرنے کا حکم دیا گیا اور یہ کہ وہ اُس مال کا موزوں طریق سے تصرف کریں جو یتیم کے مفاد میں ہو یہاں تک کہ یتیم سنّ بلوغ کو پہنچ جائے اور وہ اپنے مال کو سنبھالنے اور اُس کا انتظام کرنے کا اہل ہے تو اُس کا مال اُس کے سپرد کر دیا جائے۔ مکاتبِ فقہ نے اسی اصول کا اطلاق والد کے اپنے بچوں کے مال و جائداد کے سرپرست ہونے پر کیا ہے۔

تاہم نابالغ بچے کے مال و دولت کے استعمال کی اُس کے سرپرست کو جو قطعی ممانعت کی گئی ہے، اُس میں کچھ مستثنیات بھی ہیں جیسا کہ سورۃ النساء کی اس آیت سے ظاہر ہے:۔

وَ ابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَاْكُلُوْهَا اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا وَ مَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ

فَقِيْرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝ (اَلنِّسَاء : ٦)

''اور یتیموں کی جانچ کرتے رہو یہاں تک کہ وہ عمرِ نکاح کو پہنچ جائیں تو اگر تم اُن میں ہوشمندی دیکھ لو تو اُن کا مال اُن کے حوالے کردو اور مال کو اِسراف سے اور اس خیال سے کہ وہ بڑے ہو جائیں گے مت کھا ڈالو' تو جو سرپرست خوشحال ہو تو اُسے چاہئے کہ (یتیموں کے مال سے) پرہیز کرے اور جو سرپرست فقیر ہو تو وہ مناسب مقدار سے کھالے' پھر جب تم اُن کے مال اُنہیں لوٹاؤ تو اُن پر گواہ بنالیا کرو اور حساب لینے والا اللہ کافی ہے۔'' (۶ : لم)

فَإِنْ آنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا یعنی بلوغ و آزمائش کے بعد اگر اُن میں انتظام اور صَرفِ مال کا سلیقہ پاؤ۔ یہاں دیکھنے کی چیز اُن کی صرف انتظامی صلاحیت ہوگی نہ کہ اُن کی عبادت و تقویٰ۔ رُشْـــــدًا یہاں سلیقہ مندی اور انتظام کے مفہوم میں ہے نہ کہ تقویٰ اور ہدایت کے عام معنیٰ میں۔

''اِس آیت میں نابالغ بچوں کو مال دینے سے منع فرمایا ہے اور احادیث سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میرے والد مجھے رسولِ اکرم ﷺ کے پاس لے کر گئے اور کہا کہ میں نے اپنے اِس بیٹے کو مال ہبہ کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: کیا تم نے اپنے سب بچوں کو اِتنا ہی مال ہبہ کیا ہے؟ اُنہوں نے کہا: نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تو اِس سے رجوع کرلو۔''
(صحیح بخاری ۔۔ رقم الحدیث: ۲۵۸۶ ؛ صحیح مسلم ۔۔ رقم الحدیث : ۱۶۲۳)

''اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ کم عمر بچوں کو ہبہ کرنا صحیح ہے البتہ اُن میں مساوی ہبہ کرنا چاہئے جبکہ آیتِ مذکورہ میں کم عمر بچوں کو مال دینے سے منع کیا گیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آیتِ مذکورہ میں ناسمجھ بچوں کو مال ہبہ کرنے اور اُن کی ملکیت میں دینے سے منع نہیں فرمایا بلکہ تصرّف کرنے کے لئے اُن کے ہاتھوں میں مال دینے سے منع فرمایا ہے کیونکہ وہ اس کی حفاظت کرنے اور اُسے صحیح محل پر خرچ کرنے کے طریقوں پر مطلع نہیں ہوتے۔'' (''تبیان القرآن'' ۔۔ علامہ غلام رسول سعیدی' جزء دوم' صفحات ۵۸۰' ۵۸۱)

''یتیم کا مال کھانے میں فقہائے احناف کا مسلک : علامہ ابوبکر جصاص (م ۳۷۰ھ) نے بیان کیا ہے کہ فقہائے احناف کے نزدیک یتیم کے ولی (سرپرست) کے لئے یتیم کا مال کھانا جائز نہیں ہے نہ بطورِ قرض اور نہ بہ طورِ تبرّع۔ نیز اُنہوں نے لکھا ہے کہ یتیم کے ولی کو قاضی اور عامل پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ اُنہوں نے لکھا ہے کہ وصی اور ولی بغیر کسی شرط کے بہ طریقِ تبرّع اور احسان' یتیم کے مال کی دیکھ بھال کرتا ہے' اس لئے اس کی اجرت واجب نہیں ہے اور اُسے یتیم کے مال سے لینا جائز نہیں ہے' نہ بہ طورِ قرض اور نہ بہ طورِ غیر قرض''
(احکام القرآن' ج ۲' ص ۶۸' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور بحوالہ ''تبیان القرآن'' جلد دوم' صفحہ ۵۸۳)

۳۹۱۲ (بلوغ، پختگی Maturity)

''بلوغ اور مال کو کنٹرول کرنے کے درمیان تعلق کی مثال موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کے واقعہ میں بھی دیکھی جا سکتی ہے (جس کا ذکر سورۃ الکہف کی آیت ۸۲ میں ہوا)۔ شکستہ دیوار جو گرنے کے قریب تھی کو کھڑا کرنے کے جواز میں خضر علیہ السلام نے فرمایا:

وَ اَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَا اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ (الکہف: ۸۲)

''اور وہ جو دیوار تھی تو وہ شہر میں (رہنے والے) دو یتیم بچوں کی تھی اور اُس کے نیچے اُن دونوں کے لئے ایک خزانہ (مدفون) تھا اور اُن کا باپ صالح (شخص) تھا، سو آپ کے رب نے ارادہ کر لیا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور آپ کے رب کی رحمت سے وہ اپنا خزانہ (خود ہی) نکالیں اور میں نے (جو کچھ بھی کیا) از خود نہیں کیا۔'' (۸۲ : ۱۸)

اِس آیت میں بیان کردہ واقعہ کا پس منظر یہ ہے کہ موسیٰ اور خضر علیہما السلام کا ایک بستی میں قیام ہوا۔ جب وہ وہاں سے چلے تو اِن بزرگوں نے وہاں دو یتیم بھائیوں کی ایک دیوار کو دیکھا جو گرنے کو تھی اور جس کے نیچے اُن کے والدین کا چھوڑا ہوا دفینہ تھا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے بغیر کوئی معاوضہ لئے اُس دیوار کو سیدھا کر دیا۔ سید محمود آلوسی اپنی تفسیر ''روح المعانی'' میں بیان کرتے ہیں کہ خضر علیہ السلام نے یہ کام اس لئے کیا کہ اُن کا والد ایک نیک اور پارسا آدمی تھا جس کا ظاہر نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن لڑکوں کو اُن کے نیک والدین کے توسّل سے ایک بڑے نقصان سے بچا لیا۔

(2) ذہنی پختگی (''رُشد'') : یتیموں کے مال کے انتظام سے متعلق آیاتِ قرآنی میں یتیموں کے سرپرستوں کو حکم دیا گیا ہے کہ یتیموں کا مال اُن کے سپرد کرنے سے قبل اُن کی انتظامی صلاحیت کی جانچ پڑتال کر لیا کریں کہ وہ اُسے بہ احسن طریق سنبھال بھی سکتے ہیں کہ نہیں (سورۃ النساء : ۶)۔ مال کی اس سپردگی کی بنیاد قرآن کا یہ جملہ ہے : فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا (یعنی اگر تم اُن میں ہوشمندی دیکھ لو)۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا کہ رُشدًا یہاں سلیقہ مندی اور انتظام کے مفہوم میں ہے۔ اِسی نکتہ کے منفی پہلو کو سورۃ النساء کی آیت ۵ میں بیان کیا گیا کہ اپنے مالوں کو کم عقلوں کے سپرد نہ کیا کرو جسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے سہارا بنایا ہے۔

یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں ذہنی پختگی کو بھی سنِ بلوغ تک پہنچنے کے ساتھ جوڑا گیا ہے جیسا کہ فرمایا:

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا (یوسف : ۲۲)

''اور جب وہ (یوسف علیہ السلام) اپنے کمالِ شباب کو پہنچ گیا تو ہم نے اُسے حکم (نبوّت) اور علم (تعبیر) عطا فرمایا۔'' (۲۲ : ۱۲)

یہی بات سورۃ القصص کی آیت ۱۴ میں موسیٰ علیہ السلام کی بابت کہی گئی ہے۔

۳۹۱۴ (بلوغ، پختگی Maturity)

الماوردی (م ۴۵۰ھ/۱۰۵۸ء) اور دوسرے قدیم علماء کا اصرار اس بات پر ہے کہ قاضی کے منصب کے لئے ذہنی پختگی کا ہونا اوّلیں شرط ہے۔

(3) ''روحانی پختگی: سورۃ الاحقاف کی آیت ۱۵ جس میں والدین سے پیار و محبت کے سلوک کرنے کا حکم ہے، اس بات کی مظہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بندے کے ساتھ اچھائی کی سمجھ بوجھ چالیس (۴۰) برس کی عمر میں آتی ہے۔ اُس وقت بندہ اپنے پروردگار کی اپنی ذات پر اور اپنے والدین پر عطیات و نوازشات کا شکر بجالانا، رضائے الٰہی کے کاموں کو بجالانا، اپنی اولاد کے لئے دعا کرنا اور اپنی اطاعتِ خدا کو بجالانا شروع کرتا ہے۔ اس طرح مکمل روحانی پختگی کی تحصیل جسمانی پختگی کے بہت بعد ہوتی ہے۔''

''بلوغ رپختگی رب تعالیٰ کی تخلیقی قوّت کا ثبوت ہے: سورۃ الحج اور سورۃ المؤمن کی درج ذیل دو آیات میں بیان کردہ بلوغ رپختگی اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا ثبوت ہے:

(۱) يَآأَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ (اَلحجّ: ۵)

''اے لوگو! اگر تمہیں روزِ محشر کو جی اُٹھنے میں کوئی شک ہو تو ذرا تم اس امر میں غور و فکر کرو کہ ہم نے ہی تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے، پھر خون کے لوتھڑے سے، پھر گوشت کے ٹکڑے سے۔ کچھ کی تخلیق مکمل ہوتی ہے اور کچھ کی تخلیق نامکمل۔۔ تاکہ ہم تمہارے لئے (اپنی قدرت کا کمال) ظاہر فرمائیں اور ہم رحموں میں جسے چاہیں ایک مقررہ میعاد تک قرار بخشتے ہیں۔ پھر ہم تمہیں بچہ بنا کر نکالتے ہیں، پھر (تمہاری پرورش کرتے ہیں) تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچ جاؤ۔'' (۵ : ۲۲)

(۲) هُوَالَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ (اَلمؤمن: ۶۷) [۶۷ : ۴۰]

''وہ وہی تو ہے جس نے تمہاری (کیمیائی حیات کی ابتدائی) پیدائش مٹی سے کی پھر (حیاتیاتی ابتدا) ایک نطفہ (یعنی ایک خلیہ) سے کی پھر رحمِ مادر میں معلّق وجود سے، پھر (بالآخر) وہی تمہیں بچہ بنا کر نکالتا ہے پھر (تمہیں نشو و نما دیتا ہے) تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچ جاؤ، پھر (تمہیں عمر کی مہلت دیتا ہے) تاکہ تم بوڑھے ہو جاؤ اور تم میں سے کوئی (بڑھاپے سے) پہلے ہی وفات پا جاتا ہے اور (یہ سب کچھ اس لئے کیا جاتا ہے) تاکہ تم (اپنی اپنی) مقررہ میعاد تک پہنچ جاؤ اور اس لئے (بھی) کہ تم سمجھ سکو۔''

وہی اللہ جو انسان کو عدم سے وجود میں لایا، پھر اُسے معدوم کیا، پھر اس معدومیت کے بعد وہ اُسے دوبارہ عدم سے وجود میں لانے پر قادر ہے اور اس حقیقت کو اسی سورۃ المؤمن کی آیت ۶۸ میں بیان کیا گیا۔

(۱۵۸) پیائش کا عمل (MEASUREMENT)

''طول' رقبہ' حجم' وزن اور وقت جیسی مادّی مقدار وں کی جسامت معلوم کرنا ''عملِ پیائش'' (Measurement) کہلاتا ہے۔'' (انسائیکلو پیڈیا آف دی قرآن' جلد ۳' صفحہ ۳۳۲)

''معلوم ہونا چاہئے کہ طول' رقبہ' حجم اور وزن کی عملی پیائش کسی مادّی چیز پر کی جاتی ہے جبکہ وقت کی پیائش اُس کے دورانیے کے شمار سے کی جاتی ہے۔'' (ایضاً)

''پیائش کے قریب قریب ہم معنیٰ الفاظ ''قیاس'' یا ''قیس'' یا ''قوس'' ہیں جن کے مصادر ق ۔ ی ۔ س اور ق ۔ و ۔ س ہیں ۔ تاہم کچھ الفاظ ایسے بھی ہیں جو (ق ۔ د ۔ ر) کے مصدر سے ماخوذ ہیں جو اُنہی الفاظ کے ہم معنیٰ ہیں جن کے مصادر (ق ۔ ی ۔ س) اور (ق ۔ و ۔ س) ہیں مثلاً قَدّ رَ' مِقْدَار جو مِقیاس کے معنیٰ (پیائش) سے ہم آہنگ ہے۔ (''اَلصّحاح'' للجوھری' جلد ۳' صفحہ ۹۶۷)۔ ق ۔ د ۔ ر کے مصدر سے ماخوذ ایسے الفاظ مختلف آیاتِ قرآنی میں پائے جاتے ہیں اور طول' حجم' وزن اور وقت کی پیائش کا معنیٰ دیتے ہیں ۔ اِن کے علاوہ کچھ الفاظ ایسے ہیں جو پیائش کی مختلف صورتوں سے متعلق ہیں اور اُن کے مصادر بھی مختلف ہیں جیسے (ذ ۔ ر ۔ ع)' (ق ۔ و ۔ س)' (ط ۔ و ۔ ل)۔ مصادر (ع ۔ ر ۔ ض) طول کی پیائش کے لئے' (ک ۔ ی ۔ ل) حجم کے لئے اور (و ۔ ز ۔ ن' ث ۔ ق ۔ ل) اور (خ ۔ ف ۔ ف) وزن کی پیائش کے لئے استعمال ہوتے ہیں ۔

(الف) طول کی پیائش : درج ذیل قرآنی آیات میں ہمیں الفاظ (ط ۔ و ۔ ل)' (ق ۔ د ۔ ر)' (ذ ۔ ر ۔ ع)' (ق ۔ و ۔ س) اور (ع ۔ ر ۔ ض) کے مصادر سے ماخوذ ملتے ہیں :

(۱) هُوَالَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ (یونس: ۵)

(۱) اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًاO (بنی اسرائیل : ۳۷)

(۲) اَنِ اعْمَلْ سَابِغَاتٍ وَّقَدِّرْ فِی السَّرْدِ (سَبا : ۱۱)

(۳) ثُمَّ فِیْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا (الحآقّة : ۳۲)

سورہ آلِ عمران کی آیت ۱۳۳ اور سورۃُ الحدید کی آیت ۲۱ میں وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ کے الفاظ میں چوڑائی کے معنیٰ میں لفظ ''عَرض'' استعمال کیا گیا ہے جو بہر صورت طول (لمبائی) سے کم ہوتا ہے ۔ یہ آیت جنت کے وسیع و عریض رقبے کی مظہر ہے جس کی حقیقت صرف اُس کا خالق اللہ تبارک وتعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے ۔ اس مضمون کو حدیث لٹریچر میں بھی زیرِ بحث لایا گیا ہے ۔

(ب) رقبے کی پیائش : تین قرآنی آیات ایسے الفاظ پر مشتمل ہیں جن کا ماخذ (م ۔ س ۔ ح) ہے

۳۹۱۵ (عملِ پیائش Measurement)

جس کا ایک مطلب کسی جگہ پر ہاتھ پھیرنا اور دوسرا مطلب وضو میں (سر کا) مسح کرنا ہے۔ ''مِساحة'' کا مصدر اگرچہ م-س-ح ہے لیکن بعد میں وہ کسی جگہ ہاتھ پھیرنے سے ہٹ کر کسی اور معنی میں استعمال ہونے لگا۔ قرآن مجید سورۃ المائدۃ میں فرماتا ہے:

وَامۡسَحُوۡا بِرُءُوۡسِكُمۡ (المائدۃ : ٦)

''اپنے سروں کا مسح کرلیا کرو۔'' (٦ : ٥)

سورۃ النساء کی آیت ۴۳ میں بھی وَامۡسَحُوۡا کا لفظ اُسی معنی میں آیا ہے۔ مَسۡحًا کا لفظ سورہ صٓ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے بیان میں آیا ہے:

فَطَفِقَ مَسۡحًا بِالسُّوۡقِ وَالۡاَعۡنَاقِ (صٓ : ۳۳)

''تو آپ (سلیمان علیہ السلام) نے اُن (گھوڑوں) کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ صاف کرنا شروع کیا۔'' (۳۸:۳۳)

اگرچہ کسی رقبے کی پیائش کے لئے عربی لفظ ''مِساحة'' موجود ہے لیکن قرآن مجید میں رقبے کی عملی پیائش کے لئے حقیقتاً یا تشبیہاً کوئی لفظ نہیں ہے۔

(ج) <u>حجم کی پیائش</u>: کچھ آیاتِ قرآنی جو (ک-ی-ل، ق-د-ر) اور (ص-و-ع) کے مصادر سے لئے گئے ہیں، حجم کی پیائش کے معنی میں آئے ہیں جیسا کہ ذیل کی آیات:

(۱) وَاَوۡفُوا الۡكَيۡلَ اِذَا كِلۡتُمۡ (بنی اسرائیل : ۳۵)

''اور ناپ پورا رکھا کرو جب بھی (کوئی چیز) ناپو۔'' (۳۵ : ۱۷)

(۲) وَاِذَا كَالُوۡهُمۡ اَوۡ وَّزَنُوۡهُمۡ يُخۡسِرُوۡنَ ۝ (المطفّفین : ۳)

''جب اُنہیں ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو گھٹا کر دیتے ہیں۔'' (۸۳:۳)

سورہ یوسف کی آیت ۶۳ میں نَكۡتَلۡ اور سورۃ المطفّفین کی آیت میں اِكۡتَالُوۡا کے معانی حجم کی مقدار کا حاصل کرنا ہے۔ كَيۡل جو سورۃ الانعام کی آیت ۱۵۲ اور سورۃ الاعراف کی آیت ۸۵ وغیرہ میں آیا، کا معنیٰ حجم کی مقدار ہے۔ سورہ یوسف کی آیت ۶۵ میں كَيۡلَ بَعِيۡرٍ اونٹ کے اٹھانے کا بوجھ ہے۔

''قدرؔ'' کے مصدر سے ماخوذ الفاظ قَدَّرَ (جو سورۃ الدّھر کی آیت ۱۶ میں آیا، حجم کی پیائش کرنے کے معنیٰ میں ہے) اور قَدَر ہیں بمعنیٰ حجم کی پیائش (جو سورۃ المؤمنون کی آیت ۱۸ میں، سورۃ الزُّخرُف کی آیت ۱۱ میں آیا)۔

(د) <u>وزن کی پیائش</u>: قرآنی آیات میں وہ الفاظ جو وزن کی پیائش سے متعلق ہیں، وہ (و-ز-ن)

۳۹۱۶ (عملِ پیمائش (Measurement

ث-ق-ل' خ-ف-ف اور ق-د-ر) کے مصادر سے ماخوذ ہیں۔(و-ز-ن) کے مصدر کے الفاظ وَزَنَ(سورۃ المطففین: ۳) (بمعنیٰ وزن کرنا)،فعلِ امر زِنُوا (سورۃ بنی اسرائیل: ۳۵؛ سورۃ الشعراء:۱۸۲) اوراسم وزن ہیں جوروزِ قیامت لوگوں کے اعمال کے وزن کرنے کے معنیٰ میں ہے اوروہ سورۃالاعراف کی آیت ۸' سورۃالکہف کی آیت ۱۰۵ اورسورہ الرّحمٰن کی آیت ۹ میں استعمال ہوا۔سورۃ الاعراف کی آیت ۸ اورسورۃالکہف کی آیت ۱۰۵ میں اس کا استعمال تشبیہاً لوگوں کے اعمال کے وزن کرنے کے معنیٰ میں ہے' جبکہ سورہ الرحمٰن کی آیت ۹ میں وزن کا عمل حقیقی ہے۔''وزن'' کا ایک اورمشتق لفظ ''میزان'' ہے جس کی جمع موازین ہے جس کے تین مختلف قرآنی معنیٰ ہیں : (۱) یہ لفظ عدل وانصاف کی علامت کے طور پر استعمال ہوا ہے جیسے سورۃُ الشوریٰ کی آیت ۱۷ میں' سورہ الرحمٰن کی آیت ۷ میں اورسورۃ الحدید کی آیت ۲۵ میں۔(۲) یہ لفظ وزن کے معنیٰ میں آیا ہے خواہ وہ حقیقی ہو جیسے سورۃ الانعام کی آیت ۱۵۲ میں' سورۃالاعراف کی آیت ۸۵ میں' سورہ ھُود کی آیات ۸۴'۸۵ میں اورسورہ الرّحمٰن کی آیت ۹ میں' خواہ وہ استعارتاً یا تشبیہاً ہو کہ جب قرآن اُن لوگوں کی بات کرتا ہے جن کے اعمالِ صالحہ اُن کی بدیوں کی نسبت بھاری یا ہلکے ہوں جیسے سورۃالاعراف کی آیات ۸'۹ میں' سورۃالمؤمنون کی آیات ۱۰۲'۱۰۳ میں اورسورۃُ القارعۃ کی آیات ۶ اور ۸ میں۔(۳) میزان کا معنیٰ وہ آلہ ہے جس کے ذریعے وزن کیا جاتا ہے یعنی ترازو جو اپنے صحیح مفہوم میں سورہ الرّحمٰن کی آیات ۸' ۹ میں استعمال ہوا ہے' یاتشبیہاً استعمال ہوا ہے جیسے سورۃُ الانبیاء کی آیت ۴۷ میں (کہ بروزِ قیامت ہم عدل وانصاف کے ترازو قائم کریں گے)۔سورہ الرّحمٰن کی آیات ۷ تا ۹ میں لفظ ''وزن'' عدل وانصاف' ترازواوروزن کے تین معنوں میں آیا ہے۔سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۳۵ اورسورۃ الشُّعراء کی آیت ۱۸۲ میں لفظ ''قِسطاس'' ''میزان'' کے معنوں میں آیا ہے۔

مصدر ث-ق-ل سے ماخوذ الفاظ ثَقُلَ (بھاری ہونا) جوسورۃُ الاعراف کی آیت ۸ میں' سورۃُ المؤمنون کی آیت ۱۰۲ میں اورسورۃُ القارعۃ کی آیت ۶ میں استعمال ہوااورمِثقال (بہ معنیٰ وزن) ہیں جو سورۃ النساء کی آیت ۴۰ میں' سورہ یونُس کی آیت ۶۱ میں' سورۃُالانبیاء کی آیت ۴۷ میں' سورہ لقمٰن کی آیت ۱۶ میں' سورہ سَبا کی آیت ۳' ۲۲ میں اورسورۃالزلزال کی آیات ۷' ۸ میں استعمال ہوا۔مصدر خ-ف-ف سے خَفَّ (بمعنیٰ ہلکا ہونا) بنا' جوسورۃُ الاعراف کی آیت ۹ میں' سورۃُ المؤمنون کی آیت ۱۰۳ میں اورسورۃُ القارعۃ کی آیت ۸ میں استعمال ہوا۔مصدر ق-د-ر سے مِقدار بنا جوسورۃُ الرّعد کی آیت ۸ میں آیا' اس سے دوسرا لفظ قَدَرٌ بنا جوسورۃُ الحِجر کی آیت ۲۱ میں' سورۃُ الشّوریٰ کی آیت ۲۷ میں اورسورۃُ القَمَر کی آیت ۴۹ میں آیا۔مصدر ق-د-ر سے تیسرا لفظ قَدر بنا جوسورۃ الانعام کی آیت ۹۱ کی ابتدا میں اور سورۃُ الطلاق کی آیت ۳ کے آخر میں استعمال ہوا۔اِن تینوں الفاظ (مِقدار-قَدر-قَدر) کا معنیٰ وزن کی پیمائش کا ہے لیکن وہ اکثر تشبیہاً استعمال ہوتے ہیں۔

۳۹۱۷ (عملِ پیائش Measurement)

''قرآن مجید میں مذکور کچھ الفاظ خاص قسم کے اوزان کے مفہوم میں آئے ہیں۔ مثلاً سورہ آلِ عمران کی آیت ۷۵ میں قِنطار (=۱۰۰ پونڈ) کے لفظ کو 'دینار'' (تقریباً ۴ گرام) جیسے کم وزن کے مقابل بھاری وزن کی علامت کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ ''دِرْھَم'' جو تقریباً ۳ گرام کے برابر ہوتا ہے' کی جمع ''دَراھِم'' بھی سورہ یوسُف کی آیت ۲۰ میں آئی ہے اگر چہ اس آیت میں ''دَراھِم'' تجارتی معانی میں آیا ہے۔

(ز) وقت کی پیائش : وقفوں کی پیائش یا وقت کے دورانیے کی اصطلاح متعدد قرآنی آیات میں ملتی ہے۔ ان میں سے چار الفاظ ''قَدْر'' کے مصدر سے ماخوذ ہیں جو حسب ذیل ہیں :

(۱) وَاللّٰہُ یُقَدِّرُ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ (اَلمُزَّمِّل : ۲۰)

(۲) یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْہِ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗ اَلْفَ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ O (الٓمّ السجدۃ : ۵)

(۳) تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوْحُ اِلَیْہِ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَۃٍ O (المعارج: ۴)

(۴) فَجَعَلْنٰہُ فِیْ قَرَارٍ مَّکِیْنٍ O اِلٰی قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ O فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ O (اَلْمُرسَلٰت: ۲۱-۲۳)

چار سورتوں یعنی سورہ آلِ عمران کی آیت ۳۰' سورۃُ الکھف کی آیت ۱۲' سورۃُ الحدید کی آیت ۱۶ اور سورۃُ الجنّ کی آیت ۲۵ میں استعمال شدہ عربی لفظ اَمَدًا وقت کے وقفے یا وقت کی پیائش کے معنیٰ میں آیا ہے۔ سورہ الٓمّ السجدۃ کی مذکورہ بالا آیت ۵ اور سورۃُ المعارج کی مذکورہ بالا آیت ۴ میں بیان شدہ وقت کی مقدار یا وقت کی پیائش کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے جبکہ سورہ آلِ عمران کی آیت ۳۰' سورۃُ الحدید کی آیت ۱۶ اور سورۃ الجنّ کی آیت ۲۵ میں لفظ اَمَدًا وقت کی طویل پیائش کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔''

''وقت کی پیائش کی ایک اکائی سَنۃ (سال) ہے جو سورہ الٓمّ السجدۃ کی آیت ۵ اور سورۃُ المعارج کی آیت ۴ میں آیا۔ دوسری اکائی یَوم (دن) ہے جو اُنہی آیات میں آیا۔ تاہم لفظ نَھار (سورۃُ المُزَّمّل : ۲۰) بمعنی ''دن کا وقت'' یا ''دن کی روشنی'' اور یوم (الٓمّ السجدۃ : ۵ ؛ المعارج: ۴) میں فرق کرنا ضروری ہے اور جس کا مفہوم رات کے وقت اور دن کے وقت کا مجموعہ ہے۔ لفظ سَاعۃ (بمعنی گھنٹہ) اڑتالیس (۴۸) قرآنی آیات میں استعمال ہوا۔ ان میں سے چالیس (۴۰) آیات میں وہ روزِ محشر کے آغاز کے اظہار میں آیا۔ سورۃ التوبۃ کی آیت ۱۱۷ میں سَاعَۃ کا لفظ مشکل گھڑی کے لئے آیا ہے جس میں وقت کی کوئی تخصیص نہیں۔ تاہم باقی سات مقامات یعنی سورۃ الاعراف کی آیت ۳۴' سورہ یونُس کی آیات ۴۵' ۴۹' سورۃُ النَّحل کی آیت ۶۱' سورۃُ الرّوم کی آیت ۵۵' سورہ سَبا کی آیت ۳۰' اور سورۃُ الاحقاف کی آیت ۳۵ میں وقت کی اکائی یعنی ''گھنٹہ'' کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔''

۳۹۱۸ (عملِ پیمائش Measurement)

پیمائش کی درستی : صحیح ناپ اور درست تول کرنے کے الٰہی حکم کی تعمیل میں بالکل صحیح ترازو، درست ڈنڈی، درست پلڑوں اور دیگر اس قسم کے آلات (گز، میٹر) وغیرہ کا صحیح ہونا ازبس لازم ہے۔ وزن یا پیمائش کرنے کے آلات میں کسی قسم کی چابکدستی اور چالاکی نہیں ہونی چاہئے جس کا نتیجہ کم تولنا یا کم ناپنا ہو۔ ناپ اور تول دونوں میں بہرحال عدل و انصاف کو ملحوظ رکھنا ہوگا کہ فریقِ معاملہ کی حق تلفی نہ ہونے پائے۔ کم ناپ تول کی حق تلفی گناہِ کبیرہ ہے جسے جڑ سے اکھاڑنے کے لئے پیغمبر شعیب علیہ السلام کو اُن کی قوم کی طرف بھیجا گیا۔ مکمل اور صحیح ناپ تول کے الٰہی احکام حسب ذیل ہیں :

(۱) وَاَوۡفُوا الۡكَيۡلَ وَالۡمِيۡزَانَ بِالۡقِسۡطِ (الانعام : ۱۵۲)

''اور پیمانے اور ترازو (یعنی ناپ اور تول) کو انصاف کے ساتھ پورا کیا کرو۔'' (۶:۱۵۲)

(۲) فَاَوۡفُوا الۡكَيۡلَ وَالۡمِيۡزَانَ وَلَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡيَآءَهُمۡ (الاعراف : ۸۵)

''سو تم ماپ اور تول پورے کیا کرو اور لوگوں کو اُن کی چیزیں گھٹا کر نہ دیا کرو۔'' (۸۵ : ۷)

(۳) اَوۡفُوا الۡمِكۡيَالَ وَالۡمِيۡزَانَ بِالۡقِسۡطِ وَلَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡيَآءَهُمۡ (هُود : ۸۵)

''ناپ اور تول انصاف کے ساتھ پورے کیا کرو اور لوگوں کو اُن کی چیزیں گھٹا کر نہ دیا کرو۔'' (۸۵ : ۱۱)

(۴) اَوۡفُوا الۡكَيۡلَ وَلَا تَكُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُخۡسِرِيۡنَ ۝ وَزِنُوۡا بِالۡقِسۡطَاسِ الۡمُسۡتَقِيۡمِ ۝
(اَلشُّعراء : ۱۸۱، ۱۸۲)

''پیمانہ پورا بھرا کرو اور لوگوں کو نقصان پہنچانے والے نہ بنو اور سیدھی ترازو سے تولا کرو۔''

(۵) لَا تَطۡغَوۡا فِى الۡمِيۡزَانِ ۝ وَاَقِيۡمُوا الۡوَزۡنَ بِالۡقِسۡطِ وَلَا تُخۡسِرُوا الۡمِيۡزَانَ ۝ (اَلرَّحمٰن: ۸، ۹)

''تولنے میں بے اعتدالی نہ کیا کرو اور انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو اور تول کو کم نہ کرو۔''

سورہ یوسف کی دو آیات حجم کی مقدار کے صحیح تول سے متعلق ہیں۔ آیت ۵۹ میں یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے فرمایا تھا: ''کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ میں (کس قدر) پورا ناپتا ہوں؟''

اور اسی سورہ یوسف کی آیت ۸۸ میں برادرانِ یوسف، یوسف علیہ السلام سے کہتے ہیں :
''اِس (تھوڑی رقم کے بدلہ میں) ہمیں (غلہ کا) پورا پورا ناپ دے دیں۔''

مذکورہ بالا آیات میں روزمرّہ زندگی میں استعمال ہونے والی متعدد اشیائے ضرورت کے صحیح ناپ تول پر زور دیا گیا ہے، وہاں یہ بات بھی ضروری ہے کہ پیمائش اور ناپ کی دوسری اشیاء (طول، رقبہ اور وقت) میں بھی ہمارا ماپ، ناپ اور تول صحیح صحیح ہو تا کہ ہمارا خالق ہم سے راضی رہے۔ (انسائیکلوپیڈیا آف دی قرآن، جلد سوم، صفحات ۳۳۲ تا ۳۳۶)

(۱۵۹) ذرائع اِبلاغ (MEDIA) اور قرآن

دَورِ جدید میں ابلاغِ عامّہ کی اہمیت: ''یہ دَور پراپیگنڈہ کا ہے جس میں ذرائع تشہیر اتنے طاقتور ہو گئے ہیں کہ انسان متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ گزشتہ اَدوارِ تاریخ کے برعکس اِس وقت قوموں کو فتح کرنے کے لئے فوج اور اسلحہ کی بجائے ذرائع اِبلاغ مؤثر ترین ہتھیار بن چکے ہیں۔ پراپیگنڈہ کے زور پر جھوٹے افسانے اور سکینڈل تراشے جاتے ہیں، غلط فہمیاں پیدا کی جاتی ہیں تاکہ اکابرین اور ذمہ دار اشخاص سے اعتماد اٹھ جائے اور قوم کٹی پتنگ بن جائے۔ ریموٹ کنٹرول سے ذہنوں کو مفلوج کر دیا جاتا ہے۔ جسدِ ملّت تو بظاہر سلامت نظر آتا ہے لیکن ذہنی موت واقع ہو جانے سے اُس کی حیثیت زندہ لاش کے سوا کچھ نہیں ہوتی۔ کمتر کوالٹی کی مصنوعات بھی اشتہارات کی دلکشی کے باعث مارکیٹ میں اپنا مقام بنالیتی ہیں۔ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کے زور سے انسانی توجہ اپنی جانب مبذول کرائی جاتی ہے۔ ہٹلر کے اطلاعات ونشریات کے وزیر گوئبلز نے ایک بار کہا تھا کہ ''جھوٹ کو بار بار اور اتنے یقین کے ساتھ بولو کہ لوگ سچ سمجھنے لگ جائیں۔'' موجودہ دَور میں پبلسٹی کے مؤثر ترین ذرائع جس طرح جھوٹ کو سچ ثابت کر دکھاتے ہیں، اِن حالات میں سچ اگر پبلسٹی اور پراپیگنڈہ کے جدید ذرائع کا سہارا نہ لے گا تو وہ جھوٹ محسوس ہونے لگے گا۔'' (ماہنامہ ''منہاج القرآن'' لاہور، اگست ۲۰۰۷ء، صفحہ ۳۲)

دَورِ جدید میں ذرائع اِبلاغ کی اہمیت: جدید میڈیا ہماری عائلی زندگی سے لے کر بین الاقوامی تعلقات تک کے ہر شعبہ پر محیط ہے۔ مسٹر محمد طاہر شیخ اپنے عالمانہ مضمون بہ عنوان ''رول آف میڈیا اِن اسلامک سوسائٹی'' میں لکھتے ہیں جو ۱۸ ستمبر ۱۹۹۰ کے ''مشرق میگزین'' کے صفحہ ۸ پر چھپا:

> ''اپنے خیالات واحساسات کو دوسروں تک پہنچانا انسانی فطرت ہے اور اُس کے بدلہ میں اپنے ماحول اور آس پاس میں ہونے والے واقعات سے باخبر رہنا آدمی کی شدید خواہش ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابلاغِ عامّہ نے اُسی وقت جنم لے لیا تھا جب انسان نے اس دھرتی پر قدم رکھا تھا۔''

مسٹر محمد علی جناح نے ۲۴ مئی ۱۹۴۴ء کو کشمیری صحافیوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا:

> ''صحافت اپنے (دوسرے) فائدوں کے ساتھ ساتھ ایک زبردست قوّت بھی ہے لیکن اس کے نقصانات بھی ہیں۔ اگر یہ صراطِ مستقیم پر چلے تو یہ راہنما ہے اور رائے عامّہ کو ہموار کرتی ہے۔''

۱۴ اپریل ۱۹۴۸ء کو سرکاری افسروں کو خطاب کرتے ہوئے اُنہوں نے کہا تھا:

> ''کسی قوم کی ترقی اور فلاح وبہبود کے لئے صحافت ناگزیر ہے کیونکہ اِسی کے ذریعے قوم کی راہ نمائی ہوتی

ہے اور تمام شعبہ ہائے حیات کی مختلف سرگرمیوں میں ترقی اِسی کے ذریعے ہوتی ہے۔''

معاشرے میں میڈیا کی نمایاں اہمیت کو سمجھتے ہوئے مغربی ممالک نے اپنے دودھاری ناپاک مقاصد کے حصول کے لئے بے تحاشا روپیہ خرچ کیا۔ ایک طرف تو اُنہوں نے صحافت کو اپنی قوم کی ترقی' استحکام' راہنمائی' اتحاد اور تربیت کے لئے استعمال کیا تو دوسری طرف اُنہوں نے پسماندہ اقوام کا اِس حد تک استحصال کیا کہ اُن اقوام کی اپنی تہذیب وثقافت' قومی روایات' مقصدِ حیات اور اقدارِ حیات اُن کی اپنی نظروں میں ذہنی غلامی کی وجہ سے مضحکہ خیز بن کے رہ گئے۔ اس طرح اس خطرناک ہتھیار نے غالب قوموں کو اتنے مفادات دیئے جو ایک بڑی بھاری اور زبردست عسکری قوت بھی نہ دے سکتی تھی۔ آج اس تمام عمل کو ''سرد جنگ'' کا نام دیا جاتا ہے جو بندوقوں اور گولیوں کی بجائے ابلاغِ عامّہ اور شہرت واشاعت کے ذریعے لڑی جاتی ہے۔

اِس تباہ کن ذریعہ ابلاغ کے دُوررَس مہیب نتائج کا اندازہ اِس حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے کہ چالیس سے زائد خود مختار مسلم ممالک میں سے کوئی ایک ملک بھی قرآن وسنت کے وضع کردہ ضابطہ کے مطابق اپنی حکومت نہیں چلا رہا جس کی محض وجہ یہی ہے کہ اسلام کے متعلق مغربی ذرائع ابلاغ کی جانب سے مشتہر کئے گئے شکوک و شبہات کے زیرِ اثر یہ مسلم ممالک وحدتِ فکر سے محروم کر دیئے گئے ہیں۔ مغربی میڈیا نے ان ممالک کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا ہے اور اُنہیں کہیں تو کمیونسٹ اور سرمایہ دارانہ حامیوں اور کہیں روایت پسند اور ''جدید روشنی'' کے گروہوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ مسلم اُمّہ جسے قرآنی اصطلاح میں بُنیان مّرصُوص (سیسہ پلائی گئی عمارت) ہونا چاہئے تھا' اب شکلاً بگڑ کر مویشیوں کے منتشر گلے میں تبدیل ہو گئی ہے۔

عالَمِ اسلام میں اِحیائے اسلام کی تحریکیں مغربی میڈیا کی شرارتوں کا خاص ہدف ہیں۔ یہودی ذریعہ ابلاغ نے مصر میں جمال عبدالناصر کے ذریعے ''اِخوان المسلمین'' کی تحریک کو دبانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ یہودی طبقہ کی نشرواشاعت کا عوامی نفسیات پر اتنا زبردست قبضہ تھا کہ پاکستان اور دوسرے ممالک کے بہت سے مخلص مسلمان بہت عرصے تک اس خام خیالی میں مبتلا رہے کہ اِخوان خطاکار تھے اور ناصر صحیح تھا۔

مغربی ذریعہ اطلاعات وابلاغ ہم ہی میں ایسے صحافی پیدا کرنے میں پیچھے نہیں رہا جو یہ لیبل لگانے میں ذرّہ بھر نہیں ہچکچاتے کہ اسلامی اقدار (معاذ اللہ) دیوانے کی بڑ ہیں اور اسلام ایک گھسا پٹا مذہب ہے۔ اسلام کے احیاء اور اُس کی سربلندی کے لئے کام کرنے والے کی ٹانگ کھینچنا اور اُن کی تخویف (Black-mailing) اِن ''نئی روشنی'' کے حاملین کا فرضِ منصبی بن کے رہ گیا ہے۔

قرآن حکیم کے مطابق ابلاغ عامّہ کا مقصد: قرآنِ حکیم اور احادیثِ نبوی کی روشنی میں

صحافت اور دیگر ذرائع ابلاغ کا فرض صرف رضائے الٰہی اور آخرت میں فوز و فلاح کی خاطر بنی نوعِ انسان کو نیکی، حق وصداقت کی ترغیب دینا اور برائی سے روکنا ہے۔ میڈیا کو حق وصداقت اور عدل وانصاف کو واضح طور پر ظاہر کرنے میں ذرا بھی جھجک نہیں ہونی چاہئے۔ مختصر اور جامع بات یہ ہے کہ قرآنِ حکیم نے اس طرح تعمیر کردار کا پروگرام تشکیل دیا ہے جو بالآخر صحیح خطوط پر تعمیرِ ملّت کی تشکیل کرتا ہے۔ مسلم اُمّت کو خطاب کرتے ہوئے قرآن فرماتا ہے:

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ

''تم لوگ بہترین جماعت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔'' (۱۱۰ : ۳)

''اِس آیت کی روشنی میں دو باتیں کھل کر سامنے آتی ہیں جو امتِ مسلمہ کا فریضہ ہیں: (۱) ایک تو معروف یعنی زندگی کی اُن اقدار کا ابلاغ جو عقیدۂ عالم کی نگاہ میں ہمیشہ سے انسانی معاشرہ کی بقاء اور ارتقاء کے لئے ضروری خیال کی جاتی رہی ہیں۔ (۲) دوسرے یہ کہ معاشرے کو ایسے افکار و نظریات سے روکنا جو عام طور پر انسانی معاشرے کی تباہی اور گراوٹ کا باعث بنتے ہیں۔''

''یہ ذمہ داری تمام امت کی ہے اور جو حکومت اللہ کی طرف سے نیابت وخلافت کا فریضہ انجام دیتی ہے تو اُس کی بھی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اپنے دستیاب وسائل کو استعمال کر کے ابلاغ کے اس قرآنی فریضہ کو بجالائے۔ قرآنِ حکیم نے اس دعوت و ابلاغ کے بڑے زرّیں اصول عطا فرمائے ہیں۔ مثلاً فرمایا:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (اَلنَّحل : ۱۲۵)

''آپ اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعے دعوت دیجئے۔'' (۱۶:۱۲۵)

''یعنی ابلاغ میں حکیمانہ طریقے اختیار کئے جائیں۔ یہ ایک ایسا لفظ ہے جس میں تمام فنی اور عقلی خوبیاں جمع کرنے کا حکم دیا جارہا ہے۔ ابلاغ میں یہ رعایت رکھی جائے کہ لوگ تنگ دل نہ ہوں، اُنہیں بارِ خاطر نہ ہو، وقت اور موقع کا خیال رکھا جائے اور سامعین کی نفسیات کو ملحوظ رکھا جائے۔'' (''اسلام کا قانونِ صحافت''۔ ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی، صفحہ ۱۰۹)

اِس مقصد کو جامعہ پنجاب لاہور کے شعبہ صحافت کے سابق صدر ڈاکٹر مسکین علی حجازی نے ایک ہی فقرے میں بڑے جامع طور پر بیان کیا ہے:

''صحافت اور صحافی کا اصل مقصد لوگوں کو معلوماتِ جدیدہ فراہم کرنا، اُنہیں تعلیم دینا، اُن کی راہ نمائی کرنا اور اُنہیں تفریح مہیا کرنا ہے۔''

میڈیا کی آزادی کی حدود: اسلام میں میڈیا کی آزادی کی حقیقت جاننے کے لئے ہمیں پہلے یہ معلوم کرنا ہوگا کہ اِس کارگاہِ عالم میں خود حضرتِ انسان کا مرتبہ و مقام کیا ہے؟ کیونکہ جب تک منصب کا تعین نہ ہو تو اختیارات کی تعیین بھی نہیں ہوسکتی۔ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین میں اپنا خلیفہ یعنی نائب بنایا ہے:

وَهُوَالَّذِیْ جَعَلَکُمْ خَلَائِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَکُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَکُمْ فِیْ مَآ آتَاکُمْ (الانعام: ۱۶۵)

''وہ وہی تو ہے جس نے تمہیں زمین کا خلیفہ بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض کے مقابلے میں زیادہ بلند درجے دیئے تاکہ جو کچھ تمہیں دیا ہے' اُس میں وہ تمہاری آزمائش کرے۔'' (۶:۱۶۵)

اِس آیت میں لفظ ''خلیفہ'' نہیں بلکہ جمع کا صیغہ ''خَلَائف'' استعمال ہوا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ نوعِ انسانی من حیث المجموع بھی اور اُس کا ہر فرد الگ الگ بھی اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے اور لفظ ''خلیفہ'' کا مطلب ہے:

''جو کسی کی مِلک میں اُس کے تفویض کردہ اختیارات اُس کے نائب کی حیثیت سے استعمال کرے۔ خلیفہ مالک نہیں ہوتا بلکہ اصل مالک کا نائب ہوتا ہے۔ اُس کے اختیارات ذاتی نہیں ہوتے بلکہ مالک کے عطا کردہ ہوتے ہیں اور وہ اپنی منشا کے مطابق کام کرنے کا حق نہیں رکھتا بلکہ اُس کا کام مالک کے منشاء کو پورا کرنا ہوتا ہے۔ اگر وہ خود مالک بن بیٹھے اور تفویض کردہ اختیارات کو من مانے طریقے سے استعمال کرنے لگے یا اصل مالک کے سوا کسی اور کو مالک تسلیم کرکے اُس کے منشاء کی پیروی اور اُس کے احکام کی تعمیل کرنے لگے تو یہ سب غداری اور بغاوت کے افعال ہوں گے۔'' (''تفہیم القرآن'' ج ۱' ص ۶۲)

''اس تشریح سے معلوم ہوا کہ نوعِ انسانی کے ہر فرد کا منصب خلافت ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے خلیفہ مقرر کرتے ہوئے بعض کو بعض پر فوقیت دی ہے' اس لئے لامحالہ اسی نسبت سے انسانوں کے اختیارات میں بھی کمی بیشی ہوگی اور اسی کے مطابق اُنہیں اپنے اپنے دائرے میں آزادیٔ عمل بھی حاصل ہوگی۔ آزادیٔ عمل کی یہ حدود کیا ہیں' اس کی بھی وضاحت فرمادی گئی ہے۔ ارشادِ ربانی ملاحظہ ہو:

یَا اَیُّهَاالَّذِیْنَ آمَنُوا ادْخُلُوْا فِیْ السِّلْمِ کَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ (البقرة: ۲۰۸)

''مؤمنو! پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو۔'' (۲:۲۰۸)

''یعنی زندگی کے ہر شعبے' ہر معاملے اور ہر قدم پر اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہ کر عمل کرو اور اُن حدود کو توڑ کر شیطان کی پیروی نہ کرو۔ یہ حکم جس طرح ملّتِ اسلامیہ کے کسی ایک فرد کے لئے ہے' اُسی طرح اُس کے گروہوں' طبقوں' شعبوں اور اداروں کے لئے بھی ہے جن میں

اخبارات اور دوسرے ہر طرح کے ذرائع ابلاغ بھی شامل ہیں۔''

''معلوم ہوا کہ اسلام میں مطلق آزادی نہ فرد کو حاصل ہے اور نہ جماعت کو اور نہ ہی اس کی گنجائش ہے۔ سب کے سب اپنے خالق و مالک کی منشاء کے مطابق عمل کرنے کے پابند ہیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ اسلام کے دائرے میں رہتے ہوئے اُنہیں جو آزادی حاصل ہے وہ اُن کا بنیادی حق ہے جسے اُن سے کوئی سلب نہیں کر سکتا۔ یہاں اسلامی معاشرے کے ہر فرد کو یہ آزادی دی گئی ہے کہ وہ سرِ عام عمرؓ سے یہ باز پرس کر سکے کہ ایک ایک چادر جو سب کے حصے میں آئی تھی' اُس سے تو کُرتا نہیں بن سکتا تھا' آپ نے یہ کُرتا کیسے بنا لیا؟ حتیٰ کہ ایک بُڑھیا بھی خلیفہ کو نہ صرف ٹوک سکتی ہے بلکہ اُس کا گریبان بھی تھام سکتی ہے۔ ایسا اس لئے ہے کہ یہاں سبھی لوگ اور ادارے ایک ہی مالک کے نائب اور بندے ہیں اور اُس کا منشاء پورا کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ صحافت کو اگر اپنی جائز حدود سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں ہے تو حکمران بھی صحافت پر کوئی ناروا پابندی نہ لگانے کے پابند ہیں۔ حد سے تجاوز کرنے پر یہ دونوں اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کے مرتکب ہو کر اللہ کے غضب اور عذاب کے مستحق ٹھہریں گے۔''

''اللہ تعالیٰ نے اگر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو فرض قرار دیا ہے اور اُس کے رسول ﷺ نے ظالم حکمران کے سامنے کلمۂ حق کہنے کو افضل جہاد کہا ہے' تو اس کے لئے اُنہوں نے مطلوبہ آزادی بھی فراہم کر دی ہے اور اس آزادی کو اُمتِ مسلمہ کے ہر فرد کے بنیادی حقوق میں شامل کر دیا ہے۔''

ربِّ ذوالجلال والاکرام نے تنقید کی نہ صرف اجازت دی ہے بلکہ تنقید نہ کرنے کو نہایت بُرا طرزِ عمل قرار دیا ہے۔ سورۃ المائدہ میں ارشادِ ربانی ہے:

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ O كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ O (المائدۃ:۷۸'۷۹)

''بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر اختیار کیا اُن پر داؤد اور عیسیٰ ابنِ مریم کی زبان سے لعنت ہوئی' یہ اس لئے کہ اُنہوں نے برابر نافرمانی کی اور حد سے آگے نکل گئے۔ جو برائی اُنہوں نے اختیار کر رکھی تھی وہ اُس سے باز نہ آتے۔ جو کچھ وہ کر رہے تھے' کیسا بے جا تھا!'' (۵ : ۷۹'۷۸)

اس آیت کی تفسیر میں جلال الدین السیوطی نے دو احادیثِ نبوی کا حوالہ دیا ہے جن میں نبی ﷺ نے فرمایا:

(ا) ''اُس ذاتِ اقدس کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمد کی جان ہے' تم لوگوں کو نیکی کا حکم دو گے اور بُرائی سے روکو گے اور تم غلط کار کے ہاتھوں سے برائی کرنے کی قوّت کو چھین لو گے اور نیک راہ پر چلنے میں اُس کی حوصلہ افزائی کرو گے۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو اللہ تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف

نفرت ڈال دے گا اور تم پر اُسی طرح لعنت کرے گا جس طرح اُس نے یہود پر لعنت کی ہے۔''
(اَلدُّرُّالمنثور لجلال الدین السیوطی' ج ۲' ص ۳۰۵' طبع قاہرہ ۱۳۱۴ھ)
(۲) ''کسی معاشرے کی عام آبادی کو اللہ تعالیٰ اُس کے کسی مخصوص طبقے کی بدعملیوں کی وجہ سے سزا نہیں دیتا جب تک کہ وہ برائی کو اپنے درمیان بے مہار دیکھ کر طاقت واختیار رکھنے کے باوجود معاملہ کو درست کرنے کی کوشش نہ کریں۔'' (ایضاً' ص ۳۰۲)

''جب کسی معاشرے میں بگاڑ شروع ہو اور اُسے برداشت کرلیا جائے اور اُس کے خلاف کوئی آواز بلند نہ ہو اور غلط کاروں کو معاشرے میں کسی ملامت کا سامنا نہ کرنا پڑے تو خرابی جڑ پکڑ لیتی ہے اور پھیلتی ہی چلی جاتی ہے لیکن اجتماعی ضمیر زندہ ہو تو رائے عامّہ کا دباؤ خرابی کو پھیلنے نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بُرے افعال پر نہ ٹوکنا بجائے خود بُرا طرزِ عمل ہے اور ایسا طرزِ عمل اختیار کرنے والے ملعون اور راندۂ درگاہ ہیں۔ وہ لوگ جو اللہ کی دی ہوئی تنقید کی اس آزادی کو سلب کریں تو اُن کا جرم تنقید نہ کرنے سے بھی زیادہ سخت ہے۔''

''اللہ تعالیٰ نے فریضۂ شہادتِ حق کے لئے اظہارِ رائے کی آزادی کو جہاں ایک مؤمن کا بنیادی حق قرار دیا ہے جسے کسی طرح بھی سلب نہیں کیا جاسکتا' وہاں یہ بھی ہدایت کی ہے کہ بات حکمت' متانت' وقار اور شائستگی سے کی جائے:
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا O (الاحزاب: ۷۰)
''مؤمنو! اللہ سے ڈرو اور صاف' سیدھی بات کیا کرو۔'' (۷۰ : ۳۳)

''قول سدید'' تو خود بھی تقویٰ ہی کی ایک فرد ہے۔ خصوصیت کے ساتھ اس کے الگ بیان کرنے سے مقصود زبان کی اہمیت کو ظاہر کرنا ہے۔ جہاں تک اعضاء و جوارح کا تعلق ہے' تو جو اہمیت و مرکزیت زبان کو حاصل ہے' کسی اور عضو کو نصیب نہیں۔ اگر زبان قابو میں آگئی تو انسان گناہوں کی کتنی بڑی تعداد سے بچ سکتا ہے۔

''اسلامی نظام میں' فرد' ریاست اور اخبارات سبھی احکام وحدود کے پابند ہوتے ہیں' سب کا مقصد خیر کا فروغ اور شر کا انسداد ہوتا ہے' سب کے حقوق وفرائض اور دائرہ ہائے کار متعین ہوتے ہیں۔ کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ اپنی حد سے تجاوز کرے یا اللہ کی مقرر کردہ حد کو توڑے۔ اگر کوئی فریق ایسا کرتا ہے تو دوسرے پر اُس کی مزاحمت کرنا فرض ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تحدید و توازن (Check and Balance) کا یہ ایک ایسا نظام قائم کردیا ہے جس کی پابندی سے معاشرے میں کبھی کوئی خرابی جڑ نہیں پکڑ سکتی۔''

''میڈیا کی آزادی کو محدود یا سلب کرنے کی ایک صورت تو یہ ہے کہ اخبار یا صحافی کے قلم پر خارجی طور پر

قدغنیں لگائی جائیں مثلاً حکومتِ وقت سنسر کی پابندی روکنے کے لئے اُنہیں ستائے اور دھونس دھاندلی سے کام لے۔ میڈیا کی آزادی کو محدود کرنے والی دوسری شکل یہ ہے کہ اخبار یا صحافی خود کسی لالچ کے تحت اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کریں۔ ظلم ہوتا دیکھیں لیکن مصلحت کے تحت مُہر بہ لب رہیں۔ رنگ و نسل' زبان یا علاقے کی عصبیّت اُنہیں انصاف کی بات کہنے سے روک دے' اشتہارات کا لالچ دین وملّت کے مفادات کو نظرانداز کرنے پر مجبور کردے اور مالی مفاد اور ملازمت کی خاطر اپنے ضمیر اور عقیدے کے خلاف لکھنا اور شائع کرنا قبول کرلیں۔''

''میڈیا کی آزادی کو محدود کرنے کی پہلی صورت میں پیدا ہونے والے تنازعہ کو تو عدالت میں لے جایا جاسکتا ہے لیکن دوسری صورت میں میڈیا کی آزادی پر پہرے بٹھانے والوں کا معاملہ مختلف ہے۔ مقدمہ اُن پر بھی چلے گا لیکن دنیا کی عدالت میں نہیں۔ اُن کی فردِ جرم اُن کے نامۂ اعمال کی صورت میں فرشتے تیار کر رہے ہیں اور ایک دن آئے گا جب اُنہیں داورِ محشر کی عدالت میں اپنے کیے کی جواب دہی کرنا ہوگی جہاں اُن کا قلم خود اُن کے خلاف فریادی ہوگا' اُن کا وجود اُن کے خلاف شہادت دے گا اور جہاں وہ اپنے کیے کی جزا اور سزا پا کر رہیں گے۔''

''اسلامی معاشرے میں میڈیا مغربی معاشرے کی طرح مادر پدر آزاد نہیں ہے۔ یہاں وہ بھی اُسی ضابطۂ اخلاق کی پابند ہوتی ہے جس کی پابندی معاشرے کے افراد اور دوسرے اداروں پر لازم ہے لیکن جہاں تک خیال و رائے کے اظہار اور تنقید و احتساب کی آزادی کا تعلق ہے' اسلام نے اس کا جس طرح اہتمام اور حوصلہ افزائی کی ہے' اس کی مثال دنیا کا نہ کوئی اور مذہب پیش کرسکتا ہے اور نہ کوئی جدید نظام! اسلام واحد دین ہے جس نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ایک مسلمان کا دینی فرض ہی نہیں' بنیادی حق بھی قرار دیا ہے۔'' (''اسلامی صحافت''۔ سیّد عبید السلام زینی' صفحات ۶۵ ـ ۷۳ ملخّص)

<u>مغربی میڈیا کی اقدار ہماری منزل نہیں</u>: مغربی صحافت میں عریانی اور فحاشی کے مظاہرے اس لئے نظر آتے ہیں کہ مغرب کے مادہ پرست معاشرے میں اُسے گوارا کیا جاتا ہے۔ اُن کے پاس یا تو اخلاقی اور روحانی قدریں باقی نہیں رہیں یا اگر ہیں تو اُنہیں پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔ ضمیر زندہ ہو تو اُس کی چبھن محسوس ہوتی ہے۔ جب ضمیر ہی مردہ ہو جائے تو ہر بری چیز اچھی معلوم ہوتی ہے۔ بحمدہٖ تعالیٰ اسلام کا معاملہ اس کے برعکس ہے جو ایک غیرت مند' عزتِ نفس کا مالک اور باحیا و باتمکین مذہب ہے۔

<u>میڈیا اور عدل و احسان</u>: کائنات کی ساخت اور نظم پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سارا کارخانۂ قدرت عدل و اعتدال کے اصول پر قائم ہے اور زمین' چاند' سورج' ستارے اور تمام ذی روح اور بے روح اشیاء سب ایک مشین کی طرح اُس خدمت کو بے چون و چرا انجام دیے جا رہے ہیں جو خالقِ کائنات نے اُن

کے سپرد کر رکھی ہے۔ مگر اس کائنات کے روحِ رواں انسان کا معاملہ قدرے مختلف ہے۔ وہ اشرف المخلوقات ہے۔ ذی روح ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ذی عقل اور ذی شعور بھی ہے۔ اُسے ربّ ذوالجلال والاکرام نے زمین پر اپنا خلیفہ بنا کر کچھ اختیارات بھی تفویض کئے ہیں جنہیں وہ اپنی مرضی سے استعمال کر سکتا ہے جبکہ دوسری جاندار اور غیر جاندار مخلوقات کو کوئی اختیار نہیں اور وہ سختی کے ساتھ اُس نظامِ عدل پر کاربند رہنے کی پابند ہیں جو روزِ اوّل سے اُن کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ انسان کو حاصل یہ اختیار اُس کا اِعزاز بھی ہے اور ذمہ داری اور آزمائش بھی ہے جس میں کامیابی اور ناکامیابی پر ہی آخرت کی جزا و سزا کا انحصار ہے۔ اس اختیار کی بناء پر ایک انسان عدل کا رویہ اختیار کر کے اللہ تعالیٰ کے انعام کا مستحق بنتا ہے اور دوسرا اعتدال کی روش اختیار نہ کرنے پر اُس کے غیظ و غضب کا سزاوار ٹھہرتا ہے۔ گویا انسان کی آزمائش اس میں ہے کہ رب تعالیٰ نے اُسے جس عدل پر قائم کیا ہے' آیا وہ اپنی تشریعی حیثیت میں بھی اُس عدل کا اہتمام کرتا ہے یا نہیں؟''

''اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری کلام یعنی قرآنِ حکیم اور اپنے آخری رسول ﷺ کی حدیث کی شکل میں قیامِ عدل کا ایسا جامع و مانع ضابطۂ اخلاق مہیا کر دیا ہے جو قیامت تک اللہ سے ڈرنے والوں کی راہ نمائی کرتا رہے گا۔ چنانچہ سورۂ النَّحل کی آیت ۹۰ میں حکم ہوا:

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ

''بے شک اللہ تعالیٰ عدل کا' حسنِ سلوک کا اور اہلِ قرابت کو دیتے رہنے کا حکم دیتا ہے' اور کھلی بُرائی سے اور مطلق برائی سے اور ظلم (وسرکشی) سے روکتا ہے۔'' (۹۰ : ۱۶)

اِس حکم کے تحت لازم ہے کہ انسان ہر معاملے میں یہ دیکھے کہ عدل وانصاف کا تقاضا کیا ہے کیونکہ عدل کرنا ہی ظلم ہے اور جب کوئی شخص عدل نہیں کرتا تو گویا وہ ظلم کرتا ہے۔

عدل کی دو قسمیں ہیں: ایک عدل وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے حدود و قوانین کو توڑنے پر عدالت کرتی ہے۔ یہ قانونی عدل ہے اور اِس سلسلے میں حُکم یہ ہے کہ جرم ثابت ہو جانے پر مجرم کو سزا دینے میں نرمی ہرگز نہ برتی جائے۔ کیونکہ ایسا کرنا معاشرے میں امن و امان برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہوا:

وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ'' فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (اَلنُّور : ۲)

''اور اُن (زانی اور زانیہ) پر ترس کھانے کا جذبہ اللہ کے دین کے معاملے میں تمہیں دامن گیر نہ ہو' اگر تم اللہ تعالیٰ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔'' (۲ : ۲۴)

سزا دینے میں نرمی نہ کرنے کا یہ حکم اس لئے دیا جا رہا ہے کہ اِس جرم پر اللہ کے ہاں جو سزا ملے' وہ یقیناً دنیا

کی سزا سے زیادہ سخت ہوگی۔ دنیا ہی میں سزا دے دینا دراصل اپنے گنہگار بھائی پر احسان کرنے کے مترادف ہے۔

عدل کی دوسری قسم عدلِ اَخلاقی ہے جس کو ہمیں آپس کے تعلقات اور اپنی روزمرہ کی زندگی اور اُس کے معاملات میں برتنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اِس حکم کا مطلب یہ ہے کہ ہر آدمی اپنے دائرہ اختیار میں عدل کرے اور اُس کا ہر قول اور ہر فعل عادلانہ ہو۔ جو نعمتیں اور قوتیں اللہ تعالیٰ نے دی ہیں' وہ بھی عدل کے ساتھ استعمال کی جائیں۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی میں عدل و قسط کو اِس طرح اپنایا جائے کہ عدل فرد اور معاشرے دونوں کی شناخت بن جائے۔ فرد معاشرے سے' معاشرہ فرد سے' عوام حکومت سے' حکومت عوام سے' رہنما پیروکاروں سے' پیروکار رہنما سے' استاد شاگرد سے' شاگرد استاد سے' والدین اولاد سے' اولاد والدین سے' شوہر بیوی سے' بیوی شوہر سے' تاجر خریدار سے' مزدور کارخانہ دار سے' کارخانہ دار مزدور سے' غرض سب لوگ ایک دوسرے سے بلکہ خود اپنے آپ سے بھی عدل و انصاف کا سلوک کریں۔

عدل زندگی کے دوسرے سب شعبوں کی طرح شعبہِ صحافت کے لئے بھی ضروری ہے۔ ہر صحافی کا فرض ہے کہ وہ بحث و مباحثہ میں تنقید اور نکتہ چینی میں' کسی بارے میں رائے دینے اور رائے قائم کرنے میں' کسی بات کے حق ہونے یا نہ ہونے کی شہادت دینے میں' کسی مسئلے کی وکالت میں' حق کی حمایت اور باطل کی مخالفت میں' کسی زیردست کو تلقین کرنے میں اور بالادست کو مخاطب کرنے اور مشورہ دینے میں کبھی عدل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔

''مذکورہ بالا آیت میں عدل کے علاوہ جن دو باتوں کا حکم دیا گیا ہے' وہ احسان اور صلہ رحمی ہے۔ احسان سے مراد نیک برتاؤ' فیاضانہ معاملہ' ہمدردانہ رویہ' رواداری' خوش خلقی' درگزر' باہمی مراعات' ایک دوسرے کا پاس و لحاظ' دوسرے کو اُس کے حق سے کچھ زیادہ دینا اور خود اپنے حق سے کچھ کم پر راضی ہو جانا' یہ عدل سے زائد ایک چیز ہے جس کی اہمیت اجتماعی زندگی میں عدل سے بھی بڑھ کر ہے۔ عدل اگر معاشرے کی اَساس ہے تو احسان اُس کا جمال و کمال ہے۔ عدل اگر معاشرے کو تلخیوں سے بچاتا ہے تو احسان اُس میں خوشگواریاں اور شیرینیاں پیدا کرتا ہے۔'' (''تفہیم القرآن'' جلد دوم' صفحہ ۵۶۵)

اِس آیت میں جس تیسری بات کا حکم دیا گیا ہے' وہ صلہ رحمی ہے جو خود غرضی اور مفاد پرستی کی ضد ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ اسلامی معاشرے کے تمام افراد صرف اپنی ذات اور اپنے بال بچوں ہی کا بھلا نہ چاہتے رہیں بلکہ اپنے عزیز و اقارب کی بھی امداد کرتے رہا کریں۔ اگر اللہ نے مال و دولت دیا ہے تو اپنے غریب رشتہ داروں پر بھی اُسے خرچ کریں۔ یہ بات عدل و احسان اور صلہ رحمی کے منافی ہے کہ ایک شخص تو عیش کر رہا ہو اور اُس کے قریبی عزیز اور بھائی بند روٹی کپڑے تک کے محتاج ہوں۔ متعدد احادیثِ مبارکہ میں اس کی تصریح ہے کہ آدمی کے اوّلیں حقدار

اُس کے والدین، اُس کے بیوی بچے، اور اُس کے بھائی بہن ہیں۔ پھر وہ جو اُن کے بعد قریب تر ہوں اور پھر وہ جو اُن کے بعد قریب تر ہوں۔ جس معاشرے میں اِس اصول پر عمل ہو رہا ہو، اُس میں نام نہاد طبقاتی شعور جسے ''طبقاتی منافرت'' کہنا زیادہ صحیح ہوگا، کیسے پیدا ہو سکتا ہے!''

ایک صحافی اِس سلسلے میں نہایت اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔ اُسے چاہئے کہ اپنے زورِ قلم سے عدل و احسان اور صلہ رحمی کی خوبیوں کو لوگوں کے ذہنوں میں زیادہ سے زیادہ راسخ کرے تاکہ معاشرے میں محبت، اخوت اور بھائی چارے کی فضا پروان چڑھے۔

عدل اور احسان کی حقیقت کو سورۃ الشّوریٰ کی ذیل کی آیت ۴۰ میں کس خوبصورتی سے سمو دیا گیا ہے:

وَجَزَآءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللهِ

''بُرائی کا بدلہ ویسی ہی بُرائی ہے۔ پھر جو کوئی معاف کر دے اور اصلاح کرے تو اُس کا اجر اللہ کے ذمّہ ہے۔'' (۴۲ : ۴۰)

اِس آیت کی رُو سے اگر آدمی برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی کر کے لے لے، تو یہ عدل ہوگا اور اگر بدلہ نہ لے اور زیادتی کرنے والے کو اس لئے معاف کر دے کہ اِس سے اُس کی اصلاح ہوگی تو یہ احسان ہوگا جس کا اجر اللہ نے اپنے ذمّے لے رکھا ہے اِس لئے آدمی کو اِس بات کی پروا نہیں کرنی چاہئے کہ کوئی بدلہ نہ لینے کو اُس کی کمزوری اور بزدلی پر محمول کرتا ہے، بلکہ پیشِ نظر یہ بات رہنی چاہئے کہ عفو و درگزر اللہ کے لئے ہو تو وہ کمزوری نہیں بلکہ ایک ایسی نیکی ہے جو اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے اور اللہ تو ظاہر ہے کہ اچھا ہی بدلہ دے گا۔

اِس اصول کی پابندی صحافت میں بھی ضروری ہے۔ مخالف خواہ کیسی ہی غلیظ اور اشتعال انگیز زبان استعمال کرے، کیسے ہی غلیظ الزامات لگائے، ایک مؤمن صحافی کو بہر حال عدل و احسان سے ہی کام لینا چاہئے۔

اسلام اپنے معاشرے میں کس قسم کی صحافت چاہتا ہے اور اسلامی صحافت کے مقاصد کیا ہیں، یہ سب ایک صاف ستھرے آئینہ میں اوپر کے صفحات میں آپ کو دکھا دیا گیا ہے۔ اب اس آئینہ میں موجودہ دَور کی صحافت کو ہم نے دیکھنا ہے کہ وہ کس حد تک اِن اصولوں اور قواعد وضوابط کی پابندی کر رہی ہے اور آیا وہ ملک و ملت اور بالخصوص اُس کی نوجوان نسل کی صحیح معنوں میں مثبت خطوط پر خدمت کر رہی ہے یا نہیں؟

(۱) جمعۃ المبارک کے ضمیمے اور ہمارے اخبارات: ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جمعہ کا دن اپنے تقدّس کے لحاظ سے تمام دنوں پر فوقیت رکھتا ہے۔ یہ دن اپنے خالق و مالک سے مغفرت

طلب کرنے اور توبہ کرنے کا ہے کیونکہ اُس کریم ورحیم ذات کی جانب سے اِس دن فریادیں' دعائیں اور التجائیں بکثرت قبول ہوتی ہیں۔ لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ اِس دن کے تقدس کی اہمیت کو نہ سمجھتے ہوئے بالکل فراموش کیا جارہا ہے۔ دوشیزگان اور مچلتی جوانیوں کو شہوانی انداز اور بھڑکیلے لباس میں ظاہر کرنے میں ہماری اخباروں کے جمعہ کے ضمیمہ جات کا کردار کوئی ڈھکا چھپا راز نہیں ہے یہاں تک کہ ایک سیدھے سادے آدمی کو بھی بدی کی اس شراب سے کچھ چسکیاں مجبوراً لینا ہی پڑتی ہیں۔

اُمّتِ مسلمہ میں مادیّت زدہ مغربی ثقافت کی تشکیل میں اور اُسے ہردلعزیز بنانے میں شہرہ آفاق ماہرِ نفسیات سگمنڈ فرائڈ (Segmund Freud) نے دوسرے فلسفیوں کے ساتھ ساتھ نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ فرائڈ کے نزدیک جنسی انگیخت انسانی عمل میں بہت ہی طاقتور محرک ہے۔ اُس کے فلسفہ نے تاجروں کی ذہنیت کو اپنی تیارکردہ اشیاء کی فوری فروخت میں جنسی انگیخت کے اشتہارات نے بدل کے رکھ دیا کیونکہ وہ بہت ہی مؤثر آلہ کار تھے۔ آزادیِ افکار کی یہ بات غیر مسلم ممالک پر تو اُن کی بے حیا' قابلِ نفرت اور گھناؤنی ثقافت کے باعث صادق آتی ہے لیکن پاکستان جیسے مسلم ملک میں اس کی گنجائش ہرگز نہیں ہونی چاہئے۔

(۱۱) <u>حُسن کے مقابلہ جات دراصل ننگے پن کے مقابلے ہیں</u> : نام نہاد ''مقابلہ جاتِ حُسن'' میں حصّہ لینے والی لڑکیوں کو اِن مقابلہ جات میں لازمی طور پر اپنے جسم کا اَنگ اَنگ اور ہر ہر حصّہ دکھانا ہوتا ہے۔ لہٰذا اس لحاظ سے اِن مقابلہ جات کو ''ننگے پن کے مقابلہ جات'' کے نام سے موسوم کرنا مناسب ہے۔ فاتح دوشیزگان اپنے اعضائے بدن کے مکمل اظہار میں بڑی وسیع شہرت حاصل کرتی ہیں۔ یورپی ممالک میں اس فحاشی اور اخلاقی بے راہروی پر ہم رونا نہیں روتے کیونکہ برہنگی اور بے حیائی اُن کی ثقافت کا جزوِ لاینفک ہے۔ لیکن پاکستان جیسے ملک میں یہ بھیانک پن اور حکمِ الٰہی کی صریحاً نفی کیوں' جس کی اکثر آبادی مسلمانوں کی ہے اور جسے اسلام کے مقدّس نام پر حاصل کیا گیا! ہماری ماؤں' بہنوں اور بیٹیوں نے اپنے خالق و مالک کے پیغام کو کیوں فراموش کردیا ہے کہ شرم وحیا اُن کا اصل سرمایہ اور رب تعالیٰ کا عطیہ ہے۔ قرآن میں شامل اپنی اسلامی تاریخ کو ذراوہ جھانک کر تو دیکھیں کہ قرآن حکیم نسوانی شرم وحیا کی بابت کیا کہتا ہے :

فَجَآءَتْهُ اِحْدٰهُمَا تَمْشِىْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ (اَلْقَصَص : ۲۵)

''پھر اُن دو میں سے ایک لڑکی موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس آئی کہ شرماتی ہوئی چلتی تھی۔'' (۲۸:۲۵)

صحافیوں کو یہ بات نہیں بھولنی چاہئے کہ قرآنِ حکیم کا مقصدِ عظیم عفت وعصمت اور کردار کا اعلیٰ وارفع نمونہ پیدا کرنا ہے اور قرآنِ حکیم نے شہوانی جاذبیّت کو اُبھارنے والے بعید ترین جذبات کو بھی حکماً روک دیا ہے۔ اس سلسلہ میں چند نکات کا ذہن نشین ہونا ضروری ہے :

جنسی کشش کے بارے میں چار خطرناک چور گڑھے (Pitfalls)

(۱) آنکھوں اور دیگر اعضائے جسمانی کا زنا: ختمی مرتبت آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:
''آدمی اپنے تمام حواس سے زنا کرتا ہے۔ غیر محرم کو دیکھنا آنکھوں کا زنا ہے' اُس سے لگاوٹ کی بات کرنا زبان کا زنا ہے' اُس کی آواز سے لذّت لینا کانوں کا زنا ہے' اُسے ہاتھ لگانا اور ناجائز مقاصد کے لئے چلنا ہاتھ پاؤں کا زنا ہے۔ بدکاری کی یہ ساری تمہیدیں جب پوری ہو چکتی ہیں' تب شرمگاہیں یا تو اُس کی تکمیل کر دیتی ہیں یا تکمیل کرنے سے رہ جاتی ہیں۔'' (بخاری' مسلم' ابوداؤد)

قرآن حکیم اپنے مرد مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ اگر وہ کسی غیر محرم عورت کے بناؤ سنگھار کو اچانک دیکھ لیں تو وہ اپنی نظروں کو اُس سے پھیر لیں۔ لیکن ہمارے صحافی اور اخبارات صنفِ نازک کو انتہائی بھڑکیلے لباس اور جنسی کشش کے انداز میں اس طرح پیش کرتے ہیں کہ ایسے مسلمان کے لئے جو خلوص کے ساتھ احکامِ الٰہی پر کامل دیانتداری سے عمل پیرا ہونا چاہتا ہے' ممکن ہی نہیں کہ وہ اُن پر نظر ڈالے بغیر اخبار کا مطالعہ کر لے۔ یہ کسی بھی صورت میں کوئی خوشگوار رُجحان نہیں ہے اور اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ ہم اپنی معاشرتی اقدار سے رُوگردانی کر رہے ہیں اور اس طرح گویا اپنے مذہبِ اسلام کے خلاف ''عدمِ اعتماد'' کی تحریک پاس کر رہے ہیں۔ (العیاذ باللہ)

(۲) صنفِ نازک کا اپنے اعضائے جسمانی کا اظہار: اس میں وہ تمام طریقے اور راہیں شامل ہیں جو لوگوں کی نظروں اور توجہ کی جاذبیت کا سامان رکھتے ہیں خواہ وہ عطریات اور خوشبویات کی شکل میں ہوں یا پازیب اور کڑوں کے زیور کے جھنکار کی شکل میں ہوں۔ کیونکہ یہ راہیں بھی جنسی انگیخت کا سامان رکھتی ہیں۔ چنانچہ عورتوں کو حکم ہوا:

وَلَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ (اَلنُّور: ۳۱)

''اور عورتیں اپنے پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ اُن کا مخفی زیور معلوم ہو جائے۔'' (۳۱: ۲۴)

گویا اِن پازیبوں اور کڑوں کا پہننا فی نفسہٖ درست ہے لیکن اُن کی آواز یا جھنکار فتنہ کے اندیشہ کی وجہ سے درست نہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب زیور کی آواز کے چھپانے کا اتنا اہتمام ہے تو اُس کے پہننے والیوں کی آواز جو اکثر فتنہ و میلان کا سبب بنتی ہے' کا چھپانا کیوں نہ قابلِ اہتمام ہوگا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جب صَوت (آواز) کو چھپانے کا اتنا اہتمام ہے تو صورت کا چھپانا کس قدر اہم ہوگا!

(۳) ہوسناکی اور بے حیائی سے اجتناب: قدرتی اصول یہ ہے کہ جنسی کشش جتنی زیادہ ہو' چور گڑھے (Pitfall) سے بچنے کے لئے اُتنی ہی احتیاطی تدابیر زیادہ ہونی چاہئیں۔ اس قرآنی فلسفے کی تفصیل یہ ہے

کہ ''بہت زیادہ عمر کی عورتوں کو لباس کے قواعد وضوابط میں ازراہِ تخفیف کچھ رعایت دی گئی ہے بشرطیکہ اُن میں اپنی مستی بھری نسوانیت کا اظہار مقصود نہ ہو'' (تفسیر ماجدی انگریزی' صفحہ A - 346 نوٹ : 366) ۔قرآن مجید اس تخفیف کو یوں بیان کرتا ہے :۔

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ'' اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ بِزِیْنَةٍ وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ'' لَّهُنَّ (اَلنُّور : ۶۰)

''اور بڑی بوڑھیاں جنہیں نکاح کی امید نہ رہی ہو' اُنہیں کوئی گناہ نہیں (اِس بات میں) کہ وہ اپنے زائد کپڑے اُتار رکھیں (بشرطیکہ) زینت کو دکھلانے والیاں نہ ہوں' اور اگر اس سے بھی احتیاط رکھیں تو اُن کے حق میں اور بہتر ہے۔'' (۲۴ : ۶۰)

قدرتی یا مصنوعی سنگھار کے موقعوں کو نامحرموں کے سامنے بے پردہ لانا اُن بوڑھیوں کے لئے بھی جائز نہیں جو حدِّ نکاح سے گزر چکی ہوں۔اس سے ظاہر ہے کہ جوان جہان عورتوں کو اپنے جسم کے چھپانے کے بارے میں کتنا اہتمام چاہیئے یہاں تک کہ چہرہ اور ہتھیلیاں جو بالذات داخلِ ستر نہیں' بہ قول فقہاء کے احتمالِ فتنہ سے وہ بھی داخلِ ستر ہو جاتی ہیں۔ وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ'' لَّهُنَّ کے پیشِ نظر خوب خیال میں رہے کہ حجاب وستر کی جو پابندیاں بوڑھیوں پر واجب نہیں' وہ بھی اُن کے حق میں بہتر ہیں۔

(۴) نسوانی آواز جنسی کشش کے لئے چور گڑھا ثابت ہو سکتی ہے : نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواجِ مطہرات کو خطاب کرتے ہوئے قرآن نے فرمایا :

یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ'' وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًاO (الاحزاب : ۳۲)

''اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو☆ جبکہ تم تقویٰ اختیار رکھو تو تم بات کرنے میں نزاکت اختیار مت کرو کہ (اس سے) ایسے شخص کو خیالِ فاسد پیدا ہونے لگتا ہے جس کے دل میں خرابی ہے اور قاعدے کے مطابق بات کیا کرو۔'' (۳۳ : ۳۲)

عورت کی آواز میں جو قدرتی نرمی اور لوچ ہوتی ہے' اُسے مرد کی خواہشِ نفسانی کے اُبھارنے میں بڑا دخل ہے۔اور اِسی لئے عورتوں کو نماز کے لئے اذان کہنے کی اجازت نہیں۔اسلام کے ہمہ داں' ہمہ بیں شارع عزّ وجلّ نے نفس کے اِس محرک کو بھی اجرائے احکام میں پوری طرح پیشِ نظر رکھا ہے۔اس کی ہدایت اُمّت کی ہر

☆اس سے معلوم ہوا کہ جب نبی کی بیویاں عام عورتوں کی طرح نہیں ہیں تو اُن کے شوہر نامدار نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام عام لوگوں کی طرح کیسے ہو گئے! اللہ تعالیٰ صحیح فہم عطا فرمائے اور عظمتِ رسالت کو ہمارے انگ انگ میں داخل کر دے!

عورت کے لئے ہے کہ اپنی آواز کی نزاکت سے کسی نامحرم کو ناجائز فائدہ اُٹھانے کا موقع نہ دے اور ازواجِ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے اُن کے شرف واحترام کی مناسبت سے اس کا اور زیادہ اہتمام ہے۔ نسوانی آواز کے محرک ہونے کا جدید ماہرینِ نفسیات نے بھی اعتراف کیا ہے مثلاً ایک مغربی ماہرِ نفسیات کا کہنا ہے کہ :

''ہمیں آواز اور موسیقی کو جنسی کشش کے حوالے سے بالعموم خاصی اہمیت دینی چاہئے۔ اس نکتے پر ہم مول (Moll) سے متفق ہیں جس نے کہا تھا کہ: ''کانوں کے ذریعے جنسی اشتعال اس سے کہیں زیادہ ہوتا ہے جتنا کہ کہا جاتا ہے۔'' ("Psychology of Sex"... Havelock Ellis, p. 61)

مسلمان ہوتے ہوئے اور ایک اللہ اور ایک رسول کے ماننے والے ہم مسلمانوں کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں ریڈیو اور ٹیلیویژن پر دوسرے پروگراموں کے علاوہ خبریں بھی خواتین سے پڑھوائی جاتی ہیں جس کی وجہ یہ نہیں کہ خبریں پڑھنے والے مرد دستیاب نہیں بلکہ اس کا سبب مغربی تہذیب کی نقالی ہے اور صنفِ مخالف کے لئے جاذبیت اور کشش کا سامان کرنا ہے۔ ٹیلیویژن کے ڈائریکٹر نیوز نے ٦ مارچ ١٩٨٥ء کو ایک چھٹی کے ذریعے تمام نیوز کاسٹروں کو یہ ہدایت کی :۔

''دیکھنے میں آیا ہے کہ ہمارے بعض نیوز کاسٹر جب خبریں پڑھتے ہیں تو اُن کا چہرہ بہت سنجیدہ اور تاثرات سے عاری ہوتا ہے۔ اُن کے خبریں پڑھنے کے انداز میں ضرورت سے زیادہ ثقاہت اور ضابطہ پسندی کا احساس ہوتا ہے۔ یہ چیز ٹیلیویژن پر خبروں کی پیشکش کے بنیادی اصولوں کے منافی ہے۔ ہمارے ناظرین بالخصوص بہت اہم ناظرین نے بارہا اس طرف توجہ دلائی ہے کہ ٹیلی ویژن کے نیوز کاسٹروں کو چاہئے کہ (اسکرین پر) پُرسکون اور شگفتہ نظر آئیں اور اُن کے لہجے میں قدرے بے ساختگی ہو۔ بعض بڑے اخبارات نے بھی ہمارے نیوز کاسٹروں کے پژمردہ چہرے کے ساتھ رسمی اور سپاٹ انداز میں خبریں پڑھنے پر نکتہ چینی کی ہے۔''

''اس کے پیشِ نظر میں اپنے نیوز کاسٹروں کو بتانا چاہتا ہوں کہ وہ اپنے بلیٹن کا آغاز ایک دل آویز مسکراہٹ کے ساتھ کریں اور پُرسکون اور بے ساختہ انداز میں خبریں پڑھا کریں۔ میں آئندہ اِس بات کا خاص خیال رکھوں گا کہ اس ہدایت پر کہاں تک عمل ہو رہا ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ صورتِ حال جلد بہتر ہو جائے گی۔''

''اِس ہدایت کے باوجود بعض خواتین نیوز کاسٹر اپنی فطری حیا کے باعث اپنے چہرے پر دلآویز مسکراہٹ سجا کر بلیٹن کا آغاز نہ کر سکیں تو ڈائریکٹر نیوز نے ٢٠ مارچ ١٩٨٥ء کو یعنی ٹھیک چودہ دن بعد اُنہیں یہ انتباہ کیا :

''میں اُن پر یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ٦ مارچ کی چھٹی میں جو ہدایت دی گئی تھی اُسے سرسری نہ لیں۔ ہماری نیوز کاسٹروں کو چاہئے کہ وہ خبریں پڑھنے کے اپنے طرز کو نئے سانچے میں ڈھالنے کی سنجیدہ کوشش

کریں۔ جو نیوز کاسٹر اپنے اندر یہ تبدیلی نہیں لاسکیں گی وہ ٹیلی ویژن پر زیادہ دیر تک خبریں نہیں پڑھ سکیں گی۔''

''ٹیلی ویژن کے ڈائریکٹر نیوز صاحب نے ''بعض بہت اہم ناظرین'' کی فرمائش پر خاتون نیوز کاسٹروں کو جو ہدایت فرمائی ہے' اُس کا سبب دراصل وہ ذہنیت ہے جو مغرب کی مادّہ پرستانہ تہذیب سے مرعوبیت کا نتیجہ ہے ورنہ اسلامی تہذیب تو کبھی اس بات کو پسند نہیں کرسکتی کہ ایک عورت اجنبی یا نامحرم لوگوں کے سامنے مسکرا مسکرا کر اُن کی تفریحِ طبع اور آوارہ ذہنیت کا سامان فراہم کرے۔'' اُنہیں سورۃ الاحزاب کی محولہ بالا آیت ۳۲ میں مذکور حکمِ خداوندی کا خیال ہونا چاہیے۔

''مغربی تہذیب و ثقافت کے دلدادہ مسلمانوں کی مشکل یہ ہے کہ وہ مسلمان رہتے ہوئے وہ سب کچھ کرنا چاہتے ہیں جو مغرب کی مادّہ پرستانہ تہذیب میں حلال ہے لیکن جسے اسلام نے حرام قرار دے رکھا ہے' ورنہ دیکھا جائے تو اسلامی تہذیب کی بنیاد عقیدۂ توحید و رسالت اور آخرت ہے۔ اِس بنیاد پر قائم ہونے والی تہذیب کو یقینی طور پر اُس تہذیب سے مختلف ہونا چاہیے جس کی بنیاد شرک یا انکارِ آخرت یا خالص مادّہ پرستی پر رکھی گئی ہے۔ خدا پرست معاشرے کے لوگوں کو قدم قدم پر اِس بات کا خیال رکھنا ہوتا ہے کہ اُن سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہونے پائے جس سے اُن کی عاقبت خراب ہو جائے۔ اس کے برعکس مادّہ پرستوں کا نظریہ ہی یہ ہوتا ہے کہ حیاتِ مستعار میں شہواتِ نفس کی تسکین کا جتنا زیادہ سے زیادہ سامان فراہم ہوسکتا ہے' کیا جائے۔''

قرآنِ مجید کے احکام کی روشنی میں ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر عورتوں کے خبریں پڑھنے کا معاملہ بجائے خود محلِ نظر ہے لیکن اگر کسی حقیقی مجبوری کے تحت کسی عورت کو خبریں پڑھنا پڑ ہی جائے تو اُسے صاف اور سیدھے انداز میں پڑھنا چاہیے۔ مسکرانا اور لوچدار لب و لہجہ اختیار کرنا یا ایسا کرنے پر مجبور کرنا اللہ اور اُس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھنے والے کسی شخص کے لئے جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر مرد خبریں پڑھنے سے پہلے مسکرا دے تو اُس میں نہ صرف کوئی حرج نہیں ہے بلکہ یہ ایک مستحسن بات ہوگی۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ گرامی ہے:

''تمہارا اپنے (مسلمان) بھائی کے سامنے مسکرانا بھی صدقہ (نیکی) ہے۔''

''ٹیلی ویژن کے سلسلے میں جو سمعی کے ساتھ ساتھ بصری (Audio visual) بھی ہے' ایک سوال تصویر کا بھی سامنے آتا ہے۔ عام لوگوں میں یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ ٹیلی ویژن پر جو تصویر نظر آتی ہے وہ شرعاً جائز نہیں لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ ٹیلی ویژن اور پردۂ سیمیں پر نظر آنے والی تصویر فی الحقیقت تصویر نہیں' پرچھائیں ہے جو اُسی قسم کا عکس ہوتی ہے جیسا کہ عکس ہمیں پانی اور آئینے میں نظر آتا ہے۔ آئینہ بھی ایک ایجاد ہے۔ ایسی ہی ایجاد ٹیلیویژن اور فلم بھی ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی عمارت میں اس غرض کے لئے ایسے زاویے اور تکنیک سے آئینے نصب کرے کہ اس عمارت میں آنے والی پردہ دار خواتین کو نامحرم مَردوں کو دکھا کر اُن کی تفریحِ طبع کا سامان کرے تو یہ درحقیقت

آئینے کی ایجاد کا ناجائز استعمال ہوگا جس سے خود آئینے میں کوئی خرابی لازم نہیں آئے گی۔ یہی حال ٹیلیویژن اور سینماٹوگراف کا ہے۔ اگر ان ایجادات کا بھی جائز اور بامقصد استعمال ہو تو یہ بہت مفید ثابت ہوسکتی ہیں۔''

مولانا محمد شفیع مرحوم اپنے رسالے ''تصویر کے شرعی احکام'' کے صفحہ ۴۷ پر آئینہ اور پانی وغیرہ میں نظر آنے والے عکس اور فوٹو کے فرق کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''لیکن یہ بات کچھ زیادہ غور و فکر کی محتاج نہیں کہ آئینہ اور پانی وغیرہ کے اندر آئے ہوئے عکس اور فوٹو سے حاصل کی ہوئی تصویر میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا محض ایک فریب ہے واقعہ یہ ہے کہ ظل اور سایہ قائم اور پائیدار نہیں ہوتا بلکہ صاحب ظل کے تابع ہوتا ہے۔ جب تک وہ آئینے کے مقابل کھڑا ہے' تو یہ ظل بھی کھڑا ہے۔ جب وہ یہاں سے الگ ہوا تو یہ ظل بھی غائب ہوگیا۔ فوٹو (یعنی کیمرے) کے آئینے پر جو کسی انسان کا عکس آیا' اُسے عکس اُسی وقت کہا جاتا ہے جب تک اُس کو رنگ و روغن اور مسالے کے ذریعے قائم اور پائیدار نہ بنا دیا جائے اور جس وقت اُس عکس کو قائم اور پائیدار بنا دیا' اُسی وقت یہ عکس تصویر بن گیا۔''

''اس سے معلوم ہوا کہ تصویر وہ ہوتی ہے جو قائم اور پائیدار ہو اور جو قائم اور پائیدار نہ ہو' وہ عکس ہوتا ہے۔ ٹیلی ویژن اور سینما کے پردے پر دکھائے جانے والے مناظر بھی قائم اور پائیدار نہ ہونے کی وجہ سے ظل اور عکس ہی ہوتے ہیں۔ اس لئے اُن پر بھی تصویر کا اطلاق نہیں ہوتا لہٰذا وہ حرام بھی نہیں ہیں۔ اب رہی یہ بات کہ اِس ظل یا عکس کا دکھانا بھی جائز ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح ابھی آئینے کے ناجائز استعمال کی مثال دے کر واضح کیا جا چکا ہے کہ ناجائز استعمال سے آئینہ حرام قرار نہیں پاتا بلکہ اُس کا ناجائز استعمال کرنے والا گنہگار ٹھہرتا ہے' اسی طرح ٹیلیویژن کے صحیح اور غلط استعمال کا بھی معاملہ ہے۔ اگر اُسے اسلامی احکام اور حدود کے اندر رہتے ہوئے خیر و صداقت کے فروغ اور شر اور منکرات کے انسداد کے لئے استعمال کیا جائے تو ایسا کرنا محمود اور پسندیدہ ہوگا اور اگر ٹیلیویژن کے استعمال کا مقصد اور انداز اس کے برعکس ہو تو ظاہر ہے کہ اُس پر اللہ کے ہاں گرفت یقینی ہے۔'' (''اسلامی صحافت''۔ سیّد عبید السلام زینی' صفحات ۲۴۳ ـ ۲۴۵' ۲۴۷ ـ ۲۴۹)

''آج کل ٹیلیویژن اور ریڈیو پر جو رنگارنگ پروگرام اور ڈرامے پیش کئے جا رہے ہیں' اسلامی نقطہ نظر میں وہ لَهْوَ الحدیث میں شامل ہیں جس کے بارے میں ارشادِ ربانی ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَالْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ O (لقمٰن: ۶)

"اور لوگوں میں سے کوئی کلامِ دلفریب خرید کرلاتا ہے تاکہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے ازراہِ نادانی بھٹکا دے اور اس راہ کی دعوت کا مذاق اُڑا دے۔ ایسے لوگوں کے لئے سخت ذلیل کرنے والا عذاب ہے"(۶ : ۳۱)

(III) ریڈیائی صحافت : ریڈیائی صحافت کے بھی مقاصد و آداب وہی ہیں جو اخباری صحافت کے ہیں۔ دونوں میں اگر کوئی فرق ہے تو وہ تحریر و تقریر کے جداگانہ تقاضوں کا فرق ہے بہ الفاظِ دیگر اخباری صحافت کے برعکس ریڈیو اور ٹیلیویژن کا پیرایہ تحریر کی بجائے تقریر و تکلم کا ہوتا ہے۔

پاکستان میں ریڈیائی صحافت کی عمر پچھتر سال کے لگ بھگ ہے۔ اس عرصے میں اُس نے نمایاں مقام حاصل کیا ہے۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ کے دنوں میں ریڈیو پاکستان کے شعبہ خبر نے قوم کا حوصلہ بلند رکھنے میں جو غیر معمولی کردار ادا کیا وہ اب ہماری قومی تاریخ کا ایک تابناک باب ہے اور اس امر کا ثبوت ہے کہ اُس کے ذریعے شہادت اور سرفروشی کا بے مثال جذبہ پیدا کر کے قوم کو دشمن کے مقابلے میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنایا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کسی ملک میں انقلاب برپا ہوتا ہے تو سب سے پہلے ریڈیو سٹیشن پر قبضہ کیا جاتا ہے تاکہ ریڈیو جیسے مؤثر ذریعے کے ساتھ لوگوں کی رائے کو انقلاب کے حق میں ہموار کیا جاسکے اور مطلوبہ مقاصد حاصل کئے جاسکیں۔

(IV) ٹیلیویژن : آج کے دَور میں ٹیلیویژن انسانی معاشرے کی ناگزیر ضرورت بنتا جارہا ہے۔ بچوں سے لے کر بڑوں تک اس کی زلف کے اسیر ہوتے چلے جارہے ہیں۔

ٹیلیویژن نے جہاں لوگوں کی عمومی معلومات میں غیر معمولی اضافہ کیا ہے' وہاں اُن کی زندگیوں میں مغربی تہذیب و ثقافت کو بھی بہت زیادہ فروغ اور رواج دیا ہے جس کے نتیجہ میں غیر ترقی یافتہ ممالک کی معاشرتی زندگی میں شدید تضادات نے جنم لیا ہے اور ان تضادات نے عام لوگوں کی زندگیوں میں نفسیاتی الجھنوں اور پریشانیوں میں خطرناک حد تک اضافہ کر دیا ہے۔

نئی نسل اپنی تعلیم سے غافل ہو کر ٹی وی پروگراموں کی اِس قدر رَسیا ہو چکی ہے کہ تعلیم ثانوی حیثیت اختیار کرتی چلی جارہی ہے۔ معیارِ تعلیم کا گراف تیزی سے گرتا چلا جارہا ہے۔ اخلاقی اقدار اور روایات دم توڑتی جارہی ہیں۔ مگر اس مایوس کن صورتِ حال کے باوجود یہ بات پیش نظر ہے کہ ٹیلی ویژن بذاتِ خود کوئی بُری ایجاد نہیں بلکہ اس کے ذریعے نئی نسل کے لئے تعلیم و تربیت کا کام لیا جاسکتا ہے اور اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ ٹی وی دیگر ذرائع ابلاغ میں سب سے مؤثر ذریعہ ابلاغ ہے۔

(V) اشتہاربات : افراد کے تعارف' تصوّرات یا منصوبوں کی تشہیر' مصنوعات کر رُوشناس کرانے اور خدمات کے اشتہار کی ضرورت ہر دَور میں محسوس کی گئی ہے۔ پہلے یہ مقصد کو چہ و بازار میں ڈگی پیٹ کر عام

۳۹۳۶ (ذرائع ابلاغ MEDIA اور قرآن)

اعلان اور منادی کے ذریعے حاصل کیا جاتا تھا۔ چھاپے خانے اور فلم کی ایجاد اور اخبارات اور دوسرے ذرائع ابلاغ کی ترقی کے بعد یہ کام اشتہار بازی سے لیا جانے لگا جو رفتہ رفتہ باقاعدہ ایک فن بن گیا اور اشتہاریات کو ذرائع ابلاغ خصوصاً اخبارات' رسائل' ریڈیو اور ٹیلیویژن کی معیشت میں شہ رگ کا درجہ حاصل ہو گیا۔ اشتہاریات کے بغیر کسی اخبار کے چھپنے اور پنپنے کا کوئی تصور باقی نہ رہا۔

اشتہار بازی کا مقصد لوگوں کو ترغیب دلا کر مصنوعات کے خریدنے اور خدمات کے حصول پر آمادہ کرنا ہے۔ ایسی صورت میں اشتہار بازی کا عمل کسی فرد' گروہ یا چیز کی سفارش کی حیثیت رکھتا ہے اور سفارش کے لئے قرآن مجید کا دوٹوک فیصلہ ہے:

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا (اَلنِّسآء : ۸۵)

''جو بھلائی کی سفارش کرے گا وہ اس میں سے حصہ پائے گا اور جو برائی کی سفارش کرے گا وہ اس میں سے حصہ پائے گا۔'' (۴ : ۸۵)

یہ درست ہے کہ اشتہار کی اشاعت کا اصل ذمہ دار اشتہار دینے والا ہوتا ہے لیکن اخبارات اور دوسرے ذرائع ابلاغ بھی چونکہ اُس کی اشاعت کا ذریعہ بنتے ہیں اور معاوضہ وصول کرتے ہیں' اس لئے وہ بھی اِس ذمہ داری میں شریک ہوتے ہیں۔ اُن کے تعاون کے بغیر اشتہار کی اشاعت ممکن نہیں ہے اور تعاون کے بارے میں قرآنی اصول یہ ہے:

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (المائدة : ۲)

''جو کام نیکی اور خداترسی کے ہیں' اُن میں سب سے تعاون کرو اور جو گناہ اور زیادتی کے کام ہیں' اُن میں کسی سے تعاون نہ کرو۔'' (۵ : ۲)

اسلام نے اس بات کو پسند نہیں کیا کہ مالِ تجارت کی مبالغہ آمیز تعریف کی جائے اور اُس میں وہ خوبیاں بیان کی جائیں جو اُس میں نہ ہوں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ جھوٹی قسمیں کھا کر اپنی تجارت بڑھانے والوں سے قیامت کے دن نہ کلام کرے گا' نہ اُن کی طرف رحمت کی نظر سے دیکھے گا اور نہ اُنہیں گناہوں سے پاک کرے گا۔''

اشتہاریات کا منفی پہلو: اشتہار بازی کا یہ فائدہ تو یقینی ہے کہ اس سے مصنوعات کی فروخت بڑھتی ہے مگر اس کے ساتھ ہی کچھ نقصانات بھی ہیں اور وہ یہ کہ فروخت بڑھنے سے مال سستا ہونا چاہئے جو نہیں ہوتا بلکہ اُلٹا اُس کی قیمت میں اشتہار بازی کے اخراجات بھی شامل ہو جاتے ہیں اور صارفین کو کمتر درجے کی اشیاء کی زیادہ قیمت ادا کرنا پڑتی ہے۔

''اشتہارات کے عوام کی خریداری کی عادتوں پر اثر انداز ہونے کی وجہ سے اُن میں نت نئی مصنوعات کے حصول کی خواہش اور گھر میں پہلے سے موجود اشیاء سے بددلی پیدا ہوتی ہے جو فضول خرچی کی محرک بنتی ہے اور جب قوتِ خرید ساتھ نہیں دیتی تو آدمی میں مایوسی اور دوسری نفسیاتی خرابیاں پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ ناجائز ذرائع سے دولت کمانے کا غیر صحتمند رُجحان بھی پیدا ہوتا ہے۔''

''بعض اشتہارات میں صارفین کو مصنوعات کی خریداری پر انعام کا لالچ بھی دیا جاتا ہے۔ یہ دراصل ایسی رشوت ہے جو چیز کی قیمت میں شامل کر کے خود خریدار سے وصول کی جاتی ہے اور اگر اُسے رشوت کی بجائے انعام بھی مان لیا جائے تو یہ ایسا انعام ہے جو اِس بات پر دیا جاتا ہے کہ تم نے اس ناچیز کو خریدنے کا کارنامہ انجام دیا ہے جسے اور کوئی خریدنا پسند نہیں کرتا۔''

''بعض اوقات مصنوعات کی پیکنگ تبدیل کر کے یہ اشتہار دیا جاتا ہے کہ اس میں اور بہت سی خوبیوں کا اضافہ کیا گیا ہے جس کے مقابلے میں بہت کم قیمت بڑھائی گئی ہے۔ حالانکہ اصل چیز میں پیکنگ کے سوا کوئی تبدیلی نہیں کی گئی ہوتی۔ اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ خالص سونا بیچنے والوں کو اپنے مال کی فروخت بڑھانے کے لئے کبھی اِشتہار دینے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔'' (''اسلامی صحافت''۔ سیّد عبید السلام زینی' صفحات ۲۵۷' ۲۶۵) کیونکہ

''نہیں محتاج زیور کا جسے خوبی خدا نے دی''

(VI) ''فلم: موجودہ دَور کے ذرائع اِبلاغ میں فلم بھی ایک مؤثر ذریعہ اِبلاغ ہے اور اس ذریعہ اِبلاغ نے اپنی وسعت اور اثر انگیزی کے نتیجہ میں انسانی معاشرے پر وسیع اثرات مرتب کئے ہیں۔ فلم کے ذریعے انسانی معاشرے کے اخلاق و کردار کو سنوارا بھی جا سکتا ہے اور سنوارنے کے مقابلے میں بگاڑنا اس سے کہیں سہل اور آسان کام ہے۔''

''فلم کی بالادستی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جن اقدار و روایات کو عوام کے اندر رواج دینا ہوں' ان کے متعلق ایک تسلسل کے ساتھ فلموں کے اندر ایسے کردار داخل کر دئے جاتے ہیں جو غیر محسوس طور پر ذہنوں کو مسخر کرتے چلے جاتے ہیں۔''

''ٹیلیویژن کی ایجاد سے قبل یہ دیگر ذرائع اِبلاغ میں سب سے مؤثر ذریعہ اِبلاغ تھا مگر ٹیلیویژن کی ایجاد اور گھر گھر میں اس کی موجودگی نے فلم کی اثر انگیزی میں بڑی حد تک کمی کر دی ہے۔ فلم' جسے محض ناچ گانوں' بے ہنگم اچھل کود اور بے تکی بڑکوں کا رنگ دے دیا گیا ہے' اگر اُسے اصلاحِ معاشرہ کے لئے استعمال کیا جائے اور صاف ستھری اصلاحی فلمیں بنائی جائیں تو آج ٹیلی ویژن اور وی سی آر کے دَور میں بھی فلمی صنعت ازسرِ نو عوام میں

مقبولیت حاصل کرسکتی ہے۔ فلمیں ثقافتی یلغار میں نمایاں کردار ادا کرنے والا ذریعہ ابلاغ ہے۔ کسی ملک کے خلاف ثقافتی یلغار کے لئے فلم بہترین اور مؤثر ذریعہ ہے۔''

(VII) ''وی' سی' آر: دورِ حاضر کی نئی ایجاد وڈیو کیسٹ ریکارڈز نے دنیائے ابلاغیات میں انقلاب برپا کردیا ہے۔ ٹیلیویژن اور فلم سے کہیں زیادہ مؤثر ذریعہ ابلاغ آج پوری دنیا میں وبائی شکل میں پھیل چکا ہے۔ اس کے انتہائی سرعت کے ساتھ پھیلتے ہوئے اثرات نے دنیا بھر کی اقوام کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ وی' سی' آر ایک چلتا پھرتا سینما ہے۔ کسی بھی چھوٹے یا بڑے کمرے میں ٹی وی سیٹ کے ذریعے دنیا جہاں کی اچھی یا بری فلم چلا کر دیکھی جا سکتی ہے۔''

''کسی دور میں ٹیپ ریکارڈ کو قبولِ عام حاصل تھا۔ گلی گلی اور محلے محلے ٹیپ ریکارڈ کی تیز اور سماعت پر گراں گزرنے والی آوازیں سنائی دیا کرتی تھیں۔ ابھی ٹیپ ریکارڈ اپنے عروج پر تھا کہ وی' سی' آر نے آ کر اُس کی اہمیت کو بڑی حد تک کم کردیا ہے۔ ٹیپ ریکارڈ سے صرف سننے کا کام لیا جا سکتا ہے جبکہ وی' سی' آر کے ذریعے تصویر اور آواز کو ایک وقت میں دیکھا اور سنا جا سکتا ہے جس کے نتیجہ میں اس کی افادیت و اہمیت ٹیپ ریکارڈ سے کہیں زیادہ ہے۔''

''وی' سی' آر درحقیقت تعلیم و تربیت اور انسانی اخلاق و کردار کی تعمیر کا بہترین ذریعہ بن سکتا ہے۔ لیکن اب وہ فحش اور عریاں فلموں کے ذریعے انسانی اخلاق و کردار کو تباہ کرنے میں مصروف ہے۔ آج کے دور میں بلکہ ہر دور میں نیکی کے مقابلے میں برائی کے ہمنوا اور اُسے فروغ دینے والے ہمیشہ زیادہ رہے ہیں۔ اس لئے ہر نئی ایجاد ہونے والی چیز کو بھلائی کے مقابلے میں برائی کا آلۂ کار بنا لیا جاتا ہے۔ یہی حال وی' سی' آر کا بھی ہمارے سامنے ہے۔''
(''اسلام کا قانونِ صحافت''۔ ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی' صفحات ۱۳۳' ۱۳۴)

(VIII) ''تصویری صحافت: فنِ صحافت کے اساتذہ نے تصویری صحافت کے جو فوائد بیان کئے ہیں اُن کا خلاصہ یہ ہے:
''تصویر سے خبر کا اہم حصہ فوراً بے نقاب ہو جاتا ہے اور ذہن پر اُس کا صحیح نقش واضح ہو جاتا ہے۔ واقعات تسلسل کے ساتھ سامنے آتے ہیں۔ تفریح کا سامان فراہم ہوتا ہے اور اخبار کے حسن میں اضافہ ہو جاتا ہے۔''

''پاکستان میں کراچی' لاہور' راولپنڈی' اسلام آباد' کوئٹہ اور پشاور سے کئی انگریزی اخبارات نکلتے ہیں' اُن میں بہت کم بلکہ برائے نام تصویریں چھپتی ہیں۔ اس کے مقابلے میں ہمارے اردو اخبارات کو زیادہ سے زیادہ رنگین بنانے اور ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تصویریں چھاپنے کی دوڑ جاری ہے۔''

''جب فلمی اداکاراؤں اور رقاصاؤں کی تصویروں کی اشاعت پر پابندی لگی تو کالجوں میں فیشن شو اور

دوسری ثقافتی تقریبات کے نام پر مغرب زدہ گھرانوں کی خواتین اور طالبات کی تصویریں اس انداز میں شائع کی جانے لگیں جنہیں دیکھ کر طوائفوں کی آنکھیں بھی شرم سے جھک جائیں۔ خوبصورت جوڑوں کی تصاویر اور اُن کے کئی کئی پوز میاں بیوی کے نام پر شائع ہوتے ہیں۔ کبھی انٹرویو کا اور کبھی سماجی خدمات کا سہارا لے کر خوبصورت خواتین کو منظرِ عام پر لایا جاتا ہے۔ کبھی اخبارات سب سے زیادہ توجہ اس بات پر دیتے تھے کہ وہ تازہ سے تازہ خبر ڈھونڈ کر شائع کریں۔ لیکن اب ساری کارکردگی اِس بات پر مرتکز ہو کر رہ گئی ہے کہ کہاں سے خوبصورت لڑکوں اور لڑکیوں کی کوئی ایسی تصویر لا کر شائع کریں جسے دیکھ کر نوجوان تو کیا' بوڑھے مرد اور عورتیں بھی دل تھام کر رہ جائیں۔''

''تصویروں کی یہ بے تحاشا اشاعت ایک ایسی شرمناک عیاشی ہے جس کا نہ کوئی فنی جواز ہے اور نہ اَخلاقی۔ فنِ صحافت اس بے راہروی اور اخلاق باختگی کی ہرگز اجازت نہیں دیتا۔ آج جو اخبارات اس دوڑ میں شریک ہیں' اُن کا مقصد اور محرّک یقینی طور پر کوئی غیر پیشہ ورانہ خواہش اور جذبہ ہے۔''

''جو اخبارات قوم کی اعلیٰ اخلاقی قدروں کے خلاف جنگ کر رہے ہیں اور اُس کی بیٹیوں کو بے راہ کر دینے کا مشن لے کر نکلے ہیں' اُن کے بارے میں کچھ کہنا لاحاصل ہے۔ شکایت تو اُن اخبارات کی روش سے ہے جن کی کچھ اخلاقی روایات ہیں' جن کے سامنے کچھ اعلیٰ مقاصد ہیں اور جو جابر سلطان کے سامنے کلمۂ حق کہنے کی شہرت رکھتے ہیں' وہ بھی اشاعت بڑھانے کے لئے تصویریں چھاپنے کی اِس افسوسناک دَوڑ میں شریک ہو گئے ہیں۔''

''حقیقت یہ ہے کہ دنیا کا کوئی بھی صحت مند معاشرہ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اُس کے اخبارات میں ایسی تصویریں چھپیں جن سے عام آدمی کے جذبات بھڑکیں اور طبائع جنسی بے راہروی کی طرف مائل ہوں۔ فحاشی پھیلانے میں فحش تصویریں' فحش تحریروں سے ہزار گنا زیادہ مضر کردار ادا کرتی ہیں۔ تصویر کے یہی وہ مفاسد ہیں جن کے پیشِ نظر خالقِ کائنات نے مصوّری اور مجسمہ سازی کو ممنوع قرار دیا ہے۔''

''تفریح اور اخبار کی تزئین کے لئے قدرتی مناظر' خوبصورت عمارات اور ہر قسم کی بے جان اشیاء کی تصویروں سے کام لیا جا سکتا ہے بشرطیکہ آدمی کے دل میں اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا جذبہ ہو اور وہ یہ چاہے کہ میں کوئی ایسا کام نہ کروں جس کی بناء پر قیامت کے دن میری گرفت ہو۔''

''یہاں یہ بات بھی واضح ہو جانی چاہیئے کہ جس اصول کے تحت کسی حقیقی ضرورت (مثلاً پاسپورٹ' قومی شناختی کارڈ اور امتحان میں شمولیت کے لئے طالب علم کی تصویر وغیرہ) کے لئے تصویر کا استعمال جائز قرار دیا گیا ہے' اُس سے تصویر کشی کو مستثنیٰ نہیں رکھا جا سکتا۔ عدل و عقل کا تقاضا ہے کہ حقیقی تمدنی اور انسانی ضرورت کی حد تک تصویر کشی کو بھی جائز تسلیم کیا جائے۔''

(IX) ''کارٹون : تصاویر کی طرح کارٹون بھی ابلاغ کا نہایت اہم پیرایہ ہیں۔ بعض اوقات جو بات پورا ایک فکاہی کالم لکھ کر بھی ادا نہیں ہوتی' وہ کارٹون کے ذریعے محض ایک اشارے سے واضح ہو کر اپنا اثر دکھا جاتی ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے کارٹون کی اشاعت میں قباحت کے دو پہلو ایسے ہیں جن کا اگر خیال رکھا جائے تو اس پیرایہ اظہار سے بھی مفید کام لیا جا سکتا ہے۔''

''کارٹون کی اشاعت میں قباحت کا ایک پہلو یہ ہے کہ کارٹون سے مذمّت کا کوئی ایسا پہلو نکلتا ہو جس سے افراد یا اُن کی جماعت کی تضحیک اور دلآزاری ہوتی ہو۔ اس بارے میں قرآن وسنت کے اُن تمام احکامات اور ہدایات کو پیش نظر رکھنا ہو گا جن کا ذکر قبل ازیں ہو چکا ہے۔''

''اسلامی نقطہ نظر سے اگرچہ تمام مسلمانوں کے حقوق یکساں ہیں لیکن اس کے باوجود بعض شخصیات زیادہ احترام کی مستحق ہوتی ہیں۔ اس امتیاز کا باعث کبھی اُن کا تقویٰ اور کریمانہ اخلاق ہوتے ہیں' کبھی اُن کا علم وفضل ہوتا ہے اور کبھی اُن کا وہ منصب ہوتا ہے جو اُنہیں کسی ملک کے عوام کی اکثریت کی تائید وحمایت سے حاصل ہوتا ہے۔ اساتذہِ صحافت نے اِسی خیال سے سربراہِ مملکت' دینی اور روحانی شخصیات کو کارٹون کا موضوع بنانے سے منع کیا ہے جو اچھی بات ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر کوئی شخصیت اپنے کردار وعمل سے یہ ثابت کر دے کہ وہ اپنی ذات سے اس استثناء اور تحفظ کی مستحق نہیں ہے تو اُسے بھی کارٹون کا موضوع بنایا جا سکتا ہے۔ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرنے والے کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں سے اپنی فرمانبرداری کی امید رکھے۔''

''کارٹون شائع کرنے میں قباحت کا دوسرا پہلو خود ذی روح کے کارٹون بنانا ہے۔ شریعت نے تصویر سازی کو حرام قرار دیا ہے☆ اور کارٹون بھی تصویر سے ملتی جلتی چیز ہے۔''

''اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ کارٹون میں ذی روح یعنی جانداروں کے خاکوں سے پرہیز کیا جائے اور بات کو ایسے انداز میں پیش کیا جائے کہ کسی ذی روح کا نقش ابھارنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔ ایسے کارٹونوں کی ایک بہتر اور اچھی مثال وہ کارٹون تھا جو ''نوائے وقت'' نے ساڑھے آٹھ سال پرانا مارشل لاء اُٹھائے جانے کے موقع پر صدر جنرل محمد ضیاء الحق کے اِس اعلان کے حوالے سے کیا تھا کہ ''مارشل لاء کو ہمیشہ کے لئے دفن کر دیا گیا ہے۔'' اس کارٹون میں ایک قبر بنا کر اُس پر یہ کتبہ لکھا ہوا دکھایا گیا تھا کہ ''مارشل لاء کو ہمیشہ کے لئے دفن کر دیا گیا۔'' اسلامی نقطہ نظر سے یہ ایک معیاری کارٹون تھا۔''

''دوسری بات یہ ہے کہ کارٹون میں کسی ذی روح کا دکھایا جانا اگر ناگزیر ہو تو اُس کا خاکہ اِس طرح بنایا جائے کہ اُس پر تصویر کا اِطلاق نہ ہو سکے۔ شریعت نے لڑکیوں کے لئے گڑیاں بنانے کی جو اجازت

☆ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوں انسائیکلوپیڈیا ہٰذا کی جلد چہارم کے صفحات ۱۹۰۱ تا ۱۹۰۷۔

دی ہے' وہ اس شرط کے ساتھ دی ہے کہ بت یا مورتی کی طرح تمام وکمال انسانی اعضاء کے ساتھ گڑیا نہ بنائی جائے۔ کارٹون سازی میں بھی اس اصول و احتیاط کو ملحوظ رکھا جانا چاہئے۔ کارٹون کے لئے یوں بھی یہ ضروری نہیں کہ وہ متعلقہ شخصیت کا ہو بہو نقش ہو بلکہ اس میں اُس شخصیت کی صرف اتنی مشابہت کا آ جانا ہی بہت کافی ہے کہ دیکھنے والوں کا ذہن متعلقہ شخص کی طرف منتقل ہو جائے۔ ایسی ''ناقص تصویر'' یا خاکہ اگر کسی برائی پر گرفت یا اُس کی مضحکہ خیزی واضح کرنے میں مددگار ثابت ہو سکتی ہو تو اس اعلیٰ مقصد کے حصول کے لئے اُسے ناجائز قرار نہیں دینا چاہئے۔'' (''اسلامی صحافت'' ۔۔۔۔۔ سیّد عبید السلام زینی' صفحات ۲۳۳ تا ۲۳۵)

(x) کیسٹ اور سی ڈی: حالیہ سالوں میں قرآن مجید سننے کے لئے کیسٹ ٹیپ اور سی ڈی روم ابلاغِ عامہ کی بہت ہر دلعزیز قسمیں ہیں۔ سعودیہ کے قاری عبدالرحمٰن السدیس' مصر کے قاری عبدالصمد اور قاری عبدالباسط' انڈونیشیا کی حاجن ماریہ اُلفہ اور ترکی کے مصطفیٰ اُذان جیسے مشہور قراء کی تلاوتیں تجارتی طور پر سامنے آئی ہیں اور عوام میں خاصی مقبول ہوئی ہیں۔ ہر دلعزیز لیکن شیطانی موسیقی کے مقابل قرآن مجید کی یہ ٹیپیں اور سی ڈیز بہرحال وجدانی کیفیت کی حامل ہیں اور ایسا ماحول پیدا کرتی ہیں جس میں انسان کو بے اختیارانہ طور پر خاموش اور ہمہ تن گوش ہو کر ان کی طرف متوجہ ہونا پڑتا ہے' جس سے ایمان کو گرمی ملتی ہے۔

(XI) انٹرنیٹ: ابلاغِ عامہ کی نئی قسموں میں شاید انٹرنیٹ سے بڑھ کر قرآن مجید کی تلاوت پر اثر انداز ہونے والا کوئی اور مؤثر ذریعہِ ابلاغ نہیں ہے۔ قرآن مجید ہزاروں قسموں کی ویب سائٹس پر اپنے متن' بصری فارمیٹس اور متعدد ترجموں کے ساتھ دستیاب ہے۔

(XII) ''وقائع نگاری (Reporting) کے آداب: صحافت میں وقائع نگاری کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ خبروں کی فراہمی کے اخبارات ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے شعبہ ہائے خبر میں کئی کئی وقائع نگار اور علاقائی نامہ نگار مقرر ہوتے ہیں جو مختلف ذرائع سے خبریں اکٹھی کر کے اپنے اپنے اداروں کو مہیا کرتے ہیں۔ خبر رساں ایجنسیاں جو خبریں مہیا کرتی ہیں وہ بھی نامہ نگاروں ہی کی جمع کی ہوئی ہوتی ہیں۔''

''وقائع نگاری کے جہاں کچھ تکنیکی اصول ہیں وہاں کچھ اخلاقی ضابطے بھی ہیں۔ نامہ نگار کے لئے ضروری ہے کہ وہ حالات وواقعات اور مسائل ومعاملات کی سوجھ بوجھ کے علاوہ خوش اخلاق' نیک نام' خدا ترس' خیرخواہ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ صادق اور امانتدار ہو۔ راز کو راز رکھنا جانتا ہو تا کہ باخبر حلقے اور ذرائع اپنا نام ظاہر ہو جانے کے اندیشے کے بغیر اُسے بے تکلف رازہائے دُرون پردہ سے آگاہ کر سکیں۔''

''فنی اعتبار سے وقائع نگار میں خبر کی پہچان کے علاوہ موزوں سوال کرنے کی اہلیت کا ہونا بھی ضروری

ہے۔ کوئی خبر یا اطلاع کسی سے سوال کر کے ہی معلوم کی جا سکتی ہے۔ مختلف شعبوں سے متعلق لوگوں کے پاس اپنے اپنے شعبے کے بارے میں بے شمار معلومات ہوتی ہیں۔ وقائع نگار کا کام یہ ہے کہ وہ پہلے یہ دیکھے کہ کونسی ایسی بات ہے جس سے عوام کو دلچسپی ہو سکتی ہے یا جسے لوگ جاننا پسند کریں گے۔ پھر وہ متعلقہ لوگوں سے سوال کر کے اُس کے بارے میں مفید معلومات حاصل کرے۔ اصولِ حدیث میں یہ اِس طرح بیان ہوا ہے:

''علم خزانے ہیں اور اُن کی کنجی سوال ہے۔''

''وقائع نگار چونکہ خبر کی فراہمی میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے' اس لئے اُس کو خبر کی صحت کا خصوصیت کے ساتھ خیال رکھنا چاہئے بصورتِ دیگر جو کیفیت پیدا ہوگی' وہ اِس شعر سے مختلف نہ ہوگی۔

خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج   تا ثریا می رَود دیوار کج

''وقائع نگار کو چاہئے کہ جب اُس پر یہ بات واضح ہو جائے کہ اُس تک پہنچنے یا پہنچائی جانے والی اطلاع دروغ پر مبنی ہے تو پھر خواہ وہ کیسی ہی دلچسپ اور سنسنی خیز کیوں نہ ہو' اُسے آگے نہ بڑھائے اور جو بھی جھوٹی یا لغو بات علم میں آئے' اُسے نظر انداز کر دے۔''

''امانت پسندی اور دیانت داری کا تقاضا یہ ہے کہ کسی شخص یا رہنما کے بیان میں اس طرح کتر بیونت یا ترمیم و تحریف نہ کی جائے جس سے بیان یا عبارت کا مطلب ہی بدل کر رہ جائے یا اُس کی تقریر اور خطاب کے سیاق و سباق کو نظر انداز کر کے کوئی ایک فقرہ لے لیا جائے جس سے ایسا مطلب نکلتا ہو جو مقرر کا منشا نہ ہو۔''

''وقائع نگار یا اخباری نمائندے کا کام یہ ہے کہ وہ اطلاع یا پیغام کو کسی رنگ آمیزی کے بغیر معروضی انداز میں پیش کرے اور اُس میں اپنی طرف سے کوئی تبصرہ یا حاشیہ آرائی نہ کرے کیونکہ اُس پر صاف صاف پیغام پہنچا دینے کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔''

''معروضی وقائع نگاری (Objective Reporting) کا مطلب محض اِتنا ہی نہیں کہ بات کو جوں کا توں بیان کر دیا جائے بلکہ یہ بھی ہے کہ ایسا کرتے ہوئے پورے احساسِ ذمہ داری سے کام لیا جائے۔ خبر کی صحت کے سلسلے میں وقائع نگار کی ذمہ داری دوچند ہے۔ وہ اپنے اخبار کو جو خبر مہیا کرتا ہے' اخبار عموماً اُسے مصدقہ خیال کرتا ہے۔ اُس کے ذرا سے تساہل اور غفلت سے غلط خبر کی اشاعت خود اُسی کے لئے نہیں' اخبار کے لئے بھی شرمندگی کا باعث بن سکتی ہے اور اُس کی ساکھ اور نیک نامی کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔''

''وقائع نگار کو اپنے پیشہ ورانہ فرائض انجام دیتے ہوئے اس بات کو بھی اصول کے طور پر پیشِ نظر رکھنا چاہئے کہ خبر میں منکرات اور معصیت کی باتوں کا ذکر اس طرح نہ آئے جس سے لوگوں کو برائی کی ترغیب ہو یا وہ کسی

برے فعل کے مرتکب شخص کو ہیرو سمجھ بیٹھیں۔ ہمارے اخبارات میں اکثر اس قسم کی خبریں شائع ہوتی رہتی ہیں کہ غیر تمند شوہر یا بھائی یا باپ نے اپنی بیوی، بہن یا بیٹی کو کسی کے ساتھ قابلِ اعتراض حالت میں دیکھ کر قتل کر ڈالا حالانکہ از روئے اسلام کسی کا یہ فعل کسی حالت میں بھی قابلِ تعریف نہیں ہوسکتا۔''

یہاں چند باتیں قابلِ توجہ ہیں: (۱) شرک کے بعد قتلِ ناحق سب سے بڑا گناہ ہے جسے اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرے گا۔ (۲) قانون کو ہاتھ میں لینا بجائے خود جرم ہے۔ (۳) ''قابلِ اعتراض حالت'' سے مراد واقعی زنا کرتے ہوئے دیکھ لینا ہو جب بھی شرع کہتی ہے کہ کسی پر زنا کا الزام لگانے کے لئے محض دیکھ لینا کافی نہیں۔ چار گواہوں کے بغیر جو شخص الزام لگائے گا وہ خود حدِّ قذف کا مجرم ٹھہرے گا اور اَسّی کوڑوں کی سزا کا مستحق ہوگا۔ (۴) غصے میں بے قابو ہو جانا کوئی اچھی صفت نہیں ہے۔ اسلام نے اسی لئے غصہ کرنے سے روکا ہے کہ غصے میں آکر آدمی ایسی حرکت کر جاتا ہے جس پر بعد میں اُسے پشیمان ہونا پڑتا ہے۔ (۵) اللہ اور اُس کے رسول ﷺ نے لوگوں کے عیبوں پر پردہ ڈالنے کا حکم دیا ہے اور یہاں تک فرمایا ہے کہ جو آدمی کسی کے عیب کی پردہ پوشی کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُسے رُسوائی سے بچائے گا۔''

''مختصر یہ کہ جس شخص نے اپنی بیوی، بہن یا بیٹی کو بدچلنی کے شبہ میں قتل کیا، اُس نے ہرگز کوئی اچھا کام نہیں کیا کہ اُسے غیر تمند کا سرٹیفکیٹ جاری کیا جائے۔''

''حقیقت یہ ہے کہ ان شرعی احکام کی روشنی میں ایک مسلم وقائع نگار کے لئے اپنے فرائض کی ادائیگی کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اُسے اپنے قلم کو استعمال کرتے ہوئے بہت احتیاط سے کام لینا ہوتا ہے اور ایک ایک لفظ اس بات کو ذہن میں رکھ کر لکھنا ہوتا ہے کہ قیامت کے دن مجھے اپنے قلم سے نکلی ہوئی ایک ایک بات کا حساب دینا ہوگا۔''

(XIII) ''اداریہ نگاری کے آداب: اخبار میں خبر کے بعد اُس کا سب سے اہم جزو اداریہ ہوتا ہے جس سے اُس کی انفرادیت قائم ہوتی ہے اور جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اخبار کا اپنا عقیدہ اور نظریہ حیات اور مسائل کے بارے میں طرزِ فکر کیا ہے۔

''صحافت کا اصول یہ ہے کہ اخبار میں خبروں کو معروضی انداز میں پیش کیا جائے۔ اُن میں اپنی رائے اور خیالات کو شامل کرنے سے پرہیز کیا جائے اور جس خبر یا واقعے کے بارے میں اپنی رائے ظاہر کرنا مقصود ہو، اداریے میں ظاہر کی جائے۔ خبروں سے قارئین کو گرد و پیش کے حالات کا علم ہوتا ہے لیکن پھر بھی بہت سی اطلاعات، مسائل اور واقعات ایسے ہوتے ہیں جنہیں سمجھنے یا جن کے بارے میں رائے قائم کرنے میں عام قارئین کو دشواری پیش آتی ہے مگر جب اداریہ نگار اُن کی تشریح کر کے اپنی جچی تلی رائے کا اظہار کرتا ہے تو اس سے قارئین کی رہنمائی ہوتی ہے اور حالات و واقعات کے بارے میں رائے قائم کرنے میں مدد ملتی ہے۔ اس طرح صحافت کا ایک بنیادی

مقصد جسے ''رائے عامّہ کی تشکیل'' کہتے ہیں' پورا ہو جاتا ہے۔''

''غور سے اگر دیکھا جائے تو اداریہ نگاری کا ایک ہی مقصد ہے اور وہ ہے ''رائے عامّہ کی رہنمائی اور تربیت''۔ اداریہ نگار کو حالات و واقعات اور مسائل پر ملک کے لوگوں کی اس طرح رہنمائی کرنی چاہیے کہ جن لوگوں کو اُس کے اخذ کردہ نتائج سے اختلاف ہو وہ بھی اُس کی انصاف پسندی اور خلوصِ نیت پر اعتراض نہ کر سکیں۔ جب اداریہ نگار کسی خبر یا واقعے کی تشریح یا وضاحت کرتا ہے یا کسی خیال اور نظریے سے اختلافِ رائے رکھتا ہے یا کسی کارروائی کی حمایت اور مخالفت کرتا ہے تو اُس کے پیشِ نظر اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ نیک اور تعمیری مقاصد کے فروغ اور حصول کے حق میں اور برائی اور غیر صحت مند باتوں کے خلاف رائے عامّہ کو ہم نوا بنائے اور یہی وہ عمل ہے جسے قرآن کی زبان میں ''امر بالمعروف و نہی عن المنکر'' کہا گیا ہے۔

''خدا پرست' موحّد اور پابندِ اسلام رائے عامّہ کی تشکیل کے لئے صحافت کا وہ معیار و انداز کسی طور مفید نہیں ہو سکتا جو سیکولر' مُلحد' اشتراکی اور خدا بیزار رائے عامّہ کی تشکیل و تنظیم کے لئے موزوں خیال کیا گیا ہو۔ اِس نقطہ نظر سے اسلامی صحافت کے تحت اداریہ نگاری کے بھی وہی اخلاقی اصول ہیں جو قرآن و سنت میں معاشرے کی اصلاح و فلاح کے لئے بیان ہوئے ہیں۔''

''رائے عامّہ کی تشکیل اور راہنمائی کے لئے ضروری ہے کہ اداریہ نگار میں کسی اطمینان بخش یا خوفناک خبر کا تجزیہ کر کے اُس سے صحیح نتائج اخذ کرنے کی صلاحیت بلکہ ملکہ موجود ہو کیونکہ اُس کے بغیر کسی معاملے میں رہنمائی کا فریضہ انجام دینا ممکن نہیں ہے۔''

''تحریر و تقریر کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں بھی ایسی بہت سی ہدایات ملتی ہیں جنہیں صرف اداریہ نگار ہی کو نہیں بلکہ ہر لکھنے والے کے ہمیشہ پیشِ نظر رکھنا چاہیے تاکہ اُس کا قلم خیر کا ترجمان اور معاشرے کی صلاح و فلاح کا ذریعہ بنے۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل احادیثِ نبوی ملاحظہ ہوں:

(۱) ''جس نے کسی صاحبِ اقتدار کو راضی کرنے کے لئے وہ بات کہی جو اُس کے رب کو ناراض کر دے' وہ اللہ کے دین سے نکل گیا۔''

(۲) ''سب سے افضل جہاد ظالم حکمران کے سامنے انصاف اور حق کی بات کہنا ہے۔'' (ابو داؤد)

(۳) ''اگر تمہارے ذریعے ایک ہی شخص نے ہدایت پا لی تو یہ تمہارے لئے دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔''

(۴) ''جو شخص کسی ظالم کا ساتھ دے کر اُس کو قوت پہنچائے گا درآنحالیکہ وہ جانتا ہے کہ وہ ظالم ہے تو وہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔''

(۵) ''جب فاسق کی تعریف کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ غصّے میں آ جاتا ہے اور اُس کی وجہ سے عرش ہلنے لگتا ہے۔'' (مشکوٰۃ)

(۶) ''آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نہ تو بے حیائی کی بات منہ سے نکالتے اور نہ بے حیائی کا کام کرتے اور نہ دوسروں کو برا بھلا کہتے۔''
(۷) ''وہ شخص ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی دعوت دے اور عصبیت کی بنیاد پر جنگ کرے۔''
(۸) ''عصبیت یہ ہے کہ آدمی ظلم کے معاملے میں اپنی قوم کا ساتھ دے۔''
(۹) ''جب غصہ آجائے تو خاموش ہو جایا کرو۔''
(۱۰) ''سچی بات کہو اگرچہ کڑوی ہو۔''
(۱۱) ''غیبت زنا سے سخت تر گناہ ہے۔'' (مشکوٰۃ)
(۱۲) ''بہترین عالم وہ ہے جو لوگوں کو اپنی تقریر سے اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں کرتا اور نہ اللہ کی نافرمانی کے لئے اُنہیں رخصتیں دیتا ہے اور نہ اللہ کے عذاب سے اُنہیں بے خوف بناتا ہے۔''
(۱۳) ''سب سے بڑی خیانت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی سے کوئی بات کہو اور وہ تمہاری بات کو سچ سمجھے حالانکہ تم نے جو بات کہی وہ جھوٹی تھی۔'' (ابوداؤد)
(۱۴) ''مسلمان کو گالی دینا گناہ کی بات ہے اور اُس سے جنگ کرنا کفر ہے۔'' (بخاری' کتاب الایمان)
(۱۵) ''ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کی جان' مال اور عزت حرام ہے۔'' (صحیح مسلم' ترمذی)
(۱۶) ''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے' وہ نہ اُس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اُس کی مدد سے باز رہتا ہے۔ جو شخص اپنے بھائی کی حاجت کو پورا کرنے میں لگ جائے گا' اللہ تعالیٰ اُس کی حاجت براری کرے گا اور جو شخص کسی مسلمان کو کسی مصیبت سے نکالے گا تو اللہ تعالیٰ اُسے روزِ قیامت کی مصیبتوں میں سے نکال دے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی عیب پوشی کرے گا' اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُس کی عیب پوشی کرے گا۔'' (صحیح بخاری: کتاب الایمان)

ماخوذ از: (''اسلامی صحافت'' ۔ سیّد عُبید السّلام زینی' صفحات ۱۶۳' ۱۶۴' ۱۶۶' ۱۷۸' ۱۷۹)۔

(XII) پرنٹنگ پریس : قرآن مجید کسی انسانی کوشش کا نتیجہ ہرگز نہیں ہے بلکہ مسلمہ طور پر یہ احکم الحاکمین کا کلامِ بے مثل و بے مثیل ہے' لہٰذا وہ کم از کم اپنے ماننے والوں سے اپنے زیادہ سے زیادہ احترام و توقیر کا مطالبہ کرتا ہے جیسا کہ سورۃ الاعراف میں حکمِ باری تعالیٰ ہوا :

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ O (الاعراف : ۲۰۴)
''اور جب قرآن پڑھا جائے تو اُسے توجہ سے سنا کرو اور کاملاً خاموش رہا کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔'' (۷ : ۲۰۴)

اسی احترام و توقیر کی ترغیب کے سلسلہ کو جاری رکھتے ہوئے سورۃ الحَدِید کی آیت ۷۹ میں حکم ہوا کہ

احکم الحاکمین کے اِس کلام کو باوضو ہاتھ لگانا چاہئے۔

ہر حال میں ایسے زوردار اور فرض احکام کی تعمیل میں شروع کے مسلمان علماء وفضلاء کی یہ تشویش جائز تھی کہ غیر مسلمین اس مقدّس کتاب کی بے ادبی اور عدمِ احترام کا باعث بنیں گے۔ اُن کی یہ تشویش جائز تھی کہ جب قرآن مجید چھپ کر غیر مسلم علاقوں میں پہنچے گا تو اُسے کماحقہٗ عزت واحترام نہیں ملے گا۔ ان علماء کو اہلِ یورپ کی طرف سے طبع شدہ قرآن مجید میں استعمال ہونے والے کاغذ اور چھپائی کے ناقص ہونے کا بھی خوف تھا جو اِعراب وحرکات (Diacritical marks) اور متن کی غلطیوں سے پاک نہ ہوگا۔

تاہم وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس حقیقت نے کہ عیسائی مشنریوں نے بائبل اور عیسائیت کو مشتہر کرنے میں پریس کا بہت زیادہ استعمال کیا' مسلمانوں کو گرمجوشی کے ساتھ پریس ٹیکنالوجی کا سہارا لینے کی تحریک دی۔ اُنہوں نے معلوم کیا کہ قرآن مجید کو دنیا کے مختلف اکناف واطراف میں فراہم کرنے کے لئے ایسا عوامی میڈیا اُن موہومہ خطرات کی نسبت کہیں زیادہ فوائد کا حامل ہے۔ بالآخر اب مسلمان چھاپہ خانوں سے قرآن مجید کی خاصی تعداد طباعت کے زیور سے آراستہ ہوکر اکنافِ عالم میں اپنی وسیع تشہیر کی راہ بنارہی ہے۔

میڈیا کی درج بالا شکلوں کے علاوہ لوگ دیواروں کی لوحوں' تانبے کے ٹرے' پوسٹروں' سٹکرز اور مبارکبادی کے کارڈوں' اخبارات' میگزینوں' کیلنڈروں اور دیگر مطبوعہ مواد کے ذریعے جن پر قرآنی آیات ثبت ہوتی ہیں' اپنے مکانوں' دکانوں' کھڑکیوں اور اپنی موٹر کاروں کے ڈیش بورڈوں کو مزیّن کرتے ہیں۔ لیکن اہم بات یہ ہے کہ اگر قرآن مجید کی کماحقہٗ توقیر نہ کی جائے تو گھروں' دکانوں وغیرہ کو مزین کرنے کی سب باتیں بے ثمر اور بے فائدہ ہیں اگرچہ مقصد اُن سے خیر وبرکت کا حصول ہی کیوں نہ ہو۔

''ذاتی شہرت کی تمنا باعثِ ہلاکت ہے : اپنی ناموری کی خواہش تکبر کی علامت ہے لہٰذا مذموم ہے۔ صالحین نے ہمیشہ اس سے بچنے کی کوشش کی۔ اہلِ تصوّف کا تو قول ہے کہ مقبولیت کی تمنا سالکین کی ہلاکت کا باعث بن جاتی ہے۔ سیّدہ عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا اکثر فرمایا کرتی تھیں کاش میں نَسْیًا مَّنْسِیًّا (بھولی بسری چیز) ہوتی! بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ ایک بار سفر سے بہت دیر بعد اپنے شہر واپس ہوئے تو پورا شہر استقبال کے لئے باہر نکل آیا۔ رمضان کا مہینہ تھا۔ آپ نے تھیلے سے روٹی نکال کر سب کے سامنے اُسے کھانا شروع کیا۔ لوگوں میں چہ میگوئیاں ہوئیں۔ ہجوم چھٹ گیا' چند مخلصین رہ گئے۔ پوچھا گیا حضور! آپ نے یہ کیا کیا' لوگ بدگمان ہوگئے ہیں۔ آپ نے فرمایا: میں مسافر ہوں' روزہ نہیں رکھا تھا۔ سب کے سامنے اس لئے کھانا شروع کیا کہ کہیں اتنا بڑا استقبالیہ منظر دیکھ کر میرا نفس غرور میں نہ آجائے۔'' (ماہنامہ ''منہاج القرآن'' لاہور' اگست ۲۰۰۷' صفحہ ۳۵)

نوٹ: میڈیا کے ضابطہ اخلاق کے لئے جلد ششم کے صفحات ۲۷۸۲ تا ۲۸۰۱ کی طرف رجوع کیا جائے۔

(۱۶۰) میڈیکل سائنس

حدیثِ نبوی ہے: اَلْعِلْمُ عِلْمَان : عِلْمُ الْاَدْیَان وَ عِلْمُ الْاَبْدَان یعنی علم تو دو (2) ہی ہیں:
(۱) علمِ مذاہب اور (۲) علمِ ابدان (Medical Science)

علم الادیان آدمی کو بتاتا ہے کہ اس کائنات میں اُس کا مرتبہ و مقام کیا ہے اور یہ کہ اُس کا اپنے خالق کے ساتھ کیا رشتہ ہے جبکہ علم الابدان سے واقفیت اور آگاہی اُسے اپنے خالق کی طرف سے عائد شدہ مذہبی فرائض کی تکمیل مستعدی اور خوش اسلوبی سے ادا کرنے کے قابل بناتی ہے۔ جسمانی صحت کے بغیر انسان ان فرائض کو کامل توجہ، خلوص اور مستعدی سے ادا کرنے کے قابل نہیں ہوتا۔ بیمار اور ناقص صحت والا آدمی تو اپنے آپ سے بیزار ہوتا ہے، وہ ہمیشہ سستی اور کسلمندی کا شکار رہتا ہے، اس لئے وہ قرآن مجید کے مطلوبہ معیار پر پورا نہیں اتر سکتا۔

ایک اور حدیثِ نبوی ہے : لِکُلِّ دَاءٍ دَوَاء" یعنی ہر بیماری کی دوا ہے۔

اسی طرح آپ نے صفائی اور پاکیزگی کے بارے میں فرمایا :
اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِ یْمَانِ (پاکیزگی آدھا ایمان ہے)۔

اسی صفائی اور پاکیزگی کے بارے میں قرآن پاک نے اعلان کیا :
(۱) اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَ یُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ O (البقرۃ : ۲۲۲)
"بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاک وصاف رہنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔"
(۲) فِیْهِ رِجَال" یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ O (اَلتَّوبة : ۱۰۸)
" اُس (مسجدِ قُبا) میں ایسے آدمی ہیں جو خوب پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ خوب پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔" (۹ : ۱۰۸)

ایک مرتبہ عمرو نامی ایک صحابیِ رسول کو عارضہِ قلب لاحق ہوا تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُنہیں گٹھلیوں سمیت عجوہ کھجور کھانے کی تجویز دی۔

علی بن عیسیٰ پہلے مسلمان معالج ہیں جنہوں نے مریض کے طبّی عملِ جراحی سے پیشتر اُسے بیہوش کرنے (Anaesthesia) سےمتعارف کرایا۔

مسلمان کی پانچ باقاعدہ نمازوں کی تیاری میں وضو کا مشاہدہ کرتے ہوئے ایک عیسائی نے یوں اپنے تاثرات دیے:۔

''مسلمان کی محتاط صفائی جس کا موازنہ دوسرے مذاہب کے مشرقیوں کی حالت سے بڑی جانبداری سے کیا جائے تو وضو اسلام کے عملی اثر میں بہترین اور نمایاں وصف ہے۔'' ("Introduction to the Selections from the Kuran"... Lane Poole, p. LXVIII)

اسلام کی اس لطافت پسندی، نظافت پسندی اور طہارت پسندی کا مقابلہ اور موازنہ اُن مذاہب سے کیجئے جن میں قربِ حق کا ذریعہ صفائی کو نہیں بلکہ عین جسمانی گندگی اور کثافت و غلاظت کو قرار دیا گیا ہے۔ خود غسل اور جسمانی صفائی سے عیسائیت کی نفرت کو ایک نظر دیکھتے جائیے:

''یقیناً اُس مقولہ کی جس میں صفائی کو تقویٰ کے بعد کا مقام حاصل ہے، رہبانیت کے سورماؤں اور وڈیروں کے ہاں اُن علاقوں میں بھی کوئی گنجائش نہیں جہاں نہانے کو زندگی کی ضروریات میں سے سمجھا جاتا ہے۔ جیروم نے تارک الدنیا لوگوں کو گرم پانی کے غسل سے نہانے کو اخلاقاً کمزور ہو جانے کی تنبیہ کی۔ اپنی ایک اتالیق خاتون کے نام خط میں خواتین کے لئے وہ ہر قسم کے نہانے کی مذمت کرتا ہے۔ آگسٹائن نے مہینہ میں صرف ایک مرتبہ غسل کی اجازت دی ہے۔'' ("Dictionary of Christian Antiquities"... Smith and Cheetham, Vol. 2, p. 939)

''جسمانی صفائی کو روح کی پلیدی سمجھا جاتا تھا اور وہ پارسا لوگ جن کی بہت زیادہ تعریف کی جاتی تھی، جمع شدہ غلاظت کا خوفناک اور ناگوار ڈھیر بن کے رہ گئے تھے۔ St. Athanasius بڑی گرم جوشی سے بیان کرتا ہے کہ شہنشاہیت کے جنم داتا St. Anthony نے انتہائی بڑھاپے میں بھی اپنے پاؤں دھونے کا جرم نہیں کیا تھا۔۔۔ St. Euphraxia نے 130 اُن راہبات کے ساتھ معاہدے میں شمولیت کی جنہوں نے کبھی اپنے پاؤں نہیں دھوئے تھے اور جو نہانے کا نام سن کر تھرتھرا جاتی تھیں۔'' ("History of European Morals"... Lecky, Vol. II, p. 47)

''چوتھی صدی عیسوی کے ایک پارسا عبادت گزار نے یہ شیخی بگھیری کہ اُس نے اٹھارہ برس سے اِس ڈر کے مارے چہرہ نہیں دھویا تھا کہ کہیں اُس سے بپتسمہ کا رنگ اُتر نہ جائے۔'' (انسائیکلوپیڈیا بریٹینکا جلد اوّل، صفحہ ۴۹)

''عیسائیت کی دنیا میں ۳۴۷ عیسوی سے آگے کے عرصہ میں گرد و غبار اور بیماری پارسائی کی معزز علامت سمجھے جاتے تھے۔ قابلِ نفرت فقیر اپنی غلاظت اور دُکھتے ہوئے اعضاء کا سرِ عام اظہار کرتے تھے تاکہ عیسائیت کے وفادار بندے اُن کا احترام کریں۔'' ("Universal History of the World"... Hammertson, Vol. IV, p. 2333)

لہٰذا تمام مذاہب عالم میں صرف اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جو اپنے پیروکاروں کو جسم اور لباس، خیالات اور کردار میں پاک رہنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اسلام میں اخلاقی بلندی اور روحانی پاکیزگی کے لئے پاکیزگی اور صفائی ازبس ضروری ہے جس کے تغافل سے متعدد بیماریاں جنم لیتی ہیں۔

چند متعلقہ اصطلاحات جن کی وضاحت قرآن وحدیث اور فقہی فیصلوں کی روشنی میں کی گئی ہے

(1) اسقاطِ حمل (Abortion): منع حمل اور حمل کا ضائع کرنا بالکل دو مختلف چیزیں ہیں۔ مسلم فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ جنین (کچا بچہ Foetus) کے رحم میں مکمل صورت اور روح پا جانے کے بعد اُس کا گرانا اور ضائع کرنا حرام ہے۔ یہ انسانی زندگی کی ہلاکت کے گناہ سے کم گناہ نہیں اور اسی لئے ایسے قبیح فعل کا ارتکاب یقیناً جرم ہے۔ فقہاء کا اِصرار تو یہاں تک ہے کہ جان پڑی ہوئی بچے کے اسقاط کرنے والے کو خوں بہا (دیت) ادا کرنا چاہئے۔

لیکن تاہم اس اصول کی ایک استثنائی صورت ہے۔ فقہاء کا کہنا ہے کہ اگر یہ بات باوثوق طور پر مستحکم ہو جائے کہ حمل کا باقی رکھنا ماں کی موت کا سبب بنے گا تو اسقاط کرانا لازم ہو جاتا ہے۔ اس میں شریعت کی عمومی اصول کی پیروی ہے اور وہ یہ کہ دو برائیوں میں سے ایک برائی کا ناگزیر طور پر اختیار کرنا صحیح ہوتا ہے۔ شیخ شلتوت کی رائے ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں:

''کیونکہ ماں جنین (کچے بچے) کا نقطۂ آغاز ہے اور وہ زندگی میں فرائض اور ذمہ داریوں کے ساتھ مستحکم ہے اور وہ خاندان کا ایک ستون بھی ہے لہٰذا اُس جنین کی زندگی کی خاطر ماں کی زندگی کو قربان کرنا ممکن نہ ہوگا جس نے شخصیت کو ابھی دھارا ہی نہیں اور نہ ہی اُس کے ذمہ کوئی فرض یا ذمہ داری عائد ہوئی ہے۔'' (''الفطمہ'' ۔۔ شیخ شلتوت، صفحہ ۱۶۴)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ منع حمل اور اسقاطِ حمل کے مابین یوں حدِّ فاصل کھینچتے ہیں اور فرق قائم کرتے ہیں:

''منع حمل اسقاطِ حمل کی طرح نہیں۔ اسقاطِ حمل ایک زندہ وجود کے خلاف جرم ہے۔ اب وجود کے بھی مراحل ہیں: وجود کا پہلا مرحلہ رِحمِ مادر میں مادہ منویہ کا قرار پکڑنا اور اس کا عورت کے رِسنے والے مادہ یعنی ریزش (Secretions) سے مل جُل جانا ہے۔ اس وقت وہ جان پڑنے کے لئے تیار ہوتا ہے اور اس میں چھیڑ چھاڑ کرنا جرم ہے۔ جب وہ گومڑا (گلٹی Lump) بن جاتا ہے تو اسقاط گناہِ عظیم بن جاتا ہے۔ جب اس میں روح پڑ جائے اور اُس کی تخلیق مکمل ہو جائے تو اسقاط کا جرم اور بھی سنگین ہو جاتا ہے یہ جرم اپنی انتہا اور سنگینی کو اُس وقت پہنچتا ہے جب اُسے (عرصہ پیدائش مکمل ہونے سے پہلے) زندہ ہونے کی حالت میں ماں سے جدا کر دیا جائے۔'' (احیاء علوم الدین: کتاب النکاح، ص ۴۷)

(2) کسی حصہ جسم کا کاٹنا (Amputation): اسلام مثلہ (اعضاء کی قطع و بُرید) کی اجازت کسی صورت میں بھی نہیں دیتا اور نہ ہی کسی جاندار کو آگ میں جلا کر مارنے کی اجازت دیتا ہے۔ مثلہ کی ممانعت سے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمانِ مبارک ہے :

إِيَّاكُمْ وَالْمُثْلَةَ وَلَوْبِالْكَلْبِ الْعَقُوْرِ

''مُثلہ کرنے سے بچتے رہو اگرچہ وہ باؤلے کتے ہی کا کیوں نہ ہو۔''

البتہ کسی حصہ جسم کو کاٹنے یا علیحدہ کرنے (Amputation) کی دو صورتیں ہیں: (۱) اُس عضو کا باقی رکھنا باقی جسم کے نقصان یا موت کا موجب ہونا یقینی ہو جائے تو حکیمِ حاذق / مستند ڈاکٹر کے مشورے سے اُس کے علیحدہ کرنے کی شریعت نہ صرف اجازت دیتی ہے بلکہ لازم قرار دیتی ہے۔ (۲) چوری' ڈاکہ' دہشت گردی جیسے جرائم جن پر '' حدود'' کا اطلاق ہوتا ہے' کی سزا کے طور پر ہاتھ پاؤں کا کاٹ دینا حکمِ الٰہی کے تحت ہے جیسا کہ سورۃ المائدۃ میں وارد ہوا :

(۱) إِنَّمَا جَزَآءُ الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللهَ وَرَسُوْلَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْيُصَلَّبُوْٓا اَوْتُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ O (المائدۃ :۳۳)

'' بے شک جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد انگیزی کرتے پھرتے ہیں' اُن کی سزا یہی ہے کہ وہ قتل کئے جائیں' یا پھانسی دیئے جائیں یا اُن کے ہاتھ اور اُن کے پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ دیئے جائیں یا ملک بدر کر دیئے جائیں۔ یہ تو اُن کی دنیا میں رسوائی ہے اور اُن کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔'' (۳۳ : ۵)

(۲) وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللهِ (المائدۃ : ۳۸)

''اور چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت' سو دونوں کے ہاتھ کاٹ دو اُس (جرم) کی پاداش میں جو اُنہوں نے کیا ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے عبرتناک سزا ہے۔'' (۳۸ : ۵)

''**چور کا ہاتھ کاٹنے کی حکمت** : ربِّ ذوالجلال والاکرام کا بڑا فضل اور احسان ہے کہ اُس نے چور کا ہاتھ کاٹنے کی حد مقرر فرما کر مسلمانوں کے اموال کو محفوظ کر دیا۔ اگر کوئی شخص اُچک کر کوئی چیز لے جائے یا لُوٹ کر لے جائے یا غصب کر لے تو اُس پر حد مقرر نہیں (ہر چند کہ اس میں تعزیر ہے) کیونکہ یہ جرائم چوری کی بہ نسبت معمولی ہیں اور ان کے خلاف گواہ قائم کئے جا سکتے ہیں اور گواہوں کے ذریعے عدالت سے اپنا حق آسانی سے وصول کیا جا سکتا ہے۔ اس کے برخلاف چور چھپ کر مال لے جاتا ہے' لہٰذا اُس پر گواہی قائم کرنا مشکل ہے' اس لئے اُس کی سزا بھی سخت رکھی تا کہ اُس سزا کو دیکھ کر دوسرے لوگ عبرت پکڑیں اور چوری کرنے سے باز رہیں اور مسلمانوں کے مال محفوظ رہ سکیں۔''

''بعض علماء نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اگر چور کا ہاتھ کاٹنے کے بعد اُسے فوراً جوڑ دیا جائے تو یہ جائز ہے۔ لیکن یہ فتویٰ صحیح نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے چور کے ہاتھ کاٹنے کو فرمایا ہے جو اللہ کی طرف سے عبرتناک تعزیر ہے۔ اگر چور کا ہاتھ جوڑ دیا گیا تو پھر یہ عبرت نہیں رہے گی اور قرآن مجید کے صریحاً خلاف ہو جائے گی۔''

''ہوسکتا ہے کہ اِن میں سے کچھ سزائیں مغرب کے غیر معمولی حساس(Hypersensitive) قاری کو غیر مہذب اور ظالمانہ لگیں تو اُسے اٹھارھویں صدی عیسوی کے انگلش جرائم کے ضابطہ کی سزا پر نگاہ رکھنی چاہیے۔ یہ سزا وقت کے حکمران اور حکومت کے خلاف باغی کو دی جاتی تھی۔ مجرم کو برف گاڑی کے ذریعے مقامِ موت تک لایا جاتا تھا جہاں کٹ گھر(Scaffold) پر کھڑا کر کے اُس کی گردن علیحدہ کر دی جاتی تھی' اُس کے پیٹ میں سے آنتیں باہر نکل آتی تھیں اور وہ نیم جاں ہونے کی حالت میں تڑپا رہ جاتا تھا۔ اسی پر بس نہیں' اُس کا سر اس کے جسم سے جدا کر دیا جاتا تھا اور اُس کی لاش کے چار ٹکڑے کر دئے جاتے تھے۔ انگلستان اور آئرلینڈ کے بہت سے کیتھولک فرقے کے لوگ اس سزا سے دوچار ہوئے کیونکہ اُن کے عقیدے کو حکومتِ وقت کے خلاف بغاوت قرار دے دیا گیا تھا۔'' (تفسیر ماجدی' انگریزی' صفحہ 104-A,B نوٹ:339)

''ہنری سوئم اور ایڈورڈ اوّل کے ادوارِ حکومت میں اس بات کی کافی شہادت موجود ہے کہ سنگین جرم میں سزا موت تھی اور یہ سزا بغاوت اور تمام سنگین جرائم کے لئے (سوائے معمولی چوری کے) سال 1826ء تک جاری رہی۔'' ("History of the Criminal Law of England"... Stephen, Vol. 1, p. 458)

(3) <u>Analgesia (درد سے نجات' درد میں تسکین)</u>: اس کی مثال سورہ یوسُف میں ملتی ہے:

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَ اَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّ آتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَا اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ O (یوسُف: ۳۱)

''جب اُس (زلیخا) نے اُن (عورتوں کی) مکارانہ باتیں سنیں تو اُنہیں بلوا بھیجا اور اُن کے لئے مجلس آراستہ کی (پھر اُن کے سامنے پھل رکھ دئے) اور ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک چھری دے دی اور (یوسف علیہ السلام سے) درخواست کی کہ ذرا اُن کے سامنے سے (ہو کر) نکل جاؤ (تاکہ اُنہیں بھی میری کیفیت کا سبب معلوم ہو جائے) سو جب اُنہوں نے یوسف (کے حُسنِ زیبا) کو دیکھا تو اُس (کے جلوۂ جمال) کی بڑائی کرنے لگیں اور وہ (عالمِ مدہوشی میں پھل کاٹنے کی بجائے) اپنے ہاتھ کاٹ بیٹھیں اور (بے ساختہ) بول اُٹھیں: اللہ کی پناہ! یہ تو بشر نہیں ہے' یہ تو بس کوئی برگزیدہ فرشتہ (یعنی عالمِ بالا سے اُترا ہوا نور کا پیکر) ہے۔'' (۱۲ : ۳۱)

نوٹ: Analgesia کا متضاد لفظ Anaesthesia ہے یعنی بے ہوشی خصوصاً جو مصنوعی طور پر گیس یا دوا کے ذریعے پیدا کی جائے۔

(4) اُمراضِ قلب کی روک تھام میں اسلامی علاج: اسلام انسان کی اچھی جسمانی، روحانی، ذہنی اور نفسیاتی صحت کا زبردست قائل ہے۔ اس لئے اُس نے نوعِ انسانی کو ایسا طرزِ حیات فراہم کیا ہے جو بیماریوں کی روک تھام کا ضامن ہے۔

(ا) اسلامی طرزِ حیات کے ذریعے روک تھام: اسلامی طرزِ حیات سات بڑے عناصر کو شامل ہے:

(۱) روحانی سرگرمیاں
(۲) اعتدال کے ساتھ کھانا
(۳) جسمانی محنت ومشقت
(۴) تناؤ (Tension) کی روک تھام اور اطمینانِ قلب
(۵) خودغرضی اور لالچ سے دور رہنا
(۶) ممنوع (حرام) کاموں اور ممنوع (حرام) غذا سے پرہیز
(۷) پسندیدہ اعمال وعادات اور غذا کا اختیار کرنا

اگر اسلامی طرزِ حیات کو مکمل طور پر اپنایا جائے تو انسان مختلف بیماریوں پر غالب آنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ یہ طرزِ حیات انسان کو تناؤ اور اُلجھن (Tension) سے نجات دیتا ہے اور اُسے زندگی کی گرم جوشی کو قائم رکھنے کا اہل بناتا ہے۔ اسلام نے تناؤ اور اُلجھن کے دُور کرنے پر خاصا زور دیا ہے اور اس طرح انسان کو خوشگوار زندگی فراہم کی ہے۔ سورہ آلِ عمران اور سورۃ الشُّورٰی میں فرمایا گیا:

(۱) وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ O (آلِ عمران: ۱۳۴)
''(یہ لوگ) غصّہ کے ضبط کرنے والے ہیں اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں۔ اور اللہ (ایسے ہی) حسنِ عمل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔'' (۳ : ۱۳۴)

(۲) وَإِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ O (الشُّورٰی: ۳۷)
''اور جب اُنہیں غصّہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔'' (۴۲ : ۳۷)

''ارشاد یہ نہیں کہ صالحین و اَبرار کو غصّہ سرے سے آتا ہی نہیں۔ غصّہ کا اپنے موقع ومحل پر نہ آنا دلیلِ حلم نہیں، دلیلِ جُبن و بے حمیتی ہے۔ کمال نہیں، نقص ہے۔ ہنر نہیں، عیب ہے۔ کمال اور ہنر یہ ہے کہ بندہ کو جب بے محل و بے جا غصّہ آ جائے تو اُس کے مقتضا پر عمل نہ کرے بلکہ اپنی طبیعت کو قابو میں رکھے۔'' (ماجدی اردو، ص ۹۷۳)

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:
''غصہ شیطانی فعل ہے اور شیطان آگ سے پیدا ہوا ہے اور آگ پانی سے بجھ جاتی ہے۔ اگر تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو چاہئے کہ وہ وضو کرلے۔''

غیظ و غضب اور غصہ پر کنٹرول کرنا تناؤ اور الجھن پر قابو پانے میں مددگار ثابت ہوتا ہے جو امراضِ قلب کی روک تھام کے لئے ناگزیر امر ہے۔ اسی طرح غریبوں اور ضرورت مندوں کی بہتری پر رضائے الٰہی کی خاطر خرچ کرنا اور دوسروں کو معاف کرنا انسان کو روحانی مسرت و شادمانی سے ہمکنار کرتا ہے جو زندگی کی حظ اندوزیوں میں اضافے کا موجب ہے۔

حسد مختلف ذہنی تفکرات کی جڑ ہے۔ اسلام نے اس کی زبردست مذمّت کی ہے اور اس سے روکا ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ فَإِنَّ الْحَسَدَ يَاْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَاْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ

''حسد سے بچتے رہو اس لئے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح ایندھن کو آگ کھا جاتی ہے۔''

اِسی طرح لالچ، طمع اور خود غرضی بھی خاصی ذہنی تناؤ اور تفکرات کا باعث بنتے ہیں اور اِسی وجہ سے اُن کی بھی ممانعت ہے۔ اُن کی بجائے طمانیتِ قلبی اور سکونِ ذہنی کو اپنانے کی ترغیب دی گئی ہے۔

سوچ کا اسلامی طرز خوشگوار زندگی کی بنیاد بن جاتا ہے جو امراضِ قلب کی روک تھام میں یقیناً ممد و معاون ہے۔ علاوہ ازیں انتہا پسندی اور کسی کام میں بہت زیادہ انہماک (Over-Indulgence) کی بجائے ہر لحاظ سے اعتدال کی راہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے:

يُرِيْدُاللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (البقرة: ۱۸۵)

''اللہ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور تمہارے لئے دشواری نہیں چاہتا۔'' (۱۸۵ : ۲)

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ (انتہا پسند ہلاک ہو گئے)۔

اسلام کہتا ہے کہ کوئی شخص اپنی طاقت سے بڑھ کر اپنے آپ پر بوجھ نہ ڈالے جیسا کہ سورۃ البقرۃ میں یہ دعا سکھائی گئی:

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَالَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ (البقرة: ۲۸۶)

''اے ہمارے پالنہار! ہم پر اتنا بوجھ نہ ڈال جسے اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں۔'' (۲:۲۸۶)

اگرچہ جسمانی محنت و مشقت کی اسلام میں بڑی تاکید آئی ہے لیکن وہ بھی اعتدال و توازن کے اندر رہو۔

(ii) **نماز کے ذریعے امراضِ قلب کی روک تھام**: روحانی اور جسمانی دونوں لحاظ سے اسلام نے دل کی صحت پر خصوصی توجہ دی ہے۔ قرآن مجید نے سورۃ الصّافّات کی آیت ۸۴ میں دل کی صحت کو قلب سلیم (پُرسکون دل) سے تعبیر کیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا:

اَلَا اِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَۃً" اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ

''خبردار! جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے' جب وہ درست ہو تو تمام جسم درست ہوتا ہے اور جب اُس میں بگاڑ ہو تو تمام جسم فساد پذیر ہو جاتا ہے۔'' (صحیح بخاری)

نماز اسلام کا انتہائی اہم اور بنیادی رکن ہے جو روحانی و جسمانی علاج کے اعلیٰ و اَرفع درجہ کی حامل ہے اور جس کا متعدد بیماریوں بالخصوص امراضِ قلب کی دیکھ بھال اور اُن کے علاج میں نمایاں کردار ہے۔

منافقین کا تعارف کراتے ہوئے سورۃ النّساء میں فرمایا گیا:

وَاِذَا قَامُوْا اِلَی الصَّلٰوۃِ قَامُوْا کُسَالٰی یُرَآءُ وْنَ النَّاسَ (النساء: ۱۴۲)

"اور جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی کے ساتھ (محض) لوگوں کو دِکھانے کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔'' (۴: ۱۴۲)

اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز کے منافقانہ انداز کی بنیاد سستی اور بے توجہی ہے کیونکہ منافقین نماز سے نہ تو روحانی فائدہ حاصل کرتے ہیں اور نہ ہی نماز اُنہیں جسمانی صحت کا کوئی فائدہ دیتی ہے۔

نماز قائم کرنے کے قرآن کے بار بار کے حکم کے فوائد کے ضمن میں ختمی مرتبت آقا ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ فِی الصَّلٰوۃِ شِفَاءً" (سنن ابن ماجہ: کتاب الطّبّ)

" کوئی شک نہیں کہ نماز میں شِفاء ہی شِفاء ہے۔''

نماز ادا کرنے کی مستقل عادت بالآخر امراضِ قلب کے خدشات کو درج ذیل طریقوں سے کم کرتی ہے:

(۱) گرم جوش دلچسپی اور روحانی دل جمعی (Spiritual Concentration) کے ساتھ باقاعدہ نماز تناؤ کو دُور یا کم کر دیتی ہے اور ذہنی آسودگی اور اطمینان فراہم کرتی ہے جو امراضِ قلب کی روک تھام میں مفید ہے۔ قرآن کا اعلان ہے:

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُO (الرّعد: ۲۸)

''جان لو کہ اللہ ہی کے ذکر سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔'' (۱۳: ۲۸)

۳۹۵۵ (میڈیکل سائنس)

(۲) غذا میں چکنائی کے سالموں کی دو اہم قسمیں ہیں: سیر شدہ چربی (Saturated fats) اور کثیر ناسیر شدہ چربی (چکنائی) (Poly-unsaturated fats)۔ اوّل الذکر چکنائیاں خون میں کولیسٹرال لیول کو بڑھاتی ہیں جبکہ مؤخرالذکر چکنائیاں اُنہیں کم کرتی ہیں۔ خون میں کولیسٹرول کی بڑھوتری سے دل کو خون پہنچانے والی شریان (Coronary Artery) میں رکاوٹ ہو سکتی ہے جس سے انجمادِ خون (Thrombosis) اور دل کے حملے واقع ہو سکتے ہیں۔

نارمل کولیسٹرول لیول 150 سے 250 ملی گرام تک ہوتا ہے۔ کھانا یا غذا لینے سے خون میں اُس کا لیول اچانک بڑھ جاتا ہے۔ اس خطرے سے بچنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ کولیسٹرول کے شریانی دیوار میں جمع ہونے سے پہلے ہی کولیسٹرول کو تحلیل کر دیا جائے۔

<u>نمازوں کے اوقات اور انسانی معدہ کے خالی یا پُر ہونے کے مابین مطابقت</u>: اسلام نے دن میں پانچ واجب التعمیل نمازیں فرض کی ہیں۔ اُن میں سے فجر، عصر اور مغرب کی نمازیں اُس وقت کی موافقت میں ہیں جب انسانی معدہ عموماً خالی ہوتا ہے لہٰذا اِن نمازوں میں رکعتوں کی تعداد کم ہے جس کا مطلب کم ورزشی مشق ہے۔ اس کے برعکس نمازِ عشاء عموماً عشائیہ (رات کے کھانے) کے بعد ادا کی جاتی ہے، اس لئے اس کی رکعتوں کی تعداد زیادہ یعنی سترہ (۱۷) ہے۔ سترہ رکعتوں کی یہ ورزشی مشق ضرورت سے زیادہ کولیسٹرولوں کو حل کرنے میں آسانی پیدا کرتی ہے۔ اِن رکعتوں میں سنتوں اور نوافل کا بالخصوص اضافہ کرنے سے اُنہیں ۱۷ کر دیا گیا ہے۔

ماہِ رمضان المبارک میں روزے دار کا بیشتر دن بھوک اور پیاس میں گزرتا ہے اور افطار کے وقت قدرتی طور پر آدمی نسبتاً زیادہ کھانا اور مشروبات لیتا ہے، لہٰذا سترہ رکعتوں میں نماز تراویح کی بیس مزید رکعتیں بڑھا دی گئیں۔ اس سلسلہ میں ابونعیم رضی اللہ عنہ سے مروی ایک اہم حدیثِ نبوی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَذِيْبُوْا طَعَامَكُمْ بِذِكْرِ اللهِ وَالصَّلٰوةِ

"اپنی غذائی چکنائیوں کو یادِ خدا اور نمازوں کی ادائیگی کے ذریعے تحلیل کرو۔"

کھانا کھانے کے بعد نہ تو نیند کرنے کی کہیں سفارش آئی ہے اور نہ ہی سخت ورزش کی کیونکہ دل کے لئے دونوں ہی مضر ہیں۔ صرف نماز جیسی ہلکی ورزش کو مفید بتایا گیا ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

فَلَا تَنَامُوْا عَلَيْهِ فَتَقْسُوْا قُلُوْبُكُمْ وَلَا تُكْثِرُوْا مِنَ الْحَرَكَةِ عَلَيْهِ فَتَضُرُّوْا

"کھانا کھانے کے فوراً بعد سونہ جایا کرو، اس سے تمہارا دل سخت ہو جائے گا اور کھانا کھانے کے فوراً بعد نہ ہی کوئی سخت قسم کی ورزش کیا کرو، یہ بھی نقصان کا موجب ہو گی۔"

اِسی لئے بہت ہی متوازن اور نرم جسمانی روحانی ورزش ''نماز کے عمل'' کی صورت میں مقرر کی گئی ہے۔

(۳) Gastric Anemias اور Soleus نامی دو قسم کے پٹھے بھی قابلِ غور ہیں۔ یہ پٹھے (عضلات) وریدی خون کو دل تک واپس پہنچانے میں ''عضلاتی پمپوں'' کی طرح کام کرتے ہیں۔ چونکہ دل تازہ آکسیجن شدہ خون جسم کو پہنچاتا ہے تو وہ خون جو شریانوں سے ہوتا ہوا ٹانگوں تک پہنچتا ہے' وریدوں (رگوں) کے ذریعے دل کو واپس آجاتا ہے۔ جب Calf Muscles کمزور اور ناکارہ ہو جاتے ہیں تو وریدی خون کی واپسی روانی متاثر ہوتی ہے جبکہ مضبوط Calf Muscles آکسیجن سے خارج وریدی خون کو دل تک واپس پہنچانے میں خاصے مد ہوتے ہیں۔

سجدہ یا قعدہ سے ہر دفعہ اٹھنے میں عضلات پر دباؤ پڑتا ہے جس سے عضلات سکڑتے اور پھیلتے ہیں۔ اس عمل میں رکے ہوئے خون کی روانی بحال ہو جاتی ہے اور وہ فوراً دل کی طرف واپس ہوتا ہے۔ یہ عمل دل پر دباؤ کو کم کرتا ہے اور پمپنگ کے عمل کو کسی قدر تقویت ملتی ہے۔

(III) اعتدال کے ساتھ کھانے کی عادت کے ذریعے امراضِ قلب کی روک تھام: طبّی تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ امراضِ قلب معدہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ آدمی جتنا زیادہ کھاتا ہے' وہ اُتنی ہی بیماریوں کو دعوت دیتا ہے' جبکہ حد سے بڑھ کر کھانے سے گریز کرنا امراضِ قلب کی روک تھام کے لئے بہت اہم ہے۔ کھانے کی عادت کا دل پر براہِ راست اثر ہوتا ہے اِسی لئے اسلام نے اعتدال کے ساتھ کھانے کی عادت تجویز کی ہے۔ روزانہ تین وقت کا مکمل کھانا بالخصوص وہ کھانے جن میں چکنائیاں بھرپور ہوں' دل کی بیماریوں کے لئے نہ صرف مضر بلکہ خطرناک بھی ہیں اور فشارِ خون (Hypertension)' لحمی مادّوں کے جم جانے کے باعث شریانوں کا نقص (Atherosclerosis) اور ذیابیطس (Diabetes Mellitus) وغیرہ جیسی سنجیدہ بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔

علاج کی نسبت اسلام بیماریوں کی روک تھام پر زیادہ یقین رکھتا ہے۔ اس لئے حد سے زیادہ کھانے کی پرزور مذمّت کی گئی ہے اور قرآن و سنت میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ غذائی عادات میں توازن رکھنے کے لئے قرآن مجید میں کھانوں اور مشروبات کے حد سے زیادہ استعمال سے اجتناب کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا:۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ O (الاعراف: ۳۱)

''کھاؤ' پیو لیکن حد سے آگے نہ بڑھو' بے شک وہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔'' (۷:۳۱)

نبی علیہ الصلوٰۃ السلام نے استعارتاً فرمایا:

اَلْكَافِرُ يَاْكُلُ فِيْ سَبْعَةِ اَمْعَاءٍ وَالْمُؤْمِنُ يَاْكُلُ فِيْ مِعًى وَّاحِدٍ (صحيح بخاری: ۲:۸۱۲)

"کافر سات انتڑیوں میں کھاتا ہے اور مؤمن ایک انتڑی میں کھاتا ہے۔"

اس کا مطلب یہ ہوا کہ منافق ضرورت سے زیادہ سات مرتبہ کھاتا ہے جو کفر (بے قدری) کے قریب قریب ہے اور جس کی نبی اکرم ﷺ نے مذمت فرمائی ہے۔ ایک اور موقع پر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

(۱) "اللہ حد سے زیادہ کھانے والوں سے نفرت کرتا ہے۔" (مسند الفردوس للدیلمی)

(۲) "کوئی آدمی اپنے پیٹ سے بڑھ کر بُرا کوئی برتن نہیں بھرتا۔ (کھانے کے) چند لقمے جو کمر کو سیدھا رکھیں، آدمی کے لئے کافی ہیں۔ اگر اُس نے زیادہ کھانا ہی ہو تو وہ اپنے معدہ کے تیسرے حصہ کو کھانے سے پُر کرے، اُس کے دیگر تیسرے حصے کو پانی کے لئے اور بقایا تیسرے حصے کو بہ آسانی سانس لینے کے لئے رکھ چھوڑے۔" (ابنِ ماجہ وغیرہ)

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپؐ کے اہلِ خانہ نے زندگی بھر کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔ اعتدال کے ساتھ کھانے کا یہ ایک عملی نمونہ ہے اور اگر لوگ اس پر عمل پیرا ہوں تو بہت سے امراضِ قلب سے بچا جا سکتا ہے۔

(IV) امراضِ قلب کا دفاع بذریعہ غذا: روزمرّہ کی مناسب غذا درجِ ذیل اجزاء کے ساتھ مکمل ہوتی ہے:

(۱) حرارے (Calories)	2900 حرارے ایک اوسط مرد کے لئے۔ 2200 حرارے ایک اوسط عورت کے لئے۔
(۲) کاربوہائیڈریٹس	400 گرام۔
(۳) معدنی اشیاء (Minerals)	سوڈیم کلورائیڈ، کیلشیم، پوٹاشیم، فولاد، سلفر، فاسفورس، آیوڈین اور فلورین کی شکل میں۔
(۴) لحمیات (Protein)	کم از کم 45 گرام۔
(۵) حیاتین (Vitamins)	Vit-A, Vit-B1, Vit-B2, B6, B12, Vit-C, Vit-D, Vit-E.
(۶) چکنائیاں (چربی Fats)	اتنی مقدار جو بطور طاقت ہضم کی جا سکے۔
(۷) پانی	خالص اور بیکٹیریا سے پاک۔ اسے جسم کے وزن کا تقریباً 66% ہونا چاہئے۔

صحت کو برقرار رکھنے کے لئے بنیادی بات غذا کی مقدار نہیں ہوا کرتی بلکہ اُس کی عمدہ قسم اور کوالٹی کو مدِّ نظر رکھنا چاہئے۔ اگر غذا لینے میں اس اصول کو اپنایا جائے تو بہت سے امراضِ قلب سے چھٹکارا مل سکتا ہے۔

۳۹۵۸ (میڈیکل سائنس)

اسلامی تعلیمات کا معجزاتی پہلو یہ ہے کہ بہت سے حلال کھانوں میں سے قرآن مجید اور سنتِ نبوی علی صاحبھا الصلوٰۃ والسلام نے بالخصوص چند کھانوں کو تجویز کیا ہے۔ اِن سفارش شدہ کھانوں کا امراضِ قلب کی روک تھام میں نمایاں اثر ہے۔

قرآن مجید انجیر اور زیتون کی ان الفاظ میں سفارش کرتا ہے:
وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِO (قسم ہے انجیر اور زیتون کی)

(1) انجیر میں بنیادی طور پر کیلشیم، فاسفورس اور خاصی مقدار میں فولاد ہوتے ہیں۔ بالخصوص وہ نباتی ریشہ (Fibre) سے بھی مالا مال ہوتی ہے۔ یہ پھیپھڑوں اور سینے کو طاقت دیتے ہیں اور وہ دماغی اور دل کے امراض کے علاج میں مفید ہوتے ہیں۔ نباتی ریشہ سے مالا مال ہوتے ہوئے وہ کولیسٹرول لیول کو کم کرتی ہے۔ اس طرح دل کے مریض کے لئے اُس کا استعمال خاصا باثمر ہوتا ہے۔

(2) زیتون قرآنی پھل ہے اور دل کی بیماریوں کی روک تھام اور علاج کے لئے اس کا نمایاں کردار ہے۔ غذا میں کولیسٹرول کی مقدار کو کم کرنے کے لئے زیتون کا تیل تمام روغنیات کا بہترین نعم البدل ہے۔

اٹلی میں امراضِ قلب کے کم تر واقعات ہوتے ہیں جس کی بظاہر وجہ یہ ہے کہ وہاں کے لوگ مکھن اور دوسری حیواناتی چربیاں استعمال کرنے کی بجائے اعلیٰ قسم کا زیتون کا تیل استعمال کرتے ہیں۔

زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے دل کے مریضوں کے لئے زیتون کے تیل کا استعمال بطورِ علاج تجویز کیا ہے۔ (ترمذی)

(3) لہسن: سورۃ البقرۃ کی آیت ۶۱ میں اس کے لئے فُوْم کا لفظ آیا ہے۔ کھانے میں ذائقہ پیدا کرنے کے لئے لہسن ایک نباتاتی پیداوار ہے۔ جو دل و دماغ، آنکھوں اور جسم کے دوسرے اعضاء کو قوت فراہم کرتی ہے اور بالخصوص زہریلے جراثیم کو مارنے میں جسم کی قوّتِ مدافعت کو بڑھاتی ہے۔ جدید طبّی تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ لہسن کا استعمال فالج، دمہ، تپِ دق (ٹی بی) اور جوڑوں کے درد کے لئے مفید ہے۔ علاوہ ازیں لہسن جراثیم کشی اور دافعِ عفونت کی خصوصیات (Antibiotic and Antiseptic Properties) میں عمل پذیر ہے۔ فشارِ خون (Hypertension) کو کنٹرول کرنے میں اپنے خصوصی عمل کی وجہ سے لہسن دل کے حملہ کی روک تھام میں بھی مفید چیز ہے۔

(4) پیاز: سورۃ البقرۃ کی آیت ۶۱ میں اس کے لئے بَصَل کا لفظ آیا ہے۔ یہ لحمیات (پروٹین)،

کیلشیم، پوٹاشیم، سوڈیم، سلفر اور فولاد کا بڑا ماخذ ہے۔ پیٹ کے کیڑوں کو مارنے، ٹی بی اور پھیپھڑوں کے ناسور (السر) کا سبب بننے والے بیکٹیریا کو ختم کرنے میں اس کا استعمال مفید ہے۔ اس کی انتہائی اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ خون کے کیسٹرول کو تحلیل کرنے میں ممد ثابت ہوا ہے۔ پیاز کا مستقل استعمال دل کے حملوں کو روکنے میں مفید ہے۔

(5) انگور: یہ جنتی میوہ ہے۔ قرآن مجید میں اس کے لئے عِنَب اور أعناب کے الفاظ آئے ہیں۔ أعناب جمع ہے عِنَب کی۔ جدید تحقیق کے مطابق کاربوہائیڈریٹس، فاسفورس، پوٹاشیم، کیلشیم اور بالخصوص وٹامن اے کے ماخذ ہونے کے ساتھ ساتھ انگور یقینی طور پر دل، جگر اور معدہ کے لئے مفید ہے۔ دل و دماغ اور انتڑیوں کے امراض کے لئے انگور بالخصوص فائدہ مند ہیں۔

(6) گوشت (Meat): گوشت تین قسم کا ہوتا ہے:

(الف) گائے بھینس کا گوشت (Beef)۔ یہ صحت کے لئے مفید نہیں اس لئے اس کی حوصلہ شکنی کی گئی۔

(ب) بکرے، دنبے، بھیڑ کا گوشت (Mutton): یہ صحت بخش غذا ہے۔

(ج) مچھلی اور پرندے کا گوشت White Meat ہر قسم کے گوشت سے یہ زیادہ صحت بخش ہے۔

(الف) گائے بھینس کا گوشت (Beef)۔ نبی اکرم ﷺ نے اِسی سرخ گوشت (Beef) کی بابت فرمایا تھا:

''گائے کے دودھ میں شِفا بخش خاصیت ہے، اُس کے مکھن میں طبّی قدر ہے اور اُس کے گوشت میں بیماری ہے۔'' (زاد المعاد)

گائے کا گوشت سرخ ہونے کے حوالے سے بہت زیادہ کولیسٹرول کا حامل ہوتا ہے لیکن جدید تحقیق نے فرمودۂ رسول ﷺ کی توثیق کر دی ہے کہ اس میں Taenia Saginula نامی ایک کیڑا ہوتا ہے جو پیٹ کی بہت سی بیماریوں کا باعث بنتا ہے۔

(ب) بکرے، دنبے، بھیڑ کا گوشت (Mutton): اس میں بھی چکنائی خاصی ہوتی ہے۔ گردن وہ واحد حصّہ ہے جس میں چکنائی کم ہوتی ہے اور اس لئے اُس میں کولیسٹرول زیادہ نہیں ہوتے۔ اِسی لئے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے گردن کے گوشت (لَحْمُ الرَّقَبة) کو پسند فرمایا ہے (زاد المعاد)۔

غذائی ماہرین نے گوشت کی چکنائی کم پانے کے لئے کم چربی والے گوشت کی سفارش کی ہے۔

(ج) مچھلی اور پرندے کا گوشت (White Meat): اگرچہ بیف اور مٹن حلال گوشت ہیں لیکن شریعت نے مچھلی اور پرندوں کے گوشت یعنی White Meat کو ترجیح دی ہے جن میں کولیسٹرول بہت کم ہوتے ہیں اور

اسی وجہ سے اُن میں دل کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔

مچھلی اور پرندے کا گوشت (White Meat): اس گوشت میں دوسرے گوشتوں کی نسبت کم چکنائی ہونے کے باعث کولیسٹرول کی مقدار بھی کم ہوتی ہے اور اسی لئے سنت نبوی کی رُو سے ان کے گوشت کو ترجیح حاصل ہے۔ سورۃ الواقعۃ کی آیت ۲۱ میں بتایا گیا کہ اہلِ جنت کو جنتی پھلوں کے بعد اُن کی خواہش کے مطابق پرندوں کا گوشت پیش کیا جائے گا (وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ O)۔

علاوہ ازیں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مچھلی کے گوشت کی غذائی اور طبّی افادیت کے پیشِ نظر خصوصی اجازت مرحمت فرمائی ہے کیونکہ امراضِ قلب کی روک تھام کے لئے وہ خاص طور پر ممد و معاون ثابت ہوا ہے۔

(V) خنزیر کے گوشت اور شراب سے پرہیز کے ذریعے امراضِ قلب کی روک تھام: قرآن حکیم نے ان دونوں کے استعمال سے سختی سے روکا ہے۔ ملاحظہ ہو سورۃ المائدۃ کی آیتِ ذیل:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ (اَلْمَائِدَة: ۳)

"تم پر حرام کئے گئے ہیں مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت" (۵ : ۳)

خنزیر کے گوشت میں چکنائی اور کولیسٹرول انتہا کے ہوتے ہیں: خنزیر کے گوشت میں تعمیرِ اعصاب کا مواد کم اور چکنائی انتہا کی ہوتی ہے۔ یہ چکنائی خون کی نالیوں میں جمع ہوتی رہتی ہے اور دل کے حملے اور فشارِ خون (Hypertension) کا باعث بن سکتی ہے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ 50% اُمریکی فشارِ خون کے شکار ہیں۔"

"خنزیر کے گوشت (پورک) کا استعمال متعدد بیماریوں کا موجب بنتا ہے: غیر مسلم اور ملحدین اس حقیقت سے تب اتفاق کریں گے جب اُنہیں معقولیت' منطق اور سائنسی حقائق کے ذریعے قائل کیا جائے۔ خنزیر کے گوشت کا کھانا ستر قسم کی مختلف بیماریوں سے کم کا باعث نہیں بنتا اور ایسا شخص کیچوؤں' سوئی جیسے باریک کیڑوں اور دودۂ خطافیہ (Hookworm) جیسے کیڑوں اور کدّو دانوں (Helminthes) وغیرہ کی بیماری میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ ان بیماریوں میں سے زیادہ خطرناک (Taenia Solium) نامی بیماری ہے جسے عوامی اصطلاح میں Tape-worm (کدو دانہ) کہا جاتا ہے۔ یہ آنت میں پناہ گزیں ہوتا ہے اور طول میں کافی بڑا ہوتا ہے۔ اس کا بیضہ (یعنی انڈہ) خون کی نالی میں داخل ہو جاتا ہے اور تقریباً جسم کے تمام اعضاء میں پہنچ سکتا ہے۔ اگر یہ دماغ میں داخل ہو جائے تو قوتِ یادداشت ضائع ہو سکتی ہے۔ اگر یہ دل میں داخل ہو جائے تو دل کے حملے کا سبب بن سکتا ہے۔ اگر آنکھ میں داخل ہو جائے تو اندھے پن کا باعث بن سکتا ہے۔ اگر یہ جگر میں داخل ہو جائے تو جگر کی تباہی کا باعث بن سکتا ہے۔ غرضیکہ یہ جسم کے تقریباً تمام اعضاء کے بگاڑ کا باعث بن سکتا ہے۔ ایک اور خطرناک کدو دانے

سے متعلق بیماری کا نام (Trichura Tichurasis) ہے۔''

''خنزیر کے گوشت (پورک) سے متعلق ایک عام غلط فہمی یہ پائی جاتی ہے کہ اگر اسے اچھی طرح پکایا جائے تو یہ بیضے مر جاتے ہیں۔ امریکہ میں ایک تحقیقاتی پراجیکٹ میں یہ معلوم کیا گیا کہ (Trichura Tichurasis) کی بیماری میں مبتلا چوبیس مریضوں میں سے بائیس نے خنزیر کے گوشت کو اچھی طرح پکایا تھا۔ یہ چیز اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ پورک میں موجود بیضے پکنے کے عام درجہ حرارت میں نہیں مرتے۔''

''خنزیر کے گوشت کی بائبل میں بھی ممانعت آئی ہے۔'' ("Answers to the Non-Muslims' Common Questions about Islam"--- Dr. Zakir Naik, pp. 47, 48)

<u>الکوحل اور شراب</u> : قرآن مجید ہر نشہ آور چیز کو خواہ وہ کم مقدار میں ہو یا زیادہ مقدار میں' حرام قرار دیتا ہے۔ سورۃ المائدۃ کی اِس آیت میں اہلِ ایمان کو حکم ہوا :

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْاإِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ O (المائدۃ : ۹۰)

''اے ایمان والو! دراصل شراب' جوا اور (بہ غرضِ عبادت) نصب کئے گئے بُت اور (قسمت معلوم کرنے کے لئے) فال کے تیر (سب) ناپاک شیطانی کام ہیں' سوتم اُن سے (کلیتًا) پرہیز کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔'' (۵ : ۹۰)

نبی اکرم ﷺ نے اپنے دو حکیمانہ فرمودات کے ذریعے اس موضوع پر ہونے والے تمام ممکنہ مباحث اور تبصروں پر اپنا آخری فیصلہ سنا دیا ہے :

(۱) كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ وَّكُلُّ خَمْرٍ حَرَامٌ (صحیح مسلم : ۲ : ۱۶۸)

''ہر نشہ آور ذہن کو ڈھانپ دینے والی ہے اور ذہن کو ڈھانپ دالی ہر چیز (خمر) حرام ہے۔''

(۲) مَا اَسْكَرَ كَثِيْرَهٗ فَقَلِيْلَهٗ حَرَامٌ (سنن ترمذی : ۲ : ۹)

''جو بھی نشہ آور چیز ہو خواہ کثیر مقدار میں یا قلیل مقدار میں (سب) حرام ہے۔''

الکوحل (شراب) کا بنیادی طبّی مسئلہ یہ ہے کہ وہ انسانی جسم کو حرارے فراہم کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ ضروری حیاتین یا ضروری امینو ایسڈ فراہم کرنے میں ناکام ہے۔ لہٰذا جسم میں نشوونما کا عمل (Metabolism) بری طرح متاثر ہوتا ہے اور اس کا نتیجہ متعدد جسمانی اور ذہنی بیماریوں کی صورت میں نکلتا ہے۔

شراب نوشی انتہائی مضر چیز ہے اور جگر، معدہ، انتڑیوں، تلی، دل و دماغ اور معدے کی نالی (قنات ہاضمہ (Oesophagus) کے لئے تباہ کن ہے۔

شراب کی باقاعدہ عادت بلڈ پریشر کے مسائل پیدا کرتی ہے اور قلب اور شریانوں کے نظام (Cardiovascular System) پر اثر انداز ہوتی ہے۔ شراب نوشی کی وجہ سے دل کے حملے کے خطرات بڑھ جاتے ہیں کیونکہ شراب کولیسٹرال لیول کو بڑھا دیتی ہے۔ اسی وجہ سے ریاستہائے متحدہ امریکہ میں شراب کی کھپت کے رجحان کو اُن لوگوں میں کم کیا جا رہا ہے جنہیں اپنی صحت کا خیال ہے اور بہت سی قلب سے متعلق انجمنیں بھی اسی پر زور دے رہی ہیں۔

مغرب میں دن بہ دن اسلامی تعلیمات کا مستحکم ہونا یقیناً احکامِ اسلامی کی سائنسی اور اخلاقی فتح ہے۔''
("Islam on Prevention of Heart Diseases"... Prof. Dr. Mohammad Tahir-ul-Qadri, pp. 1-22)

(5) علم تشریح الاعضاء یا تشریح الابدان (ANATOMY): ڈاکٹر کی تعلیم میں اس مضمون کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

"Gross Anatomy میں کھلی آنکھ کے ساتھ جسم کے بڑے حصّوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ خوردبینی اناٹومی میں جسم کے انتہائی چھوٹے حصّوں کے مطالعہ کے لئے خوردبینیں استعمال کی جاتی ہیں۔ تقابلی اناٹومی میں مختلف انواع میں جسم کے ایک جیسے اعضاء کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ تقابلی اناٹومی کرنے والے کا دائرہ کار مچھلی، مینڈک، سانپ اور کسی پرندے کا دل ہوسکتا ہے۔''

''انسانی جسم کی ساخت کا مطالعہ انسانی تشریح الابدان (Human Anatomy) کہلاتا ہے۔ انسانی جسم کے حصّوں کو سمجھنے اور یہ کہ اُن کی تعمیر کیسے ہوئی ہے' کو سمجھنے کے بعد ڈاکٹر زخموں کو مندمل کرنے اور بیماریوں کا علاج کرنے کے قابل ہوتا ہے۔ زندگی کی بقاء کے لئے تمام اعضائے جسمانی اکٹھے مل کر بڑے ہی پیچیدہ طریق سے کام کرتے ہیں۔ اگرچہ ڈاکٹر اب انسانی جسم کے متعلق بہت کچھ جان چکے ہیں لیکن اب تک وہ یہ نہیں سمجھ سکے کہ ہر عضو کیسے کام کرتا ہے۔ جسمِ انسانی تقریباً پچاس اَرب خلیوں پر مشتمل ہے جو مختلف قسم کے ریشوں میں باہم طبقہ وار ہوتے ہیں۔ جلد کے ریشے، پٹھوں کے ریشے، ہڈیوں کے ریشے اور اس قسم کے کئی ریشے ہوتے ہیں۔ یہ سب ریشے مل کر دل و دماغ اور معدہ جیسے اعضاء کی تشکیل کرتے ہیں اور سب اعضاء مل کر ایک نظام کے تحت اپنے اپنے کام انجام دیتے ہیں۔''

''استخوانی نظام (Skeletal System) جسم میں موجود تمام ہڈیوں سے تشکیل پاتا ہے۔ انسانی جسم

میں 206 ہڈیاں ہیں۔ متعدد طریقوں سے وہ ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہیں۔ گھٹنے جیسے جوڑ دو جڑی ہوئی ہڈیوں کو حرکت کرنے کے قابل بناتے ہیں۔ اعصابی نظام تمام اعصاب سے مل کر تشکیل پاتا ہے۔ اُنہیں ہڈیوں کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے۔ اعصاب ہڈیوں کو حرکت دیتے ہیں اور آدمی کو چلنے پھرنے اور تیرنے کے قابل بناتے ہیں۔''

''گردشی اور دَوری نظام (Circulatory System) میں دل' شریانیں' رگیں (وریدیں) اور خون شامل ہیں۔ خون جسم کے ہر خلیے کی طرف غذا اور آکسیجن کو لے جاتا ہے۔ وہ کاربن ڈائی آکسائڈ اور فضلات (Waste products) کو خلیوں سے علیحدہ کرتا ہے۔ دل تمام جسم کو خون مہیا کرتا ہے۔ شریانوں کے ذریعے خون دل سے جدا ہوتا ہے اور وریدوں کی راہ سے دل کی طرف واپس ہوتا ہے۔ ریشوں سے دیگر فضلات کو دُور کرنے میں لمفی نظام (Lymphatic System) بھی اسی طرح کام کرتا ہے۔''

''نظامِ تنفس (Respiratory System) خون کے لئے آکسیجن فراہم کرتا ہے۔ یہ عمل پھیپھڑوں میں ہوتا ہے۔ جب ہم سانس (اندر کو) لیتے ہیں تو ہم خون کے لئے آکسیجن اندر کو لیتے ہیں جو بالآخر خلیوں تک پہنچ جاتی ہے۔ جب ہم سانس باہر نکالتے ہیں تو ہم اُس کاربن ڈائی آکسائڈ کو خارج کرتے ہیں جسے خون نے خلیوں سے علیحدہ کیا ہے۔''

نظامِ انہضام (Digestive System) خلیوں تک لے جانے کے لئے خون کے لئے غذا فراہم کرتا ہے۔ وہ منہ اور گلے کی راہ سے غذا کو جسم میں پہنچاتا ہے۔ معدہ اور چھوٹی آنت میں غذا اُس شکل میں تبدیل ہو جاتی ہے جسے جسم بہ آسانی استعمال کر سکتا ہے۔ غذا کے غیر ضروری اجزاء بڑی آنت اور مقعد (Anus) کے ذریعے دور ہوتے ہیں۔ جسم سے خارج ہونے والے نظام (Excretory System) کا جزء یعنی گردے خون سے مائع فضلات کو کشید کرتے ہیں اور اُسے مثانے میں سٹور کرتے ہیں۔ جب مثانہ بھر جاتا ہے تو اُس کے مشمولات پیشاب کی راہ سے جسم سے خارج ہو جاتے ہیں۔ پسینہ کے ذریعے جلد کو بھی فضلات سے نجات مل جاتی ہے۔''

''تولیدی نظام (Reproductive System) میں بچے پیدا ہوتے ہیں۔ تناسلی غدہ (فوطہ یا بیضہ دان (Gonads) جنسی خلیوں' انڈوں اور تخم (مادہ منویہ) کو پیدا کرتا ہے اور جب وہ باہم مل پاتے ہیں تو جنین (کچا بچہ) تشکیل پاتا ہے۔ مرد کے تناسلی غدہ کو فوطہ جبکہ عورت کے تناسلی غدہ کو بیضہ دان (Ovary) کہا جاتا ہے۔''

''دو نظام دیگر تمام نظاموں کو کنٹرول کرتے ہیں یہ دیکھنے کے لئے کہ وہ سب مناسب طور پر اپنا کام انجام دے رہے ہیں۔ نظامِ اعصاب (Nervous System) عصباتی تحرکات کے ذریعے اعضائے جسمانی کو اشاراتی پیغام ارسال کرتا ہے' یہ تحرکات بجلی کی مانند ہیں۔ اس نظام میں دماغ' نخاع (Spinal Cord

اورعصبہ (Nerves) شامل ہیں۔ دراقرازی نظام (Endocrine System) ہارمونز (Hormones) نامی خون میں موجود کیمیاوی اجزاء کے ذریعے اعضائے جسمانی کو اشاراتی پیغام ارسال کرتا ہے۔ اس نظام میں غدہ نخامی (Pituitary Gland)، کلوتی غدہ (Adrenal Gland) اور غدہ درقیہ (Thyroid Gland) شامل ہیں۔"
(Funk and Wagnalls New Encyclopedia of Science, Vol. 1, pp. 64, 65)

Human Anatomy کی بابت چند قرآنی آیات ملاحظہ ہوں :

(۱) هُوَالَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَآءُ (آل عمران: ٦)
"وہی ہے جو (ماؤں کے) رحموں میں جس طرح چاہتا ہے، تمہاری صورت گری کرتا ہے۔" (٦ : ٣)

(۲) وَاللّٰہُ اَخْرَجَکُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّھٰتِکُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْئًا وَّجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَ الْاَفْئِدَۃَ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ○ (اَلنَّحل: ٧٨)
"اور اللہ ہی نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا اس حال میں کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے اور تمہارے لئے سماعت، بینائی اور دل پیدا کئے تا کہ تم شکر گزار بنو۔" (٧٨ : ١٦)

سماعت اس لئے دی کہ حق تعالیٰ کے احکام سنو۔ آنکھیں اس لئے دیں کہ حق تعالیٰ کی قدرت وحکمت کے نمونے مشاہدے کرو اور دل اس لئے دیا کہ حق تعالیٰ کی عظمت کا احساس اور اُس پر غور وتدبّر کرو۔ سماعت وبصارت کی تخصیص اس لئے کی کہ علم ومعرفت کے ذرائع میں اہم ترین یہی دو ہیں۔ اور دل کی تخصیص اس لئے کی کہ حواسِ ظاہری وباطنی سب اسی کے تابع ہیں (ماجدی اردو، صفحہ ۵٦۵۔ نوٹ: ۱۲۳)

(۳) نَحْنُ خَلَقْنٰھُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَھُمْ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَھُمْ تَبْدِیْلًا○ (اَلدّھر: ۲۸)
"ہم ہی نے اُنہیں پیدا فرمایا ہے اور اُن کے جوڑ جوڑ کو مضبوط بنایا ہے اور ہم جب چاہیں (اُنہیں) اُن جیسے لوگوں سے بدل ڈالیں۔" (۲۸ : ٧٦)

(۴) یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَۃٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَۃٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَۃٍ مُّخَلَّقَۃٍ وَّغَیْرِ مُخَلَّقَۃٍ لِّنُبَیِّنَ لَکُمْ وَنُقِرُّ فِی الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی ثُمَّ نُخْرِجُکُمْ طِفْلًا (اَلحج: ۵)
"اے لوگو! اگر تمہیں روزِ محشر کو جی اُٹھنے میں کوئی شک ہو تو ذرا تم اس امر میں غور وفکر کرو کہ ہم نے ہی تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے، پھر خون کے لوتھڑے سے، پھر گوشت کے ٹکڑے سے۔ کچھ کی تخلیق مکمل ہوتی ہے اور کچھ کی تخلیق نامکمل۔ تا کہ ہم تمہارے لئے (اپنی قدرت کا کمال) ظاہر فرمائیں اور ہم رحموں میں جسے چاہیں ایک مقررہ میعاد تک قرار بخشتے ہیں۔ پھر ہم تمہیں بچہ بنا کر نکالتے ہیں۔"
(۲۲ :۵)

قرآن مجید اور انسانی جنین (EMBRYOLOGY) کا مطالعہ

کچھ قرآنی آیات نے ہماری توجہ ہماری اپنی تخلیق اور ماؤں کے شکموں میں ہمارے ارتقاء کی طرف مبذول کرائی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے خالق کی نہ صرف قدرتِ مطلقہ کو تسلیم کرے بلکہ اپنی ذات پر اُس کی نوازشات اور مہربانیوں کو بھی دل و جان سے مانے۔ اس سلسلہ میں قرآن مجید مختلف اصطلاحات استعمال کرتا ہے جن کی جنیناتی مطالعہ میں بھی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ مارس بوکائیل اور پروفیسر کیتھ مور جیسے دورِ جدید کے ماہرین نے اُن کی جان آفریں اہمیت کو تسلیم کیا ہے۔ قرآن مجید نے اُن لاتعداد حقائق کی چودہ صدیاں پیشتر نقاب کشائی کی جن سے انسان نزولِ قرآن کے وقت واقف نہیں تھا اور اب اُن کی دریافت ہوئی ہے۔ اس لئے ہم یہ نتیجہ نکالنے میں حق بجانب ہیں کہ (i) قرآن اور سائنس کا آپس میں قریبی تعلق ہے، جبکہ قرآن کلام الٰہی ہے جبکہ سائنس فطرت کا مطالعہ ہے جو عملِ خدا ہے۔ (ii) تعلیماتِ قرآنی کی جدید سائنسی دریافتوں کے ساتھ مطابقت قرآن مجید کی صداقت اور حقانیت کا ایک اور ثبوت ہے۔

جہانِ اکبر (کائناتMacrocosm) اور جہانِ اصغر (انسانMicrocosm) میں علاماتِ الٰہی

: قرآن مجید کا یہ اعلان ہے کہ اس کائنات (Macrocosm) اور انسان بطور عالمِ اصغر (Microcosm) میں پیغامات اور آیاتِ الٰہی جابجا موجود ہیں۔

Macrcosm یعنی اس وسیع جہان اور کائنات میں آیاتِ الٰہی کے متعلق قرآن فرماتا ہے:

(۱) إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ وَ الْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَ السَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ O البقرة: ۱۶۴)

''یقیناً آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں، رات اور دن کے ادل بدل میں، جہازوں کے چلنے میں جو سمندر میں اُن چیزوں کے ساتھ چلتے ہیں جو لوگوں کو فائدہ پہنچاتی ہیں، اُس پانی میں جسے اللہ نے اتارا، پھر اُس سے زمین کو اُس کے مُردہ ہونے کے بعد جلا اُٹھایا اور اس میں طرح طرح کے حیوانات پھیلا دئے، اور ہواؤں کے بدلنے میں اور بادل میں جو آسمان اور زمین کے درمیان مقید ہے (ان سب میں) اہلِ عقل کے لئے یقیناً نشانیاں ہیں۔'' (۱۶۴ : ۲)

(۲) اَلَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى O كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى O
(طٰہٰ: ۵۴،۵۳)

''وہی ہے جس نے زمین کو تمہارے لئے رہنے کی جگہ بنایا اور اس میں تمہارے (سفر کرنے کے) لئے راستے بنائے اور آسمان کی جانب سے پانی اتارا' پھر ہم نے اس (پانی) کے ذریعے (زمین سے) انواع و اقسام کی نباتات کے جوڑے نکال دئے۔ تم کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو چراؤ' بے شک اس میں دانش مندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔'' (۵۳' ۵۴ : ۲۰)

(۳) أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يُزْجِي سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهُ ثُمَّ يَجْعَلُهُ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيهَا مِنْ بَرَدٍ فَيُصِيبُ بِهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهُ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهِ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ O يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ (اَلنُّور : ۴۳' ۴۴)

''(اے مخاطب!) کیا تجھے یہ علم نہیں کہ اللہ ایک ایک بادل کو چلاتا رہتا ہے' پھر اُسے باہم ملا دیتا ہے پھر اُسے تہہ بہ تہہ کر دیتا ہے' پھر تو بارش کو دیکھتا ہے کہ وہ اس کے بیچ میں سے نکل کر برستی ہے' اور وہ اسی آسمان (یعنی فضا) میں برفانی پہاڑوں کی طرح (دکھائی دینے والے) بادلوں میں سے اولے برساتا ہے' پھر جس پر چاہتا ہے اُن اولوں کو گراتا ہے اور جس سے چاہتا ہے' اُنہیں پھیر دیتا ہے (مزید یہ کہ انہی بادلوں سے بجلی بھی پیدا کرتا ہے) یوں لگتا ہے کہ اس (بادل) کی بجلی کی چمک آنکھوں (کو خیرہ کر کے ان) کی بینائی اچک لے جائے گی۔ اور اللہ رات اور دن کو (ایک دوسرے کے اوپر) پلٹتا رہتا ہے۔'' (۴۳' ۴۴ : ۲۴)

''مشہور یہ ہے کہ جب بخارات اوپر چلے جاتے ہیں اور حرارت سے تحلیل نہیں ہوتے تو وہ سخت ٹھنڈک والی ہوا کے طبقہ میں پہنچ جاتے ہیں جہاں پر درجہ حرارت منفی 50 درجہ سینٹی گریڈ سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ وہاں پر وہ بخارات منجمد ہو کر بادل کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ پھر اگر وہاں زیادہ ٹھنڈک نہ ہو تو وہ بادل قطرہ قطرہ ہو کر گرنے لگتے ہیں اور یوں بارش ہوتی ہے اور اگر ٹھنڈک اجزائے بخاریہ کے جمع ہونے سے پہلے پہنچ جائے تو پھر برفباری ہو جاتی ہے اور اگر اجزائے بخاریہ کے جمع ہونے کے بعد ٹھنڈک پہنچے تو پھر ژالہ باری ہوتی ہے۔'' (تبیان القرآن ۔۔۔ علامہ غلام رسول سعیدی' ج ہشتم' ص ۱۶۱)

ایک مناسب وقت پر مناسب موسم میں بادل کو پیدا کرنا' ایک مناسب بلندی پر لے جانا' ہوا میں مناسب حال تغیرات پیدا کرنا' بادل کے منتشر ٹکڑوں کو اوپر نیچے جمع کر کے اُنہیں گھنگھور گھٹا کی شکل میں تبدیل کر دینا' پھر ایک مناسب مقدار میں مناسب مدت تک بارش کرتے رہنا' یہ سب کام اُسی صانعِ مطلق و حکیمِ برحق کے ہیں۔

(۴) وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ O وَمِنْ اٰيٰتِهٖ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً مِّنَ الْاَرْضِ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ O (اَلرُّوم : ۲۴' ۲۵)

''اور اُس کی نشانیوں میں سے یہ (بھی) ہے کہ وہ تمہیں ڈرانے اور امید دلانے کے لئے بجلی دکھاتا ہے اور آسمان سے پانی اتارتا ہے، پھر اُس سے زمین کو اُس کی مُردنی کے بعد زندہ و شاداب کرتا ہے، بے شک اس میں اُن لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ اور اُس کی نشانیوں میں سے یہ (بھی) ہے کہ آسمان و زمین اُس کے (نظام) امر کے ساتھ قائم ہیں، پھر جب وہ تمہیں زمین سے (نکلنے کے لئے) ایک بار پکارے گا تو تم اچانک (باہر) نکل آؤ گے۔'' (۲۴، ۲۵ : ۳۰)

(۵) وَمِنۡ اٰیٰتِهِ الۡجَوَارِ فِی الۡبَحۡرِ کَالۡاَعۡلَامِ O (اَلشُّوریٰ : ۳۲)

''اور اُس کی نشانیوں میں سے پہاڑوں کی طرح اونچے بحری جہاز بھی ہیں۔'' (۳۲ : ۴۲)

(۶) وَ فِی الۡاَرۡضِ اٰیٰتٌ لِّلۡمُوۡقِنِیۡنَ O (اَلذّٰرِیٰت : ۲۰)

''اور زمین میں کامل یقین والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔'' (۲۰ : ۵۱)

(۷) وَفِی السَّمَآءِ رِزۡقُکُمۡ وَمَا تُوۡعَدُوۡنَ O (اَلذّٰرِیٰت : ۲۲)

''اور آسمان میں تمہارا رزق (بھی) ہے اور وہ (سب کچھ بھی) جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔''

(۸) اَوَلَمۡ یَرَوۡا اِلَی الطَّیۡرِ فَوۡقَهُمۡ صٰٓفّٰتٍ وَّیَقۡبِضۡنَ مَا یُمۡسِکُهُنَّ اِلَّا الرَّحۡمٰنُ (اَلۡمُلۡك : ۱۹)

''کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر پرندوں پر نظر نہیں کی کہ پَر پھیلائے ہوئے ہیں اور سمیٹ بھی لیتے ہیں، اُنہیں خدائے رحمٰن کے سوا اور کوئی نہیں تھامے رکھتا۔'' (۱۹ : ۶۷)

یہ بھی رب تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ ہے کہ ''کششِ ثقل بلندی پر کم ہوتی جاتی ہے جس کی وجہ سے رفتار بھی سطحِ زمین سے قریب کی نسبت کم درکار ہوتی ہے'' (''تبیان القرآن''۔ علامہ غلام رسول سعیدی، ج ۷، ص ۵۵۶)۔ پرندوں کی قوّتِ پرواز، اُن کا ہوا کی موجوں کو چیرتے ہوئے اُڑنا، اتنی بلندیوں پر اپنے جسم کا توازن قائم رکھنا، یہ سب مشاہدات انسان کے لئے کیسے حیرت انگیز ہیں اور اُن سے حق تعالیٰ کی صناعی کا کیسا سبق ملتا ہے!!

عالمِ اصغر (Microcosm) یعنی حضرتِ انسان میں رب تعالیٰ کی نشانیوں کی بابت قرآن کہتا ہے :

(۱) وَمِنۡ اٰیٰتِهِ اَنۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَاۤ اَنۡتُمۡ بَشَرٌ تَنۡتَشِرُوۡنَ O (اَلرّوم : ۲۰)

''اور اُس کی نشانیوں میں سے یہ (بھی) ہے کہ اُس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر اب تم انسان ہو جو (زمین میں) پھیلے ہوئے ہو۔'' (۲۰ : ۳۰)

(۲) وَمِنۡ اٰیٰتِهِ اَنۡ خَلَقَ لَکُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ اَزۡوَاجًا لِّتَسۡکُنُوۡۤا اِلَیۡهَا وَجَعَلَ بَیۡنَکُمۡ مَّوَدَّةً وَّ رَحۡمَةً (اَلرّوم : ۲۱)

''اور اُس کی نشانیوں میں سے یہ (بھی) ہے کہ اُس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے جوڑے پیدا کئے تاکہ تم اُن کی طرف سکون پاؤ اور اُس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی۔'' (۲۱:۳۰)

(۳) اَللّٰهُ یَعۡلَمُ مَا تَحۡمِلُ کُلُّ اُنۡثٰی وَمَا تَغِیۡضُ الۡاَرۡحَامُ وَمَا تَزۡدَادُ وَکُلُّ شَیۡءٍ عِنۡدَهٗ بِمِقۡدَارٍ O

''اللہ جانتا ہے جو کچھ ہر مادہ اپنے پیٹ میں اٹھاتی ہے اور رِحم جس قدر سکڑتے اور جس قدر بڑھتے ہیں اور اُس کے ہاں ہر چیز مقرر حد کے ساتھ ہے۔'' (۱۳:۸)

(۴) وَمِنْ آيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ (اَلرّوم : ۲۳)

''اور اُس کی نشانیوں میں سے رات اور دن میں تمہارا سو جانا اور اُس کے فضل (یعنی رزق) کو تمہارا تلاش کرنا (بھی) ہے۔'' (۲۳ : ۳۰)

(۵) وَفِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ O (اَلذّٰرِیٰت : ۲۱)

''اور خود تمہارے نفوس میں (بھی) نشانیاں ہیں، تو کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟'' (۲۱ : ۵۱)

Macrocosm اور Microcosm دونوں میں وہ اپنی بکھری ہوئی نشانیوں کے متعلق فرماتا ہے :

(۱) وَمِنْ آيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ (اَلرّوم : ۲۲)

''اور اُس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش (بھی) ہے اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف (بھی) ہے۔'' (۲۲ : ۳۰)

(۲) سَنُرِيْهِمْ آيٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ (حٰمٓ السجدة : ۵۳)

''ہم اُنہیں عنقریب اطرافِ عالم میں اور خود اُن کی ذوات میں اپنی نشانیاں دکھا دیں گے یہاں تک کہ اُن پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہی حق ہے۔'' (۵۳ : ۴۱)

(۳) وَفِیْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ آيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ O (اَلجاثية : ۴)

''اور تمہاری (اپنی) پیدائش میں اور اُن جانوروں میں جنہیں وہ پھیلاتا ہے، یقین رکھنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔'' (۴ : ۴۵)

Microcosm میں ربِ تعالیٰ کی ان لاتعداد نشانیوں میں سے ایک علمِ جنینات (Science of Embryology) ہے جس کا بہت قریبی تعلق انسان کے علم تشریح الابدان (Human Anatomy) سے ہے جو میڈیکل سائنس میں ہمارا اصل موضوع ہے۔

قرآن حکیم بار بار ہماری توجہ اس حقیقت کی طرف مبذول کراتا ہے کہ تم عدم سے (Zero volume) ہست میں لائے گئے ہو اور یہ کہ ہم نے تمہاری ماؤں کے شکموں میں تمہیں مختلف مرحلوں سے گزارا ہے (ملاحظہ ہوں سورہ مریم کی آیات ۹، ۶۷ اور سورۃ الدّھر کی آیت اوّل)۔

عدم سے ہست میں اِس تخلیق سے دو نتائج نکلتے ہیں: (۱) یہ کہ اِس تخلیق کی کوئی نہ کوئی ابتدا اور آغاز ہے اور (۲) یہ تخلیق کسی اتفاقی یا حادثاتی امر کا نتیجہ نہیں بلکہ اس کے پیچھے حکیمِ مطلق کا دستِ کارفرما ہے۔ (تردید ''ڈارونزم'')

۳۹۶۹ (میڈیکل سائنس)

انسان کی تخلیق ماء مّھین (حقیر پانی کی بوند) سے : قرآنی حوالہ جات حسب ذیل ہیں:

(۱) وَبَدَأَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ O ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ O (السجدة)
"اور اُس نے انسانی تخلیق کی ابتدا مٹی (یعنی غیر نامی مادّہ سے) کی۔ پھر اُس کی نسل کو حقیر پانی کی بوند سے چلایا۔" (۳۲ : ۸-۷)

(۲) اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ O (اَلْمُرسَلٰت : ۲۰)
"کیا ہم نے تمہیں حقیر پانی (کی ایک بوند) سے پیدا نہیں کیا؟" (۷۷ : ۲۰)

آج ہمیں معلوم ہوا ہے کہ مرد کا مادہ منویہ تخم یا نطفہ کو شامل ہوتا ہے اور یہی نطفہ عورت کے بیضہ سے جا کر ملتا ہے۔ دوئم یہ کہ خارج شدہ مادہ منویہ میں موجود کروڑوں جراثیم میں سے صرف ایک ہی جرثومہ عام حالات میں عورت کی بیضہ دانی کو باثمر کرتا ہے۔

"اندازہ لگایا گیا ہے کہ ہمبستری کے دوران 200 سے 600 کروڑ جرثومے عورت کی فرج میں پہنچتے ہیں۔ اُن میں سے صرف 200 جرثومے تولیدی مقام پر پہنچتے ہیں، بہت سے جرثومے زوال پذیر ہو جاتے ہیں اور عورت کی تولیدی راہ سے جذب کا شکار ہو جاتے ہیں۔" ("The Developing Human" ... Moore and Persaud, p. 33)

تیسری بات یہ کہ تمام جرثومے ایک جیسے نہیں ہوتے بلکہ وہ دو قسم کے ہوتے ہیں: کل جرثوموں میں سے نصف X لونی جسمیہ (Chromosomes) کے ہوتے ہیں اور باقی نصف Y لونی جسمیہ (Chromosomes) کے ہوتے ہیں۔ اتنی بے پناہ کثیر تعداد کے جرثوموں میں سے صرف ایک جرثومہ جو بیضہ کو بارآور کرتا ہے، دراصل قرآنی اصطلاح میں "سُــــــلالۃ" ہے جو مرد کے مادہ منویہ کا جوہر ہے اور جس کا حوالہ اسی صفحہ کی ابتدا میں دیا گیا ہے۔ درحقیقت یہ قادرِ مطلق کا طے شدہ قانون ہے کہ وہ ایک خاص جرثومہ کے ذریعے ایک انسان کی تشکیل کرتا ہے۔

نطفہ سے انسان کی تخلیق : شکمِ مادر میں ہمارے تدریجی ارتقاء کی طرف ہماری توجہ کو مبذول کراتے ہوئے قرآن مجید بالعموم "نطفہ" کا لفظ استعمال کرتا ہے جس کے کئی معانی ہیں۔ ماہرین کے مطابق نطفہ کا لفظ مائع اور سیال چیز کی اُس معمولی سی مقدار پر بولا جاتا ہے جو خالی شدہ بالٹی کی تہہ میں رہ جاتی ہے (لسان العرب - ابن منظور افریقی)۔ لہٰذا نطفہ کا لفظ مائع چیز کی معمولی سی مقدار کو ظاہر کرتا ہے۔ اس مفہوم کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے نطفہ کا معنیٰ "قطرہ" یا مائع چیز کی معمولی سی مقدار ہوگا۔

"نطفہ" کا لفظ مرد یا عورت کے مادہ منویہ یا دونوں کے باہم ملاپ کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی ریزش

کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اس بات کی توثیق نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں ایک یہودی نے آپ ﷺ سے سوال کیا تھا: اے محمد! آدمی کی تخلیق کس سے ہوئی ہے؟ آپ نے فرمایا: آدمی کی تخلیق مرد اور عورت دونوں کے نطفہ سے ہوئی ہے۔ (مسند امام احمد)

قرآن مجید میں نُطفہ کا لفظ گیارہ بار استعمال ہوا ہے اور ہر دفعہ کے استعمال میں اس کا معنی و مفہوم اس کے سیاق و سباق کے مطابق ہوتا ہے۔ زور اس حقیقت پر ہے کہ اس قدر معمولی اور حقیر چیز سے ہم نے انسان کی تخلیق کی اور اُسے فکر و استدلال اور تخلیق و اختراع کی صلاحیتوں سے نوازا' پھر بھی وہ اللہ کے حضور مطیع ہونے کی بجائے کھلا جھگڑالو بن گیا (سورۃ النحل: ۴ ؛ سورہ یٰسؔ: ۷۷)۔

آج میڈیکل سائنس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ نطفہ ہی سے بچے کی جنس کا تعین ہوتا ہے۔ اگر نطفہ Y کروموسومز کا ہو اور وہ عورت کے بیضہ کو باثمر کرے تو آنے والا بچہ لڑکا ہوگا اور اگر نطفہ X کروموسومز کا ہو اور وہ عورت کے بیضہ کو باثمر کرے تو لڑکی ہوگی۔ اس طرح یہ قرآن مجید کا سائنسی معجزہ ہے کہ اُس نے جدید مالیکیولی حیاتیاتی اور جینیاتی دریافتوں سے بہت پہلے ایسی حقیقت کو بے نقاب کیا تھا۔

سورۃ الواقعۃ کی ذیل کی آیات ۵۷ تا ۵۹ میں نطفہ کا بالواسطہ معنی آیت کے خط کشیدہ حصّہ سے سمجھا جاسکتا ہے:

نَحۡنُ خَلَقۡنٰکُمۡ فَلَوۡلَا تُصَدِّقُوۡنَ ۝ اَفَرَءَیۡتُمۡ مَّا تُمۡنُوۡنَ ۝ ءَاَنۡتُمۡ تَخۡلُقُوۡنَہٗۤ اَمۡ نَحۡنُ الۡخٰلِقُوۡنَ ۝

''ہم ہی نے تمہیں پیدا کیا پھر تم (دوبارہ پیدا کئے جانے کی) تصدیق کیوں نہیں کرتے؟ بھلا یہ تو بتاؤ جو نطفہ (تولیدی قطرہ بطور بیج کے) تم (رحم میں) ٹپکاتے ہو' تو کیا اس (سے انسان) کو تم پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا فرمانے والے ہیں؟'' (۵۷ تا ۵۹ : ۵۶)

رحم میں ٹپکائے جانے والے نطفہ سے مراد مرد کا مادہ منویہ اور عورت کا بیضہ ہے جن کے باہم ملاپ سے قدرتِ خداوندی کا ظہور ہوتا ہے اور ایک نئی جان معرضِ وجود میں آتی ہے۔

آیاتِ مذکورہ میں پوچھا جارہا ہے کہ اسبابِ وجود کو فراہم کر دینا ہمارے اختیار کی چیز ہے یا تمہارے؟ اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب والد کا نطفہ والدہ کے بیضۂ نطفہ کو بارآور کرتا ہے تو اُن دونوں کے جین' پیدا ہونے والے بچے کی جسمانی خصوصیات کے تعین کے لئے باہم اکٹھے ہوجاتے ہیں۔ مختلف قسم کے ہزاروں جینوں میں سے ہر ایک کا ایک مخصوص کام ہوتا ہے۔ یہ جین ہی ہیں جو بالوں اور آنکھوں کا رنگ' چہرے کی ساخت اور جسم میں لاتعداد تفصیلات' داخلی اعضاء' دماغ' رگوں اور اعصاب کا تعین کرتے ہیں۔

''جب مرد کا نطفہ عورت کے بیضہ سے ملتا ہے تو ایک خلیہ ایک نئے انسان کی بنیاد رکھتا ہے اور اس خلیے

کے ساتھ ہی ڈی این اے سالمے کی پہلی کاپی بھی تیار ہو جاتی ہے جو خلیے کے اندر اُس انسان کے جنیاتی کوڈ کو تمام عمر ساتھ لئے پھرتی ہے۔''
("The Miracle of Creation in DNA".. Harun Yahya, p. 17)

تخلیق انسانی نطفہ اَمشاج (Zygote) کے ذریعے: ذیل کی آیت میں نُطفۃٍ اَمْشَاجٍ کی ترکیب استعمال ہوئی ہے جس کا معنی ملا جلا نطفہ (Zygote) ہے:

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ (اَلدَّھر : ۲)

''بے شک ہم نے ہی انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا۔'' (۲ : ۷۶)

''عورت کے جنسی خلیہ کے دونوں اجزاء جو بیضہ ریزی (Ovulation) کے دوران دو حصوں میں منقسم ہو جاتے ہیں' X لونیے ہوتے ہیں۔ دوسری جانب مرد کا جنسی خلیہ دو مختلف اقسام کے تخموں (Sperms) کو پیدا کرتا ہے۔ اُن میں سے ایک کے اندر X لونیے اور دوسرے کے اندر Y لونیے ہوتے ہیں۔ اگر عورت کا X لونیہ اُس تخم سے جا ملے جس کے اندر X لونیہ ہی موجود ہو تو اُس کے ہاں پیدا ہونے والا بچہ لڑکی ہوتی ہے اور اگر یہ اُس تخم سے مل جائے جس میں Y لونیہ ہو تو پیدا ہونے والا بچہ لڑکا ہوتا ہے۔ بہ الفاظ دیگر بچے کی جنس کا تعین اِس امر سے ہوتا ہے کہ مرد کا کونسا لونیہ عورت کے تخم سے جا ملتا ہے۔'' [''قرآن رہنمائے سائنس'' (اردو) ہارون یحییٰ ص ص ۱۳۷، ۱۳۸]

رحمِ مادر بطور محفوظ جگہ (قرارِ مکین) میں جنین کا رکھا جانا: عورت کے بیضہ کے بارآور ہونے پر اُسے طبی اصطلاح میں (Zygote) کہا جاتا ہے اور جسے قرآن مجید نے نُطْفَةٍ اَمْشَاجٍ کہا ہے۔ یہ بارآور بیضہ (Zygote) رحمِ مادر میں رحم کی دیوار کے ساتھ جُڑتا ہے جہاں اُسے ہر وہ چیز میسر ہوتی ہے جس کی ایک ننھی سی بڑھتی ہوئی مخلوق کو ضرورت ہوتی ہے یعنی حفاظت' اُس کے حسبِ ضرورت خوراک اور ایسا ماحول جہاں اُسے پھلنے پھولنے اور نشو و نما پانے کے موافق ہو۔ قرآن مجید اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

(۱) ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ ○ (اَلْمُؤْمِنُوْن : ۱۳)

''پھر ہم نے اُسے ایک محفوظ مقام میں نطفہ بنایا۔'' (۱۳ : ۲۳)

(۲) اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ ○ فَجَعَلْنٰهُ فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ ○ (اَلْمُرْسَلات : ۲۰، ۲۱)

''کیا ہم نے تمہیں حقیر پانی (کی ایک بوند) سے پیدا نہیں کیا؟ پھر اُسے محفوظ جگہ (یعنی رحمِ مادر) میں رکھا۔'' (۲۰، ۲۱ : ۷۷)

ریڑھ کی ہڈی (Vertebral Column)' پیڑو کی ہڈیاں (Pelvic bones) اور ماں کے پیٹ کے اعصاب' رحم کو صحیح معنوں میں جنین کے لئے محفوظ مقام بناتے ہیں۔ اس کے علاوہ جنین کو Amniotic مائع گھیرے ہوئے ہے جو جنین کے تحفظ اور بقاء میں نمایاں کردار ادا کرتی ہے۔

''تولیدی مادّے کی ریزش جنین کے لئے جو بعد میں فوٹس (Foetus) ☆ بنتی ہے' چار عوامل انجام دیتی ہے: (۱) یہ ساختی نشو ونما تناسب کے ساتھ کرتی ہے۔ (۲) ماں کو جو دھچکے لگتے ہیں' یہ ریزش جنین کی اُن سے حفاظت کرتی ہے۔ (۳) متوازن دباؤ اور ٹمپریچر کے قائم رکھنے میں یہ مدد کرتی ہے۔ (۴) یہ Foetus کو آزادانہ طور پر بڑھنے اور نشو ونما پانے کا موقع فراہم کرتی ہے جو خون کی روانی اور اعصابی' استخوانی نشو ونما کے لئے اہم ہے۔'' ("Human Physiology".. K. Graff and S. Fox, p. 908)

ایسے ماحول میں جنین کو پھلنے پھولنے اور نشو ونما کا موقع ملتا ہے اور وہ رفتہ رفتہ ایک خاص وقت میں طاقت والا انسانی بچہ بن جاتا ہے جس حقیقت کی طرف قرآن مجید نے اس آیت میں اشارہ کیا ہے:

وَنُقِرُّ فِی الْاَرْحَام مَا نَشَآءُ اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلاً ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ (الحج: ۵)

''اور ہم جسے چاہتے ہیں رحموں میں مقررہ مدت تک ٹھہرائے رکھتے ہیں' پھر ہم تمہیں بچہ بنا کر نکالتے ہیں' پھر (تمہاری پرورش کرتے ہیں) تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچ جاؤ۔'' (۲۲ : ۵)

جنین کی ارتقاء کے پے در پے مراحل (Successive Stages): رب تعالیٰ کی تخلیقی قدرت اور اُس کی پیار بھری توجہ اور حفاظت (سورۃ الانبیاء: آیت ۴۲) اس حقیقت میں آشکار ہے کہ رِحم مادر میں جنین کئی پے در پے مراحل سے گزرتا ہوا تدریجی نشو ونما سے دوچار ہوتا ہے جس حقیقت کی طرف قرآن مجید نے اس آیت میں اشارہ کیا ہے:

یَخْلُقُكُمْ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِیْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ (اَلزُّمَر: ۶)

''وہ تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں بناتا ہے ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت پر تین تاریکیوں میں۔'' (۳۹ : ۶)

خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ یعنی ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت' ایک تغیر کے بعد دوسرا تغیر۔ جو شخص بھی جنین کے تغیرات سے واقف ہے' بخوبی جانتا ہے کہ نو مہینے تک کتنے تغیرات ہر روز رُونما ہوتے ہیں۔

فِیْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ یعنی تین اندھیروں میں۔ ان سے مراد پیٹ کا اندھیرا' رِحم کا اندھیرا اور رِحم کے اندر جھلّی کا اندھیرا جس میں بچے کی تخلیق مکمل ہوتی ہے۔ یہ تین تین پردے اور تین تین تاریکیاں ہوئیں۔

☆ استقرارِ حمل سے آٹھ ہفتے سے زیادہ کا کچا بچہ Foetus کہلاتا ہے اور اس سے پہلے کے عرصہ کا جنین (کچا بچہ) Embryo کہلاتا ہے۔ (اوکسفرڈ انگلش اردو ڈکشنری۔۔۔شان الحق حقی' صفحہ 610) کراچی 2009ء

تخلیق اوراس کے مکمل ہونے کا عمل اُس وقت سے شروع ہو جاتا ہے جب نطفہ رحم میں قرار پکڑ لیتا ہے۔ نطفے کا وہ چھوٹا سا قطرہ مختلف ارتقائی مراحل سے گزرنے کے بعد مکمل تخلیق کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ یہ ارتقائی عمل تین مختلف طبقات میں جاری رہتا ہے جن کا ذکر اوپر ہوا۔ اُن طبقات کے نام علی الترتیب یہ ہیں : (i) Perimetrium (ii) Myometrium (iii) Endometrium.

("The Developing Human".... Keith Moore and Persuad, p. 20) 5th edition.

جنین کو ایک کیفیت سے دوسری کیفیت میں منتقل کرنا بذاتِ خود جینیات کا ایک نا قابلِ فہم راز ہے۔ خلیاتی کیفیت سے دوسرے تاریک مقام اور پھر وہاں سے عضلاتی مقام کی طرف منتقلی سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ کسی کمپیوٹر نے اس نظام کو ترتیب دیا ہے۔ اپنی افزائش کی مدت مکمل کرنے کے بعد ایک مرحلہ خود بخود دوسرے مرحلے کی طرف بڑھ جاتا ہے اور آیت مذکورہ کے الفاظ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ میں پے در پے مراحل کی حقیقت کا اظہار ثابت ہو جاتا ہے۔

''رحم کے تین تاریک پردوں'' کی وضاحت ماہرینِ جنینات نے اس طرح کی ہے :

(۱) رحم کے آگے کی دیوار (The Anterior Abdominal Wall)

(۲) رحم (بچہ دانی) کی اپنی دیوار (The Uterine Wall)

(۳) وہ جھلی جو جنین کو گھیرے ہوتی ہے (Amniochorionic Membrane)

("A Scientist's Interpretation of Reference to Embryology in the Quran"... Moore.

قرآن مجید نے اِن حقائق کو کس قدر عمدہ فصاحت و بلاغت کے ساتھ صدیوں پہلے اُس وقت بیان کر دیا تھا جب انسان جہالت کی اتھاہ، گہری تاریکیوں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہا تھا اور وہ علم جینیات کے بارے میں کچھ بھی نہ جانتا تھا۔ یہ بات جہاں قرآن مجید کی عظمتِ شان کو دوبالا کر رہی ہے، وہاں نبی مکرم ﷺ کی رسالت کی حقانیت کی بھی روشن دلیل ہے کہ ایک اُمی عرب کے لئے اس گہری طبی حقیقت سے آج سے چودہ سو برس پہلے خداداد علم کے بغیر ازخود واقف ہو جانا ناممکن تھا۔

<u>ان مراحل کی تفصیلات</u>: محولہ بالا سورۃ الزُمر کی آیت (۳۹:۶) کی توضیح میں قرآن مجید اُن مراحل کی تفصیل ہمیں اس طرح فراہم کرتا ہے :

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ طِينٍ o ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ o ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنْشَأْنٰهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ o (اَلْمُؤْمِنُون : ۱۲ تا ۱۴)

''اور بالیقین ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے اُسے ایک محفوظ مقام میں نطفہ بنایا۔ پھر ہم نے نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنایا۔ پھر ہم نے خون کے لوتھڑے کو (گوشت کی بوٹی) بنا دیا۔ پھر ہم نے بوٹی کو ہڈی بنا دیا۔ پھر ہم نے ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا۔ پھر ہم نے اُسے ایک دوسری ہی مخلوق بنا دیا۔ اللہ تمام صناعوں سے بڑھ کر کیسی شان والا ہے!'' (۱۲ تا ۱۴ : ۲۳)

اِن آیاتِ مبارکہ سے ایک نتیجہ تو یہ اخذ ہوا کہ (۱) تخلیقِ انسانی اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ ہے۔ یہی حتمی اور اٹل مشیت ہی تو ہے جو جینیاتی سفر طے کرا کے خلیہ کو ایک مکمل انسان بناتی ہے۔ اور (۲) کائنات میں صرف اللہ ہی کا حکم چلتا ہے اور اس میں کسی مخلوق کی مداخلت نہیں ہوتی۔ بندے کا ارادہ مطلق العنان اور مستقل بالذات نہیں ہوتا بلکہ ارادہِ ربوبیتِ مطلق کے تابع اور ماتحت ہوتا ہے یعنی ارادہِ انسانی آزاد اور غیر مقید نہیں ہے جیسا کہ فرمایا:

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ٥ (اَلتَّكْوِير : ۲۹)

''اور تم نہیں چاہ سکتے بجز اس کے کہ اللہ چاہے جو ربّ العالمین ہے۔'' (۲۹ : ۸۱)

موضوع کو اچھی طرح سمجھنے کے لیئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آیاتِ بالا میں مذکورہ اصطلاحات اور الفاظ کی قدرے وضاحت کر دی جائے :-

(1) عَـلَـقة : یہ تخلیق کا تیسرا مرحلہ ہے۔ ماہرینِ جنینیات اس کا ترجمہ کسی ''چمٹی ہوئی چیز'' سے کرتے ہیں۔ بعض علماء نے اس کا ترجمہ ''جمے ہوئے خون'' سے کیا ہے۔ اس میں بھی قدرتِ خداوندی کا اظہار ہے کیونکہ جما ہوا خون بھی نطفہ کے پانی سے بنتا ہے اور رقیق پانی اور جمے ہوئے خون میں کوئی مناسبت نہیں ہے۔ مارس بوکائل کا کہنا ہے کہ ''جما ہوا خون'' ترجمہ صحیح نہیں ہے کیونکہ جنین کسی بھی مرحلے میں جمے ہوئے خون کے مرحلے سے نہیں گزرتا۔ اس کا صحیح مفہوم ''چمٹی ہوئی چیز'' ہی ہے۔ ...("The Bible, the Qur'an and Science" Maurice Bucaille, page : 204)

''بارآور ہونے کے بعد نطفہ اَمْشاج (ملا جلا نطفہ Zygote) مختلف تغیرات سے گزرتا ہوا اپنے آپ کو رحم کی دیوار سے منسلک کر دیتا ہے۔ بارآور ہونے کے بعد پہلے ہفتہ کے اختتام میں Zygote کی پیوندکاری شروع ہوتی ہے اور دوسرے ہفتہ کے اختتام تک مکمل ہوتی ہے۔ جنین کی پیوندکاری دراصل اُسے بچہ دانی سے چمٹائے رکھتی ہے۔ اس دوران چمٹنے کا یہ عمل بہت اہم ہوتا ہے جو سات دن سے لے کر تقریباً چوبیس کے درمیان ہوتا ہے۔''

''اس مرحلہ میں جنین اپنی ظاہری شکل میں اور اپنی نشوونما حاصل کرنے کے طریقے میں بھی جونک (Leech) سے مشابہ ہوتا ہے۔ اگر چوبیس دنوں کے جنین کو ایک طرف سے دیکھا جائے تو وہ نمایاں طور پر ایک جونک کے مشابہ ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں اپنی نشوونما کے لئے اب جنین کا انحصار ماں کے خون پر ہوتا ہے۔

''یہ حقیقت ہے کہ جب جنین رحم کی دیوار سے چمٹتا ہے تو وہ اتصالی ساقہ کے ذریعے پوتینی خلادار اوپری دیوار میں چمٹا رہتا ہے۔اس لئے پیوندکاری کے بعد علقہ چمٹے ہوئے جنین کی نمائندگی کرتا ہے۔''

("The Quran and the Human Embryology"... Prof. Dr. Dildar Ahmed Quadri, pp. 10, 11)

(2) مُضغَة : عَلَقة تغیر پذیر ہو کر ایک اور مرحلے میں داخل ہوتا ہے جسے قرآن نے مُضغَة کہا ہے اور جس کا معنی ''چبائی ہوئی چیز'' یا ''چبائی ہوئی گلٹی'' کے ہیں (معجم مقاییس اللغہ لابن فارس ؛ الصحاح للجوهري؛ تاج العروس لمرتضٰی الزبیدی) یا ''ایسی چیز جو چبائی ہوئی معلوم ہو''۔ماہرین جنینات نے اس بات کی توثیق کی ہے کہ استقرارِ حمل سے چار ہفتوں کے اختتام پر جنین چبائے ہوئے گوشت کی گلٹی معلوم ہوتا ہے۔

("A Scientist's Interpretation of Reference to Embryology in the Quran"... Moore.

مُضغَة جنین کے ارتقائی مرحلے کی نمائندگی کرتا ہے جس میں ابھی ہڈیوں کی تشکیل نہیں ہوئی جیسا کہ سورۃ المؤمنون کی آیت ۱۴ میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مُضغَة ہی سے ہڈیوں کی تشکیل کرتا ہے (فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا یعنی ہم نے اُس لوتھڑے سے ہڈیوں کا ڈھانچہ بنایا)۔ مُضغَة کے مرحلے تک خاصی تبدیلیاں واقع ہو چکی ہوتی ہیں اور اس میں امتیازی اور غیر امتیازی دونوں قسم کے پٹھوں کے ریشے موجود ہوتے ہیں۔قرآن فرماتا ہے:

يَاۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ وَنُقِرُّ فِى الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا (اَلحج : ۵)

''اے لوگو! اگر تمہیں روزِ محشر کو جی اُٹھنے میں کوئی شک ہو تو ذرا تم اس امر میں غور و فکر کرو کہ ہم نے ہی تمہیں مٹی سے پیدا کیا' پھر نطفہ سے' پھر خون کے لوتھڑے سے' پھر گوشت کے ٹکڑے سے۔کچھ کی تخلیق مکمل ہوتی ہے اور کچھ کی تخلیق نامکمل۔۔تاکہ ہم تمہارے لئے (اپنی قدرت کا کمال) ظاہر فرمائیں اور ہم رحموں میں جسے چاہیں ایک مقررہ میعاد تک قرار بخشتے ہیں۔پھر ہم تمہیں بچہ بنا کر نکالتے ہیں۔''

''چبایا ہوا نظر آنے والا گوشت کا ٹکڑا جس میں ''کچھ کی تخلیق مکمل ہوتی ہے اور کچھ کی نامکمل'' جنین کی اندرونی ساخت کو بیان کرتا ہے۔جنین کے مُضغه کے مرحلے میں پٹھوں کے کچھ ریشے امتیازی شکل میں اور کچھ ابھی تک غیر امتیازی شکل میں ہوتے ہیں۔آیت مذکورہ جنین کی اندرونی کیفیت کو اس وضاحت کے ساتھ بیان کرتی ہے کہ ابھی اعضاء کے نظام کا عمل باقی ہے۔''

(3) ہڈیوں (استخواں) اور گوشت کی تشکیل: جونہی جنین مُضغَه کے مرحلے سے آگے بڑھتا ہے تو

اُس میں ہڈیوں کا نظام ترقی کرنا شروع کرتا ہے۔ اگرچہ ہڈیوں کی تشکیل (Ossification) جنین کے ارتقاء کے چوتھے ہفتے میں شروع ہو جاتی ہے، تاہم استخوانی مراکز کا دسویں ہفتے تک اس قدر جلدی مشاہدہ نہیں کیا جا سکتا۔''
("Human Anatomy and Physiology" ... Kent M. Van De Graff and Stuart Ira Fox, p. 163)

(4) خَلۡقًا آخَرَ (ایک نئی اور انوکھی پیدائش): ''اب ہم یہاں قاری کی توجہ ایک خاص بات کی طرف مبذول کرنا چاہتے ہیں جسے قرآنِ کریم نے اس کلماتِ طیّبات سے بیان کیا ہے:
ثُمَّ اَنۡشَاۡنٰهُ خَلۡقًا آخَرَ (یعنی روح پھونک کر ہم نے اُسے دوسری مخلوق بنا دیا ہے۔)

''یہاں تک انسانی اور حیوانی جنین میں بالکل یکسانیت پائی جاتی ہے۔ وہی مادہ منویہ کا اختلاط، وہی اُن کا رِحم کی طرف سفر، پھر رِحم میں پہنچ کر اُن کا رِحم کی دیوار سے چمٹ جانا، پھر اُس خلیہ کے ساتھ بہت سے خلیوں کا جمع ہوتا، پھر اُن خلیوں میں ہڈیوں کا نمودار ہونا اور اس ہڈیوں کے ڈھانچے کو گوشت کا لباس پہنانا۔ یہاں تک انسانی اور حیوانی جنین میں بالکل یکسانیت پائی جاتی ہے لیکن اس موقع پر ایک حیران کن تبدیلی رُونما ہوتی ہے۔ جب حمل کا دوسرا مہینہ اختتام پذیر ہونے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا خصوصی لطف و کرم اس جنین پر ہوتا ہے جس نے آگے چل کر انسانیت کی خلعتِ فاخرہ پہننی ہے۔ اس وقت اس انسانی جنین میں بالکل مختلف قسم کی خصوصیات نمودار ہونے لگتی ہیں۔ اس منزل پر یکایک مصوّرِ فطرت اپنے موقلم سے اس جنین میں ایسی رنگ آمیزی کرتا ہے جو اُسے دیگر حیوانی جنینوں سے بالکل ممتاز کر دیتی ہے۔ پہلے وہ بے جان تھا، اب زندگی کی لہر اُس کے رگ و پے میں دوڑنے لگتی ہے۔ عقل و فہم کی قوتیں، غور و فکر کی صلاحیتیں، تسخیرِ کائنات کے حوصلے اور حکمرانی کی امنگیں سب کچھ اس عمدگی سے یکجا کر دئے جاتے ہیں جسے دیکھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے اور وہ یہ راز سمجھ نہیں سکتا کہ ابتدائی مرحلوں میں بالکل یکساں ہونے کے باوجود کس طرح حیوانی جنین کا رخ ایک طرف اور انسانی جنین کا رخ دوسری طرف موڑ دیا جاتا ہے۔ پھر اس منزل کو پا لینے کے لئے جن قابلیتوں، صلاحیتوں اور اعضاء و وسائل کی ضرورت ہوتی ہے، وہ سب مہیا کر دئے جاتے ہیں تو زبان بے ساختہ پکارنے لگتی ہے: فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحۡسَنُ الۡخَالِقِيۡنَ○

''شکمِ مادر میں وہ تنہا خلیہ جو رحم کی دیوار کے ساتھ چمٹ جاتا ہے، جو حیران کن تغیرات اُس میں رُو پذیر ہوتے ہیں، عام طور پر ہم اُس کی طرف کم توجہ دیتے ہیں لیکن یہ خصوصیتیں آہستہ آہستہ نمو پذیر ہوتی رہتی ہیں یہاں تک کہ وہ اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہیں اور صاف نظر آنے لگتی ہیں۔ پس وہی باریک نقطہ ایک انسانی بچے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور جو خوبیاں اور کمالات اللہ تعالیٰ نے اُس میں ودیعت کئے تھے، آہستہ آہستہ وہ ظہور پذیر ہونے لگتے ہیں۔''

''یہ حیران کن تغیرات بڑے اہم نتائج کے حامل ہوتے ہیں۔ یہ اس رحم میں وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں جسے قرآنِ کریم نے فِیْ قَرَارٍ مَّکِیْنٍ کے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ یعنی ایک ایسی قرارگاہ جو بڑی پختہ اور مضبوط ہوتی ہے۔ علمِ تشریح الابدان کے ماہر جب رحم کے بارے میں غور کرتے ہیں تو حیران ہو جاتے ہیں کہ کس طرح اُسے پیٹ کے نچلے حصہ میں رکھا گیا ہے اور پھر اُسے مختلف رگ و ریشوں سے شکم کے مختلف حصوں کے ساتھ پیوستہ کر دیا ہے کہ وہ نہ تو الٹ جائے اور نہ کسی ایک طرف جھک جائے۔ جیسے جیسے جنین بڑھتا رہتا ہے' اُسی کے مطابق رحم پھیلتا جاتا ہے اور جب بچہ پیدا ہو جاتا ہے تو پھر وہ پھیلا ہوا رحم سکڑنے لگتا ہے یہاں تک کہ کچھ عرصہ بعد وہ اپنی اصل طبعی حالت پر لوٹ آتا ہے۔''

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیثِ نبوی بھی شکمِ مادر میں جنین کے مختلف مراحل سے گزرنے کے متعلق خوب وضاحت کرتی ہے جس میں نبیِ معظم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ أَحَدَكُمْ يُجْمَعُ خَلْقُهُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا نُطْفَةً ثُمَّ يَكُونُ عَلَقَةً مِّثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ يَكُونُ مُضْغَةً مِّثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ يَبْعَثُ اللّٰهُ مَلَكًا وَيُؤْمَرُ بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ وَيُقَالُ لَهُ: أُكْتُبْ عَمَلَهُ وَرِزْقَهُ وَأَجَلَهُ وَشَقِيٌّ'' أَوْسَعِيدٌ'' ثُمَّ يُنْفَخُ فِيهِ الرُّوحُ (صحیح بخاری، ج ۱، ص ۴۵۶)

''تم میں سے ہر ایک کی تخلیق اُس کے رحمِ مادر میں کی جاتی ہے اور وہ وہاں نطفہ کی شکل میں چالیس دن تک رہتا ہے۔ پھر یہ خونِ بستہ کی ایک پھٹکی (علقة) بن جاتا ہے اور وہاں اُسی عرصہ (یعنی چالیس دن) تک رہتا ہے پھر یہی پھٹکی چالیس دنوں تک کے لئے گوشت کا ٹکڑا (مُضغة) بنی رہتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ کو یہ حکم دیتے ہوئے بھیجتا ہے کہ وہ چار باتیں لکھے: اُس کے اعمال (اچھے یا برے ہوں گے)' اُس کا رزق' اُس کی عمر اور آیا وہ بدبخت ہوگا یا نیک بخت۔ پھر اُس میں روح ڈال دی جاتی ہے۔''

یہ حدیثِ مبارکہ صاف طور پر بتاتی ہے کہ استقرارِ حمل سے چار ماہ بعد اسقاطِ حمل حرام اور گناہِ کبیرہ ہے۔

(6) تحدیدِ نسل (برتھ کنٹرول): جلد سوم میں ''فیملی پلاننگ'' کے عنوان کے تحت صفحات ۱۳۳۴ تا ۱۳۵۶ کی طرف رجوع کیا جائے۔

(7) فصد کھولنا رخون نکالنا اور سینگی لگانا (Blood Letting & Cupping): سینگی لگانا گرم علاقوں میں اور فصد کھولنا سرد علاقوں میں ہوتی ہے۔ گرم پانی میں غسل کرتے ہوئے سینگی لگانے سے گریز کرنا ضروری ہے سوائے اُس صورت کے جب خون بہت گاڑھا ہو تو گرم پانی میں غسل کرنا اور اُس کے ایک گھنٹہ بعد سینگی لگانا اچھا ہے۔ اُس وقت معدہ بھی پُر نہیں ہونا چاہئے۔ ایک حدیثِ نبوی میں ہے:

''خالی معدہ کے ساتھ سینگی لگانا دوا ہے اور پُر معدہ کے ساتھ سینگی لگانا بیماری ہے۔'' (ترمذی)

ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:
''خون کی نگہداشت کرتے رہنے میں فائدہ ہے۔ میں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ خالی معدہ کے ساتھ سینگی لگوانا بہتر ہے کیونکہ یہ قوتِ یادداشت اور حافظہ کو بڑھاتی ہے۔'' (ابن ماجہ)

اس سوال کے جواب میں کہ جسم کے کس حصے پر سینگی لگوائی جائے' ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:
''میں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سرِ اقدس میں درد کی وجہ سے سینگی لگائی۔'' (صحیح بخاری)

سیّدنا اَنس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:
''نبیِ معظم ﷺ کو گردن کے اطراف (اَخدعَین) اُور سر کے بالائی حصے (اَلْکحل) میں سینگی لگائی گئی۔''

ٹھوڑی سے نیچے سینگی لگوانے میں دانتوں اور چہرے کے درد کو آرام ملتا ہے۔ ٹانگوں پر سینگی لگوانا رانوں پر کے پھوڑوں' جوڑوں کے درد (گنٹھیا)' بواسیر اور کمر کی خارش اور سوزش کے لئے بہتر ہے۔

سینگی لگوانے کے فوائد بیان شدہ فوائد سے کہیں زیادہ ہیں۔ سینگی لگوانا جسم کو باہر سے صاف کرتا ہے اور رگ سے خون نکالنا جسم کے اندر کو صاف کرتا ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مرتبہ فرمایا تھا:
(۱) ''فصد کھولنے اور سینگی لگانے سے بہتر مقابلتاً کوئی اور علاج نہیں۔'' (صحیح بخاری)
(۲) ''(قمری) مہینے کی سترھویں' اُنیسویں اور اکیسویں تاریخ کو سینگی لگوانے والا ہر بیماری سے محفوظ ہو جاتا ہے۔'' (ابوداؤد)

امام ترمذی نے قریباً قریباً یہی حدیث (۲) حضرت اَنس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

سیّدنا ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ اپنے اہلِ خانہ کو منگل کے دن سینگی لگوانے سے منع فرماتے تھے اور اس کی سند میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس حدیثِ مبارکہ کو پیش فرماتے تھے:
''منگل کے دن خون بہ آسانی پھٹکی نہیں بنتا۔''

تاہم یہ ممانعت صحت کے زمانہ میں بہت بہتر ہے لیکن اگر آدمی بیمار ہو یا سینگی لگوانے کی ضرورت ہو تو اُسے اس کا خیال نہیں رکھنا چاہئے کہ تاریخ کون سی ہے۔ سینگی لگوانے اور فصد کھلوانے کا بہترین دن سوموار کا کوئی بھی وقت ہے۔ فصد کھلوانے کا بہترین وقت موسمِ بہار ہے۔ ("Prophetic Way of Treatment".. Badr Azimabadi, pp. 133-136)

(8) کولیسٹرول (Cholesterol): ایک الکحلی مادہ جو اکثر دماغ، ریشوں (عصب)، جگر، خون اور صفرا (Bile) کے خلیوں میں موجود ہوتا ہے۔ خون میں اس کی زیادتی سے شریانیوں کی نالیاں سخت اور بے لچک ہو جاتی ہیں۔ یہ بہ آسانی حل نہیں ہوتا اور پتے (Gallbladder) میں اور شریانی دیواروں کے ساتھ جم جاتا ہے۔ جب اُسے نور افشاں (Irradiate) کیا جائے تو وہ وٹامن ڈی بن جاتا ہے۔ (Popular Oxford Standard Medical Dictionary, pp. 149, 150)

پنجگانہ نمازوں کی ادائیگی ہلکی اور مسلسل جسمانی مشق ہے۔ جسمانی ورزش کے ماہرین (Physiotherapists) کے نزدیک بے قاعدہ اور گاہے گاہے کی ورزش کا کوئی فائدہ نہیں اور اسی طرح حد سے زیادہ ورزش جس سے تھکان اور تناؤ بڑھے، جسمانی صحت کے لئے مضر ہے۔

انسانی جسم میں بالعموم 150 سے 250 ملی گرام کولیسٹرول ہوتے ہیں۔ کھانا کھانے کے بعد خون میں یہ مقدار اچانک بڑھ جاتی ہے۔ کولیسٹرول کے جم جانے سے پیشتر رب تعالیٰ نے ہمیں ان کولیسٹرولوں کے تحلیل کرنے کے لئے پنجگانہ فرض نمازیں عطا کی ہیں جو تمام ممکنہ جسمانی ورزش کے پہلو کے حامل ہیں اور اُن میں جسمانی اور روحانی فوائد کا مکمل پیکیج ہے۔ یہ بات خاص طور پر ذہن نشین رہے کہ اِن نمازوں میں سے فجر، عصر اور مغرب کی نمازیں اُس وقت کی موافقت میں ہیں جب انسانی معدہ عموماً خالی ہوتا ہے لہٰذا اِن نمازوں میں رکعتوں کی تعداد کم ہے جس کا مطلب کم ورزشی مشق ہے۔ اس کے برعکس نمازِ عشاء عموماً عشائیہ (رات کے کھانے) کے بعد ادا کی جاتی ہے، اس لئے اس کی رکعتوں کی تعداد زیادہ یعنی سترہ (۱۷) ہے۔ سترہ رکعتوں کی یہ ورزشی مشق ضرورت سے زیادہ کولیسٹرولوں کو حل کرنے میں آسانی پیدا کرتی ہے۔ اِن رکعتوں میں سنتوں اور نوافل کا بالخصوص اضافہ کرنے سے اُنہیں ۱۷ کر دیا گیا ہے۔

ماہِ رمضان المبارک میں روزے دار کا بیشتر دن بھوک اور پیاس میں گزرتا ہے اور افطار کے وقت قدرتی طور پر آدمی نسبتاً زیادہ کھانا اور مشروبات لیتا ہے، لہٰذا سترہ رکعتوں میں نمازِ تراویح کی بیس مزید رکعتیں (یعنی پانچ ترویحے) ☆ بڑھا دی گئیں۔ اس سلسلہ میں ابونعیم رضی اللہ عنہ سے مروی ایک اہم حدیثِ نبوی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أَذِيبُوا طَعَامَكُمْ بِذِكْرِ اللهِ وَالصَّلٰوةِ (مجمع الزوائد؛ المعجم الاوسط)

''اپنی غذائی چکنائیوں کو یادِ خدا اور نمازوں کی ادائیگی کے ذریعے تحلیل کرو۔''

کھانا کھانے کے بعد نہ تو نیند کرنے کی کہیں سفارش آئی ہے اور نہ ہی سخت ورزش کی کیونکہ دل کے لئے دونوں ہی مضر ہیں۔ صرف نماز جیسی ہلکی ورزش کو مفید بتایا گیا ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

☆ تراویح جمع ہے ترویحہ کی اور ایک ترویحہ چار رکعتوں کا ہوتا ہے۔ لہٰذا پانچ ترویحوں میں بیس رکعتیں ہوئیں۔

فَلاَ تَنَامُوْا عَلَیْهِ فَتَقْسُوْا قُلُوْبُكُمْ وَلاَ تُكْثِرُوْا مِنَ الْحَرَكَةِ عَلَیْهِ فَتَضُرُّوْا

"کھانا کھانے کے فوراً بعد سونہ جایا کرو' اس سے تمہارا دل سخت ہو جائے گا اور کھانا کھانے کے فوراً بعد نہ ہی کوئی سخت قسم کی ورزش کیا کرو' یہ بھی نقصان کا موجب ہوگی۔"

(9) جلدی امراض کا مطالعہ (Dermatology): رِحمِ مادر میں ارتقاء کے متعدد مرحلوں اور تغیرات سے گزارنے کے بعد رحیم و کریم اللہ تبارک و تعالیٰ نے گوشت کو جلد سے ڈھانپ دیا۔ اُس نے کچھ جلد کو چہرے کی جلد کی طرح نرم و گداز بنایا جو خوبصورت اور جاذبِ نظر لگتی ہے اور کچھ جلد کو پاؤں کی جلد کی طرح موٹا اور سخت بنایا جو چلنے پھرنے اور غیر ہموار سطح پر چلنے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تمام جسم کا بوجھ اٹھانے کے لئے ضروری ہے۔

اور پھر اُس خالقِ لم یزل نے جلد سے اُگنے والے ہر قسم کے بال اور ناخن بنا دیئے۔ کچھ بالوں کو اُس نے جسم کی جلد کے حُسن و جمال کے لئے اور کچھ کو بطور پردہ (حفاظتی حصار) پیدا کیا جیسا کہ سر یا پلکوں یا ابروؤں کے بال۔ پلکوں کو اُس نے آنکھوں میں جانے والی ہر چیز کے خلاف حفاظتی حصار اور خوبصورت نظر آنے والی چیز بنا دیا۔ اُس نے ابروؤں اور پلکوں کے بالوں کو لمبائی کی حد تک بڑھنے نہیں دیا کیونکہ اگر وہ لمبے ہوتے تو وہ آنکھوں کو ڈھانپ لیتے اور بینائی کو نقصان پہنچاتے اور اگر وہ بال سیدھے اوپر یا سیدھے نیچے کو ہوتے تو دیکھنا مشکل ہو جاتا۔ آنکھوں کی ایک بیماری کا نام شَعرۃ العین (Trichiasis) ہے جو پلکوں کا آنکھ کے اندر کی طرف مڑنے کا مرض ہے جس سے ڈھیلے کی سوزش پیدا ہوتی ہے۔ بینائی کے لئے یہ نقصان دہ مرض ہے اور اس کا علاج بالوں کو توڑ کر باہر نکال دینا ہے۔

ٹھوڑی سے اُگنے والے بال باعثِ زینت ہیں اور آدمی کے احترام و وقار کے قائم رکھنے میں مددو معاون ہیں۔ ایک اور قسم کے بال جو نہ تو باعثِ زینت ہیں اور نہ ہی اُن کا کوئی فائدہ ہے' بلوغت کے بال اور بغلوں کے نیچے کے بال ہیں جنہیں ختم المرسلین ﷺ نے دُور کرنے یا مونڈنے کا حکم دیا۔ بلوغت کے اِن بالوں کا مونڈنا قوّتِ جماع کو طاقت دیتا ہے جس طرح کہ سر کے پچھلے حصے کا مونڈنا گردن کو تقویت دیتا ہے۔

انگلیوں کے آخر میں اُس نے ناخن پیدا کر دیئے ہیں جو انگلیوں کی حرکت کو اضافی قوّت دیتے ہیں اور انگلیوں کے پوروں کو خستہ حالی سے بچاتے ہیں۔ یہ ناخن ہر وقت آہستہ آہستہ بڑھتے رہتے ہیں کیونکہ اگر وہ بڑھنے سے رک جائیں اور ایک ہی حالت پر قائم رہیں تو وہ خستہ حال ہو کر آدمی کو کسی کام کے نہ کرنے کا چھوڑ دیں۔ ناخنوں کا تراشنا سنتِ رسول ﷺ ہے۔ ناخنوں کا تراشنا اور تراشے ہوئے ناخنوں کا دفن کرنا احادیث سے ثابت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"ناخنوں کو تراشتے رہو اور بلوغت کے بالوں کو مونڈ دیا کرو' بغلوں کے بالوں کو جمعرات اور جمعہ کے

دنوں میں اکھیڑ دیا کرو۔ جمعہ کے دن خوشبو' صاف ستھرے کپڑوں اور غسل کا اہتمام کیا کرو۔''

جلد کے زخمی ہونے یا اُدھڑ جانے سے درد کا محسوس ہونا ایک قدرتی امر ہے لیکن اس کے مکمل طور پر جل جانے سے درد کا اِدراک جاتا رہتا ہے۔ آخرت میں کفار کی جلدوں کے جل جانے کے معاملہ سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ درد کا اِدراک جاتا رہے گا بلکہ درد کا احساس ہردم تازہ ہوتا رہے گا اور جلد کبھی بھی بے حس نہ ہونے پائے گی۔۔۔ آخرت میں خواصِ اشیاء کو دُنیا کے خواصِ طبعی پر قیاس کرنا یوں بھی کمال بے دانشی ہے۔ ارشاد ہوا :

كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ (النِّسَاء : ۵۶)

''جب بھی اُن (کافروں) کی جلدیں پک جائیں گی' ہم اُن کی جلدوں کو بدل کر دوسری کر دیا کریں گے تاکہ وہ برابر (تازہ) عذاب چکھتے رہیں۔'' (۴: ۵۶)

سورہ حٰمٓ السّجدۃ کی آیات ۲۰'۲۱ کی رُو سے دنیا کے خواصِ طبعی کے برعکس کفار کی جلدوں کو قوتِ گویائی عطا ہوگی اور وہ اُن کے خلاف رب تعالیٰ کی عدالت میں اُن کے کفر کی گواہی دیں گے۔

(10) علم عظمیات (یعنی استخوانی اجسام کی ترکیب کا علم Osteology) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ رب تعالیٰ نے ہر انسان میں 360 جوڑ (Joints) بنائے ہیں۔

علم تشریح الابدان کے ماہرین بتاتے ہیں کہ کھوپڑی میں 11 ہڈیاں' آنکھ کے ساکٹ میں 6 ہڈیاں' رخساروں میں 2 ہڈیاں اور ناک میں 4 ہڈیاں ہیں۔ اِن کے علاوہ وسط کے دانت (Incisors)' پہلو کے نوکیلے دانت' آگے کے دانتوں اور ڈاڑھوں کے درمیان کے نکیلے دانت (Canine teeth) اور ڈاڑھیں (Molar teeth) ہیں جو سب کے سب بالائی مسوڑھے میں ہیں۔ یہی تعداد نچلے مسوڑھے میں ہے جسے ٹھوڑی بھی کہا جاتا ہے۔ دانتوں کی ہڈیاں 16 اوپر کے مسوڑھے میں اور 16 نیچے کے مسوڑھے میں ہیں جنہیں Lateral Incisors Canines اور Molars کہا جاتا ہے۔

کمر کی تشکیل کرنے والی ہڈیاں اوپر کو سر کی ہڈیوں تک جڑی ہوئی ہیں۔ ریڑھ کی ہڈی کے بالعموم 24 مہرے ہوتے ہیں اور بعض اوقات ایک کم اور ایک زیادہ بھی ہو جاتا ہے۔ وہ نیچے کی جانب Sacrum تک جُڑی ہوتی ہیں یعنی وہ تکونی ہڈی جو ریڑھ کے منکوں کے نچلے سرے سے شروع ہو کر کولھے کی دونوں ہڈیوں کے درمیان پائی جاتی ہے۔

Sacrum نیچے کی جانب ریڑھ کی ہڈی کے نچلے مثلث نما سرے سے جُڑا ہوتا ہے جس میں کل 6 ہڈیاں ہیں اور یہ ہڈیاں باقی تمام جسم کی بنیاد ہیں۔

''جسم کے نچلے حصے سے متعلق دو ہڈیاں (Sacrum (Iliac bones سے پہلو کی جانب جڑی ہوتی ہیں اور ان میں سے ہر ایک میں کولھے یا ٹانگ کے جوڑ کا جوف (Acetabulum) ہوتا ہے جس میں ران کی ہڈی (Femur) جڑی ہوتی ہے۔''

''سینے میں 7 چوڑی ہڈیاں ہوتی ہیں۔ جسم کے دونوں جانب 12 پسلیاں ہوتی ہیں جو گروی شکل کی ہوتی ہیں اور پیچھے کی جانب سے ریڑھ کی ہڈی کے مہرے سے جڑی ہوتی ہیں۔ آگے کی جانب سے ہڈیوں کی یہ مکمل تفصیل ہے۔''

''ہاتھوں کی ہڈیاں جن کی تعداد 16 ہے' دو کلائیوں کی تشکیل کرتی ہیں۔ کلائی کی ہڈیاں جن سے ہاتھوں کی تشکیل ہوتی ہے' Cuneiform Bones کہلاتی ہیں جبکہ وہ ہڈی جو انگوٹھے سے جا کر ملتی ہے' ذوزنقہ (Trapezium) کہلاتی ہے اور چھوٹی انگلی کے مقابل کی انگلی (Unciform) کہلاتی ہے۔ مشتی پنجر (Metacarpus) میں 8 ہڈیاں ہوتی ہیں (یعنی ہاتھ کی پانچ ہڈیوں پر مشتمل ڈھانچا جو ہتھیلی کو کلائی کے ساتھ جوڑتی ہیں) اور 30 ہڈیاں (ہر انگلی میں 3 ہڈیاں: 30=3x10) جن سے انگلیاں بنتی ہیں Phalanges کے نام سے جانی جاتی ہیں۔''

''ٹانگ کی ہڈیوں میں 2 ران کی ہڈیاں جو ہر ران میں ایک ایک ہوتی ہے' 2 ہڈیاں گھٹنوں میں' 4 ہڈیاں گھٹنوں سے نیچے ہوتی ہیں۔ انہی سے ٹخنہ بنتا ہے اور پاؤں کو چلنے پھرنے کے قابل بناتی ہیں۔ اس طرح یہ کل 8 ہڈیاں بنتی ہیں۔ پاؤں میں 20 ہڈیاں' پنجے کو ڈھانپنے والے حصہ (Toe) میں 28 ہڈیاں اور ہر (Toe) میں 3 ہڈیاں' سوائے اس کے کہ (Toe) کے بالائی حصہ میں صرف 2 ہڈیاں ہوتی ہیں۔ یہ سب ہڈیاں مل کو جسم میں موجود ہڈیوں کی اُس فہرست کو مکمل کرتی ہیں جن کی تعداد رسول اللہ ﷺ نے بتائی ہے۔''

''چونکہ ہڈیاں کسی ایک متعین جگہ پر نہیں رکھی گئیں' لہٰذا اُن کے خالق نے اُنہیں اُن کے آخری سرے پر اُنہیں مضبوط رکھنے اور آپس میں جڑے رہنے کے لئے ریشہ دار ٹشوز (Fibrous tissues) سے ڈھانپ دیا ہے' اُنہیں (Tendons) اور (Ligaments) کہا جاتا ہے۔ اُن کے خالق نے 529 کی تعداد میں اعصاب بھی بنائے ہیں جن سے ہڈیاں حرکت کرتی ہیں۔ اعصاب گوشت اور ریشوں کے گچھوں سے بنائے گئے ہیں۔''

''یہ سب کچھ کر چکنے کے بعد خالق نے اِن سب کو شریانوں' رگوں اور ریشہ دار گچھوں سے جوڑ دیا ہے' تاکہ اُنہیں زندگی' حس' حرکت اور نشوونما دی جا سکے اور پھر اُس نے اُنہیں گوشت' چربی اور شحمی بافت (Adipose Tissue) سے بند کر دیا ہے۔''

''خالق لم یزل نے ٹوٹ پھوٹ کے خلاف اور سردی گرمی سے محفوظ رہنے کی خاطر اعضاء کی حفاظت کے لئے گوشت بنایا اور اس لئے بھی کہ وہ کھسک کر ایک دوسرے سے جدا نہ ہو جائیں۔ چربی گرمائش کا ذریعہ ہے اور درحقیقت گرمائش ہی جسمانی گرمائش کا جوہر ہے کیونکہ ایندھن کے بغیر آگ نہیں جلتی۔ آخری بات یہ کہ لحمی بافت (Adipose Tissue) اُن اعضاء کو تقویت دیتی ہے جو تغذیہ (Nutrition) کا کام دیتے ہیں۔ وہ ہاضمہ میں سہولت پیدا کرتی ہے اور آنتوں اور پیٹ کے اندر کی جھلی (Peritoneum) میں بکثرت ہوتی ہے۔
("Prophetic Way of Treatment".. Badr Azimabadi, pp. 257-259)

(11) حمل کے لئے حمرۃ الدم ٹیسٹ (Haemaoglutination Test): حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ بچہ کبھی تو اپنے باپ کے مشابہ ہوتا ہے اور کبھی اپنی ماں کے؟ اس کے جواب میں رسول اللہ نے فرمایا :

''مرد کا مادّہ گرم اور طاقتور ہونے کے باعث گاڑھا اور سفید ہوتا ہے جبکہ عورت کا مادّہ پتلا اور کمزور ہونے کے باعث زرد رنگ کا ہوتا ہے۔ اگر مرد کا مادّہ عورت کے مادّے پر غالب آجائے تو بچہ اپنے والد کے مشابہ ہوتا ہے لیکن اگر عورت کا مادّہ مرد کے مادّے پر غالب آجائے تو بچہ اپنی ماں کے مشابہ ہوتا ہے۔'' (صحیح بخاری)

''طبی ماہرین کا کہنا ہے کہ جب عورت کے پیٹ میں لڑکا ہوتا ہے' تو اُس کے چہرے کا رنگ اصلاح پذیر ہو جاتا ہے اور اُس کے قدم ہلکے ہو جاتے ہیں۔ لڑکے کی جنینی حرکت زیادہ تر دائیں جانب کو محسوس ہوتی ہے اور جب آنے والا بچہ لڑکا ہو تو ماں کی دائیں طرف کی چھاتی بائیں طرف کی چھاتی کی نسبت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ کلائی کی نبض بھی تیز ہو جاتی ہے اور جب ماں چلنا پھرنا شروع کرتی ہے تو وہ پہلے اپنا دایاں پاؤں رکھتی ہے۔ اگر آنے والا بچہ لڑکی ہو تو یہ تمام علامات مذکورہ علامات کی الٹ ہوتی ہیں۔'' ("The Prophetic Way of Treatment".. Badr Azimabadi, pp. 256)

(12) وضع حمل اور اُس کی تکالیف (Parturition) : جس کے متعلق قرآن فرماتا ہے :-

(i) حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ (لقمٰن : ۳۱)

''اُسے اُس کی ماں تکلیف پر تکلیف کی حالت میں (اپنے پیٹ میں) برداشت کرتی رہی۔''

(ii) حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا (الاحقاف : ۱۵)

''اُس کی ماں نے اُسے تکلیف سے (پیٹ میں) اٹھائے رکھا اور اُسے تکلیف کے ساتھ جنا۔''

پیدائش کی تفصیل : جسے ہم ''پیدائش'' کہتے ہیں جو جنین کا ماں کے جسم سے باہر نکلنے کا نام ہے' بہ ظاہر یہ

پیدائش کا آغاز نہیں ہے بلکہ وہ واقعات کے ایک لمبے تسلسل کا نقطہ کمال (Climax) ہے۔ بالعموم بچے کی پیدائش استقرارِ حمل کے کم وبیش ساڑھے نو ماہ بعد واقع ہوتی ہے۔"

"آنے والے واقعہ کے لئے جسمِ مادر نے اپنی تیاریاں کر لی ہیں۔ رِحم (بچہ دانی) میں مضبوط و توانا اعصابی ریشوں نے ترقی کر لی ہے۔ رِحم کے مضبوط اعصابی پٹھوں کے سکڑاؤ کے نتیجہ میں جنین بچہ دانی سے باہر ہوگا۔ بچہ دانی اور فرج کے مخرج (نکاسی کی راہیں Outlet) نرم ہوگئی ہیں اور اُن میں بڑی وسعت کی اہلیت ہے۔

"جونہی وقتِ پیدائش قریب ہوتا ہے تو ہونے والی ماں کو دردِ زہ شروع ہوتا ہے جو بچہ دانی کے سکڑاؤ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ سکڑاؤ کے یہ عمل جنین کو باہر نکلنے کی راہ دیتے ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ سکڑاؤ بہت شدید ہوجاتے ہیں اور درد شدت اختیار کر جاتا ہے۔ بچے کی پیدائش سے متعلق درد کی شدت ہر ماں میں مختلف ہوتی ہے۔ دردِ زہ کی اِن تکالیف کو کئی عوامل کے ساتھ جوڑا جا سکتا ہے۔ اُن میں سے ایک تو ماں کی سابقہ طبّی تاریخ ہے' دوسرے اُس کی جذباتی کیفیت' تیسرے اُس کی جسمانی کیفیت اور چوتھے یہ کہ بچہ دانی میں جنین کس حالت میں رہا ہے۔"

بعض اوقات دردِ زہ کی تکالیف کو بے حس کرنے کے لئے ماں کو بے ہوش کرنے کا عمل (Anaesthesia) کیا جاتا ہے۔ بہت سے ڈاکٹر اور ہونے والی مائیں بچے کی قدرتی پیدائش چاہتے ہیں۔ قدرتی پیدائش یا بیہوش کئے جانے کے بغیر کی پیدائش کا تقاضا ہے کہ ماں اپنے آنے والے بچے کی پیدائش کے لئے جسمانی طور پر تیار ہو۔ اہم اعصاب کا آرام و آسائش میں ہونا' توازن کے ساتھ سانس لینا اور ذہنی طور پر تیار رہنا اہم پہلو ہیں۔ زچگی کے آخری مراحل میں ماں بے اختیارانہ طور پر پیٹ کے اعصاب کو سکیڑنے کے ذریعے آنے والے بچے کو باہر نکالنے کا زور لگاتی ہے۔

"ماں کے جسم سے بچہ بالعموم پہلے اپنا سر باہر نکالتا ہے اور بعض اوقات وہ پہلے پاؤں باہر نکالتا ہے۔ اِسے Breech Presentation یا Breech Birth کہا جاتا ہے۔ بچے کو شکمِ مادر سے باہر نکالنے کے لئے پیٹ کی دیوار اور بچہ دانی (رِحم) کو کاٹنا ضروری ہوجاتا ہے۔ یہ عمل عملِ جراحی (Caesarian Action) کہلاتا ہے۔" (The New Book of Popular Science, Vol. V, pp. 329, 330)

وضعِ حمل کے صحیح تصوّر کے لئے ہم سورۃ الزُّمر کی آیت ۶ سے اس کا تعارف کراتے ہیں:

يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِّن بَعْدِ خَلْقٍ فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ (اَلزُّمَر: ۶)

"وہ تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں بناتا ہے ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت پر تین تاریکیوں میں۔"

نوٹ: ان کی وضاحت صفحات ۳۹۷۲' ۳۹۷۳ پر دی جا چکی ہے۔

''شکمِ مادر میں بچے کا رخ بالعموم ماں کی پشت کی طرف ہوتا ہے۔ جب وہ رِحم سے باہر آنا چاہتا ہے تو وہ اپنے جسم کے اوپر سے قلابازی کھا کر نچلے حصے میں آجاتا ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے ماں کے پیٹ سے چمٹ جاتا ہے جس سے اُس کی ماں کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ شدید درد کے دوران اگر ماں کی موت واقع ہو جائے تو علماء نے اُسے شہیدوں کی صف میں شمار کیا ہے۔''

(13) کہولیات (عمر رسیدگی اور اس کے خصوصی مسائل کا سائنسی علم) (Gerontology):

عملِ فرسودگی قدرت کا اٹل اور ناقابلِ تردید قانون ہے یعنی وقت کے ساتھ ساتھ ہر چیز کو زوال ہے خواہ وہ چیز ایک وقت میں اپنے انتہائی کمال اور قوّت میں کیوں نہ ہو۔ قرآن مجید نے اس قانون کی طرف یوں اشارہ کیا ہے :

(i) وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰكُمْ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَىْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ O (النَّحل : ۷۰)

''اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا' پھر وہ تمہیں موت دیتا ہے اور تم میں سے کوئی ناکارہ عمر کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ باخبری کے بعد چیزوں سے بے خبر ہو جاتا ہے۔'' (۷۰ : ۱۶)

(ii) وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِى الْخَلْقِ (یٰسٓ : ۶۸)

''اور ہم جس کی عمر (بہت) زیادہ کر دیتے ہیں' تو اُسے (اُس کی) خِلقت میں الٹا کر دیتے ہیں۔''

قویٰ کے اُلٹا دینے سے مراد جسمانی قویٰ' رنگ و روغن اور حُسن و جمال وغیرہ کا انقلاب' کامل سے ناقص اور اعلیٰ و اشرف سے اَرذَل و اَسفل کی طرف ہے۔

(14) عملِ جراحی (Surgery):

قرآن مجید میں اعضائے بدن کی جراحت کے بارے میں کوئی واضح اشارہ موجود نہیں ہے۔ شاید درجِ ذیل قرآنی آیات نے انسانی تجسس کو عملِ جراحی کی تحریک دی ہو جس کے یہ مقاصد ہیں: (i) جب بیماری شدّت اختیار کر جائے اور مریض کو عام علاج سے کوئی فائدہ نہ پہنچے تو بعض اوقات اُسے عملِ جراحی فائدہ دیتا ہے۔ (ii) یہ معلوم کرنے کے لئے کہ انسانی جسم کے اندرونی حصّوں میں رب تعالیٰ کی کیا کیا حیران کن نشانیاں چھپی ہیں جیسا کہ قرآن نے فرمایا :

(۱) سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ وَفِىْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ (حٰمٓ السجدة: ۵۳)

''ہم اُنہیں عنقریب اطرافِ عالم میں اور خود اُن کی ذوات میں اپنی نشانیاں دکھا دیں گے یہاں تک کہ اُن پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہی حق ہے۔'' (۵۳ : ۴۱)

(۲) وَفِىْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ O (اَلذّٰرِیٰت : ۲۱)

''اور خود تمہارے نفوس میں (بھی) نشانیاں ہیں' تو کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟'' (۲۱ : ۵۱)

سورۃ الانشراح کی اوّل آیت اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَكَ صَدۡرَكَ ۝ (اے حبیبِ مکرّم! کیا ہم نے آپ کا انشراحِ صدر نہیں کر دیا؟) بھی تشریح الابدان، عملِ جراحی اور اس میدان میں تحقیقات کے لئے محرّک بنی ہے۔ اس کی مزید تائید اُس واقعہ سے ہوتی ہے جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لڑکپن کے زمانہ میں ہوا جب آپ اپنے رضاعی والدین کے ہمراہ تھے۔ یہ واقعہ کتبِ حدیث اور کتبِ تاریخ میں درج ہے۔ آپ کے رضاعی والدین کہتے ہیں:۔

''مکہ سے ہماری واپسی کے چند ماہ بعد آپ ﷺ اور آپ کا رضاعی بھائی خیموں کے پیچھے ہماری بھیڑ بکریوں کے ساتھ تھے جبکہ آپ کا بھائی بھاگتا ہوا آیا اور ہمیں کہا کہ سفید لباس میں ملبوس دو آدمیوں نے میرے اُس قریشی بھائی کو پکڑ کر نیچے گرا دیا ہے، اُن کا پیٹ چاک کیا ہے اور اُسے خوب ہلا رہے ہیں۔ ہم آپ کی طرف گئے اور پوچھا کہ معاملہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: سفید لباس میں ملبوس دو آدمی آئے، مجھے نیچے گرا کر میرا پیٹ چاک کیا اور اُس میں۔۔ مجھے نہیں معلوم۔۔ کہ کیا تلاش کرنے لگے۔''

سورۃ الانشراح کی اوّل آیت کا تعلق درج بالا واقعہ سے ہے اور اِس واقعہ اور آیت نے اسلامی تہذیب کے ابتدائی زمانہ میں عملِ جراحی اور تشریح الابدان کو تحریک دی ہے اور بہت سے معالجین کی علاج کے اس پہلو کو اختیار کرنے میں حوصلہ افزائی کی ہے۔ لہٰذا اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں اگر ہم ابن سینا، ابوالقاسم الزہراوی، علاؤالدین ابنِ نفیس، ابن القف اور شمس الدین علفانی جیسے مشہورِ زمانہ معالجین کو عملِ جراحی کرتا ہوا دیکھتے ہیں۔'' ("Quranic Sciences"... Afzalur Rahman, p. 127)

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے حکیمِ مطلق، علیم وخبیر خالق سے جراحی کا علم پا کر ''علاج بذریعہ آپریشن'' کی بنیاد رکھی اور اس طرح جراحی کی عظیم مثال قائم کی۔ جراحی (سینگی لگوانے) سے متعلق چند احادیث کا حوالہ صفحہ ۳۹۷۸ پر دیا گیا ہے۔

(15) نظامِ تنفّس یعنی سانس لینے کا نظام (Respiratory System) ہمارے شعوری اختیار میں نہیں: ذرا غور کیجئے اگر سانس لینا ہمارے شعوری اختیار میں ہوتا تو کیا ہوتا۔ ہم اس عمل کو بے خطا بروئے کار لانے کے قابل نہ ہوتے، ہم تھک جاتے اور بالآخر کچھ دیر بعد سانس لینا چھوڑ دیتے۔ ہمارا رب اس بات کو جانتا ہے کہ ہم اس کام کو اپنی مرضی سے نہیں کر سکتے۔ لہٰذا اُس نے نظامِ تنفّس کی تخلیق کی جو دوسرے تمام نظاموں کی طرح کامیابی سے چل رہا ہے۔ یہ بات اُس کے تحفوں اور عطیات میں سے ایک ہے جس کا ذکر سورہ ابراہیم کی آیت ۳۴ میں آیا ہے: وَآتَاكُمۡ مِّنۡ كُلِّ مَا سَأَلۡتُمُوهُ وَإِنۡ تَعُدُّوا نِعۡمَةَ اللّٰهِ لَا تُحۡصُوهَا إِنَّ الۡإِنۡسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ ۝ ''اور جو کچھ اُس سے تم نے مانگا اُس نے تمہیں وہ عطا کیا۔ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو شمار نہیں کر پاؤ گے، بے شک انسان بڑا ہی ناانصاف، بڑا ہی ناشکرا ہے۔'' (۱۴ : ۳۴)

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سورہ ابـــراھیـــم میں اللہ نے انسان کے دو وصف بیان کئے ہیں (ظَلُوْم" "کَفَّار") اور سورۃ النّحل میں اپنے دو وصف بیان کئے ہیں (غَفُوْر" رَّحِیْم") تو گویا سورہ ابراھیم کی آیت سورۃ النّحل کی آیت کے ٹھیک مقابل ہے اور انسان کی ناانصافی کے مقابلہ میں اللہ کی مغفرت اور انسان کے کفرانِ نعمت کے مقابلہ میں اللہ کی رحمت ہے۔''

''نان سٹاپ ایئر کنڈیشنر جو ہمارے جسم میں چل رہا ہے: سانس لینا اُن کاموں میں سے ایک ہے جسے ہم دن بھر لاشعوری طور پر کرتے رہتے ہیں۔ اس عمل کے دوران کئی کیفیات واقع ہوتی ہیں جن میں ناک، سانس کی نالی اور پھیپھڑے شریک ہیں۔ سانس لینے کا مطلب دراصل ہمارے جسم کے خلیوں کو آکسیجن پہنچانا ہے۔ اسی لئے ہم اپنی سانس کو ایک مختصر سے وقت کے لئے روک سکتے ہیں۔ اگر سانس روکنے کا یہ دورانیہ لمبا ہو جائے تو ہمارے خلیے مر جائیں جس کا نتیجہ جسم کی موت ہوگا۔''

''وہ ہوا جو ہم بطور سانس لیتے ہیں، پہلے پہل ہمارے ناک میں صاف ہوتی ہے جس میں سانس لینے کے حوالے سے ایئر کنڈیشنر چل رہا ہوتا ہے۔ ناک میں چھوٹے چھوٹے بال ہوتے ہیں جو چھاننی کا کام دیتے ہیں۔ یہ بال گندی یا ٹھنڈی ہوا کو پھیپھڑوں کی ضرورت کے مطابق بناتے ہیں۔ یہ بات انہی بالوں کی رہینِ منت ہے کہ جو ہوا ہم بطور سانس لیتے ہیں، وہ چھن کر، صاف ہو کر، مرطوب ہو کر، گرم ہو کر اور بیکٹیریا سے پاک وصاف ہو کر اندر جاتی ہے۔ دراصل یہ چھوٹے چھوٹے بال روزانہ تقریباً 20 اَرب خارجی مواد سے ہمارے جسموں کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہ اجزاء ممکنہ حد تک پہچانے نہیں جاسکتے اور ناک میں اتفاقی طور پر داخل ہونے سے روکے بھی نہیں جاسکتے۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرتِ تخلیق کی گواہی دیتی ہے۔ ارتقاء پسندوں کا یہ دعویٰ کس قدر غیر معقول ہے کہ کائنات میں تمام کچھ اٹکل پچو وقوعات کا نتیجہ ہے اور ایسا دعویٰ کرنے میں وہ باری تعالیٰ کے وجود کا انکار کرتے ہیں۔'' ("Miracles in Our Bodies"... Harun Yahya, pp. 95, 96)

(16) (i) علاج کا ثبوتِ قرآنِ حکیم سے: مُحرم کو بہ حالتِ اِحرام اپنا سر منڈوانے یا بال چھوٹے کرانے کی ممانعت ہے۔ لیکن اگر مُحرم اِحرام باندھنے کے بعد کسی تکلیف یا اپنے سر کی جلدی مرض میں مبتلا ہو یا اُس کے سر میں جوئیں ہوں تو رب تعالیٰ نے اُسے مناسکِ حج وعمرہ کی تکمیل سے پہلے اپنا سر منڈوانے کی اجازت سورۃ البقرۃ کی اس آیت ۱۹۶ میں دی ہے:

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْبِهِ أَذًى مِّنْ رَّأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ أَوْصَدَقَةٍ أَوْنُسُكٍ

''تم میں سے جو کوئی بیمار ہو یا اُس کے سر میں کچھ تکلیف ہو (اس وجہ سے قبل از وقت سر منڈوالے) تو (اس کے) بدلے میں روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے۔'' (۱۹۶ : ۲)

(ii) علاج کا ثبوت احادیثِ مبارکہ سے: (جاری ہے)

BIBLIOGRAPHY (Volume – 8)

1. Allen and Unwin, George — Ideals and Realities of Islam.
2. Arberry A.J. — The Holy Quran : An Introduction with Selection.
3. Arbuthnot, F. F. — The Construction of the Bible & the Quran.
4. Armstrong, Karen — Muhammad--A Biography of the Prophet
5. Arnold — Preaching of Islam.
6. Arnold and Guillaume — The Legacy of Islam.
7. Asad, Leopold — Islam on the Crossroads.
8. Badr Azimabadi — Prophetic Way of Treatment.
9. Bartee, Thomas, C. — Digital Computer Fundamentals.
10. Bell, Richard — Introduction to the Quran.
11. Bodley, R.V.C. — The Messenger.
12. Boole, George — An Investigation of the Laws of Thought.
13. Bucaille, Maurice — The Bible, the Quran and Science.
14. Bunsen — Islam or True Christianity.
15. Carlyle, Thomas — On Heroes, Hero Worship and the Heroic in History.
16. Chishti, Ali Asghar — Islam and Women.
17. Cobbald, Lady — Pilgrimage to Mecca.
18. Cohen — Everyman's Talmud.
19. Davenport, John — Apology for Muhammad and Koran.
20. Dhalla — Zoroastrian Theology.
21. Dildar Ahmad Qadri, Prof. Dr. — The Quran and the Human Embryology.
22. Dorman, Harry G. — Towards Understanding Islam.
23. Ehrenfels — Islamic Culture.
24. Einstein, Albert — Letters to Maurice Solovine.
25. Fazlur Rahman, Dr. — The Quranic Foundations and the Structure of the Muslim Society.
26. Gibb, H.A.R. — An Interpretation of Islam.
27. Glubb, John, Sir — The Life and Times of Muhammad.
28. Graff K., and S. Fox — Human Physiology.
29. Guillaume, Alfred — Islam.
30. Haeckel — Riddle of the Universe.
31. Hammertson — Universal History of the World.
32. Harnack — Christianity and History.
33. Haroon, Yahya — The Creation of the Universe.
34. Haroon, Yahya — Miracles in Our Bodies.
35. Havelock, Ellis — Psychology of Sex.
36. Hitti, P. K. — History of the Arabs
37. Hitti, P. K. — Islam -- A Way of Life.
38. Hell, Joseph — The Arab Civilization.
39. Iqbal, Muhammad, Dr. — The Reconstruction of Religious Thought in Islam.

40. Islahi, S. D. — Islam at a Glance.
41. Jeffery, Arthur — The Quran as Scripture.
42. Kent — Human Anatomy and Physiology.
43. Klausner — Jesus of Nazareth.
44. Lane — Introduction to the "Selections from the Koran".
45. Lecky — History of European Morals.
46. Liaqat Ali Khan Niazi — Islamic Law of Tort.
47. Lindsey, T. — A List of False Reading of the Scripture.
48. Lingdon, Prof. — Semitic Mythology.
49. Ludovici — Woman.
50. Manzoor Nomani, Maulana — The Qur'an and You.
51. Margoliouth, Prof. — Introduction to the Koran.
52. Marston, Charles — The Bible is True.
53. Maududi, Abul A'la — Economic System of Islam.
54. Mazheruddin Siddiqi — The Qur'anic Concept of History.
55. Menzies — History of Religion.
56. Muir, William, Sir — The Life of Muhammad.
57. Moore — A Scientist's Interpretation of Reference to Embryology in the Quran
58. Moore and Persaud — The Developing Human.
59. Muslehuddin, Dr. — Economics and Islam.
60. Mutahhari — The Human Being in the Quran.
61. Naish, John — The Wisdom of the Quran.
62. Nemilov — Biological Tragedy of Women.
63. Newman — Phases of Faith.
64. Noble, Livis — The School Psychologist.
65. Nurbaki, Haluk, Dr. — The Holy Koran and the Facts of Science.
66. Palmer — "The Quran"-- Introduction.
67. Planck, Max — The Creation.
68. Pollens — The Sex Criminal.
69. Qutub, Muhammad — Islam ... the Misunderstood Religion.
70. Rashid Ahmad Jullundri — Islam and Current Issues.
71. Rashid Khalifa — Computer Speaks.
72. Rawlinson — Moses : His Life and Times.
73. Renald — Historical and Critical Reflections upon Muhammedanism.
74. Roberts J. M. — A Short History of Christianity.
75. Sale, George — Preliminary Discourse to the Translation of the Quran.
76. Saqib, Ghulam Nabi — Modernization of Muslim Education.
77. Sarton, George — Introduction to the History of Science.
78. Saud, Muhammad — Islam and Evolution of Science.
79. Schmiedel — Jesus in Modern Criticism.
80. Scott — History of Prostitution.
81. Shakespeare, William — Macbeth (A Play).

82. Smith, D. E. — History of Mathematics.
83. Stephen — History of the Criminal Law of England.
84. Swedenborg — The True Christian Religion.
85. Tahir-ul-Qadri, Prof. Dr. — Islam in Various Perspectives.
86. Tahir-ul-Qadri, Prof. Dr. — Islam on Prevention of Heart Diseases.
87. Tahir-ul-Qadri, Prof. Dr. — Spiritualism and Magnetism.
88. Taqi Usmani, Muhammad — Our Socio-Economic Order.
89. Tara Chand — Influence of Islam on Indian Culture.
90. Toland, John — The Nazarens.
91. Vaglieri, Laura, Veccia, Prof. — Apologie de l'Islamisme
92. Vaglieri, Laura, Veccia, Prof. — An Interpretation of Islam.
93. Wooley — Abraham.
94. Zahn, Theodre — Articles of the Apostolic Creed.
95. Zaki, Ali — Islam in the World.
96. Zakir Naik, Dr. — Answers to the Non-Muslims' Common Questions about Islam.

ENCYCLOPAEDIAS

1. Academic American Encyclopedia.
2. Cheyne and Black's Encyclopedia Biblica
3. Encyclopaedia Britannica.
4. Encyclopaedia Judaica Calendar.
5. Encyclopaedia of Seerah.
6. Encyclopedia of the Quran (Leiden : USA)
7. Funk and Wagnalls New Encyclopedia of Science.
8. Hammerton's Encyclopaedia of Modern Knowledge (N.Y.)
9. Hastings' Encyclopaedia of Religion and Ethics.
10. MacGraw Hill Encyclopedia of Science and Technology.
11. The Jewish Encyclopaedia.

DICTIONARIES

1. An Arabic-English Lexicon -- Edward William Lane.
2. Arabic Glossary of the Holy Quran -- Ibn-e-Qutaybah.
3. Dictionary of Christian Antiquities -- Smith and Cheetham.
4. Dictionary of Contemporary Thought -- David Kirby.
5. Hamlyn Encyclopedic World Dictionary.
6. Oxford Urdu English Dictionary -- Shanul Haq Haqqi.
7. Oxford Advanced Learner's Dictionary.
8. Pallen and Wynne's New Catholic Dictionary (N. Y.)
9. Popular Oxford Standard Medical Dictionary.

(۱۰) المفردات القرآن: علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی (م ۵۰۲ھ)، مکتبہ نزار مصطفی الباز مکہ مکرمہ
(۱۱) لسان العرب: علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی (م ۷۱۱ھ)، مطبوعہ نشر الادب، ایران
(۱۲) القاموس المحیط: علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی (م ۸۱۷ھ)، مطبوعہ بیروت۔
(۱۳) الصحاح: علامہ ابونصر اسمٰعیل بن حماد الجوهری (م ۱۰۰۵ھ)، دار العلم للملایین، بیروت ۱۳۷۶ھ۔
(۱۴) تاج العروس: علامہ سید محمد مرتضی زبیدی حنفی (م ۱۲۰۵ھ)، مطبوعہ المطبعۃ الخیریۃ، مصر۔

کتب تفسیر

(۱) تنویر المقباس: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (متوفی ۶۸ھ)، مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ، ایران۔
(۲) جامع البیان: امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری (م ۳۱۱ھ)، دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ۔
(۳) احکام القرآن: امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص (م ۳۷۰ھ)، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ
(۴) الکشاف: علامہ جار اللہ محمود بن عمر زمخشری (م ۴۶۷ھ)، مطبوعہ نشر البلاغۃ، قم ایران۔
(۵) تفسیر کبیر: امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی (م ۶۰۶ھ)، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۳۹۸ھ
(۶) الجامع لاحکام القرآن: علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی (م ۶۶۸ھ) انتشارات ناصر خسرو، ایران۔
(۷) انوار التنزیل: قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی شیرازی شافعی (م ۶۸۵ھ)، مطبوعہ مصر۔
(۸) تفسیر القرآن: حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی (م ۷۷۴ھ)، مطبوعہ ادارہ اندلس بیروت ۱۳۸۵
(۹) الدر المنثور: حافظ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ)، مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ، ایران۔
(۱۰) جلالین: حافظ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ)، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی۔
(۱۱) روح البیان: علامہ اسماعیل حقی حنفی (۱۱۳۷ھ)، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ۔
(۱۲) تفسیر مظہری: قاضی ثناء اللہ پانی پتی (م ۱۲۲۵ھ)، مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو، کوئٹہ۔
(۱۳) روح المعانی: علامہ ابوالفضل سید محمود آلوسی (م ۱۲۷۰ھ)، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت۔
(۱۴) فی ظلال القرآن: سید محمد قطب شہید (م ۱۳۸۵ھ)، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۳۸۶ھ۔
(۱۵) نور العرفان: مفتی احمد یار خاں نعیمی (م ۱۳۹۱ھ)، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ، گجرات (پنجاب پاکستان)
ایضاً: صاحبزادہ مفتی اقتدار احمد خان نعیمی (گجرات)
(۱۶) تفہیم القرآن: سید ابوالاعلیٰ مودودی (م ۱۳۹۹ھ)، مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن، لاہور۔
(۱۷) التبیان: علامہ سید احمد سعید کاظمی (م ۱۴۰۶ھ)، مطبوعہ کاظمی پبلیکیشنز، ملتان۔
(۱۸) ضیاء القرآن: جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور۔
(۱۹) تدبر قرآن: شیخ امین احسن اصلاحی، مطبوعہ فاران فاؤنڈیشن، لاہور۔
(۲۰) تبیان القرآن: علامہ غلام رسول سعیدی، مطبوعہ فرید بک سٹال، اردو بازار لاہور۔
(۲۱) تفسیر ماجدی (اردو) عبدالماجد دریا آبادی
(22) Commentary on the Quran...Abdullah Yusuf Ali

کتب علومِ قرآن

(۱) البرھان فی علوم القرآن : علامہ بدرالدین محمد بن عبداللہ زرکشی (م۷۹۴ھ) دارالفکر بیروت۔
(۲) الاتقان فی علوم القرآن : علامہ جلال الدین سیوطی (م۹۱۱ھ)' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور۔
(۳) علوم القرآن : محمد تقی عثمانی۔
(۴) علوم القرآن : احمد وان ڈنفر۔

کتب حدیث

(۱) مؤطا امام مالک : امام مالک بن انس اصحی (م ۱۷۹ھ)' مطبوعہ دارالفکر' بیروت ۱۴۰۹ھ
(۲) مسند امام احمد بن حنبل : امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ)' مطبوعہ دارالفکر' بیروت ۱۴۱۵ھ۔
(۳) سنن دارمی : امام ابوعبداللہ بن عبدالرحمان دارمی (م ۲۵۵ھ)' مطبوعہ دارالکتاب العربی' بیروت۔
(۴) صحیح بخاری : امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری (م ۲۵۶ھ)' مطبوعہ بیروت۔
(۵) صحیح مسلم : امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری (م ۲۶۱ھ)' دارالکتب العلمیہ' بیروت۔
(۶) سنن ابنِ ماجہ : امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ (م ۲۷۳ھ)' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ
(۷) سنن ابوداؤد : امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی (م ۲۷۵ھ)' مطبوعہ بیروت ۱۴۱۵ھ
(۸) سنن ترمذی : امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی (۲۷۹ھ)' مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۴ھ۔
(۹) البحر الزخار (المعروف مسند البزار) : امام احمد عمرو بن عبدالخالق بزار (م ۲۹۲ھ)۔
(۱۰) سنن نسائی : امام ابوعبدالرحمان احمد بن شعیب نسائی (۳۰۳ھ)' مطبوعہ مؤسسۃ القرآن' بیروت۔
(۱۱) سنن کبریٰ : امام ابوعبدالرحمان احمد بن شعیب نسائی (۳۰۳ھ)' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۱ھ۔
(۱۲) صحیح ابن حبان : امام ابوحاتم محمد بن حبان البستی (م ۳۵۴ھ)' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۰۷ھ۔
(۱۳) المعجم الاوسط : امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی (م ۳۶۰ھ)' مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۰۹ھ۔
(۱۴) المستدرک : امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری (م ۴۰۵ھ)' مطبوعہ دارالباز' مکہ مکرمہ۔
(۱۵) شعب الایمان : امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی (م ۴۵۸ھ)' مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان۔
(۱۶) شرح السنۃ : امام حسین بن مسعود بغوی (م ۵۱۶ھ)' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۲ھ۔
(۱۷) مشکوٰۃ : امام ولی الدین تبریزی (م ۷۴۲ھ)' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی (انڈیا)۔
(۱۸) مجمع الزوائد : حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی (م ۸۰۷ھ)' دارالکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۲ھ
(۱۹) کنز العمال : علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری (م ۹۷۵ھ)' مطبوعہ بیروت ۱۴۰۵ھ۔

(۲۰) الجامع الصغیر : حافظ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ)، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۳۹۱ھ۔

کتب شروح حدیث

(۱) اجازۃ القرآن : امام باقلانی (م۴۰۳ھ)
(۲) اربعین : علامہ ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی (م۶۷۶ھ)، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ۔
(۳) ریاض الصالحین : علامہ ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی (م۶۷۶ھ)، مطبوعہ دار السلام، ریاض۔
(۴) فتح الباری : حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی (م۸۵۲ھ)، دار الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ۔
(۵) عمدۃ القاری فی شرح البخاری : حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی (م۸۵۵ھ)، دار الطباعۃ المنیریہ مصر
(۶) الاسرار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ : علامہ علی بن سلطان محمد القاری (۱۰۱۴ھ)، مطبوعہ بیروت۔
(۷) مسند الفردوس : دیلمی
(۸) مسک الختام شرح بلوغ المرام : نواب صدیق حسن خان (انڈیا)۔

کتب فقہ

(۱) ھدایۃ اوّلین و الآخرین : علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی (م۵۹۳ھ)، مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان
(۲) الدرّ المختار : علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی (م۱۰۸۸ھ)، دار احیاء التراث العربی بیروت۔
(۳) فتاویٰ عالمگیری : مُلّا نظام الدین (م۱۱۶۱ھ) مطبوعہ مطبعہ کبریٰ امیریہ بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ۔
(۴) احیاء علوم الدین : امام محمد بن محمد غزالی (م۵۰۵ھ) مطبوعہ دار الخیر بیروت، ۱۴۱۳ھ۔
(۵) حیات القلوب : مُلّا باقر بن محمد تقی مجلسی (م۱۱۱۰ھ)، مطبوعہ کتاب فروشے اسلامیہ تہران۔

کتب سیرت و فضائل و تاریخ

(۱) السیرۃ النبویہ : امام عبد الملک بن ہشام (م۲۱۳ھ)، مطبوعہ مکتبہ فاروقیہ، ملتان۔
(۲) الطبقات الکبریٰ : امام محمد بن سعد (م ۲۳۰ھ)، مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۳۸۸ھ۔
(۳) ضیاء النبی ﷺ : جسٹس پیر کرم شاہ الازہری۔
(۴) سیرتِ رسولِ عربی ﷺ : علامہ نور بخش توکلی۔
(۵) شریف التواریخ : شریف احمد شرافت۔

کتب متفرقہ

(۱) نَیل الاوطار : شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی (م ۱۲۵۰ھ)' مطبعہ مصطفیٰ البابی داولادہ' مصر ۱۳۵۰ھ۔
(۲) الحلال والحرام فی الاسلام: ڈاکٹر یوسف القرضاوی۔
(۳) قصص القرآن: حفظ الرحمن سیوہاروی۔
(۴) أشراط السّاعۃ: یوسف بن عبداللہ بن یوسف الوابل' مطبوعہ دار ابن الجوزی' جدہ ۱۴۱۵ھ۔
(۵) مقالات سعیدی : علامہ غلام رسول سعیدی۔
(۶) دیوان حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ۔
(۷) روضۃ المحبین : ابن القیم
(۸) حجۃ اللہ البالغۃ: شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔
(۹) سفینۃ الاولیاء: داراشکوہ۔
(۱۰) منہاج المسلم :ابوبکر جابر الجزائری۔
(۱۱) الفطمہ: شیخ شلتوت
(۱۲) قرآن پاک ایک چیلنج ایک سائنسی معجزہ: میجر (ر) میر افضل خان۔
(۱۳) اسلام کا قانونِ صحافت : ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی۔
(۱۴) اسلامی صحافت : سیّد عبید السلام زینی۔

ماہنامے و جریدے

(1) "The Hibbart Journal of London, October, 1934.
(۲) ماہنامہ ''منہاج القرآن'' لاہور' فروری 2007ء۔
(۳) ماہنامہ ''منہاج القرآن'' لاہور' جون 2007ء۔
(۴) ماہنامہ ''منہاج القرآن'' لاہور' جولائی 2008ء۔

غیر اسلامی لٹریچر

Ragg's "The Gospel of Barnabas".

ESSAY

"Qur'anic Ayaat Containing References to Science and Technology ... Sh. Siri Welfare and Cultural Trust : Pakistan Science Foundation.. F-7 Islamabad, 1987.

اشاریہ قرآنی (جلد ہشتم)

[قوسین کے اندر (۔۔۔) کے اعداد صفحہ نمبر کو ظاہر کرتے ہیں۔]

سورۃ البقرۃ (۲)

۲:۲۴،۲۳(۳۵۴۲،۳۸۲۱)
۲ : ۳۰(۳۶۴۷)
۲ : ۳۳تا۳۱(۳۶۴۸)
۲ : ۳۸ (۳۶۴۰)
۲: ۶۲(۳۵۶۲)
۲ : ۷۷(۳۵۴۷)
۲ : ۸۲تا۸۰(۳۵۴۸)
۲:۸۳(۳۶۹۹)
۲ : ۹۰(۳۵۴۷)
۲: ۱۱۲(۳۸۸۸،۳۵۴۹)
۲:۱۱۴،۱۱۳(۳۸۹۹)
۲:۱۱۷،۱۱۶(۳۵۵۸)
۲:۱۲۳ (۳۷۷۶)
۲: ۱۳۷(۳۹۰۰)
۲: ۱۵۴(۳۸۱۶)
۲ : ۱۶۱(۳۵۷۱)
۲: ۱۶۴(۳۹۶۵)
۲ : ۱۶۵(۳۶۰۵)
۲:۱۸۴(۳۸۶۷)
۲:۱۸۵(۳۹۵۳)
۲:۱۸۸(۳۶۳۶،۳۷۳۲)
۲:۱۹۶(۳۸۸۶،۳۹۸۷)
۲ : ۲۰۳(۳۸۶۷)
۲: ۲۰۸(۲۹۲۲)
۲:۲۱۳(۳۶۷۶)
۲:۲۱۵(۳۶۴۲)
۲:۲۲۲(۳۸۰۹)
۲:۲۲۳(۳۷۸۵)
۲:۲۲۹(۳۹۰۰)
۲:۲۳۲(۳۸۱۰)
۲:۲۳۳(۳۶۴۴،۳۷۳۷)
۲:۲۳۶(۳۸۰۳)
۲:۲۳۷(۳۷۳۸)
۲:۲۴۰(۳۶۴۴)
۲:۲۴۴(۳۸۸۴،۳۸۸۷)
۲ : ۲۵۴(۳۷۷۵)
۲ :۲۶۵(۳۵۷۱،۳۸۸۵)
۲ : ۲۷۳(۳۸۶۵)
۲ : ۲۷۴(۳۷۲۸)
۲ : ۲۸۰(۳۷۱۲)
۲ : ۲۸۲(۳۷۴۱)

آل عمران (۳)

۳ : ۶ (۳۹۶۴)
۳:۳۱(۳۶۰۵)
۳ : ۴۴(۳۵۳۷)
۳:۵۹(۳۵۶۱،۳۵۵۱)
۳ : ۶۴(۳۸۹۷)
۳:۶۶،۶۵(۳۵۶۵)
۳:۶۷(۳۵۲۱)
۳: ۸۰،۷۹(۳۵۵۱)
۳:۱۰۳(۳۷۲۴)
۳:۱۱۰(۳۹۲۱)
۳:۱۱۳،۱۱۲(۳۵۶۶)
۳:۱۲۰،۱۱۹(۳۶۹۳)
۳:۱۲۲(۳۸۹۸)
۳:۱۲۵،۱۲۴(۳۸۸۳)
۳:۱۳۰(۳۸۸۵)
۳:۱۳۳(۳۸۹۸)
۳:۱۳۴(۳۹۵۲،۳۷۱۱)
۳:۱۴۰(۳۹۰۰)
۳:۱۷۱_۱۶۹(۳۸۱۶)
۳:۱۸۳(۳۵۶۵)

النساء (۴)

۴ : ۱ (۳۷۷۹)
۴ : ۵(۳۸۵۴)
۴ : ۶(۳۹۱۱)
۴ : ۱۲،۱۱(۳۸۷۵)
۴ : ۱۹(۳۸۰۰)
۴ : ۲۰(۳۷۱۴،۳۷۳۹)
۴ : ۲۵(۳۸۰۳)
۴ : ۳۲(۳۷۳۶)
۴ : ۳۴(۳۷۹۵)
۴: ۳۶ (۳۶۹۹)
۴ : ۵۶(۳۹۸۱)
۴ : ۸۲(۳۸۲۳)
۴ : ۸۵(۳۹۳۶)
۴:۸۶(۳۷۳۲،۳۷۵۰،۳۸۸۶)
۴ : ۸۹ (۳۵۴۰)
۴: ۱۰۲(۳۸۸۹)
۴ : ۱۰۴(۳۶۷۹،۳۹۰۰)
۴ : ۱۱۲(۳۷۳۲)
۴ : ۱۲۸(۳۷۳۹،۳۸۱۴)
۴ : ۱۲۹(۳۸۰۷)
۴ : ۱۳۵(۳۷۰۶،۳۸۶۳)
۴ : ۱۴۲(۳۹۵۴)
۴ : ۱۶۵(۳۶۸۲)
۴: ۱۷۲(۳۵۵۲)

المائدۃ (۵)

۵ : ۲ (۳۶۸۶)
۵ : ۳ (۳۹۶۰)
۵ : ۵ (۳۷۸۲)
۵ : ۱۷ (۳۵۵۲)
۵ : ۱۸ (۳۵۴۸)
۵ : ۲۶ (۳۸۸۲)
۵ : ۳۸،۳۳(۳۹۵۰)
۵ : ۷۳(۳۹۰۱)
۵ : ۷۵(۳۵۵۳)
۵ : ۷۶ (۳۵۳۲)

۵ : ۷۷ (۳۵۶۵)
۵ : ۷۸، ۷۹ (۳۹۳۳)
۵ : ۸۷ (۳۷۱۶)
۵ : ۸۹ (۳۸۸۰)
۵ : ۹۰ (۳۹۶۱)
۵ : ۹۷ (۳۸۹۸)
۵ : ۱۰۱ (۳۷۴۹)
۵ : ۱۱۰ (۳۵۵۴)
۵ : ۱۱۶ تا ۱۲۰ (۳۵۵۴)

الانعام (۶)

۶ : ۱ (۳۵۳۲، ۳۸۸۸)
۶ : ۹ (۳۵۲۷)
۶ : ۱۴ (۳۵۳۲)
۶ : ۲۰ (۳۵۳۷)
۶ : ۵۱ (۳۷۷۷)
۶ : ۶۱ (۳۶۳۸)
۶ : ۸۲ (۳۶۱۰)
۶ : ۸۴، ۸۵ (۳۵۹۴)
۶ : ۹۶ (۳۸۶۸)
۶ : ۱۵۱ (۳۶۴۳، ۳۶۹۹)
۶ : ۱۶۰ (۳۸۸۵)
۶ : ۱۶۵ (۳۶۴۷، ۳۸۵۹، ۳۹۲۲)

الاعراف (۷)

۷ : ۳۱ (۳۵۳۶، ۳۹۵۶)
۷ : ۳۴ (۳۸۷۳)
۷ : ۸۰-۸۲ (۳۵۸۱)
۷ : ۸۵، ۸۶ (۳۸۷۰)
۷ : ۹۶ (۳۶۹۳)
۷ : ۱۵۷ (۳۵۲۵)
۷ : ۱۷۲ (۳۶۵۷)
۷ : ۱۹۴ (۳۵۳۲)
۷ : ۱۹۵ (۳۵۷۰)
۷ : ۲۰۴ (۳۹۴۵)

الانفال (۸)

۸ : ۳۵ (۳۵۳۶)
۸ : ۳۶ (۳۶۴۱)
۸ : ۳۹ (۳۷۰۱)
۸ : ۶۳ (۳۷۲۴)
۸ : ۶۵ (۳۸۸۲)
۸ : ۶۶ (۳۸۸۳)

التوبة : (۹)

۹ : ۴ (۳۷۳۵)
۹ : ۳۶ (۳۸۸۱)
۹ : ۳۷ (۳۵۳۶)
۹ : ۴۸ (۳۸۹۵)
۹ : ۴۹ (۳۸۹۹)
۹ : ۵۴ (۳۶۴۱)
۹ : ۶۱ (۳۵۹۲)
۹ : ۶۷، ۷۱ (۳۸۹۴)
۹ : ۷۲ (۳۶۵۹)
۹ : ۹۸، ۹۹ (۳۶۴۱)
۹ : ۱۰۲ (۳۸۹۳)
۹ : ۱۰۸ (۳۸۹۷، ۳۹۴۷)
۹ : ۱۱۹ (۳۷۴۵)

یونس (۱۰)

۱۰ : ۵ (۳۸۶۸، ۳۸۷۲)
۱۰ : ۱۲ (۳۶۷۱)
۱۰ : ۱۶ (۳۵۳۷، ۳۶۶۸)
۱۰ : ۳۱ (۳۵۳۲، ۳۶۳۸)

ھود (۱۱)

۱۱ : ۹، ۱۰ (۳۶۷۱)
۱۱ : ۱۳ (۳۵۴۱، ۳۸۲۱)
۱۱ : ۷۳ (۳۵۸۷)
۱۱ : ۷۸ (۳۵۸۲)
۱۱ : ۸۰ (۳۵۸۳)
۱۱ : ۸۱-۸۳ (۳۵۸۴)
۱۱ : ۸۵ (۳۷۴۱)
۱۱ : ۱۱۳ (۳۷۰۵)

یوسف (۱۲)

۱۲ : ۴ (۳۸۸۰)
۱۲ : ۲۲ (۳۹۱۲)
۱۲ : ۳۱ (۳۹۵۱)
۱۲ : ۶۷ (۳۶۲۵)
۱۲ : ۱۰۰ (۳۹۰۱)
۱۲ : ۱۰۲ (۳۵۳۸)

الرّعد (۱۳)

۱۳ : ۸ (۳۹۶۷)
۱۳ : ۱۱ (۳۶۳۹)
۱۳ : ۱۷ (۳۸۹۲)
۱۳ : ۲۶ (۳۸۷۲)
۱۳ : ۲۸ (۳۶۶۱)
۱۳ : ۳۳ (۳۶۳۹)
۱۳ : ۳۸ (۳۵۳۷)
۱۳ : ۴۱ (۳۸۶۶)

ابراهیم (۱۴)

۱۴ : ۷ (۳۶۸۹)
۱۴ : ۳۲-۳۴ (۳۶۷۸)
۱۴ : ۴۰، ۴۱ (۳۷۸۹)

الحجر (۱۵)

۱۵ : ۶۵، ۶۶ (۳۵۸۴)

النحل (۱۶)

۱۶ : ۹ (۳۸۹۸)
۱۶ : ۷۰ (۳۹۸۵)
۱۶ : ۷۱ (۳۸۶۰)
۱۶ : ۷۵، ۷۶ (۳۵۳۴)
۱۶ : ۷۸ (۳۹۶۴)
۱۶ : ۸۰ (۳۹۰۰)
۱۶ : ۹۷ (۳۸۹۱)
۱۶ : ۱۰۲ (۳۸۹۷)
۱۶ : ۱۲۵ (۳۹۲۱)
۱۶ : ۱۲۷ (۳۷۱۴)

بنی اسراءیل (۱۷)

۱۷ : ۱۱ (۳۶۷۱)
۱۷ : ۱۲ (۳۸۶۸)
۱۷ : ۱۵ (۳۵۶۳)
۱۷ : ۱۶ (۳۷۰۲)
۱۷ : ۲۰ (۳۵۲۴)
۱۷ : ۲۱ (۳۸۵۶)

۱۷ : ۲۳ (۳۶۴۳،۳۶۹۹)
۱۷ : ۲۶ (۳۶۴۲)
۱۷ : ۲۸ (۳۶۴۳)
۱۷ : ۳۲ (۳۵۶۶)
۱۷ : ۳۴ (۳۹۱۰)
۱۷ : ۳۵ (۳۷۴۱)
۱۷ : ۳۶ (۳۷۰۹)
۱۷:۳۷ (۳۶۱۲،۳۷۳۰)
۱۷ : ۵۱_۴۹ (۳۵۴۵)
۱۷: ۷۰ (۳۷۱۵،۳۶۶۰)
۱۷ : ۷۵،۷۴ (۳۵۳۸)
۱۷ : ۷۹ (۳۷۵۵)
۱۷ : ۸۸ (۳۵۴۲،۳۸۲۲)
۱۷ : ۹۹،۹۸ (۳۵۴۵)

الکہف (۱۸)

۱۸ : ۲۲ (۳۸۷۵)
۱۸ : ۲۵ (۳۸۸۳)
۱۸ : ۲۸ (۳۶۳۱)
۱۸ : ۳۹ (۳۸۸۹)
۱۸ : ۶۱ (۳۶۳۳)
۱۸ : ۷۰_۶۵ (۳۶۵۰)
۱۸ : ۸۲ (۳۹۱۲)
۱۸ : ۸۶ (۳۸۹۶)
۱۸ : ۱۰۵_۱۰۳ (۳۶۹۵)

مریم (۱۹)

۱۹ : ۶۷ (۳۸۷۹)
۱۹ : ۸۴ (۳۸۶۷)
۱۹ : ۹۳_۸۸ (۳۵۵۶)
۱۹ : ۹۴ (۳۸۶۷،۳۸۷۵)

طٰہٰ (۲۰)

۲۰ : ۴۴ (۳۷۵۳)
۲۰ : ۵۰ (۳۶۶۱)
۲۰ : ۵۴،۵۳ (۳۹۶۵)
۲۰ : ۶۹ (۳۵۲۶)
۲۰ : ۱۰۹ (۳۷۶۹)

الانبیاء (۲۱)

۲۱ : ۱۸ (۳۸۹۲)
۲۱ : ۲۲ (۳۵۲۲)
۲۱ : ۲۸ (۳۷۶۹)
۲۱ : ۴۲ (۳۶۳۹)
۲۱ : ۴۷ (۳۸۷۰)
۲۱ : ۸۰_۷۸ (۳۶۱۸)
۲۱ : ۹۹،۹۸ (۳۵۲۲)

الحج (۲۲)

۲۲ : ۵ (۳۹۱۳،۳۹۶۴،۳۹۷۵)
۲۲ : ۱۷ (۳۶۱۵)
۲۲ : ۴۰ (۳۷۰۲)
۲۲ : ۴۷ (۳۸۶۹)

المؤمنون (۲۳)

۲۳ : ۱۴_۱۲ (۳۹۷۳)
۲۳ : ۳۷ (۳۵۴۴)
۲۳ : ۷۴ (۳۸۹۸)
۲۳ : ۹۱ (۳۵۲۲)
۲۳ : ۹۲ (۳۵۵۷)
۲۳ : ۱۱۵ (۳۶۷۳)

النور (۲۴)

۲۴ : ۳ (۳۷۸۴)
۲۴ : ۴ (۳۸۸۲)
۲۴ : ۱۹ (۳۷۲۰)
۲۴ : ۲۲ (۳۷۱۰)
۲۴ : ۲۳ (۳۷۴۳)
۲۴ : ۲۷ (۳۷۰۷)
۲۴ : ۲۸ (۳۷۰۸)
۲۴ : ۳۰ (۳۵۶۶)
۲۴ : ۳۱ (۳۹۳۰)
۲۴ : ۳۲ (۳۷۳۳،۳۷۷۸)
۲۴ : ۳۳_۳۰ (۳۷۲۱)
۲۴ : ۳۵ (۳۹۰۱)
۲۴ : ۴۴،۴۳ (۳۹۶۶)
۲۴ : ۴۵ (۳۸۷۹)
۲۴ : ۶۰ (۳۹۳۱)

الفرقان (۲۵)

۲۵ : ۲۰ (۳۷۰۴)
۲۵ : ۶۷ (۳۷۱۰)
۲۵ : ۶۹،۶۸ (۳۸۸۷)
۲۵ : ۷۴ (۳۷۸۹)

الشعراء (۲۶)

۲۶ : ۹۸_۹۶ (۳۸۸۸)
۲۶ : ۱۵۵ (۳۸۹۷)
۲۶ : ۱۸۳_۱۸۱ (۳۷۴۲)
۲۶ : ۱۹۶ (۳۵۲۵)

النمل (۲۷)

۲۷ : ۴۸ (۳۸۸۰)
۲۷ : ۶۴_۵۹ (۳۵۲۸)

القصص (۲۸)

۲۸ : ۴ (۳۸۹۵)
۲۸ : ۲۵ (۳۹۲۹)
۲۸ : ۲۷ (۳۸۸۰)
۲۸ : ۲۹ (۳۵۸۷)
۲۸ : ۴۶_۴۳ (۳۵۳۹)
۲۸ : ۴۹ (۳۵۴۱،۳۸۲۱)
۲۸ : ۵۴ (۳۷۰۴)
۲۸ : ۷۲،۷۱ (۳۶۳۹)

العنکبوت (۲۹)

۲۹ : ۱۴ (۳۸۸۲،۳۸۸۳)
۲۹ : ۲۶ (۳۵۸۰)
۲۹ : ۳۰،۲۹ (۳۵۸۲)
۲۹ : ۶۹ (۳۶۹۳)

الرّوم (۳۰)

۳۰ : ۴_۲ (۳۸۲۳)
۳۰ : ۲۱،۲۰ (۳۹۶۷)
۳۰ : ۲۳،۲۲ (۳۹۶۸)
۳۰ : ۲۵،۲۴ (۳۹۶۶)
۳۰ : ۲۸ (۳۵۳۴،۳۸۶۰،۳۸۸۹)
۳۰ : ۳۰ (۳۶۵۵)
۳۰ : ۳۹ (۳۸۸۵)
۳۰ : ۴۱ (۳۶۹۶)
۳۰ : ۵۴ (۳۶۶۳)

لقمٰن (۳۱)

۳۱ : ۶ (۳۹۳۴)
۳۱ : ۱۴،۱۳ (۳۷۰۰)
۳۱ : ۱۹_۱۵ (۳۶۱۰)

الٓمّ السجدة (۳۲)

۳۲ : ۵ (۳۸۶۹،۳۹۱۷)
۳۲ : ۸،۷ (۳۹۶۹)
۳۲ : ۱۷،۱۶ (۳۶۶۵)

الاحزاب (۳۳)
(۳۸۶۹) ۳۳:۵
(۳۸۹۴) ۳۳ :۲۱
(۳۸۱۸) ۳۳:۲۰
(۳۵۲۳، ۳۹۳۱) ۳۳:۳۲
(۳۵۸۷، ۳۵۸۹) ۳۳:۳۳
(۳۵۲۴) ۳۳ : ۷۰
(۳۶۵۸) ۳۳ : ۷۲

سبا (۳۴)
(۳۷۶۹) ۳۴:۲۳
(۳۵۶۴) ۳۴: ۲۴
(۳۷۲۹) ۳۴ : ۴۷

فاطر (۳۵)
(۳۵۳۳) ۳۵:۱۳
(۳۶۷۵) ۳۵:۱۵
(۳۸۸۹) ۳۵:۲۲_۱۹

یٰس (۳۶)
(۳۶۲۸) ۳۶ : ۱۹
(۳۷۱۷، ۳۸۷۳، ۳۸۹۹) ۳۶:۴۰_۳۸
(۳۹۸۵) ۳۶ : ۶۸
(۳۵۴۶) ۳۶ : ۷۹، ۷۸

الصافات (۳۷)
(۳۸۸۴) ۳۷: ۱۴۷
(۳۵۳۵) ۳۷: ۱۵۵_۱۴۹

صٓ (۳۸)
(۳۸۸۱، ۳۸۸۲) ۳۸ : ۲۳
(۳۸۴۳) ۳۸ : ۲۹

الزمر (۳۹)
(۳۵۳۱) ۳۹ : ۳
(۳۸۷۹، ۳۹۷۲) ۳۹: ۶
(۳۷۰۴) ۳۹: ۱۰
(۳۷۷۲) ۳۹: ۴۴، ۴۳
(۳۶۹۳) ۳۹ : ۶۱
(۳۵۲۳) ۳۹ : ۶۵

المؤمن (۴۰)
(۳۶۷۹) ۴۰ : ۵۱
(۳۵۴۶، ۳۸۸۹) ۴۰: ۵۷
(۳۹۱۳) ۴۰ : ۶۷

حٰم السجدۃ (۴۱)
(۳۷۰۹) ۴۱ : ۲۰
(۳۷۰۳، ۳۷۳۳) ۴۱ : ۳۵، ۳۴
(۳۶۷۹) ۴۱ : ۳۷
(۳۸۷۴) ۴۱ : ۴۷
(۳۹۶۸) ۴۱ : ۵۳

الشوریٰ (۴۲)
(۳۵۸۶) ۴۲ : ۲۳
(۳۹۶۷) ۴۲ : ۳۲
(۳۹۲۸) ۴۲ : ۴۰
(۳۷۱۲) ۴۲:۴۳_۳۷

الزخرف (۴۳)
(۳۵۷۵) ۴۳ : ۴
(۳۶۴۰، ۳۶۸۲) ۴۳:۵
(۳۵۳۵) ۴۳ : ۱۹_۱۷
(۳۸۸۶) ۴۳ : ۳۲، ۳۱
(۳۷۶۹) ۴۳ : ۸۶

الدخان (۴۴)
(۳۷۷۷) ۴۴ : ۵۷، ۵۶

الجاثیۃ (۴۵)
(۳۹۶۸) ۴۵ : ۴
(۳۶۶۲، ۳۶۷۸) ۴۵:۱۳

الاحقاف (۴۶)
(۳۹۸۳) ۴۶ : ۱۵
(۳۷۶۳) ۴۶ : ۱۹
(۳۸۵۶) ۴۶ : ۲۰
(۳۵۴۴) ۴۶ : ۳۳

محمد (۴۷)
(۳۶۷۹) ۴۷ : ۱۱
(۳۶۸۰) ۴۷ : ۳۵

الحجرات (۴۹)
(۳۷۴۴) ۴۹ : ۶
(۳۷۰۱) ۴۹ : ۹
(۳۷۵۱، ۳۷۲۵) ۴۹ : ۱۱، ۱۰

قٓ (۵۰)
(۳۵۳۰) ۵۰ : ۱۱_۶
(۳۷۴۴) ۵۰ : ۱۸
(۳۸۸۰) ۵۰ : ۳۸

الذاریٰت (۵۱)
(۳۶۷۴) ۵۱ : ۵۶

الطور (۵۲)
(۳۸۸۶) ۵۲ : ۲۲، ۲۱
(۳۵۳۵) ۵۲ : ۳۹

النجم (۵۳)
(۳۸۹۱) ۵۳ : ۲
(۳۸۸۶) ۵۳:۲۲، ۲۱
(۳۵۳۲) ۵۳ : ۲۳
(۳۷۷۴) ۵۳ : ۲۶
(۳۵۶۴) ۵۳ : ۴۰_۳۸

الرحمٰن (۵۵)
(۳۶۹۸) ۵۵ : ۳_۱
(۳۸۷۳) ۵۵ : ۵
(۳۹۱۸) ۵۵ : ۹، ۸
(۳۸۹۶) ۵۵ : ۱۷

الواقعۃ (۵۶)
(۳۶۷۴) ۵۶ : ۵۰_۴۷
(۳۹۷۰) ۵۶ : ۵۹_۵۷
(۳۵۷۵، ۳۵۷۷) ۵۶:۷۸_۷۷

الحدید (۵۷)
(۳۶۲۱، ۳۸۷۱) ۵۷ : ۲۵
(۳۶۰۵) ۵۷ : ۲۷

المجادلۃ (۵۸)
(۳۸۸۲) ۵۸ : ۴
(۳۷۳۵) ۵۸ : ۹
(۳۷۳۷) ۵۸ : ۱۱
(۳۸۵۵) ۵۸ : ۱۷
(۳۸۹۲) ۵۸ : ۲۱

الحشر (۵۹)
(۳۷۴۹) ۵۹ : ۷
(۳۶۷۵، ۳۷۰۵، ۳۷۳۵) ۵۹ :۹
(۳۶۶۴، ۳۶۸۲) ۵۹:۱۹

الممتحنۃ (۶۰)
(۳۷۱۸) ۶۰ : ۴
(۳۷۸۳) ۶۰ : ۱۰

الصف (۶۱)
(۳۷۴۶) ۶۱ : ۳، ۲

الجمعۃ (۶۲)
(۳۷۳۱) ۶۲ : ۳، ۲
(۳۵۴۹) ۶۲ : ۷، ۶

المنافقون (۶۳)
(۳۸۹۹) ۶۳ : ۵
(۳۸۵۵) ۶۳ : ۹
(۳۸۷۳) ۶۳ : ۱۱

الطلاق (۶۵)
(۳۸۶۸) ۶۵ : ۱
(۳۶۹۳) ۶۵ : ۴_۲
(۳۷۴۰) ۶۵ : ۷، ۶

اَلتَّحریم (٦٦)
(٣٨٢٥'٣٨١٥) ٦ : ٦٦

اَلمُلک (٦٧)
(٣٨٨٠) ٣ : ٦٧
(٣٧٣٦) ١٢ : ٦٧
(٣٩٦٧) ١٩ : ٦٧
(٣٦١٨) ٢٢ : ٦٧

اَلقلم (٦٨)
(٣٨٥٥) ٢١'٢٢ : ٦٨
(٣٦٢٥) ٥١ : ٦٨

اَلحاقّة (٦٩)
(٣٨٨١) ٦'٧ : ٦٩
(٣٨٨٢) ٣٠_٣٣ : ٦٩
(٣٥٢٣) ٤٤_٤٦ : ٦٩

اَلمعارج (٧٠)
(٣٩١٧'٣٨٧٤'٣٨٦٩) ٤ : ٧٠
(٣٦٧٢) ١٩_٢١ : ٧٠
(٣٦٤٢) ٢٤'٢٥ : ٧٠
(٣٨٩٦) ٤٠ : ٧٠

الجنّ (٧٢)
(٣٨٦٨) ٢٤ : ٧٢
(٣٨٦٨) ٢٨ : ٧٢

اَلمُزّمّل (٧٣)
(٣٨٩٦) ٩ : ٧٣

اَلمُدّثّر (٧٤)
(٣٨٨١) ٢٩'٣٠ : ٧٤
(٣٧٧٣) ٣٨ : ٧٤

اَلقیامة (٧٥)
(٣٥٢٦) ٤ : ٧٥

اَلدّھر : (٧٦)
(٣٩٧١'٣٦٩٨) ٢ : ٧٦
(٣٧١٣'٣٦٨٥) ٨'٩ : ٧٦
(٣٩٦٤) ٢٨ : ٧٦

اَلمُرسَلات (٧٧)
(٣٩٧١) ٢٠ : ٧٧
(٣٩١٧) ٢١_٢٣ : ٧٧

اَلنّازعات (٧٩)
(٣٧٣٦'٣٧٠٥'٣٦٦٣) ٤٠'٤١ : ٧٩

الانفطار (٨٢)
(٣٦٨١) ٦_٨ : ٨٢
(٣٦٤٠) ٩'١٠ : ٨٢

اَلمُطفّفین (٨٣)
(٣٧٤٢) ١_٣ : ٨٣
(٣٥٢٣) ١٥ : ٨٣

اَلبُروج (٨٥)
(٣٥٧٦) ٢١'٢٢ : ٨٥

اَلفجر (٨٩)
(٣٦٦٤) ٢٧_٣٠ : ٨٩

البلد (٩٠)
(٣٦٩٠) ٣_٢٠ : ٩٠

الشمس (٩١)
(٣٦٨٣'٣٦٦٠) ٨_١٠ : ٩١

الانشراح (٩٤)
(٣٩٨٦) ١ : ٩٤

التین (٩٥)
(٣٦٥٣) ١_٣ : ٩٥

العَلَق (٩٦)
(٣٦٧٢) ٦'٧ : ٩٦

القدر (٩٧)
(٣٨٨٣) ٣ : ٩٧

العادیٰت (١٠٠)
(٣٦٨١) ٦_٨ : ١٠٠

التکاثر (١٠٢)
(٣٨٧٢) ٨ : ١٠٢

العصر (١٠٣)
(٣٦٨٨) ١_٣ : ١٠٣

الاخلاص (١١٢)
(٣٥٥٨) ١_٤ : ١١٢

اشاریہ احادیثِ مبارکہ

(١) جُفَّ الْقَلَمُ بِمَا اَنْتَ لَاقٍ (٣٥٧٨) (٢) اَفِرُّ مِنْ قَضَاءِ اللہِ اِلٰی قَدَرِ اللہِ (سیّدنا عمر فاروق)
(٣) یَغْفِرُ اللہُ لِلُوْطٍ اَنْ کَانَ لَیَاْوِی (٣٥٨٣) (٤) مَنْ وَجَدْتُمُوْہُ یَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ فَاقْتُلُوْا (٣٥٨٤)
(٥) اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَاءِ اَھْلُ بَیْتِیْ (٣٥٨٧) (٦) ھٰذَانِ اِبْنَایَ وَ اِبْنَا بِنْتِیْ (٣٥٨٨)
(٧) اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّھُمَا فَاَحِبَّھُمَا (٣٥٨٨) (٨) لَایُحِبُّ عَلِیًّا مُنَافِقٌ" وَلَا یُبْغِضُہٗ مُؤْمِنٌ" (٣٥٩١)
(٩) یَا بُنَیَّۃُ اَلَا تَرْضِیْنَ اَنَّکِ سَیِّدَۃٌ (٣٥٩١) (١٠) فَاطِمَۃُ بَضْعَۃٌ" مِّنِّیْ فَمَنْ اَغْضَبَھَا اَغْضَبَنِیْ (٣٥٩٢)

۴۰۰۰

(۱۱) اَلْحَسنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَاب (۳۵۹۵) (۱۲) اَلْحَسنُ وَالْحُسَيْنُ هُمَا رَيْحَانَایَ (۳۵۹۵)
(۱۳) اَنَاحَرْب" لِّمَنْ حَارَبَهُمْ وَسَلِم" (۳۵۹۵) (۱۴) اَحِبُّوا اللّٰهَ لِمَا يَغْذُوْكُمْ مِنْ نِعْمَةٍ (۳۵۹۶)
(۱۵) حُسَيْن" مِّنِّیْ وَاَنَا مِنَ الْحُسَيْن (۳۵۹۶) (۱۶) اَلَااِنَّ مَثَلَ اَهْلِ بَيْتِیْ فِيْكُمْ كَمَثَلِ (۳۵۹۷
(۱۷) مَنْ اٰذٰی عَمِّیْ فَقَدْ اٰذَانِیْ فَاِنَّمَا عَمٌّ (۳۵۹۷) (۱۸) اِنِّیْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَّا اِنْ اَخَذْتُمْ (۳۵۹۷)
(۱۹) آيَةُ الْاِيْمَانِ حُبُّ الْاَنْصَارِ لَايُحِبُّهُمْ (۳۵۹۸) (۲۰) اَصْحَابِیْ كَالنُّجُوْمِ بِاَيِّهِمْ اقْتَدَيْتُمْ (۳۵۹۸
(۲۱) يَا عَائِشَةُ اَهٰذَا جِبْرِيْلُ يُقْرِئُكِ السَّلَام (۳۵۹۸) (۲۲) هُوَفِرَاشُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَاَنْتَ (۳۶۰۰)
(۲۳) لَاتَحْتَقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا وَلَوْاَنْ (۳۶۱۱) (۲۴) اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ (۳۶۱۱)
(۲۵) اِنَّ الْعَبْدَ لَيَبْلُغُ بِحُسْنِ خُلُقِهٖ دَرَجٰتِ (۳۶۱۱) (۲۶) طُوْبٰی لِلْاَتْقِيَاءِ الْاَثْرِيَاءِ الَّذِيْنَ اِذَا (۳۶۱۲)
(۲۷) لَايَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِیْ قَلْبِهٖ -- (۳۶۱۲) (۲۸) مَنْ كَانَ فِیْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ (۳۶۱۳)
(۲۹) مَنْ جَرَّثَوْبَهٗ خُيَلَاءَ لَايَنْظُرُاللّٰهُ اِلَيْهِ (۳۶۱۳) (۳۰) اِذَا سَمِعْتُمْ صِيَاحَ الدِّيْكِ فَاسْئَلُوْا (۳۶۱۳
(۳۱) اَمَّااَنَافَقَدْشَفَانِیَ اللّٰهُ وَاَكْرَهُ اَنْ اُثِيْرَعَلٰی (۳۶۱۷) (۳۲) اِجْتَنِبُواالسَّبْعَ الْمُوْبِقَاتِ--- (۳۶۲۰)
(۳۳) اِنَّ الْعَيْنَ لَتُدْخِلُ الرَّجُلَ الْقَبْرَوَالْجَمَلَ (۳۶۲۶) (۳۴) اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ (۳۶۲۶
(۳۵) اَللّٰهُ مُعْطِیْ وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِم" (۳۶۳۱) (۳۶) مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهٗ -- (۳۶۳۵)
(۳۷) خَلَقَ اللّٰهُ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ (۳۶۵۵) (۳۸) كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلٰی فِطْرَةِ الْاِسْلَامِ (۳۶۵۶)
(۳۹) قَالَ اللّٰهُ اَعْدَدْتُّ لِعِبَادِیَ الصَّالِحِيْنَ (۳۶۶۵) (۴۰) اِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَة" اِذَا صَلُحَتْ (۳۶۶۸
(۴۱) تَرَی الْمُؤْمِنِيْنَ فِیْ تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّ (۳۶۸۶) (۴۲) اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ وَ -- (۳۶۸۷)
(۴۳) مَنْ رَاٰی مِنْكُمْ مُّنْكَرًافَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ (۳۶۸۹) (۴۴) مَنِ اطَّلَعَ فِیْ بَيْتِ قَوْمٍ مِنْ غَيْرِ (۳۷۰۸)
(۴۵) مَنْ كَظَمَ غَضَبًا وَهُوَيَقْدِرُ عَلٰی اَنْفَاذِهٖ (۳۷۱۱) (۴۶) اِمْرَءَة" اَصَابَتْ وَرَجُل" اَخْطَاَ (۳۷۱۴)
(۴۷) اَلْحَيَاءُ مِنَ الْاِيْمَانِ وَالْاِيْمَانُ قُرَنَاءُ جَمِيْعًا (۳۷۲۲) (۴۸) اِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَاشِئْتَ (۳۷۲۲)
(۴۹) اَلْاِيْمَانُ بِضْع" وَّسَبْعُوْنَ شُعْبَةً فَاَفْضَلُهَا (۳۷۲۲) (۵۰) اَللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ يُّسْتَحْيٰ مِنْهُ مِنَ النَّاسِ (۳۷۲۲)
(۵۱) كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَشَدُّ حَيَاءً مِّنَ الْعَذْرَاءِ (۳۷۲۲) (۵۲) مَنْ اَشَارَ اِلٰی اَخِيْهِ بِحَدِيْدَةٍ فَاِنَّ (۳۷۲۵)
(۵۳) مَنْ قَتَلَ مُعَاهِدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ (۳۷۲۵) (۵۴) اِتَّقِ اللّٰهَ حَيْثُمَا كُنْتَ وَاَتْبِعِ (۳۷۳۷)
(۵۵) رَحِمَ اللّٰهُ مَنْ عَمِلَ عَمَلًا فَاَتْقَنَهٗ (۳۷۴۳) (۵۶) اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ (۳۷۴۴)
(۵۷) مَاعَابَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ طَعَامًا قَطُّ اِن (۳۷۴۸) (۵۸) اِذَا كُنْتُمْ ثَلَاثَةً فَلَايَتَنَاجٰی اِثْنَان (۳۷۵۰)
(۵۹) اٰيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاث": اِذَاحَدَّثَ كَذَبَ (۳۷۵۲) (۶۰) مَنْ يَّضْمَنُ لِیْ مَابَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا (۳۷۵۲)
(۶۱) كَانَ كَلَامُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ كَلَامًافَصْلًا (۳۷۵۳) (۶۲) كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ (۳۷۵۳
(۶۳) اِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَاجَ النَّاسُ بَعْضُهُمْ (۳۷۶۰) (۶۴) لَيَدْخُلَنَّ الْجَنَّةَ مِنْ اُمَّتِیْ سَبْعُوْنَ (۳۷۶۲)
(۶۵) اَنَا سَيِّدُوُلْدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَافَخْرَوَبِيَدِیْ (۳۷۶۵) (۶۶) اَنَا اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْاَرْضُ (۳۷۶۷)
(۶۷) يُبْعَثُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَكُوْنُ اَنَاوَاُمَّتِیْ (۳۷۶۷) (۶۸) لِلْاَنْبِيَاءِ مَنَابِرُ مِنْ ذَهَبٍ فَيَجْلِسُوْنَ (۳۷۶۷
(۶۹) فَخَيَّرَنِیْ رَبِّیْ بَيْنَ اَنْ يَّدْخُلَ نِصْفُ اُمَّتِیْ (۳۷۷۰) (۷۰) اِنَّا سَنُرْضِيْكَ فِیْ اُمَّتِكَ وَلَا (۳۷۷۰)
(۷۱) مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ (۳۷۷۰) (۷۲) شَفَاعَتِیْ لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ (۳۷۷۱)
(۷۳) اِذَامَاتَ الْاِنْسَانُ اِنْقَطَعَ عَمَلُهٗ اِلَّامِنْ (۳۷۷۵) (۷۴) اِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْامِثْلَ مَا (۳۷۷۶)
(۷۵) اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ (۳۷۷۹) (۷۶) اَعْظَمُ النِّسَاءِ بَرَكَةً اَيْسَرُهُنَّ (۳۸۰۴)

(۷۷) خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ وَاَنَا خَيْرُكُمْ لِاَهْلِىْ(۳۸۰۴)(۷۸)لَا يَفْرَكْ مُؤْمِن" مُؤْمِنَةً اِنْ كَرِهَ(۳۸۰۵)
(۷۹)خِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَاءِ هِمْ (۳۸۰۵) (۸۰) اَنْ تُطْعِمَهَا اِذَا طَعِمْتَ وَ (۳۸۰۵)
(۸۱) اِسْتَوْصُوْابِالنِّسَاءِ فَاِنَّ الْمَرْءَةَ خُلِقَتْ مِنْ(۳۸۰۶) (۸۲) اِذَادَعَاالرَّجُلُ زَوْجَتَهٗ لِحَاجَتِهٖ(۳۸۱۲
(۸۳)لَوْكُنْتُ آمِرًا اَحَدًا اَنْ تَسْجُدَ لِاَحَدٍ (۳۸۱۲) (۸۴) اَيُّمَاامْرَءَةٍ مَاتَتْ وَزَوْجُهَا (۳۸۱۲)
(۸۵) اِذَادَعَاالرَّجُلُ اِمْرَاَتَهٗ اِلٰى فِرَاشِهٖ فَلَمْ تَاْتِهٖ (۳۸۱۲) (۸۶) لَايَحِلُّ لِاِمْرَاَةٍ اَنْ تَصُوْمَ وَ (۳۸۱۲)
(۸۷)اَيُّهَاالنَّاسُ اِنَّ لَكُمْ عَلٰى نِسَاءِ كُمْ حَقًّا وَ (۳۸۱۲) (۸۸) خَيْرُ النِّسَاءِ الَّتِىْ اِذَانَظَرْتَ(۳۸۱۴)
(۸۹)مَا مِنْ عَبْدٍ يَّمُوْتُ لَهٗ عِنْدَاللّٰهِ خَيْر"يَسُرُّهٗ (۳۸۱۸) (۹۰) يَاوَابِصَةُ اِسْتَفْتِ قَلْبَكَ اَلْبِرُّ(۳۸۳۱)
(۹۱) قُوْلُوْالَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا (۳۸۵۴) (۹۲) اَلدُّنْيَا مَزْرَعَةُ الْاٰخِرَةِ (۳۸۵۶)
(۹۳)اَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْل" عَنْ رَعِيَّتِهٖ(۳۸۵۷) (۹۴) اَلْعِلْمُ عِلْمَانِ:عِلْمُ الْاَدْيَانِ وَ(۳۹۴۷)
(۹۵) لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ" (۳۹۴۷) (۹۶) اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَانِ (۳۹۴۷)
(۹۷)اِيَّاكُمْ وَالْمُثْلَةَ وَلَوْبِالْكَلْبِ الْعَقُوْرِ (۳۹۵۰) (۹۸) اِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ فَاِنَّ الْحَسَدَ(۳۹۵۳
(۹۹) هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ (۳۹۵۳) (۱۰۰) اِنَّ فِى الصَّلٰوةِ شِفَاء" (۳۹۵۴
(۱۰۱)اَذِيْبُوْا طَعَامَكُمْ بِذِكْرِاللّٰهِ وَالصَّلٰوةِ (۳۹۵۵) (۱۰۲)اَلْكَافِرُ يَاْكُلُ فِىْ سَبْعَةٍ (۳۹۵۶)
(۱۰۳) كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْر" وَكُلُّ خَمْرٍ حَرَام (۳۹۶۱) (۱۰۴) مَا اَسْكَرَ كَثِيْرُهٗ"فَقَلِيْلُهٗ"(۳۹۶۱)
(۱۰۵) اِنَّ اَحَدَكُمْ يُجْمَعُ خَلْقُهٗ فِىْ بَطْنِ اُمِّهٖ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا نُطْفَةً ثُمَّ يَكُوْنُ عَلَقَةً مِّثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ يَكُوْنُ مُضْغَةً مِّثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ يَبْعَثُ اللّٰهُ مَلَكًا وَيُؤْمَرُ بِاَرْبَعِ كَلِمَاتٍ وَيُقَالُ لَهٗ: اُكْتُبْ عَمَلَهٗ وَرِزْقَهٗ وَاَجَلَهٗ وَشَقِىّ" اَوْسَعِيْد" ثُمَّ يُنْفَخُ فِيْهِ الرُّوْحُ (۳۹۷۷) (۱۰۶) مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِىّ" (۳۵۹۱)
(۱۰۷) اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ (۳۵۹۱)

اشاریہ عمومی

آسمان کے ذکر کو تقدم کیوں حاصل؟ (۳۶۶۲)
آیتِ تطہیر (۳۵۸۷)
احترامِ آدمیت (۳۷۲۵)
ارتھمیٹک پراگریشن (۳۸۸۵)
استفادہ اور افادہ (۳۶۶۷)
اسقاطِ حمل (۳۹۴۹)
السلام علیکم کا اثر (۳۷۵۰)
امانت اور انسان (۳۶۵۸)
امراضِ قلب کی روک تھام (۳۹۵۲)
''انسان'' کی لغوی توضیح (۳۶۹۸)
انجیر (۳۶۵۳)
اقتصادی انصاف بمقابل اقتصادی مساوات (۳۸۵۹)
اوقاتِ نماز اور معدہ کے خالی یا پُر ہونے کے مابین مطابقت (۳۹۵۵)
بات کا بدلنا (Shifting)(۳۵۲۷)
بدشگونی (۳۵۲۸)
بولین الجبرا (۳۸۸۹)
پیغمبر اور صوفی (۳۶۹۶)
تثلیث عقیدہ (تردید)(۳۵۵۱)
تربیتِ ذہن (۳۶۶۹)
تربیت اور حسنِ تربیت (۳۶۶۵)
تشریح الاعضاء (اناٹومی)۳۹۶۲
جراحی (سرجری)(۳۹۸۵)
جلدی امراض (۳۹۸۱)
جلیانوالہ باغ (۳۷۲۳)
جہانِ اکبر، جہانِ اصغر (۳۹۶۵)
جیومیٹرک پراگریشن (۳۸۸۴)
حجاج اور یحییٰ بن یعمر (۳۵۹۴)
حلالہ (۳۸۰۷)
حمرۃ الدم ٹیسٹ (۳۹۸۳)
حیا اور مغربی تہذیب (۳۷۲۲)
خودنگری (۳۶۸۶)

اعجاز القرآن کے مختلف پہلو (۳۸۲۲)
اعدادِ ترتیبی (۳۸۸۱)
اعداد کا اعشاری نظام (۳۸۷۶)
رہبانیت اور اسلام (۳۷۹۴)
زکوٰۃ کے فائدے (۳۷۲۷)
ساریہ بن جبل رضی اللہ عنہ (۳۶۳۲)
سائنسی تحقیقات اور قرآنی حقائق (۳۸۳۴)
سماجی خدمات اور قرآن (۳۷۲۸)
سینگی لگانا (۳۹۷۷)
شیکسپیر (۳۶۷۴)
تعویذات، کڑے (۳۶۲۶)
تکرارِ حکایات (۳۵۶۹)
توحید (ابتدائی مذہب) (۳۶۷۷)
زاویہ (۳۸۹۶)
زیادۃ فی الکفر (۳۵۳۶)
سارہ رضی اللہ عنہا (۳۵۸۰)
سعد بن عبادہؓ (۳۷۰۸)
سیٹ اور اس کے ارکان (۳۸۹۳)
سوشنس (۳۵۵۷)
عددِ سالم (۳۸۸۴)
درجاتی اعداد (۳۸۸۱)
ڈائر (جنرل) (۳۷۲۳)
روح کے مختلف نام (۳۶۸۳)
زرتشت (۳۵۴۶)
زیتون (۳۶۵۳)
سپرینگر (۳۵۴۰)
سماجی انصاف (قانونی مساوات) (۳۸۶۲)
سنوک (۳۵۴۰)
شہید کی زندگی اور کرما (۳۸۱۹)
عددی سر (۳۸۸۷)
استخوانی (عظمیات کا) علم (Osteology) (۳۹۸۱)
علاج کا ثبوت قرآن حکیم سے (۳۹۸۷)
عمر فاروقؓ اور مہر (۳۷۱۴)
فرض بہ مقابل خواہش (۳۶۶۶)
قدرتی اعداد (۳۸۷۹)
قرآن اور کمپیوٹر مطالعہ (۳۸۲۳)
قوت نما (Exponent) (۳۸۸۷)
کفارہ (عقیدہ) (۳۵۶۲)
گروہ بندی کرنا (Permutations, Combinations) (۳۸۸۹)
مالِ وراثت کا جواز (۳۵۷۵)
مرغ کی اذان (۳۶۱۴)
معجزہ اور جادو (۳۶۲۲)
مقطعات سورتوں کا کمپیوٹرائی نظام (۳۸۲۷)
منصف کلام (۳۵۶۴)
میزان (۳۸۷۰)
نجران وفد (۳۵۹۹)
نفسِ لوّامہ (ضمیر) بطور کمپیوٹر (۳۸۳۱)
ہرمز (۳۵۴۶)
علت و معلول کا قانون (۳۵۶۱)
فاران (پہاڑ) (۳۵۲۵)
فصد کھولنا (۳۹۷۷)
قانونِ فضل (۳۷۱۳)
قرآنی اصطلاحات کے مابین عددی موافقت (۳۸۴۳)
قضا و قدر (۳۵۷۸)
قوّام (توضیح) (۳۷۹۵)
قوم پرستی (۳۶۳۰)
کسر (Fraction) (۳۸۷۷)
کہولیات (Gerontology) (۳۹۸۵)
کولیسٹرول (۳۹۷۹)
لوحِ محفوظ اور علام الغیوب (۳۵۷۶)
متناقضہ عقیدہ (۳۵۴۸)
مثلثات (ٹریکنومیٹری) (۳۹۰۶)
مرکب اعداد (۳۸۸۱)
مستشرقین اور قرآن (۳۸۵۱)
مقطعات حروف کا کمپیوٹرائی نظام (۳۸۲۶)
ملکوتیت کی صفت (۳۶۶۵)
منتشر اعداد (۳۸۸۱)
منطقۃ البروج کی پٹی (۳۷۱۷)
مہرِ نبوت (۳۶۳۶)
میڈیا کی آزادی کی حدود (۳۹۲۲)
نشوز (۳۷۹۷)
نظرِ بد (۳۶۲۵)
وضعِ حمل کی تکالیف (۳۹۸۳)
وینسک (۳۵۴۰)
یوشع بن نون (۳۶۳۳)

قرآنک انسائیکلوپیڈیا

اُردو ترجمہ

جلد ہشتم

مؤلف

پروفیسر اشفاق احمد خان